هدایۃ القاری
شرح صحیح البُخاری (اردو)
7

سعودی عرب

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون:4033962-4043432 1 00966 فیکس:4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا۔فون:4614483 1 00966 فیکس:4644945 • الملز فون:4735220 1 00966 فیکس:4735221

• سویدی فون:4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس:2860422 1 00966

جدّہ فون:6879254 2 00966 فیکس:6336270 مدینہ منورہ فون:8234446,8230038 4 00966 فیکس:8151121 04

الخُبر فون:8692900 3 00966 فیکس:8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس:2207055 7 00966

ینبع البحر فون:0500887341 فیکس:8691551 قصیم (بریدہ) فون:0503417156 فیکس:3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون:5925 625 718 001 • ہوسٹن:0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون:4186619 416 001

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لیمٹڈ فون:77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارکہ انٹرنیشنل:7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون:5632623 6 00971 فیکس:5632624 فرانس فون:52928 480 01 0033 فیکس:52997 480 01 0033

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون:45566249 44 0091 موبائل:12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون:4180 2373 22 0091

• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون:4892 2451 40 0091 موبائل:30850 98493 0091 • ایم/ایس ہراک انٹرپرائز فون:42157847 44 0091

سری لنکا • دارالکتاب فون:358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون:2669197 114 0094

پاکستان

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون:00 324 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس:72 540 373 042

www.darussalampk.com

اُردو بازار: غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون:54 200 371 42 0092 فیکس:03 207 373 042

ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان:2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون:10 926 356 42 0092

گلبرگ: دکان نمبر2، گراؤنڈ فلور، بگ سٹی پلازہ لبرٹی گول چکر گلبرگ III لاہور فون:50 738 357 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی فون:36 939 343 21 0092 فیکس:37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویز سنٹر فون:13 15 228 51 0092 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995-انکم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ۔ملتان فون:24 00 622 81 0092

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر:1، دکان نمبر:15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون:44 19 850 41 0092

هِدَايَةُ القَارِي شَرحِ صَحِيحِ البُخَارِي

كتاب التفسير — كتاب فضائل القرآن ❖ أحاديث: 4474 — 5062

7

تالیف

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ

194-256ھ

ترجمہ و شرح

شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ

فاضل مدینہ یونیورسٹی

نظر ثانی، تصحیح و تنقیح اور اضافات

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ — مولانا ابو عبداللہ محمد عبدالجبار حفظہ اللہ — حافظ محمد آصف اقبال حفظہ اللہ

مولانا محمد عثمان منیب حفظہ اللہ — مولانا غلام مرتضیٰ ساجد حفظہ اللہ — مولانا محمد مختار احمد ضیاء حفظہ اللہ

دار السلام
DARUSSALAM

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية اثناء النشر
البخاري، ابو عبدالله محمد اسماعيل
هداية القاري بشرح صحيح البخاري مجلد (٧) اردو /.
ابو عبدالله محمد اسماعيل البخاري: عبدالستار حماد . الرياض ١٤٣٧ هـ
ص:٨٠٨ مقاس:١٧×٢٤ سم
ردمك: ٥-٣٩٩-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
١- الحديث الصحيح ٢-الحديث - شرح أ-الحماد، عبدالستار (محقق) ب. العنوان
ديوي ٢٣٥,١ ١٤٣٧/١٠٢٩٧
رقم الإيداع:١٤٣٧/١٠٢٩٧
ردمك:٥-٣٩٩-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

فہرست مضامین (جلد ہفتم)

٦٥ كتاب التفسير	تفسیر کا بیان	53
(١) سُورَةُ الْفَاتِحَةِ	تفسیر سورۂ فاتحہ	59
١- بَابُ مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ	باب: سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا بیان	60
٢- بَابُ ﴿غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ﴾ [الفاتحة: ٧]	باب: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِيْنَ﴾ کی تفسیر	63
(٢) سُورَةُ الْبَقَرَةِ	2- تفسیر سورۂ بقرہ	64
١- بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلْأَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ [البقرة: ٣١]	باب: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''اور (اللہ نے حضرت) آدم (علیہ السلام) کو تمام چیزوں کے نام بتا دیے'' کا بیان	64
٢- بَابٌ:	باب: بلاعنوان	67
٣- بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا۟ كُنتُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [٢٢]	باب: ارشاد باری تعالیٰ: ''تم دانستہ طور پر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ'' کا بیان	68
٤- بَابٌ: ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ ٱلْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ ٱلْمَنَّ وَٱلسَّلْوَىٰ﴾ إِلَى ﴿يَظْلِمُونَ﴾ [٥٧]	باب: ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور سلویٰ اتارا...... ظلم کرتے تھے'' کا بیان	70
٥- بَابٌ: ﴿وَإِذْ قُلْنَا ٱدْخُلُوا۟ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةَ فَكُلُوا۟ مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ [٥٨] اَلْآيَةَ	باب: ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جب ہم نے کہا کہ تم اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو (بافراغت) کھاؤ'' کا بیان	71
٦- بَابٌ: ﴿مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ﴾ [٩٧]	باب: ارشاد باری تعالیٰ: ''جو شخص جبریل کا دشمن ہے'' کی تفسیر	72
٧- بَابُ قَوْلِهِ: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ ءَايَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ أَوْ مِثْلِهَآ﴾ [١٠٦]	باب: ارشاد باری تعالیٰ: ''جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے	

تفسیر کے معنی، مفہوم، شرائط، تفسیر و تاویل میں فرق اور کتاب التفسیر کا مجموعی اسلوب

لفظ تفسیر کا مادہ ف، س، ر ہے جو باب ضرب اور نصر دونوں میں مستعمل ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں: بے حجاب کرنا، ظاہر کرنا اور کھول کر بیان کرنا۔ کسی لفظ کی تشریح کو اس لیے تفسیر کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے سے لفظ کے مطلب اور مقصود کو بے نقاب کیا جاتا ہے۔ سواری کا پالان اتار کر اس کی پیٹھ کو ننگا کرنا بھی تفسیر کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ننگا کرنے میں بھی ظاہر کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ان لغوی معانی کے پیش نظر تفسیر محسوسات اور معقولات دونوں کے کشف و اظہار کے لیے مستعمل ہے، البتہ عقلی اور مادی اشیاء کے بیان کے لیے یہ لفظ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ تفسیر کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ ایک ایسا علم جس میں قرآنی آیات کے تلفظ، ان کے اسباب نزول، نیز مکی و مدنی، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفسر، حلال و حرام، وعد و وعید، امر و نہی اور عبر و امثال وغیرہ کی وضاحت کی جاتی ہو، اس علم کو تفسیر کہا جاتا ہے۔

متقدمین نے تفسیر کی شرائط ان الفاظ میں بیان کی ہیں کہ کلام اللہ کے ایسے معانی لیے جائیں جو حقیقت یا مشہور و معروف مجاز پر مبنی ہوں اور کلام اللہ کا سیاق و سباق بھی اس معنی کے مخالف نہ ہو، نیز قرون اولیٰ کے اسلاف سے وہ معنی ثابت ہوں۔ اگر کسی لفظ کی تشریح میں یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو یہ تفسیر ہوگی۔ اگر دو شرطیں پائی جائیں تو تاویل قریب اور اگر ایک شرط پائی جائے تو تاویل بعید ہوگی، بصورت دیگر اس تشریح کو تحریف کا نام دیا جائے گا۔ اگرچہ متقدمین کے نزدیک تفسیر اور تاویل میں کوئی فرق نہیں لیکن متاخرین نے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اس سلسلے میں مختلف آراء منقول ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- تفسیر بیان المراد باللفظ اور تاویل بیان المراد بالمعنی ہے، یعنی لفظ کی وضاحت کا نام تفسیر اور معنی کی وضاحت کا نام تاویل ہے۔
- تفسیر کا تعلق نقل و روایت سے ہے جبکہ تاویل کی بنیاد عقل و درایت ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر احادیث و آثار سے وضاحت کی جائے تو تفسیر کہلائے گی اور اگر اپنی سوجھ بوجھ سے معنی کا تعین اور وضاحت کی جائے تو وہ تاویل کہلائے گی۔

* تفسیر اس تشریح کو کہتے ہیں جس میں ایک معنی کا احتمال ہو اور تاویل میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے جن میں دلائل وقرائن کے ذریعے سے ایک معنی کو اختیار کیا جاتا ہے۔
* یقین کے ساتھ تشریح کرنے کو تفسیر اور تردد کے ساتھ وضاحت کرنے کو تاویل کہا جاتا ہے۔
* الفاظ کے مفہوم بیان کرنے کو تفسیر اور اس مفہوم سے برآمد شدہ نتائج کی توضیح کو تاویل کہتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک تفسیر اور تاویل دونوں مترادف (ہم معنیٰ) ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔ محدثین عظام نے جہاں قواعد جرح وتعدیل کے مطابق احادیث جمع کر کے ان سے مسائل واحکام کا استنباط کیا ہے وہاں انھوں نے کتاب اللہ کی تفسیر پر بھی توجہ دی ہے، لیکن انھوں نے اصطلاحی تفسیر سے ہٹ کر صرف انھی روایات کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے جو کسی حد تک قرآنی آیات سے مناسبت رکھتی ہوں کیونکہ مراد ربانی کا اظہار جزم ووثوق کے ساتھ اسی وقت ممکن ہے جب وہ مراد خود صاحب قرآن سے منقول ہو یا پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہو جو نزول قرآن کے چشم دید گواہ تھے اور انھوں نے مشکلات قرآن کے فہم وادراک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کیا ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ چونکہ امیر المحدثین فی الحدیث ہیں، اس لیے ان کی تفسیر متاخرین کی تفسیر کے مطابق نہیں ہے جس میں مغلقات ومشکلات کا حل ہو یا مسائل واحکام کا منظم طریقے سے استنباط واستخراج ہو بلکہ ان کے ہاں تفسیر کا عام مفہوم ہے اور اس مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے کتاب التفسیر میں احادیث وروایات کو جمع فرمایا۔ ہم اس کتاب التفسیر کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: (أ) تشریح مفردات قرآن۔ (ب) توضیح آیات قرآن۔

مفردات کی تشریح کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے علی بن ابوطلحہ کے صحیفے سے خوب استفادہ کیا ہے جو حضرت مجاہد کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ نسخہ حضرت لیث کے منشی ابوصالح کے پاس محفوظ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی مفردات کے معانی کو نقل فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں جو معلق روایات ہیں انھیں ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے موصولاً بیان کیا ہے، نیز عکرمہ، ابوالعالیہ، زید بن اسلم، ابومیسرہ اور حضرت حسن بصری کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مفردات کی تشریح کے متعلق بیشتر مواد ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ کی کتاب ''مجاز القرآن'' سے لیا ہے۔ ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ عربی لغت کے بہت ماہر تھے لیکن علم حدیث میں انھیں اتنی مہارت نہ تھی۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابوعبیدہ محدث نہیں تھے، میں نے ان کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ وہ زبان اور لوگوں کی تاریخ کے متعلق وسعت علمی رکھتے تھے۔[1] مفردات

---

[1] سير أعلام النبلاء: 445/9.

کی تشریح میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اسلوب حسب ذیل ہے:

- کسی خاص مناسبت کی بنا پر ایک سورت کے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے دوسری سورت کے الفاظ بھی ذکر کر دیتے ہیں، مثلاً: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ﴾[1] کی لغوی تشریح کرتے ہوئے نَفَقًا کے معنی بھی بیان کر دیے ہیں جو سورۃ الانعام آیت: 35 میں ہے۔ اسی طرح ﴿الْقَوَاعِدَ فِي الْبَيْتِ﴾[2] کی وضاحت کرتے ہوئے اَلْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ کی وضاحت بھی کر دی جو سورۃ النور آیت: 60 میں ہے۔
- مفردات کی تشریح کرتے ہوئے ایک مادے سے دوسرے مادے کی طرف بھی بعض اوقات منتقل ہو جاتے ہیں، مثلاً: ﴿إِلْحَافًا﴾[3] کی تشریح کرتے ہوئے ﴿فَيُحْفِكُمْ﴾ کی وضاحت بھی کر دی ہے جو سورۂ محمد آیت: 37 میں ہے۔
- بعض اوقات تشریح کرتے ہوئے ایک باب سے دوسرے باب کی طرف بھی منتقل ہو جاتے ہیں، مثلاً: ﴿لَا يَلِتْكُم﴾[4] کی وضاحت کرتے ہوئے ﴿وَمَا أَلَتْنَاهُمْ﴾ کے معنی بھی بیان کر دیے ہیں جو سورۂ طور آیت: 21 میں ہے۔

اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب التفسیر "درمنثور" یعنی ایسی موتیوں کی طرح ہے جو دھاگے کے بغیر پھیلا دیے گئے ہوں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے توضیح آیات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے:

- آیات میں کسی مجمل واقعے کی تفصیل احادیث سے بیان کی جاتی ہے جیسا کہ ﴿لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ﴾[5] کے تحت حدیث: 4907 میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔
- کسی معین چیز کی کیفیت یا کمیت (مقدار) کو احادیث سے بیان کیا جاتا ہے۔ (ا) ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾[6] کی کیفیت کو حدیث: 4701 میں بیان کیا گیا ہے۔ (ب) ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ﴾[7] کی کمیت، یعنی لمبائی کو حدیث: 4881 میں دیکھا جا سکتا ہے۔
- سبب نزول کی تعیین کے لیے حدیث پیش کی جاتی ہے جیسا کہ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾[8] کے متعلق حدیث: 4772 کو دیکھا جا سکتا ہے۔
- شان نزول کے متعلق کسی غلطی کی اصلاح حدیث سے کی جاتی ہے جیسا کہ ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ﴾[9] کے متعلق

---

[1] النسآء 4:145. [2] البقرة 2:127. [3] البقرة 2:273. [4] الحجرات 49:14. [5] المنافقون 63:8. [6] الحجر 15:18.
[7] الواقعة 56:30. [8] القصص 28:56. [9] الأحقاف 46:17.

حدیث:4827 میں موقف اختیار کیا گیا ہے۔

- آیت سے غلط استدلال کیا تو اس کی اصلاح کے لیے حدیث لائی جاتی ہے جیسا کہ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾[1] میں کسی نے غلط استدلال کیا تو اس کی اصلاح حدیث:4855 سے کی گئی ہے۔
- صفات باری تعالیٰ کو مبنی برحقیقت ثابت کرنے کے لیے حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے جیسا کہ ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾[2] میں صفت ساق کی وضاحت حدیث:4919 سے کی گئی ہے۔
- حدیث کے ذریعے سے آیت کے کسی لفظ کے معنی کو متعین کیا جاتا ہے جیسا کہ ﴿قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾[3] میں قَانِتِيْنَ کی وضاحت حدیث:4534 سے کی گئی ہے۔
- کسی لفظ کے معنی واضح ہوتے ہیں لیکن حدیث سے اس کی مراد کو متعین کیا جاتا ہے جیسا کہ ﴿حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾[4] میں اَلْوُسْطٰی کی تعیین حدیث:4533 سے کی گئی ہے۔
- دوران حادثہ میں اگر کوئی آیت تلاوت کی گئی ہو تو حدیث سے اس حادثے کی تفصیل بیان کی جاتی ہے جیسا کہ ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾[5] کی تفصیل حدیث:4720 میں بیان کی گئی ہے۔
- رسول اللہ ﷺ نے کسی مسئلے کی تائید میں کسی آیت کو تلاوت فرمایا تو اس واقعے کو متعلقہ آیت کے تحت بیان کر دیا گیا ہے جیسا کہ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾[6] کو حدیث:4831 میں بیان کیا گیا ہے۔
- کسی آیت کے دوران میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ پڑھنا ثابت تھا، حدیث کے ذریعے سے اسے بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾[7] کی تفسیر حدیث:4628 سے کی گئی ہے۔
- بعض دفعہ کسی سورت کے اختتام پر کچھ پڑھنے کی فضیلت حدیث سے بیان کی جاتی ہے جیسا کہ سورۂ فاتحہ کے آخر میں آمین کہنے کی فضیلت حدیث سے بیان کی گئی ہے۔[8] علامہ عینی رحمہ اللہ نے اعتراض کیا ہے کہ باب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کا کوئی محل نہیں اور حدیث الباب کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[9] اس تفصیل سے علامہ عینی رحمہ اللہ کا اعتراض بھی رفع ہو جاتا ہے۔

---

① النجم 13:53. ② القلم 42:68. ③ البقرة 238:2. ④ البقرة 238:2. ⑤ بني إسرآئيل 81:17. ⑥ محمد 22:47.
⑦ الأنعام 65:6. ⑧ صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 780، 781، 782. ⑨ عمدة القاري: 106/18، طبع دارالكتب العلمية.

○ قرآن کریم کے سیاق وسباق سے کسی آیت کا مفہوم متعین نہیں ہو پاتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ حدیث کے ذریعے سے اس کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں جیسا کہ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا﴾[1] کے مفہوم کو حدیث: 4731 سے واضح کیا ہے۔

○ بعض دفعہ لفظ حدیث کے ذریعے سے لفظ قرآن کی تفسیر کی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دونوں جگہ پر ایک ہی معنی مراد ہیں جیسا کہ ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ﴾[2] کے تحت جو حدیث بیان کی گئی ہے، اس میں یہی مفہوم کارفرما ہے۔ اس آخری اصول کو تو امام بخاری رحمہ اللہ عام استعمال کرتے ہیں کہ حدیث میں کوئی غریب یا نادر لفظ آ جاتا ہے تو اس لفظ کی مناسبت سے حدیث کے آخر میں متعلقہ آیت کو بھی ذکر کر دیتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ گھڑ دوڑ کے لیے ایک حد مقرر کر دیتے تھے جسے عربی میں اَمَدْ کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے قرآنی آیت: ﴿فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ﴾[3] کو ذکر کیا ہے۔[4]

بہر حال کتاب التفسیر میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مجموعی اسلوب کچھ اس طرح ہے کہ سورت کے آغاز میں اس سورت کے منتخب الفاظ کی لغوی تشریح کی جاتی ہے۔ مختلف آیات کے تحت ابواب قائم کر کے احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ لیکن اس کا کوئی متعین اصول نہیں۔ کلمۂ مفردہ کی تشریح جس طرح ابتدا میں کی جاتی ہے اسی طرح چند ابواب اور احادیث ذکر کرنے کے بعد بھی کی جاتی ہے۔ یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک سورت کے کلماتِ مفردہ کی تشریح میں دوسری سورت کے کلمات کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ اس انتقال میں کبھی مناسبت ہوتی ہے کبھی مناسبت کے بغیر انھیں ذکر کر دیا جاتا ہے۔ کلمات کی تشریح کرتے وقت کہیں کہیں جمہور کی قراءت کے بجائے دوسری قراءات بھی ذکر کی جاتی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں تفسیری روایات کو بیان کیا ہے لیکن اس میں تفسیر بہت کم ہے، اس لیے بعض حضرات نے صحیح مسلم کو جوامع میں داخل نہیں کیا۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے بھی اپنی سنن میں کتاب الحروف کے عنوان سے تفسیر قرآن کا اہتمام کیا ہے، البتہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ امام بخاری رحمہ اللہ کے نقش قدم چلتے ہوئے اپنی جامع میں بہت سی تفسیری روایات بیان کی ہیں، اس بنا پر تفسیر کے اعتبار سے جامع ترمذی کو صحیح بخاری کے بعد سب سے زیادہ نفع مند شمار کیا گیا ہے۔ انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے انداز واسلوب کو اختیار کیا ہے۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں مختلف آیات اور سورتوں پر 473 عنوان قائم کیے ہیں اور پانچ صد اڑتالیس (548) مرفوع احادیث پیش کی ہیں جن میں چار صد پینسٹھ (465) احادیث موصول اور باقی معلق ہیں۔ ان میں

---

1 مريم 64:19. 2 طٰه 41:20. 3 الحديد 16:57. 4 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2869.

چارصد اڑتالیس (448) احادیث مکرر اور سو (100) ایسی ہیں جنھیں پہلی دفعہ ذکر کیا گیا ہے، پھر ان احادیث میں چھیاسٹھ (66) ایسی ہیں جنھیں امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ پانچ صد اسی (580) ایسے آثار ہیں جنھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے۔ واضح رہے کہ کتاب التفسیر میں امام بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب پر یہ مختصر تبصرہ ہمارا حاصل مطالعہ ہے۔ اس میں ان اعتراضات کا جواب بھی مل جائے گا جو تفسیر قرآن کے سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ پر اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے کیے گئے ہیں۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کتاب التفسیر کا مطالعہ کریں۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

65 - كِتَابُ التَّفْسِير

تفسیر کا بیان

(۱) سُورَةُ الْفَاتِحَةِ — بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ — تفسیر سورۂ فاتحہ

﴿ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ﴾: اِسْمَانِ مِنَ الرَّحْمَةِ، اَلرَّحِيمُ وَالرَّاحِمُ بِمَعْنًى وَاحِدٍ، كَالْعَلِيمِ وَالْعَالِمِ.

لفظ الرحمٰن اور الرحیم (اللہ کی صفات ہیں جو) لفظ الرحمۃ سے مشتق ہیں، نیز الرحیم اور الراحم دونوں ہم معنی ہیں، جیسے العلیم اور العالم دونوں ہم معنی ہیں۔

وضاحت: رحمت کے لغوی معنی کسی قابل رحم کو دیکھ کر دل کا اس طرح نرم ہونا ہیں جو اس پر مہربانی اور احسان کا تقاضا کرے۔ یہ لغوی معنی مخلوق کے متعلق تو صحیح ہیں لیکن خالق کائنات کے لیے اس انداز سے صفت ''رحمت'' ثابت کرنا صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے تاویل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت رحمت کو بطور مجاز تسلیم کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے عاجز اور مصیبت کے مارے پریشان حال بندوں پر انعام و اکرام کرنا ہے۔ صفات کے متعلق تاویل کا یہ موقف اسلاف کا نہیں بلکہ بعد والوں کا ہے۔ اسلاف کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت رحمت کو اس کی شان کے مطابق مبنی برحقیقت تسلیم کیا جائے جس سے کسی قسم کی تشبیہ یا تمثیل کا پہلو نہ نکلتا ہو، نیز رحمٰن اور رحیم دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ رحمٰن، فعلان کے وزن پر اسم مبالغہ ہے جبکہ رحیم فعیل کے وزن پر صفت مشبہ یا صیغۂ مبالغہ ہے۔ اب اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں ہم معنی ہیں اور ایک کو دوسرے کی تائید کے لیے لایا گیا ہے جیسا کہ ندمان اور ندیم کے صیغے ہیں، یا ان دونوں میں کچھ فرق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان دونوں کے فرق کو بیان نہیں کیا جبکہ دوسرے حضرات ان میں کچھ فرق کرتے ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: (۱) رحمٰن میں رحیم کے مقابلے میں حروف زیادہ ہیں، مبالغہ زیادہ ہے، لہٰذا رحمٰن کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر دنیا کے اعتبار سے ہے کہ اس کی رحمت دنیا میں بہت وسیع ہے جو فاسق و فرمانبردار سب کو شامل ہے اور رحیم آخرت کے اعتبار سے ہے کیونکہ آخرت میں اس کی رحمت صرف اہل ایمان کے لیے ہوگی۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ رحمٰن نام کے لحاظ سے خاص اور

فعل کے اعتبار سے عام ہے اور رحیم نام کے لحاظ سے عام البتہ فعل کے اعتبار سے خاص ہے، یعنی نام کے اعتبار سے مخلوق کی صفت بھی ہو سکتی ہے، البتہ فعل صرف اہل ایمان کے لیے ہے کیونکہ آخرت میں صرف اہل ایمان کے لیے اس صفت کا ظہور ہو گا۔ ایک دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو کیف (معیار) کے لحاظ سے رحمتِ اُخروی زیادہ ہے اور کم (مقدار) کے لحاظ سے رحمتِ دنیا وسیع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رحمٰن اور رحیم دونوں میں ایک ایک وجہ سے مبالغہ ہے جو دوسرے میں نہیں پایا جاتا۔[1] (ب) عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رحمٰن وہ ہے جو مانگنے پر دے اور رحیم وہ ہے جو نہ مانگنے پر ناراض ہو جائے جبکہ انسان کی عادات اس کے برعکس ہیں۔ (ج) کسی چیز کو تدریجاً (آہستہ آہستہ) اس کے کمال تک پہنچانا تربیت کہلاتا ہے۔ اس طرح تربیت سے مفید نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تربیت کرنے کے اعتبار سے رحمٰن اور نتائج حاصلہ کی حفاظت کے لحاظ سے رحیم ہے۔ رحیم اور راحم کو ایک ہی قرار دینے سے امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کیا گیا ہے کہ رحیم اگر صفت مشبہ کا صیغہ ہے تو اس میں ہمیشگی اور ثبوت کے معنی پائے جاتے ہیں اور اگر مبالغہ کا صیغہ ہے تو اس میں اصل مصدری معنی سے کچھ زیادتی پائی جاتی ہے، اس کے برعکس راحم میں تو اصل مصدری معنی ہیں اور وہ بھی حدوث پر دلالت کرتا ہے، اس لیے دونوں کو ایک قرار دینا صحیح نہیں۔ اس اعتراض کا جواب اس طرح دیا گیا ہے: * رحیم اور راحم مصدری معنی اور مادۂ اشتقاق کے اعتبار سے ایک ہیں مبالغے اور ثبوت کی نفی کرنا مقصود نہیں اگرچہ فاعل کا اکثر استعمال حدوث کے لیے اور فعیل دوام کے لیے ہوتا ہے۔ * اس مقام پر فعیل (رحیم)، یعنی فاعل (راحم) ہے جیسا کہ علیم، یعنی عالم ہے اگرچہ اکثر طور پر فعیل بمعنی مفعول آتا ہے جیسا کہ قتیل بمعنی مقتول ہے۔ واللہ أعلم.

(١) بَابُ مَا جَاءَ فِي فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

باب: 1- سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا بیان

وَسُمِّيَتْ أُمَّ الْكِتَابِ: أَنَّهُ يُبْدَأُ بِكِتَابَتِهَا فِي الْمَصَاحِفِ، وَيُبْدَأُ بِقِرَاءَتِهَا فِي الصَّلَاةِ.

اس سورت کا نام ام الکتاب اس لیے رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید لکھنے کا آغاز اسی سے کیا جاتا ہے، نیز نماز میں بھی (دیگر سورتوں سے) پہلے اسی کو پڑھا جاتا ہے۔

﴿الدِّينِ﴾ [٤]: اَلْجَزَاءُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ، كَمَا تَدِينُ تُدَانُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿بِالدِّينِ﴾ [الماعون: ١]: بِالْحِسَابِ. ﴿مَدِينِينَ﴾ [الواقعة: ٨٦]: مُحَاسَبِينَ.

الدین کے معنی بدلہ دینے کے ہیں، خواہ اچھا ہو یا برا۔ عرب کا محاورہ ہے: ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔'' امام مجاہد کہتے ہیں: الدین حساب کے معنی میں ہے جیسا کہ مدینین کے معنی محاسبین ہیں، یعنی حساب کیے گئے۔

وضاحت: مختلف احادیث میں سورۃ الفاتحہ کے کئی ایک نام منقول ہیں، مثلاً: اَلْكَنْز، اَلْوَافِيَه، اَلشَّافِيَه، سُوْرَةُ الْحَمْد، سُوْرَةُ الصَّلَاة، سُوْرَةُ الشِّفَاء، سُوْرَةُ الْأَسَاس، سُوْرَةُ الشُّكْر اور سُوْرَةُ الدُّعَاء وغیرہ۔[2] انھی ناموں میں سے ایک نام ام الکتاب ہے۔ ام کے معنی مبدأ ہیں جیسا کہ ماں بچے کے لیے مبدأ ہوتی ہے۔ اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ الکتاب کا مبدأ سورۃ

[1] فتح الباري: 8/195. [2] الإتقان: 1/70.

الفاتحہ ہے۔ لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی ابتدا تو سورۃ العلق سے ہوئی تھی، اس اعتبار سے سورۃ الفاتحہ کیسے مبدأ ہوسکتی ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ مبدأ نزول کے اعتبار سے نہیں بلکہ مصاحف میں کتابت کے لحاظ سے ہے اور نماز میں قراءت کا آغاز بھی اسی سورت سے ہوتا ہے۔ اس کا نام ام القرآن بھی ہے کیونکہ یہ سورت قرآن کریم کے مضامین پر مشتمل ہے اور یہ نام حدیث سے ثابت ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ایک سورت کی تفسیر کرتے ہوئے دوسری سورتوں کی متفرق آیات کا بھی ذکر کر دیتے ہیں، چنانچہ سورۃ الفاتحہ کی آیت ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ میں واقع لفظ "دین" کی جب تفسیر کی تو سورۃ الانفطار کی آیت ﴿كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ﴾ "ہرگز نہیں بلکہ تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو۔" اور سورۃ الواقعہ کی آیت ﴿فَلَوْلَا اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ﴾ "اب اگر تم کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہو۔" ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ان آیات کا بھی ذکر کر دیا۔ دِيْن کے اصل معنی تو جزا کے ہیں چونکہ حساب، جزا کو لازم ہے، اس لیے امام مجاہد کے حوالے سے اس معنی کو بھی بیان کر دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے کہ ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ کے دو معنی ہیں: (ا) مَالِكِ يَوْمِ الْجَزَاءِ. (ب) مَالِكِ يَوْمِ الْحِسَابِ. ان دونوں معنی میں نسبت لازم ہے کیونکہ حساب، جزا کے لیے ہوتا ہے اور جزا و سزا محاسبے کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ "دین" کے بہت سے معانی بیان کیے جاتے ہیں، مثلاً: عادت، عمل، حکم، طاعت، ملت اور سیاست و قیادت وغیرہ۔ ان معانی کے شواہد کتب تفسیر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ واضح رہے کہ امام حسن بصری، ابن سیرین اور بقی بن مخلد سے منقول ہے کہ سورۃ الفاتحہ کو ام الکتاب کہنا مکروہ ہے کیونکہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق ام الکتاب لوح محفوظ کو کہتے ہیں۔[2] اس سلسلے میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ سورۃ الفاتحہ کو ام الکتاب نہ کہا جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ کا نام ام الکتاب صحیح حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ سنن دارقطنی میں ہے کہ اس کا نام ام القرآن، ام الکتاب اور سبع مثانی ہے۔[3] ممانعت کے متعلق جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں جیسا کہ علامہ سیوطی نے اس کی صراحت کی ہے۔[4] سورت فاتحہ کو ام الکتاب کہنے کی وجہ تسمیہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔[5]

٤٤٧٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَمْ أُجِبْهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي فَقَالَ: «أَلَمْ يَقُلِ اللهُ: ﴿اَسْتَجِيبُوْا

[4474] حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی لیکن میں اس وقت حاضر نہ ہو سکا۔ (نماز پڑھ کر آپ کے پاس آیا) تو میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں نماز پڑھنے میں مصروف تھا۔ آپ نے فرمایا: "کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی نہیں: اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو

1 صحيح البخاري، حديث: 4804. 2 الرعد 13:39. 3 سنن الدارقطني، الصلاة: 312/1، والسلسلة الصحيحة للألباني، حديث: 1183. 4 الإتقان: 70/1. 5 فتح الباري: 195/8.

لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ [الأنفال: ٢٤]؟» ثُمَّ قَالَ لِي: «لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ»، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهُ: أَلَمْ تَقُلْ: «لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ؟» قَالَ: «﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ». [انظر: ٤٦٤٧، ٤٧٠٣، ٥٠٠٦]

جب وہ تمھیں بلائیں۔'' پھر فرمایا: ''میں تیرے مسجد سے باہر جانے سے قبل تجھے ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو قرآن کی تمام سورتوں سے بڑھ کر ہے۔'' پھر آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ جب آپ نے مسجد سے باہر آنے کا ارادہ فرمایا تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا: ''میں تجھے ایک ایسی سورت بتاؤں گا جو قرآن کی تمام سورتوں سے بڑھ کر ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''وہ سورت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ﴾، یعنی فاتحہ ہے۔ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہی واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ''کیا میں تجھے ایسی سورت سے آگاہ نہ کروں جو تورات، انجیل، زبور اور فرقان میں نازل نہیں ہوئی۔''[1] اس حدیث سے سورۃ الفاتحہ کی عظمت و رفعت کا پتہ چلتا ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان خواہ کتنے ہی ضروری کام میں مصروف ہو، اسے رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر نماز چھوڑ کر فوراً حاضر ہو جانا چاہیے۔ اس کے علاوہ حدیث جریج (صحیح بخاری، حدیث: 1206) سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ والدین میں سے کسی ایک کے بلانے پر انسان کو نفلی نماز توڑ کر اسی وقت حاضر ہو جانا چاہیے، عدم تعمیل کی صورت میں والدین کی آہ سے سنگین نتائج سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق اپنی صحیح میں ایک عنوان بھی قائم کیا ہے۔[2] ③ واضح رہے کہ سورت فاتحہ کو سبع مثانی درج ذیل وجوہات کی بنا پر کہا گیا ہے: ✱اس کی سات آیات کو نماز میں بار بار پڑھا جاتا ہے یا اس کا نزول دو مرتبہ ہوا: ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری بار مدینہ طیبہ میں۔ ✱اس میں بڑے جامع انداز میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثنا بیان کی گئی ہے۔ ✱ یہ سورت امت محمدیہ کو استثنائی اور خصوصی طور پر عطا کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مثانی خواہ تثنیہ سے ماخوذ ہو یا ثنا سے یا استثناء سے اسے بنایا گیا ہو، ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ ان سب وجوہ کی بنا پر اس سورت کو سبع مثانی کہا گیا ہے۔ واللّٰہ أعلم. اور اسے القرآن العظیم اس لیے کہا گیا ہے کہ قرآن کریم کے بنیادی مضامین اس سورت میں اجمالاً آ گئے ہیں، گویا کوزے میں سمندر کو بند کر دیا گیا ہے۔ وہ یوں کہ سب سے پہلے اللہ کی معرفت اور اس کی حمد وثنا، پھر یوم آخرت میں جزا و سزا کا جامع تذکرہ، اس کے بعد شرک کی تمام اقسام سے مکمل طور پر بچنے کا اقرار اور صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی التجا، نیز صراط مستقیم کی مختصر توضیح، یہی وہ مضامین ہیں جو مختلف انداز میں آگے بیان کیے گئے ہیں۔ ④ صحیح بخاری کی بعض روایات (حدیث: 4647) میں القرآن العظیم کا اضافہ نہیں ہے۔ جن روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں محدثین نے اس کی توجیہ ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیت (الحجر: 87) کے نظم کی

---

[1] جامع الترمذي، فضائل القرآن، حديث: 2875. [2] صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب: 7.

رعایت کرتے ہوئے تذکرہ فرمایا ہے کہ مجھے سورت فاتحہ کے علاوہ قرآن عظیم بھی دیا گیا ہے۔[1]

(٢) بَابُ ﴿غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ﴾ [الفاتحة: ٧]

باب:2- ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کی تفسیر

٤٤٧٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: ﴿غَيْرِ ٱلْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا ٱلضَّآلِّينَ﴾ فَقُولُوا: آمِينَ، فَمَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ». [راجع: ٧٨٢]

[4475] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امام ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کہے تو تم آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوئی اس کے سابقہ سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① فرشتوں کے آمین کہنے کی علامت امام کا آمین کہنا ہے، لہٰذا ہمیں حکم ہے کہ ہم امام کی آمین کے ساتھ ہی آمین کہیں جبکہ نماز کے دیگر ارکان میں امام کی متابعت کا حکم دیا گیا ہے۔ آمین کہتے وقت ہم متابعت کے بجائے موافقت کے پابند ہیں، البتہ امام کی مخالفت اور اس سے مسابقت کسی صورت میں جائز نہیں۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں آمین بآواز بلند کہنی چاہیے۔ بعض روایات میں آمین بآواز بلند کہنے کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ بعض دوسری روایات میں ''رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ'' کے الفاظ ہیں۔[2] حضرت وائل بن حجر ؓ سے بھی بآواز بلند آمین کہنے کی روایت مروی ہے۔[3] امام بخاری ؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اور ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے والے اونچی آواز سے آمین کہتے تھے یہاں تک کہ مسجد ان کی آواز سے گونج اٹھتی۔[4] ﴿مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ سے مراد یہود ہیں جیسا کہ ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ اللہ کی طرف سے غصے پر غصہ لے کر واپس ہوئے۔''[5] ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾ سے مراد عیسائی ہیں جیسا کہ ان کے متعلق قرآن میں ہے: ''وہ خود پہلے سے گمراہ تھے اور بہت لوگوں کو انھوں نے گمراہ کیا۔''[6] رسول اللہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم نے بیان کیا ہے۔[7] ② اس مقام پر علامہ عینی نے امام بخاری ؒ پر اعتراض کیا ہے کہ اس عنوان کا یہاں کوئی محل نہیں اور نہ ذکر کردہ حدیث کا تفسیر سے کوئی تعلق ہی ہے۔[8] لیکن ان کا یہ اعتراض بے محل ہے کیونکہ امام بخاری ؒ کا تفسیر قرآن کے متعلق متاخرین کے برعکس ایک جداگانہ انداز ہے۔ متاخرین کی تفسیر میں مشکلات کا حل اور مسائل کی تحقیق ہوتی جبکہ امام بخاری ؒ

---

1 فتح الباري: 199/8. 2 فتح الباري: 342/2. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 932، وصحيح ابن حبان، الأذان والإقامة، حديث: 570، 571. 4 صحيح البخاري، الصلاة، باب: 11 معلقًا. 5 البقرة 90:2. 6 المآئدة 77:5. 7 مسند أحمد: 378/4، وفتح الباري: 200/8. 8 عمدة القاري: 413/12.

کے یہاں تفسیر عام ہے، خواہ کسی کلمے کی شرح کرنا ہو یا کلام سے جو قصہ منسلک ہو اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے، جو چیزیں سورت مکمل ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہیں، انھیں بیان کرنا بھی تفسیر میں شامل ہے۔ ان کے انداز تفسیر میں یہ بھی شامل ہے کہ قرآن مجید کا کوئی لفظ حدیث میں آ جائے تو اس حدیث کو بھی تفسیر کے تحت بیان کر دیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں جگہ ایک ہی معنی مراد ہیں۔ اس حدیث میں بھی اختتام فاتحہ کے بعد آمین کہنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس وضاحت سے علامہ عینی کے اعتراض کی حقیقت کھل جاتی ہے کہ ان کا اعتراض کرنا بے فائدہ ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٢) سُورَةُ الْبَقَرَةِ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — 2- تفسیر سورۂ بقرہ

تعارف: اس سورت میں ایک گائے کا واقعہ بیان ہوا ہے جسے بنی اسرائیل نے ذبح کیا تھا، اس لیے اس کا نام بقرہ ہے۔ اس میں دو سو چھیاسی آیات، چھ ہزار ایک سو اکیس کلمات، پچیس ہزار پانچ سو حروف، پندرہ امثال اور پانچ سو حکمتیں بیان ہوئی ہیں۔[1]

(١) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلْأَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ [البقرة: ٣١]

باب: 1- اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''اور (اللہ نے حضرت) آدم (علیہ السلام) کو تمام چیزوں کے نام بتا دیے'' کا بیان

وضاحت: سب چیزوں کے نام سکھانے سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کی ضرورت انھیں زمین میں آ سکتی تھی ان کے نام بتا دیے اور اس کی اولاد میں ایسی صلاحیت رکھ دی کہ وہ دنیا میں جا کر ہر زبان کو سیکھ سکیں اور اپنی اشیائے ضرورت کے نام معلوم کر سکیں۔ اس سے مقصود فرشتوں پر یہ حقیقت ظاہر کرنا تھی کہ اس پتلا خاکی میں اتنی بڑی صلاحیت اور لیاقت موجود ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اسے تم پر برتری دے سکتے ہیں اور اسے ایسے علوم سکھائیں جن کا تمھیں علم نہیں، چنانچہ ایسا کرنے سے حضرت آدم علیہ السلام کی علمی صلاحیت اور برتری اجاگر ہوئی۔ واللّٰہ أعلم.

٤٤٧٦ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؛ وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَجْتَمِعُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُونَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ أَبُو النَّاسِ، خَلَقَكَ

[4476] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب لوگ جمع ہو کر مشورہ کریں گے کہ آج ہم اپنے پروردگار کے حضور کسی کو سفارشی بنائیں، چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے: آپ لوگوں کے باپ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تمام فرشتوں سے سجدہ کروایا، نیز آپ کو تمام نام سکھائے، لہٰذا

[1] عمدة القاري: 12/414.

اللهُ بِيَدِهِ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ، وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ، فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا، فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ ذَنْبَهُ فَيَسْتَحِي، اِئْتُوا نُوحًا؛ فَإِنَّهُ أَوَّلُ رَسُولٍ بَعَثَهُ اللهُ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ سُؤَالَهُ رَبَّهُ مَا لَيْسَ لَهُ بِهِ عِلْمٌ فَيَسْتَحِي، فَيَقُولُ: ائْتُوا خَلِيلَ الرَّحْمٰنِ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، ائْتُوا مُوسٰى عَبْدًا كَلَّمَهُ اللهُ وَأَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ قَتْلَ النَّفْسِ بِغَيْرِ نَفْسٍ فَيَسْتَحِي مِنْ رَبِّهِ فَيَقُولُ: ائْتُوا عِيسٰى عَبْدَ اللهِ وَرَسُولَهُ وَكَلِمَةَ اللهِ وَرُوحَهُ، فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ عَبْدًا غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، فَيَأْتُونِي فَأَنْطَلِقُ حَتّٰى أَسْتَأْذِنَ عَلٰى رَبِّي فَيُؤْذَنَ [لِي]، فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ ثُمَّ يُقَالُ: اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَهُ، وَقُلْ يُسْمَعْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُهُ بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ إِلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي، مِثْلَهُ، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ الثَّالِثَةَ، ثُمَّ أَعُودُ الرَّابِعَةَ فَأَقُولُ: مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ وَوَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ».

آپ اپنے پروردگار کے حضور ہماری سفارش کریں کہ وہ ہمیں اس (تکلیف دہ) جگہ سے (نکال کر) راحت و آرام دے۔ وہ کہیں گے: آج میں اس قابل نہیں ہوں اور وہ اپنا گناہ یاد کر کے اللہ سے شرمائیں گے اور کہیں گے: تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے رسول بنا کر اہل زمین کی طرف بھیجا تھا۔ سب لوگ ان کے پاس آئیں گے تو وہ جواب دیں گے کہ آج میں اس قابل نہیں ہوں۔ وہ بھی اپنا گناہ یاد کر کے شرمائیں گے کہ انھوں نے اپنے رب سے ایک ایسا سوال کیا تھا جس کے متعلق انھیں کوئی علم نہ تھا۔ پھر وہ کہیں گے: تم سب خلیل الرحمٰن (ابراہیم علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے لیکن وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ تم سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا تھا اور انھیں تورات عطا فرمائی تھی۔ لوگ ان کے پاس آئیں گے لیکن وہ عذر کر دیں گے کہ مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔ انھیں ایک شخص کا قتل ناحق یاد آئے گا اور انھیں اپنے رب کے حضور جاتے ہوئے شرم دامن گیر ہوگی۔ وہ کہیں گے: تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، نیز اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی کہیں گے: مجھ میں اس کی ہمت نہیں۔ تم سب حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ وہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں، چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں ان کے ساتھ جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت مل جائے گی۔ پھر میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور جب تک اللہ چاہے گا میں سجدے میں رہوں گا۔ پھر مجھ سے کہا

جائے گا: اپنا سر اٹھاؤ اور جو چاہو مانگو۔ تمھیں دیا جائے گا۔ جو چاہو کہو۔ تمھاری بات سنی جائے گی۔ سفارش کرو، تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔ اس وقت میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم دی ہوگی ویسے ہی اس کی حمد و ثنا بجا لاؤں گا۔ پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انھیں جنت میں داخل کر آؤں گا۔ پھر دوبارہ اللہ کے حضور آؤں گا تو اپنے رب کو پہلے کی طرح دیکھوں گا اور سفارش کروں گا۔ اس مرتبہ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انھیں جنت میں داخل کر آؤں گا۔ پھر تیسری مرتبہ کے بعد جب میں چوتھی مرتبہ واپس آؤں گا تو عرض کروں گا کہ اب جہنم میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا جن کا قرآن نے ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا ضروری قرار دے دیا ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ: يَعْنِي قَوْلَ اللهِ تَعَالَى: ﴿خَلِدِينَ فِيهَا﴾ [البقرة: ١٦٢]. [راجع: ٤٤]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ قرآن کی رو سے دوزخ میں بند رہنے سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لیے ﴿خَالِدِيْنَ فِيْهَا﴾ کہا گیا ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

فوائد ومسائل: (1) امام بخاری رحمہ اللہ کا تفسیر قرآن کے سلسلے میں ایک انداز ہے کہ اگر قرآن کے الفاظ کسی حدیث میں آئے ہوں تو اس حدیث کو تفسیر کے اسلوب میں بیان کر دیتے ہیں۔ مذکورہ روایت کا تذکرہ بھی اسی پہلو سے ہے کیونکہ اس روایت میں اہل ایمان کا حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کہنا مذکور ہے: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔'' اسی مناسبت سے اس حدیث کو ﴿عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ (2) واضح رہے کہ اس حدیث میں شفاعت کبریٰ کا بیان ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنت میں داخلے کی سفارش تو شفاعت صغریٰ ہے، حالانکہ ذکر شفاعت کبریٰ کا ہے، یعنی حساب و کتاب شروع ہو جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ: ''میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو اجازت مل جائے گی۔'' تک شفاعت کبریٰ کا بیان ہے، اس کے بعد شفاعت صغریٰ کا ذکر ہے۔[1] (3) اس امر کی نشاندہی بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے متعلق ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا قرار دیا گیا ہے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں: ○ جو اللہ کی ذات وصفات اور اختیارات میں کسی کو شریک کرے۔[2] ○ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرے۔[3]

① شرح العقيدة الطحاوية، ص: 163. 2 البينة 98:6. 3 النسآء 4:14.

○ جو کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے۔[1] ○ جو بدکاری اور زنا کرے۔[2] ○ جو بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میدان جنگ سے بھاگ جائے۔[3] ○ جو اللہ کے قوانین کے خلاف زندگی بسر کرے۔[4]

(۲) بَابٌ :

باب:2- بلاعنوان

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿إِلَىٰ شَيَـٰطِينِهِمْ﴾ [١٤]: أَصْحَابِهِمْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُشْرِكِينَ. ﴿مُحِيطٌۢ بِٱلْكَـٰفِرِينَ﴾ [١٩]: اَللهُ جَامِعُهُمْ. صِبْغَةٌ: دِينٌ. ﴿عَلَى ٱلْخَـٰشِعِينَ﴾ [٤٥]: عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَقًّا.

امام مجاہد بیان کرتے ہیں: إِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ سے مراد ''کفار کے دوست منافقین اور مشرکین ہیں۔'' مُحِيطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ کے معنی ہیں: ''اللہ کافروں کو اکٹھا کرنے والا ہے۔'' صِبْغَةٌ سے اللہ تعالیٰ کا دین مراد ہے۔ عَلَى الْخَاشِعِيْنَ سے مراد حقیقی مومن ہیں۔

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿بِقُوَّةٍ﴾ [٦٣]: يَعْمَلُ بِمَا فِيهِ. وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: ﴿مَّرَضٌ﴾ [١٠] شَكٌّ، ﴿وَمَا خَلْفَهَا﴾ [٦٦] عِبْرَةٌ لِّمَنْ بَقِيَ ﴿لَّا شِيَةَ﴾ [٧١] لَا بَيَاضَ.

امام مجاہد نے مزید فرمایا: بِقُوَّةٍ کے معنی ہیں: جو کچھ اس (کتاب) میں ہے، اس پر سختی سے عمل پیرا ہوں۔ ابوالعالیہ نے چند معانی کی وضاحت بایں الفاظ کی ہے: مَرَضٌ سے مراد شکوک وشبہات ہیں۔ وَمَا خَلْفَهَا کے معنی یہ ہیں کہ وہ سزا ان لوگوں کے لیے باعث عبرت ہے جو باقی بچے۔ لَاشِيَةَ سے مراد یہ ہے کہ اس گائے میں کوئی سفید نشان نہ ہو۔

وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿يَسُومُونَكُمْ﴾ [٤٩]: يُولُونَكُمْ، اَلْوَلَايَةُ مَفْتُوحَةٌ، مَصْدَرُ الْوَلَاءِ وَهِيَ: الرَّبُوبِيَّةُ وَإِذَا كُسِرَتِ الْوَاوُ فَهِيَ الْإِمَارَةُ.

ابو العالیہ کے علاوہ (ابوعبیدالقاسم بن سلام) نے کہا: يَسُوْمُوْنَكُمْ کے معنی یہ ہیں کہ وہ تم پر سخت عذاب دینے کے لیے والی مقرر کرتے تھے۔ (امام بخاری سورۃ الکہف میں آنے والے ایک لفظ اَلْوَلَايَةُ کی لغوی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:) وَلَايَة کے واؤ پر فتحہ پڑھنے کی صورت میں یہ وَلَاء کا مصدر ہوگا جس کے معنی ربوبیت، یعنی پرورش کرنے کے ہیں اور واؤ پر کسرہ پڑھنے کی صورت میں اس کے معنی سرداری کے ہیں۔

وَقَالَ بَعْضُهُمُ الْحُبُوبُ الَّتِي تُؤْكَلُ كُلُّهَا

بعض اہل لغت (جیسے امام فراء وغیرہ) نے فُوْمِهَا میں

1 النسآء 4:93. 2 الفرقان 25:68، 69. 3 الأنفال 8:16. 4 التوبہ 9:63.

فُومٌ. وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿فَبَآءُو﴾: [٩٠] فَانْقَلَبُوا. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿يَسْتَفْتِحُونَ﴾: [٨٩] يَسْتَنْصِرُونَ ﴿شَرَوْا﴾: [١٠٢] بَاعُوا ﴿رَاعِنَا﴾: [١٠٤] مِنَ الرُّعُونَةِ إِذَا أَرَادُوا أَنْ يُحَمِّقُوا إِنْسَانًا قَالُوا: رَاعِنًا ﴿لَا تَجْزِى﴾ [١٢٣] لَا تُغْنِي ﴿خُطُوَاتِ﴾ [١٦٨] مِنَ الْخَطْوِ، وَالْمَعْنَى آثَارُهُ ﴿ٱبْتَلَىٰٓ﴾ [١٢٤] اِخْتَبَرَ.

لفظ فُوم کے معنی یہ لکھے ہیں: ہر وہ اناج جو کھایا جائے فوم کہلاتا ہے۔قتادہ نے فَبَآءُو کے یہ معنی بیان کیے ہیں: (وہ غضب پر غضب لے کر) واپس ہوئے۔ قتادہ کے علاوہ (ابوعبیدہ) نے کہا: یَسْتَفْتِحُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ وہ مدد طلب کرتے تھے۔ شَرَوْا کے معنی ہیں: انھوں نے (خودکو) فروخت کیا۔ رَاعِنَا، الرُّعُونَة سے نکلا ہے۔ اہل عرب جب کسی شخص کو احمق بنانا چاہتے تو اسے رَاعِنًا کے لفظ سے پکارتے۔ لَاتَجْزِیْ کے معنی ہیں کہ (کوئی جان کسی جان کے) کچھ کام نہ آئے گی۔ خُطُوَاتِ، الْخَطْو سے مشتق ہے۔ اس کے معنی نقش قدم ہیں۔ اِبْتَلٰی کے معنی ہیں: اس نے آزمایا اور امتحان لیا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں سورۂ بقرہ کے چند الفاظ ذکر فرما کر ان کے مطالب کی وضاحت کی ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مفردات کی تشریح کے لیے بیشتر مواد ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ کی کتاب ''مجاز القرآن'' سے لیا ہے، نیز آپ نے علی بن ابوطلحہ کے صحیفے سے بھی خوب استفادہ کیا ہے جو حضرت امام مجاہد کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ لفظ ''رَاعِنَا'' کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے: (ا) رَاعِنًا تنوین کے ساتھ، امام حسن بصری اور ابوحیوہ رحمہما اللہ کی قراءت اس طرح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لفظ کی جو لغوی تشریح کی ہے اس کی بنیاد اسی قراءت پر ہے۔ (ب) رَاعِنَا، مُرَاعَاةٌ سے امر حاضر معلوم اور نا ضمیر مفعول ہے۔ یہ جمہور کی قراءت ہے۔ اس میں مساوات کے معنی پائے جاتے ہیں کہ تم ہماری رعایت کرو ہم تمھاری رعایت کرتے ہیں۔ اس بنا پر اہل ایمان کو اس لفظ سے منع کیا گیا، نیز ''رَاعِنَا'' یہود کی زبان میں ایک گالی ہے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کئی یہودیوں سے رسول اللہ ﷺ کی نسبت یہ لفظ سنا تو فرمانے لگے: اگر تم میں سے کسی نے آئندہ یہ لفظ رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں استعمال کیا تو میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔[1]

(٣) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [٢٢]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''تم دانستہ طور پر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ'' کا بیان

٤٤٧٧ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو

[4477] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: اللہ کے ہاں

[1] فتح الباري: 204/8.

ابْنِ شُرَحْبِيلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ؟ قَالَ: «أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ»، - قُلْتُ: إِنَّ ذٰلِكَ لَعَظِيمٌ، - قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ». [انظر: ٤٧٦١، ٦٠٠١، ٦٨١١، ٦٨٦١، ٧٥٢٠، ٧٥٣٢]

سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔'' میں نے کہا: یہ تو واقعی بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائیں گے۔'' میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا۔''

فوائد و مسائل: ① نِدًّا ہمسر اور برابر والے کو کہتے ہیں، أَنْدَاد اس کی جمع ہے۔ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ ہی کو خالق ارض وسما مانتے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک قرار دیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفات، مثلاً: محیط، سمیع، علیم، قدیر کو اللہ کے ماسوا میں مانتے تھے، لہٰذا کوئی اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرتا ہے، اس کے نام پر ذبح کرتا ہے یا اس کی نذر مانتا ہے یا اس کی قبر پر نذر و نیاز چڑھاتا ہے یا اس کے نام کا وظیفہ پڑھتا ہے تو گویا وہ اسے اللہ کا ہمسر (نِد) مانتا ہے۔ یہ توحید کے منافی ہے۔ توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرے بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ نفع و نقصان صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اولاد دینا، بارش برسانا، رزق میں فراخی کرنا، زندگی دینا اور مارنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ ② الغرض توحید کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک تسلیم کیا جائے، اسے توحید ربوبیت کہتے ہیں۔ اس توحید کے مشرکین بھی قائل تھے۔ یہ توحید نجات کے لیے کافی نہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ معبود حقیقی صرف اللہ کو مانا جائے، عبادت کی جملہ اقسام صرف ایک اللہ کے لیے بجا لائی جائیں، اسے توحید الوہیت کہتے ہیں۔ تمام انبیاء ﷩ اسی توحید کے علمبردار تھے اور اسی کی دعوت دیتے تھے۔ اسی پر قیامت کے دن نجات کا دارو مدار ہے۔ مشرکین مکہ اس توحید کے منکر تھے، اسی بنا پر انھیں ابدی جہنمی کہا گیا ہے۔ ③ دور جاہلیت میں لوگ مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس پر انھیں تنبیہ فرمائی: ''مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، انھیں اور تمھیں ہم ہی رزق دیتے ہیں، یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔''[1] یہ گناہ درحقیقت کئی گناہوں پر مشتمل ہے، اول بے گناہ کو قتل کرنا، دوسرے اپنے بیٹے کو مارنا، تیسرے ایسے شخص کو قتل کرنا جو اپنا دفاع نہ کر سکتا ہو اور چوتھے اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ ہمارے ساتھ کھائے گا، گویا وہ روزی رساں ہیں۔ اللہ کے روزی دینے پر اعتماد و توکل نہیں۔ افسوس! کہ آج کل قتل اولاد کا گناہ عظیم خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر پوری دنیا میں بڑے منظم طریقے سے ہو رہا ہے۔ مرد حضرات ''بہتر تعلیم و تربیت'' کے نام پر اور خواتین اپنے مزعومہ حسن کو برقرار رکھنے کے لیے اس جرم کا سرعام ارتکاب کر رہی ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کا یہ فعل ہمارے تعلیم یافتہ دور میں بڑے زور و شور سے جاری ہے۔ ④ زنا بہت گھناؤنا جرم ہے۔ اس کی شناعت و قباحت کو ملاحظہ کریں کہ شادی شدہ زنا کار اس قابل نہیں کہ اسے دنیا میں زندہ رہنے دیا جائے بلکہ پتھر مار مار کر اسے صفحۂ ہستی

1 بنيّ إسرآئيل 31:17.

سے مٹا دینا شریعت کا اہم تقاضا ہے، بالخصوص جب وہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے منہ کالا کرے جس کے احترام واکرام کی شریعت نے بہت تاکید کی ہے۔ واللہ المستعان. ⑤ صحیح بخاری کی ایک روایت میں صحابی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کی تصدیق ان الفاظ میں نازل فرمائی ہے: ''اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ کسی ناحق جان کو قتل کرتے ہیں اور وہ زنا بھی نہیں کرتے اور جو انسان یہ کام کرے گا، اس نے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا، قیامت کے دن اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔''[1]

(٤) بَابٌ: ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ﴾ إِلَى ﴿يَظْلِمُونَ﴾ [٥٧]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور سلویٰ اتارا...... ظلم کرتے تھے'' کا بیان

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿الْمَنَّ﴾ صَمْغَةٌ. ﴿وَالسَّلْوَىٰ﴾: اَلطَّيْرُ.

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ مَنّ گوند کی طرح تھا اور سَلْوٰی پرندے تھے۔

وضاحت: ''مَن'' کو گوند سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ وہ آسمان سے شبنم کی طرح اتر کر درختوں کی ٹہنیوں پر جم جاتی تھی۔ بنی اسرائیل حسب خواہش اسے استعمال کرتے تھے۔ وہ گوند نہ تھی کیونکہ یہ تو درخت سے نکلتی ہے جبکہ من آسمان سے اترتا تھا۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ مَن برف کی طرح آسمان سے گرتا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔[2] واضح رہے کہ بنی اسرائیل جب اپنی مسلسل نافرمانیوں کی بنا پر جنگل تیہ میں محصور ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انھیں یہ دونوں چیزیں کھانے کو دیں۔

٤٤٧٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ».

[انظر: ٤٦٣٩، ٥٧٠٨]

[4478] حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھمبی من کی قسم سے ہے اور اس کا پانی آنکھ (کی بیماریوں) کے لیے شفا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① علامہ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کی مذکورہ عنوان سے کوئی مناسبت نہیں، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کو اسے یہاں بیان نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ حدیث میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں ہے کہ کھمبی اس مَن کی قسم ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا[3] لیکن ان کا یہ اعتراض برمحل نہیں کیونکہ بعض روایات میں وضاحت ہے: کھمبی مَن کی قسم ہے جو بنی

---

[1] الفرقان 25: 68، 69، و صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7532. 2 فتح الباري: 205/8. 3 إعلام الحديث: 99/3.

اسرائیل پر اتارا گیا تھا۔[1] ② امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کھمبی کا خالص پانی آنکھوں کی تمام بیماریوں کے لیے بہت مفید ہے۔ اگر سرمے میں ملا کر استعمال کیا جائے تو اس کا فائدہ دو چند ہو جاتا ہے۔ شیخ الکمال بن عبداللہ دمشقی جن کی آنکھوں کا نور ختم ہو چکا تھا جب انھوں نے کھمبی کا پانی بطور سرمہ استعمال کیا تو ان کا نور بصارت واپس آ گیا۔[2] یہ خاصیت اس بنا پر ہے کہ اس کی حلت میں ذرا بھر بھی شبہ نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خالص حلال چیز کا استعمال بینائی کے لیے بہت مفید ہے اور حرام اشیاء کا استعمال نظر کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔[3] ③ یاد رہے کہ کھمبی ایک خود رو بوٹی ہے جو موسم برسات میں زمین سے اُگتی ہے، اسے من سے تشبیہ دی گئی کیونکہ جس طرح من بغیر مشقت کے حاصل ہوتا تھا اس طرح کھمبی بھی بغیر محنت کے حاصل ہو جاتی ہے، نیز جو من بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا وہ اصل الاصول ہے، اسی مادے سے اب یہ کھمبی زمین سے اُگتی ہے جو بہت لذیذ اور از حد مفید ہے۔

(٥) بَابٌ: ﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ [٥٨] الْآيَةَ

باب:5- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور جب ہم نے کہا کہ تم اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو (بافراغت) کھاؤ“ کا بیان

﴿رَغَدًا﴾: وَاسِعًا كَثِيرًا.

رَغَدًا کے معنی ہیں: بہت وسیع، فراخ۔

وضاحت: یہ قصہ بھی وادیٔ تیہ کا ہے۔ جب بنی اسرائیل من و سلویٰ کھاتے کھاتے اُکتا گئے اور معمولی کھانے کی درخواست کی تو انھیں ایک شہر جانے کا حکم ہوا، وہاں کھانے کے لیے زمین سے اُگنے والی چیزیں ملیں گی اور کھانے پینے پر کوئی پابندی نہیں ہو گی لیکن قولاً وفعلاً باادب داخل ہوں۔ قولی ادب یہ تھا کہ داخل ہوتے وقت زبان پر حِطَّةٌ کا لفظ ہو اور فعلی ادب یہ کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور دونوں حکم اللہ کی نعمتوں پر شکر اور اپنی تواضع کے اظہار کے لیے تھے۔

٤٤٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ: ﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ﴾ فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ، فَبَدَّلُوا وَقَالُوا:

[4479] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا: ”تم دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔“ لیکن وہ سرینوں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور معافی مانگنے کے بجائے وہ ”بالی میں دانہ“ کہتے رہے۔“

1 صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5345 (2049). 2 شرح صحيح مسلم للنووي، الأشربة، باب فضل الكمأة ومداواة العين بها. 3 فتح الباري: 8/164.

حِطَّةٌ : حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ». [راجع: ٣٤٠٣]

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے بنی اسرائیل کی سرکشی اور احکام الٰہی سے استہزا کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان ظالموں نے تعمیل حکم کے بجائے کردار و گفتار دونوں میں مخالفت کی اور دنیا طلبی میں لگ گئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ تحریف کے بھی مرتکب ہوئے، چنانچہ وہ اس جرم کی پاداش میں سنگین سزا سے دوچار ہوئے۔ ان پر طاعون کا عذاب آیا۔ ② واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اخلاق و کردار کے لحاظ سے اس حد تک زوال پذیر ہو جائے تو پھر قانون الٰہی کے مطابق انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔

(٦) بَابٌ: ﴿مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ﴾ [٩٧]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''جو شخص جبریل کا دشمن ہے'' کی تفسیر

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: جَبْرَ، وَمِيكَ، وَسَرَافِ: عَبْدٌ، إِيلْ: اَللهُ.

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا: لفظ جبر، میک اور سراف تینوں کے معنی بندہ کے ہیں۔ اور لفظ ایل (عبرانی زبان میں) اللہ کے معنی میں ہے، (تو ان کے معنی ''اللہ کا بندہ'' ہوئے۔)

وضاحت: ایک روایت میں ہے کہ جبریل کا نام عبداللہ، میکائیل کا نام عبیداللہ اور اسرافیل کا نام عبدالرحمٰن ہے۔[1]

٤٤٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ: سَمِعَ عَبْدَ اللهِ ابْنَ بَكْرٍ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: سَمِعَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ بِقُدُومِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ فِي أَرْضٍ يَخْتَرِفُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا نَبِيٌّ، فَمَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ؟ وَمَا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدُ إِلَى أَبِيهِ أَوْ إِلَى أُمِّهِ؟ قَالَ: «أَخْبَرَنِي بِهِنَّ جِبْرِيلُ آنِفًا»، قَالَ: جِبْرِيلُ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ: «﴿مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾ أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ

[4480] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کی خبر سنی تو وہ اپنے باغ میں پھل توڑ رہے تھے۔ وہ اسی وقت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: میں آپ سے ایسی تین باتیں پوچھتا ہوں جنھیں نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اہل جنت کی دعوت کے لیے سب سے پہلے کیا چیز پیش کی جائے گی؟ اور بچہ اپنی ماں یا اپنے باپ کے ہم شکل کب ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ابھی جبریل ان باتوں کی خبر دے گئے ہیں۔'' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بولے: جبریل؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ تو فرشتوں میں سے یہود کے دشمن ہیں۔ اس پر آپ

---

[1] مسند أحمد: 16/5. لیکن اس میں اسرافیل کے نام کی وضاحت نہیں ہے۔ و فتح الباري: 207/8.

إِلَى الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوتِ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ»، قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ، يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهُتٌ، وَإِنَّهُمْ إِنْ يَعْلَمُوا بِإِسْلَامِي قَبْلَ أَنْ تَسْأَلَهُمْ يَبْهَتُونِي، فَجَاءَتِ الْيَهُودُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللهِ فِيكُمْ؟» قَالُوا: خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا، وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا، قَالَ: «أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ؟» فَقَالُوا: أَعَاذَهُ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، فَقَالُوا: شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا، وَانْتَقَصُوهُ، قَالَ: فَهٰذَا الَّذِي كُنْتُ أَخَافُ يَا رَسُولَ اللهِ. [راجع: ٣٣٢٩]

ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''جو کوئی جبریل کا دشمن ہے تو اسی نے اس قرآن کو اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر اتارا ہے۔ (پھر آپ نے ان کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:) قیامت کی سب سے پہلی نشانی آگ ہو گی جو انسانوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کر لائے گی۔ اہل جنت کی مہمانی کے لیے جو کھانا سب سے پہلے پیش کیا جائے گا وہ مچھلی کے کلیجے کا ایک اضافی حصہ ہو گا۔ اور جب مرد کا پانی رحم مادر میں پہلے پہنچے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے اور جب ماں کا پانی رحم میں پہلے پہنچ جائے تو بچہ ماں کی صورت پر ہوتا ہے۔'' یہ سنتے ہی سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! یہود بہت بہتان تراش قوم ہے۔ اگر میرے متعلق کچھ پوچھنے سے پہلے انھیں میرے اسلام لانے کا پتہ چل گیا تو وہ مجھ پر بہتان طرازی سے باز نہیں آئیں گے۔ اتنے میں چند یہودی آئے تو نبی ﷺ نے ان سے دریافت کیا: ''عبداللہ بن سلام تمھارے ہاں کیسا آدمی ہے؟'' وہ کہنے لگے: ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر باپ کے بیٹے، ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر عبداللہ بن سلام اسلام لے آئیں تو پھر ان کے متعلق تمھارا کیا خیال ہو گا؟'' یہودی کہنے لگے: اللہ تعالیٰ انھیں اسلام لانے سے اپنی پناہ میں رکھے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (فوراً) سامنے آئے اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر یہودی کہنے لگے: یہ ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے اور

ان کی توہین شروع کر دی۔ حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، یہی اس حدیث اور مذکورہ عنوان میں مطابقت ہے۔ یہ یہودیوں کی حماقت تھی کہ وہ جبریل فرشتے کو اپنا دشمن سمجھتے تھے، حالانکہ فرشتے تو حکم الٰہی کے تابع ہوتے ہیں جو حکم انھیں ملتا ہے وہ اسے بجا لاتے ہیں۔ ② یہودیوں کی حضرت جبریل سے دشمنی درج ذیل وجوہات سے تھی: * ان کا خیال تھا کہ جبریل اپنی طرف سے ہمارے خلاف وحی لے کر آتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے ان کا رد ہو گیا کہ حضرت جبریل تو اللہ کی طرف سے سچی بات لاتا ہے، اپنی طرف سے کچھ کہنے کی اس میں ہمت نہیں ہے۔ * ان کا یہ بھی خیال تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمارے راز دان ہیں اور ہمارے راز رسول اللہ ﷺ کو بتاتے ہیں۔ * ان کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تو انھیں حکم دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل میں نبوت جاری رکھے لیکن اس نے نبوت کو بنی اسماعیل میں جاری کر دیا۔ * یہود کے ایک نبی نے انھیں کہا تھا کہ بخت نصر، بیت المقدس کو ویران کر دے گا۔ پیش بندی کے طور پر یہود نے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ بخت نصر کو قتل کر دے۔ ان کے خیال کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام نے اس آدمی کو قتل کرنے سے روک دیا۔[1] ③ بعض روایات میں ہے کہ خود یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے اس پس منظر میں مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ وہ پانچ چیزیں درج ذیل ہیں: ○ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے آپ پر کیا چیز حرام کی تھی؟ ○ نبوت کی علامتیں کیا ہیں؟ ○ رعد اور اس کی آواز کی کیا حقیقت ہے؟ ○ بچہ نر اور مادہ کیوں ہوتا ہے؟ ○ آسمان سے وحی کون لاتا ہے؟ ④ بچے کا ننھیال یا ددھیال کی شکل وصورت اختیار کرنا رحم مادر میں پانی کے پہلے پہنچنے پر موقوف ہے اور اس کا نر یا مادہ ہونا پانی کے رحم میں پہنچ کر ایک دوسرے پر غالب آنے پر موقوف ہے۔ اگر مرد کا پانی غالب آ گیا تو نر بصورت دیگر مادہ ہوگا۔ اس کی حسب ذیل عام چار صورتیں ہیں: (ا) رحم مادر میں آدمی کا پانی پہلے پہنچے اور غلبہ بھی اسی کے پانی کو ہو تو اس صورت میں بچہ نر اور ددھیال کی شکل اختیار کرے گا۔ (ب) رحم مادر میں عورت کا بیضہ پہلے پہنچ جائے اور غلبہ بھی اسی کو ہو تو اس صورت میں بچہ مادہ اور ننھیال کی صورت اختیار کرے گا۔ (ج) رحم مادر میں آدمی کا پانی پہلے پہنچ جائے لیکن غلبہ عورت کے پانی کو ہو تو اس صورت میں بچہ مادہ اور ددھیال کی شکل پر ہوگا۔ (د) رحم مادر میں عورت کا پانی پہلے پہنچ جائے لیکن غلبہ مرد کے پانی کو ہو تو اس صورت میں بچہ نر لیکن شکل ننھیال کی ہوگی۔

(٧) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ ءَايَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ أَوْ مِثْلِهَآ﴾ [١٠٦]

باب: 7- ارشاد باری تعالیٰ: ”جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں“ کا بیان

٤٤٨١ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا

[4481] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں

[1] فتح الباري: 290/8.

يَحْيٰى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَقْرَؤُنَا أُبَيٌّ، وَأَقْضَانَا عَلِيٌّ، وَإِنَّا لَنَدَعُ مِنْ قَوْلِ أُبَيٍّ، وَذَاكَ أَنَّ أُبَيًّا يَقُولُ: لَا أَدَعُ شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ ءَايَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾

[انظر: ٥٠٠٥]

نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں قرآن کے بہترین قاری حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ فیصلے کرنے کی صلاحیت حضرت علی رضی اللہ عنہ رکھتے ہیں۔ لیکن (اس کے باوجود) ہم حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی یہ بات نہیں مانتے جو ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جن آیات کی بھی تلاوت سنی ہے انھیں ترک نہیں کروں گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں، اس سے بہتر یا اس جیسی کوئی اور آیت لے آتے ہیں۔“ (یعنی حضرت ابی رضی اللہ عنہ نسخ کے قائل نہیں جبکہ مذکورہ آیت سے نسخ ثابت ہوتا ہے۔)

فوائد ومسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ گو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ قرآن کریم کے ماہر قاری ہیں لیکن وہ بعض آیات ایسی بھی پڑھتے ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے مگر انھیں نسخ کی خبر نہیں پہنچی۔ ② نسخ کے اعتبار سے آیات کی چند قسمیں حسب ذیل ہیں: ✱ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو چکے ہیں۔ ✱ جن کا حکم تو منسوخ ہے لیکن تلاوت باقی ہے۔ ✱ جن کی تلاوت منسوخ لیکن حکم باقی ہے۔ ✱ قرآن کریم کا پیشتر حصہ محکم آیات پر مشتمل ہے، یعنی ان کا حکم اور تلاوت دونوں باقی ہیں۔ ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو لیکن اس کی تمام باتیں ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔ خطا اور لغزش ہر ایک عالم سے ممکن ہے۔ اللہ کے بندوں میں صرف انبیائے کرام علیہم السلام ہی معصوم ہوتے ہیں جنھیں براہ راست اللہ تعالیٰ سے احکام ملتے ہیں۔ باقی رہے ائمہ دین اور محدثین عظام، ان کی خدمات کا اعتراف کرنے کے باوجود ان کی حیثیت حضرات انبیاء علیہم السلام سے مختلف ہے۔ ان کی جو بات قرآن و حدیث کے موافق ہو، وہ سر آنکھوں پر اور جو بات قرآن و حدیث کے خلاف ہو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ان بزرگوں کی بھی یہی تعلیم ہے۔ غلطی کا امکان ہر کسی سے ہے، معصوم عن الخطا صرف انبیاء اور رسولوں کی جماعت ہے۔ ④ کفار و مشرکین رسول اللہ ﷺ پر یہ بھی اعتراض کرتے تھے کہ یہ نبی بھی عجیب ہے۔ آج ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہے، کل اس سے منع کر دیتا ہے۔ اس اعتراض کے دور میں مذکورہ آیت نازل ہوئی کہ جب ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں تو مصلحت وقت کے اعتبار سے لوگوں کی ہمت کے موافق پہلے حکم سے بہتر یا اس جیسا کوئی اور حکم نازل کر دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق قرآن کریم کی صرف پانچ آیات منسوخ ہیں۔ واللہ أعلم.

(٨) بَابٌ: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ﴾ [١١٦]

باب:8- ارشاد باری تعالیٰ: ''انھوں نے کہا کہ اللہ کی اولاد ہے (نہیں بلکہ) وہ اس سے پاک ہے'' کی وضاحت

٤٤٨٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ: كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَزَعَمَ أَنِّي لَا أَقْدِرُ أَنْ أُعِيدَهُ كَمَا كَانَ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: لِي وَلَدٌ، فَسُبْحَانِي أَنْ أَتَّخِذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا».

[4482] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی ہے اور مجھے گالی دی ہے، حالانکہ اسے یہ زیب نہیں دیتا۔ اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ اس کے خیال کے مطابق میں اسے قیامت کے دن اصلی حالت میں نہیں اٹھا سکتا اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ میرے لیے اولاد تجویز کرتا ہے، حالانکہ میری ذات اس سے پاک ہے کہ میں اپنے لیے بیوی یا اولاد بناؤں۔''

فوائد ومسائل: ① خیبر کے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا، نجران کے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرزند الٰہی اور مکہ کے کافر ومشرک فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔[1] آج بھی بہت سی قوموں میں اللہ تعالیٰ کے متعلق اس قسم کے غلط تصورات مختلف شکلوں میں موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق صحیح ترین عقیدہ وہی ہے جو قرآن کریم نے سورۂ اخلاص میں بیان کیا ہے۔ ② اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے کو گالی سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس عقیدے سے اللہ تعالیٰ کی توہین اور تنقیص ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ بچے کے لیے والدہ کا ہونا ضروری ہے جو اس کا حمل اٹھائے، پھر اسے جنم دے، نیز اس سے پہلے نکاح کا ہونا بھی ضروری ہے، نکاح کرنے والے میں صنفی جذبات بھی ہونے چاہییں تاکہ میاں بیوی کے ملاپ سے بچے کی پیدائش ممکن ہو۔ ان تمام باتوں سے اللہ پاک ہے۔ اس کی نہ بیوی ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ وہ اکیلا ہے اور بیوی بچوں سے بے نیاز ہے۔ ③ یہ قدسی حدیث ہے، یعنی اسے رسول اللہ ﷺ، رب العالمین سے بیان کرتے ہیں۔ قدسی حدیث اور قرآن کریم میں حسب ذیل فرق ہے: * قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جبکہ حدیث قدسی میں معانی تو اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور ان معانی کو رسول اللہ ﷺ اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ * قرآن کریم کی تلاوت عبادت ہے جبکہ حدیث قدسی کا پڑھنا عبادت شمار نہیں ہوتا بلکہ ایک عام اچھا عمل ہے۔ * قرآن کریم کو نماز میں پڑھا جاتا ہے لیکن حدیث قدسی کو نماز میں پڑھنا درست نہیں۔ * قرآن کریم کے لیے متواتر ہونا شرط ہے، مگر حدیث کے ثبوت کے لیے تواتر شرط نہیں۔

---

① فتح الباري: 210/8.

(۹) بَابٌ: ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَٰهِـۧمَ مُصَلًّى﴾ [۱۲۵]

باب: 9- ارشاد باری تعالیٰ: ''ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو تم اپنے لیے جائے نماز بنالو'' کا بیان

﴿مَثَابَةً﴾: يَثُوبُونَ: يَرْجِعُونَ.

مَثَابَةً کا لفظ یَثُوْبُوْنَ سے مأخوذ ہے جس کے معنی ہیں: وہ لوٹتے ہیں۔

وضاحت: اس آیت کے پہلے حصے میں بیت اللہ کی صفت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ یہ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس لفظ کی لغوی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ یَثُوْبُوْنَ کا مصدر میمی ہے، جس کے معنی لوٹنا ہیں۔ یا ظرف مکان ہے، یعنی لوٹنے کی جگہ۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ بیت اللہ کی زیارت کر لیتا ہے وہ دوبارہ سہ بارہ آنے کے لیے بے قرار رہتا ہے۔ یہ ایسا شوق ہے جس کی کبھی تسکین نہیں ہوتی بلکہ روز بروز بڑھتا ہی رہتا ہے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی بیان کیے جاتے ہیں کہ بیت اللہ لوگوں کے لیے ثواب کی جگہ ہے۔

٤٤٨٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: وَافَقْتُ اللهَ فِي ثَلَاثٍ - أَوْ وَافَقَنِي رَبِّي فِي ثَلَاثٍ - قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَوِ اتَّخَذْتَ مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى، وَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! يَدْخُلُ عَلَيْكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ فَلَوْ أَمَرْتَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحِجَابِ، فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ الْحِجَابِ. قَالَ: وَبَلَغَنِي مُعَاتَبَةُ النَّبِيِّ ﷺ بَعْضَ نِسَائِهِ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِنَّ قُلْتُ: إِنِ انْتَهَيْتُنَّ أَوْ لَيُبَدِّلَنَّ اللهُ رَسُولَهُ ﷺ خَيْرًا مِنْكُنَّ، حَتَّى أَتَيْتُ إِحْدَى نِسَائِهِ قَالَتْ: يَا عُمَرُ! أَمَا فِي رَسُولِ اللهِ ﷺ مَا يَعِظُ نِسَاءَهُ حَتَّى تَعِظَهُنَّ أَنْتَ؟ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿عَسَىٰ رَبُّهُۥٓ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُۥٓ أَزْوَٰجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ مُسْلِمَٰتٍ﴾ [التحريم: ٥] اَلْآيَةَ.

[راجع: ٤٠٢]

[4483] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری تین باتیں بالکل اللہ (کی وحی) کے مطابق ہوئیں یا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین باتوں میں میرے ساتھ اتفاق کیا۔ (اول) میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر آپ مقام ابراہیم کو جائے نماز قرار دے لیں (تو بہت اچھا ہو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔'') (دوم) میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کے پاس اچھے برے ہر قسم کے لوگ آتے ہیں۔ اگر آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دے دیں (تو مناسب ہے)۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔ (سوم) مجھے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کسی بیوی سے ناراض ہیں تو میں ان کے پاس گیا اور انھیں کہا: دیکھو! تم اس قسم کی باتوں سے باز آ جاؤ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم ﷺ کو تم سے بہتر بیویاں بدل دے گا۔ اس کے بعد جب میں آپ کی ایک اہلیہ

کے پاس گیا تو وہ بول اٹھیں: اے عمر! تم جو نصیحت کرتے ہو کیا رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کو وہ نصیحت نہیں کر سکتے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اگر پیغمبر تمھیں طلاق دے دے تو عجب نہیں کہ اس کا پروردگار تمھارے بدلے میں اسے تم سے بہتر بیویاں دے دے جو فرمانبردار ہوں گی......''

وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ: سَمِعْتُ أَنَسًا، عَنْ عُمَرَ.

ابن ابی مریم نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، انھیں حمید نے حدیث بیان کی ہے، انھوں نے حضرت انس ؓ سے سنا، وہ حضرت عمر ؓ سے بیان کرتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① مقام ابراہیم کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ راجح یہ ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور جو اب تک موجود ہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات ہیں۔ اب اس پتھر کو ایک شیشے کے گلوب میں محفوظ کر دیا گیا ہے جسے ہر حاجی اور عمرہ کرنے والا آسانی دیکھ سکتا ہے۔ ② طواف مکمل کرنے کے بعد اس مقام پر دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ پہلے بیت اللہ سے متصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ کے زمانے تک اپنے پہلے مقام پر رہا۔ حضرت عمر ؓ نے جب دیکھا کہ اس سے طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے تو انھوں نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ واضح رہے کہ بیت اللہ میں مقام ابراہیم کی جگہ مصلیٰ تھا مگر صد افسوس! کہ تقلید شخصی سے متاثرین نے کعبے کو تقسیم کر کے اس میں چار مصلے قائم کر دیے اور اس طرح امت مسلمہ چار حصوں میں بٹ گئی۔ جب ایک مصلے والے نماز پڑھتے تو دوسرے کھڑے رہتے اور وہ نماز میں شریک نہ ہوتے، فراغت کے بعد وہ اپنی نماز ادا کرتے۔ اللہ تعالیٰ حکومت سعودیہ کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے جس نے پھر اسلام اور کعبے کی وحدت کو قائم رکھنے کے لیے امت مسلمہ کو ایک ہی مصلے پر جمع کر دیا۔ باقی مصلوں کو ختم کر کے امت مسلمہ کو گروہ بندیوں اور افتراق سے محفوظ کر دیا۔ ③ قرآن کریم کی تقریباً پندرہ آیات ہیں جو سیدنا عمر ؓ کی رائے کے موافق نازل ہوئیں۔ انھیں ''موافقات عمر'' کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی بنا پر حضرت عمر ؓ کے متعلق فرمایا: ''عمر کی زبان پر حق بولتا ہے۔''[1] نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''پہلی امتوں میں مُحدَّث اور ملہم لوگ ہوتے تھے، میری امت میں عمر مُحدَّث ہیں۔''[2] اس حدیث میں تین مقامات کا ذکر ہے، کسی عدد کا ذکر کرنا زائد کے لیے مانع نہیں ہوتا۔ اگرچہ حکم الٰہی حضرت عمر ؓ کی رائے کے تابع نہیں، تاہم اللہ تعالیٰ کا حکم ان کی رائے کے موافق نازل ہوا۔ ممکن ہے حضرت عمر ؓ نے جب حضرت انس ؓ سے گفتگو کی تو اس وقت ابھی تین مواقع پر موافقت ہوئی ہو باقی موافقات اس

[1] سنن أبي داود، الخراج، حديث: 2962. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3689.

کے بعد وقوع پذیر ہوئی ہوں۔ [1] واللہ أعلم.

(١٠) بَابٌ: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ﴾ [١٢٧]

باب: 10- ارشاد باری تعالیٰ: "اور جب ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھا رہے تھے (اور یہ دعا کر رہے تھے:) اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ نیکی) قبول کر لے۔ بے شک تو ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے" کا بیان

﴿ٱلْقَوَاعِدَ﴾: أَسَاسُهُ، وَاحِدَتُهَا قَاعِدَةٌ. ﴿وَٱلْقَوَاعِدُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ﴾ [النور: ٦٠]: وَاحِدُتُهَا قَاعِدٌ.

اَلْقَوَاعِد، قَاعِدَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی بنیاد کے ہیں۔ اور قرآن میں وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ میں وارد قواعد کا مفرد قَاعِدٌ ہے۔

وضاحت: قَوَاعِد کا لفظ عربی زبان میں دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے: جس کا مفرد تائے تانیث کے ساتھ ہے، اس کے معنی اساس، یعنی بنیاد کے ہیں اور جس قواعد کا مفرد تائے تانیث کے بغیر ہے اس سے مراد وہ عورت ہے جو حیض، اولاد اور نکاح وغیرہ سے مایوس ہو کر بیٹھ جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف اتحاد لفظی کی وجہ سے ان کے درمیان فرق واضح کرنے کی غرض سے اس کا ذکر کر دیا ہے۔ چونکہ قاعد کا لفظ عورتوں کے لیے خاص ہے، اس لیے تائے تانیث لانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ حائض میں تائے تانیث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ واللہ أعلم.

٤٤٨٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَخْبَرَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: قَالَ: «أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ قَوْمَكِ بَنَوُا الْكَعْبَةَ وَاقْتَصَرُوا عَنْ قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ؟» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَا تَرُدُّهَا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ؟ قَالَ: «لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ». فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: لَئِنْ كَانَتْ عَائِشَةُ سَمِعَتْ هٰذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ،

[4484] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا تم دیکھتی نہیں ہو کہ جب تمھاری قوم نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تو اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے کم کر دیا؟" میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں کے مطابق پورا کیوں نہیں کر دیتے؟ آپ نے فرمایا: "اگر تیری قوم ابھی نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تو میں ایسا ہی کرتا۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واقعی رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کونوں کو جو حطیم کے قریب

1 عمدة القاري: 428/12.

مَا أُرٰى رَسُولَ اللهِ ﷺ تَرَكَ اسْتِلَامَ الرُّكْنَيْنِ اللَّذَيْنِ يَلِيَانِ الْحِجْرَ إِلَّا أَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يُتَمَّمْ عَلٰى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ. [راجع: ١٢٦]

ہیں طواف کے وقت چھونا اسی لیے ترک کر دیا تھا کہ بیت اللہ کی تعمیر اساس ابراہیمی کے مطابق نہیں ہوئی تھی۔ (اور وہ کونے اصلی نہیں ہیں۔)

فائدہ: عنوان اور حدیث میں وجہ مطابقت یہ ہے کہ اس حدیث میں ابراہیمی بنیادوں کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی ہم درج ذیل نقشے سے وضاحت کرتے ہیں:
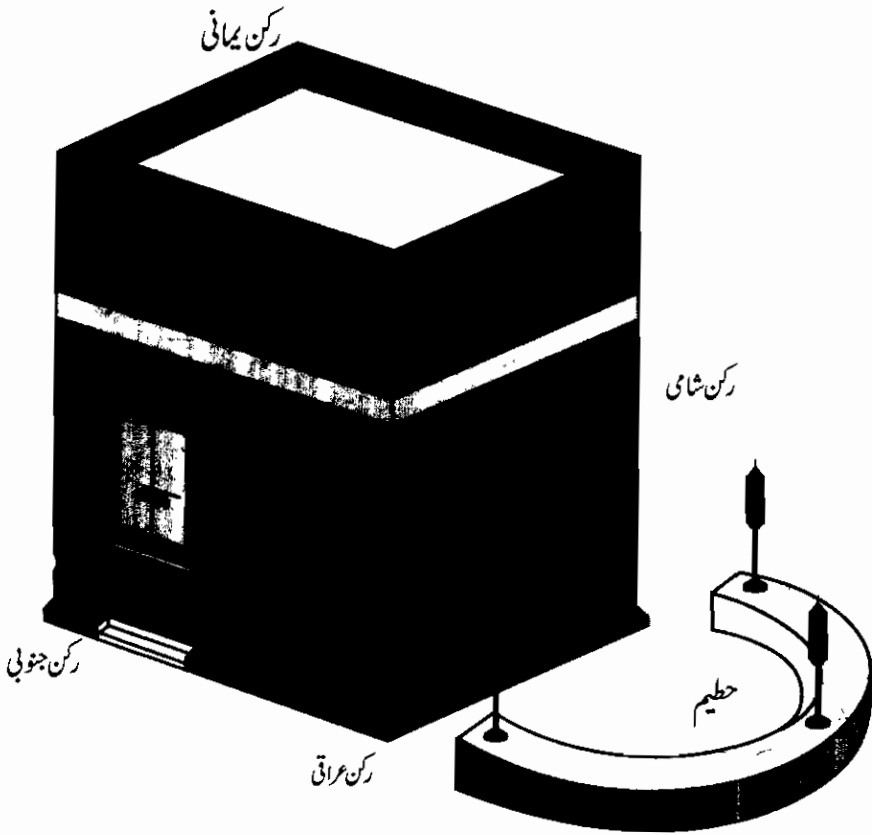
حطیم کے متصل دو کونوں کو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ لگانا چھوڑ دیا کیونکہ بیت اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم کی رکھی ہوئی بنیادوں پر پوری نہیں ہوئی تھی بلکہ چھ گز کے قریب جگہ چھوڑ دی گئی تھی جسے حطیم کہا جاتا ہے اور یہ حطیم بیت اللہ کا حصہ ہے جسے مالی کمی کی وجہ سے کفار قریش نے چھوڑ دیا تھا۔

(١١) بَابٌ: ﴿قُولُوٓا ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡنَا﴾ [١٣٦]

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: ”تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی“ کا بیان

٤٤٨٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَؤُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَ﴿قُولُوٓا ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡنَا﴾» الْآيَةَ. [انظر: ٧٣٦٢، ٧٥٤٢]

[4485] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اہل کتاب، تورات کو خود عبرانی زبان میں پڑھتے لیکن مسلمانوں کے لیے اس کی تفسیر عربی میں کرتے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی۔“

فوائد ومسائل: ① قرآن مجید میں ہے کہ وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اس لیے پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ ایمان اجمالی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء علیہم السلام پر انھیں نازل فرمایا اور جو کچھ ان کتابوں میں تھا وہ حق تھا، اس بنا پر ان کے بیان کردہ جو حقائق قرآن کریم کے مطابق ہیں وہ قابل تصدیق ہیں اور جن کا رد قرآن کریم میں موجود ہے وہ قابل تکذیب ہیں اور جن باتوں کے متعلق قرآن کریم خاموش ہے ان کے متعلق وہی توقف کا اصول ہے جو حدیث بالا میں مذکور ہے کیونکہ اہل کتاب جو کچھ بیان کریں گے وہ دو حالتوں سے خالی نہیں: اگر ہم اس کی تصدیق کریں تو ممکن ہے کہ وہ درحقیقت صحیح نہ ہو بلکہ تحریف شدہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہم اس کی تکذیب کریں جبکہ وہ درحقیقت صحیح اور درست ہو۔ چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے احکام وشرائع میں جزوی فرق رہا ہے، اس لیے توقف ضروری ہے۔ ② موجودہ اہل کتاب تو بہت زیادہ گمراہی میں گرفتار ہیں، لہٰذا وہ اس حدیث کے زیادہ مصداق ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشکل معاملات میں توقف کرنا چاہیے، تصدیق و انکار میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ واللہ أعلم.

(١٢) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّىٰهُمۡ عَن قِبۡلَتِهِمُ﴾ [١٤٢] الْآيَةَ

باب: 12- ارشاد باری تعالیٰ: ”عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے پہلے قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا“ کا بیان

وضاحت : دراصل صراط مستقیم، عقیدۂ توحید، اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ پر مشتمل وہ راستہ ہے جسے حضرات انبیاء ﷺ، صدیقین، شہدا اور صلحاء نے اختیار کیا ہے، لیکن آیت کریمہ میں بیت اللہ کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسے اہل اسلام کے لیے روحانی اور ملی یکجہتی کی علامت قرار دیا گیا۔ اس کی اہمیت درج ذیل حدیث سے خوب اُجاگر ہوتی ہے۔

٤٤٨٦ – حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، سَمِعَ زُهَيْرًا، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ يُعْجِبُهُ أَنْ تَكُونَ قِبْلَتُهُ قِبَلَ الْبَيْتِ، وَإِنَّهُ صَلَّى أَوْ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ وَصَلَّى مَعَهُ قَوْمٌ، فَخَرَجَ رَجُلٌ مِّمَّنْ كَانَ صَلَّى مَعَهُ، فَمَرَّ عَلَى أَهْلِ الْمَسْجِدِ وَهُمْ رَاكِعُونَ، قَالَ: أَشْهَدُ بِاللهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قِبَلَ مَكَّةَ، فَدَارُوا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ، وَكَانَ الَّذِي مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ، قَبْلَ أَنْ تُحَوَّلَ قِبَلَ الْبَيْتِ، رِجَالٌ قُتِلُوا لَمْ نَدْرِ مَا نَقُولُ فِيهِمْ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَٰنَكُمْ إِنَّ ٱللَّهَ بِٱلنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [١٤٣]. [راجع: ٤٠]

[4486] حضرت براء ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سولہ یا سترہ مہینے تک نماز پڑھی، البتہ آپ کی خواہش تھی کہ قبلہ، بیت اللہ (کعبہ) ہو جائے۔ بالآخر آپ نے ایک دن نماز عصر (بیت اللہ کی طرف رخ کر کے) پڑھی اور آپ کے ہمراہ صحابۂ کرام ؓ بھی تھے۔ جن حضرات نے آپ کے ہمراہ یہ نماز پڑھی تھی، ان میں سے ایک شخص مدینہ طیبہ کی ایک مسجد کے قریب سے گزرا تو نمازی مسجد میں بحالت رکوع تھے۔ اس (صحابی) نے کہا: میں اللہ کا نام لے کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ کے ہمراہ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ یہ سن کر مسجد کے تمام نمازی اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔ (سلام کے بعد آپس میں) کہنے لگے کہ جو حضرات کعبہ کے قبلہ بننے سے قبل انتقال کر گئے ہیں ان کے متعلق ہم کیا کہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ”اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان (نمازوں) کو ضائع کر دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد شفقت کرنے والا، انتہائی مہربان ہے۔“

فوائد ومسائل: ① جب تحویل قبلہ ہوا تو کفار و مشرکین اور منافقین و یہود نے طرح طرح کی باتیں کرنا شروع کر دیں: مشرکین مکہ کہنے لگے: اب محمد (ﷺ) رفتہ رفتہ ہمارے طریقے کو اختیار کر رہے ہیں۔ چند دنوں کے بعد نیا دین چھوڑ کر اپنے آبائی دین کو اختیار کر لیں گے۔ مدینہ طیبہ کے منافقین کہنے لگے: اگر پہلا قبلہ صحیح تھا تو دوسرا قبلہ غلط ہے اور اگر دوسرا صحیح ہے تو پہلا غلط تھا۔ اسی طرح اہل کتاب کہنے لگے: اگر یہ سچے رسول ہوتے تو پہلے انبیاء کی طرح بیت المقدس ہی کو قبلہ بناتے۔ اسی طرح یہ سب مل کر بے ہودہ اور فضول باتیں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فضول باتوں کے جواب میں یہ آیات نازل فرمائیں: ”عنقریب

بے وقوف لوگ کہیں گے......'' آخر تک۔[1] ② واضح رہے کہ آیت کریمہ میں نمازوں کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے، جس سے ایمان اور اعمال میں یکسانیت معلوم ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ ایمان کوئی جامد چیز نہیں جس میں کمی بیشی نہ ہو بلکہ اطاعت سے اس میں اضافہ اور نافرمانی سے اس میں کمی آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں اہل ایمان کو تسلی دی ہے کہ ان کی نمازیں ضائع نہیں ہوئیں بلکہ انھیں ان کی نمازوں کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ اس آیت میں نماز کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ نماز کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔

(١٣) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [١٤٣]

باب: 13- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اسی طرح ہم نے تمھیں امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہی دے'' کی تفسیر

٤٤٨٧ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ وَأَبُو أُسَامَةَ - وَاللَّفْظُ لِجَرِيرٍ - عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ - وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ - عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُدْعَى نُوحٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَبِّ! فَيَقُولُ: هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيُقَالُ لِأُمَّتِهِ: هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: مَا أَتَانَا مِنْ نَذِيرٍ، فَيَقُولُ: مَنْ يَشْهَدُ لَكَ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ، فَيَشْهَدُونَ أَنَّهُ قَدْ بَلَّغَ ﴿وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾» وَالْوَسَطُ: الْعَدْلُ. [راجع: ٣٣٣٩]

[4487] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا تو وہ عرض کریں گے: پروردگار! میں حاضر ہوں۔ آپ کا جو ارشاد ہو میں اسے بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔ پروردگار فرمائے گا: کیا تم نے لوگوں کو ہمارے احکام بتا دیے تھے؟ وہ کہیں گے: ''ہاں۔'' پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا: کیا انھوں نے تمھیں میرا حکم پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے: ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائے گا: تمھارا کوئی گواہ ہے؟ وہ عرض کریں گے: حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت گواہ ہے۔ پھر اس امت کے لوگ گواہی دیں گے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کا پیغام پہنچایا تھا۔ ''اور پیغمبر علیہ السلام تم پر گواہ بنیں گے۔'' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے: ''اسی طرح ہم نے تمھیں امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تمھارے لیے گواہی دے۔'' آیت میں لفظ وَسَط کے معنی عادل اور منصف کے ہیں۔

1 فتح الباري: 215/8.

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت سے دریافت کرے گا: ''تمھیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟'' وہ عرض کریں گے: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ تمام رسولوں نے اپنی اپنی امت کو اللہ کا حکم پہنچا دیا تھا۔ ان کی خبر صحیح تھی۔ اس پر ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کی تصدیق کر دی۔[1] ② اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ گواہی کے لیے کسی چیز کا مشاہدہ ضروری نہیں بلکہ کسی امر کے متعلق علم و اطلاع ہونا ہی کافی ہے، وگرنہ اس امت کے لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق کیونکر گواہی دیں گے کہ وہ حق پر ہیں، کیا یہ لوگ اس وقت وہاں موجود تھے؟ انھیں اس کا علم رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے ہوا اور اس علم کی بنیاد پر انھوں نے گواہی دی۔ ③ واضح رہے کہ وسط کے لغوی معنی تو درمیان کے ہیں لیکن یہ لفظ بہتر اور افضل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں اس کی وضاحت کی ہے، یعنی جس طرح تمھیں سب سے بہتر قبلہ عطا کیا گیا ہے اسی طرح تمھیں تمام امتوں سے افضل امت بنایا گیا ہے۔ وسط کے ایک معنی اعتدال بھی کیے گئے ہیں، یعنی تم معتدل اور افراط و تفریط سے پاک ہو۔ یہ معنی اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے ہیں، یعنی دینی معاملات میں نہ تو عیسائیوں کی طرح غلو کا شکار ہیں اور نہ یہودیوں کی طرح تقصیر ہی کے مرتکب ہیں۔[2] صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وسط کے یہ معنی مرفوع حدیث کا حصہ ہیں جیسا کہ کتاب الاعتصام میں وسطًا عدلًا کے الفاظ ہیں۔[3]

(١٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَآ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ﴾ الْآيَةَ [١٤٣].

باب: 14- ارشاد باری تعالیٰ: ''جس قبلے پر تم پہلے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں رسول کا سچا تابع فرمان کون ہے'' کا بیان

٤٤٨٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: بَيْنَا النَّاسُ يُصَلُّونَ الصُّبْحَ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ إِذْ جَاءَ جَاءٍ فَقَالَ: أَنْزَلَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قُرْآنًا أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا، فَتَوَجَّهُوا إِلَى الْكَعْبَةِ. [راجع: ٤٠٣]

[4488] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک صاحب آئے اور انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر قرآن نازل کیا ہے کہ آپ نماز میں کعبہ کی طرف منہ کریں، لہٰذا آپ حضرات بھی کعبہ کی طرف منہ کر لیں، تو سب نمازی اسی وقت کعبہ کی طرف پھر گئے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں وضاحت ہے کہ ان کے چہرے شام کی طرف تھے تو انھوں نے دوران نماز ہی میں کعبے کی طرف منہ کر لیا۔[4] دوران نماز میں بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا ایک واقعہ مسجد قبلتین میں بھی پیش آیا تھا۔ اس مسجد کو قبلتین کہنے کی وجہ تسمیہ یہی ہے جیسا کہ حدیث: 4486 میں ہے۔ یہ دوسرا واقعہ مسجد قباء میں پیش آیا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں

---

① مسند أحمد: 58/3. ② فتح الباري: 217/8. ③ صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب و السنة، حديث: 7349.
④ صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 403.

اس کی وضاحت ہے۔ ② اس آیت کریمہ میں تحویل قبلہ کی ایک غرض یہ بیان کی گئی ہے کہ اہل ایمان کے لیے اِدھر سے اُدھر پھر جانا کوئی مشکل معاملہ نہ تھا کیونکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کے اشارے کے منتظر تھے، البتہ اہل یقین کو اہل شک سے علیحدہ کرنا مقصود تھا تاکہ معاشرے میں دونوں قسم کے لوگ نمایاں ہو جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ واللہ المستعان.

(١٥) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي ٱلسَّمَآءِ﴾ الْآيَةَ [١٤٤]

باب: 15- ارشاد باری تعالیٰ: "یقیناً ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں" کا بیان

٤٤٨٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَمْ يَبْقَ مِمَّنْ صَلَّى الْقِبْلَتَيْنِ غَيْرِي.

[4489] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ جن لوگوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، ان میں سے میرے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا۔

فوائد و مسائل: ① تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ بڑی شدت سے اس امر کے منتظر تھے کہ بنی اسرائیل کی امامت کا دور ختم ہو چکا ہے اب بیت المقدس کی مرکزیت بھی ختم ہونی چاہیے، اب تو اصل مرکز ابراہیمی کی طرف رخ کرنے کا وقت قریب آ لگا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس پس منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ آیت اگرچہ تلاوت کے اعتبار سے متاخر ہے لیکن معنی کے لحاظ سے متقدم ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ آنے کے بعد اللہ کے حکم کے مطابق بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور تمنا کرتے رہے کہ کاش! ان کا قبلہ مسجد حرام کو قرار دیا جائے، چنانچہ مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کی تمنا کو پورا کر دیا گیا۔ ② واضح رہے کہ جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بیت المقدس اور کعبے کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ ان سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بصرے میں رہتے ہوئے اپنی عمر کے آخری حصے میں یہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے 103 سال عمر پائی اور 90 ہجری میں فوت ہوئے، البتہ کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان کی وفات کے وقت زندہ تھے جو تحویل قبلہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ چونکہ انھوں نے ایک ہی قبلے کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کی تھیں، لہٰذا وہ اس حدیث کا مصداق نہیں ہیں۔ واللہ أعلم.

(١٦) بَابٌ: ﴿وَلَئِنْ أَتَيْتَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ بِكُلِّ ءَايَةٍ مَّا تَبِعُوا۟ قِبْلَتَكَ﴾ الْآيَةَ [١٤٥].

باب: 16- ارشاد باری تعالیٰ: "اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنھیں کتاب مل چکی ہے ہر قسم کے دلائل لے آئیں، تب بھی یہ لوگ آپ کے قبلے کو تسلیم نہیں کریں گے" کا بیان

وضاحت: یہود کا قبلہ بیت المقدس اور عیسائیوں کا مطلع آفتاب تھا، حالانکہ دونوں کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے، لیکن

دونوں گروہ اپنی اپنی رائے پر سختی سے عمل پیرا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ نہ یہ لوگ باطل کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ آپ نے حق کو ترک ہی کرنا ہے۔ آپ سے تو ایسا ہونا ممکن ہی نہیں اور آپ ان سے کسی خیر کی توقع نہ کریں اور نہ ہدایت ہی کی امید رکھیں۔

٤٤٩٠ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: بَيْنَمَا النَّاسُ فِي الصُّبْحِ بِقُبَاءٍ جَاءَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، أَلَا فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَ وَجْهُ النَّاسِ إِلَى الشَّامِ فَاسْتَدَارُوا بِوُجُوهِهِمْ إِلَى الْكَعْبَةِ.
[راجع: ٤٠٣]

[4490] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک صاحب ان کے پاس آئے اور کہنے لگے: آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا آپ لوگ بھی اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کر لیں۔ اس وقت لوگوں کا رخ شام (بیت المقدس) کی طرف تھا تو وہ اسی حالت میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔

فائدہ: اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ مسلمانوں نے محض ایک شخص کی خبر سے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی اور نماز سے فراغت کا بھی انتظار نہیں کیا، لیکن اہل کتاب کا رویہ اس قدر عناد پر مبنی تھا کہ انھیں ہر قسم کے دلائل مہیا کر دینے کے باوجود بھی انھوں نے آپ کی اتباع نہیں کی۔ ② واضح رہے کہ بیت المقدس، مدینہ طیبہ سے عین شمال میں ہے اور کعبہ بالکل جنوب میں واقع ہے، نماز باجماعت پڑھتے ہوئے قبلہ تبدیل کرنے میں لامحالہ امام کو چل کر مقتدیوں کے پیچھے آنا پڑا ہو گا اور مقتدی حضرات کو اپنا صرف رخ ہی نہیں بدلنا پڑا ہو گا بلکہ کچھ نہ کچھ انھیں بھی چل کر اپنی صفیں درست کرنا پڑی ہوں گی، چنانچہ بعض روایات میں اس طرح کی تفصیل مذکور ہے۔ واللہ أعلم.

(١٧) بَابٌ: ﴿ٱلَّذِينَ ءَاتَيْنَٰهُمُ ٱلْكِتَٰبَ يَعْرِفُونَهُۥ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَآءَهُمْ﴾ الْآيَةَ [١٤٦]

باب: 17- ارشاد باری تعالیٰ: ”وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں“ کی تفسیر

وضاحت: تورات میں تحویل قبلہ کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کی علامت کے طور پر موجود تھا کہ وہ ابتدا میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے، پھر تحویل قبلہ ہو گا، آخر کار وہ آخر الزمان نبی ﷺ کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے، نیز اہل کتاب کے مختلف صحیفوں میں بھی خانہ کعبہ کے قبلہ بننے کے متعلق واضح ارشادات موجود تھے، اس بنا پر اس آخر الزمان نبی کا برحق ہونا انھیں یقینی طور پر معلوم تھا لیکن ذاتی عناد اور نسلی غرور قبول حق کے لیے رکاوٹ بن گیا، دلائل کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ

اثر پذیری کے لیے ضروری ہے کہ دل صاف ہو لیکن ان کے دلوں میں کدورت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے تھے، البتہ ان کے اندر حضرت عبداللہ بن سلام ؓ جیسے لوگ بھی موجود تھے جنھوں نے حق کو قبول کیا اور اپنے باطنی صفا اور صدق و وفا کی وجہ سے مشرف باسلام ہوئے۔ انھوں نے حضرت عمر ؓ کے سامنے اس امر کا اعتراف کیا کہ یقیناً حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں لیکن میں اپنے بیٹے کے متعلق ایسی گواہی نہیں دے سکتا کیونکہ ہمیں اپنی بیویوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ خیانت کی مرتکب ہوئی ہوں۔ اس پر حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تجھے اچھی توفیق دی ہے۔[1]

٤٤٩١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ، فَقَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ. [راجع: ٤٠٣]

[4491] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک وقت لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے ان کے پاس آ کر کہا: آج رات نبی ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو حکم ہوا ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کر لیں، اس لیے آپ لوگ کعبے کی طرف منہ کر لیں۔ اس وقت ان کا منہ شام (بیت المقدس) کی طرف تھا، چنانچہ سب نمازی کعبے کی طرف پھر گئے۔

فائدہ: امام بخاری ؒ نے اس حدیث پر کئی ایک عنوان قائم کیے ہیں اور اس سلسلے میں متعدد آیات ذکر کی ہیں۔ یہی طریقہ سورۃ المنافقین میں اختیار کیا گیا ہے۔ متعدد آیات اور تکرار واقعات سے امام بخاری ؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان آیات میں سے کوئی آیت بھی اس قصے سے باہر نہیں، یعنی یہ تمام آیات تحویل قبلہ سے متعلق ہیں۔

(١٨) بَابٌ: ﴿وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾ الْآيَةَ [١٤٨]

باب: 18- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہر صاحب مذہب کا ایک قبلہ ہوتا ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے'' کا بیان

وضاحت: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب دین و ملت کے لیے ایک مخصوص سمت ہوتی ہے جس کی طرف وہ عبادت کرتے وقت منہ کرتا ہے جیسا کہ مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر صاحب مذہب نے اپنا ایک طریقہ قائم کر رکھا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔''[2]

٤٤٩٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْنَا

[4492] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، پھر اللہ تعالیٰ نے

---

1 عمدة القاري: 434/12. 2 المآئدة 5:48.

مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، ثُمَّ صَرَفَهُ نَحْوَ الْقِبْلَةِ.

[راجع: ٤٠]

آپ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔

فائدہ: تحویل قبلہ کا حکم رجب یا شعبان 2 ہجری میں نازل ہوا۔ ہوا یوں کہ قبیلۂ بنوسلمہ میں بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو آپ وہاں جنازے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ مقام مسجد نبوی سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ جنازے سے فراغت کے بعد آپ سے کھانا کھانے کی درخواست کی گئی۔ اتنے میں ظہر کا وقت ہو گیا تو آپ نے ظہر کی نماز مسجد بنوسلمہ میں ادا فرمائی۔ دوران نماز میں وحی کے ذریعے سے آپ کو تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا تو اسی وقت آپ اور آپ کے پیروکار بیت المقدس سے کعبے کی طرف پھر گئے۔ چونکہ آپ بارہ ربیع الاول بروز پیر مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تھے، اس بنا پر کسر کو شمار کریں تو سترہ اور کسر کو حذف کریں تو سولہ ماہ بنتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(١٩) [بَابٌ]: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ﴾ [١٤٩] الْآيَةَ.

باب: 19- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور تو جہاں سے بھی نکلے (نماز کے وقت) اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لے“ کا بیان

﴿شَطْرَهُۥ﴾: [١٥٠] تِلْقَاءَهُ.

آیت میں شَطْرَهُ کے معنی ہیں: ”مسجد حرام کی طرف“۔

وضاحت: قبلے کی طرف منہ کرنے کا حکم تین مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل تین وجوہات ہیں: (ا) اس کی تائید اور اہمیت کو واضح کرنے کے لیے۔ (ب) نسخ کا پہلا تجربہ تھا، اس لیے ذہنی خلش دور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرا کر دلوں میں راسخ کر دیا جائے۔ (ج) تعدد علت کی وجہ سے ایسا کیا گیا، متعدد علتیں یہ ہیں: * رسول اللہ ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی، اس لیے وہاں اسے بیان کیا۔ * ہر اہل ملت اور صاحب دعوت کے لیے ایک مستقل مرکز کا وجود ناگزیر ہے، اس لیے وہاں اسے دہرایا۔ * مخالفین کے اعتراضات اور شبہات کا ازالہ بھی ضروری تھا، لہٰذا اسے وہاں بھی ذکر کیا گیا۔

٤٤٩٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا يَقُولُ: بَيْنَمَا النَّاسُ فِي الصُّبْحِ بِقُبَاءٍ إِذْ جَاءَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ: أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ فَأُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا، فَاسْتَدَارُوا كَهَيْئَتِهِمْ

[4493] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا: آج رات قرآن نازل ہوا ہے اور کعبے کی طرف منہ کر لینے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے آپ لوگ خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیں، چنانچہ وہ لوگ اسی حالت میں پھر گئے اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر لیا، پہلے ان کا منہ

فَتَوَجَّهُوا إِلَى الْكَعْبَةِ، وَكَانَ وَجْهُ النَّاسِ إِلَى الشَّامِ. [راجع: ٤٠٣]

شام کی طرف تھا۔

(٢٠) [بَابٌ]: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ [١٥٠].

باب: 20- ارشاد باری تعالیٰ: ''جس جگہ سے بھی آپ نکلیں، اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے اسی طرف کیا کرو'' کا بیان

٤٤٩٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: بَيْنَمَا النَّاسُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ بِقُبَاءٍ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْقِبْلَةِ. [راجع: ٤٠٣]

[4494] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ لوگ ابھی مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ ایک آنے والے نے آ کر خبر دی: آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے آپ لوگ بھی اسی طرف منہ کر لیں۔ وہ لوگ اس وقت شام (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے وہ اسی حالت میں کعبے کی طرف پھر گئے۔

فوائد و مسائل: ① مسلمانوں کے لیے جب بیت اللہ قبلہ بنا تو مدینہ طیبہ میں ایک فتنہ برپا ہو گیا۔ اہل کتاب، منافقین اور مشرکین نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں اور مختلف قسم کے شبہات پھیلانا شروع کر دیے۔ ایسی فضا ختم کرنے کے لیے اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات راسخ کرنے کے لیے کہ بیت اللہ اب ان کا ہمیشہ کے لیے قبلہ ہو گیا ہے ضرورت تھی کہ مختلف انداز میں یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کرا دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے رسول کو خطاب کر کے فرمایا: ''سفر و حضر میں آپ کہیں بھی ہوں نماز میں اپنا رخ کعبے کی طرف کریں۔'' چونکہ یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے بھی تھا، اس لیے امت اسلامیہ کو خطاب کر کے فرمایا: ''تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو نماز میں مسجد حرام کی طرف رخ کرو۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے مزید تاکید کے لیے فرمایا: ''بیت المقدس سے کعبے کی طرف تحویل قبلہ اللہ کی طرف سے ہے۔'' اس کے بعد تقریباً سب دشمنان اسلام کی زبانیں بند ہو گئیں سوائے چند ظالموں کے جنھیں کوئی نہ کوئی بات بناتے رہنا تھا۔ واللہ أعلم.

② تحویل قبلہ کے متعلق جامع تبصرہ: تحویل قبلہ پر مشتمل احادیث کی مناسبت سے ہم قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ؒ کا ایک جامع تبصرہ نقل کر رہے ہیں جو انھوں نے اپنی مایۂ ناز کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں تحویل کے متعلق رقم فرمایا ہے۔

نبی ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جس بارہ میں کوئی حکم الٰہی موجود نہ ہوتا، اس میں آپ اہل کتاب سے موافقت فرمایا

کرتے۔ نماز آغاز نبوت ہی میں فرض ہو چکی تھی، مگر قبلہ کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا، اس لیے مکہ کی تیرہ سالہ اقامت کے عرصہ میں نبی ﷺ نے بیت المقدس ہی کو قبلہ بنائے رکھا۔ مدینہ میں پہنچ کر بھی یہی عمل جاری رہا، مگر ہجرت کے دوسرے سال یا سترہ ماہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق نیا حکم نازل فرمایا۔ یہ حکم نبی ﷺ کی دلی منشا کے موافق تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ دل سے چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ وہ مسجد بنائی جائے جس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جسے مکعب شکل کی عمارت ہونے کی وجہ سے ''کعبہ'' اور صرف عبادت الٰہی کے لیے بنائے جانے کی وجہ سے ''بیت اللہ'' اور عظمت وحرمت کی وجہ سے ''مسجد الحرام'' کہا جاتا تھا۔ اس کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا وہ یہ ہے: (ا) اللہ تعالیٰ کو جملہ جہات سے یکساں نسبت ہے، مشرق ومغرب کا مالک اللہ ہی ہے، تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔[1] (ب) عبادت کے لیے کسی نہ کسی طرف کا مقرر کر لینا طبقاتِ مردم میں شائع رہا ہے۔ (ہر صاحب مذہب نے کوئی جہت ضرور مقرر کی ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے۔)[2] (ج) کسی طرف منہ کر لینا اصل عبادت سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ (ساری اچھائی مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے میں نہیں۔)[3] (د) تعیین قبلہ کا بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ اسے متبعین رسول کے لیے ایک ممیز علامت قرار دیا جائے تاکہ ہمیں پتہ چل جائے کہ رسول کا سچا تابع فرمان کون ہے؟ اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے۔[4] یہی وجہ تھی کہ جب تک رسول اللہ ﷺ مکہ میں رہے اس وقت بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ رہا کیونکہ مشرکین مکہ بیت المقدس کی عظمت کے قائل نہ تھے اور کعبہ تو انھوں نے خود ہی اپنا بڑا معبد بنا رکھا تھا، اس لیے شرک چھوڑ دینے اور اسلام قبول کرنے کی بیّن (واضح) علامت مکہ میں یہی رہی کہ مسلمان ہونے والا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو وہاں زیادہ یہودی یا عیسائی تھے، وہ مسجد حرام کی عظمت کے قائل نہ تھے اور بیت المقدس کو تو وہ خود ''بیت ایل یا ہیکل'' تسلیم کرتے ہی تھے، اس لیے مدینہ طیبہ میں اسلام قبول کرنے اور آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان بننے کی علامت یہ قرار پائی کہ مسجد الحرام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ حکم الٰہی کے مطابق یہی مسجد ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کا قبلہ قرار پائی۔ اس مسجد کو قبلہ قرار دینے کی وجہ خود اللہ تعالیٰ نے بیان کر دی ہے: ''اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے اور تمام دنیا کے لیے برکت والا اور باعث ہدایت ہے۔''[5] اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجدِ حرام دنیا کی سب سے اولین عمارت ہے جو خالص عبادت الٰہی کے لیے بنائی گئی ہے۔ چونکہ اسے تقدمِ زمانی اور تاریخی عظمت حاصل ہے، اس لیے اسے قبلہ بنایا جانا مناسب ہے۔ اس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں: ''جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔''[6] اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کے جدِ اعلیٰ ہیں، اس لیے ان شاندار قوموں کے پدر بزرگوار کی مسجد کو قبلہ قرار دینا گویا اقوام ثلاثہ کو اتحاد نسبی وجسمانی کی یاد دلا کر اتحاد روحانی کے لیے متحد بن جانے کا پیغام سنا دینا تھا: ''ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔''[7]

---

[1] البقرة 2:115. [2] البقرة 2:148. [3] البقرة 2:177. [4] البقرة 2:143. [5] آل عمران 3:96. [6] البقرة 2:127.

[7] البقرة 2:208 - مأخوذ از رحمة للعالمين: 1/199.

(۲۱) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ﴾ الْآيَةَ [۱۵۸].

باب: 21- ارشاد باری تعالیٰ: ''یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں'' کا بیان

﴿شَعَآئِرِ﴾: عَلَامَاتٌ، وَاحِدَتُهَا شَعِيرَةٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: الصَّفْوَانُ: الْحَجَرُ. وَيُقَالُ: الْحِجَارَةُ الْمُلْسُ الَّتِي لَا تُنْبِتُ شَيْئًا، وَالْوَاحِدَةُ صَفْوَانَةٌ بِمَعْنَى الصَّفَا، وَالصَّفَا لِلْجَمِيعِ.

شَعَائِر کے معنی ہیں: علامات۔ اس کا واحد شَعِيرَةٌ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: صفوان کے معنی ہیں: پتھر۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صَفْوَانُ ایسے چکنے پتھر کو کہتے ہیں جو کچھ نہیں اُگاتا۔ اس کا مفرد صَفْوَانَةٌ ہے جو صَفَا کے ہم معنی ہے، نیز لفظ صفا جمع کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

وضاحت: شعیرة، ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے دیکھنے سے کسی دوسری چیز کا شعور پیدا ہو۔ شرعی اصطلاح میں وہ چیزیں شعائر کہلاتی ہیں جو دین اسلام میں نمایاں یادگار کی حیثیت رکھتی ہوں، ایسے ہی جو زمان و مکان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی خصوصیت رکھے گا اسے بھی شعائر اللہ کہا جاتا ہے، جیسے مساجد اور موسم حج وغیرہ۔ مذکورہ آیت میں شعائر سے مراد وہ مناسک حج ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں، مثلاً: موقف، سعی منحر اور ہدی وغیرہ۔ ''صفوان'' مطلق پتھر کو کہتے ہیں اور ایسے پتھر کو بھی صفوان کہا جاتا ہے جس پر کوئی زرخیز مٹی نہ ہو۔ اب ایک خاص پہاڑی کو صفا کہتے ہیں، اس لیے کہ اس کے پتھر چکنے ہیں جن پر کوئی چیز نہیں اُگتی یا مطلق پتھروں کی وجہ سے اسے صفا کا نام دیا گیا ہے۔ صفوان اور صفا دونوں اسم جنس ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی معنی میں اسے جمع کہا ہے۔

٤٤٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّنِّ: أَرَأَيْتِ قَوْلَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ فَمَنْ حَجَّ ٱلْبَيْتَ أَوِ ٱعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ فَمَا أُرَى عَلَى أَحَدٍ شَيْئًا أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَلَّا لَوْ كَانَتْ كَمَا تَقُولُ كَانَتْ: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا، إِنَّمَا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي الْأَنْصَارِ، كَانُوا

[4495] حضرت عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ابھی نوعمر تھا کہ میں نے نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے: ''بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی یادگار چیزوں میں سے ہیں، لہٰذا جب کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کے درمیان سعی کرے۔'' میرے خیال کے مطابق اگر کوئی ان کی سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں۔ اگر مسئلہ تیرے خیال کے مطابق ہوتا تو آیت کے الفاظ اس طرح

يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ وَكَانَتْ مَنَاةُ حَذْوَ قُدَيْدٍ، وَكَانُوا يَتَحَرَّجُونَ أَنْ يَطَّوَّفُوا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ فَمَنْ حَجَّ ٱلْبَيْتَ أَوِ ٱعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾. [راجع: ١٦٤٣]

ہوتے: ''اگر کوئی ان کا طواف نہ کرے تو چنداں گناہ نہیں۔'' درحقیقت یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی تھی جو (قبل از اسلام) منات بت کے نام سے لبیک کہتے تھے۔ وہ بت مقام قدید پر رکھا تھا اور انصار صفا و مروہ کی سعی کو اچھا خیال نہیں کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو انھوں نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں میں سے ہیں، لہٰذا اگر کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان سعی کرے۔''

فوائد و مسائل: ① صفا، مسجد حرام کے نزدیک ایک پہاڑی کا نام ہے، اسی طرح مروہ بھی اس کے شمالی جانب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ ان دونوں کے درمیان نشیب میں وادی تھی۔ حضرت ہاجرہ اپنے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے لیے پانی کی تلاش میں دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑ لگانے لگیں۔ صفا، مروہ کے درمیان سعی اُسی دوڑ کی یادگار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سعی کو مناسک میں شامل فرمایا جو اس نے اپنے بندے ابراہیم علیہ السلام کو سکھائے تھے۔ ② اہل مدینہ اوس اور خزرج اسلام سے پہلے منات طاغیہ کی پوجا کرتے تھے اور اس کا تلبیہ پڑھتے تھے، اسی طرح اہل مکہ نے صفا اور مروہ پر اساف اور نائلہ نام کے دو بت نصب کر رکھے تھے۔ مشہور تھا کہ اہل مدینہ اور اہل مکہ کے بتوں کے درمیان عداوت تھی، اسی وجہ سے ان کے متعلقین کے تعلقات بھی کشیدہ تھے۔ دور جاہلیت میں صورت حال اس طرح تھی کہ اہل مدینہ منات سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے وہ حج کے موقع پر بیت اللہ کا طواف تو کرتے لیکن صفا اور مروہ پر نہیں جاتے تھے کیونکہ وہاں اہل مکہ کے بت اساف اور نائلہ نصب تھے اور اہل مکہ حج کے موقع پر بیت اللہ کا طواف بھی کرتے تھے اور اپنے بتوں سے عقیدت کی بنا پر صفا اور مروہ کی سعی بھی کرتے۔ جب اہل مدینہ اور اہل مکہ مسلمان ہوئے تو اساف اور نائلہ کے متعلقین اہل مکہ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہیں، اس لیے حج کے موقع پر بیت اللہ کا طواف تو کریں گے لیکن صفا اور مروہ کی سعی نہیں کریں گے کیونکہ یہ جاہلیت کا عمل ہے اور اہل مدینہ کو دو شبہات کی بنا پر صفا اور مروہ کی سعی سے ہچکچاہٹ تھی: ایک تو طبعی نفرت تھی جو پہلے سے ان کے اندر موجود تھی، دوسرا یہ کہ دور جاہلیت کا فعل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں اہل مکہ اور اہل مدینہ دونوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ ③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کو شبہ لاحق ہوا کہ لَا جُنَاحَ کہنے کا مطلب ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی ضروری نہیں کیونکہ لا جناح کا مصداق تو مباحات کے دائرے میں ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جو کچھ تم نے سمجھا ہے وہ مبنی برحقیقت نہیں کیونکہ گناہ کی نفی تو سعی کے کرنے میں ہے، یعنی اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں چار چیزیں آ سکتی ہیں: ممکن ہے وہ فرض ہو، واجب ہو۔ سنت ہو یا مباح ہو، حضرت عروہ نے عدم طواف پر نفی جُنَاح خیال کیا، حالانکہ یہ انداز تو کسی چیز کے حرام اور مکروہ ہونے پر اختیار کیا جاتا ہے اور یہ بات تب ثابت ہوتی جب آیت اس طرح ہوتی: ''اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں۔'' لیکن آپ کا

اسلوب اس کے برعکس ہے۔ دراصل یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جنھیں طواف کرنے میں شبہ تھا، انھیں عدم طواف میں تو کوئی شبہ نہیں تھا۔ واللّٰہ أعلم.

٤٤٩٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَقَالَ: كُنَّا نَرٰى أَنَّهُمَا مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ أَمْسَكْنَا عَنْهُمَا فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ فَمَنْ حَجَّ ٱلْبَيْتَ أَوِ ٱعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ﴾. [راجع: ١٦٤٨]

[4496] حضرت عاصم بن سلیمان سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صفا اور مروہ کی سعی کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: ہم ان کے درمیان سعی کرنے کو جاہلیت کے کاموں سے سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان کے درمیان سعی کرنے سے رُک گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں میں سے ہیں، لہٰذا جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اسے (ان کے درمیان سعی کرنے میں) کوئی گناہ نہیں۔''

فائدہ: جب مسجد حرام کو قبلہ مقرر کیا گیا تو صفا اور مروہ کے متعلق لوگوں میں بہت غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں جن کی تفصیل سابقہ حدیث کے فوائد میں گزر چکی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان غلط فہمیوں کا تدارک کیا گیا ہے کہ ان دونوں مقامات کے درمیان سعی کرنا حج کے اصل مناسک سے ہے، نیز ان مقامات کا تقدس اللہ کی جانب سے ہے۔ اہل جاہلیت کی من گھڑت ایجادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(٢٢) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ﴾ [١٦٥]

باب: 22- ارشاد باری تعالیٰ: ''کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں اور ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت ہونی چاہیے'' کا بیان

يَعْنِي أَضْدَادًا، وَاحِدُهَا نِدٌّ.

أَنْدَاد کے معنی ہیں: أضداد۔ اس کا مفرد نِدٌّ ہے جس کے معنی ہیں: ہمسر اور نظیر۔

وضاحت: أنداد کے معنی مقابل اور مثل کے ہیں۔ چونکہ ند اس مقابل کے لیے بولا جاتا ہے جو مخالف مقابل ہو، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر أضداد سے کی ہے۔ اللہ کی صفات میں سے کسی ایک صفت کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا یا اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کوئی حق کسی دوسرے کو دینا دراصل اسے اللہ کا مدمقابل اور ہمسر بنانا ہے۔

٤٤٩٧ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ

[4497] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ كَلِمَةً وَقُلْتُ أُخْرٰى، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ»، وَقُلْتُ أَنَا: مَنْ مَاتَ وَهُوَ لَا يَدْعُو لِلّٰهِ نِدًّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. [راجع: ١٢٣٨]

انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کے سوا کسی اور کو اس کا شریک بنایا اور اسی حالت میں مر گیا وہ سیدھا دوزخ میں جائے گا۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں: جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ مانا اور اسی حالت میں فوت ہوا وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مر جائے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں جائے گا اور جو شخص مر جائے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہو وہ جہنم میں جائے گا۔''[1] جب دونوں جملے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آخری جملے کی نسبت اپنی طرف کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ سے صرف پہلا جملہ ہی سنا ہو یا سنا ہو تو بھول گئے ہوں، دونوں صورتوں میں انھوں نے خود قرآن وحدیث سے استنباط فرمایا ہو کہ سبب کی نفی سے مسبب کی نفی ہو جائے گی کیونکہ جب دوزخ میں جانے کا سبب نہ ہوگا تو جنت کے علاوہ اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اسے داخل کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں یوں ہے کہ مشرک کا جہنم میں داخل ہونا مومن کے جنت میں جانے کو مستلزم ہے۔ یہ مفہوم مخالف نہیں بلکہ لازم معنی ہیں۔ ② بہرحال دونوں باتوں کا مطلب یہی ہے کہ توحید پر مرنے والے ضرور جنت میں داخل ہوں گے اور شرک پر مرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ شرک سے مراد قبروں، مزاروں اور تعزیوں کو پوجنا ہے جس طرح کافر بتوں کو پوجتے تھے اس طرح دونوں قسم کے لوگ اللہ کے ہاں مشرک ہیں۔ معمولی سا شرک بھی بہت بڑا گناہ اور ناقابل معافی جرم ہے، لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود کو توحید پر کاربند رکھے اور شرک سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ واللہ المستعان.

(٢٣) بَابٌ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ﴾ الْآيَةَ [١٧٨].

باب: 23- ارشاد باری تعالیٰ: ''ایمان والو! تمھارے لیے قتل کے مقدمات میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے'' کا بیان

﴿عُفِيَ﴾: تُرِكَ.

عُفِيَ کے معنی ہیں: چھوڑ دیا گیا۔

وضاحت: اگر مقتول کے ورثاء دیت قبول کرنے پر راضی ہوں تو قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ چھوڑ دیا جائے گا۔

٤٤٩٨ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا قَالَ:

[4498] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: بنی اسرائیل میں قصاص ہی تھا۔ ان میں دیت

[1] صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 269 (93).

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ الْقِصَاصُ وَلَمْ تَكُنْ فِيهِمُ الدِّيَةُ، فَقَالَ اللهُ تَعَالَى لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِي ٱلْقَتْلَى ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ﴾ فَالْعَفْوُ أَنْ يَقْبَلَ الدِّيَةَ فِي الْعَمْدِ ﴿فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ﴾ يَتَّبِعُ بِالْمَعْرُوفِ وَيُؤَدِّي بِإِحْسَانٍ ﴿ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ مِمَّا كُتِبَ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ﴿فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ قَتَلَ بَعْدَ قَبُولِ الدِّيَةِ. [انظر: ٦٨٨١]

دینے کا قانون نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے فرمایا: ''تم پر مقتولین کے باب میں قصاص فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، ہاں جس کسی کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی مل جائے۔'' معافی یہ ہے کہ وہ قتل عمد میں دیت لینا قبول کر لے تو ''دستور کے مطابق دیت کا مطالبہ ہو اور اچھے طریقے سے اس کی ادائیگی ہو۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے۔'' یہ مہربانی ان لوگوں کی بنسبت ہے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ ان میں قطعاً معافی نہ تھی۔ ''اس کے بعد اگر کوئی زیادتی کرے گا تو اس کے لیے درد ناک عذاب ہے۔'' زیادتی سے مراد یہ ہے کہ دیت بھی لے لے اور قتل بھی کر دے۔

فوائد و مسائل: ① علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آیت قصاص محتاج تفسیر ہے کیونکہ معافی کے بعد اتباع بالمعروف ''چہ معنی دارد'' پھر اس کا جواب دیا ہے کہ اس کا مطلب مشروط معافی ہے، یعنی قصاص سے دستبردار ہو کر دیت لینے پر راضی ہونا ہے۔[1] ② اسلامی قوانین میں قصاص بڑی اہمیت کا حامل ہے، یعنی وہ قانون ہے جو دنیا میں امن کی ضمانت دیتا ہے۔ اگر یہ قانون نہ ہو تو ظالم کے لیے کسی غریب کا خون کرنا کھیل بن کر رہ جائے گا۔ قرآن کریم نے قانون قصاص کو سوسائٹی کی زندگی قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل کے بدلے میں سزائے موت قابل نفرت چیز نہیں جیسا کہ بعض متجددین کا خیال ہے بلکہ یہ باعث امن ہے۔ اس کا مشاہدہ آج بھی سعودی معاشرے میں کیا جا سکتا ہے، جہاں اسلامی حدود کے نفاذ کی یہ برکات ہیں۔ دوسرے اسلامی ممالک کو بھی چاہیے کہ وہ اسلامی حدود کا نفاذ کر کے اپنے عوام کو پرسکون زندگی مہیا کریں۔ ③ جو سوسائٹی انسانی جان کا احترام نہ کرنے والوں کی جان کو محترم ٹھہراتی ہے وہ دراصل اپنی آستین میں سانپ پالتی ہے۔ وہ ایک قاتل کی جان بچا کر بہت سے بے گناہ انسانوں کی جان خطرے میں ڈالتی ہے۔

٤٤٩٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ: أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ». [راجع: ٢٧٠٣]

[4499] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''کتاب اللہ کا حکم تو قصاص ہی ہے۔''

---

1 فتح الباري: 222/8.

فائدہ: یہ روایت انتہائی مختصر ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔ ''کتاب اللہ کا حکم تو قصاص ہی ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو بہتر بصورت دیگر کتاب اللہ کا فیصلہ ہے کہ قاتل سے قصاص ہی لیا جائے گا۔

٤٥٠٠ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ: سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ بَكْرٍ السَّهْمِيَّ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ الرُّبَيِّعَ عَمَّتَهُ كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ فَطَلَبُوا إِلَيْهَا الْعَفْوَ فَأَبَوْا، فَعَرَضُوا الْأَرْشَ فَأَبَوْا، فَأَتَوْا رَسُولَ اللهِ ﷺ وَأَبَوْا إِلَّا الْقِصَاصَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْقِصَاصِ، فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ؟ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا أَنَسُ! كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ»، فَرَضِيَ الْقَوْمُ فَعَفَوْا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ». [راجع: ٢٧٠٣]

[4500] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی پھوپھی حضرت ربیع رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکی کے دانت توڑ دیے۔ پھر کچھ لوگوں نے لڑکی سے معافی کی درخواست کی لیکن اس کے ورثاء معافی کے لیے تیار نہ ہوئے۔ پھر انھوں نے دیت کی پیش کش کی تو لڑکی کے ورثاء نے دیت لینے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بایں حالت پیش ہوئے کہ قصاص کے علاوہ کسی اور چیز پر راضی نہ تھے، چنانچہ آپ نے قصاص کا حکم دے دیا۔ اس پر حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا ربیع رضی اللہ عنہا کے دانت توڑ دیے جائیں گے؟ ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو انس! کتاب اللہ میں تو قصاص ہی ہے۔'' پھر وہ لوگ راضی ہو گئے اور انھوں نے معاف کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کا نام لے کر قسم اٹھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا کرتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ ربیع رضی اللہ عنہا کے دانت نہیں توڑے جائیں گے، یہ انکار کے طور پر نہیں تھا کیونکہ ایسا کرنا تو صریح کفر ہے بلکہ انھوں نے خبر دی تھی کہ اللہ کے فضل و کرم سے ربیع کے دانت کبھی نہیں توڑے جائیں گے بلکہ وہ معافی یا تاوان پر راضی ہو جائیں گے۔ اگرچہ بظاہر اس کی امید نہ تھی لیکن اللہ کی قدرت دیکھیے کہ لڑکی کے ورثاء کے دل یکدم موم ہو گئے اور وہ قصاص سے دستبردار ہو گئے اور انھوں نے ربیع کو معاف کر دیا۔ ② واقعی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ ان کا اللہ پر توکل اور عزم صمیم وہ کام کر جاتا ہے کہ اہل دنیا دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ اگر کوئی شخص معاف کر دینے اور دیت لے لینے کے بعد قاتل کو قتل کر دیتا ہے تو وہ پہلے قاتل سے بڑا مجرم ہے۔ ایسے انسان کا قتل کرنا واجب ہے۔ اس کا معاملہ ورثاء کے حوالے نہیں کیا جائے گا، البتہ مندرجہ ذیل صورتیں قانون قصاص سے مستثنیٰ ہیں: (1) مسلمان کو

کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (ب) مسلمان کو کسی ذمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ (ج) والدین کو اولاد کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ واللہ أعلم.

(٢٤) بَابٌ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [١٨٣]

باب: 24- ارشاد باری تعالیٰ: ''ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ'' کی تفسیر

وضاحت: طلوع فجر سے غروب آفتاب تک اللہ کی رضا کے لیے کھانے، پینے اور ازدواجی تعلقات سے رُک جانے کا نام روزہ ہے۔ اس کا بنیادی مقصد تقویٰ کا حصول ہے کیونکہ تقویٰ انسان کے عقائد و نظریات اور اخلاق و کردار کو سنوارنے میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''جو انسان اپنے ایمان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے ثواب لینے کی نیت کر کے روزہ رکھتا ہے، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[1]

٤٥٠١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ عَاشُورَاءُ يَصُومُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ [قَالَ]: «مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ لَمْ يَشَأْ لَمْ يَصُمْهُ». [راجع: ١٨٩٢]

[4501] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ اہل جاہلیت عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔''

فائدہ: عاشوراء کا روزہ پہلے فرض تھا۔ رمضان کی فرضیت کے بعد عاشوراء کی فرضیت منسوخ ہو گئی، البتہ استحباب اب بھی باقی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے، آپ نے فرمایا: قریش دورِ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی مکہ میں رہتے ہوئے عاشوراء کا روزہ رکھا اور اپنے اصحاب کو بھی اس روزے کا پابند کیا۔ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔''[2]

٤٥٠٢ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ عَاشُورَاءُ يُصَامُ قَبْلَ رَمَضَانَ فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ [قَالَ]:

[4502] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرضیت رمضان سے پہلے عاشوراء کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے اور جو چاہے اسے چھوڑ دے۔''

1 صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 38. 2 صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1893.

«مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ» . [راجع: ١٥٩٢]

فائدہ: رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت کی تو بتایا گیا کہ اس دن یہودیوں کو فرعون سے نجات ملی تھی، اس لیے وہ یوم تشکر کے طور پر اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم ان کی بنسبت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس روزے کی پابندی کی اور دوسروں کو بھی اس کا پابند کیا۔[1] اور جس سال آپ کی وفات ہوئی آپ نے فرمایا: ''اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو (عاشوراء کے ساتھ) نویں کا بھی روزہ رکھوں گا (تاکہ یہودیوں کی مخالفت ہو جائے)۔'' لیکن عاشوراء سے پہلے آپ فوت ہو گئے۔[2]

٤٥٠٣ - حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: دَخَلَ عَلَيْهِ الْأَشْعَثُ وَهُوَ يَطْعَمُ فَقَالَ: اَلْيَوْمُ عَاشُورَاءُ، فَقَالَ: كَانَ يُصَامُ قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ رَمَضَانُ، فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ تُرِكَ، فَادْنُ فَكُلْ.

[4503] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس اشعث بن قیس کندی اس وقت آئے جب وہ کھانا تناول کر رہے تھے۔ حضرت اشعث نے کہا: آج تو عاشوراء کا دن ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشوراء کا روزہ رکھا جاتا تھا، جب رمضان کا حکم نازل ہوا تو اسے چھوڑ دیا گیا، لہٰذا قریب آ کر کھانا کھاؤ۔

فائدہ: ایک روایت میں وضاحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم روزے دار نہیں ہو تو میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔[3] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو ہمیں عاشوراء کے بارے میں نہ حکم ہوا اور نہ منع کیا گیا۔[4]

٤٥٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُهُ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا نَزَلَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ

[4504] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: دور جاہلیت میں قریش عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے اور نبی ﷺ بھی (ملتِ ابراہیم کی پیروی میں) اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بھی اس دن کے روزے کو برقرار رکھا بلکہ اپنے صحابہ کو اس دن روزہ رکھنے کا پابند کیا۔ پھر جب رمضان کا

---

1 صحيح البخاري، الصوم، حديث: 2004. 2 صحيح مسلم، الصيام، حديث: 2666 (1134). 3 صحيح مسلم، الصيام، حديث: 2651 (1127). 4 صحيح مسلم، الصيام، حديث: 2652 (1128).

الْفَرِيضَةَ وَتُرِكَ عَاشُورَاءُ، فَكَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ لَمْ يَصُمْهُ . [راجع : ١٥٩٢]

حکم نازل ہوا تو رمضان کے روزے فرض ہو گئے اور عاشوراء کی فرضیت ترک کر دی گئی، پھر جس کا دل چاہتا روزہ رکھتا اور جس کا جی نہ چاہتا روزہ نہ رکھتا۔

فوائدومسائل: ① عنوان اور مذکورہ احادیث میں مطابقت اس طرح ہے کہ ان تمام احادیث میں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا ذکر ہے، نیز عاشوراء کا روزہ پہلے فرض تھا، اب اس کا استحباب باقی ہے۔ ایک روایت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ان الفاظ میں مروی ہے کہ ہم پہلے عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور جب رمضان کا حکم نازل ہوا تو ہمیں عاشوراء کے متعلق نہ حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا، البتہ ہم اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی امتوں پر رمضان کے روزے فرض نہیں تھے، رمضان کے روزوں کی فرضیت صرف اس امت کے لیے ہے۔ اگر رمضان کے روزے پہلی امتوں پر فرض ہوتے تو آپ عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے کے بجائے رمضان کے روزے رکھتے۔[2]

(٢٥) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [١٨٤]

باب: 25- ارشاد باری تعالیٰ: ”(روزے) گنتی کے چند ہی دن ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دے دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے لیکن اگر تم سمجھو تو تمھارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہی ہے“ کی تفسیر

وَقَالَ عَطَاءٌ : يُفْطِرُ مِنَ الْمَرَضِ كُلِّهِ كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى .

حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ ہر قسم کی بیماری میں روزہ افطار کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ فِي الْمُرْضِعِ وَالْحَامِلِ : إِذَا خَافَتَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا أَوْ وَلَدِهِمَا تُفْطِرَانِ ثُمَّ تَقْضِيَانِ .

حضرت حسن بصری اور ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ اگر دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو اپنی یا اپنے بچے کی جان کا خطرہ ہو تو وہ بھی روزہ چھوڑ دیں لیکن بعد میں انھیں قضا دینا ہوگی۔

وَأَمَّا الشَّيْخُ الْكَبِيرُ إِذَا لَمْ يُطِقِ الصِّيَامَ،

اگر بوڑھا ناتواں روزہ نہ رکھ سکے تو وہ فدیہ دے دے

[1] فتح الباري : 224/8. [2] فتح الباري : 224/8.

فَقَدْ أَطْعَمَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ بَعْدَ مَا كَبِرَ، عَامًا أَوْ عَامَيْنِ، كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِينًا خُبْزًا وَلَحْمًا وَأَفْطَرَ.

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب بوڑھے ہو گئے تھے تو وہ ایک یا دو سال تک رمضان میں روزانہ ایک مسکین کو روٹی اور گوشت کھلاتے اور خود روزہ نہ رکھتے تھے۔

قِرَاءَةُ الْعَامَّةِ: ﴿يُطِيقُونَهُ﴾ وَهُوَ أَكْثَرُ.

اور اکثر حضرات نے ﴿يُطِيْقُوْنَهٗ﴾ پڑھا ہے۔ (جس کے معنی روزے کی طاقت رکھنا ہے۔)

وضاحت: 2 ہجری میں رمضان المبارک کے روزوں کا مذکورہ حکم نازل ہوا۔ ابتدائے اسلام میں چونکہ لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہ تھی، اس لیے یہ رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں اور وہ روزہ نہ رکھیں تو وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، بعد میں اس رعایت کو ختم کر دیا گیا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو محکم خیال کرتے ہیں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ واضح رہے کہ جس بیماری میں روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے اس کے متعلق اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ جس بیماری میں روزہ رکھنے سے ہلاکت کا یا کم از کم کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اسی قسم کی بیماری میں روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے جبکہ عطاء بن ابی رباح اور امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ موقف ہے کہ آیت کریمہ میں عموم ہے، یعنی ہر مریض کو افطار کا حق ہے، خواہ ہلاکت کا خطرہ ہو یا نہ ہو۔ قرآن کریم کے انداز و اسلوب سے یہی موقف درست معلوم ہوتا ہے۔[1] والله أعلم.

٤٥٠٥ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا رَوْحٌ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءٍ: سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: (وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ، هُوَ الشَّيْخُ الْكَبِيرُ وَالْمَرْأَةُ الْكَبِيرَةُ لَا يَسْتَطِيعَانِ أَنْ يَصُومَا، فَلْيُطْعِمَانِ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا.

[4505] حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ یوں قراءت کرتے تھے: [وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ] یعنی وہ لوگ جو بمشقت روزہ رکھتے ہیں وہ (ہر روزے کے بدلے) ایک مسکین کو بطور فدیہ کھانا کھلائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے اور اس سے مراد بہت بوڑھا مرد یا انتہائی بوڑھی عورت ہے جو روزے کی طاقت نہ رکھتے ہوں انھیں چاہیے کہ وہ ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف یہ ہے کہ جو شخص زیادہ بڑھاپے یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے شفایابی کی امید نہ ہو اور وہ روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے تو وہ روزہ نہ رکھے اور ایک مسکین کو بطور فدیہ کھانا کھلا دے جبکہ جمہور اہل علم نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ابتدائے اسلام میں روزے کی طاقت رکھنے والوں کو یہ رخصت دی گئی

[1] فتح الباري: 8/224، 225.

تھی، لیکن بعد میں اسے منسوخ کر کے ہر صاحب استطاعت کے لیے روزہ فرض کر دیا گیا، تاہم زیادہ بوڑھے اور دائمی مریض کے لیے اب بھی یہی حکم ہے کہ وہ فدیہ دے دیں۔ اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی اگر روزہ رکھنے میں مشقت محسوس کرے تو وہ مریض کے حکم میں ہے، یعنی وہ روزہ نہ رکھیں، بعد میں چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا دیں۔ واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف سے متفق معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(٢٦) بَابٌ : ﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [١٨٥]

باب: 26- ارشاد باری تعالیٰ: ”تم میں سے جو شخص اس مہینے میں (صحت وسلامتی کے ساتھ گھر میں) موجود ہو اسے چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے“ کا بیان

٤٥٠٦ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى : حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : أَنَّهُ قَرَأَ (فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ) قَالَ : هِيَ مَنْسُوخَةٌ. [راجع: ١٩٤٩]

[4506] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ پڑھا ہے اور فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

فوائد ومسائل: ① ﴿فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ کی قراءت میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فدیہ کی اضافت اور مساکین کو جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص روزہ نہ رکھے اس کے ذمے مساکین کے کھانے کا فدیہ ہے۔ امام نافع اور ذکوان نے بھی اسی طرح پڑھا ہے لیکن جمہور قراء نے فِدْيَةٌ کو تنوین اور مِسْكِينٍ کو مفرد کے صیغے سے پڑھا ہے اور طَعَامُ کو اس لیے مرفوع پڑھا گیا ہے کہ یہ فدیہ سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ ② حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک فدیہ دینے کی مذکورہ صورت منسوخ ہے۔ ان کے نزدیک فدیے کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا جبکہ لوگ روزے کے ابھی عادی نہیں ہوئے تھے۔ جب لوگ اس کے عادی ہو گئے تو اس رعایت کو ختم کر دیا گیا۔ اس کی ناسخ اگلی آیت ہے: ”جو شخص اس مہینے میں موجود ہو وہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔“[1] ③ کچھ حضرات مذکورہ آیت کو ناسخ اور اس سے پہلی آیت کو منسوخ نہیں کہتے بلکہ دونوں آیات کو محکم قرار دیتے ہیں۔ وہ پہلی آیت کے متعلق مندرجہ ذیل دو توجیہیں کرتے ہیں: * ﴿يُطِيقُونَهُ﴾ سے پہلے لا محذوف ہے، معنی اس طرح ہیں: ”جو لوگ اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے وہ بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔“ * خاصیات ابواب میں باب افعال کا ایک خاصہ سلب مأخذ ہے۔ يُطِيقُونَهُ میں بھی یہی خاصہ کارفرما ہے، معنی اس طرح ہیں: ”جن لوگوں سے روزہ رکھنے کی طاقت ختم ہو چکی ہے وہ بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا دیں۔“ ان دونوں توجیہوں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس طرح مسلوب طاقت کو یوں کیوں کہا گیا: ”اگر تم سمجھو تو تمھارے حق میں بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھو۔“[2]

٤٥٠٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ

[4507] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

1 البقرة 185:2. 2 البقرة 185:2.

عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿وَعَلَى ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ [١٨٤] كَانَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُفْطِرَ وَيَفْتَدِيَ حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا فَنَسَخَتْهَا.

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: مَاتَ بُكَيْرٌ قَبْلَ يَزِيدَ.

انھوں نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں (اگر وہ نہ رکھیں) تو ان کے ذمے بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔'' اس کے بعد جو شخص چاہتا روزہ چھوڑ کر اس کا فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ وہ آیت نازل ہوئی جو اس کے بعد ہے۔ اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) بیان کرتے ہیں: (راویٔ حدیث) بکیر بن عبداللہ (اپنے شیخ) یزید بن ابی عبید سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔

فوائد ومسائل: ① يُطِيقُونَهُ کے معنی اگر استطاعت کیے جائیں تو یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اور یہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔ اور اس کے معنی اگر عدم استطاعت کیے جائیں تو یہ آیت منسوخ نہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف ہے۔ ان کے نزدیک یہ آیت انتہائی بوڑھے شخص کے متعلق ہے۔ ② شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس آیت کی ایک اور توجیہ کی ہے، فرماتے ہیں: جو لوگ کھانا دینے کی طاقت رکھتے ہیں وہ صدقۂ فطر بطور فدیہ ادا کریں لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس طرح مرجع سے پہلے ضمیر کا آنا لازم آتا ہے جو درست نہیں۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ طعام اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے متاخر ہے لیکن رتبے کے لحاظ سے مقدم ہے، لہٰذا اس اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس آیت میں روزے کے احکام کے بعد صدقۂ فطر کا بیان ہے جبکہ دوسری آیت میں مسائل رمضان کے بعد تکبیرات عید کا ذکر ہے۔[1]

(٢٧) بَابٌ: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ ٱلصِّيَامِ ٱلرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَٱبْتَغُوا۟ مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ﴾ [١٨٧]

باب: 27- ارشاد باری تعالیٰ: ''تمھارے لیے روزوں کی رات اپنی بیویوں سے صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے...... اور اللہ نے تمھارے لیے جو لکھ رکھا ہے وہ تلاش کرو'' کا بیان

٤٥٠٨ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ. وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ: حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ

[4508] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی تو لوگ پورا رمضان اپنی بیویوں کے پاس نہیں جاتے تھے، البتہ کچھ لوگ خیانت کا ارتکاب ضرور کرتے۔ اس پر اللہ

① الفوز الكبير، بحث نسخ.

قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: لَمَّا نَزَلَ صَوْمُ رَمَضَانَ كَانُوا لَا يَقْرَبُونَ النِّسَاءَ رَمَضَانَ كُلَّهُ، وَكَانَ رِجَالٌ يَخُونُونَ أَنْفُسَهُمْ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ الْآيَةَ.

[راجع: ۱۹۱۵]

تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ''اللہ تعالیٰ کو تمھاری پوشیدہ خیانتوں کا علم ہے، مگر اس نے تمھارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا۔''

فوائد و مسائل: ① ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ روزہ افطار کرنے کے بعد عشاء کی نماز یا سونے تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کی اجازت تھی۔ سونے کے بعد ان میں سے کوئی کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ یہ پابندی عرب کے لیے بہت گراں اور اس پر عمل انتہائی مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دونوں پابندیاں اٹھا لیں، افطار سے لے کر صبح صادق تک کھانے پینے اور بیوی سے مباشرت کی اجازت دے دی۔ ② رمضان کی راتوں میں اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرنے کا حکم لوگوں نے خود اپنے آپ پر عائد کر لیا تھا، پھر اس کے ناجائز یا مکروہ ہونے کا خیال دل میں لیے ہوئے بسا اوقات اپنی بیویوں کے پاس چلے جاتے تھے۔ یہ گویا اپنے ضمیر کے ساتھ خیانت تھی اور اس سے یہ اندیشہ تھا کہ ایک مجرمانہ سوچ ان کے اندر پرورش پاتی رہے گی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے تو اس ضمیر کی خیانت پر تنبیہ فرمائی پھر فرمایا کہ یہ فعل تمھارے لیے جائز ہے، لہٰذا اب اسے برا فعل سمجھتے ہوئے نہیں بلکہ اللہ کی اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قلب و ضمیر کی پوری طہارت کے ساتھ اسے سرانجام دو۔ ③ بعض حضرات کا خیال ہے کہ رمضان کی راتوں میں اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرنے کا حکم اللہ کی طرف سے تھا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ صحابۂ کرام ﷺ باوجود سخت تقاضائے جماع اور بیش بہا مردی قوت کے وہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہوئے سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا کہتے تھے، یہود کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کے مرتکب نہ ہوتے تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو اپنے اختیار کی حد سے نکل کر بھی تسلیم کرتے تھے تاکہ بعد میں آنے والوں پر ان کی شرافت، جان نثاری، وفاداری اور اطاعت گزاری ثابت کی جائے۔ واقعی ایسے حالات میں یہ پابندی بہت صبر آزما تھی لیکن انھوں نے بخوشی اسے قبول کیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے انھیں رمضان کی راتوں میں جماع کرنے کی اجازت دے دی۔ واللہ أعلم.

(۲۸) بَابٌ: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ الْآيَةَ، [۱۸۷].

باب: 28- ارشاد باری تعالیٰ: ''تم کھاتے پیتے رہو تا آنکہ تمھیں سیاہیٔ شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آنے لگے'' کا بیان

﴿الْعَـٰكِفُ﴾ [الحج: ۲۵]: الْمُقِيمُ.

﴿الْعَٰكِفُ﴾ کے معنی ہیں: اقامت رکھنے والا۔

وضاحت: آیت کریمہ میں یہ الفاظ ہیں: ﴿وَلَا تُبَٰشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَٰكِفُونَ فِي الْمَسَٰجِدِ﴾ ''جب تم مساجد میں

معتکف ہوتو اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو۔"[1] اس عٰكِفُوْنَ کے لفظ کی مناسبت سے سورۂ حج میں آنے والے ایک لفظ اَلْعَاكِفُ کی لغوی تفسیر کی گئی ہے کہ اس کے معنی مقیم کے ہیں۔

٤٥٠٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيٍّ قَالَ: أَخَذَ عَدِيٌّ عِقَالًا أَبْيَضَ وَعِقَالًا أَسْوَدَ، حَتّٰى كَانَ بَعْضُ اللَّيْلِ نَظَرَ، فَلَمْ يَسْتَبِينَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! جَعَلْتُ تَحْتَ وِسَادَتِي، قَالَ: «إِنَّ وِسَادَكَ إِذًا لَعَرِيضٌ: أَنْ كَانَ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ تَحْتَ وِسَادَتِكَ». [راجع: ١٩١٦]

[4509] حضرت عدی بن حاتم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے ایک سفید دھاگا اور سیاہ دھاگا لیا (اور سوتے وقت انھیں اپنے ساتھ رکھ لیا) جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو انھوں نے دیکھا کہ ان میں کوئی تمیز نہیں ہوئی۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے اپنے تکیے کے نیچے سفید اور سیاہ دھاگے رکھے تھے (لیکن کچھ پتہ نہیں چلا)۔ آپ ﷺ نے (بطور مذاق) فرمایا: "پھر تو تمھارا تکیہ بہت وسیع و عریض ہوگا کہ صبح کا سفید خط اور رات کا سیاہ خط اس کے نیچے آ گیا۔"

٤٥١٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ؟ أَهُمَا الْخَيْطَانِ؟ قَالَ: «إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا إِنْ أَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ»، ثُمَّ قَالَ: «لَا، بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ». [راجع: ١٩١٦]

[4510] حضرت عدی بن حاتم ؓ ہی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے جدا ہو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس سے حقیقت کے اعتبار سے دو دھاگے مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تو نے ان دو دھاگوں کو (اپنے تکیے کے نیچے) دیکھا تو پھر تمھاری گدی بہت لمبی چوڑی ہوگی۔" پھر فرمایا: "ان سے مراد رات کی تاریکی اور صبح کی سفیدی ہے۔"

فوائد ومسائل: ① حضرت عدی بن حاتم ؓ آیت کریمہ کا مطلب یہ سمجھے کہ ﴿اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ﴾ اور ﴿اَلْخَيْطُ الْاَسْوَدُ﴾ سے مراد درحقیقت سیاہ اور سفید ڈورے ہیں، حالانکہ آیت مذکورہ میں کالی دھاری سے رات کی تاریکی اور سفید دھاری سے صبح کی روشنی مراد ہے۔ سفید دھاری جب کھڑی نظر آئے تو یہ صبح کاذب اور جب عرض (چوڑائی) میں پھیل جائے تو صبح صادق ہے۔ ② عرب جب کسی کے متعلق عَرِيْضُ الْقَفَا کہتے ہیں تو اس سے مراد اس کی غباوت اور غفلت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اگر رات اور دن تیرے تکیے کے نیچے آ جائیں تو پھر غفلت کی نیند سوتا ہوگا جو کم عقلی کی علامت ہے۔ اس سے حضرت عدی بن حاتم ؓ کی مذمت مقصود نہیں کیونکہ انھوں نے اہل زبان ہونے کی حیثیت سے فوراً ذہن میں آنے والا مفہوم اخذ کیا۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی زبان دانی کے بل بوتے پر قرآن کو سمجھنا حماقت کی علامت ہے، اس کے لیے

[1] البقرہ 2:187.

صاحب قرآن کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ واللہ أعلم.

٤٥١١ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: أُنْزِلَتْ: ﴿وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ﴾ وَلَمْ يُنْزَلْ: ﴿مِنَ ٱلْفَجْرِ﴾ وَكَانَ رِجَالٌ إِذَا أَرَادُوا الصَّوْمَ رَبَطَ أَحَدُهُمْ فِي رِجْلَيْهِ الْخَيْطَ الْأَبْيَضَ وَالْخَيْطَ الْأَسْوَدَ، وَلَا يَزَالُ يَأْكُلُ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُ رُؤْيَتُهُمَا. فَأَنْزَلَ اللهُ بَعْدُ: ﴿مِنَ ٱلْفَجْرِ﴾ فَعَلِمُوا أَنَّمَا يَعْنِي اللَّيْلَ مِنَ النَّهَارِ.

[4511] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تم پر سفید دھاگا، سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔'' اور مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ ابھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ کچھ لوگ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے دونوں پاؤں سے سفید اور سیاہ دھاگا باندھ لیتے۔ پھر جب تک وہ دونوں دھاگے صاف دکھائی نہ دینے لگ جاتے، کھاتے پیتے رہتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ اتارے تو انھیں معلوم ہوا کہ ان (دونوں دھاگوں) سے مراد تو رات اور دن ہے۔

فوائد ومسائل: ① ''کچھ لوگوں'' سے مراد حضرت عدی بن حاتم ؓ نہیں ہیں کیونکہ ان کا قصہ ان کے بعد کا ہے، نیز وہ سفید اور سیاہ دھاگا اپنے تکیے کے نیچے رکھتے تھے جبکہ حدیث میں مذکور کچھ لوگ ان دھاگوں کو اپنے پاؤں سے باندھتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے: وہ آدمی ان دھاگوں کو اپنے تکیے کے نیچے رکھتے تھے۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ پاؤں سے باندھ لیتے اور کچھ تکیے کے نیچے رکھ لیتے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سحری تک وہ ان دھاگوں کو اپنے تکیوں کے نیچے رکھتے ہوں پھر انھیں پاؤں سے باندھ لیتے ہوں تاکہ آسانی سے ان کا مشاہدہ کیا جاسکے۔[2] ② واضح رہے کہ اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ اور اَلْخَيْطُ الْاَسْوَدُ میں دو احتمال حسب ذیل ہیں: * حقیقت میں روئی کا سفید اور سیاہ دھاگا ہو جیسا کہ ظاہر الفاظ سے فوراً ذہن میں آتا ہے۔ * مجاز کے طور پر صبح کی سفیدی اور رات کی تاریکی کا احتمال بھی ہوسکتا ہے، تاہم مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ سے تعیین کر دی کہ اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ سے مراد سپیدۂ صبح اور اَلْخَيْطُ الْاَسْوَدُ سے مراد تاریکی شب ہے۔

(٢٩) بَابٌ: ﴿وَلَيْسَ ٱلْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا۟ ٱلْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ ٱلْبِرَّ مَنِ ٱتَّقَىٰ﴾ الْآيَةَ [١٨٩]

باب: 29- ارشاد باری تعالیٰ: ''گھروں کے پیچھے سے تمھارا داخل ہونا کچھ نیکی نہیں بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے'' کا بیان

٤٥١٢ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ

[4512] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے،

[1] صحيح مسلم، الصيام، حديث: 2533 (1090). [2] فتح الباري: 172/4.

إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانُوا إِذَا أَحْرَمُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، أَتَوُا الْبَيْتَ مِنْ ظَهْرِهِ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾. [راجع: ١٨٠٣]

انھوں نے فرمایا: زمانۂ جاہلیت میں جب لوگ احرام باندھ لیتے (پھر اگر کسی ضرورت کی وجہ سے گھر آنا ہوتا) تو پچھلی دیوار سے گھر میں داخل ہوتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں ان کے پیچھے کی طرف سے آؤ، البتہ نیکی یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔''

فوائد ومسائل: ① دور جاہلیت میں اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتے، پھر اگر گھر میں آنے کی ضرورت پڑتی یا سفر حج وعمرہ سے واپس ہوتے تو اپنے گھروں میں دروازے سے آنے کے بجائے پیچھے سے دیوار پھلانگ کر اندر آتے۔ اس انداز سے گھر میں داخل ہونے کو وہ نیکی خیال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں انھیں تنبیہ فرمائی ہے کہ اس قسم کی بے معنی رسومات کو نیکی سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ اصل نیکی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا ہے۔ ② اس مقام پر ایک اور شرعی قانون کا پتہ چلا کہ جس چیز کو شریعت نے ضروری یا عبادت قرار نہ دیا ہو اسے اپنی طرف سے ضروری اور عبادت خیال کر لینا جائز نہیں، اسی طرح جو شرعاً جائز ہو اسے ناجائز تصور کرنا بھی گناہ ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٠) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ [١٩٣]

باب: 30- ارشاد باری تعالیٰ: ''تم ان (کفار) سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (خالص) اللہ کے لیے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی پر زیادتی جائز نہیں'' کا بیان

وضاحت: فتنہ وفساد ختم کرنے کا مطلب حسب ذیل ہے: ✱ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔ ✱ اللہ کی وحدانیت کی وجہ سے کسی کو ابتلا وآزمائش میں نہ ڈالا جائے۔ ✱ دین حق پر چلنے کی پاداش میں کسی کو نہ ستایا جائے۔

٤٥١٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَتَاهُ رَجُلَانِ فِي فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَا: إِنَّ النَّاسَ قَدْ ضُيِّعُوا وَأَنْتَ ابْنُ عُمَرَ وَصَاحِبُ النَّبِيِّ ﷺ، فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَخْرُجَ؟ فَقَالَ: يَمْنَعُنِي أَنَّ اللهَ حَرَّمَ دَمَ أَخِي،

[4513] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے دور ابتلاء میں ان کے پاس دو شخص آئے اور کہنے لگے: لوگ آپس میں لڑ بھڑ کر تباہ ہو رہے ہیں جبکہ آپ حضرت عمر ؓ کے صاحبزادے اور صحابیٔ رسول ہونے کے باوجود خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ آپ کو باہر نکل کر انھیں روکنے سے کون سی چیز رکاوٹ

قَالَا: أَلَمْ يَقُلِ اللهُ: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾؟ فَقَالَ: قَاتَلْنَا حَتَّى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ، وَكَانَ الدِّينُ لِلّٰهِ، وَأَنْتُمْ تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا حَتَّى تَكُونَ فِتْنَةٌ، وَيَكُونَ الدِّينُ لِغَيْرِ اللهِ. [راجع: ۳۱۳۰]

ہے؟ حضرت ابن عمر ؓ نے فرمایا: مجھے اس بات نے روکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے کسی بھی بھائی کا خون مجھ پر حرام کیا ہے۔ انھوں نے کہا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے۔'' اس پر حضرت ابن عمر ؓ نے فرمایا: ہم تو اس وقت تک لڑے ہیں یہاں تک کہ فتنہ (کفر و شرک) باقی نہ رہا اور حاکمیت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگئی، لیکن تم لوگ فتنہ و فساد کے لیے لڑنا چاہتے ہو تاکہ اللہ کے سوا دوسروں کی حاکمیت ہو۔

فوائد و مسائل: ① حضرت امیر معاویہ ؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کی تحریک پر انصار و مہاجرین کے مشورے سے اپنے بیٹے یزید کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا اور آپ کی وفات کے بعد وہ آپ کا جانشین ہوا لیکن حضرت حسین اور حضرت ابن زبیر ؓ نے اس کی ولی عہدی اور جانشینی کو قبول نہ کیا، چنانچہ یزید کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے مکہ مکرمہ میں خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ دوسری طرف گورنر مدینہ مروان بن حکم کی وفات کے بعد جب اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے مقابلے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ کیا۔ ② انھی دنوں کی بات ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ خونِ ناحق بہنے کے اندیشے کے پیش نظر اس فتنہ و فساد سے کنارہ کش رہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے مخالفین میں سے دو شخص علاء بن عرار اور حبان سلمی حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پاس آئے اور انھیں حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرنا چاہا اس پر انھوں نے فرمایا: ہم نے مشرکین و کفار کے خلاف جنگ کر کے شرک و ظلم کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب تم محض کرسی اور اقتدار کے لیے لڑنا چاہتے ہو تاکہ فتنہ ختم ہونے کے بجائے خوب پھلے پھولے۔ میں تو اس اقتدار کی جنگ میں حصے دار نہیں بنوں گا۔

٤٥١٤ - وَزَادَ عُثْمَانُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي فُلَانٌ وَحَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ عَنْ بَكْرِ ابْنِ عَمْرٍو الْمَعَافِرِيِّ: أَنَّ بُكَيْرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَهُ عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ تَحُجَّ عَامًا وَتَعْتَمِرَ عَامًا، وَتَتْرُكَ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ عَلِمْتَ مَا رَغَّبَ اللهُ فِيهِ؟ قَالَ: يَا ابْنَ أَخِي، بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: إِيمَانٍ

[4514] حضرت نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ابوعبدالرحمٰن! کیا وجہ ہے کہ آپ ایک سال حج کرتے ہیں اور دوسرے سال عمرے کے لیے جاتے ہیں، نیز آپ نے جہاد فی سبیل اللہ ترک کر رکھا ہے، حالانکہ آپ خوب جانتے ہیں کہ اللہ نے اس کے متعلق کس قدر رغبت دلائی ہے؟ انھوں نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اسلام کی بنیاد تو پانچ چیزوں پر ہے: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پانچ

بِاللهِ وَرَسُولِهِ، وَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، وَصِيَامِ رَمَضَانَ، وَأَدَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، قَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! أَلَا تَسْمَعُ مَا ذَكَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُوا۟ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَـٰتِلُوا۟ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِىٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ﴾ [الحجرات: ٩] ﴿وَقَـٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ قَالَ: فَعَلْنَا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَ الْإِسْلَامُ قَلِيلًا، فَكَانَ الرَّجُلُ يُفْتَنُ فِي دِينِهِ: إِمَّا قَتَلُوهُ وَإِمَّا يُعَذِّبُوهُ حَتّٰى كَثُرَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ.

[راجع: ٣١٣٠]

وقت نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکاۃ ادا کرنا اور حج کرنا۔ اس نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! کتاب اللہ میں اللہ کا ارشاد گرامی آپ کو معلوم نہیں: ''اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان دونوں میں سے کوئی جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرتی ہے تو تم سب اس کے خلاف لڑو جو جماعت زیادتی کرتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔'' (اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے:) ''تم ان کے خلاف جنگ لڑو یہاں تک کہ فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو جائے۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہم یہ فرض ادا کر چکے ہیں۔ اس وقت مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ انسان اپنے دین کے بارے میں آزمائش سے دوچار ہوتا تھا۔ مخالفین اسے قتل کر دیتے یا سنگین سزا سے دوچار کر دیتے۔ اب اسلام بڑھ چکا ہے اور وہ فتنہ وفساد باقی نہیں رہا۔

فوائد ومسائل: ① حامیانِ حکومت نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے قرآنی آیت سے یہ استدلال کرنا چاہا کہ باغی مسلمانوں سے لڑنا جائز ہے۔ چونکہ آپ عظیم شخصیت ہیں، اس لیے آپ اس سلسلے میں اپنا مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف یہ تھا کہ باغی لوگوں سے لڑنے کے لیے عدد اور تیاری کی ضرورت ہے۔ وہ افراد اور اسلحہ میرے پاس نہیں ہے کہ میں ان سے قتال کروں، اس لیے میں نے تو سکوت اور تسلیم و رضا کا راستہ اختیار کر کے کنارہ کشی کر لی ہے، رہا فتنے کا خاتمہ تو ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اسے نیست و نابود کر چکے ہیں۔ اب تو کرسی و اقتدار کے لیے قتال باقی رہ گیا ہے، اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ ② اس خارجی نے مسلمانوں کی اس جنگ کو جہاد کفار کے برابر کر دیا۔ اگرچہ باغی مسلمانوں سے قتال جائز ہے لیکن وہ جہاد کفار کے برابر ہرگز نہیں ہے۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے اس موقف پر آخری وقت تک کاربند رہے، چنانچہ وہ اپنی ہمشیر ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کے باوجود واقعۂ تحکیم میں شامل نہ ہوئے۔

٤٥١٥ - قَالَ: فَمَا قَوْلُكَ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ؟ قَالَ: أَمَّا عُثْمَانُ فَكَانَ اللهُ عَفَا عَنْهُ، وَأَمَّا أَنْتُمْ

[4515] اس شخص نے کہا: حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

فَكَرِهْتُمْ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُ، وَأَمَّا عَلِيٌّ فَابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَخَتَنُهُ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ فَقَالَ: هٰذَا بَيْتُهُ حَيْثُ تَرَوْنَ.

فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (کے فرار) کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے لیکن اللہ کی معافی کو تم لوگ پسند نہیں کرتے۔ اب رہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد ہیں۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ یہ دیکھو ان کا گھر (رسول اللہ ﷺ کے گھر سے متصل) ہے۔

فوائد ومسائل: ① سائل کا تعلق خوارج سے تھا جو شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کے قائل تھے لیکن خَتَنَیْن (عثمان و علی رضی اللہ عنہما) کی تنقیص کرتے تھے۔ ② اس خارجی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا کہ وہ غزوۂ اُحد کے دن میدان جنگ سے بھاگ گئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا۔“[1] جب اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا ہے تو ایسے حالات میں انھیں ہدف ملامت یا نشانۂ تنقید بنانے کے کیا معنی؟ اس کا مطلب ہے کہ تمھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی معافی پسند نہیں آئی۔ ③ رہ گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ منزل ومنزلت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے بہت قریب تھے کیونکہ مسجد نبوی کے جنوبی جانب حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے حجرے تھے۔ ان کے درمیان حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا پھر ان کے پیچھے دیگر ازواج مطہرات کے حجرے تھے۔ اگر رسول اللہ ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ناراض تھے تو انھیں رہنے کے لیے اپنے قریب جگہ کیوں دی؟ لہٰذا خوارج کا یہ اعتراض بدنیتی پر مبنی ہے اور ان کا قرآنی استدلال بھی بے موقع اور غیر موزوں ہے۔ ایسے لوگ بہت ہیں جو بے محل قرآنی آیات کو استعمال کر کے لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ واللہ المستعان.

(٣١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [١٩٥]

باب: 31- ارشاد باری تعالیٰ: ”اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں خود ہلاکت میں نہ پڑو، احسان کا طریقہ اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے“ کی تفسیر

﴿التَّهْلُكَةِ﴾ وَالْهَلَاكُ وَاحِدٌ

اَلتَّهْلُكَةِ اور ہلاکت کے ایک ہی معنی ہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ کی لغوی تشریح ابوعبیدہ کی کتاب مجاز القرآن سے نقل کی ہے اور یہی مشہور ہے، البتہ کچھ اہل لغت نے ان کے درمیان اس طرح فرق کیا ہے: * تہلکہ وہ تباہی جس سے بچاؤ ممکن ہو اور ہلاک وہ بربادی جس سے بچاؤ ممکن نہ ہو۔ * تہلکہ، مہلک چیز کو کہتے ہیں جبکہ ہلاک اس کے فعل کو کہا جاتا ہے۔

[1] آل عمران 3:155.

٤٥١٦ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ: ﴿وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ قَالَ: نَزَلَتْ فِي النَّفَقَةِ.

[4516] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے اس آیت کے متعلق فرمایا: ''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور خود اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق نازل ہوئی۔

فوائد ومسائل: ① اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے خرچ نہیں کرو گے اور اس کے مقابلے میں اپنے ذاتی مفادات کو عزیز رکھو گے تو یہ تمھارے لیے دنیا میں بھی موجب ہلاکت ہوگا اور آخرت میں بھی باعث بربادی ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ دنیا میں تم کفار کے ہاتھوں مغلوب ہو کر ذلیل وخوار ہو گے اور آخرت میں تم سے اس کے متعلق سخت باز پرس ہوگی۔ ② حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس آیت کا پس منظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان بہت ہو گئے تو ہم نے کہا: اب ہم گھروں میں رہ کر اپنے مال ومتاع کو درست کریں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی تہلکہ سے مراد گھروں میں رہنا اور جہاد کو ترک کر دینا ہے۔[1] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے پھر کہتا ہے کہ میرے لیے تو توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس طرح وہ ہلاکت کے گڑھے میں خود کو گرا دیتا ہے۔[2] ③ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی کہ وہ خوب صدقہ وخیرات کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ قحط سالی میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے خرچ کرنا چھوڑ دیا اور بخل سے کام لینے لگے، اس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں تنبیہ فرمائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ سب صورتیں ہلاکت کی ہیں، جہاد چھوڑ دینا یا جہاد میں اپنا مال خرچ نہ کرنا یقیناً ایسے کردار ہیں جن سے دشمن طاقتور ہوگا اور مسلمان کمزور ہوں گے جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہے۔[3]

(٣٢) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ﴾ [١٩٦].

باب: 32- ارشاد باری تعالیٰ: ''اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو'' کا بیان

٤٥١٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ ابْنَ مَعْقِلٍ قَالَ: قَعَدْتُ إِلَى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ، يَعْنِي مَسْجِدَ الْكُوفَةِ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ: فِدْيَةٍ مِّنْ صِيَامٍ فَقَالَ: حُمِلْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلَى وَجْهِي فَقَالَ: «مَا

[4517] حضرت عبداللہ بن معقل سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا اور میں نے ان سے روزوں کے فدیے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: مجھے محرم کی حیثیت سے نبی ﷺ کی خدمت میں بایں حالت اٹھا کر لایا گیا کہ جوئیں میرے چہرے پر گر کر پھیل رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

1. تفسير جامع البيان في تأويل القرآن: 588/3، 589، وشعب الإيمان: 408/5. 2 سنن أبي داود، الجهاد، حديث: 2512.
3. فتح الباري: 233/8.

كُنْتُ أُرٰى أَنَّ الْجَهْدَ قَدْ بَلَغَ بِكَ هٰذَا، أَمَا تَجِدُ شَاةً؟» قُلْتُ: لَا، قَالَ: «صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ، وَاحْلِقْ رَأْسَكَ»، فَنَزَلَتْ فِيَّ خَاصَّةً وَهِيَ لَكُمْ عَامَّةً. [راجع: ١٨١٤]

''میرے خیال میں تیری یہ مشقت انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ کیا تمھارے پاس کوئی بکری ہے؟ (جو تو فدیہ میں دے سکے)''۔ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر تم تین دن کے روزے رکھو، یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو، ہر مسکین کو آدھے صاع کے برابر اناج دو اور سر منڈوا لو۔'' حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت تو یہ آیت کریمہ میرے متعلق نازل ہوئی تھی، البتہ اس کا حکم تم سب کے لیے عام ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے بال گھنے اور لمبے تھے، عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر ان کے سر میں اتنی جوئیں پڑ گئیں کہ ان کے چہرے پر گرنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ فدیے کا بندوبست کر کے اپنے سر کو منڈوا دو۔ اس حدیث نے آیت کریمہ کی وضاحت کر دی کہ محرم آدمی اگر کسی وجہ سے اپنا سر منڈوا دے تو وہ تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کم از کم ایک بکری ذبح کرے۔ ② یہ اس صورت میں ہے جب کسی مجبوری کی وجہ سے دس ذوالحجہ سے پہلے محرم آدمی اپنا سر منڈوا دے۔ روزوں کے علاوہ کھانا کھلانے یا قربانی دینے کی جگہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ کھانا یا قربانی مکہ ہی میں دی جائے جبکہ دوسرے اہل علم کا خیال ہے کہ روزوں کی طرح ان کے لیے کوئی خاص جگہ متعین نہیں ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اس آخری رائے سے اتفاق کیا ہے۔ واللّٰه أعلم.

(٣٣) بَابٌ: ﴿فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ﴾ [١٩٦]

باب: 33- ارشاد باری تعالیٰ: ''جس نے حج (کے احرام) تک عمرے کا فائدہ اٹھایا'' کا بیان

٤٥١٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عِمْرَانَ أَبِي بَكْرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: نَزَلَتْ آيَةُ الْمُتْعَةِ فِي كِتَابِ اللهِ، فَفَعَلْنَاهَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَمْ يُنْزَلْ قُرْآنٌ يُحَرِّمُهُ، وَلَمْ يَنْهَ عَنْهَا حَتّٰى مَاتَ، قَالَ رَجُلٌ بِرَأْيِهِ مَا شَاءَ.

[4518] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حج تمتع کی آیت تو کتاب اللہ میں نازل ہوئی اور ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج تمتع کیا۔ قرآن کریم میں اس کی حرمت نازل نہیں ہوئی اور نہ مرتے دم تک آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ اب جو شخص اپنی رائے سے جو چاہے کہتا رہے۔

قَالَ مُحَمَّدٌ يُقَالُ: إِنَّهُ عُمَرُ. [راجع: ١٥٧١]

محمد (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں (کیونکہ ان کی رائے حج تمتع کے

خلاف تھی)۔

فوائدومسائل: ① حج کی تین قسمیں ہیں: (ا) افراد: صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے۔ (ب) قران: حج وعمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کر کے احرام باندھا جائے۔ (ج) تمتع: اس میں بھی حج وعمرہ دونوں کی نیت ہوتی ہے لیکن پہلے صرف عمرہ کیا جاتا ہے، اس کے بعد آٹھ ذوالحج کو حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ حج قران اور حج تمتع میں ایک ہدی بھی قربانی دینا ہوتی ہے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ حج تمتع سے متعلق اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج تمتع سے منع کرتے تھے۔ اس کی وجہ اس کا حرام ہونا نہیں بلکہ ان کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ لوگ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ ادا کر کے خانہ کعبہ کو چھوڑ کر نہ جائیں بلکہ حج اور عمرے کے لیے الگ الگ سفر کر کے برابر بیت اللہ میں آتے رہیں۔ چونکہ آپ کا یہ موقف کتاب وسنت کے خلاف تھا، اس لیے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اس موقف کو ان کی ذاتی رائے قرار دیا اور اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو کسی خاص امام کی تقلید کو ضروری قرار دیتے ہیں، جب خلیفۂ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے مطلقاً قابل تسلیم نہیں تو دوسرے مجتہدین کس شمار میں ہیں؟ حالانکہ خود مجتہدین نے وصیت فرمائی ہے کہ کتاب وسنت کے خلاف ہماری رائے کو تسلیم نہ کیا جائے۔ واللہ المستعان.

(٣٤) بَابٌ: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ﴾ [١٩٨]

باب: 34- ارشاد باری تعالیٰ: ”تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (سفر حج میں) اپنے رب کا فضل، یعنی معاش تلاش کرو“ کی تفسیر

٤٥١٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتْ عُكَاظُ وَمَجَنَّةُ وَذُو الْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَتَأَثَّمُوا أَنْ يَتَّجِرُوا فِي الْمَوَاسِمِ، فَنَزَلَتْ (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُم فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ).

[راجع: ١٧٧٠]

[4519] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز دور جاہلیت کی منڈیاں تھیں، اس لیے موسم حج میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں کاروبار کو برا خیال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ”تم پر کوئی گناہ نہیں کہ (حج کے ساتھ ساتھ) تم اپنے رب کا فضل، یعنی معاش بھی تلاش کرتے رہو۔“ یعنی موسم حج میں تجارت کے لیے ان منڈیوں میں جاؤ۔

فوائدومسائل: ① عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز عرب کی مشہور تجارتی منڈیاں تھیں جن میں لوگ تجارت کی غرض سے جمع ہوتے تھے۔ عکاظ ان سب سے بڑا بازار تھا جو نخلہ اور طائف کے درمیان قرن منازل کے پاس تھا۔ ذوالقعدہ کا چاند نظر آتے ہی شروع ہو جاتا اور بیس دن تک قائم رہتا۔ مجنہ نامی بازار مرالظہران کے پاس لگتا اور ذوالقعدہ کے باقی دس دن تک لگایا جاتا اور ذوالحجہ کا

چاند نظر آتے ہی اسے ختم کر دیا جاتا۔ ذوالمجاز کی منڈی میدان عرفات سے ایک فرسخ کے فاصلے پر لگتی اور پہلی ذوالحجہ سے شروع ہو کر آٹھ ذوالحجہ تک قائم رہتی۔ اس کے بعد لوگ مناسک حج میں مصروف ہو جاتے۔ [1] ② حدیث میں ہے کہ جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ سے منع کر دیا تو آپ موسم حج میں مجنہ اور عکاظ کے بازاروں میں جاتے اور لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے، مکی زندگی کے دس سال اسی طرح مشکلات میں گزرے۔ [2] واضح رہے کہ یہ تینوں بازار دورِ اسلام میں بھی قائم تھے یہاں تک کہ خوارج کے وقت 129 ہجری میں سوق عکاظ ختم ہو گیا، اس کے بعد باقی بازار بھی رفتہ رفتہ ختم ہو گئے۔ ③ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دوران حج میں دو وجہ سے تجارت کو برا خیال کرتے تھے: (ا) چونکہ حج ایک مقدس عبادت کا نام ہے، اس میں تجارت کی ملاوٹ کو وہ اخلاص عمل کے منافی خیال کرتے تھے، اس لیے انھوں نے حج کی عبادت میں تجارت کی ملاوٹ کو مکروہ خیال کیا۔ (ب) چونکہ یہ بازار دورِ جاہلیت کی یادگار تھے، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جاہلیت کی رسم خیال کر کے اسلام میں اسے گناہ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس خیال کی تردید فرمائی کہ ضمنی طور پر دوران حج میں تجارت کرنا کوئی گناہ نہیں۔ اس کے باوجود جس شخص کی نیت اور عمل خالص اللہ کے لیے ہو وہ اس شخص سے افضل ہے جس کی نیت اور عمل میں تجارت وغیرہ کی ملاوٹ ہو گی۔ ④ آیت کریمہ کے آخر میں ''فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ'' کے الفاظ آیت کا حصہ نہیں بلکہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اپنے تشریحی الفاظ ہیں جو انھوں نے آیت کے مفہوم و مدعیٰ کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیے ہیں۔ اس قسم کے مدرج الفاظ، تشریحی یا تفسیری الفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک قرآن مجید کی بالمعنی تلاوت جائز تھی۔ [3]

(٣٥) بَابٌ: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ [١٩٩]

باب: 35- ارشاد باری تعالیٰ: ''پھر تم وہیں سے پلٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹتے ہیں'' کی تفسیر

٤٥٢٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَازِمٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِينَهَا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ، وَكَانُوا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ، وَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُونَ بِعَرَفَاتٍ، فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ أَمَرَ اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ ثُمَّ يَقِفَ بِهَا، ثُمَّ يُفِيضَ مِنْهَا، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾. [راجع: ١٦٦٥]

[4520] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حج کے موقع پر) قریش اور ان کے ہم مسلک مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے اور وہ اپنا نام حُمس رکھتے تھے۔ باقی عرب کے لوگ مزدلفہ سے آگے میدان عرفات میں وقوف کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ وہ عرفات میں آئیں اور وہاں وقوف کریں پھر واپس مزدلفہ آئیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے: ''پھر جہاں سے دوسرے لوگ پلٹتے ہیں تم بھی وہاں سے پلٹو۔''

1 فتح الباري: 750/3. 2 مسند أحمد: 322/3. 3 الإتقان: 77/1.

فوائد ومسائل: ① قریش خود کو اہل حرم اور بیت اللہ کے مجاور خیال کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے لیے ایک امتیاز قائم کر رکھا تھا کہ حج کے موقع پر حدود حرم سے نکل کر عام لوگوں کے ساتھ عرفات جانا اپنی شان کے خلاف خیال کرتے تھے، اس لیے وہ مزدلفہ جاتے اور وہیں سے واپس منیٰ آ جاتے، پھر یہی امتیاز بنوخزاعہ، بنوکنانہ اور ان کے دوسرے قبیلوں کو بھی حاصل ہو گیا جن کے ساتھ قریش کے رشتے ناتے تھے۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جو قبائل قریش کے حلیف تھے انھوں نے بھی عام لوگوں کے ساتھ عرفات جانا چھوڑ دیا۔ ② اس آیت کریمہ میں قریش کے فخر و غرور کے اسی بت کو پاش پاش کیا گیا ہے اور انھیں سنت ابراہیم علیہ السلام کے احیا کے متعلق کہا گیا ہے۔ قرآن کریم نے قریش کے اس خود ساختہ امتیاز کو ختم کر کے سب کو ایک ہی سطح پر کر دیا۔ ③ حمس، حماسہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی شدت کے ہیں، قریش چونکہ اپنے دینی معاملات میں دوسروں کی اطاعت نہیں کرتے تھے بلکہ اس سلسلے میں اپنے آپ کو خود کفیل سمجھتے تھے، اس لیے انھیں حمس کہا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنے مصنوعی تقدس کے پیش نظر بے شمار بدعات قائم کر رکھی تھیں، مذکورہ حدیث میں ان کی جاری کردہ ایک بدعت کا تذکرہ ہے۔

٤٥٢١ - **حَدَّثَنِي** مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: يَطُوفُ الرَّجُلُ بِالْبَيْتِ مَا كَانَ حَلَالًا حَتَّى يُهِلَّ بِالْحَجِّ، فَإِذَا رَكِبَ إِلَى عَرَفَةَ فَمَنْ تَيَسَّرَ لَهُ هَدِيَّةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَوِ الْبَقَرِ أَوِ الْغَنَمِ، مَا تَيَسَّرَ لَهُ مِنْ ذٰلِكَ، أَيَّ ذٰلِكَ شَاءَ، غَيْرَ إِنْ لَمْ يَتَيَسَّرْ لَهُ فَعَلَيْهِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ، وَذٰلِكَ قَبْلَ يَوْمِ عَرَفَةَ، فَإِنْ كَانَ آخِرُ يَوْمٍ مِنَ الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ يَوْمَ عَرَفَةَ، فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ، ثُمَّ لِيَنْطَلِقْ حَتَّى يَقِفَ بِعَرَفَاتٍ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ يَكُونَ الظَّلَامُ، ثُمَّ لِيَدْفَعُوا مِنْ عَرَفَاتٍ، فَإِذَا أَفَاضُوا مِنْهَا حَتَّى يَبْلُغُوا جَمْعًا الَّذِي يُتَبَرَّزُ فِيهِ، ثُمَّ لِيَذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا. وَأَكْثِرُوا التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلَ قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا، ثُمَّ أَفِيضُوا، فَإِنَّ النَّاسَ كَانُوا يُفِيضُونَ، وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا۟ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ ٱلنَّاسُ وَٱسْتَغْفِرُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ

[4521] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: (حج تمتع کرنے والا) حاجی جب تک احرام کی پابندیوں سے آزاد رہے تو وہ بیت اللہ کا نفل طواف کرتا رہے۔ پھر جب (آٹھویں تاریخ کو) حج کا احرام باندھے اور عرفات جانے کے لیے سوار ہو تو اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ سے جو قربانی میسر ہو اسے (نحر کے دن) ذبح کرے۔ اور اگر قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو حج کے دنوں میں یوم عرفہ سے پہلے تین دن کے روزے رکھے۔ اگر آخری روزہ عرفہ کے دن آ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر (منیٰ سے) چل کر عرفات کو جائے، وہاں نماز عصر کے بعد رات کی تاریکی تک وقوف کرے۔ پھر عرفات سے اس وقت لوٹے جب دوسرے لوگ واپس آئیں اور سب لوگوں کے ساتھ مزدلفہ میں رات بسر کرے، وہاں صبح تک اللہ کا ذکر، تکبیر و تہلیل بکثرت کرے۔ پھر وہاں سے لوگوں کے ساتھ منیٰ واپس آئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''پھر وہاں سے پلٹو جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔'' پھر جمرۂ عقبہ کو

غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ حَتّٰى تَرْمُوا الْجَمْرَةَ. کنکریاں مارنے تک تسبیح وتہلیل اور ذکر الٰہی کرتے رہو۔

فوائد ومسائل: ① حلال ہونے کی دو صورتیں ہیں: (ا) ایک آدمی کافی عرصے سے مکہ مکرمہ میں مقیم ہے تو جب تک احرام کی پابندیوں سے آزاد ہے اسے چاہیے کہ وقتاً فوقتاً بیت اللہ کا طواف کرتا رہے۔ (ب) اگر مکہ کے باہر سے عمرے کا احرام باندھ کر آیا ہے تو عمرہ کر کے جب وہ حلال ہو جائے تو جب تک مکہ مکرمہ میں رہے، حج کا احرام باندھنے تک بیت اللہ کا طواف کرتا رہے۔ ② میدان عرفات میں عصر کی نماز جمع تقدیم کے ساتھ نماز ظہر کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف کیا جائے۔ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز ادا کیے بغیر مزدلفہ روانہ ہونا چاہیے، وہاں پہنچ کر نماز مغرب کو نماز عشاء کے ساتھ جمع تاخیر سے ادا کیا جائے۔ واضح رہے کہ وقوف عرفہ حج کا بنیادی رکن ہے، اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔ بہتر ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے پہلے میدان عرفہ میں حاضر ہو جائے۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے غروب آفتاب سے پہلے میدان عرفہ نہ پہنچ سکے تو فجر سے پہلے پہلے میدان عرفہ میں حاضر ہو جائے تو بھی جائز ہے۔[1]

(٣٦) بَابٌ: ﴿وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي ٱلْآخِرَةِ حَسَنَةً﴾ الْآيَةَ [٢٠١]

باب: 36- ارشاد باری تعالیٰ: ''ان میں سے کوئی کہتا ہے: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بہتری عطا کر......'' کا بیان

٤٥٢٢ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ». [انظر: ٦٣٨٩]

[4522] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بہتری عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے۔''

فوائد ومسائل: ① قرآن مجید میں اس دعائے ربانی سے پہلے کچھ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو حج کرتے وقت اپنے دنیاوی مفاد کی دعائیں کرتے اور آخرت کو بالکل نظر انداز کر دیتے تھے اور ارشاد باری تعالیٰ: ''ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے۔ ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔''[2] مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی گئی کہ وہ دوران حج میں دنیا کے ساتھ آخرت کی بھی بھلائی مانگیں، اس لیے مذکورہ دعا بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کی تمام نعمتوں پر مشتمل ہے اسے بکثرت پڑھتے رہنا دین و دنیا کی نعمتوں کا باعث ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔[3] ② اس دعا سے یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ بندے کو اپنے رب سے دنیا و آخرت کی بھلائی کا سوال تو کرنا چاہیے لیکن اس بھلائی کا فیصلہ اور انتخاب اللہ تعالیٰ پر چھوڑنا چاہیے کیونکہ وہی جانتا ہے کہ ہمارے

1 فتح الباري: 235/8. 2 البقرہ 2:200. 3 صحیح البخاري، الدعوات، حدیث: 6389.

لیے حقیقی خیر کس چیز میں ہے؟ لہٰذا بندے کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی تجویز پیش کرنے کے بجائے معاملہ اللہ تعالیٰ ہی پر چھوڑ دے، چنانچہ اس انداز سے دعا کرنے والوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق (دونوں جگہ) حصہ پائیں گے۔'' اور یہ حصہ اس اصول کے مطابق ہوگا جو اس نے اپنے بندوں کی نیکیوں کا بدلہ دینے کے لیے مقرر کر رکھا ہے جس کی وضاحت اس نے خود قرآن میں کی ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٧) بَابٌ: ﴿وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ [٢٠٤]

باب: 37- ارشاد باری تعالیٰ: ''حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے'' کی تفسیر

وَقَالَ عَطَاءٌ: ﴿وَالنَّسْلَ﴾ [٢٠٥] الْحَيَوَانُ.

عطاء نے فرمایا: وَالنَّسْلَ سے مراد جاندار مخلوق ہے۔

وضاحت: پوری آیت اس طرح ہے: ''اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کی بات آپ کو دنیا کی زندگی کے بارے میں بھلی لگتی ہے اور وہ اپنی نیک نیتی پر اللہ کو گواہ بھی بناتا ہے، حالانکہ وہ سخت قسم کا جھگڑالو ہے۔''[1] اللہ تعالیٰ نے اس اَلَدُّ الخصام کے کردار کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو تباہ و برباد کرے اور نسل حیوانی و انسانی کو تباہ کرے۔ حضرت عطاء سے کسی نے سوال کیا کہ آیت میں ﴿النَّسْل﴾ سے کیا مراد ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد جاندار مخلوق ہے، یعنی نسل حیوانی اور انسانی کی تمام اقسام کو شامل ہے۔[2] ﴿اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ کے معنی ہیں: وہ دشمن جو تمام دشمنوں سے زیادہ بڑھا ہو، یعنی جو حق کی مخالفت میں ہر ممکن حربے سے کام لے، کسی جھوٹ، کسی بے ایمانی، کسی غدر و بدعہدی اور کسی ٹیڑھی سے ٹیڑھی چال کو بھی استعمال کرنے میں تأمل نہ کرے۔

٤٥٢٣ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ تَرْفَعُهُ [قَالَ]: «أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ».

[4523] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ اسے مرفوع بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ شخص ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔''

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٤٥٧]

عبداللہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے بیان کیا، ان سے ابن جریج نے، ان سے ابن ابی ملیکہ نے، ان سے حضرت عائشہ ؓ نے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں۔

فوائد و مسائل: ① یہ آیت کریمہ ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جو اسلام کو عقیدے اور منہج زندگی کی حیثیت سے قبول نہیں کرتا لیکن دنیوی مفاد کے پیش نظر اپنے مسلمان ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے قول و فعل کی صداقت پر گواہ بناتا

[1] البقرة 2:204. [2] تفسير جامع البيان في تأويل القرآن: 242/4، و فتح الباري: 236/8.

ہے، حالانکہ وہ باطل کو حق دکھانے کے لیے بدترین جھگڑالو ہوتا ہے۔ حدیث میں منافق کی تین نشانیاں بیان ہوئی ہیں: وہ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے اور جب جھگڑتا ہے تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔[1]

② امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں ایک دوسری سند بیان کی ہے تاکہ دو باتوں کی صراحت ہو جائے: (ا) یہ حدیث حقیقت کے اعتبار سے مرفوع ہے جیسا کہ جامع سفیان ثوری میں یہ موصول بیان ہوئی ہے۔ (ب) حضرت سفیان کا اپنے استاد ابن جریج سے سماع ثابت ہے کیونکہ انھوں نے پیش کردہ روایت میں اسے بصیغۂ تحدیث بیان کیا ہے۔[2]

(٣٨) [بَابٌ]: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم﴾ الْآيَةَ [٢١٤]

باب: 38- ارشاد باری تعالیٰ: ''کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تک تمھیں ان لوگوں جیسے حالات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں......'' کی تفسیر

٤٥٢٤ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يَقُولُ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا﴾ [يوسف: ١١٠] خَفِيفَةً ذَهَبَ بِهَا هُنَاكَ، وَتَلَا: ﴿حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ﴾

[4524] ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو بایں الفاظ تلاوت کرتے تھے: ﴿حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ یعنی ذال کو تشدید کے بغیر پڑھتے اور اس کے معنی سورۂ بقرہ میں موجود آیت: ''یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اس وقت انھیں تسلی دی گئی کہ) سنو! اللہ کی مدد قریب ہے۔'' کے تناظر میں اس طرح کرتے (''جب رسول مایوس ہو گئے اور انھوں نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو اس وقت ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی۔'')

فَلَقِيتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ فَذَكَرْتُ لَهُ ذٰلِكَ.

(ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ) میں حضرت عروہ بن زبیر سے ملا تو میں نے ان کے سامنے مذکورہ آیت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف بیان کیا۔

٤٥٢٥ - فَقَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: مَعَاذَ اللهِ، وَاللهِ مَا وَعَدَ اللهُ رَسُولَهُ مِنْ شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا عَلِمَ أَنَّهُ

[4525] حضرت عروہ بیان کرتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق اس موقف سے اللہ کی پناہ

[1] صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 33. [2] فتح الباري: 236/8.

كَائِنٌ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ، وَلٰكِنْ لَمْ يَزَلِ الْبَلَاءُ بِالرُّسُلِ حَتّٰى خَافُوا أَنْ يَكُونَ مَنْ مَعَهُمْ يُكَذِّبُونَهُمْ فَكَانَتْ تَقْرَؤُهَا: (وَظَنُّوٓا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا) مُثَقَّلَةً. [راجع: ٣٣٨٩]

مانگتی تھیں اور فرماتی تھیں: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء ﷺ سے کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے جو وعدہ فرماتے، رسول کو اس پر پورا پورا یقین ہوتا کہ اس کی موت سے پہلے پہلے یہ ہو کر رہے گا، البتہ یہ ضرور ہوتا تھا کہ جب انبیاء ﷺ مصائب و آلام سے دوچار ہوتے تو اپنے ماننے والوں سے انھیں کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مبادا وہ بھی اس کی تکذیب کر دیں (اس وقت اللہ کی مدد آ جاتی)۔ حضرت عائشہ ؓ کُذِّبُوا کو ذال کی تشدید سے پڑھتی تھیں۔

فوائد و مسائل: ① اس مقام پر حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ ؓ کا کوئی فقہی اختلاف نہیں بلکہ قراءت کے اختلاف کی وجہ سے ان دونوں کے ایک نظریاتی موقف کی وضاحت مقصود ہے۔ یہاں ہم اس روایت کو ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں جو مفصل طور پر سورۂ یوسف میں بیان ہوئی ہے: ''حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ ؓ سے ﴿حَتّٰىٓ إِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ ......﴾ کے متعلق دریافت کیا کہ لفظ کُذِبُوا میں ذال پر شد پڑھی جائے گی یا نہیں؟ حضرت عائشہ ؓ نے جواب دیا کہ ذال کو شد کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اس پر انھوں نے کہا: جب حضرات انبیاء ﷺ کو یقین تھا کہ ان کی قوم انھیں جھٹلا رہی ہے تو پھر ظَنُّوا کہنے کا کیا مطلب؟ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: ہاں، ہاں انھیں اس بات کا پورا پورا یقین تھا (یعنی اس مقام پر ظن، یقین کے معنی میں ہے۔) میں نے عرض کی: اگر کُذِبُوا کی ذال کو شد کے بغیر پڑھیں تو کیا خرابی ہے؟ انھوں نے فرمایا: اللہ کی پناہ! بھلا حضرات انبیاء ﷺ اپنے رب کے متعلق ایسا گمان کیونکر رکھ سکتے ہیں کہ وہ ان سے اپنے وعدے کا خلاف کرے گا؟ میں نے عرض کی: پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس سے حضرات انبیاء ﷺ کے پیروکار مراد ہیں جو اپنے رب پر ایمان لائے اور حضرات انبیاء ﷺ کی تصدیق کی، جب ان پر ایک مدت دراز تک آزمائشیں اور مصیبتیں آئیں اور اللہ کی مدد آنے میں بھی دیر ہو گئی تو ایسے حالات میں حضرات انبیاء ﷺ کفار و مکذبین کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور اپنے پیروکار اہل ایمان کے متعلق بھی گمان کرنے لگے کہ وہ بھی ہمیں جھٹلا دیں گے تو اس وقت فوراً اللہ کی مدد آ پہنچی۔''[1] ② اس تفصیلی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے کُذِبُوا کو شد کے بغیر پڑھنے سے انکار نہیں کیا بلکہ حضرات انبیاء ﷺ کے متعلق اس موقف سے اختلاف کیا ہے کہ انھیں یہ گمان ہوا کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت و تائید کے جو وعدے کیے تھے وہ سب جھوٹ تھے۔[2] گویا ان کے نزدیک آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح ہو گا: ''جب رسول ناامید ہو گئے اور انھوں نے گمان کیا کہ ان کے ماننے والے انھیں جھٹلا رہے ہیں تو فوراً اللہ کی مدد آ پہنچی۔'' ③ حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: حضرت عائشہ ؓ نے قراءت تخفیف (ذال پر شد کے بغیر) کا انکار کیا ہے۔ ممکن ہے کہ انھیں کسی قابل اعتبار ذریعے سے قراءت تخفیف نہ پہنچی ہو جبکہ ائمۂ کوفہ امام عاصم، یحییٰ

① صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4695. 2 فتح الباري: 467/8.

بن وثاب، امام اعمش، امام حمزہ اور امام کسائی نے اسے تخفیف سے پڑھا ہے اور اہل حجاز میں سے ابو جعفر بن قعقاع نے بھی ان حضرات کی موافقت کی ہے، نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی، حسن بصری اور محمد بن کعب قرظی نے بھی اسے تخفیف سے (شد کے بغیر) پڑھا ہے۔[1] لیکن اگر ظن بمعنی وسوسہ ہو تو قراءت تخفیف تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں، تب اس کے معنی ہوں گے: ''جب پیغمبر مایوس ہو گئے اور ان کے دل میں یہ وسوسہ آنے لگا کہ عذاب یا مدد اس دنیا میں نہیں آئے گی۔'' یعنی وسوسہ یہ تھا کہ شاید اللہ کی طرف سے وعدہ خلافی ہو۔ قراءت تخفیف کے ایک معنی اس طرح بھی کیے گئے ہیں: ''جب رسول مایوس ہوئے اور انھیں گمان ہوا کہ ان سے وعدہ خلافی کی گئی ہے تو فوراً ہماری مدد آ پہنچی۔ یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کو اپنے پیروکاروں کے متعلق یہ گمان ہوا کہ یہ لوگ بھی جو ہم سے اظہار عقیدت کرتے ہیں، ان تکلیفوں کی وجہ سے الٹے پاؤں پھر جائیں گے اور ایمان سے محروم ہو کر کفار کی طرح ان کا بھی خانہ خراب ہو جائے گا تو فوراً ہماری مدد آ پہنچی۔'' یہ معنی کرنے سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر بھی کوئی حرف نہیں آتا اور نہ قراءت متواترہ ہی کے انکار کا کوئی راستہ کھلتا ہے کیونکہ یہ معنی کرنے سے کذب بیانی یا وعدہ خلافی کی نسبت اللہ کی طرف نہیں بلکہ پیروکاروں کی طرف ہو گی۔ مشہور معنی یوں کیے گئے ہیں: ''جب رسول ناامید ہونے لگے اور ان کی قوم نے خیال کیا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا ہے تو ہماری مدد ان کے پاس آ گئی۔'' اس میں ظَنُّوا کا فاعل قوم، یعنی مومنین کو قرار دیا جائے۔ ④ ﴿لِلَّذِيْنَ﴾ جو اس سے پہلے ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ یہ مضمون اہل ایمان کے لیے ہے۔ انھیں اس قسم کا گمان ہونا کوئی بعید نہیں جبکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے ایسا گمان محال ہے، چنانچہ یہ معنی حضرت سعید بن جبیر نے خود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور قوم نے یہ گمان کیا کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مدد کا جو وعدہ تھا وہ صحیح نہیں تھا۔ قوم کے اس طرح گمان کرنے سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ چونکہ یہ توجیہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس لیے یہ سب توجیہات سے راجح معلوم ہوتی ہے اور اس پر کوئی اشکال بھی نہیں رہتا۔[2] والله أعلم.

(٣٩) بَابٌ: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ [٢٢٣]

باب: 39- ارشاد باری تعالیٰ: ''عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں، لہٰذا جس طرح تم چاہو اپنی کھیتی میں آؤ'' کی تفسیر

وضاحت: اس آیت کی شان نزول کے متعلق دو طرح کی احادیث ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: (ا) یہودی کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس اس کے پیچھے سے آئے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے تو ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔[3] (ب) ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا: ''تجھے کس چیز نے ہلاک کیا؟'' کہنے لگے: آج میں نے اپنی سواری پھیر لی۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ

1 فتح الباري: 467/8. 2 فتح الباري: 468/8. 3 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4528.

آیت نازل ہوئی، پھر آپ نے فرمایا: ''آگے سے صحبت کرو یا پیچھے سے مگر دبر یا حیض کی حالت میں مجامعت نہ کرو۔''[1] گویا اس آیت میں بیوی کو کھیتی سے تشبیہ دے کر یہ واضح کر دیا کہ نطفہ جو بیج کی طرح ہے صرف اگلی شرم گاہ ہی میں ڈالا جائے، خواہ کسی بھی صورت میں ڈالا جائے لیٹ کر، بیٹھ کر یا پیچھے سے، اور پیداوار حاصل کرنے کی غرض سے ڈالا جائے۔ اس کے علاوہ پیداوار (اولاد) حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ بہرحال مذکورہ آیت کے الفاظ: ''جس طرح چاہو'' میں جو عموم ہے وہ جہت میں ہے مکان اور محل میں نہیں۔ واللہ أعلم۔

٤٥٢٦ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يَتَكَلَّمْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ، فَأَخَذْتُ عَلَيْهِ يَوْمًا فَقَرَأَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَكَانٍ قَالَ: تَدْرِي فِيمَا أُنْزِلَتْ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: أُنْزِلَتْ فِي كَذَا وَكَذَا ثُمَّ مَضَى. [انظر: ٤٥٢٧]

[4526] حضرت نافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابن عمر ؓ جب قرآن پڑھتے تو اس سے فارغ ہونے تک کوئی بات نہ کرتے تھے۔ ایک دن میں نے ان کے قرآن کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تو انھوں نے سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی یہاں تک کہ وہ ایک مقام پر پہنچے۔ انھوں نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ آیت کس چیز کے متعلق نازل ہوئی تھی؟ میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے فرمایا: یہ آیت فلاں فلاں چیز کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ پھر انھوں نے پڑھنا شروع کر دیا۔

٤٥٢٧ - وَعَنْ عَبْدِ الصَّمَدِ: حَدَّثَنِي أَبِي: حَدَّثَنِي أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ قَالَ: يَأْتِيهَا فِي.

[4527] حضرت نافع ہی سے ایک دوسری روایت ہے، وہ حضرت ابن عمر ؓ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے ''تم اپنی کھیتی کو جہاں سے چاہو آ سکتے ہو'' کے متعلق فرمایا: مرد، بیوی کی ...... میں جماع کر سکتا ہے۔

رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ. [راجع: ٤٥٢٦]

اس روایت کو محمد بن یحییٰ نے اپنے باپ یحییٰ بن سعید سے، انھوں نے عبیداللہ سے، انھوں نے حضرت نافع سے، انھوں نے حضرت ابن عمر ؓ سے روایت کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① پہلی حدیث میں آیت اور اس کا سبب نزول دونوں مبہم ہیں جبکہ دوسری روایت میں آیت کی تعیین ہے لیکن ''فِی'' کے بعد اس کے مجرور کو حذف کر دیا گیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس مقام پر فن بلاغت کی صنعتِ اکتفا کو استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل کو کافی سمجھتے ہوئے کسی چیز کو مصلحت کی بنا پر حذف کر دیا جائے۔ دیگر روایات سے

---

① جامع الترمذي، التفسير، حديث: 2980.

معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر دُبُرِھَا کا لفظ محذوف ہے۔ اسے حذف کرنے کی مصلحت یہ ہے کہ اس کا ذکر اس قدر قبیح ہے کہ اسے زبان یا نوک قلم پر لانا کسی کو بھی گوارا نہیں۔ واللہ أعلم. ② اگرچہ امام حمیدی نے اپنی تالیف ''الجمع بین الصحیحین'' میں ''فِي'' کے بعد اَلْفَرَجْ کا ذکر کیا ہے لیکن یہ انداز ان روایات کے خلاف ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے وطی فی الدبر کے قائل تھے اس کے بعد انھوں نے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آیت مذکورہ کا سبب نزول بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایات ملتی ہیں۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق معلوم ہوا تو انھوں نے اس کی تردید فرمائی، چنانچہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اللہ تعالیٰ مغفرت کرے، انھیں وہم ہوا ہے۔ دراصل قبیلۂ انصار بت پرست لوگ تھے، اس یہودی قبیلے کے ساتھ رہتے تھے جو کہ اہل کتاب تھے اور انصار علم کی وجہ سے ان کی برتری کے معترف تھے اور اپنے اکثر کاموں میں ان کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اہل کتاب کا معاملہ یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی بیویوں سے ایک ہی انداز میں، یعنی چت لٹا کر (یا پہلو کے بل سے) مجامعت کیا کرتے تھے، اس طرح عورت بہت زیادہ پردے میں رہتی ہے، ان انصار نے بھی ان جیسا یہ عمل اختیار کیا ہوا تھا لیکن قبیلۂ قریش والے اپنی عورتوں کو بری طرح پھیلاتے اور طرح طرح سے لطف اندوز ہوتے تھے، آگے سے پیچھے سے اور چت لٹا کر بھی۔ جب مہاجرین مدینہ طیبہ آئے اور ان کے ایک آدمی نے انصار کی ایک عورت سے شادی کی تو اس کے ساتھ اپنے اسی انداز میں صحبت کرنے لگا تو عورت نے اسے بہت برا محسوس کیا اور کہنے لگی: ہم سے تو ایک ہی انداز میں (چت لٹا کر یا پہلو کے بل سے) مجامعت کی جاتی تھی سوتم بھی اسی طرح کرو، بصورت دیگر مجھ سے الگ رہو حتی کہ ان کا معاملہ بہت بڑھ گیا اور رسول اللہ ﷺ تک جا پہنچا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''تمھاری عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں، لہٰذا جس طرح تم چاہو اپنی کھیتی میں آؤ۔''[1] یعنی آگے سے، پیچھے سے یا چت لٹا کر لیکن جگہ وہی فرج، یعنی اگلی شرم گاہ ہو۔ بہرحال بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں مباشرت کرنا حرام اور لعنت کا کام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں مباشرت کرے۔''[2] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت کی دبر میں جنسی عمل کرے۔''[3] جب حیض کی حالت میں مجامعت کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس وقت شرمگاہ محل نجاست ہوتی ہے تو جو جگہ ہمیشہ کے لیے مقام نجاست ہے وہاں مجامعت کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی رجوع ثابت ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے وطی فی الدبر کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: کیا مسلمانوں میں سے کوئی یہ عمل کرتا ہے؟[4] بہرحال اس سلسلے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں جو کچھ فرمایا ہے وہ ان کا پہلا موقف تھا جو صحیح اسناد سے ثابت ہے لیکن انھوں نے اس کے بعد رجوع کر لیا تھا جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ احادیث کی روشنی میں مرد کو اس برے کام سے بچنا چاہیے

---

1 البقرة 2:222. 2 مسند أحمد: 444/2. 3 جامع الترمذي، الرضاع، حديث: 1165. 4 ابن كثير: 272/6.

اور عورت کو بھی چاہیے کہ اس بدترین کام کے بارے میں اپنے شوہر کی بات نہ مانے اگر وہ ایسا کرنے کا کہے تو انکار کر دے۔ واللہ أعلم.

٤٥٢٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ: سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ: إِذَا جَامَعَهَا مِنْ وَرَائِهَا جَاءَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ، فَنَزَلَتْ: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾.

[4528] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: یہودی کہا کرتے تھے: اگر آدمی اپنی بیوی کے ساتھ اس کے پیچھے سے (فرج میں) مباشرت کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ”تمھاری بیویاں، تمھاری کھیتی ہیں، لہٰذا اپنی کھیتی میں جیسے چاہو آؤ۔“

فوائد ومسائل: ① ظاہری طور پر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے مطابق ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے ایسا نہیں ہے کیونکہ ایک روایت میں وضاحت ہے کہ جب آدمی پچھلی جانب سے اس کی فرج میں مجامعت کرے تو یہودی کہتے تھے کہ اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اسے حمل ہو جائے۔[1] حمل ہونے کے الفاظ اس بات کا قرینہ ہیں کہ آدمی، بیوی سے فرج میں مباشرت کرے کیونکہ دبر میں مباشرت کرنے سے حمل نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ اسماعیلی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں: عورت کو گھٹنوں کے بل بیٹھا کر اس کی پچھلی جانب سے اس کی فرج میں مباشرت کی جائے۔[2] ② مختصر یہ ہے کہ مذکورہ تمام روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ آیت کی تفسیر کی تائید کرتی ہیں جس میں انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تفسیر کی تردید کی ہے۔ ③ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے قول کو باطل اور ایک بے بنیاد وہم قرار دیا ہے اور میاں بیوی کو ایک دوسرے سے ہر طرح لطف اندوز ہونے کی اجازت ہے بشرطیکہ وطی فی الدبر سے گریز کیا جائے کیونکہ یہ قوم لوط کا فعل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسا عذاب نازل کیا تھا کہ ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر ڈالا، مزید یہ بھی شرط ہے کہ ایام حیض میں اس قسم کی لطف اندوزی بھی حرام ہے۔ واللہ أعلم.

(٤٠) بَابٌ: ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ [٢٣٢]

باب: 40- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے مت روکو“ کا بیان

٤٥٢٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو

[4529] حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

---

1 صحيح مسلم، النكاح، حديث: 3536 (1435). 2 فتح الباري: 241/8.

عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ: حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ رَاشِدٍ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ قَالَ: كَانَتْ لِي أُخْتٌ تُخْطَبُ إِلَيَّ.

انھوں نے کہا: میری ایک بہن تھی، اس سے نکاح کے متعلق مجھے پیغام بھیجا گیا۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الْحَسَنِ: حَدَّثَنِي مَعْقِلُ بْنُ يَسَارٍ. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ: أَنَّ أُخْتَ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا، فَتَرَكَهَا حَتَّى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا، فَخَطَبَهَا، فَأَبَى مَعْقِلٌ فَنَزَلَتْ: ﴿فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾. [انظر: ٥١٣٠، ٥٣٣٠، ٥٣٣١]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار ﷛ کی بہن کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی اور اسے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہوگئی۔ پھر اس کے شوہر نے پیغام نکاح بھیجا تو حضرت معقل ﷛ نے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ”تم ان مطلقہ عورتوں کو مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے نکاح کریں۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس مقام پر حدیث مختصر طور پر بیان کی ہے، دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ جب عدت ختم ہوگئی تو اس کے بہنوئی نے اس کی بہن سے نکاح کے لیے مجھے پیغام بھیجا، میں نے غصے اور غیرت کی وجہ سے اسے جواب دیا کہ میں نے اپنی بہن سے تیرا نکاح کر کے تیری عزت افزائی کی لیکن تو نے اس کی کوئی قدر نہ کی، اللہ کی قسم! میری بہن اب تیرے پاس کسی صورت نہیں آئے گی۔ وہ آدمی معقول اور نیک سیرت تھا اور میری بہن کا رجحان بھی اس کے گھر آباد ہونے کا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں ابھی تعمیل حکم کرتا ہوں، چنانچہ اس نے اپنی بہن کا نکاح اس سے کر دیا۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور آیات پڑھ کر سنائیں تو اس نے ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دی اور اللہ کے حکم کے سامنے اپنی گردن کو جھکا دیا۔[2] ② ایک روایت میں ہے کہ آیت کے نزول کے بعد معقل ﷛ نے انھیں بلا کر کہا: [أُزَوِّجُكَ وَأُكْرِمُكَ] ”اب میں تجھے نکاح بھی کر کے دیتا ہوں اور تمھاری تکریم بھی کرتا ہوں۔“[3] اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، چنانچہ معقل ﷛ کو اگر نکاح کرانے کا اختیار نہ ہوتا تو اسے کیوں کہا جاتا کہ وہ نکاح کرنے سے نہ روکے، علاوہ ازیں اگر عورت ازخود نکاح کرنے کی مجاز ہوتی تو وہ اپنے بھائی کی قطعاً محتاج نہ ہوتی، اس کے باوجود ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی رضا کو ولی کی رضا پر مقدم رکھا ہے، تاہم کسی بالغ لڑکی کو یہ حق حاصل نہیں کہ بھاگ کر یا چھپ کر اپنا نکاح خود کر لے، ہاں اگر قریبی اور حقیقی ولی ظالم اور بدکردار ہو تو دور والا ولی یا عدالت نکاح کرائے گی۔ واللہ أعلم.

---

1 صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5130. 2 صحيح البخاري، الطلاق، حديث: 5331. 3 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 2981.

(٤١) بَابٌ: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [٢٣٤]

باب: 41- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو ایسی بیوائیں چار ماہ دس دن تک انتظار کریں۔ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں، وہ اپنی ذات کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں۔ اور اللہ تمھارے ہر عمل سے خوب خبردار ہے جو تم کرتے ہو“ کا بیان

﴿يَعْفُونَ﴾ [٢٣٧]: يَهَبْنَ.

يَعْفُوْنَ کے معنی ہیں: وہ عورتیں اپنا حق مہر ہبہ کر دیں۔

وضاحت: شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ لوگ مرتے وقت اپنی بیویوں کو ایک سال تک گھر میں رکھنے اور انھیں نان ونفقہ دینے کی وصیت کر جائیں، پھر اس کے بعد دوسری آیت اتری جس میں چار ماہ دس دن عدت گزارنے کا حکم ہے اور پہلا حکم منسوخ ہو گیا جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی وضاحت ہوگی۔

٤٥٣٠ - حَدَّثَنِي أُمَيَّةُ بْنُ بَسْطَامٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ زُرَيْعٍ عَنْ حَبِيبٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: قُلْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ قَالَ: قَدْ نَسَخَتْهَا الْآيَةُ الْأُخْرَى فَلِمَ تَكْتُبُهَا أَوْ تَدَعُهَا؟ قَالَ: يَا ابْنَ أَخِي! لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ. [انظر: ٤٥٣٦]

[4530] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے عرض کی: آیت کریمہ: ”تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور ان کی بیویاں موجود ہوں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں......“ اسے دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے، لہٰذا تم اسے قرآن میں کیوں لکھ رہے ہو یا اس کو قرآن میں کیوں چھوڑ رہے ہو؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! میں قرآن میں سے کوئی چیز اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کروں گا۔

فوائد ومسائل: ① عرب لوگ یہ گوارا نہیں کرتے تھے کہ ان کے فوت شدہ شخص کی بیوہ کسی اور سے نکاح کرے یا وہ اس کے گھر سے نکلے، اس لیے آغاز اسلام میں ان کے لیے سال بھر گھر میں رہنے اور ان کا نان ونفقہ کی وصیت کرنے کا حکم دیا گیا، اس کے بعد عورت کی مدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی۔ ② مذکورہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن جمع کرتے وقت کہا تھا کہ آپ منسوخ آیت کو قرآن میں کیوں لکھتے ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے

جواب دیا کہ میں قرآن کی کسی آیت کو اس کے مقام سے ہٹانا نہیں چاہتا اگرچہ وہ منسوخ ہی کیوں نہ ہو۔ ③ منسوخ ہونے کے اعتبار سے آیات کی تین قسمیں ہیں: * جن کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہیں، ایسی آیات کو قرآن میں درج نہیں کیا گیا۔ * جن کا حکم باقی ہے لیکن ان کی تلاوت منسوخ ہے، انھیں بھی قرآن میں نہیں لکھا گیا۔ * جن کا حکم منسوخ ہے لیکن ان کی تلاوت باقی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی قسم کی آیات کے متعلق حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: میں اپنی طرف سے کسی آیت کو آگے پیچھے نہیں کرسکتا۔ ایسی آیات کے لکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس آیت کے لکھنے کا ایک اور فائدہ بھی ذکر کیا ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہی نہیں ہوتی تو ان کے موقف کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ آیت کسی صورت میں محو نہیں ہوسکتی۔[1] واللہ أعلم.

٤٥٣١ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ: حَدَّثَنَا شِبْلٌ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ: ﴿وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا﴾ قَالَ: كَانَتْ هٰذِهِ الْعِدَّةُ تَعْتَدُّ عِنْدَ [أَهْلِ] زَوْجِهَا وَاجِبٌ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَٰجِهِم مَّتَـٰعًا إِلَى ٱلْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ﴾ قَالَ: جَعَلَ اللهُ لَهَا تَمَامَ السَّنَةِ بِسَبْعَةِ أَشْهُرٍ وَعِشْرِينَ لَيْلَةً وَصِيَّةً، إِنْ شَاءَتْ سَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا، وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ، وَهُوَ قَوْلُ اللهِ تَعَالٰى: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ فَالْعِدَّةُ كَمَا هِيَ وَاجِبٌ عَلَيْهَا، زَعَمَ ذٰلِكَ عَنْ مُجَاهِدٍ.

[4531] حضرت مجاہد سے روایت ہے، انھوں نے اس آیت: ''تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں'' کے متعلق فرمایا کہ یہ عدت (چار ماہ دس دن) جو عورت گزارتی تھی یہ اپنے شوہر کے گھر والوں کے پاس گزارنا ضروری تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی بیویوں کے حق میں ایک سال تک فائدہ اٹھانے اور گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر جائیں، البتہ اگر وہ خود نکلنا چاہیں تو ان کے اپنے بارے میں دستور کے مطابق کوئی کام کرنے کی بنا پر تمھیں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔'' مجاہد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ایسی عورت کے لیے باقی سال، یعنی سات ماہ بیس دن وصیت کے قرار دیے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو اپنے لیے کی گئی وصیت کے مطابق شوہر کے گھر میں رہے اور اگر چاہے تو کسی اور جگہ چلی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''انھیں نہ نکالا جائے، ہاں اگر وہ خود چلی جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں'' کے یہی معنی ہیں، چنانچہ ایام عدت (چار ماہ دس دن) تو وہی ہیں جنھیں گزارنا اس پر واجب ہے۔ شبل نے کہا: ابن ابونجیح نے حضرت مجاہد سے یوں ہی بیان کیا ہے۔

1 فتح الباري: 244/8.

وَقَالَ عَطَاءٌ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: نَسَخَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عِدَّتَهَا عِنْدَ أَهْلِهَا فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ وَهُوَ قَوْلُ اللهِ تَعَالَى: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾، قَالَ عَطَاءٌ: إِنْ شَاءَتِ اعْتَدَّتْ عِنْدَ أَهْلِهِ وَسَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا، وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ﴾، قَالَ عَطَاءٌ: ثُمَّ جَاءَ الْمِيرَاثُ فَنَسَخَ السُّكْنَى فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ وَلَا سُكْنَى لَهَا.

حضرت عطاء نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اس آیت نے عورت کے لیے اپنے خاوند کے گھر عدت گزارنے کو منسوخ کر دیا ہے، اب وہ جہاں چاہے ایام عدت گزار سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ سے یہی مراد ہے۔ حضرت عطاء نے کہا: اگر وہ عورت چاہے تو اپنے خاوند کے اہل خانہ کے ہاں عدت گزارے اور اپنے حق میں کی گئی وصیت کے مطابق اسی گھر میں رہے اور اگر چاہے تو کہیں اور چلی جائے، اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ بیویاں (اپنے بارے میں) جو کریں۔'' عطاء مزید کہتے ہیں کہ پھر میراث کا حکم نازل ہوا جس نے عورت کے لیے رہائش کے حق کو منسوخ کر دیا۔ اب عورت جہاں چاہے عدت گزارے اور اس کے لیے رہائش کا بندوبست کرنا ضروری نہیں۔

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، بِهٰذَا.

ایک روایت میں یہی قول مجاہد سے بھی مروی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: نَسَخَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ عِدَّتَهَا فِي أَهْلِهَا فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ، لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾، نَحْوَهُ. [انظر: ٥٣٤٤]

ابن ابونجیح سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عطاء سے، وہ حضرت ابن عباس ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ اس آیت نے عورت کے لیے شوہر کے گھر میں عدت گزارنے کے حکم کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اب وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس مقام پر دو آیات کی وضاحت مطلوب ہے جو حسب ذیل ہیں: * ''جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو انھیں چار ماہ دس دن تک انتظار کرنا ہوگا۔''[1] یہ آیت تربص ہے اور قرآنی ترتیب میں مقدم ہے۔ * ''اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ ایک سال تک بیویوں کو نفع پہنچانے کی وصیت کر جائیں کہ انھیں گھر سے نہ نکالا جائے ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو کوئی حرج نہیں۔''[2] یہ آیت حول ہے اور قرآنی ترتیب میں مؤخر

① البقرة 234:2. ② البقرة 240:2.

واقع ہوئی ہے۔ جمہور کے مطابق آیت حول منسوخ ہے اور اس کی ناسخ آیت تربص ہے جو ترتیب میں اس سے پہلے ہے، حالانکہ آیت منسوخ پہلے اور آیت ناسخ بعد میں نازل ہوئی ہے۔ ② موجودہ ترتیب کے پیش نظر مجاہد اور عطاء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آیت حول جو مؤخر ہے منسوخ نہیں بلکہ آیت تربص کی وضاحت کرتی ہے کیونکہ منسوخ آیت تو ناسخ آیت سے پہلے ہوا کرتی ہے۔ ترتیب نزول میں تو واقعی یہی ہوتا ہے لیکن تلاوت کی ترتیب میں یہ ضروری نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موجودہ ترتیب آیات جو تلاوت کے وقت ملحوظ رہتی ہے توقیفی ہے، اس میں رائے اور قیاس کو کوئی دخل نہیں۔ اس بنا پر جمہور اہل علم اس امر پر متفق ہیں کہ آیت حول منسوخ ہے اور آیت تربص اس کے لیے ناسخ ہے۔ پہلے عورت بیوگی کی عدت ایک سال گزارا کرتی تھی، پھر جب آیت تربص نازل ہوئی تو اس میں بیوگی کی عدت سال کے بجائے چار ماہ دس دن مقرر کی گئی لیکن امام مجاہد اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس موقف کے برعکس نقل کیا ہے کہ آیت حول منسوخ نہیں بلکہ وصیت کا حکم آیت حول میں چار ماہ دس دن کی عدت کے مقرر ہونے کے بعد دیا گیا ہے پھر ان بیوگان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو اس وصیت سے استفادہ کریں، اگر استفادہ نہ کرنا چاہیں تو جہاں چاہیں عدت کے ایام گزار لیں۔ ③ یاد رہے کہ اس مقام پر ناسخ آیت تربص تلاوت میں منسوخ آیت حول سے مقدم ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ ناسخ آیت تلاوت اور نزول دونوں میں مؤخر ہو لیکن قرآن مجید میں اس طرح کی اور مثالیں بھی موجود ہیں جیسا کہ آیت ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ﴾ تلاوت میں تو ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ﴾ سے مؤخر ہے لیکن نزول میں مقدم ہے۔ واللہ أعلم. ہمارے رجحان کے مطابق جمہور اہل علم کا موقف مبنی بر حقیقت ہے کہ آیت تربص ناسخ ہے اور آیت حول منسوخ، جبکہ امام مجاہد اور حضرت عطاء کو آیت حول کے تلاوت میں مؤخر ہونے کی وجہ سے وہم ہوا اور انھوں نے آیت حول کو ناسخ اور آیت تربص کو منسوخ سمجھ لیا۔

٤٥٣٢ - حَدَّثَنِي حِبَّانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: جَلَسْتُ إِلَى مَجْلِسٍ فِيهِ عُظْمٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، وَفِيهِمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي لَيْلٰى، فَذَكَرْتُ حَدِيثَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ فِي شَأْنِ سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: وَلٰكِنَّ عَمَّهُ كَانَ لَا يَقُولُ ذٰلِكَ، فَقُلْتُ: إِنِّي لَجَرِيءٌ إِنْ كَذَبْتُ عَلٰى رَجُلٍ فِي جَانِبِ الْكُوفَةِ - وَرَفَعَ صَوْتَهُ - قَالَ: ثُمَّ خَرَجْتُ فَلَقِيتُ مَالِكَ بْنَ عَامِرٍ - أَوْ مَالِكَ بْنَ عَوْفٍ - قُلْتُ:

[4532] حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک مجلس میں بیٹھا تھا جس میں انصار کے بڑے بڑے لوگ تھے۔ ان میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی تھے۔ وہاں میں نے سبیعہ بنت حارث کے متعلق حضرت عبداللہ بن عتبہ کی حدیث بیان کی تو عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا کہ ان کے چچا تو اس کے قائل نہیں ہیں۔ میں نے بلند آواز میں (عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے) کہا: اگر میں نے جھوٹ بولا ہے تو میں نے اس شخص پر افترا باندھا ہے جو کوفہ میں موجود ہے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ پھر میں وہاں سے نکلا اور مالک بن عامر یا مالک بن عوف سے

كَيْفَ كَانَ قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ فِي الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا وَهِيَ حَامِلٌ؟ فَقَالَ: قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: أَتَجْعَلُونَ عَلَيْهَا التَّغْلِيظَ وَلَا تَجْعَلُونَ لَهَا الرُّخْصَةَ؟ لَنَزَلَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرَى بَعْدَ الطُّولَى. [انظر: ٤٩١٠]

ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے جبکہ وہ حاملہ ہو اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم ایسی عورت پر سختی تو کرتے ہو لیکن اسے رخصت نہیں دیتے۔'' سورۂ نساء قُصریٰ، سورۂ نساء طولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

وَقَالَ أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ: لَقِيتُ أَبَا عَطِيَّةَ مَالِكَ بْنَ عَامِرٍ.

ایوب نے محمد بن سیرین سے بیان کیا کہ میں نے ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملاقات کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے ایک واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا شوہر حجۃ الوداع کے موقع پر وفات پا گیا تھا اور یہ حاملہ تھیں، ابھی چار ماہ دس دن نہیں گزرے تھے کہ یہ حمل سے فارغ ہوگئیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: وضع حمل سے تمھاری عدت ختم ہوگئی ہے۔[1] اس حدیث کا تقاضا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حمل سے ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن نہیں بلکہ وضع حمل ہے، خواہ وضع حمل جلدی ہو یا وہ دیر سے بچہ جنم دے۔ ② اس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت کا حکم صرف غیر حاملہ کے لیے ہے، اب تین صورتیں نکلتی ہیں: * جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حمل سے نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ * عورت مطلقہ ہو اور حمل سے ہو لیکن اس کا خاوند فوت نہ ہوا ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''حمل والی عورت کی عدت وضع حمل ہے۔''[2] * جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حمل سے ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ اس کی عدت وضع حمل ہے یا ابعد الاجلین، یعنی دونوں مدتوں میں سے طویل مدت؟ حضرت ابن عباس کا موقف ہے کہ اس کی عدت ابعد الاجلین ہے۔[3] ابن ابی لیلیٰ نے یہی قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ ان کے ایک شاگرد حضرت مالک بن عامر نے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم اس بیوہ پر سختی تو کرتے ہو کہ مدت حمل اگر چار ماہ دس دن سے بڑھ جائے تو عورت کے لیے یہ حکم ہے کہ وضع حمل سے پہلے اس کی عدت پوری نہیں ہوگی اور اسے رخصت نہیں دیتے کہ اگر وضع حمل چار ماہ دس دن سے کم عرصے میں ہو جائے تو وضع حمل سے اس کی عدت کو مکمل نہیں مانتے، پھر فرمایا: سورۂ نساء قصری، یعنی سورۂ طلاق، سورۂ نساء طولی، یعنی سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے گویا سورۂ طلاق کی آیت نے سورۂ بقرہ کی آیت میں تخصیص کر دی ہے۔ ③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول مشہور فقہی قاعدے کی اساس ہے کہ اگر کسی مسئلے میں جہاں کہیں دو ہدایات وارد ہوں تو ان میں قابل عمل وہی ہوتی ہے جو بعد میں نازل ہوئی ہو۔ بہرحال سورۂ بقرہ کی آیت: 234 اور سورۂ طلاق کی آیت: 4 میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ چار ماہ دس دن کی عدت

[1] سنن أبي داود، الطلاق، حديث: 2306. [2] الطلاق 65: 4. [3] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4909.

ایسی عورتوں کے لیے ہے جو حمل سے نہ ہوں، اور اگر حمل ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ واللہ أعلم.

(٤٢) بَابٌ: ﴿حَٰفِظُوا۟ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ﴾ [٢٣٨]

باب: 42- ارشاد باری تعالیٰ: ''تمام نمازوں کا خیال رکھو خاص طور پر صلاۃ وسطیٰ پر توجہ دو'' کا بیان

وضاحت: عام طور پر صلاۃ وسطیٰ کے معنی درمیانی نماز کیے جاتے ہیں لیکن اس کے معنی گراں قدر نماز زیادہ بہتر ہے جیسا کہ اس امت کو امتِ وسط کہا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس معنی کو پسندیدہ قرار دیا ہے اور دوسرے معنی کو غلط ثابت کرتے ہوئے لکھا کہ اس مقام پر وسطیٰ کے معنی خیار ہیں۔[1]

٤٥٣٣ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ.

وَحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: قَالَ هِشَامٌ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ: «حَبَسُونَا عَنْ صَلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ، مَلَأَ اللهُ قُبُورَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ، أَوْ: أَجْوَافَهُمْ نَارًا» شَكَّ يَحْيَى. [راجع: ٢٩٣١]

[4533] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ خندق کے موقع پر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان (کفار) کے گھروں اور قبروں یا پیٹوں کو آگ سے بھر دے کیونکہ انھوں نے ہمیں بہترین نماز کی ادائیگی سے روکے رکھا حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔''

فوائد ومسائل: ① صلاۃ وسطیٰ سے مراد کون سی نماز ہے؟ اس کے متعلق اہل علم میں کافی اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تعیین میں تقریباً انیس اقوال لکھے ہیں اور فرمایا ہے: حافظ شرف الدین دمیاطی نے اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ ''کشف الغطاء عن الصلاۃ الوسطیٰ'' کے نام سے لکھا ہے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے جو روایت پیش کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے کیونکہ غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر ہی پڑھی جاتی ہے بلکہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ انھوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ، یعنی نماز عصر ادا کرنے سے مشغول رکھا۔[3] نیز اس روایت سے نماز کی بروقت ادائیگی کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے حتی کہ نماز کی بروقت ادائیگی میں حائل ہونے والوں کو سب وشتم کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے اور ان کے لیے بددعا کی جا سکتی ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے، چنانچہ سورۂ رحمٰن کی تفسیر

1 فتح الباري: 245/8. 2 فتح الباري: 246/8. 3 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1426 (628).

کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ﴿فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ﴾ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ انار اور کھجور فاکھة نہیں ہیں لیکن عرب انھیں فاکھة ہی کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم نمازوں کی حفاظت کرو خاص طور پر صلاۃ وسطیٰ کا خیال رکھو۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے، پھر نماز عصر کو اس کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر الگ بیان کیا ہے جیسا کہ فاکھة کے بعد انار اور کھجور کا ذکر دوبارہ کیا ہے۔[1] ایک روایت کے مطابق اس نماز کی ادائیگی پر جنت کی بشارت ہے۔[2]

(٤٣) بَابٌ: ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَٰنِتِينَ﴾ [٢٣٨]

باب: 43- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ کے حضور خاموشی سے کھڑے ہوا کرو'' کا بیان

أَيْ: مُطِيعِينَ

قٰنِتِيْنَ کے معنی ہیں: فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کرنے والے۔

وضاحت: ﴿قٰنِتِيْنَ﴾ کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور بہت سے تابعین سے مروی ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں: رکوع، خشوع، خضوع، لمبا قیام، غض بصر، عجز و انکسار اور اللہ کا خوف وغیرہ سب قنوت میں شامل ہیں۔[3]

٤٥٣٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ شُبَيْلٍ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ: كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ، يُكَلِّمُ أَحَدُنَا أَخَاهُ فِي حَاجَتِهِ حَتَّى نَزَلَتْ هَٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿حَٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوَٰتِ وَالصَّلَوٰةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَٰنِتِينَ﴾ فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ. [راجع: ١٢٠٠]

[4534] حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نماز میں بات چیت کر لیا کرتے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی اپنے بھائی سے ضروری بات کر لیتا تھا حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''تمام نمازوں کی حفاظت کرو خاص طور پر نماز وسطیٰ کا اہتمام کرو۔ اور اللہ کے حضور خاموشی سے کھڑے ہوا کرو۔'' چنانچہ ہمیں اس آیت کے ذریعے سے دوران نماز میں چپ رہنے کا حکم دیا گیا۔

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آیت کے صحیح معنی یہی ہیں جو حدیث سے ثابت ہو رہے ہیں، یعنی قنوت سے مراد سکوت ہے لیکن اس سکوت سے مراد مطلقاً چپ رہنا نہیں بلکہ لوگوں سے گفتگو نہ کرنا ہے بصورت دیگر نماز میں خاموش رہنا مقصود نہیں بلکہ پوری نماز تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار سے عبارت ہے۔[4] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ] ''دوران نماز میں گفتگو کرنا منع ہے۔''[5] انسان کے لیے کمال

---

① صحيح البخاري، التفسير، تفسير سورة الرحمٰن. ② صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1438 (635). ③ عمدة القاري: 440/12. ④ فتح الباري: 250/8. ⑤ صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب: 2.

اطاعت یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز سے رُک جائے جو قرب وحضور میں رکاوٹ کا باعث ہو گفتگو بھی رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے، اس لیے آیت کریمہ سے نماز میں گفتگو کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٤٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَآ أَمِنتُمْ﴾ [٢٣٩] الْآيَةَ.

باب: 44- ارشاد باری تعالیٰ: ''اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل یا سوار (جیسے ممکن ہو نماز پڑھ لیا کرو) البتہ جب تم حالت امن میں آ جاؤ......'' کا بیان

وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ: ﴿كُرْسِيُّهُ﴾ [٢٥٥]: عِلْمُهُ، يُقَالُ: ﴿بَسْطَةً﴾ [٢٤٧]: زِيَادَةً وَفَضْلًا. ﴿أَفْرِغْ﴾ [٢٥٠]: أَنْزِلْ. ﴿وَلَا يَئُودُهُ﴾ [٢٥٥]: لَا يُثْقِلُهُ، آدَنِي: أَثْقَلَنِي، وَالْآدُ وَالْأَيْدُ: الْقُوَّةُ. السِّنَةُ: النُّعَاسُ، ﴿لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾ [٢٥٩]: لَمْ يَتَغَيَّرْ. ﴿فَبُهِتَ﴾ [٢٥٨]: ذَهَبَتْ حُجَّتُهُ. ﴿خَاوِيَةٌ﴾ [٢٥٩]: لَا أَنِيسَ فِيهَا. ﴿عُرُوشِهَا﴾: أَبْنِيَتِهَا. ﴿نُنشِزُهَا﴾ [٢٥٩]: نُخْرِجُهَا. ﴿إِعْصَارٌ﴾ [٢٦٦]: رِيحٌ عَاصِفٌ تَهُبُّ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ كَعَمُودٍ فِيهِ نَارٌ.

حضرت ابن جبیر نے فرمایا: كُرْسِيُّهُ سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ بَسْطَةً کے معنی کثرت وفضیلت کے ہیں۔ أَفْرِغْ کا مفہوم ہے: نازل فرما۔ وَلَا يَؤُدُهُ کے معنی ہیں: اس پر گراں نہیں گزرتا، جیسے کہا جاتا ہے: آدَنِي اس نے مجھے بوجھل بنا دیا، نیز اَلْآدُ اور اَلْأَيْدُ کے معنی ہیں: قوت۔ اَلسِّنَةُ کے معنی ہیں: اونگھ۔ لَمْ يَتَسَنَّهْ کے معنی ہیں: اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ فَبُهِتَ کے معنی ہیں کہ اس سے کوئی دلیل نہ بن پائی۔ خَاوِيَةٌ کے معنی ہیں: خالی جگہ جہاں کوئی غمگسار نہ ہو۔ عُرُوشِهَا کے معنی ہیں: اس کی بنیادیں۔ نُنْشِزُهَا کے معنی ہیں: ہم ان ہڈیوں کو نکالیں گے۔ إِعْصَارٌ سے مراد وہ شدید ہوا جو زمین سے آسمان کی طرف چلتی ہو، گویا وہ آگ بھرا ستون ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿صَلْدًا﴾ [٢٦٤]: لَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ: ﴿وَابِلٌ﴾ [٢٦٤]: مَطَرٌ شَدِيدٌ. اَلطَّلُّ: اَلنَّدَى، وَهٰذَا مَثَلُ عَمَلِ الْمُؤْمِنِ. ﴿يَتَسَنَّهْ﴾ [٢٥٩]: يَتَغَيَّرْ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: صَلْدًا سے مراد (ایسا چٹیل پتھر) جس پر کوئی چیز نہ ٹکتی ہو۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا: وَابِلٌ سے مراد موسلا دھار بارش اور طَلٌّ سے مراد شبنم ہے۔ اور یہاں ہر مومن کے عمل کی مثال بیان کی گئی ہے۔ يَتَسَنَّهْ سے مراد تغیر پذیر ہونا ہے۔

وضاحت: کتاب التفسیر امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ طریقۂ کار ہے کہ عنوان میں ایک آیت بیان کرنے کے بعد پھر بہت سی آیات میں آنے والے مشکل الفاظ کی وضاحت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے منقول مطالب ومعانی کو ایک ہی بار

بیان کر دیتے ہیں، چنانچہ اس مقام پر بھی اسی اسلوب کے مطابق سورۂ بقرہ کی آیت: 239 کو عنوان میں ذکر کرنے کے بعد پھر اس کے بعد اختتام سورت تک کے بہت سے مشکل الفاظ کی وضاحت کے لیے سلف صالحین سے منقول مطالب و معانی کو بیان کر دیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ان کے پورے معانی و مطالب معلوم کرنے کے لیے کسی معروف تفسیر قرآن سے وہ مقامات ضرور دیکھ لیں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں کیونکہ اس کے لیے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ حضرت عکرمہ نے آیت: 265 کے متعلق فرمایا ہے: یہاں پر مومن کے عمل کی مثال بیان کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حصول رضائے الٰہی کی خاطر مال خرچ کرنے والوں کی مثال ایسے ہے جیسے کسی ٹیلے پر کوئی باغ ہو جو موسلا دھار بارش پڑنے کی وجہ سے دوگنا پھل لائے، اگر بارش نہ بھی ہو تو شبنم ہی اس کے لیے کافی ہے۔ اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ مومن کا اخلاص سے کیا ہوا عمل اگر مقدار میں کم بھی ہو تو بھی بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ واللہ المستعان.

٤٥٣٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ: أَنَّ عَبْدَاللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلَاةِ الْخَوْفِ قَالَ: يَتَقَدَّمُ الْإِمَامُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْإِمَامُ رَكْعَةً، وَتَكُونُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْعَدُوِّ لَمْ يُصَلُّوا، فَإِذَا صَلَّوْا - الَّذِينَ مَعَهُ - رَكْعَةً اسْتَأْخَرُوا مَكَانَ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا وَلَا يُسَلِّمُونَ. وَيَتَقَدَّمُ الَّذِينَ لَمْ يُصَلُّوا، فَيُصَلُّونَ مَعَهُ رَكْعَةً، ثُمَّ يَنْصَرِفُ الْإِمَامُ وَقَدْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، فَيَقُومُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الطَّائِفَتَيْنِ فَيُصَلُّونَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً بَعْدَ أَنْ يَنْصَرِفَ الْإِمَامُ، فَيَكُونُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ قَدْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، فَإِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ أَشَدَّ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّوْا رِجَالًا قِيَامًا عَلٰى أَقْدَامِهِمْ، أَوْ رُكْبَانًا مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ أَوْ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِيهَا.

[4535] حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب نماز خوف کے متعلق دریافت کیا جاتا تو فرماتے: امام، مسلمانوں کی ایک جماعت کو لے کر خود آگے بڑھے اور انھیں ایک رکعت نماز پڑھائے۔ اس دوران میں مسلمانوں کی دوسری جماعت ان کے اور دشمن کے درمیان میں رہے اور یہ لوگ ابھی نماز میں شریک نہ ہوں۔ جب امام کے ساتھ والی جماعت ایک رکعت پڑھ لے تو سلام پھیرے بغیر پیچھے ہٹ کر ان لوگوں کی جگہ پر آ جائے جنھوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی اور یہ لوگ آگے بڑھ کر امام کے ساتھ ایک رکعت ادا کر لیں۔ پھر امام سلام پھیر دے گا، اس کی دو رکعت پوری ہو گئیں۔ اب امام کے سلام پھیرنے کے بعد دونوں گروہ اٹھ کر اپنی اپنی ایک رکعت پڑھ لیں، چنانچہ سب کی دو دو رکعتیں مکمل ہو جائیں گی، البتہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو ہر شخص جیسے ممکن ہو تنہائی میں پڑھ لے پیدل یا سوار، قبلے کی طرف رُخ ہو یا نہ ہو۔

قَالَ مَالِكٌ: قَالَ نَافِعٌ: لَا أُرٰى عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ إِلَّا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٩٤٢]

امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت نافع بیان کرتے ہیں: مجھے یقین ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ طریقۂ نماز رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی بیان کیا ہوگا۔

فوائد ومسائل: ① نماز خوف ایک مستقل نماز ہے جو حالت جنگ میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ ایک رکعت بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کی کئی ایک صورتیں ممکن ہیں۔ احادیث میں ایسی چھ یا سات صورتیں بیان بھی کی گئی ہیں۔ اس کا ایک طریقہ سورۂ نساء، آیت: 102 میں بھی بیان ہوا ہے اور یہ طریقہ صرف اس ہنگامی حالت کے لیے ہے جب لڑائی نہ ہو رہی ہو کیونکہ لڑائی ہونے کی صورت میں تو جماعت کا موقع ہی نہیں آتا جیسا کہ غزوۂ خندق میں رسول اللہ ﷺ سمیت اکثر مسلمانوں کی نماز عصر فوت ہو گئی تھی۔ ② دراصل نماز خوف کے طریق کار کا انحصار بہت حد تک جنگی حالات پر ہے۔ اگر جماعت کا موقع ہی میسر نہ آئے تو انسان اکیلا بھی پڑھ سکتا ہے، سواری پر بھی اور پیدل چلتے ہوئے بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ بس دو باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے: ایک یہ کہ موجودہ جنگی حالات میں کون سا طریقہ بہتر ہے پھر اسے اختیار کیا جائے اور دوسرے یہ کہ ایسے حالات میں اللہ کی یاد کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جنگ میں نماز اسی وقت ہی ادا کی جا سکتی ہے جب موقع ملے۔ اس دوران میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے۔ پھر جب حالات معمول پر آ جائیں تو نماز بھی معمول کے مطابق ادا کی جائے اور نمازوں کے اوقات کا بھی خیال رکھا جائے۔ اس کی مزید تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور کچھ وضاحت ہم سورۂ نساء کی آیت: 102 کے ضمن میں بیان کریں گے۔ باذن اللہ تعالیٰ۔

(٤٥) بَابٌ: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ [٢٤٠]

باب: 45- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں“ کا بیان

وضاحت: مکمل آیت کا مفہوم حسب ذیل ہے: ”تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ انھیں سال بھر کے لیے نان ونفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے لیکن اگر ان کے ذہن میں اپنے لیے کوئی اچھی تجویز ہے وہ از خود گھر سے چلی جائیں تو تم پر کوئی گرفت نہیں۔“[1] یہ عنوان پہلے بھی ذکر ہوا ہے لیکن پہلے آیت ناسخہ پر تھا اور یہ آیت منسوخہ پر ہے، لہٰذا اس میں تکرار نہیں ہے۔

٤٥٣٦ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ وَيَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَا: حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ الشَّهِيدِ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: قُلْتُ لِعُثْمَانَ: هٰذِهِ الْآيَةُ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ: ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾ قَدْ نَسَخَتْهَا الْآيَةُ الْأُخْرٰى فَلِمَ تَكْتُبُهَا؟ قَالَ: تَدَعُهَا يَا ابْنَ

[4536] حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عثمان ؓ سے عرض کی کہ یہ آیت جو سورۂ بقرہ میں ہے: ”تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں“ ان پر اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کرنا لازم ہے کہ انھیں خرچ دیا جائے اور انھیں ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے۔“ اسے تو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے تو اب آپ اسے کیوں لکھتے ہیں؟

[1] البقرة 2:240.

أَخِي، لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْهُ مِنْ مَكَانِهِ. قَالَ حُمَيْدٌ: أَوْ نَحْوَ هٰذَا. [راجع: ٤٥٣٠]

انھوں نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! اس موضوع کو چھوڑ دیں۔ میں قرآن کا کوئی لفظ اس کی جگہ سے نہیں بدل سکتا۔ (راوئ حدیث) حمید کہتے ہیں کہ یا حضرت عثمان ؓ نے اس طرح کا کوئی اور جواب دیا۔

فوائدومسائل: ① حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کا خیال تھا کہ منسوخ آیت کو قرآن کریم میں نہیں لکھنا چاہیے۔ اس کے جواب میں حضرت عثمان ؓ نے فرمایا: آپ اس موضوع کو نہ چھیڑیں کیونکہ اس کا تعلق رائے یا قیاس سے نہیں بلکہ اتباع اور پیروی سے ہے، یعنی جو ترتیب رسول اللہ ﷺ اور شیخین (ابوبکر اور عمر ؓ) تک رہی وہ تو قیامت تک رہے گی، میں اس ترتیب سے کوئی لفظ آگے پیچھے نہیں کروں گا۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موجودہ قرآن کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ترتیب دی گئی ہے، اس میں کسی کی عقل یا رائے کو قطعاً کوئی دخل نہیں، پھر اس کے تلاوت کرنے میں ثواب ہو گا، نیز بعض اہل علم کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ اس کے عموم میں تخصیص ہوئی ہے کہ بجائے سال بھر کے چار ماہ دس دن ہو گئے علی الاطلاق عدت منسوخ نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباس ؓ اسے منسوخ نہیں مانتے جیسا کہ پہلے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ واللہ أعلم.

(٤٦) بَابٌ: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ ٱلْمَوْتَىٰ﴾ [٢٦٠]

باب: 46- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے؟“ کا بیان

﴿فَصُرْهُنَّ﴾: قَطِّعْهُنَّ.

فَصُرْهُنَّ کے معنی ہیں: پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

وضاحت: پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے معنی حضرت ابن عباس ؓ اور سعید بن جبیر، نیز کئی تابعین سے مروی ہیں،[1] جبکہ قاضی عیاض فرماتے ہیں: فَصُرْهُنَّ کے یہ معنی بہت عجیب وغریب معلوم ہوتے ہیں، معروف معنی انھیں اپنی طرف مائل کرنا ہیں۔[2] دراصل اس لفظ میں دو قراءت ہیں: ایک صاد کے کسرہ (زیر) کے ساتھ، اس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہیں اور دوسری قراءت صاد کے ضمہ (پیش) کے ساتھ ہے جس کے معنی اپنی طرف مانوس کرنا ہیں۔ اس کے بعد ٹکڑے کرنے کے معنی محذوف مانے جائیں گے۔ اکثر مفسرین نے اسے محذوف مان کر ہی ترجمہ کیا ہے۔ واللہ أعلم.

٤٥٣٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ

[4537] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں

① عمدة القاري: 474/12. ② فتح الباري: 253/8.

وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ: ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ [٢٦٠]» [راجع: ٣٣٧٢]

نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت شک کے زیادہ لائق ہیں جبکہ انھوں نے کہا تھا: اے میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: کیا تمھیں یقین نہیں ہے؟ کہا: کیوں نہیں، لیکن اس لیے کہ میرا دل (پوری طرح) مطمئن ہو جائے۔''

فوائد ومسائل: ① یہاں پر ایک اشکال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ انھوں نے احیائے موتی (مردوں کے زندہ ہونے کے بارے) میں اظہار شک کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے قطعاً شک کا اظہار نہیں کیا بلکہ وہ تو احیائے موتی کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے، وہ بھی اس لیے کہ جب انھوں نے نمرود سے کہا: میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تو خیال آیا کہ علم الیقین سے عین الیقین تک ارتقاء فرمائیں اور اس کا مشاہدہ کریں۔ ② علامہ کرمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شک کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب شک کے حق دار ہونے کے باوجود ہمیں کوئی شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام بالاولیٰ شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔[1] دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف کیفیت احیا میں قلبی اطمینان کے لیے درخواست کی تھی، شک کی بنا پر نہیں تھی۔ اگر شک کی وجہ سے ایسا ہوتا تو ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کا حق ہمیں ہوتا۔ دونوں صورتوں میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد تواضع اور انکسار پر مبنی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے: ''ہم'' سے مراد آپ کی ذات گرامی نہیں بلکہ آپ کی امت ہو۔ واللہ أعلم.

(٤٧) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ [٢٦٦].

باب: 47- ارشاد باری تعالیٰ: ''کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو...... تا کہ تم غور وفکر کرو'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا مفہوم حسب ذیل ہے: ''کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اور اس میں ہر طرح کے میوے (پیدا ہوتے) ہوں، پھر اسے بڑھاپا آ پہنچے اور اس کی اولاد چھوٹی چھوٹی ہو، ان حالات میں اس کے باغ کو ایک بگولا آ لے جس میں آگ ہو اور وہ اس باغ کو جلا ڈالے، اللہ تعالیٰ اسی انداز سے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم ان میں غور وفکر کرو۔''[2] اس آیت میں اس شخص کے اعمال کی مثال بیان کی گئی ہے جو شروع میں نیک اعمال کرتا رہے پھر اس کا چال چلن بدل جائے اور وہ سیاہ کاریوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے سابقہ اعمال بھی برباد کر بیٹھے اور جب تنگی کے حالات میں اسے نیکیوں کی زیادہ ضرورت تھی نیکیوں سے محروم رہ جائے۔ آیت کے

1 الکرماني: 43/16. ② البقرہ 2:266.

الفاظ ''اور اسے بڑھاپا آ پہنچے'' اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مزید وضاحت پیش کردہ حدیث میں آئے گی۔

٤٥٣٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: سَمِعْتُ عَبْدَاللهِ بْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: وَسَمِعْتُ أَخَاهُ أَبَا بَكْرِ بْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ يَوْمًا لِأَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ: فِيمَ تَرَوْنَ هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ؟ ﴿أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُۥ جَنَّةٌ﴾ قَالُوا: اَللهُ أَعْلَمُ، فَغَضِبَ عُمَرُ، فَقَالَ: قُولُوا: نَعْلَمُ، أَوْ لَا نَعْلَمُ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فِي نَفْسِي مِنْهَا شَيْءٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَ عُمَرُ: يَا ابْنَ أَخِي! قُلْ وَلَا تَحْقِرْ نَفْسَكَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ضُرِبَتْ مَثَلًا لِعَمَلٍ. قَالَ عُمَرُ: أَيُّ عَمَلٍ؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لِعَمَلٍ، قَالَ عُمَرُ: لِرَجُلٍ غَنِيٍّ يَعْمَلُ بِطَاعَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ بَعَثَ اللهُ لَهُ الشَّيْطَانَ فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِي، حَتّٰى أَغْرَقَ أَعْمَالَهُ. ﴿فَصُرْهُنَّ﴾: قَطِّعْهُنَّ.

[4538] عبید بن عمیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ تمھارے خیال کے مطابق درج ذیل آیت کس معاملے کے متعلق نازل ہوئی تھی؟ ''کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ ہو......'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصے میں آ کر کہا: یہ کیا بات ہوئی؟ صاف کہو کہ ہمیں معلوم ہے یا معلوم نہیں۔ اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: امیر المومنین! میرے دل میں ایک بات آئی ہے۔ آپ نے فرمایا: میرے بھتیجے! بیان کرو اور خود کو حقیر نہ خیال کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت میں عمل کی مثال بیان کی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کون سے عمل کی مثال بیان کی گئی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بس عمل کی مثال ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: یہ ایک مال دار شخص کی مثال ہے جو اللہ کی اطاعت میں عمل کرتا رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو غالب کر دیتا ہے تو وہ گناہوں میں مصروف ہو جاتا ہے اور اس کے نیک اعمال سب کے سب فنا ہو جاتے ہیں۔ ''فَصُرْهُنَّ'' کے معنی ہیں: ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

فوائد ومسائل: ① اس شخص کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اسے بڑھاپے میں باغ اور اس کی پیداوار کی انتہائی ضرورت ہوتی ہے اور از سر نو باغ لگانے کا موقع بھی نہیں ہوتا اور اس کے بچے کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی مدد نہیں کر سکتے وہ تو خود اس سے بھی زیادہ محتاج ہوتے ہیں، لہٰذا کوئی نیک عمل، مثلاً: خیرات کرنے کے بعد اس کی پوری پوری حفاظت کرنا بھی ضروری ہوتی ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ احسان جتلانے، بیگار لینے یا شرک کر بیٹھنے سے اپنا باغ جلا بیٹھے کہ آخرت میں اسے اعمال میں سے کوئی چیز بھی ہاتھ نہ آئے جبکہ وہاں اسے اعمال کی شدید ضرورت ہو۔ ② اس حدیث میں شیطان کے غالب آنے سے مراد یہ ہے کہ انسان حصول مال میں اس قدر مگن ہو جائے کہ اللہ کی اطاعت سے بے پروا ہو جائے یا ایسی نافرمانیوں، مثلاً: شرک و بدعت میں مبتلا ہو

جائے جس سے اس کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ و خیرات، پھل دار باغ کی طرح ہے کہ اس کا میوہ آخرت میں کام آئے، جب نیت بری ہے تو وہ باغ جل گیا پھر اس کا میوہ جو ثواب ہے کیونکر نصیب ہو سکتا ہے۔ واللہ أعلم. ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمل کے ساتھ مال دار کی قید لگا دی جو مثل لہ سے مأخوذ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مثال کی مزید وضاحت کے لیے ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک روایت نقل فرمائی ہے۔ اس سے مراد عمل ہے۔ آدمی کو باغ کی زیادہ ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب اس کی عمر ڈھل جائے اور اہل و عیال بڑھ جائیں اور بندے کو عمل کی زیادہ ضرورت اس وقت ہوگی جب قیامت کے دن اسے اٹھایا جائے گا۔[1]

(٤٨) بَابٌ: ﴿لَا يَسْـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلْحَافًا﴾ [٢٧٣]

باب: 48- ارشاد باری تعالیٰ: ''وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے'' کی تفسیر

يُقَالُ: أَلْحَفَ عَلَيَّ وَأَلَحَّ عَلَيَّ، وَأَحْفَانِي بِالْمَسْأَلَةِ. [﴿فَيُحْفِكُمْ﴾ [محمد:٣٧]: يُجْهِدْكُمْ].

عربی زبان میں أَلْحَفَ عَلَيَّ، أَلَحَّ عَلَيَّ اور أَحْفَانِي بِالْمَسْأَلَةِ استعمال ہوتا ہے۔ ان کے معنی ہیں: اس نے مجھ سے بہت اصرار کیا اور انتہائی گریہ زاری سے پیچھے لگ کر مانگا۔ فَيُحْفِكُمْ کے معنی ہیں: وہ تم سے اصرار کرے۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''یہ صدقات ایسے محتاجوں کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے ہیں کہ تلاش معاش کے لیے زمین میں چل پھر بھی نہیں سکتے۔ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف لوگ انھیں خوشحال سمجھتے ہیں۔ آپ ان کے چہروں سے ان کی کیفیت پہچان سکتے ہیں کہ وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔''[2] اس آیت کریمہ میں ضرورت مند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔ ان کی خود داری اور سفید پوشی کو بہت خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا کہ وہ ضرورت کے باوجود دوسروں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل حدیث میں حقیقی اور حق دار مسکین کی تعریف فرمائی ہے۔

٤٥٣٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي شَرِيكُ بْنُ أَبِي نَمِرٍ: أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيَّ قَالَا: سَمِعْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا

[4539] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسکین وہ نہیں جسے ایک یا دو کھجوریں اور ایک یا دو لقمے در بدر پھرنے پر مجبور کر دیں بلکہ مسکین وہ ہے جو کسی سے سوال نہ کرے۔ اگر تم مطلب سمجھنا چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو: ''وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔''

[1] فتح الباري: 254/8. [2] البقرة 2:273.

اللُّقْمَتَانِ، إِنَّمَا الْمِسْكِينُ الَّذِي يَتَعَفَّفُ، اقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ»، يَعْنِي قَوْلَهُ تَعَالَى: ﴿لَا يَسْـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلْحَافًا﴾. [راجع: ١٤٧٦]

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے ہمیں محنت مزدوری کرنے کا سبق دیا ہے کسی کے سامنے دست سوال پھیلانے سے منع کیا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر کوئی شخص اپنی رسی اٹھائے اور لکڑیوں کا گٹھا اپنی کمر پر لاد کر لائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے جا کر دست سوال پھیلائے اور وہ دیں یا نہ دیں۔''[1] ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سوالی جو ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے، قیامت کے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ پر گوشت کی ایک بوٹی نہ ہوگی۔''[2] ② اس آیت اور حدیث میں ان حق دار مساکین کی تعیین کی گئی ہے جو مسلمانوں کے صدقات وخیرات کے حق دار ہیں، چنانچہ جو لوگ دربدر پھر کر مانگتے رہتے ہیں اور دست سوال پھیلا کر ایک یا دو لقمے لے کر واپس پلٹ جاتے ہیں وہ حق دار مساکین نہیں ہیں بلکہ حق دار مساکین وہ ہیں جو محتاج ہونے کے باوجود سوال نہیں کرتے بلکہ چمٹ کر مانگنے سے بچتے ہیں کیونکہ یہ بھکاریوں کا طریقہ ہے۔ واللہ المستعان.

(٤٩) بَابٌ: ﴿وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟﴾ [٢٧٥]

باب: 49- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے'' کا بیان

﴿ٱلْمَسِّ﴾: اَلْجُنُونِ

اَلمَسّ کے معنی ہیں: جنون، یعنی دیوانگی۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے: ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ یوں کھڑے ہوں گے جیسے شیطان نے کسی شخص کو چھو کر اسے بدحواس بنا دیا ہو، اس کی وجہ ان کا یہ قول (نظریہ) ہے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مقام پر ایک عمدہ بات بیان کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا پیش کردہ آیت کا حصہ کفار کا مقولہ بھی ہو سکتا ہے، یعنی ان کا کہنا ہے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے، پھر کیوں اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے؟ لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہ کفار کا مقولہ نہیں بلکہ ان کے اعتراض ''تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے'' کا رد ہے، یعنی تمہارا اعتراض عقلی ہے جبکہ شرعی احکام کا ماخذ عقل نہیں بلکہ شریعت ہے جسے جاری کرنے والی وہ ذات ہے جس کے حکم کو ٹالنے والا کوئی نہیں۔[4]

٤٥٤٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ:

[4540] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے

---

① صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1470. ② صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1474. ③ البقرة 2:275. ④ فتح الباري: 256/8.

حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَتِ الْآيَاتُ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبَا، فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى النَّاسِ، ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ. [راجع: ٤٥٩]

کہا: جب سود کے متعلق سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے وہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیں پھر آپ نے شراب کی خرید و فروخت کی حرمت کا بھی اعلان فرمایا۔

فوائد ومسائل: ① اس باب سے لے کر باب: 53 تک پیش کردہ آیات حرمتِ ربا کے سلسلے میں نازل ہوئیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ ہر عنوان کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہی حدیث لائے ہیں، جس میں حرمت خمر کا بھی ذکر ہے۔ اس سے یہی ثابت کرنا مقصود ہے کہ یہ سب آیات حرمت ربا کے متعلق ہیں اور ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہیں اور آپ نے مسجد نبوی میں تمام صحابۂ کرام کے سامنے ان کی تلاوت فرمائی جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔[1] ② یہاں ایک اشکال ہے کہ شراب کی حرمت تو غزوۂ اُحد کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی اور اسی وقت اس کی خرید و فروخت حرام ٹھہری تھی تو اس موقع پر تجارت خمر کی حرمت کے اعلان کا کیا مطلب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت تجارت خمر کے اعلان سے مقصود اس کی قباحت و شناعت اور اس کی سنگینی کو ظاہر کرنا تھا، گویا سود اور شراب سنگینی اور شناعت میں ایک جیسے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت مجمع میں رسول اللہ ﷺ نے کچھ ایسے لوگ محسوس کیے ہوں جنھیں تجارت خمر کی حرمت کا علم نہ ہو، اس لیے آپ نے دوبارہ اعلان فرما دیا۔

(٥٠) بَابٌ: ﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَوٰا﴾ [٢٧٦]

باب: 50- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے'' کا بیان

يُذْهِبُهُ.

يَمْحَقُ کے معنی ہیں: يُذْهِبُهُ، یعنی اللہ تعالیٰ اسے دور کرتا ہے اور ختم کرتا ہے۔

وضاحت: اس کی وضاحت ایک دوسری آیت میں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو کچھ تم بطور سود لیتے دیتے ہو کہ لوگوں کے مالوں سے تمھارا مال بڑھتا رہے تو ایسا مال اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا اور جو کچھ تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے بطور زکاۃ دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ اپنے مال کو دوگنا چوگنا کر رہے ہیں۔''[2] امام زمخشری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت ختم کر دیتا ہے اور جس مال میں سود شامل ہو جائے یہ اسے تباہ کر دیتا ہے۔[3] اگرچہ ظاہری طور پر سود لینے سے مال بڑھتا اور صدقہ دینے سے مال کم ہوتا نظر آتا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی اور ''مال حرام بود جائے حرام رفت'' والی بات بن جاتی ہے اور صدقات دینے سے اللہ تعالیٰ ایسا نعم البدل عطا کرتا

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2084. 2 الروم 30:39. 3 عمدة القاري: 478/12.

ہے جس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو بارہا کئی لوگوں کے تجربے میں آ چکی ہے، پھر علم معیشت کی رو سے بھی اس حقیقت کو ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جس معاشرے میں صدقات کا نظام رائج ہوتا ہے، اس میں غریب طبقے کی قوتِ خرید بڑھتی ہے اور دولت کی گردش بہت تیز ہو جاتی ہے کیونکہ معاشرے میں سود رائج ہوتا ہے تو اس کی تعداد قلیل ہونے کی وجہ سے دولت کی رفتار اور گردش نہایت سست ہو جاتی ہے جس سے معاشی بحران پیدا ہوتے ہیں۔ امیر اور غریب میں طبقاتی تقسیم بڑھ جاتی ہے۔ بعض دفعہ تو غریب طبقہ تنگ آ کر امیروں کو لوٹنا اور مارنا شروع کر دیتا ہے۔ آقا و مزدور اور امیر و غریب میں ہر وقت کشیدگی کی فضا قائم رہتی ہے جس سے کئی قسم کے مہلک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے: ''اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے، بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔''[1]

٤٥٤١ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ: سَمِعْتُ أَبَا الضُّحٰى يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ الْأَوَاخِرُ مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَتَلَاهُنَّ فِي الْمَسْجِدِ، فَحَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ.

[راجع: ٤٥٩]

[4541] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور انھیں مسجد میں تلاوت فرمایا۔ پھر آپ نے تجارت خمر کو بھی حرام قرار دیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کو بیان کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مقصود ہے کہ عنوان میں پیش کردہ آیت بھی انھی آیات میں سے ہے جن کا تذکرہ حضرت عائشہ ؓ نے کیا ہے اور جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں جا کر مجمع عام میں تلاوت فرمایا۔ ② بہرحال سود کی بے برکتی کو واضح کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سود ظاہری لحاظ سے جتنا بھی بڑھ جائے اس کا انجام کمی ہی ہے۔''[2]

(٥١) بَابٌ: ﴿فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ [٢٧٩]

باب: 51- ارشاد باری تعالیٰ: ''(اگر تم سود سے باز نہیں آؤ گے) تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے'' کا بیان

فَاعْلَمُوا.

فَأْذَنُوا کے معنی ہیں: آگاہ ہو جاؤ اور جان لو۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمھارے خلاف

① البقرة 2:276. ② مسند أحمد: 395/1.

اعلانِ جنگ ہے اور اگر تم توبہ کر لو تو تم صرف اپنے اصل سرمائے کے حق دار ہو، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔''[1] اللہ کی طرف سے سود لینے دینے کے متعلق یہ سخت وارننگ ہے، دیگر کسی جرم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا انداز اختیار نہیں فرمایا۔ اسلام میں معاشی نظام کا حاصل یہ ہے کہ دولت گردش میں رہے اور اس گردش کا بہاؤ امیر سے غریب کی طرف ہو جبکہ سودی نظام میں دولت کا بہاؤ ہمیشہ غریب سے امیر کی طرف ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے سود اسلام کے پورے معاشی نظام کی عین ضد ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہے۔

٤٥٤٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ قَرَأَهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، وَحَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ. [راجع: ٤٥٩]

[4542] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو نبی ﷺ نے مسجد میں جا کر انھیں تلاوت فرمایا۔ پھر آپ نے شراب کی سوداگری بھی حرام کر دی۔

فوائد ومسائل: ① سود کے متعلق آیات نازل ہونے کے چند ہی دن بعد رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع ادا کیا اور حرمت سود کے حکم کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا: ''جاہلیت کے تمام سود باطل قرار دیے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود، یعنی عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔''[2] ② واضح رہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے چار ماہ بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی...... صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم......

(٥٢) [بَابٌ:] ﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ [٢٨٠] الْآيَةَ.

باب: 52- ارشاد باری تعالیٰ: ''اگر (مقروض) تنگدست ہے تو اس کی آسودہ حالی تک مہلت دینی چاہیے'' کا بیان

وضاحت: اس آیت میں مقروض کو مہلت دینے بلکہ اصل مال صدقہ کر دینے کی ترغیب ہے۔ جب اصل مال کے متعلق یہ حکم ہے تو اصل مال سے زائد بطور سود لینے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے، اس لیے یہ آیت بھی حرمت سود کے سلسلے میں ہے۔ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد سود ایک فوجداری جرم بن گیا اور عرب کے سود خور قبیلوں کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اعمال کے ذریعے سے آگاہ فرمایا کہ اگر تم سودی لین دین سے باز نہیں آ ؤ گے تو تمھارے خلاف جنگ کی جائے گی۔

٤٥٤٣ - وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ،

[4543] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

1 البقرة 2:279. 2 صحيح مسلم، الحج، حديث: 2950 (1218).

عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَرَأَهُنَّ عَلَيْنَا، ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ. [راجع: ٤٥٩]

فرمایا: جب سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور ہمیں وہ آیات پڑھ کر سنائیں۔ اس کے بعد آپ نے شراب کی تجارت کو حرام قرار دینے کا اعلان فرمایا۔

فائدہ: بلاشبہ سود کی حرمت کے متعلق آیات کا نزول رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری دور میں ہوا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آیات ربا، قرآن کریم کی ان آیات میں سے ہیں جو آخر زمانہ میں نازل ہوئیں، پھر ان کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی، لہٰذا تم سود چھوڑ دو اور ہر اس چیز کو بھی ترک کر دو جس میں سود کا شائبہ ہو۔[1]

(٥٣) بَابٌ: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ [٢٨١].

باب: 53- ارشاد باری تعالیٰ: ”اس دن سے ڈرتے رہو جس دن تم سب کو اللہ کے حضور لوٹنا ہے“ کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے: ”اور اس دن سے ڈر جاؤ جب تم سب اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے، پھر وہاں ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر بھی کچھ ظلم نہ ہوگا۔“[2]

٤٥٤٤ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ آيَةُ الرِّبَا.

[4544] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ پر آخری آیت جو نازل ہوئی وہ سود کے متعلق تھی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں آیت ربا کو باعتبار نزول آخری آیت قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کا عنوان سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ...... وَاتَّقُوْا يَوْمًا﴾ تک تمام آیات ایک ہی مرتبہ سود کے سلسلے میں نازل ہوئی تھیں، چنانچہ ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا﴾ کے آیات ربا پر عطف اور ان کے ساتھ نازل ہونے کی وجہ سے اسے بھی انھی میں شامل کیا گیا ہے اور ان آیات میں سے یہ آخری آیت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ آخری آخری آیت جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی وہ ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ صرف نو دن زندہ رہے۔[3] ② واضح رہے کہ اس آیت کو جو آخری آیت کہا گیا ہے وہ متعلقات ربا کے لحاظ سے ہے اور ربا کی اصل حرمت تو اس

---

[1] سنن ابن ماجه، التجارات، حديث: 2276. [2] البقرة 2:281. [3] تفسير جامع البيان في تأويل القرآن: 41/6، و فتح الباري: 258/8.

آیت کے نازل ہونے سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی جیسا کہ واقعۂ اُحد کے ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! دوگنا چوگنا کر کے سود مت کھاؤ، اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم نجات پا سکو۔''[1] مختلف صحابۂ کرام ؓ نے اپنے اپنے علم کے اعتبار سے مختلف آیات کو آخری آیت قرار دیا ہے، ان میں کوئی تضاد نہیں۔

(٥٤) بَابٌ: ﴿وَإِن تُبْدُوا مَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ﴾ الْآيَةَ [٢٨٤].

باب: 54- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، خواہ تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو (اللہ تم سے اس کا حساب لے گا)'' کی تفسیر

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے اور جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، خواہ تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، پھر جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا ذکر ہے: ملک، علم اور قدرت۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ عبادات و معاملات سے متعلق تمھیں جو بے شمار احکام دیے گئے ہیں، ان کی تعمیل میں حیلوں بہانوں سے کام نہیں لینا چاہیے، سینہ زوری اور زیادتی بھی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کی مرضی کے مطابق عمل کیا جائے کیونکہ کسی بھی ظاہر یا پوشیدہ امر میں انسان نافرمانی کر کے نجات نہیں پا سکتا۔

٤٥٤٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا النُّفَيْلِيُّ: حَدَّثَنَا مِسْكِينٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ مَرْوَانَ الْأَصْفَرِ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ ابْنُ عُمَرَ أَنَّهَا قَدْ نُسِخَتْ: ﴿وَإِن تُبْدُوا مَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ﴾ الْآيَةَ. [انظر: ٤٥٤٦]

[4545] حضرت مروان اصفر سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ کے ایک صحابی، یعنی عبداللہ بن عمر ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ: ''خواہ تم اپنے خیال کو ظاہر کر دو یا چھپائے رکھو......'' منسوخ ہو چکی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو اس آیت کے منسوخ ہونے کا علم تھا جبکہ ایک حدیث اس کے برعکس ہے، چنانچہ حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پاس تھا، انھوں نے اس آیت کو تلاوت کیا اور رونے لگے، اس پر حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو صحابۂ کرام ؓ انتہائی دل گرفتہ اور پریشان ہوئے اور عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! ہم تو ہلاک ہو گئے کیونکہ ہمارے دل ہمارے قبضے میں نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم کہو ہم نے سن لیا اور اطاعت گزار بن

1 آل عمران 3:130.

گئے۔'' انھوں نے ایسا ہی کہا۔ تب وہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گئی: ''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔''[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ شاید ابتدا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کے نسخ کا علم نہ ہو اور بعد میں اس کا علم ہوا ہو۔[2]

(٥٥) بَابٌ: ﴿ءَامَنَ ٱلرَّسُولُ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِۦ﴾ [٢٨٥].

باب: 55- ارشاد باری تعالیٰ: ''رسول پر جو کچھ اس کے رب کی طرف سے نازل ہوا وہ اس پر ایمان لایا'' کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿إِصْرًا﴾ [٢٨٦]: عَهْدًا. وَيُقَالُ: ﴿غُفْرَانَكَ﴾ [٢٨٥]: مَغْفِرَتَكَ، فَاغْفِرْ لَنَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: إِصْرًا کے معنی ہیں: عہد و پیمان۔ اور غُفْرَانَكَ کے معنی ہیں: تیری مغفرت، یعنی ہمیں بخش دے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ غفران اور مغفرت دونوں مصدر ہیں لیکن اس سے مراد امر ہے، یعنی ہمیں معاف کر دے۔ إِصْرًا کے اصل معنی ہیں: بوجھ اور گرانی۔ چونکہ عہد کی پابندی و پاسداری میں بھی مشقت اور بوجھ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی عہد و پیمان کیے ہیں۔ اس سے مراد ایسا عہد ہے جس کی پاسداری انتہائی مشکل ہو، نیز عنوان میں ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ سے اختتام سورت تک تمام آیات ہیں، اسی صورت میں پیش کردہ حدیث اس عنوان کے مطابق ہو سکے گی۔ واللہ أعلم.

٤٥٤٦ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا رَوْحٌ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ مَرْوَانَ الْأَصْفَرِ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ - قَالَ: أَحْسِبُهُ ابْنَ عُمَرَ - ﴿وَإِن تُبْدُوا مَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ﴾ قَالَ: نَسَخَتْهَا الْآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا. [راجع: ٤٥٤٥]

[4546] حضرت مروان اصفر سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بیان کرتے ہیں...... میرے خیال کے مطابق وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں...... انھوں نے فرمایا: ﴿وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ کو اس کے بعد والی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حدیث میں جس آیت کو منسوخ کہا گیا ہے وہ ایک خبر پر مشتمل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمھارے ظاہری اور باطنی خیالات کا محاسبہ کرے گا، لیکن خبر تو منسوخ نہیں ہوتی جیسا کہ اصول فقہ میں صراحت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خبر محض واقعی منسوخ نہیں ہوتی بلکہ اسے منسوخ قرار دینے میں کذب لازم آتا ہے، مثلاً: اگر ہم ﴿اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى﴾

---

① مسند أحمد: 332/1. ② فتح الباري: 260/8.

کو منسوخ کہیں گے تو اس خبر کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا، اس بنا پر خبر محض میں نسخ واقع نہیں ہوتا، البتہ جو خبر کسی حکم پر مشتمل ہو اس میں نسخ واقع ہو سکتا ہے۔ حدیث میں جس خبر کو منسوخ قرار دیا گیا ہے وہ اس قسم کی ہے جو حکم پر مشتمل ہے، پھر مذکورہ بالا آیت کو متقدمین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ کہا گیا ہے۔ ان کے ہاں تخصیص پر بھی نسخ کا اطلاق کیا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں مذکور نسخ سے مراد تخصیص ہے جو آیت میں ہوئی ہے۔ تخصیص کے بعد محاسبے سے مراد ان خیالات کا محاسبہ ہے جنھیں انسان پختہ بنا لے اور اپنے دل میں بٹھا لے اور وہ خیالات و وساوس جو بلا ارادہ دل میں آ جائیں وہ اس محاسبے میں نہیں آئیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے ان خیالات کو معاف کر دیا ہے جو بے ساختہ دل میں آ جائیں جب تک انھیں زبان پر نہ لایا جائے یا ان پر عمل نہ کیا جائے۔''[1] ② ان آیات واحادیث میں اللہ تعالیٰ کے قانون سزا و جزا کا کلیہ بیان ہوا ہے کہ جو کام کسی انسان کی استطاعت سے بڑھ کر ہو اس پر انسان کی باز پرس نہیں ہوگی۔ باز پرس تو صرف اس بات یا کام پر ہوگی جو انسان کے اختیار اور استطاعت میں ہو اور جہاں انسان مجبور ہو جائے وہاں گرفت نہ ہوگی مگر اس اختیار اور استطاعت کا فیصلہ انسان کو نہایت نیک نیتی سے کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو دلوں کے راز تک جانتا ہے اور آنکھوں کی خیانت بھی اس سے چھپی نہیں رہتی۔ واللہ المستعان.

(٣) سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — 3- تفسیر سورۂ آل عمران

﴿تُقَٰةً﴾ [٢٨] وَتَقِيَّةٌ وَاحِدَةٌ، ﴿صِرٌّ﴾ [١١٧]: بَرْدٌ. ﴿شَفَا حُفْرَةٍ﴾ [١٠٣]: مِثْلُ شَفَا الرَّكِيَّةِ وَهُوَ حَرْفُهَا. ﴿تُبَوِّئُ﴾ [١٢١]: تَتَّخِذُ مُعَسْكَرًا. ﴿رِبِّيُّونَ﴾ [١٤٦] الْجُمُوعُ، وَاحِدُهَا رِبِّيٌّ. ﴿تَحُسُّونَهُم﴾ [١٥٢]: تَسْتَأْصِلُونَهُمْ قَتْلًا. ﴿غُزًّى﴾ [١٥٦]: وَاحِدُهَا غَازٍ. ﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا﴾ [١٨١]: سَنَحْفَظُ. ﴿نُزُلًا﴾ [١٩٨]: ثَوَابًا، وَيَجُوزُ: وَمُنْزَلٌ مِنْ عِنْدِ اللهِ كَقَوْلِكَ: أَنْزَلْتُهُ. ﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ [١٤]: الْمُسَوَّمُ: الَّذِي لَهُ سِيمَاءُ بِعَلَامَةٍ أَوْ بِصُوفَةٍ أَوْ بِمَا كَانَ.

تُقَاةً اور تَقِيَّةٌ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں، یعنی بچاؤ کرنا۔ صِرٌّ ٹھنڈک، سردی۔ شَفَا حُفْرَةٍ کے معنی ہیں: گڑھے کا کنارہ جیسا کہ شَفَا الرَّكِيَّةِ کنویں کے کنارے کو کہتے ہیں۔ تُبَوِّئُ: تم لشکر کے لیے مورچے متعین کر رہے تھے۔ رِبِّيُّوْنَ جمع ہے۔ اس کا واحد رِبِّيٌّ ہے، یعنی اللہ والا۔ تَحُسُّوْنَهُمْ تم انھیں قتل کر کے جڑ سے اکھاڑ رہے تھے۔ غُزًّا اس کی واحد غَازٍ ہے۔ اللہ کے راستے میں لڑنے والا۔ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا کا مطلب ہے: ہم محفوظ کر لیں گے۔ نُزُلًا کے معنی ہیں: ثواب اور اجر۔ اللہ کی طرف سے ضیافت بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ آپ کہیں: أَنْزَلْتُهُ میں نے اس کی ضیافت کی۔ اَلْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ، اَلْمُسَوَّمُ نشان

[1] صحيح البخاري، الطلاق، حديث: 5269.

زدہ، جس کو کسی علامت، اون یا کسی بھی چیز سے نشان زدہ کیا گیا ہو۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ الْمُطَهَّمَةِ الْحِسَانِ. وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى: ﴿الْمُسَوَّمَةِ﴾: اَلرَّاعِيَةِ. وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: ﴿وَحَصُورًا﴾ [٣٩]: لَا يَأْتِي النِّسَاءَ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ: ﴿مِّن فَوْرِهِمْ﴾ [١٢٥]: غَضَبِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ [الروم:١٩] النُّطْفَةُ تَخْرُجُ مَيِّتَةً، وَيُخْرِجُ مِنْهَا الْحَيَّ. ﴿وَالْإِبْكَارِ﴾ [٤١]: أَوَّلُ الْفَجْرِ. وَالْعَشِيِّ: مَيْلُ الشَّمْسِ إِلٰى أَنْ تَغْرُبَ.

مجاہد نے اَلْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ کے معنی فربہ اور عمدہ گھوڑے کے کیے ہیں۔ سعید بن جبیر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزٰی نے کہا کہ اَلْمُسَوَّمَةِ کے معنی ہیں: چرنے والے۔ سعید بن جبیر نے کہا: وَحَصُوْرًا کے معنی ہیں: وہ شخص جو عورتوں کے پاس نہ آتا ہو۔ عکرمہ نے کہا: مِنْ فَوْرِهِمْ کے معنی ہیں: بدر کے دن اپنے غیظ و غضب کے ساتھ۔ مجاہد نے کہا: يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ کا مطلب ہے کہ نطفہ خارج ہوتا ہے تو غیر جاندار اور اس سے جاندار بچہ پیدا ہوتا ہے، نیز فرمایا: وَالْإِبْكَارِ سے مراد ابتدائے فجر اور وَالْعَشِيِّ سے مراد زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے۔

وضاحت: مذکورہ تمام الفاظ سورۂ آل عمران کے مختلف مقامات سے لیے گئے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اپنے اسلوب کے مطابق ان کا لغوی حل پیش کیا ہے۔ ان کی مکمل وضاحت اصل مقام اور ان کے سیاق و سباق سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ قارئین کرام کسی بھی تفسیر قرآن سے ان کے معنی دیکھ سکتے ہیں۔

(١) [بَابٌ:] ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ﴾ [٧]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اس کی کچھ آیات محکم ہیں“ کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْحَلَالُ وَالْحَرَامُ ﴿وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾ يُصَدِّقُ بَعْضُهَا بَعْضًا كَقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ [البقرة:٢٦]: وَكَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [يونس:١٠٠] وَكَقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ﴾ [محمد:١٧].

مجاہد نے کہا: اس سے مراد حلال و حرام کی آیات ہیں۔ ”اور کچھ آیات متشابہ ہیں۔“ اس سے مراد وہ آیات جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اس سے صرف فاسق لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔“ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر گندگی واقع کرتا ہے۔“ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں مزید ہدایت سے ہمکنار کرتا ہے اور انھیں تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔“

﴿زَيْغٌ﴾ : شَكٌّ ﴿فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ﴾ ٱلْمُشْتَبِهَاتِ ﴿وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ﴾ يَعْلَمُونَ تَأْوِيلَهُ وَ﴿يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ﴾ الْآيَةَ.

زَيْغٌ کے معنی شک کے ہیں۔ ''اب جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ انگیزی کی خاطر متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔'' اِبْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ سے مراد متشابہات کی پیروی ہے۔ اور ''جو لوگ علم میں رسوخ رکھتے ہیں'' وہ ان کی تاویل کو جانتے ہیں اور '' کہتے ہیں کہ ہم ان متشابہات پر ایمان لائے ہیں۔''

وضاحت: محکم اور متشابہ کی تعیین ان الفاظ میں کی گئی ہے: ''محکم'' اس آیت کو کہتے ہیں جس کے ظاہر بیان سے اس کے معنی واضح ہو جائیں اور اس کی ظاہری دلالت سے باطنی معنی عیاں ہو جائیں، اس کے برعکس متشابہ اس آیت کو کہتے ہیں جو شک میں ڈال دے، نیز اس کے الفاظ سے حقیقی معنی معلوم نہ ہوسکیں اور اس کی تلاوت سے اس کے حکم کا ادراک نہ ہو سکے۔ متشابہ کی دو قسمیں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: * ایسی متشابہ کہ جب اسے کسی محکم کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کے معنی واضح ہو جائیں۔ * جس کی حقیقت کے ادراک کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ یہی وہ قسم ہے کہ گمراہ لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی تاویل معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتے تو شک میں مبتلا ہو کر فتنے کا سبب بنتے ہیں۔ ایمان بالقدر وغیرہ کی آیات اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔[1] قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کچھ آیات محکم ہیں جو ام الکتاب کا درجہ رکھتی ہیں جبکہ کچھ آیات متشابہ ہیں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیات محکم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو محکم بنایا گیا ہے۔''[2] ایک تیسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سب کا سب متشابہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا جس کے مضامین ملتے جلتے اور بار بار دہرائے جاتے ہیں۔''[3] ظاہری اعتبار سے یہ آیات متعارض معلوم ہوتی ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم کی بعض آیات کا محکم اور بعض کا متشابہ ہونا مذکورہ بالا تعریف کے لحاظ سے ہے اور اگر ان آیات میں عقل سلیم غور وفکر کرے تو اس میں کوئی خرابی یا نقص معلوم نہیں ہوتا اور یہ آیات ہر معیار پر پوری اترتی ہیں، نیز ان میں کہیں بھی کوئی اختلاف یا تضاد واقع نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے تمام قرآن محکم ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں اگر ایک مضمون بیس مقامات پر آیا ہے تو بھی اس میں کوئی تضاد واقع نہیں ہوتا، انداز بیان اور اختلاف الفاظ کے باوجود ایک جگہ کا مضمون دوسری جگہ کے مضمون کی تائید وتوثیق کرتا ہے جس سے بات پوری طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے تمام قرآن متشابہ ہے، اس سے سامعین کے لیے ان کے معانی مشتبہ ہونا قطعاً مراد نہیں اور جب محکم کے مقابلے میں متشابہ کا لفظ آئے گا جیسا کہ اس مقام پر ہے تو محکم کے معنی ایسی آیات ہیں جن میں کوئی لفظی یا معنوی اشتباہ نہ ہو بالفاظ دیگر ان کے معانی بالکل واضح ہوں جن کی اور تاویل نہ ہوسکتی ہو۔ واللہ أعلم. امام بخاری رحمہ اللہ نے متشابہات کے متعلق امام مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ آیات ہیں جو ایک

1 عمدة القاري: 12/488. 2 هود 11:1. 3 الزمر 39:23.

دوسرے کی توثیق کرتی ہیں لیکن مذکورہ مقام پر متشابہات سے مراد ایسی آیات نہیں بلکہ وہ آیات ہیں جن کے معانی سمجھے نہیں جا سکتے ہیں بلکہ التباس واشتباہ کا باعث ہیں۔[1] امام مجاہد کی تعریف سورۂ زمر کی آیت: 23 پر منطبق ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کی ہے۔

٤٥٤٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التُّسْتَرِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: تَلَا رَسُولُ اللهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ مِنْهُ ءَايَـٰتٌ مُّحْكَمَـٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلْكِتَـٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَـٰبِهَـٰتٌ ۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَـٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَـٰبِ﴾ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ، فَأُولٰئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللهُ فَاحْذَرُوهُمْ».

[4547] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''وہی تو ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی، جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں وہی کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور کچھ دوسری متشابہات، یعنی ملتی جلتی ہیں۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور انھیں معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کے حقیقی معنی اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، ہاں جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں: ہمارا ان پر ایمان ہے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق تو صرف دانش مند ہی حاصل کرتے ہیں۔'' حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو قرآن کریم کی متشابہ آیات کا کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے اصحاب زیغ رکھا ہے۔ ایسے لوگوں سے اجتناب کرو۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو تو انھیں فوراً پہچان لو اور ان سے دور رہو۔''[2] ② سب سے پہلے یہودیوں نے متشابہ آیات کا اتباع کیا اور حروف مقطعات کی تاویل کرنے کی کوشش کی، پھر حساب جمل کے ذریعے سے اس امت کی مدت بقا کی تعیین کے لیے بے فائدہ کوشش کی۔ ان کے بعد خوارج نے یہ کام کیا حتی کہ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے آیت میں خوارج ہی کو مراد لیا ہے۔ حضرت عمر ؓ سے مروی ہے کہ جب انھیں ''ضبیع'' نامی آدمی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ متشابہ آیات کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے تو اسے مار مار کر اس کا سر لہولہان کر دیا۔[3] ③ حافظ ابن حجر ؒ متشابہ آیات کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس طرح اعضائے بدن کو مختلف

① حاشية السندي: 110/3. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 2993، 2994. ③ فتح الباري: 266/8.

عبادات کے ذریعے سے مبتلائے آزمائش کیا جاتا ہے اسی طرح متشابہ آیات کے ذریعے سے عقل کو آزمایا جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی دانا آدمی کتاب تصنیف کرے تو بعض مقامات پر اجمال سے کام لے تاکہ ان مقامات پر شاگرد کو استاد کے سامنے جھکنا پڑے۔[1] ④ ہمارے رجحان کے مطابق محکم آیات وہ ہیں جن کا مطلب واضح ہو اور ان میں کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو اور نہ کوئی دوسرا مطلب ہی لیا جاسکتا ہو۔ ان سے مراد حلال وحرام سے متعلق احکام ہیں اور یہی چیزیں انسانی ہدایت کے لیے کافی ہیں۔ چونکہ قرآن کریم کا اصل موضوع انسان کی ہدایت ہے اور محکمات سے انسان کو پوری رہنمائی مل جاتی ہے، لہٰذا محکمات ہی کو ام الکتاب کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ آیات ہیں جن کے متعلق قرآن کا دعویٰ ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔ متشابہات ایسی آیات ہیں جن کا مفہوم انسانی ذہن کی دسترس اور پہنچ سے بالاتر ہوتا ہے۔ انسان کی عقل چونکہ محدود ہے جبکہ کائنات اور اس کے حقائق لامحدود ہیں، لہٰذا عقل سلیم رکھنے والے لوگ ان کے درپے نہیں ہوتے بلکہ گمراہ لوگوں کا ہدف اور محل استدلال متشابہات ہوا کرتی ہیں جن سے دور رہنے کی حدیث میں تلقین کی گئی ہے۔ ⑤ چونکہ دونوں قسم کی آیات کا منبع ایک ہی ہے، اس لیے اہل علم دونوں کو منزل من اللہ کہتے ہیں اور متشابہات کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ارشادات ہیں لیکن اس کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے کیونکہ ایسی آیات کا انسانی ہدایت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، دوسرے ان کے پیچھے پڑنے میں گمراہی کا احتمال بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی موقف راجح ہے، البتہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ متشابہات کی حقیقت کو اللہ ہی جانتا ہے لیکن علم میں رسوخ رکھنے والے لوگ بھی جانتے ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ متشابہات کے معنی اللہ بھی جانتا ہے اور راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں لیکن یہ موقف مرجوح ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مصنف عبدالرزاق کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ وہ اس طرح پڑھا کرتے تھے: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَيَقُوْلُ الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ آمَنَّا بِهِ. اس کے معنی یہ ہیں کہ متشابہات کے معانی کا اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں اور راسخین فی العلم کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ اس روایت سے اگرچہ قراءت تو ثابت نہیں ہوتی لیکن کم از کم صحیح سند کے ساتھ، ترجمان القرآن سے منقول ہونا تو مسلّم ہے، اس لیے ترجمان القرآن کے قول کو باقی تمام اقوال پر ترجیح دینی چاہیے۔[2] علاوہ ازیں بے شمار متشابہات ایسی ہیں جن کی حقیقت اللہ کے سوا کسی راسخ فی العلم کو بھی معلوم نہیں ہوسکتی، جن میں سر فہرست تو حروف مقطعات ہیں، البتہ ذو معنی الفاظ والی آیات کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ علم میں رسوخ رکھنے والے شاید ان کی حقیقت کو پاسکیں۔ ⑥ بہر حال علم میں پختہ کار لوگوں کا شیوہ صرف یہ نہیں ہوتا کہ وہ متشابہات کی تاویل کے پیچھے نہیں پڑتے بلکہ اللہ سے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ جو فتنہ انگیز لوگ متشابہات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ان کی فکر ہمارے دل ودماغ پر کہیں اثر انداز نہ ہو جائے۔ اللہ اپنی رحمت سے ہمیں ایسے فتنہ پرور لوگوں کے افکار وعقائد سے محفوظ رکھے اور صحیح عقل وفکر عطا فرمائے۔ واللہ أعلم.

---

[1] فتح الباري: 266/8. [2] فتح الباري: 264/8.

(٢) بَابٌ: ﴿وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ﴾ [٣٦].

باب:2-(ارشاد باری تعالیٰ:)"میں اس (مریم علیہا السلام) کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں" کی تفسیر

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:"جب اس نے بچی کو جنم دیا تو کہنے لگی: میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہوگئی ہے، حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا اسے اللہ خوب جانتا تھا اور لڑکا، لڑکی کی طرح نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے حضرت عمران کی بیوی کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور مریم اور اس کی اولاد کو شیطان کی دسترس سے محفوظ کر دیا۔ ممکن ہے کہ یہ دعا ولادت سے پہلے یا ولادت کے وقت کی ہو کیونکہ ولادت کے بعد شیطان سے بچاؤ کو دعا کی برکت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

٤٥٤٨ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُولَدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِينَ يُولَدُ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ إِيَّاهُ إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا»، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ﴾. [راجع: ٣٢٨٦]

[4548] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:"جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے پیدا ہوتے ہی چھوتا ہے، چنانچہ شیطان کے چھونے سے بچہ چلانے لگتا ہے۔ البتہ حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوا۔" پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو:"میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں مزید تفصیل ہے کہ اولاد آدم کو پیدائش کے وقت شیطان اپنی دونوں انگلیوں سے اس کے پہلو میں کچوکا لگاتا ہے لیکن عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اس سے محفوظ رہے۔ اس نے کچوکا لگانے کی کوشش کی لیکن وہ انھیں لگنے کے بجائے پردے میں لگ گیا۔[1] اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی شیطان کی اس حرکت کے مضر اثرات سے محفوظ رکھا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو کسی مصلحت سے یہ صورت سرے سے پیش ہی نہیں آئی، دوسرے انبیاء کو شاید پیش تو آئی ہو مگر اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ ان دونوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ یہود نے ان کے متعلق بہت سی افواہیں پھیلائی تھیں اور ان کے تقدس کو پامال کرنے کی کوشش کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ حضرات تو

① صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3286.

ابتدائے ولادت سے تصرف شیطان سے مستثنیٰ قرار دیے گئے تھے تو بعد کی زندگی میں یہ شیطانی بہکاوے کا کیسے شکار ہو سکتے ہیں اور منکرات سے تعلق رکھنے والی وہ باتیں کیسے درست ہو سکتی ہیں جو یہود ان مقدس ہستیوں اور پاکیزہ نفوس کے متعلق کہتے ہیں۔ واللہ المستعان. ② بہرحال اس حدیث میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ایک جزوی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس جزوی برتری سے رسول اللہ ﷺ کی کلی فضیلت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ آپ تو ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ ③ اگرچہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسے ضرور مس کرتا ہے اور کچوکے لگاتا ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ اس سے مستثنیٰ ہیں، البتہ یہ ضروری نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا اس سے مستثنیٰ نہ ہو، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص اس مس شیطانی کا اثر قبول کرے یا قبول کرے تو آئندہ چل کر وہ برابر باقی بھی رہے۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ دیگر انبیائے کرام کی عصمت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔ واللہ أعلم.

(۳) بَابٌ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ﴾ لَا خَيْرَ ﴿لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [۷۷].

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں تو ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں...... اور انھیں دکھ دینے والا عذاب ہوگا“ کا بیان

مُؤْلِمٌ: مُوجِعٌ، مِّنَ الْأَلَمِ، وَهُوَ فِي مَوْضِعِ مُفْعِلٍ.

لَا خَلَاقَ کے معنی ہیں: لَاخَيْرَ، یعنی ان کے لیے کوئی بھلائی نہیں ہوگی اور أَلِيمٌ بمعنی مُؤْلِم ہے، یعنی تکلیف دینے والا۔ یہ لفظ ألم سے ماخوذ ہے اور مُفْعِل، یعنی مؤلِم کی جگہ استعمال ہوا ہے۔

وضاحت: اللہ کے عہد اور قسموں کے بدلے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لینے کی بہت سی صورتیں ممکن ہیں۔ ان میں سے دو صورتوں کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ باقی صورتیں موشگافیاں یا کتاب اللہ میں تحریف یا غلط تاویل کر کے غلط فتویٰ دینا اور ان کے عوض مال وصول کرنا، کسی سے کوئی چیز ادھار لے کر مکر جانا اور قسم اٹھا لینا، بہرحال بددیانتی کی جتنی بھی قسمیں ہو سکتی ہیں ان سب پر اس آیت کا اطلاق ہوتا ہے۔

٤٥٤٩، ٤٥٥٠ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ يَمِينَ

[4550,4549] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے مال روک دینے والی قسم اٹھائی تاکہ اس کے ذریعے سے کسی مسلمان کا مال کاٹ لے تو اللہ کے ساتھ اس کی

صَبْرٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَـٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُوْلَـٰٓئِكَ لَا خَلَـٰقَ لَهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ﴾ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ، قَالَ: فَدَخَلَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ وَقَالَ: مَا يُحَدِّثُكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ قُلْنَا: كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فِيَّ أُنْزِلَتْ، كَانَتْ لِي بِئْرٌ فِي أَرْضِ ابْنِ عَمٍّ لِي، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بَيِّنَتُكَ أَوْ يَمِينُهُ»، فَقُلْتُ: إِذًا يَحْلِفَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينِ صَبْرٍ، يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». [راجع: ٢٣٥٦، ٢٣٥٧]

ملاقات بایں حالت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر انتہائی ناراض ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: ''بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں'' آخر تک۔ ابووائل کہتے ہیں کہ اس دوران میں حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہنے لگے: تمھیں ابوعبدالرحمٰن کیا سنا رہے تھے؟ ہم نے کہا: انھوں نے ایسا ایسا بیان کیا ہے۔ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت تو میرے متعلق نازل ہوئی تھی۔ میرے چچا کے بیٹے کی زمین میں میرا کنواں تھا (جس کا اس نے انکار کر دیا)۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''گواہ لاؤ یا پھر اس سے قسم لی جائے گی۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! وہ تو قسم اٹھا لے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی مسلمان کا مال مار لینے کی نیت سے خواہ مخواہ جھوٹی قسم اٹھائے تو جب وہ اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔''

فائدہ: دین فروشی اور عہد شکنی قیامت کے دن محرومی کا باعث ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے جھوٹی قسم کے ذریعے سے کسی مسلمان کا حق دبایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آگ واجب کر دی اور اس پر جنت حرام کر دی۔'' راوی نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر وہ چیز معمولی سی ہو؟ (تب بھی اس کے لیے آگ واجب ہوگی؟) آپ نے فرمایا: ''ہاں! اگرچہ وہ درخت کی سبز ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔''[1] بہرحال آیت کریمہ میں عہد شکنی پر پانچ وعیدیں مذکور ہیں۔ واللہ المستعان۔

٤٥٥١ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ - هُوَ ابْنُ أَبِي هَاشِمٍ -: سَمِعَ هُشَيْمًا: أَخْبَرَنَا الْعَوَّامُ بْنُ حَوْشَبٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا أَقَامَ سِلْعَةً فِي السُّوقِ، فَحَلَفَ فِيهَا لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا - مَا

[4551] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے بازار میں سامان لگایا، پھر قسم اٹھائی کہ اسے اس سامان کے اتنے دام مل رہے تھے، حالانکہ اس شخص کو وہ قیمت نہیں دی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح کسی مسلمان کو اپنے دام تزویر میں پھنسائے (اسے ٹھگ

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 353 (137).

لَمْ يُعْطِهِ - لِيُوقِعَ فِيهَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَنَزَلَتْ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَـٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ. [راجع: ٢٠٨٨]

لے۔) اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ......﴾۔

فوائدومسائل: ① حدیث ابن مسعود سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت کنویں کے معاملے میں حضرت اشعث رضی اللہ عنہ اور ان کے مخالف کے متعلق نازل ہوئی جبکہ حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بازار میں ایک شخص نے سامان فروخت کرنے کی غرض سے جھوٹی قسم اٹھائی تو اس شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ان روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ یہ آیت عام ہے اور اس کے نازل ہونے کا سبب دونوں واقعات ہو سکتے ہیں۔ ② یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کے معاملے میں مذکورہ آیت نازل ہو چکی ہو لیکن حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ کو بازار میں سامان فروخت کرنے کے واقعے کے بعد اس کی اطلاع ہوئی ہو تو انھوں نے سمجھا کہ یہ آیت اس واقعے سے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک نے اپنے اپنے علم کے مطابق بیان فرمایا۔[1] واللہ أعلم.

٤٥٥٢ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: أَنَّ امْرَأَتَيْنِ كَانَتَا تَخْرِزَانِ فِي بَيْتٍ وَفِي الْحُجْرَةِ، فَخَرَجَتْ إِحْدَاهُمَا وَقَدْ أُنْفِذَ بِإِشْفًى فِي كَفِّهَا، فَادَّعَتْ عَلَى الْأُخْرَى فَرُفِعَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَذَهَبَ دِمَاءُ قَوْمٍ وَأَمْوَالُهُمْ، ذَكِّرُوهَا بِاللهِ وَاقْرَؤُوا عَلَيْهَا: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ﴾» فَذَكَّرُوهَا فَاعْتَرَفَتْ. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ». [راجع: ٢٥١٤]

[4552] حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں کسی گھر یا حجرے میں موزے سیا کرتی تھیں۔ ان میں سے ایک عورت باہر نکلی تو اس کے ہاتھ میں موزے سینے والا سوآ چبھا ہوا تھا۔ اس نے دوسری عورت پر الزام لگایا۔ مقدمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں پیش ہوا تو آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اگر صرف دعویٰ کی بنیاد پر لوگوں کے مطالبات تسلیم کیے جانے لگیں تو بہت لوگوں کا خون اور مال برباد ہو جائے۔'' اس عورت کو اللہ کی یاد دلاؤ اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھو: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ ......﴾ چنانچہ لوگوں نے اسے وعظ و نصیحت کی تو اس نے (اپنے جرم کا) اعتراف کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''قسم مدعا علیہ پر ہوتی ہے۔''

فوائدومسائل: ① معاملات میں قانون یہ ہے کہ دعویٰ کرنے والا گواہ پیش کرتا ہے اور اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو جس کے خلاف دعویٰ ہو وہ قسم دے کر اس الزام سے بری ہو سکتا ہے۔ بعض خاص حالات میں مدعی سے بھی قسم لے کر فیصلہ کیا جا سکتا

1 فتح الباري: 269/8.

ہے جیسا کہ قسامہ میں ہوتا ہے۔ ② قاعدہ یہ ہے کہ کسی آیت کی خاص شانِ نزول سے قطع نظر آیت کے عمومی معنی پر عمل کیا جاتا ہے، چنانچہ اسی قاعدے پر عمل کرتے ہوئے حضرت ابن عباس ؓ نے اس عورت کے سامنے مذکورہ بالا آیت کی تلاوت کا حکم دیا۔ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں اسی قاعدے کی طرف اشارہ ہے اور جس سے قسم لینا مقصود ہو اس آیت کو بنیاد بنا کر اسے وعظ و نصیحت کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔[1]

(٤) بَابٌ: ﴿قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ﴾ [٦٤].

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان یکساں مسلم ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں“ کا بیان

﴿سَوَآءٍ﴾: قَصْدًا.

سَوَآءٍ قصد کے معنی میں ہے۔ اس سے یکساں اور مشترک چیز مراد ہے۔

وضاحت: اس آیت میں کلمہ بمعنی کلام ہے۔ عربی زبان میں یہ اسلوب عام ہے کہ کلمہ بول کر کلام مراد لیا جاتا ہے۔ چونکہ کلام کے تمام کلمات ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں، اس لیے پورا کلام ایک کلمہ کی قوت میں آ جاتا ہے جبکہ نحوی حضرات کلمہ اور کلام میں فرق کرتے ہیں لیکن ابن مالک نحوی نے لکھا ہے: بعض اوقات کلمہ بول کر کلام مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ لا الہ الا اللہ کو کلمہ کہا جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

٤٥٥٣ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى عَنْ هِشَامٍ، عَنْ مَعْمَرٍ. وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنِي أَبُو سُفْيَانَ مِنْ فِيهِ إِلَى فِيَّ قَالَ: انْطَلَقْتُ فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: فَبَيْنَا أَنَا بِالشَّامِ إِذْ جِيءَ بِكِتَابٍ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى هِرَقْلَ، قَالَ: وَكَانَ دِحْيَةُ الْكَلْبِيُّ جَاءَ بِهِ فَدَفَعَهُ

[4553] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابوسفیان بن حرب نے میرے روبرو یہ بیان دیا: جس مدت کے دوران میں میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان (صلح حدیبیہ کا) معاہدہ ہوا تھا، میں ان دنوں ایک تجارتی سفر پر روانہ ہوا۔ جب میں ملک شام میں تھا تو نبی ﷺ کا ایک نامہ مبارک ہرقل کے پاس لایا گیا۔ حضرت دحیہ کلبی ؓ اسے لے کر آئے تھے۔ انھوں نے لا کر عظیم بصریٰ کے حوالے کر دیا تھا اور عظیم بصریٰ نے وہ خط ہرقل کو پہنچایا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ ہرقل نے دریافت کیا:

① فتح الباري: 269/8.

إِلٰى عَظِيمِ بُصْرٰى، فَدَفَعَهُ عَظِيمُ بُصْرٰى إِلٰى هِرَقْلَ، قَالَ: فَقَالَ هِرَقْلُ: هَلْ هُنَا أَحَدٌ مِنْ قَوْمِ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: فَدُعِيتُ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَدَخَلْنَا عَلٰى هِرَقْلَ، فَأُجْلِسْنَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ: أَيُّكُمْ أَقْرَبُ نَسَبًا مِنْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ؟ فَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ: فَقُلْتُ: أَنَا، فَأَجْلَسُونِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَجْلَسُوا أَصْحَابِي خَلْفِي، ثُمَّ دَعَا بِتَرْجُمَانِهِ فَقَالَ: قُلْ لَهُمْ: إِنِّي سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ، قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: وَايْمُ اللهِ! لَوْلَا أَنْ يُؤْثَرَ عَلَيَّ الْكَذِبُ لَكَذَبْتُ، ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ: سَلْهُ: كَيْفَ حَسَبُهُ فِيكُمْ؟ قَالَ: قُلْتُ: هُوَ فِينَا ذُو حَسَبٍ، قَالَ: فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مَلِكٌ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: أَيَتَّبِعُهُ أَشْرَافُ النَّاسِ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ قَالَ: قُلْتُ: بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ، قَالَ: يَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا بَلْ يَزِيدُونَ، قَالَ: هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَنْ دِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ سُخْطَةً لَهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ إِيَّاهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: تَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ سِجَالًا يُصِيبُ مِنَّا وَنُصِيبُ مِنْهُ، قَالَ: فَهَلْ يَغْدِرُ، قَالَ: قُلْتُ: لَا، وَنَحْنُ مِنْهُ فِي هٰذِهِ الْمُدَّةِ لَا نَدْرِي مَا هُوَ صَانِعٌ

ہماری حدود سلطنت میں اسی مدعیٔ نبوت کی قوم کا کوئی آدمی موجود ہے؟ درباریوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ پھر مجھے قریش کے چند دوسرے لوگوں کی معیت میں بلایا گیا۔ جب ہم ہرقل کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے ہمیں اپنے سامنے بٹھا لیا اور پوچھنے لگا: یہ شخص جو خود کو نبی کہتا ہے تم میں سے کون اس کا قریبی رشتہ دار ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں اس کا قریبی رشتہ دار ہوں، چنانچہ درباریوں نے مجھے اس کے بالکل سامنے اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا۔ اس کے بعد ہرقل نے ترجمان کو بلایا اور اسے کہا: ان سے کہو کہ میں اس شخص سے اس مدعیٔ نبوت کے متعلق کچھ سوالات کروں گا۔ اگر یہ غلط بیانی کرے تو تم لوگوں نے اسے جھٹلا دینا ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر غلط بیانی کرنے کی بدنامی کا مجھے ڈر نہ ہوتا تو میں آپ کے متعلق ضرور جھوٹ بولتا۔ پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: اس سے پوچھو کہ تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا: وہ اونچے نسب والا ہے۔ اس نے کہا: اس کے آباء و اجداد میں سے کوئی بادشاہ تھا؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس نے کہا: تو کیا تم اس کے دعوائے نبوت سے پہلے اسے جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اچھا یہ بتاؤ کہ مال دار لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا غریبوں نے؟ میں نے کہا: بلکہ اس کے پیروکار غریب و نادار ہیں۔ وہ کہنے لگا: کیا اس کے پیروکار (دن بہ دن) بڑھ رہے ہیں یا ان کی تعداد کم ہو رہی ہے؟ میں نے کہا: بلکہ ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ کہنے لگا: کیا اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے متنفر ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟ میں نے کہا: ہرگز نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا تم لوگوں

فِيهَا، قَالَ: وَاللهِ مَا أَمْكَنَنِي مِنْ كَلِمَةٍ أُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرَ هٰذِهِ، قَالَ: فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ: قُلْ لَهُ: إِنِّي سَأَلْتُكَ عَنْ حَسَبِهِ فِيكُمْ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ فِيكُمْ ذُو حَسَبٍ، وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا، وَسَأَلْتُكَ هَلْ كَانَ فِي آبَائِهِ مَلِكٌ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا، فَقُلْتُ لَوْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مَلِكٌ، قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ أَبِيهِ. وَسَأَلْتُكَ عَنْ أَتْبَاعِهِ أَضُعَفَاؤُهُمْ أَمْ أَشْرَافُهُمْ، فَقُلْتَ: بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ، وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ، وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ، فَزَعَمْتَ أَنْ لَا، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَدَعَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ يَذْهَبَ فَيَكْذِبَ عَلَى اللهِ، وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَنْ دِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ سَخْطَةً لَهُ، فَزَعَمْتَ أَنْ لَا، وَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ إِذَا خَالَطَ بَشَاشَةَ الْقُلُوبِ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ يَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ حَتّٰى يَتِمَّ، وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَاتَلْتُمُوهُ، فَزَعَمْتَ أَنَّكُمْ قَاتَلْتُمُوهُ فَتَكُونُ الْحَرْبُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ سِجَالًا، يَنَالُ مِنْكُمْ وَتَنَالُونَ مِنْهُ، وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلٰى ثُمَّ تَكُونُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ، وَسَأَلْتُكَ: هَلْ يَغْدِرُ فَزَعَمْتَ أَنَّهُ لَا يَغْدِرُ، وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ، وَسَأَلْتُكَ هَلْ قَالَ أَحَدٌ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهُ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا، فَقُلْتُ: لَوْ كَانَ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ أَحَدٌ قَبْلَهُ، قُلْتُ: رَجُلٌ ائْتَمَّ بِقَوْلٍ قِيلَ قَبْلَهُ.

نے اس سے کوئی جنگ لڑی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ وہ کہنے لگا: پھر تمھاری اور اس کی جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟ میں نے کہا: جنگ ہمارے اور اس کے درمیان برابر کی چوٹ ہے۔ کبھی وہ ہمیں زک پہنچا دیتا ہے اور کبھی ہم اسے نقصان سے دوچار کر دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگا: کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، البتہ اس وقت ہم نے اس کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر رکھا ہے، معلوم نہیں وہ اس میں کیا کرے گا؟ ابوسفیان کہتے ہیں: مجھے اس جملے کے علاوہ اپنی طرف سے کوئی اور بات داخل کرنے کا موقع نہ ملا۔ ہرقل کہنے لگا: کیا یہ بات (دعوائے نبوت) اس سے پہلے بھی کسی نے کہی تھی؟ میں نے جواب دیا: نہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ تم اس شخص سے کہو: میں نے تم سے اس شخص کا نسب پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب کا حامل ہے۔ واقعی دستور بھی یہی ہے کہ انبیاء ﷺ ہمیشہ اپنی قوم کے اونچے نسب ہی سے بھیجے جاتے ہیں۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ آیا اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تو تم نے اس بات کا انکار کیا۔ میں کہتا ہوں: اگر اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص اپنی خاندانی سلطنت کا طلب گار ہے۔ پھر میں نے تم سے اس کے پیروکاروں کی نسبت سوال کیا کہ وہ قوم کے کمزور لوگ ہیں یا معزز حضرات؟ تمھارا جواب تھا کہ اس کی پیروی کرنے والے کمزور و ناتواں ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پیغمبروں کے پیروکار اکثر ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ پھر میرا سوال تھا کہ تم نے کبھی اس پر دعوائے نبوت سے پہلے جھوٹ کا شبہ کیا ہے تو تمھارا جواب انکار میں تھا۔ تب میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ایسا تو ممکن نہیں کہ وہ لوگوں پر کذب بیانی سے اجتناب کرے لیکن اللہ پر جھوٹ

باندھتا پھرے۔ اور میں نے تم سے یہ بھی دریافت کیا کہ کبھی کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہو کر نفرت کرتے ہوئے مرتد بھی ہوا ہے تو تمھارا جواب نفی میں تھا۔ بہرحال ایمان چیز ہی ایسی ہے جب اس کی چاشنی دل کے نہاں خانے میں اتر جاتی ہے تو نکلتی نہیں۔ میں نے یہ بھی پوچھا کہ وہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا روبہ انحطاط ہیں؟ تو تم نے جواب دیا کہ ان کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ واقعی ایمان کا معاملہ ایسا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ میں نے تم سے یہ بھی پوچھا کہ کبھی تمھاری اس سے جنگ ہوئی ہے؟ تم نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ لڑائی تمھارے اور اس کے درمیان برابر کی چوٹ ہے۔ کبھی وہ تمھیں نقصان سے دوچار کر دیتے ہیں اور کبھی تم انھیں زِک پہنچا دیتے ہو۔ اسی طرح رسولوں کو آزمائش میں ڈالا جاتا ہے لیکن آخر کار انجام انھی کے حق میں ہوتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا: کیا اس نے کبھی بدعہدی کی ہے؟ تم نے اس کا بھی انکار کیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ پیغمبر عہد شکنی نہیں کیا کرتے۔ میرا سوال تھا: آیا اس سے قبل بھی کسی نے ایسی بات کہی تھی۔ تم نے بتایا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں: اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے قبل کہی جا چکی ہے۔

قَالَ: ثُمَّ قَالَ: بِمَ يَأْمُرُكُمْ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّلَةِ وَالْعَفَافِ، قَالَ: إِنْ يَكُ مَا تَقُولُ فِيهِ حَقًّا فَإِنَّهُ نَبِيٌّ، وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ وَلَمْ أَكُ أَظُنُّهُ مِنْكُمْ، وَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَأَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ، وَلَوْ

ابوسفیان نے کہا: بعدازاں اس نے دریافت کیا: وہ تمھیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟ میں نے جواب دیا: وہ ہمیں نماز، زکاۃ، صلہ رحمی اور پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ تب ہرقل نے کہا: جو کچھ تم نے اس کے متعلق بتایا ہے اگر وہ برحق ہے تو وہ یقیناً نبی ہے۔ مجھے اس بات کا علم تھا

كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ، وَلَيَبْلُغَنَّ مُلْكُهُ مَا تَحْتَ قَدَمَيَّ، قَالَ: ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ:

کہ ایک نبی آنے والا ہے، لیکن میرا یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہو کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو ضرور اس سے ملاقات کو اپنے لیے سعادت خیال کرتا۔ اگر میں اس کے پاس حاضر ہوسکوں تو ضرور اس کے پاؤں دھو کر اس کی خدمت بجا لاؤں، نیز عنقریب اس شخص کی حکومت میرے ان دو قدموں تک پہنچ کر رہے گی۔ اس کے بعد ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک منگوایا، اسے پڑھا تو اس میں یہ لکھا تھا:

«بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ: سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ، وَ﴿يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْاْ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿ٱشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾»، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ ارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ عِنْدَهُ وَكَثُرَ اللَّغَطُ، وَأُمِرَ بِنَا فَأُخْرِجْنَا، قَالَ: فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي حِينَ خَرَجْنَا: لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ، إِنَّهُ لَيَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ، فَمَا زِلْتُ مُوقِنًا بِأَمْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ سَيَظْهَرُ، حَتّٰى أَدْخَلَ اللهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ.

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام: اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد! میں تجھے کلمۂ اسلام (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ تو محفوظ رہو گے۔ اللہ تعالیٰ تجھے دو چند اجر دے گا۔ اگر تم یہ بات نہیں مانو گے تو تمھاری رعایا کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ اور ”اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان یکساں مسلم ہے۔ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں...... گواہ رہو کہ ہم تو فرمانبردار ہیں۔“ جب ہرقل پڑھ چکا تو دربار میں آوازیں بلند ہونے لگیں اور بہت شور وغل اٹھا اور ہمیں باہر نکال دیا گیا۔ میں نے باہر آ کر اپنے ساتھیوں سے کہا: ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ تو بڑا زور پکڑ گیا ہے۔ اس سے تو شاہ روم بھی خوفزدہ ہے۔ اس روز کے بعد مجھے برابر یقین رہا کہ رسول اللہ ﷺ ضرور غالب آ کر رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام جاگزیں کر دیا۔

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَدَعَا هِرَقْلُ عُظَمَاءَ الرُّومِ

امام زہری کہتے ہیں: پھر ہرقل نے روم کے بڑے

فَجَمَعَهُمْ فِي دَارٍ لَهُ فَقَالَ : يَا مَعْشَرَ الرُّومِ! هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرَّشَدِ آخِرَ الْأَبَدِ، وَأَنْ يَثْبُتَ لَكُمْ مُلْكُكُمْ؟ قَالَ: فَحَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوهَا قَدْ غُلِّقَتْ، فَقَالَ: عَلَيَّ بِهِمْ، فَدَعَا بِهِمْ فَقَالَ: إِنِّي إِنَّمَا اخْتَبَرْتُ شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ، فَقَدْ رَأَيْتُ مِنْكُمُ الَّذِي أَحْبَبْتُ، فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ.

[راجع : ۷]

بڑے سرداروں کو دعوت دی اور انھیں اپنے ایک خاص محل میں اکٹھا کیا، پھر ان سے کہا: کیا تم اپنی کامیابی، بھلائی اور ہمیشہ کے لیے اپنی بادشاہت پر قائم رہنا چاہتے ہو؟ (تو اسلام قبول کر لو)۔ راوی کہتا ہے: یہ اعلانِ حق سنتے ہی وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بدکتے ہوئے دروازوں کی طرف دوڑے۔ دیکھا تو وہ بند تھے۔ اس کے بعد ہرقل نے حکم دیا کہ انھیں میرے پاس واپس لاؤ۔ پھر اس نے ان سب کو بلا کر کہا: میں تمھارا امتحان لینا چاہتا تھا کہ اپنے دین پر کس قدر مضبوط ہو سو وہ میں دیکھ چکا ہوں۔ تمھاری یہ پختگی مجھے بہت پسند آئی۔ اس پر سب حاضرین خوش ہو گئے اور اسے سجدہ کیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا عنوان سے یہ تعلق ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے اس آیت پر عمل کرنے کا ذکر ہے جیسے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں ذکر کیا ہے۔ مختلف بادشاہوں کو جو دعوتی خطوط لکھے گئے ان میں اسی آیت کو بنیاد بنا کر رسول اللہ ﷺ نے دعوت حق دی۔ ② اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہرقل بالکل صحیح نتیجے پر پہنچ گیا تھا مگر اس کے درباریوں کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ چل سکی، اور اتنی جراَت ایمانی اس میں نہ تھی کہ وہ اپنی حکومت کو خیر باد کہہ کر مسلمان ہو جاتا اور دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر لیتا۔ یہی وہ کلمۂ سواء یا کلمۂ توحید ہے جس کا ذکر ہر الہامی کتاب میں پایا جاتا ہے۔ بعد میں لوگوں نے اس میں کئی طرح کی ملاوٹ کر دی جیسا کہ عیسائیوں نے بعد میں الوہیت مسیح اور عقیدۂ تثلیث کا شاخسانہ کھڑا کر دیا تھا۔ ③ اس کلمۂ سواء کی تین دفعات ہیں: ✱ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ کسی دوسرے کو اللہ کے اسماء وصفات اور اختیارات میں شریک نہ کریں۔ ✱ کوئی شخص اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب نہ بنائے۔ اس آخری دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں احبار و رہبان کی بات کو نہ مانا جائے۔ دور حاضر میں اتحاد بین المذاہب کا بہت چرچا ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق اتحاد بین المذاہب کی بنیاد اگر یہی کلمہ ہو، یعنی کلمۂ توحید تو یہ تحریک بہت ہی بابرکت ہے، اگر اس کے علاوہ کسی اور بات کو اس کی بنیاد قرار دیا گیا ہے تو یہ اتحاد کی تحریک نہیں بلکہ اسلام کو نیچا دکھانے کی سازش ہے۔ واللّٰه المستعان.

(٥) بَابٌ : ﴿لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ الْآيَةَ [۹۲].

باب: 5- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”تم اس وقت تک اصل نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک وہ کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمھیں محبوب ہو“ کی تفسیر

وضاحت: سیاق وسباق کے اعتبار سے یہ خطاب یہود سے ہے، تاہم اس میں یہود ونصاریٰ اور اہل اسلام بلکہ سب انسان

شامل ہیں۔ مال سے محبت انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اس کے دل میں گھٹن سی پیدا ہوتی ہے۔ اگر کبھی خرچ کرنے کی نوبت آ جائے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ تھوڑا سا مال یا حقیر قسم کی کوئی چیز دے کر چھوٹ جائے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جب تک تم اللہ کی راہ میں ایسا مال خرچ نہ کرو گے جو تمھیں محبوب اور پسند ہے، اس وقت تک تم نیکی کی وسعتوں کو نہیں پا سکو گے۔'' اس آیت کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت اچھا اثر قبول کیا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٥٥٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَكْثَرَ أَنْصَارِيٍّ بِالْمَدِينَةِ نَخْلًا، وَكَانَ أَحَبَّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءُ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٍ، فَلَمَّا أُنْزِلَتْ: ﴿لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾، قَامَ أَبُو طَلْحَةَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ اللهَ يَقُولُ: ﴿لَن تَنَالُوا۟ ٱلْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا۟ مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءُ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ، أَرْجُو بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ، فَضَعْهَا يَا رَسُولَ اللهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَايِحٌ، ذٰلِكَ مَالٌ رَايِحٌ، وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ، وَإِنِّي أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ»، قَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أَفْعَلُ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ.

[4554] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مدینہ طیبہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس سب انصار سے زیادہ کھجوروں کے باغات تھے۔ اور ''بیرحاء'' نامی باغ انھیں اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا اور خود رسول اللہ ﷺ اس باغ میں تشریف لے جاتے اور اس کا شیریں اور عمدہ پانی نوش جاں فرمایا کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جب تک تم اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیز کو خرچ نہیں کرو گے نیکی کو نہ پا سکو گے۔'' مجھے اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ عزیز ''بیرحاء'' ہے اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ میں اللہ سے اس کے اجر و ثواب اور اس کے ہاں اس کے ذخیرہ بننے کی امید رکھتا ہوں۔ اللہ کے رسول! آپ جہاں مناسب خیال کریں اسے خرچ کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہت خوب! یہ مال و دولت فنا ہونے والا اور زوال پذیر ہے، میں نے تمھاری بات سن لی ہے، میرا خیال ہے کہ تم اسے اپنے رشتے داروں میں تقسیم کر دو۔'' حضرت ابوطلحہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں ایسا ہی کروں گا، چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے عزیزوں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ وَرَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: «ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ».

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ مال تو بہت ہی نفع بخش (رابح) بن گیا ہے۔“

حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَحْيَى قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ: «مَالٌ رَايِحٌ». [راجع: ١٤٦١]

یحییٰ بن یحییٰ بھی امام مالک سے مَالٌ رَايِحٌ کے الفاظ ذکر کرتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابوطلحہ ؓ نے اپنا پسندیدہ باغ اللہ کی راہ میں وقف کر کے دنیا و آخرت کی سعادتوں کو حاصل کر لیا۔ مذکورہ آیت کریمہ پر فوری عمل کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بھی شامل ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر ؒ نے مسند بزار کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے اس آیت مبارکہ کو تلاوت فرمایا اور کہا: میری رومی لونڈی مرجانہ سے بڑھ کر مجھے کوئی چیز محبوب نہیں، میں نے اسے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا ہے، اگر میرا یہ دستور نہ ہوتا کہ جو چیز میں اللہ کی راہ میں دیتا ہوں اس کی طرف کسی صورت میں پلٹتا نہیں ہوں تو میں اس سے نکاح کر لیتا۔[1]

٤٥٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: فَجَعَلَهَا لِحَسَّانَ وَأُبَيٍّ وَأَنَا أَقْرَبُ إِلَيْهِ، وَلَمْ يَجْعَلْ لِي مِنْهَا شَيْئًا. [راجع: ١٤٦١]

[4555] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت ابوطلحہ ؓ نے وہ باغ حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب ؓ میں تقسیم کر دیا جبکہ میں ان کا زیادہ قریبی تھا لیکن انھوں نے مجھے اس میں سے کچھ نہ دیا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت انس ؓ کی والدہ حضرت ام سلیم ؓ حضرت ابوطلحہ ؓ کے نکاح میں تھیں، اس بنا پر وہ حضرت انس ؓ کو اپنا بیٹا ہی سمجھتے تھے، غالباً اسی وجہ سے انھیں باغ میں سے کچھ نہ دیا۔ ② اس حدیث میں حضرت انس ؓ نے جو کچھ کہا ہے وہ بطور شکوہ نہیں بلکہ وجہ استحقاق بیان کی ہے، چنانچہ ایک دوسری روایت میں حضرت انس ؓ کا یہ جملہ موجود ہے: ”خاندانی قرابت کے لحاظ سے حضرت حسان اور حضرت ابی بن کعب ؓ میری نسبت حضرت ابوطلحہ ؓ سے زیادہ قریب تھے۔ حضرت حسان ؓ حضرت ابوطلحہ ؓ کے ساتھ تیسری پشت میں اور حضرت ابی بن کعب ؓ ان کے ساتھ چھٹی پشت میں جا ملتے ہیں۔[2]

(٦) بَابُ: ﴿قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ [آل عمران: ٩٣]

باب: 6- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لے آؤ پھر اسے پڑھو“ کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”بنی اسرائیل کے لیے کھانے پینے کی سب چیزیں حلال تھیں مگر وہ چیزیں جنھیں تورات نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے خود اپنے آپ پر حرام کر لیا تھا۔ آپ (ان یہود سے)

1 مسند البزار، رقم: 2194، و فتح الباري: 282/8. 2 صحيح البخاري، الوصايا، باب: 10 تعليقًا.

کہیں: اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو۔"[1] دراصل اس آیت میں یہود کے مسلمانوں پر ایک اعتراض کا جواب ہے، وہ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم خود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار بتاتے ہو، حالانکہ تم وہ چیزیں بڑے شوق سے کھاتے پیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے پر حرام کی تھیں، جیسے: اونٹ کا گوشت اور دودھ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ چیزیں میں نے حرام نہیں کی تھیں بلکہ تورات کے نازل ہونے سے مدتوں پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے آپ پر حرام قرار دے لی تھیں، چنانچہ قرآن کریم نے بطور چیلنج یہ بات کہی کہ اگر تورات میں یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام کی گئی ہیں تو لا کر دکھاؤ لیکن یہود اس بات سے عاجز رہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسرا محمل پیش کیا جس کی تفصیل ان کی پیش کردہ روایت میں ہے۔

٤٥٥٦ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ الْيَهُودَ جَاؤُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِرَجُلٍ مِنْهُمْ وَامْرَأَةٍ قَدْ زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ: «كَيْفَ تَفْعَلُونَ بِمَنْ زَنَى مِنْكُمْ؟» قَالُوا: نُحَمِّمُهُمَا وَنَضْرِبُهُمَا، فَقَالَ: «لَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ الرَّجْمَ؟» فَقَالُوا: لَا نَجِدُ فِيهَا شَيْئًا، فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: كَذَبْتُمْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، فَوَضَعَ مِدْرَاسُهَا، الَّذِي يُدَرِّسُهَا مِنْهُمْ، كَفَّهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ، فَطَفِقَ يَقْرَأُ مَا دُونَ يَدِهِ وَمَا وَرَاءَهَا وَلَا يَقْرَأُ آيَةَ الرَّجْمِ، فَنَزَعَ يَدَهُ عَنْ آيَةِ الرَّجْمِ فَقَالَ: مَا هٰذِهِ؟ فَلَمَّا رَأَوْا ذٰلِكَ قَالُوا: هِيَ آيَةُ الرَّجْمِ، فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا قَرِيبًا مِنْ حَيْثُ مَوْضِعُ الْجَنَائِزِ عِنْدَ الْمَسْجِدِ.

[4556] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں چند یہودی اپنے ایک مرد اور عورت کو لے کر حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ آپ نے ان یہودیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''تم میں سے کوئی زنا کا مرتکب ہو تو تم اس سے کیا سلوک کرتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ہم ان کا منہ کالا کر دیتے ہیں اور انھیں مارتے پیٹتے ہیں۔ آپ گویا ہوئے: ''کیا تمھیں تورات میں رجم کا حکم نہیں ملا؟'' وہ کہنے لگے: ہمیں تو اس میں ایسا کوئی حکم نہیں ملا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بول اٹھے اور ان سے کہنے لگے: تم جھوٹے ہو۔ تورات لاؤ اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔ تورات لائی گئی تو ان کے بڑے مدرس نے جو انھیں تورات پڑھایا کرتا تھا اپنا ہاتھ آیت رجم پر رکھ دیا، پھر آگے پیچھے سے پڑھنے لگا اور آیت رجم نہیں پڑھتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آیت رجم سے اس کا ہاتھ کھینچا (ہٹایا) اور فرمایا: یہ کیا ہے؟ جب یہودیوں نے آیت رجم دیکھی تو کہنے لگے: واقعی یہ تو آیت رجم ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں کے متعلق حکم جاری فرمایا اور انھیں قریب ہی مسجد کے

[1] آل عمران 3:93.

پاس جہاں جنازے رکھے جاتے تھے رجم کر دیا گیا۔

قَالَ: فَرَأَيْتُ صَاحِبَهَا يَجْنَأُ عَلَيْهَا يَقِيهَا الْحِجَارَةَ. [راجع: ١٣٢٩]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے اس عورت کے آشنا کو دیکھا کہ وہ اپنی داشتہ کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس پر جھکا جا رہا تھا۔

فوائدومسائل: ① شرعی احکام کو باطل کرنا اور انھیں چھپانا یہودیوں کی صفت ہے۔ رجم کا حکم سابقہ ملت موسوی میں بھی رائج تھا، مگر بعد کے لوگوں نے کسی مصلحت کی بنا پر اسے معطل کر چھوڑا تھا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی احادیث میں منقول ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک یہودی کو لے کر گزرے جبکہ اس کا چہرہ کالا کیا ہوا تھا اور وہ اسے گھما پھرا رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں قسم دے کر ان سے پوچھا: ''تمھاری کتاب میں زانی کی حد کیا ہے؟'' انھوں نے یہ بات اپنے ایک آدمی پر ڈال دی کہ وہ بتائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے قسم دے کر پوچھا: ''تمھاری کتاب میں زانی کی حد کیا ہے؟'' اس نے کہا: سنگسار کرنا ہے لیکن جب ہمارے شرفاء میں زنا کاری عام ہوگئی تو ہم نے نامناسب خیال کیا کہ صاحب حیثیت کو چھوڑ دیا جائے اور غریب پر حد جاری کی جائے، سو ہم نے اسے ترک کر دیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا پھر آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں وہ پہلا شخص ہوں جو تیری کتاب کے اس حکم کو زندہ کر رہا ہوں جسے انھوں نے مردہ کر چھوڑا تھا۔''[1] ایک روایت میں ہے: پھر ہم نے کہا: آؤ ہم کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو ہم صاحب حیثیت اور کمزور سب پر نافذ کر سکیں، چنانچہ ہم منہ کالا کرنے اور ڈھول ڈھمکے پر متفق ہو گئے اور رجم کرنا چھوڑ دیا۔[2] ② بہرحال رسول اللہ ﷺ نے رجم کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ حکم کے مطابق کیا، تورات منگوا کر ان پر حجت قائم کی تھی تاکہ اللہ کا حکم زندہ ہو جائے جسے انھوں نے چھپا رکھا تھا۔[3]

(٧) بَابٌ: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [١١٠]

باب: 7- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کیے گئے ہو'' کا بیان

وضاحت: مکمل آیت کریمہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''تم ہی بہترین امت ہو جنھیں لوگوں کے لیے لا کھڑا کیا گیا ہے، تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو مومن ہیں لیکن ان کی اکثریت نافرمان ہی ہے۔''[4] اس آیت کریمہ میں مشروط طور پر اہل اسلام کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے کہ جب تک وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے ہیں وہ بہترین امت رہیں گے اور جب انھوں نے اس فریضے سے کوتاہی کی تو پھر بہترین امت نہیں رہیں گے۔ اچھے کاموں سے مراد توحید خالص اور

---

[1] سنن أبي داود، الحدود، حديث: 4447. [2] سنن أبي داود، الحدود، حديث: 4448. [3] عمدة القاري: 12/500.
[4] آل عمران 3:110.

ارکان اسلام کی بجا آوری، جہاد میں دامے درمے شمولیت، قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی اور تمام مسلمانوں سے مروت، اخوت اور ہمدردی وخیرخواہی کرنا ہے۔ اسی طرح برے کاموں سے کفر وشرک، بدعات ورسوماتِ بد، فسق وفجور، ہر قسم کی بداخلاقی و بے حیائی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ہر ایک کو اپنی اپنی حیثیت اور قوت کے مطابق اس فریضے سے عہدہ برآ ہونا لازم ہے۔

٤٥٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَيْسَرَةَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ قَالَ: خَيْرَ النَّاسِ لِلنَّاسِ، تَأْتُونَ بِهِمْ فِي السَّلَاسِلِ فِي أَعْنَاقِهِمْ، حَتَّى يَدْخُلُوا فِي الْإِسْلَامِ. [راجع: ٣٠١٠]

[4557] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے آیت کریمہ ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: تم سب لوگوں میں سے تمام لوگوں کے لیے بہتر ہو کیونکہ تم انھیں، ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر لے آتے ہو جس کی بدولت وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بھی بیان کی ہے، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر تعجب کرتا ہے جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔''[1] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرما دیتا: أَنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ تب ہم سب بہترین امت بن جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے كُنْتُمْ فرمایا ہے، چنانچہ یہ خصوصیت صرف اصحاب محمد ﷺ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے ساتھ خاص ہے۔ ② اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہے، یعنی پوری امت میں سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بہترین لوگ ہیں، جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ صحابہ ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔[2] اس تفسیر کے مطابق یہ آیت مزید خاص ہو جاتی ہے۔ اس کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں وہ حضرات سب سے زیادہ بہتر ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ہمارے رجحان کے مطابق اس آیت کو اپنے عموم ہی پر رہنے دیا جائے اور اس سے پوری امت محمد یہ مراد لی جائے۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب، عکرمہ اور مجاہد وغیرہ کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد پوری امت ہے۔ باقی رہے كَانَ کے معنی تو اس قسم کے مواقع پر كَانَ کا ذکر اور حذف برابر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ﴾[3] دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا﴾[4] ان دونوں آیات کے معنی ایک ہی ہے، نیز حدیث میں ہے: ''میری امت تمام امتوں سے بہتر بنائی گئی ہے۔''[5] اس لیے بہتر ہے کہ ﴿خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ سے پوری امت محمد یہ مراد لی جائے لیکن مشروط طور پر جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ ③ اس امت کا سب سے بڑا نفع یہ ہے کہ یہ جہاد کر کے لوگوں کو اسلام میں داخل کرتے ہیں جس سے انھیں دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اس بات کا اشارہ حدیث میں واضح طور پر موجود ہے۔ والله المستعان.

① صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 3010. ② فتح الباري: 283/8. ③ الأنفال 8:26. ④ الأعراف 7:86.
⑤ مسند أحمد: 383/5.

(٨) بَابٌ: ﴿إِذْ هَمَّت طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا﴾ [١٢٢]

باب: 8- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جب تم میں سے دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: ''جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا دوست تھا اور اہل ایمان کو تو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔''[1] غزوۂ اُحد کے موقع پر جب اہل ایمان کا لشکر باہر نکلا تو عین موقع پر عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو ساتھیوں سمیت نکل کر واپس مدینے چلا گیا تو اس وقت انصار کے دو قبیلوں بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کمزوری واقع ہوئی اور کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی قلیل تعداد دیکھ کر دل چھوڑنے لگے۔ چونکہ وہ سچے مسلمان تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ آئندہ حدیث میں اسی امر کی وضاحت ہے۔

٤٥٥٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: فِينَا نَزَلَتْ: ﴿إِذْ هَمَّت طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَٱللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ قَالَ: نَحْنُ الطَّائِفَتَانِ، بَنُو حَارِثَةَ وَبَنُو سَلِمَةَ وَمَا نُحِبُّ - وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: وَمَا يَسُرُّنِي - أَنَّهَا لَمْ تُنْزَلْ لِقَوْلِ اللهِ: ﴿وَٱللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾.

[راجع: ٤٠٥١]

[4558] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: درج ذیل آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا﴾ دو گروہوں سے مراد ہم، یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ ہیں، تاہم ہمیں یہ بات پسند نہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ ان دونوں گروہوں کا سرپرست ہے۔''

فوائد ومسائل: ① غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا جبکہ مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی، دوران کوچ رئیس المنافقین اپنے تین سو افراد لے کر واپس ہو گیا تو خزرج میں سے بنو سلمہ اور اوس میں سے بنو حارثہ نے بھی منافقین کے ساتھ کھسک جانے کا بزدلانہ ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں بچا لیا، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کوچ جاری رکھا۔ ② حضرت جابر ؓ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس آیت میں ہماری کمزوری کا ذکر ہے لیکن اس فضیلت کے سامنے ہمیں اپنے اس عیب کے فاش ہونے کا بالکل ملال نہیں کیونکہ اس میں ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی سرپرستی کا بھی ذکر ہے، ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی ولایت حاصل ہو گئی۔ واللہ أعلم.

(٩) بَابٌ: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [١٢٨]

باب: 9- (ارشاد باری تعالیٰ: ''اے پیغمبر!) آپ کے اختیار میں کچھ نہیں'' کی تفسیر

[1] آل عمران 3:122.

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اے نبی! آپ کا اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں، اللہ چاہے تو ان پر مہربانی فرمائے یا انھیں سزا دے۔ بلاشبہ وہ ظالم تو ہیں ہی۔''[1]

٤٥٥٩ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ عَنْ أَبِيهِ؛ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنَ الْفَجْرِ يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا وَفُلَانًا» بَعْدَمَا يَقُولُ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ﴾.

رَوَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

[راجع: ٤٠٦٩]

[4559] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ جب نماز فجر کی دوسری رکعت سے سر اٹھاتے تو دعا کرتے: ''اے اللہ! فلاں، فلاں اور فلاں پر لعنت فرما۔'' یہ الفاظ آپ [سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ] کہنے کے بعد کہا کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اے نبی! آپ کے اختیار میں کچھ نہیں (اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے چاہے تو انھیں عذاب دے) بلاشبہ وہ ظالم ہیں۔''

اس روایت کو اسحاق بن راشد نے بھی زہری سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① بعض روایات میں اس آیت کا سبب نزول ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کا اگلا دانت ٹوٹ گیا اور سر مبارک زخمی ہو گیا۔ آپ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے اور فرماتے: ''وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا اور دانت توڑ دیا، حالانکہ وہ انھیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا۔'' تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2] ② ایک روایت میں وضاحت ہے کہ آپ نے جن نامور مشرکین کا نام لے کر بددعا کی وہ یہ ہیں: صفوان بن امیہ، ابوسفیان اور حارث بن ہشام۔[3] مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ جن مشرکین کے خلاف آپ نے بددعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے انھیں آپ کے قدموں میں لا ڈالا اور اسلام کے جاں باز سپاہی بنا دیا، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سب کو دین اسلام کی طرف مائل کر دیا۔[4] ③ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ چوتھے شخص حضرت عمرو بن عاص تھے۔[5] ان حضرات کا مستقبل اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوں گے، اس لیے یہ آیت نازل فرما کر آپ کو بددعا کرنے سے روک دیا گیا۔ واللہ أعلم.

٤٥٦٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ

[4560] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی پر بددعا کرنا چاہتے یا کسی کے لیے دعا

① آل عمران 3:128. ② صحيح مسلم، الجهاد، حديث: 4645 (1791). ③ جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3004. ④ مسند أحمد: 104/2. ⑤ فتح الباري: 284/8.

ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ عَلٰى أَحَدٍ أَوْ يَدْعُوَ لِأَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ فَرُبَّمَا قَالَ - إِذَا قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ»- اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ»، يَجْهَرُ بِذٰلِكَ، وَكَانَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَاتِهِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ: «اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا» لِأَحْيَاءٍ مِنَ الْعَرَبِ حَتّٰى أَنْزَلَ اللهُ: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ﴾ [الآيَةَ]. [راجع: ٧٩٧]

کرنا چاہتے تو بعد از رکوع قنوت کیا کرتے۔ متعدد مرتبہ آپ نے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کے بعد یہ دعا کی: ”اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابو ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! قبیلۂ مضر پر اپنی گرفت سخت کر دے اور انھیں ایسی قحط سالی سے دو چار کر دے جیسی زمانۂ یوسف علیہ السلام میں ہوئی تھی۔“ آپ یہ بددعا بآواز بلند کیا کرتے تھے۔ نماز فجر کی بعض رکعات میں آپ اس طرح بددعا کرتے تھے: ”اے اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت کر۔“ عرب کے چند قبائل کا نام لیا کرتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾.

فوائد ومسائل: ① ولید بن ولید، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، جنگ بدر میں مشرکین کے ساتھ قیدی بن کر مسلمانوں کے پاس آئے۔ فدیہ دے کر رہائی پائی، پھر اسلام قبول کیا، اس کی پاداش میں انھیں مکہ میں محبوس کر دیا گیا، پھر انھوں نے سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کے ساتھ وہاں سے بھاگ نکلنے کا پروگرام بنایا، چنانچہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ ② ولید بن ولید رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں وفات پا گئے تھے۔ سلمہ بن ہشام، ابوجہل کے بھائی اور ولید کے چچا کے بیٹے ہیں۔ عیاش بن ابی ربیعہ بھی ولید کے چچا زاد ہیں۔ بہر حال اس آیت کی شان نزول کے متعلق مختلف واقعات کتب احادیث میں مروی ہیں، ممکن ہے کہ ان تمام واقعات کے پیش آنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ہو کیونکہ ایک آیت کے نازل ہونے کا سبب مختلف واقعات ہو سکتے ہیں۔

(١٠) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَٱلرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِىٓ أُخْرَىٰكُمْ﴾ [١٥٣]

باب: 10- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور رسول، تمھارے پیچھے سے تمھیں پکار رہا تھا“ کا بیان

وَهُوَ تَأْنِيثُ آخِرِكُمْ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿إِحْدَى ٱلْحُسْنَيَيْنِ﴾ [التوبة: ٥٢]: فَتْحًا أَوْ شَهَادَةً.

أُخْرَاكُمْ، آخِرَكُمْ کی تانیث ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ سے مراد فتح یا شہادت ہے۔

وضاحت: آخِر، خاء کے کسرہ (زیر) کے ساتھ تاخیر کے معنی دیتا ہے اور آخَر، خاء کے فتحہ (زبر) کے ساتھ مغایرت کے

لیے مستعمل ہے۔ امام بخاری ؒ نے أُخْرَاكُمْ کو آخِر کی مؤنث قرار دے کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیت میں تاخیر بیان کرنا مقصود ہے۔ اسے آخر خاء کے فتحہ کے ساتھ نہ سمجھا جائے کیونکہ اس مقام پر مغایرت کے معنی مقصود نہیں ہیں۔ اُخْرٰی، آخِر بکسر الخاء کی مؤنث لغت میں موجود ہے جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ میں لفظ اُخْرٰی، آخِر بکسر الخاء کی تانیث کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ﴿وَقَالَتْ اُوْلٰهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ﴾[1] پھر امام بخاری ؒ ﴿اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ کو تفسیر کے طور پر نہیں لائے کیونکہ یہ لفظ سورۂ توبہ میں ہے، بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جیسے اُخْرٰی، آخِر کی تانیث ہے آخَر کی تانیث نہیں تاکہ افعل تفضیل نہ بن جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کسی دوسرے کے آخر میں نہیں تھے کہ اس پر اسم تفضیل صادق آئے بلکہ کچھ تأخر تھا، آپ بہت پیچھے نہ تھے۔ اسی طرح الْحُسْنَيَيْنِ جو الحُسْنٰی کا تثنیہ ہے اس میں بھی حسن شہادت اور حسن فتح بیان کرنا مقصود ہے، یہ نہیں کہ انھیں کسی دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، یعنی حسنٰی میں اُخری کی طرح اسم تفضیل کے معنی مقصود نہیں ہیں۔ لیکن حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ اس مقام پر ﴿اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ دو سعادتوں میں سے ایک سعادت، یعنی شہادت جنگ اُحد میں حاصل ہوئی تھی کیونکہ یہاں پر جنگ اُحد سے متعلق آیات کی تفسیر بیان ہورہی ہے۔[2] پوری آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے: ''جب تم بھاگے جارہے تھے، اور کسی کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے حالانکہ اللہ کا رسول تمھارے پیچھے سے تمھیں بلا رہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تمھیں رنج پر رنج دیے تاکہ تم ایسی بات پر غم نہ کرو جو تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ ایسی مصیبت پر غم کرو جو تم پر نازل ہوئی اور جو کام بھی تم کرتے ہو اللہ ان سے خوب واقف ہے۔''[3]

٤٥٦١ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ ابْنَ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الرَّجَّالَةِ يَوْمَ أُحُدٍ عَبْدَ اللهِ بْنَ جُبَيْرٍ وَأَقْبَلُوا مُنْهَزِمِينَ، فَذَاكَ إِذْ يَدْعُوهُمُ الرَّسُولُ فِي أُخْرَاهُمْ، وَلَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرُ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا. [راجع: ٣٠٣٩]

[4561] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے غزوۂ اُحد میں حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ کو (تیر اندازوں کے) پیدل دستے پر امیر مقرر فرمایا۔ اس دن بہت سے مسلمان شکست خوردہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ آیت کریمہ اسی کے متعلق نازل ہوئی: جبکہ رسول تمھیں تمھارے پیچھے سے بلا رہا تھا...... اس وقت نبی ﷺ کے ہمراہ صرف بارہ صحابۂ کرام ؓ باقی رہ گئے تھے۔

فائدہ: ایک روایت میں تفصیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پچاس افراد کے پیدل دستے کا افسر حضرت عبداللہ بن جبیر ؓ کو مقرر کیا اور تاکید کی کہ تم نے اپنی جگہ سے نہیں ہٹنا، خواہ تم دیکھو کہ پرندے ہمیں اچک کر لے جارہے ہیں جب تک میں تمھاری طرف کوئی دوسرا پیغام نہ بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے کر اسے کچل دیا ہے تب بھی یہاں سے

1 الأعراف 7:39. 2 فتح الباري: 286/8. 3 آل عمران 3:153.

مت ہٹنا، جب تک میں تمھیں بلا نہ بھیجوں۔ ابتدا میں مسلمانوں نے کفار کو مار بھگایا۔ میں نے خود مشرک عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے کپڑے اٹھائے اور پنڈلیاں کھولے بھاگی جا رہی تھیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے دستے نے کہا: اب غنیمت کا مال اکٹھا کرو تمھارے ساتھی تو غالب آ چکے ہیں، اب تم کیا دیکھ رہے ہو؟ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم وہ بات بھول گئے ہو جو تمھیں رسول اللہ ﷺ نے کہی تھی؟ وہ کہنے لگے: واللہ! ہم تو لوگوں کے پاس جا کر غنیمت کا مال لوٹیں گے۔ جب وہ درہ چھوڑ کر لوگوں کے پاس آ گئے تو کافروں نے مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کے منہ پھیر دیے اور وہ شکست کھا کر بھاگنے لگے۔ ادھر اللہ کے رسول انھیں بلا رہے تھے،، اس وقت آپ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے۔ کافروں نے مسلمانوں کے ستر آدمی شہید کیے جبکہ بدر کے دن مسلمانوں نے ایک سو چالیس کافروں کا نقصان کیا تھا، ستر کو قید اور ستر کو قتل کیا تھا۔[1]

(١١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَمَنَةً نُّعَاسًا﴾ [١٥٤]

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: ''اونگھ کی شکل میں طمانیت (نازل کی)'' کا بیان

وضاحت: ''پھر اس غم کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر اطمینان بخش اونگھ طاری کر دی اور کچھ ایسے تھے جنھیں صرف اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی، وہ اللہ کے متعلق ناحق اور جاہلیت کے سے گمان کرنے لگے تھے۔''[2] جو مسلمان غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے تھے سب ایک جیسے بہادر نہ تھے بلکہ کچھ کمزور دل بھی تھے اور انصار میں کچھ منافقین بھی تھے جو انصار کے رشتے دار ہونے کی وجہ سے جنگ میں شریک تھے۔ ان کے متعلق ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''یہ دوسرا گروہ منافقین کا تھا جنھیں اپنی باتوں کے علاوہ اور کسی بات کی فکر نہ تھی۔ وہ قوم میں سب سے زیادہ بزدل، سب سے زیادہ مرعوب اور سب سے زیادہ حق کی حمایت سے گریز کرنے والے تھے۔''[3]

٤٥٦٢ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَبُو يَعْقُوبَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ: أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ قَالَ: غَشِيَنَا النُّعَاسُ وَنَحْنُ فِي مَصَافِّنَا يَوْمَ أُحُدٍ، قَالَ: فَجَعَلَ سَيْفِي يَسْقُطُ مِنْ يَدِي وَآخُذُهُ، وَيَسْقُطُ وَآخُذُهُ. [راجع: ٤٠٦٨]

[4562] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: غزوۂ اُحد میں جب ہم صفیں باندھے کھڑے تھے تو ہم پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ پھر میرے ہاتھ سے میری تلوار چھوٹ جاتی تھی اور میں اسے تھامتا تھا، وہ پھر گرنے کو ہوتی اور میں پھر اسے تھام لیتا۔

1 صحيح البخاري، الجهاد و السير، حديث: 3039. 2 آل عمران 3:154. 3 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3008.

فائدہ: شدید قسم کی پریشانیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر اونگھ طاری کرنا ایک نعمت غیر مترقبہ اور غیر معمولی امداد تھی۔ اونگھ سے جسمانی اور ذہنی دونوں طرح کا سکون طاری ہو جاتا ہے۔ بدن کی تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور غم یک دم بھول جاتے ہیں، جسم میں تروتازگی اور نشاط دوبارہ پیدا ہو جاتی ہے۔ غزوۂ اُحد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا تھا۔ رضی اللہ عنہم.

(۱۲) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿ٱلَّذِينَ ٱسْتَجَابُوا۟ لِلَّهِ وَٱلرَّسُولِ مِنۢ بَعْدِ مَآ أَصَابَهُمُ ٱلْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ مِنْهُمْ وَٱتَّقَوْا۟ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ [۱۷۲]

باب: 12- ارشاد باری تعالیٰ: ''جنھوں نے زخم پہنچنے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہا، ان میں جو لوگ نیک کردار اور پرہیزگار ہیں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے'' کی تفسیر

﴿ٱلْقَرْحُ﴾: الْجِرَاحُ. ﴿ٱسْتَجَابُوا۟﴾: أَجَابُوا، وَ﴿يَسْتَجِيبُ﴾ [الأنعام:٣٦]: يُجِيبُ.

اَلْقَرْحُ کے معنی ہیں: اَلْجِرَاح، یعنی زخم۔ اِسْتَجَابُوْا بمعنی أَجابُوا، یعنی انھوں نے قبول کیا جیسا کہ یَسْتَجِیبُ بمعنی یُجِیبُ ہے، یعنی وہ قبول کرتا ہے۔

وضاحت: اسْتَجَابُوْا بمعنی اَجابُوْا بیان کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس مقام پر باب استفعال میں طلب مأخذ کا خاصہ نہیں ہے۔ انھوں نے استشہاد کے لیے سورۂ شوریٰ آیت: 26 پیش کی ہے جس میں یَسْتَجِیْبُ کے معنی یُجِیْبُ، یعنی قبول کرنا ہیں۔ واللّٰہ أعلم. اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی حدیث درج نہیں کی۔ شاید اس حدیث پر اکتفا کیا ہے جو آپ نے کتاب المغازی میں اسی قسم کے عنوان کے تحت درج کی ہے۔ وہ حدیث حسب ذیل ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تلاوت کر کے اپنے بھانجے حضرت عروہ سے فرمایا: اے میرے بھانجے! تیرے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تیرے نانا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انھی لوگوں میں سے تھے۔ جب اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ پہنچا تھا وہ پہنچ چکا اور مشرکین مکہ لوٹ گئے تو آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ شاید وہ لوٹ کر پھر حملہ آور ہوں، لہٰذا آپ نے فرمایا: ''کون ان کافروں کا تعاقب کرتا ہے؟'' آپ کا ارشاد سن کر ستر آدمی تعاقب کے لیے تیار ہو گئے جن میں سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما بھی تھے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک اور روایت کو اس عنوان کے مناسب قرار دیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: ''جب مشرکین غزوۂ اُحد سے واپس ہوئے تو آپس میں کہنے لگے: تم نے نہ تو محمد کو قتل کیا اور نہ جواں سال لڑکیوں کو قیدی ہی بنایا، تم نے بہت برا کام کیا، چنانچہ وہ واپس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو آواز دی تو انھوں نے آپ کی پکار پر لبیک کہا اور حمراء الاسد تک جا پہنچے۔ مشرکین کو اس کی خبر ہوئی تو کہنے لگے: وہ حملے کے لیے آئندہ سال آئیں گے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔[2]

[1] صحیح البخاري، المغازي، حدیث: 4077. [2] المعجم الکبیر للطبراني: 247/11، و فتح الباري: 288/8.

(۱۳) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ٱلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ ٱلنَّاسُ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ﴾ [۱۷۳].

باب: 13- ارشاد باری تعالیٰ: ''وہ لوگ کہ جب لوگوں نے ان سے کہا: دشمن نے تمھارے مقابلے میں ایک بہت بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے، لہٰذا ان سے ڈرو'' کی تفسیر

وضاحت: مکمل آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''وہ لوگ کہ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ دشمن نے تمھارے مقابلے میں (ایک بڑا لشکر) جمع کر لیا ہے، لہٰذا ان سے بچ جاؤ، تو ان کا ایمان اور بھی زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے: ہمیں تو اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''[1]

٤٥٦٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ أُرَاهُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ﴾ قَالَهَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَقَالَهَا مُحَمَّدٌ ﷺ حِينَ قَالُوا: ﴿إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَٰنًا وَقَالُوا حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ﴾. [انظر: ٤٥٦٤]

[4563] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو انھوں نے کہا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ اور محمد ﷺ نے یہ کلمہ اس وقت کہا جب منافقین نے افواہ پھیلائی کہ ''لوگوں نے آپ سے لڑنے کے لیے بہت بڑا لشکر تیار کر رکھا ہے، لہٰذا ان سے ڈرو۔'' یہ خبر سن کر صحابۂ کرام ؓ کا ایمان بڑھ گیا اور انھوں نے بھی یہی کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ نے ابن اسحاق کے حوالے سے اس واقعے کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ابوسفیان جب قریش کو لے کر جنگ اُحد سے واپس ہوا تو اسے معبد خزاعی ملا۔ اس نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ دیکھا ہے۔ جو لوگ جنگ اُحد سے پیچھے رہ جانے کی بنا پر شرمندہ تھے وہ بھی آپ کے ساتھ جمع ہو چکے ہیں۔ اس بات نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو حملہ کرنے کے لیے پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ وہ واپس پلٹے۔ ابوسفیان نے چند لوگوں کے ذریعے سے اپنے متعلق رسول اللہ کو یہ خبر بھیجی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر حملے کے لیے بڑھتا چلا آ رہا ہے، یہ خبر سن کر آپ کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

٤٥٦٤ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى،

[4564] حضرت ابن عباس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب حضرت ابراہیم ؑ کو آگ میں ڈالا

[1] آل عمران 3:173. [2] فتح الباري: 8/289.

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ آخِرَ قَوْلِ إِبْرَاهِيمَ حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ: حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ. [راجع: ٤٥٦٣]

گیا تو آخری کلمات جو آپ کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے: ''مجھے اللہ کافی ہے جو بہترین کارساز ہے۔''

(١٤) بَابٌ: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ﴾ [١٨٠] الْآيَةَ

باب: 14- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں تو وہ بخل کو اپنے لیے ہرگز بہتر نہ سمجھیں'' کا بیان

﴿سَيُطَوَّقُونَ﴾ كَقَوْلِكَ: طَوَّقْتُهُ بِطَوْقٍ.

سَيُطَوَّقُوْنَ کے معنی ہیں: وہ طوق ڈالے جائیں گے، جیسے کہتے ہیں: طَوَّقْتُهُ بِطَوْقٍ میں نے اسے طوق ڈالا۔

وضاحت: دنیا میں نعمتوں کی فراوانی اس بات کی دلیل نہیں ہوتی کہ اللہ ان پر خوش ہے۔ مال و دولت اس صورت میں اللہ کی نعمت کہلا سکتا ہے جب اس سے اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کیے جائیں۔ اگر بخل سے کام لیا جائے تو یہی مال و دولت عذاب کا باعث بن سکتا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

٤٥٦٥ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ أَبَا النَّضْرِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ - هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ دِينَارٍ - عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ، مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ» - يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ - «يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ»، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ. [راجع: ١٤٠٣]

[4565] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے، پھر وہ اس میں سے زکاۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کا مال ایک گنجے سانپ کی شکل میں ہو گا۔ اس کی آنکھوں پر دو کالے نقطے ہوں گے۔ قیامت کے دن وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بن جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں......''

فوائد ومسائل: ① واحدی نے کہا ہے: یہ آیت زکاۃ روکنے والوں کے متعلق نازل ہوئی، اس بات پر تمام مفسرین کا اجماع ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے بلکہ اس میں مفسرین کے کئی ایک اقوال ہیں، مثلاً: * یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جنھوں نے آئندہ آنے والے نبی کی صفات کو چھپایا تھا۔ * یہ آیت جہاد میں خرچ کرنے سے بخل کرنے والوں کے متعلق نازل

ہوئی۔ ٭ اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل وعیال اور رشتے داروں پر خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث کے پیش نظر پہلی شان نزول راجح ہے۔[1]

(١٥) بَابٌ: ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا﴾ [١٨٦]

باب: 15- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور یقیناً تم اپنے سے پیشتر اہل کتاب اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا بہت سی تکلیف دہ باتیں ضرور سنو گے“ کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”تمھیں اپنے اموال اور اپنی جانوں میں آزمائش پیش آتی رہے گی۔ یقیناً تمھیں ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور مشرکین سے بھی بہت سی تکلیف دہ باتیں سننا ہوں گی اور اگر تم نے صبر کیا اور اللہ سے ڈرتے رہے تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔“[2] یہود اور مشرکین کے ہاتھوں اسلام اور اہل اسلام کو جو تکلیفیں پہنچیں، ان کی فہرست بہت طویل ہے اور کتاب وسنت میں اس قسم کی دل خراش داستانیں اور جگر پاش واقعات بکثرت موجود ہیں۔ ان کا شمار ان مختصر فوائد میں ممکن نہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ دور نبوی میں ہجرت نبوی سے پہلے اور بعد میں بھی رسول اللہ ﷺ اور اہل اسلام کی زندگی انھیں لوگوں سے دکھ اٹھاتے گزری تو بے جا نہ ہوگا۔ مسلمانوں کو یہ خبر اس لیے دی جا رہی ہے کہ مسلمان ذہنی طور پر اس قسم کی تکالیف برداشت کرنے کے لیے تیار رہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہود و نصاریٰ اور منافقین و مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیف دینے کا صرف ایک واقعہ بیان کیا ہے جو باقی تمام واقعات کی نمائندگی کا حق ادا کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

٤٥٦٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ عَلَى قَطِيفَةٍ فَدَكِيَّةٍ، وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَرَاءَهُ يَعُودُ سَعْدَ ابْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ، قَالَ: حَتَّى مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيهِ عَبْدُ اللهِ ابْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ، وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ، فَإِذَا فِي الْمَجْلِسِ أَخْلَاطٌ مِنَ

[4566] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے جس پر علاقۂ فدک کی بنی ہوئی موٹی چادر ڈالی گئی تھی اور مجھے بھی اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ آپ قبیلۂ حارث بن خزرج کے محلے میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے۔ راستے میں آپ ایک مجلس سے گزرے جس میں ملے جلے لوگ، یعنی مسلمان، مشرکین اور یہودی موجود تھے۔ ان میں عبداللہ بن ابی ابن سلول (رئیس المنافقین) بھی موجود تھا، جو ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا اور اسی

1 فتح الباري: 289/8. 2 آل عمران 3:186.

الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ: عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ، وَالْيَهُودِ وَالْمُسْلِمِينَ، وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُ اللهِ ابْنُ رَوَاحَةَ، فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ ثُمَّ قَالَ: لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا، فَسَلَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَيْهِمْ، ثُمَّ وَقَفَ فَنَزَلَ، فَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ، وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ: أَيُّهَا الْمَرْءُ! إِنَّهُ لَا أَحْسَنَ مِمَّا تَقُولُ إِنْ كَانَ حَقًّا فَلَا تُؤْذِنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنَا. اِرْجِعْ إِلَى رَحْلِكَ، فَمَنْ جَاءَكَ فَاقْصُصْ عَلَيْهِ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ! فَاغْشَنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنَا، فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ، فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتّٰى كَادُوا يَتَثَاوَرُونَ، فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّضُهُمْ حَتّٰى سَكَنُوا، ثُمَّ رَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ دَابَّتَهُ فَسَارَ حَتّٰى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «أَيَا سَعْدُ! أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ؟ - يُرِيدُ عَبْدَاللهِ بْنَ أُبَيٍّ - قَالَ كَذَا وَكَذَا»، قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اُعْفُ عَنْهُ وَاصْفَحْ عَنْهُ، فَوَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَقَدْ جَاءَ اللهُ بِالْحَقِّ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ، وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أَهْلُ هٰذِهِ [الْبُحَيْرَةِ] عَلَى أَنْ يُتَوِّجُوهُ فَيُعَصِّبُوهُ بِالْعِصَابَةِ، فَلَمَّا أَبَى اللهُ ذٰلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ اللهُ شَرِقَ بِذٰلِكَ، فَذٰلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ، فَعَفَا عَنْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ يَعْفُونَ عَنِ الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْكِتَابِ كَمَا أَمَرَهُمُ اللهُ وَيَصْبِرُونَ عَلَى

مجلس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب سواری کی گرد وغبار ان لوگوں پر پڑی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک پر چادر ڈالی اور کہنے لگا: ہم پر گرد وغبار نہ اڑاؤ۔ تب رسول اللہ ﷺ نے السلام علیکم کہا اور ٹھہر گئے۔ اپنی سواری سے اتر کر آپ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا تو عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا: اے نوجوان! آپ کی باتیں بہت اچھی ہیں، تاہم آپ جو کچھ کہتے ہیں اگر سچ بھی ہو تب بھی آپ ہماری مجالس میں آ کر ہمیں تکلیف نہ دیا کریں بلکہ اپنے گھر واپس چلے جائیں، پھر جو شخص آپ کے پاس آئے آپ اسے اپنی باتیں سنائیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! آپ ضرور ہماری مجالس میں تشریف لا کر ہمیں یہ باتیں سنایا کریں کیونکہ ہم ان باتوں کو پسند کرتے ہیں۔ آخر کار بات اس حد تک بڑھ گئی کہ مسلمان، مشرک اور یہودی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور نوبت یہاں تک کہ پہنچ گئی کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ نبی ﷺ مسلسل ان کو خاموش کراتے رہے یہاں تک وہ خاموش ہو گئے۔ بعدازاں نبی ﷺ اپنی سواری پر بیٹھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اے سعد! ابوحباب، یعنی عبداللہ بن ابی نے جو کچھ کہا ہے کیا تم نے سن لیا ہے؟ اس شخص نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔'' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول اللہ! اسے معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے! اللہ کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل ہوا ہے وہ برحق اور سچ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس بستی والوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس شخص کی تاج پوشی کریں اور اس

الْأَذٰى، قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ ٱلَّذِينَ أَشْرَكُوٓا۟ أَذًى كَثِيرًا﴾ الآيَةَ، وَقَالَ اللهُ: ﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم﴾ [البقرة:۱۰۹] إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَأَوَّلُ الْعَفْوَ مَا أَمَرَهُ اللهُ بِهِ حَتّٰى أَذِنَ اللهُ فِيهِمْ، فَلَمَّا غَزَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بَدْرًا فَقَتَلَ اللهُ بِهِ صَنَادِيدَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ قَالَ ابْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ: هٰذَا أَمْرٌ قَدْ تَوَجَّهَ، فَبَايَعُوا الرَّسُولَ ﷺ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَسْلَمُوا. [راجع: ۲۹۸۷]

کے سر پر سرداری کی پگڑی باندھیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ منصوبہ اس حق کے ذریعے سے مسترد کر دیا جو آپ کو عطا فرمایا ہے تو وہ اس وجہ سے جل بھن گیا ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے اس حسد کا نتیجہ ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ نبی ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ عادت رہی ہے کہ بت پرستوں اور یہودیوں کی ناشائستہ حرکات کو معاف کر دیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا اور ان کی ایذاء رسانی پر صبر کیا کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ اسی سے متعلق ہے: ''اور یقیناً تم اپنے سے پیشتر اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں ضرور سنو گے (اور اگر تم صبر سے کام لو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ بڑے حوصلے اور دل گردے کی بات ہے)۔'' اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ''بہت سے اہل کتاب تو اپنے دلوں کے حسد و بغض کی بنا پر یہ تمنا رکھتے ہیں کہ تمھیں ایمان سے پھیر کر دوبارہ کافر بنا ڈالیں۔'' نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عفو و درگزر کو اپنا وتیرہ بنائے رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کفر کی بابت جہاد کی اجازت دے دی، پھر جب آپ نے جنگ بدر لڑی اور اس جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو مار ڈالا تو عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھی جو مشرک اور بت پرست تھے، کہنے لگے: اب یہ امر، یعنی اسلام ظاہر و غالب ہو چکا ہے، تب انھوں نے (بادل نخواستہ) رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر لی اور مسلمان ہو گئے۔

فوائد ومسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مقام پر یہودیوں کی ایذا رسانی کے کچھ واقعات بھی تحریر کیے ہیں، جو اس آیت کے نزول کا سبب ہے، چنانچہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت کعب بن اشرف یہودی کے متعلق نازل ہوئی جو بدبخت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اشعار کے ذریعے سے ہجو کیا کرتا تھا اور اہل بیت خواتین کو

استہزا کا نشانہ بناتا تھا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ کون ہے جو کعب بن اشرف کو لگام دے اور اس کا کام تمام کرے کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت تکلیف دی ہے۔[1] ② اللہ تعالیٰ نے ایسی جگر پاش اور دل دوز تکالیف کا علاج بھی تجویز کیا ہے: ''اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔''[2] ایسے حالات میں صبر سے کام لینا ہو گا اور تقویٰ اختیار کرنا ہو گا، صبر اور تقویٰ ہی سے حالات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ ③ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس انتباہ کے ذریعے سے مسلمانوں کو اسلام کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی تلقین کی ہے اور بتایا ہے کہ ابتلاء و آزمائش سے صبر و استقامت کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اخلاقی کمزوریوں کا علاج ہوتا ہے۔ درجات بلند ہوتے ہیں۔ اس سے اہل ایمان اور اہل نفاق کے درمیان امتیاز بھی ہو جاتا ہے۔ واللّٰہ المستعان.

(١٦) بَابٌ: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَآ أَتَوا﴾ [١٨٨]

باب: 16- (ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''یہ لوگ جو اپنے کرتوت پر خوش ہیں آپ ہرگز یہ نہ سمجھیں (کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے)۔'' کا بیان

وضاحت: مکمل آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی ایسے کاموں پر تعریف کی جائے جو انھوں نے کیے بھی نہیں، ان کے متعلق یہ گمان نہ کریں کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے۔ ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے۔''[3] امام بخاری ؒ نے اس آیت کی شان نزول کے متعلق دو مختلف حدیثیں پیش کی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

٤٥٦٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُنَافِقِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى الْغَزْوِ تَخَلَّفُوا عَنْهُ، وَفَرِحُوا بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَإِذَا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اعْتَذَرُوا إِلَيْهِ وَحَلَفُوا، وَأَحَبُّوا أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا، فَنَزَلَتْ:

[4567] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کئی منافق ایسے تھے کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ سے پیچھے (مدینہ ہی میں) رہ جاتے اور رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہنے پر بغلیں بجاتے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ جہاد سے واپس (مدینہ) آتے تو وہ (منافق) عذر پیش کر کے حلف اٹھا لیتے اور اس بات کو پسند کرتے کہ جو کام انھوں نے نہیں کیا، اس میں بھی ان کی تعریف کی جائے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ اپنے ناپسندیدہ کاموں

---

① صحيح البخاري، في الرهن في الحضر، حديث: 2510، و فتح الباري: 291/8. ② آل عمران 3:186. ③ آل عمران 3:188.

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَآ أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ .

سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جو کام انھوں نے نہیں کیا، اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے (آپ انھیں عذاب سے نجات یافتہ خیال نہ کریں)۔"

٤٥٦٨ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: أَنَّ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ مَرْوَانَ قَالَ لِبَوَّابِهِ: اِذْهَبْ يَا رَافِعُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْ: لَئِنْ كَانَ كُلُّ امْرِئٍ فَرِحَ بِمَا أُوتِيَ وَأَحَبَّ أَنْ يُحْمَدَ بِمَا لَمْ يَفْعَلْ مُعَذَّبًا لَنُعَذَّبَنَّ أَجْمَعُونَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا لَكُمْ وَلِهٰذِهِ؟ إِنَّمَا دَعَا النَّبِيُّ ﷺ يَهُودًا فَسَأَلَهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَكَتَمُوهُ إِيَّاهُ وَأَخْبَرُوهُ بِغَيْرِهِ، فَأَرَوْهُ أَنْ قَدِ اسْتَحْمَدُوا إِلَيْهِ بِمَا أَخْبَرُوهُ عَنْهُ فِيمَا سَأَلَهُمْ، وَفَرِحُوا بِمَا أَتَوْا مِنْ كِتْمَانِهِمْ، ثُمَّ قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ كَذٰلِكَ حَتّٰى قَوْلِهِ: ﴿يَفْرَحُونَ بِمَآ أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ .

[4568] حضرت علقمہ بن وقاص سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مروان (امیر مدینہ) نے اپنے دربان سے کہا: اے رافع! حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی خدمت میں جاؤ اور ان سے دریافت کرو کہ اگر ہر وہ شخص جو عطا شدہ چیز سے خوش ہو اور یہ بات بھی پسند کرے کہ ناکردہ فعل پر بھی اس کی تعریف کی جائے، وہ ضرور عذاب سے دوچار ہوگا، تب تو ہم سب عذاب دیے جائیں گے؟ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: مذکورہ آیت کریمہ سے تمھارا (مسلمانوں کا) کیا تعلق؟ اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے چند یہودیوں کو بلا کر ان سے کوئی بات دریافت کی تو انھوں نے اصل بات چھپا کر کوئی اور بات بتا دی اور آپ کو باور کرایا کہ آپ کے سوال کا جواب دے کر انھوں نے قابل تعریف کام کیا ہے، اس طرح وہ بات چھپانے سے بھی بہت خوش ہوئے۔ پھر حضرت ابن عباس ؓ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد و پیمان لیا تھا (کہ وہ لوگوں کے سامنے کتاب کو وضاحت سے بیان کریں گے)...... اللہ کے اس ارشاد تک...... کہ وہ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے ناکردہ کاموں پر بھی ان کی تعریف کی جائے۔"

تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ.

عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کرنے میں ہشام کی متابعت کی ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ

حجاج نے ابن جریج سے روایت کیا، انھوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے بتایا، انھوں نے حمید بن عبدالرحمٰن بن

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ مَرْوَانَ، بِهٰذَا.

عوف سے، انھوں نے خبر دی کہ مروان نے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① پہلی حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے تقاضے کے مطابق یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کی شان نزول یہود مدینہ کا کردار ہے۔ اگرچہ ربط مضمون کے لحاظ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس آیت سے پہلے بھی یہود کے کرتوتوں کا ذکر چل رہا ہے، تاہم اس مضمون میں منافقین تو کیا خود مسلمانوں کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے، یعنی جو شخص بھی ایسی شہرت پسند کرتا ہو کہ وہ بڑا مخلص، دیانتدار، ایثار پیشہ، خادم خلق اور عالم دین ہے یا ان میں سے کسی بھی صفت کی شہرت چاہتا ہو جبکہ حقیقت میں معاملہ ایسا نہ ہو یا کسی نے اچھے کام میں محنت تو تھوڑی سی کی مگر شہرت و ناموری اس سے بہت زیادہ چاہتا ہو تو اس کا وہی حشر ہوگا جو آیت میں مذکور ہے۔ ② بہرحال آیت کریمہ اگرچہ نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن لفظ کی عمومیت ہر اس شخص کو شامل ہے جو اچھا کام کرے، پھر اس پر فخر و غرور کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کرے اور یہ بھی پسند کرے کہ اس کے ناکردہ کاموں پر بھی لوگ اس کی تعریف کریں۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا ہے کہ یہ آیت صرف اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے، اسے ان کا مسلک ہی قرار دیا جا سکتا ہے جو جمہور کے موقف کے خلاف ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(١٧) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُولِي ٱلْأَلْبَٰبِ﴾ [١٩٠]

باب: 17- ارشاد باری تعالیٰ: ”بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور دن اور رات کے بدل بدل کر آنے جانے میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں“ کا بیان

٤٥٦٩ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَتَحَدَّثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ، فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُولِي ٱلْأَلْبَٰبِ﴾ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَنَّ، فَصَلَّى إِحْدٰى عَشْرَةَ

[4569] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک رات میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گزاری۔ رسول اللہ ﷺ کچھ دیر تک تو اپنی زوجۂ محترمہ کے ساتھ محو گفتگو رہے، اس کے بعد سو گئے۔ جب تہائی شب رہ گئی تو آپ اٹھ بیٹھے، آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ آیات تلاوت فرمائیں: ”بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور دن اور رات کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔“ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے، وضو کیا،

رَكْعَةً، ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. [راجع: ۱۱۷]

مسواک کی اور گیارہ رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو دو رکعت (سنت) پڑھیں۔ اس کے بعد آپ باہر تشریف لائے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت آسمان کی طرف دیکھ کر مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس میں شک نہیں ہے کہ عقل مند انسان جب زمین وآسمان کی پیدائش، سورج اور چاند کی گردش، سیاروں کے احوال، دن اور رات کی آمد ورفت کے مضبوط اور مربوط نظام میں غور کرتا ہے کہ کس طرح سب سیارے ایک معین رفتار اور معین قانون کے تحت فضاؤں میں گردش کر رہے ہیں تو اسے یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ تمام تر کائنات ایک ہی قادر مطلق اور مختار کل کے ہاتھ میں ہے۔ اسی عظیم ہستی نے اپنے اختیار وقدرت سے کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو اپنی اپنی حدود میں جکڑ رکھا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز کر سکے۔ ② رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب رات کے وقت اٹھتے تو آسمان کی طرف منہ کر کے ان آیات کو ضرور پڑھتے تھے۔ اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی رات کو بیدار ہو تو اتباع سنت میں یہ آیات پڑھ لینی چاہئیں۔ واللہ المستعان۔

(۱۸) بَابٌ: ﴿ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَـٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِى خَلْقِ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ﴾ الآيَةَ [۱۹۱]

باب: 18- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”جو لوگ کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین وآسمان کی تخلیق میں غور وفکر کرتے ہیں“ کا بیان

وضاحت: اہل عقل زمین وآسمان کی پیدائش پر غور کرتے ہوئے پکار اٹھتے ہیں: ”اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تیری ذات (اس سے) پاک ہے۔ اے پروردگار! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔“[1]

٤٥٧٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَقُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَطُرِحَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وِسَادَةٌ، فَنَامَ رَسُولُ اللهِ

[4570] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہا۔ میں نے (دل میں) سوچا کہ آج میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا ضرور بغور مشاہدہ کروں گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بستر بچھا دیا گیا جس پر آپ لمبائی کے رخ لیٹ گئے۔ پھر جب بیدار ہوئے تو اپنے چہرۂ مبارک سے

[1] آل عمران 3:191.

ﷺ فِي طُولِهَا، فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ، فَقَرَأَ الْآيَاتِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ آلِ عِمْرَانَ، حَتّٰى خَتَمَ، ثُمَّ أَتٰى سِقَاءً مُعَلَّقًا، فَأَخَذَهُ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ إِلٰى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِي، ثُمَّ أَخَذَ بِأُذُنِي فَجَعَلَ يَفْتِلُهَا، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ. [راجع: ١١٧]

نیند کے آثار دور کرنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمانا شروع کیں حتی کہ سورت ختم کر دی۔ پھر آپ ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کے پاس آئے، اسے پکڑا اور اس سے وضو کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور جو کچھ آپ نے کیا تھا وہ سب کچھ میں نے کیا۔ اس کے بعد میں آپ کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا، پھر میرا کان پکڑ کر اسے ملنے لگے۔ آپ نے اس وقت دو رکعت پڑھیں، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت اور پھر وتر پڑھا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ عقل مند وہ لوگ ہیں جو کارخانۂ قدرت میں غور کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت وتصرف کی حقیقت کے قریب پہنچ جاتے ہیں، پھر اس اعتراف حقیقت کے نتیجے میں ان کے بدن کا رواں رواں محبت الٰہی میں سرشار ہو جاتا ہے اور حمد وثنا کرنے لگتے ہیں۔ ہر وقت اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کارخانۂ قدرت میں غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ عالم مادے سے بنا ہے، پھر اتفاق سے یوں ہو گیا، یوں ہو گیا اور اس مضبوط ومربوط نظام کائنات کو محض اتفاقات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں وہ ہرگز اہل عقل نہیں کیونکہ اتفاق سے کبھی کبھار تو خیر پیدا ہو سکتی ہے لیکن مسلسل خیر کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ گویا ان آیات میں دہریت اور نیچریت کا رد موجود ہے۔ ② بہرحال کائنات، کائنات کا خالق اور اس کائنات میں انسان کا مقام، یہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اہل عقل وخرد ابتدائے آدم سے لے کر غور وفکر کرتے رہے ہیں، پھر جس کسی سائنس دان یا فلاسفر نے بھی وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر سوچنا شروع کیا تو اکثر ان کی عقل نے ٹھوکر ہی کھائی ہے۔ واللّٰہ المستعان.

(١٩) بَابٌ: ﴿رَبَّنَآ إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ ٱلنَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُۥ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾ [١٩٢]

باب: 19- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اے ہمارے رب! بلاشبہ جسے تو جہنم میں داخل کرے گا در حقیقت تو نے اسے ذلیل ورسوا کر دیا، واقعی ظلم پیشہ لوگوں کا کوئی مددگار نہیں“ کا بیان

وضاحت: اس میں کوئی شک نہیں کہ قیامت کے دن جو انسان جہنم رسید ہوا وہ سب کے سامنے ذلیل وخوار ہوگا۔ آخرت

میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ذلت نہیں ہے۔ امام بخاری ؒ کی پیش کردہ حدیث میں اس رسوائی سے محفوظ رہنے کا نسخۂ کیمیا بتایا گیا ہے اور وہ ہے نماز تہجد کا باقاعدہ اہتمام، جس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔

٤٥٧١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مَعْنُ ابْنُ عِيسٰى عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَهِيَ خَالَتُهُ، قَالَ: فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ، أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلٰى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلٰى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنٰى يَفْتِلُهَا، فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. [راجع: ١١٧]

[4571] حضرت ابن عباس ؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت کریب سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے انھیں بتایا: انھوں نے ایک مرتبہ اپنی خالہ حضرت میمونہ ؓ کے گھر رات بسر کی جو نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ہیں۔ انھوں نے کہا: میں وہاں تکیے کے عرض میں سو گیا جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی بیوی اس کے طول میں آرام فرما ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کم و بیش آدھی رات تک سوئے رہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرۂ انور سے نیند دور کرنے لگے۔ بعد ازاں سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں اور اٹھ کر ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کی طرف گئے، اس سے اچھی طرح وضو کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز شروع کی۔ میں نے بھی وہی کچھ کیا جو آپ نے کیا تھا۔ پھر میں آپ کے پہلو میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا دایاں کان پکڑ کر اسے مروڑنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت اور پھر وتر پڑھا۔ اس کے بعد آپ لیٹ گئے۔ مؤذن کے آنے تک آپ لیٹے رہے، پھر ہلکی سی دو رکعت نماز ادا کی، پھر گھر سے باہر تشریف لائے اور نماز فجر پڑھائی۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے مذکورہ آیت اور اس حدیث کو اس لیے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن اگر کوئی ذلت و رسوائی سے بچنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ نماز تہجد کا اہتمام کرے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں کہ مجھے خواب میں دو فرشتوں نے پکڑا اور آگ کی طرف لے گئے۔ وہاں میں نے چند ایک جانے پہچانے لوگوں کو

دیکھا۔ میں یہ منظر دیکھ کر آگ سے اللہ کی پناہ مانگنے لگا۔ اس دوران میں مجھے ایک اور فرشتہ ملا تو اس نے مجھے کہا: گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے یہ خواب اپنی ہمشیر حضرت حفصہ ؓ سے بیان کیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو آپ نے فرمایا: ''عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے، کاش یہ نماز تہجد کا اہتمام کرے۔'' اس کے بعد حضرت عبداللہ ؓ رات کو بہت کم سوتے تھے۔[1]

Ⓒ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد کا اہتمام کرنے والا دوزخ کی رسوائی سے محفوظ رہے گا۔ واللہ أعلم.

(٢٠) [بَابٌ]: ﴿رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَـٰنِ﴾ الْآيَةَ [١٩٣]

باب: 20- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم نے ایک منادی کرنے والے کو سنا جو باآواز بلند ایمان لانے کے لیے آواز دے رہا تھا'' کا بیان

وضاحت: مکمل آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف دعوت دیتا اور کہتا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے، پس ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہماری برائیاں دور فرما اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔ اے ہمارے رب! تو نے اپنے رسولوں کی زبان پر ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا۔ بلاشبہ تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''[2] پکارنے والے سے مراد اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے جو قرآن و حدیث کی روشنی میں انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو جس سے تمھیں اخروی نجات حاصل ہو جائے۔ اس کے ساتھ رسول نے یہ بھی بتلایا ہے کہ محض اپنے نیک اعمال پر بلکہ اپنے اللہ سے گناہوں کی بخشش بھی طلب کرتے رہو اور بھلائی کے لیے دعائیں بھی مانگتے رہو۔

٤٥٧٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ وَهِيَ خَالَتُهُ، قَالَ: فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ، أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ

[4572] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت کریب سے روایت ہے، حضرت ابن عباس ؓ نے انھیں بتایا کہ وہ ایک رات نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت میمونہ ؓ کے گھر سوئے اور وہ آپ کی خالہ تھیں۔ انھوں نے بتایا کہ میں تکیے کے عرض میں لیٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اہلیہ تکیے کی لمبائی میں محو استراحت ہوئے۔ آپ نے کم و بیش آدھی رات تک آرام فرمایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور بیٹھ کر چہرے سے نیند کے آثار دور کرنے کے لیے ہاتھ پھیرنے لگے۔ بعدازاں آپ نے

---

① صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1121، 1122. ② آل عمران 3: 193، 194.

وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ. [راجع: ١١٧]

سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں۔ پھر اٹھ کر لٹکے ہوئے مشکیزے کی طرف گئے اور اس کے پانی سے خوب اچھی طرح وضو کیا، بعدازاں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا جس طرح آپ نے کیا تھا اسی طرح میں نے بھی کیا، پھر جا کر آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے دائیں کان کو پکڑ کر اسے ملنے لگے۔ پھر آپ نے دو رکعت پڑھیں، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت اور پھر وتر پڑھا۔ اس کے بعد آپ لیٹ گئے اور مؤذن کے آنے تک لیٹے رہے۔ مؤذن کے آنے کے بعد دو ہلکی سی رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد گھر سے باہر آ کر نماز فجر پڑھائی۔

فوائد ومسائل: ① جیسا کہ آیت میں بیان ہوا ہے کہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، پکارنے والے سے مراد اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے۔ اس کی آواز پر لبیک کہنے میں ہی نجات ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے کا ایک نمونہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اٹھ کر اسی طرح کیا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔ ② بہر حال انسان کو چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ ہمیں ان وعدوں کا مصداق بنا دے گا جو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہم سے وعدے پورے کر دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں تو پیغمبروں پر ایمان لا کر کافروں کی طعن و تشنیع کا نشانہ بنے ہیں، پھر آخرت میں بھی ان کے سامنے ہماری رسوائی ہو اور وہ ہم پر یہ پھبتی کسیں کہ ایمان لا کر بھی تمھیں کیا حاصل ہوا۔ واللہ المستعان.

(٤) سُورَةُ النِّسَاءِ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — 4۔ تفسیر سورۃ النساء

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿يَسْتَنكِفَ﴾ [١٧٢]: يَسْتَكْبِرَ، قِوَامًا: قِوَامُكُمْ مِنْ مَعَايِشِكُمْ. ﴿لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ [١٥]: يَعْنِي الرَّجْمَ لِلثَّيِّبِ وَالْجَلْدَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: يَسْتَنكِفَ کے معنی ہیں: تکبر کرتا ہے۔ قِوَامًا سے مراد زندگی اور معیشت کی بنیادیں ہیں۔ لَهُنَّ سَبِيلًا میں سبیل سے مراد

لِلْبِكْرِ.

شادی شدہ کے لیے رجم اور کنوارے کے لیے کوڑوں کی سزا ہے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿مَثْنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ﴾ [٣]: يَعْنِي اثْنَتَيْنِ وَثَلَاثًا وَأَرْبَعًا، وَلَا تُجَاوِزُ الْعَرَبُ رُبَاعَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسرے حضرات کا قول ہے کہ مَثْنٰی وَثُلٰث وَ رُبٰعَ سے مراد دو دو، تین تین اور چار چار ہیں۔ اہل عرب رُبَاعَ، یعنی فعال وزن سے تجاوز نہیں کرتے۔

وضاحت: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿يَسْتَنْكِفَ﴾ کے معنی يَسْتَكْبِر کرنا عجیب سا محسوس ہوتا ہے کیونکہ آیت کریمہ میں يَسْتَكْبِرَ کا عطف يَسْتَنْكِفَ پر ہو رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَ يَسْتَكْبِرْ﴾ اور عربی زبان کا معروف قاعدہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوا کرتی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ اگر عطف کو تاکید پر محمول کیا جائے تو ایسے معنی بعید از قیاس نہیں ہیں۔[1] قِوامًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قراءت قیامًا کے بجائے قِوامًا بھی منقول ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی قراءت کو مدنظر رکھتے ہوئے معنی بیان کیے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مَثْنٰی کی تفسیر اِثْنَيْنِ، ثلاث کی ثَلَاثًا اور رُبَاع کی أَرْبَعًا کی ہے جو مناسب نہیں کیونکہ اس کے معنی میں تکرار ہوتا ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ جواب دیتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے شہرت پر اعتماد کر کے ایک مرتبہ پر اکتفا کر لیا ہے۔[2]

(١) بَابُ: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ [٣].

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے متعلق انصاف نہیں کر سکو گے“ کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”اور اگر تمھیں یہ خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو پھر دوسری عورتوں سے جو تمھیں پسند آئیں دو دو، تین تین اور چار چار تک نکاح کر لو۔“[3] یتیم لڑکی کی کفالت کوئی قریبی رشتے دار ہی کر سکتا ہے۔ بعض اوقات وہ لڑکی اپنے باپ کی وراثت میں اپنے سرپرست کی شریک ہوتی تھی، ایسے حالات میں زیادہ حق تلفی ان لڑکیوں کی ہوتی تھی کیونکہ عام طور پر ان کے جوان ہونے کی تین صورتیں ہوتیں: ○ لڑکی خوبصورت ہوتی اور اس کا مال بھی ہوتا، اس صورت میں سرپرست خود اس سے نکاح کر لیتا لیکن اسے دوسروں کی نسبت بہت کم حق مہر دیا جاتا۔ یہ بھی ظلم و زیادتی والا معاملہ تھا۔ ○ لڑکی نہ تو مالدار ہوتی اور نہ خوبصورت، اس صورت میں سرپرست کو اس سے نکاح کرنے یا آگے نکاح کرانے میں کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ یہ بھی اس پر ظلم کی ایک صورت تھی۔ ○ لڑکی خوبصورت تو نہ ہوتی لیکن مال دار ہوتی، اس

1 فتح الباري: 299/8. 2 عمدة القاري: 519/12. 3 النسآء 4:3.

صورت میں مال کی وجہ سے اس سے نکاح کر لیا جاتا تاکہ اس کے مال پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس طرح کا نکاح کرنا بھی اس لڑکی پر ظلم کی ایک صورت تھی۔ ظلم کی ان صورتوں کو درج ذیل احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

٤٥٧٣ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَجُلًا كَانَتْ لَهُ يَتِيمَةٌ فَنَكَحَهَا، وَكَانَ لَهَا عَذْقٌ وَكَانَ يُمْسِكُهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مِنْ نَفْسِهِ شَيْءٌ، فَنَزَلَتْ فِيهِ: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ أَحْسِبُهُ قَالَ: كَانَتْ شَرِيكَتَهُ فِي ذٰلِكَ الْعَذْقِ وَفِي مَالِهِ. [راجع: ٢٤٩٤]

[4573] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص کسی یتیم لڑکی کی پرورش کرتا تھا۔ اس شخص نے صرف اس غرض سے اس کے ساتھ نکاح کر لیا کہ وہ ایک کھجور کے درخت کی مالک تھی۔ وہ آدمی اسی درخت کی وجہ سے اس کی پرورش کرتا رہا ورنہ اس کے دل میں لڑکی کی کوئی الفت نہ تھی۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ''اگر تمھیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے متعلق عدل نہ کر سکو گے۔'' (حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ) میرے خیال کے مطابق وہ لڑکی اس درخت اور دوسرے مال اسباب میں اس مرد کی حصے دار تھی۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ بالا آیت دو قسم کے لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: * ایک تو وہ جن کی پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہوتی اور وہ اس کی بدصورتی یا کسی اور وجہ سے اس کے نکاح میں کوئی رغبت تو نہ رکھتے ہوں لیکن اس وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کر لیں کہ لڑکی مال دار ہے یا وہ ان کے مال میں شریک ہے۔ وہ کسی اور سے اس کا نکاح کر کے تیسرے آدمی کو مال میں شریک نہ کرنا چاہتے ہوں۔ * دوسرے وہ جن کی پرورش میں یتیم لڑکی ہوتی اور وہ اس کے حسن و جمال اور مال و دولت کی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح میں رغبت بھی رکھتے ہوں لیکن نکاح کرتے وقت حق مہر میں بے انصافی کریں اور پورا حق مہر نہ ادا کریں ان دونوں قسم کے لوگوں کو اس آیت کریمہ میں اپنی زیر پرورش لڑکیوں سے نکاح کرنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ ② اس روایت کے آخر میں جو بات شک کے ساتھ بیان ہوئی ہے اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری روایت میں یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''یہ اس آدمی کی بابت ہے جو کسی یتیم لڑکی کا سرپرست ہوتا اور وہ لڑکی اس کے ساتھ اس کے مال حتی کہ کھجور کے درخت میں بھی حصہ دار ہوتی، لیکن سرپرست اس سے نکاح میں کوئی رغبت نہ رکھتا حتی کہ یہ بھی پسند نہ کرتا کہ کسی اور کے ساتھ اس کا نکاح کر دے اور اسے اپنے مال میں شریک کر لے، چنانچہ وہ اس لڑکی کو یوں ہی لٹکائے رکھتا۔ اس آیت کریمہ میں اس طرح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔''[1] بہر حال اس حدیث میں ایک ہی قسم کو بیان کیا گیا ہے جبکہ آئندہ حدیث میں اس کی تفصیل ہے۔

٤٥٧٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ:

[4574] حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے،

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4600.

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾ فَقَالَتْ: يَا ابْنَ أُخْتِي! هٰذِهِ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا تُشْرِكُهُ فِي مَالِهِ، وَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا، فَيُرِيدُ وَلِيُّهَا أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ أَنْ يُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا، فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ، فَنُهُوا عَنْ ذٰلِكَ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ وَيَبْلُغُوا لَهُنَّ أَعْلٰى سُنَّتِهِنَّ فِي الصَّدَاقِ، فَأُمِرُوا أَنْ يَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ. قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: وَإِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ [١٢٧]. قَالَتْ عَائِشَةُ: وَقَوْلُ اللهِ تَعَالٰى فِي آيَةٍ أُخْرٰى: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ﴾ [١٢٧] رَغْبَةُ أَحَدِكُمْ عَنْ يَتِيمَتِهِ حِينَ تَكُونُ قَلِيلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ، قَالَتْ: فَنُهُوا أَنْ يَنْكِحُوا عَمَّنْ رَغِبُوا فِي مَالِهِ وَجَمَالِهِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ إِلَّا بِالْقِسْطِ مِنْ أَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ إِذَا كُنَّ قَلِيلَاتِ الْمَالِ وَالْجَمَالِ. [راجع: ٢٤٩٤]

انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب دریافت کیا: ''اور اگر تمھیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے متعلق انصاف نہ کر سکو گے'' ام المومنین حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اے میرے بھانجے! اس سے مراد وہ یتیم لڑکی ہے جو اپنے سرپرست کی زیر کفالت ہوتی اور وہ اس کے مال میں شریک بھی ہوتی۔ پھر اس سرپرست کو اس کا مال و جمال پسند آ جاتا تو اس سے نکاح کر لیتا لیکن حق مہر دینے کی بابت اس کی نیت بدلی ہوتی، یعنی وہ اسے اتنا حق مہر نہ دیتا جو اسے دوسرے مرد سے مل سکتا تھا۔ اس آیت میں اس امر سے منع کیا گیا ہے کہ ایسی لڑکیوں سے مہر کے معاملے میں انصاف کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔ اور اگر سرپرست اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اسے پورا پورا حق مہر ادا کرے جو دوسروں سے زیادہ سے زیادہ اسے مل سکتا ہے۔ اور یہ حکم دیا گیا کہ تم ان لڑکیوں کے علاوہ جو عورتیں تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو۔ حضرت عروہ نے کہا کہ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے پھر رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں فتویٰ طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور وہ آپ سے عورتوں کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں۔'' حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا جو فرمان ہے: ''جن کے ساتھ نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو یا لالچ کی وجہ سے خود ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے ہو'' اس سے مراد یہی ہے کہ اگر کسی کو اپنی زیر پرورش یتیم لڑکی سے نکاح کرنے میں دلچسپی نہیں جو مال اور جمال میں کم ہے تو مال و جمال والی لڑکی سے بھی نکاح نہ کرو جس کے ساتھ تمھیں نکاح میں رغبت ہے مگر اس صورت میں کہ انصاف کے ساتھ اسے پورا پورا حق مہر ادا کرو۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے درج ذیل آیت: ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ﴾ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ حالانکہ یہ دونوں ارشاد الٰہی ایک ہی آیت کا حصہ ہیں۔ دراصل امام بخاری ؒ کی روایت میں اختصار ہے جبکہ امام مسلم ؒ نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے ﴿وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ کو ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ﴾ کے اعتبار سے نہیں بلکہ سورۂ نساء کی ابتدائی آیت ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى﴾ کے اعتبار سے دوسری آیت کہا ہے۔[1] ② بہر حال اس آیت کریمہ میں یتیم لڑکیوں کے سرپرستوں کو دونوں قسم کی ناانصافیوں سے روکا گیا ہے کہ عورت، خواہ کم حسن و جمال اور کم مال والی ہو یا مالدار اور حسن و جمال والی ہو دونوں صورتوں میں اگر تم حقوق کی ادائیگی کر سکتے ہو تو خود نکاح کر لو ورنہ ان کا دوسروں سے نکاح کر دو۔ تم درمیان میں رکاوٹ نہ بنو۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرپرست جس عورت کی کفالت کرتا ہو وہ خود بھی اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

(٢) بَابٌ: ﴿وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَٰلَهُمْ فَأَشْهِدُوا۟ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ حَسِيبًا﴾ [٦]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ :) ”اور جو فقیر ہو وہ دستور کے مطابق کھائے، پھر جب تم یتیموں کا مال انھیں واپس کرو تو ان پر گواہ بنا لیا کرو اور حساب لینے کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے“ کا بیان

﴿وَبِدَارًا﴾ [٦]: مُبَادَرَةً. ﴿أَعْتَدْنَا﴾ [١٨]: أَعْدَدْنَا، أَفْعَلْنَا مِنَ الْعَتَادِ.

بِدَارًا کے معنی ہیں: مُبَادَرَةً، یعنی جلدی کرنا۔ أَعْتَدْنَا اور أَعْدَدْنَا ایک ہی معنی میں ہیں۔ یہ عَتَاد سے باب افعال کے وزن پر ہے اور عتاد کے معنی تیار کرنا ہیں۔

وضاحت: ابوعبیدہ آیت کریمہ ﴿وَلَا تَأْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اِسْرَاف کے معنی فضول خرچی اور بِدَارًا کے معنی جلدی جلدی خرچ کرنا ہیں تاکہ وہ بڑے ہو کر اس پر قابض نہ ہو جائیں۔[2] پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: ”یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح (کے قابل عمر) کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں اہلیت معلوم کرو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ ضرورت سے زیادہ اور موزوں وقت سے پہلے اس ارادے سے ان کا مال نہ کھاؤ کہ وہ بڑے ہو کر اس کا مطالبہ کریں گے۔ اور جو سرپرست کھاتا پیتا ہو اسے چاہیے کہ یتیم کے مال سے کچھ نہ لے اور جو محتاج ہو وہ اپنا حق الخدمت دستور کے مطابق کھا سکتا ہے، پھر تم جب یتیموں کا مال انھیں واپس کرو تو ان پر گواہ بنا لیا کرو اور حساب لینے کے لیے اللہ ہی کافی ہے۔“[3] اس آیت کریمہ میں دو ایسی باتوں کا ذکر ہوا ہے جن سے یتیم کو نقصان پہنچ سکتا ہے: ایک یہ کہ ضرورت سے زیادہ مال خرچ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ ضرورت کے وقت یا ضرورت پیش آنے سے پہلے ہی خرچ کیا جائے تاکہ وہ بڑے ہو کر اس کا

1 صحیح مسلم، التفسیر، حدیث: 7528 (3018). 2 فتح الباري: 304/8. 3 النسآء 4:6.

مطالبہ نہ کرنے لگیں۔ یہ سب بددیانتی کی راہیں ہیں جن سے یتیم کا نقصان ہوسکتا ہے، لہٰذا ایسی ہر صورت سے منع کیا جارہا ہے۔

٤٥٧٥ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي مَالِ الْيَتِيمِ إِذَا كَانَ فَقِيرًا: أَنَّهُ يَأْكُلُ مِنْهُ مَكَانَ قِيَامِهِ عَلَيْهِ بِمَعْرُوفٍ. [راجع: ٢٢١٢]

[4575] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے متعلق فرماتی ہیں: ''اور جو سرپرست خوشحال ہو وہ خود کو بچائے رکھے اور جو تنگ دست ہو وہ دستور کے مطابق کھائے۔'' یہ آیت مال یتیم کے متعلق نازل ہوئی، یعنی اگر سرپرست نادار ہے تو یتیم کی پرورش کے عوض اس کے مال سے دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس روایت میں ہے کہ یہ آیت کریمہ یتیم کے سرپرست کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یتیم کی دیکھ بھال اور اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے کہ اگر وہ نادار ہے تو دستور کے مطابق بطور حق الخدمت اس کے مال سے کھا سکتا ہے۔[1] ② حضرت عائشہ ؓ کی بیان کردہ اس تفسیر کی تائید میں ایک مرفوع روایت بھی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! ایک یتیم میری کفالت میں ہے اور اس کے پاس مال بھی ہے جبکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں، کیا میں اس کے مال سے کچھ کھا سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، دستور کے مطابق تو کھا سکتا ہے۔''[2] ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''تو اپنے یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے لیکن اسراف اور فضول خرچی نہ ہو، نہ جلدی کرنے والا اور نہ تو اس کے مال سے کوئی جمع پونجی بنانے والا ہی ہو۔''[3] ③ وہ دستور کیا ہے جس کے مطابق ایک نادار شخص اپنے زیر کفالت یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے؟ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: وہ اپنی انگلیوں کے پوروں سے لے لے، یعنی بہت کم خرچ کرے۔[4] ایک روایت میں ہے: وہ یتیم کے مال سے صرف اس قدر کھائے جس سے اس کی بھوک دور ہو جائے اور اس قدر پہنے جس سے اس کی ستر پوشی ہو جائے۔[5]

(٣) بَابٌ: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ﴾ [٨] الْآيَةَ

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جب ترکہ کی تقسیم کے موقع پر قرابت دار، یتیم اور مساکین حاضر (موجود) ہوں'' کا بیان

٤٥٧٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حُمَيْدٍ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ

[4576] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ

---

① صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2212. ② تفسير ابن أبي حاتم، سورة النساء، آيت: 6، رقم: 2824. ③ سنن أبي داود، الوصايا، حديث: 2872. ④ تفسير جامع البيان في تأويل القرآن: 586/7، رقم: 8621. ⑤ تفسير جامع البيان في تأويل القرآن: 587/7، رقم: 8630، وفتح الباري: 304/8.

اللهِ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: ﴿وَإِذَا حَضَرَ ٱلْقِسْمَةَ أُوْلُواْ ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَـٰمَىٰ وَٱلْمَسَـٰكِينُ﴾ قَالَ: هِيَ مُحْكَمَةٌ وَلَيْسَتْ بِمَنْسُوخَةٍ.

درج ذیل آیت کریمہ کے متعلق فرماتے ہیں: ''اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت قرابت دار، یتیم اور مساکین موجود ہوں......'' یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔

تَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.
[راجع: ٢٧٥٩]

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت کرنے میں سعید بن جبیر نے حضرت عکرمہ کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① مطلب یہ ہے کہ اگر تقسیم ترکہ کے وقت کچھ محتاج، یتیم اور فقیر قسم کے لوگ آ جائیں یا دور کے رشتے دار وہاں موجود ہوں تو از راہ احسان انھیں بھی کچھ نہ کچھ دیا جائے۔ تنگ دلی یا تنگ ظرفی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو کم از کم نرم لب و لہجے سے انھیں جواب دو، ان سے سختی کے ساتھ بات نہ کرو۔ ② بعض اہل علم کا موقف ہے کہ یہ آیت، قانون وراثت پر مشتمل آیت سے منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ آیت میراث میں سب حقدار ورثاء کے حصے متعین ہو چکے ہیں، لیکن درج ذیل دو صورتوں میں اس آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی: * آیت میں مذکورہ رشتے داروں سے مراد عصبہ ہیں، چنانچہ حضرت ابن عباس ؓ سے ایک روایت ہے، آپ نے فرمایا: ''کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے، اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہے بلکہ لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں سستی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آیت میں مذکورہ رشتے داروں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ (عصبہ) جو وارث بن سکتا ہے اسے تو کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہیے اور دوسرا وہ (عصبہ) جو وارث نہیں بنتا، اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنی چاہیے اور کہا جائے کہ ہمارے پاس تمھیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔[1] * یہ حکم مورث کے لیے ہے کہ جب وہ وفات سے پہلے وصیت کرے تو عصبہ رشتے داروں، یتیموں اور مساکین کا بھی حصہ رکھے، چنانچہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے حضرت عائشہ ؓ کی زندگی میں جب اپنے باپ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ؓ کی وراثت تقسیم کی تو گھر میں موجود ہر رشتے دار اور مساکین کو اپنے باپ کی جائیداد سے حصہ دیا اور مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت قاسم نے حضرت ابن عباس ؓ سے اس واقعے کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے درست کام نہیں کیا کیونکہ یہ کام اس کے کرنے کا نہیں بلکہ یہ تو وصیت کرنے والے کی ذمے داری تھی۔[2] ③ واضح رہے کہ ترکے میں سے دور کے رشتے داروں، یتیموں اور مساکین کو تھوڑا بہت دینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ اگر یہ حکم وجوب کے لیے ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بھی ترکہ کے حق دار اور میراث میں شریک ہیں جبکہ ان کا حصہ متعین نہیں ہے۔ یہ چیز اختلاف، انتشار اور جھگڑے کا باعث بن سکتی ہے۔

1 صحيح البخاري، الوصايا، حديث: 2759، وفتح الباري: 305/8. 2 السنن الكبرٰى للبيهقي: 267/6، وفتح الباري: 306/8.

(٤) بَابٌ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِىٓ أَوْلَـٰدِكُمْ﴾ [١١]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ تاکیدی حکم دیتا ہے“ کا بیان

٤٥٧٧ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: عَادَنِي النَّبِيُّ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ فِي بَنِي سَلِمَةَ مَاشِيَيْنِ فَوَجَدَنِي النَّبِيُّ ﷺ لَا أَعْقِلُ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ، ثُمَّ رَشَّ عَلَيَّ فَأَفَقْتُ، فَقُلْتُ: مَا تَأْمُرُنِي أَنْ أَصْنَعَ فِي مَالِي يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَنَزَلَتْ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِىٓ أَوْلَـٰدِكُمْ﴾. [راجع: ١٩٤]

[4577] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیدل چل کر بنوسلمہ میں آئے اور میری تیمارداری کی۔ میں اس وقت بے ہوش تھا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، اس سے وضو کیا، پھر آپ نے وہ پانی مجھ پر چھڑک دیا۔ مجھے ہوش آئی تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ میرے مال کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ”اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کی بابت وصیت کرتا ہے۔“

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جبکہ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی، اپنی دو بیٹیوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ آپ کے ہمراہ جنگ اُحد میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ہیں، اب ان کا چچا ترکے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس کے متعلق ضرور فیصلہ کرے گا۔“ تب یہ آیت نازل ہوئی۔[1] ان دونوں روایات میں تطبیق کی یہ صورت ممکن ہے کہ مذکورہ آیت دونوں واقعات سے متعلق ہے۔ اس کا پہلا حصہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ جس میں کلالہ کی وراثت کا ذکر ہے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کلالہ تھے اور آیت کلالہ ﴿وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَـٰلَةً﴾ ہے جو آیت میراث کے آخر میں ہے۔[2] واللّٰہ أعلم.

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَٰجُكُمْ﴾ [١٢]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ”تمھاری بیویوں کے ترکے میں سے نصف حصہ تمھارا ہے“ کی تفسیر

وضاحت: خاوند کو بیوی کے ترکے سے نصف اس صورت میں ملتا ہے جب بیوی (میت) کی اولاد نہ ہو اور اگر اولاد ہو تو خاوند کو $\frac{1}{4}$ ملتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں اس کی صراحت ہے۔

---

1 جامع الترمذي، الفرائض، حديث: 2092. 2 فتح الباري: 308/8.

٤٥٧٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ وَرْقَاءَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ، فَنَسَخَ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ مَا أَحَبَّ، فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، وَجَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسَ وَالثُّلُثَ، وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ، وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ. [راجع: ٢٧٤٧]

[4578] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: (ابتداءً) میت کا سارا مال اولاد کو ملتا تھا اور والدین کو وہی کچھ ملتا جو مرنے والا ان کے لیے وصیت کر جاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی صوابدید کے مطابق اس میں ترمیم کر دی، چنانچہ (اللہ تعالیٰ نے) مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر مقرر فرمایا اور والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا اور تہائی حصہ مقرر فرمایا اور اسی طرح بیوی کے لیے آٹھواں اور چوتھا، نیز خاوند کے لیے آدھا اور چوتھا حصہ طے کر دیا۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں دور جاہلیت اور ابتدائے اسلام والی تقسیم میراث کی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آیت میراث نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا ہم چھوٹی لڑکی کو نصف میراث دے دیا کریں جبکہ نہ تو وہ گھوڑے پر سواری کر سکتی ہے اور نہ اس سے دشمن کا دفاع ہی ممکن ہے؟ بہرحال دور جاہلیت کا یہی دستور تھا کہ میراث صرف اسے دی جاتی جو میدان کارزار میں جنگجو ہوتا۔[1] ② اس میں نہایت اختصار کے ساتھ ورثاء کے حصے بیان کیے گئے ہیں کیونکہ والد کو ایک تہائی کسی صورت میں نہیں دیا جاتا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک حالت میں والدین کو چھٹا چھٹا حصہ جبکہ میت کی اولاد ہو، اور ایک حالت میں ماں کو ایک تہائی ملتا ہے جب مرنے والے کی اولاد نہ ہو، اسی طرح بیوی کو آٹھواں حصہ اس صورت میں دیا جاتا ہے جب مرنے والے خاوند کی اولاد ہو، اگر اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ دیا جاتا ہے اور خاوند کو نصف، میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ملتا ہے اور اگر میت کی اولاد ہو تو خاوند کو چوتھا حصہ ملتا ہے۔ تفصیل کے لیے کتاب الفرائض کا مطالعہ کیا جائے۔

(٦) بَابُ: ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ﴾ [١٩] الْآيَةَ.

باب: 6- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''(اے ایمان والو!) تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی (بیوہ) عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور انھیں اس نیت سے مت روکو کہ جو مال تم انھیں دے چکے ہو اس کا کچھ اڑا لو'' کا بیان

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ﴾: لَا تَقْهَرُوهُنَّ. ﴿حُوبًا﴾ [٢]: إِثْمًا. ﴿تَعُولُوا﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ کے معنی ہیں: لَا تَقْهَرُوْهُنَّ، یعنی ان پر جبر نہ کرو۔ حُوْبًا

[1] تفسير جامع البيان في تأويل القرآن، تفسیر سورۃ النساء، آیت: 11، و فتح الباري: 308/8.

[٣]: تَمِيلُوا. ﴿نِحْلَةً﴾ [٤]: فَالنِّحْلَةُ: الْمَهْرُ.

کے معنی گناہ اور تَعُولُوا کے معنی ہیں: تَمِيلُوا، یعنی تم مائل ہو جاؤ۔ نِحْلَةً سے مراد حق مہر ہے۔

وضاحت: یہ حکم عام ہے، صرف ان سوتیلی ماؤں کے ساتھ خاص نہیں جو باپ کے نکاح میں ہوتی ہیں۔ بلکہ جنھیں طلاق ہو چکی ہو وہ بھی اس میں شامل ہیں۔ صرف مال ہتھیانے کے لیے عورتوں کو گھروں میں قید کیے رکھنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ دور جاہلیت میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ آدمی اپنی بیوی سے حسن معاشرت نہ کرتا جبکہ اس کی بیوی کا اس کے ذمے حق مہر بھی ہوتا، اب وہ اسے تکلیف دینے کی نیت سے گھر میں روکے رکھتا تاکہ وہ حق مہر چھوڑ کر اس سے خلع لے لے، ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ واللہ أعلم.

٤٥٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، - قَالَ الشَّيْبَانِيُّ: وَذَكَرَهُ أَبُو الْحَسَنِ السُّوَائِيُّ، وَلَا أَظُنُّهُ ذَكَرَهُ إِلَّا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ -: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا۟ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ﴾ قَالَ: كَانُوا إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ، إِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ تَزَوَّجَهَا وَإِنْ شَاؤُوا زَوَّجُوهَا، وَإِنْ شَاؤُوا لَمْ يُزَوِّجُوهَا، وَهُمْ أَحَقُّ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ. [انظر: ٦٩٤٨]

[4579] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ درج ذیل آیت کے متعلق فرماتے ہیں: ”اے ایمان والو! تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو اور نہ اس غرض ہی سے انھیں قید رکھو کہ جو کچھ تم انھیں دے چکے ہو اس کا کچھ مار لے جاؤ۔“ دور جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی آدمی مر جاتا تو اس کے رشتہ دار اس کی بیوی کے حق دار خیال کیے جاتے۔ ان میں سے کوئی چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا، یا اپنی مرضی کے مطابق کسی دوسری جگہ اس کا نکاح کر دیتا، چاہتے تو بغیر شادی کے اسے پڑا رہنے دیتے، یعنی عورت کے گھر والوں کی نسبت میت کے رشتے دار اس کے زیادہ حق دار خیال کیے جاتے تھے۔ اس زیادتی کے تدارک کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں اس کی مزید تفصیل ہے کہ جب کوئی آدمی مر جاتا تو اس کے رشتے دار بیوہ پر کپڑا ڈال دیتے اور اس کے عزیز و اقارب کو اس کے پاس نہ آنے دیتے۔ اگر وہ خوبصورت ہوتی تو اس سے خود نکاح کر لیتے اور اگر بدصورت ہوتی تو اسے روکے رکھتے حتی کہ مر جاتی تو اس کے مال ومتاع کے وارث بن جاتے۔[1] ② یہ آیت کریمہ حضرت کبشہ بنت معن کے متعلق نازل ہوئی اور وہ ابوقیس بن اسلت کے نکاح میں تھی۔ جب اس کا خاوند ابوقیس فوت ہوا تو اس کے بیٹے نے کبشہ سے نکاح کرنا چاہا، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! نہ تو میں نے اپنے خاوند سے کچھ وراثت پائی ہے اور نہ مجھے آزاد ہی کیا جاتا ہے کہ میں آگے نکاح کر لوں۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

1 تفسير الطبري، سورة النساء، آيت: 19. 2 فتح الباري: 311/8.

③ بہر حال عورت ترکے کا مال تصور ہوتی تھی اور اس کا وارث اس کا سوتیلا بیٹا یا میت کا بھائی ہوتا تھا۔ اس پر خاوند کے وارثوں کا اختیار ہوتا، عورتوں کے وارثوں کا کچھ اختیار نہ ہوتا، چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد عورتوں کو پوری پوری عزت ملی اور انھیں پورے آزادانہ حقوق دیے گئے۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابٌ: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ [٣٣]

باب: 7- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جو کچھ ترکہ والدین یا قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں ہم نے اس کے وارث مقرر کر دیے ہیں۔ اور وہ لوگ جن سے تم نے عقد (موالات) باندھ رکھا ہے انھیں بھی ان کا حصہ ادا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے'' کا بیان

وَقَالَ مَعْمَرٌ: ﴿مَوَالِيَ﴾: أَوْلِيَاءَ وَرَثَةً. ﴿عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾. هُوَ مَوْلَى الْيَمِينِ: وَهُوَ الْحَلِيفُ. وَالْمَوْلَى أَيْضًا: اِبْنُ الْعَمِّ، وَالْمَوْلَى: اَلْمُنْعِمُ الْمُعْتِقُ، وَالْمَوْلَى: الْمُعْتَقُ، وَالْمَوْلَى: اَلْمَلِيكُ، وَالْمَوْلَى: مَوْلًى فِي الدِّينِ.

حضرت معمر کہتے ہیں: مَوَالِيَ سے مراد وارث بننے والے رشتہ دار ہیں۔ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں قسم اٹھا کر تعلق دار بنا لیا گیا ہو، یعنی حلیف، نیز مَوْلیٰ کے معنی چچا زاد بھائی بھی ہیں۔ آزادی دے کر احسان کرنے والے، آزاد ہونے والے، غلام، بادشاہ اور دین میں رہنمائی کرنے والے کو بھی مَوْلیٰ کہتے ہیں۔

وضاحت: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مَوْلِيَ کے مزید معنی بھی کیے ہیں، یعنی محبت کرنے والا، پڑوسی، مددگار، پیروکار، معاہد، دوست، اچھا بدلہ دینے والا، چچا، بھتیجا، شریک، محفل کا ساتھی اور قرآن کریم پڑھانے والے کو بھی مولی کہا جاتا ہے۔[1]

٤٥٨٠ - حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ إِدْرِيسَ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ قَالَ: وَرَثَةً ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾: كَانَ الْمُهَاجِرُونَ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَرِثُ الْمُهَاجِرِيُّ الْأَنْصَارِيَّ دُونَ ذَوِي رَحِمِهِ، لِلْأُخُوَّةِ الَّتِي آخَى النَّبِيُّ ﷺ

[4580] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ میں مَوَالِيَ سے مراد وارث ہیں۔ اور وَالَّذِينَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ سے مراد یہ ہے کہ جب مہاجرین، ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو اس بھائی چارے کی وجہ سے جو نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان کرایا تھا، قرابت داروں کے علاوہ انصار کے وارث مہاجرین بھی ہوتے تھے۔ پھر جب یہ آیت وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

1 فتح الباري: 312/8.

بَيْنَهُمْ، فَلَمَّا نَزَلَتْ: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ نُسِخَتْ، ثُمَّ قَالَ: ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ مِنَ النَّصْرِ وَالرِّفَادَةِ وَالنَّصِيحَةِ، وَقَدْ ذَهَبَ الْمِيرَاثُ وَيُوصِي لَهُ.

مَوَالِيَ نازل ہوئی تو یہ دستور منسوخ ہو گیا۔ پھر بیان کیا کہ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمٰنُکُمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے مدد و معاونت اور خیرخواہی کا معاہدہ ہوا ہو۔ اب ان کے لیے میراث کا حکم تو منسوخ ہو گیا، البتہ ان کی خاطر وصیت کی جا سکتی ہے۔

سَمِعَ أَبُو أُسَامَةَ إِدْرِيسَ، وَسَمِعَ إِدْرِيسُ طَلْحَةَ. [راجع: ٢٢٩٢]

(اس روایت کے راوی) ابو اسامہ کا ادریس سے اور ادریس کا طلحہ سے سماع ثابت ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمٰنُکُمْ﴾ سے مراد صرف وہی لوگ لیے ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے مؤاخات کروائی تھی جبکہ ان کے علاوہ دیگر مفسرین نے اسے عام قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ طبری کی ایک روایت میں ہے: ایک آدمی دوسرے آدمی کا حلیف بن جاتا اگرچہ ان دونوں کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہیں ہوتا تھا، تاہم اس حلف و معاہدے کی بدولت دونوں ایک دوسرے کے وارث بن جاتے تھے۔[1] ② عقد حلف یہ ہے کہ کوئی مجہول النسب دوسرے سے کہے کہ تو میرا مولیٰ ہے، میں مر جاؤں تو تو میرا وارث ہو گا اور میں کوئی خیانت کروں تو تجھے میری طرف سے دیت ادا کرنی ہو گی اور دوسرا بھی اسی طرح کہے تو دونوں ایک دوسرے کے وارث بن جائیں گے اور دونوں پر ایک دوسرے کی دیت ادا کرنا لازم ہو گی۔ یہ عقد حلف ابتدائے اسلام میں تھا، اب منسوخ ہے۔

(٨) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [٤٠]

باب: 8- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا'' کی تفسیر

يَعْنِي زِنَةَ ذَرَّةٍ.

مِثْقَالَ سے مراد وزن ہے، یعنی ذَرَّۃ کے وزن جتنا بھی ظلم نہیں کرے گا۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اللہ تعالیٰ تو کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، اگر کسی نے کوئی نیکی کی ہو گی تو اللہ تعالیٰ اسے دوگنا چوگنا کر دے گا اور اپنے ہاں سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔''[2] ذرے کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔ اس سے مراد وہ ذرے ہیں جو سورج کی شعاؤں میں اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔[3]

٤٥٨١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: أَخْبَرَنَا أَبُو عُمَرَ حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ،

[4581] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض

---

[1] تفسیر الطبري، تفسیر سورة النساء، تحت آیت: 33، وفتح الباري: 313/8. [2] النسآء 4:40. [3] عمدة القاري: 529/12.

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ: أَنَّ أُنَاسًا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «نَعَمْ، هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِيرَةِ، ضَوْءٌ لَيْسَ فِيهَا سَحَابٌ؟» قَالُوا: لَا، قَالَ: «وَهَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، ضَوْءٌ لَيْسَ فِيهَا سَحَابٌ؟» قَالُوا: لَا، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا كَمَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا، إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ: تَتْبَعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ، فَلَا يَبْقٰى مَنْ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللهِ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ إِلَّا يَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ بَرٌّ أَوْ فَاجِرٌ وَّغُبَّرَاتُ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَيُدْعَى الْيَهُودُ، فَيُقَالُ لَهُمْ: مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟ قَالُوا: كُنَّا نَعْبُدُ عُزَيْرًا ابْنَ اللهِ، فَيُقَالُ لَهُمْ: كَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَّلَا وَلَدٍ، فَمَاذَا تَبْغُونَ؟ فَقَالُوا: عَطِشْنَا رَبَّنَا فَاسْقِنَا، فَيُشَارُ أَلَا تَرِدُونَ! فَيُحْشَرُونَ إِلَى النَّارِ كَأَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ، ثُمَّ يُدْعَى النَّصَارٰى فَيُقَالُ لَهُمْ: مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟ قَالُوا: كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيحَ ابْنَ اللهِ، فَيُقَالُ لَهُمْ: كَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللهُ مِنْ صَاحِبَةٍ، فَيُقَالُ لَهُمْ: مَاذَا تَبْغُونَ؟ فَكَذٰلِكَ مِثْلَ الْأَوَّلِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ مِنْ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ، أَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فِي أَدْنٰى صُورَةٍ مِنَ الَّتِي رَأَوْهُ

کی: اللہ کے رسول! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔ کیا تمھیں دوپہر کے وقت آفتاب دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے جبکہ وہ خوب روشن ہو اور درمیان میں کوئی بادل بھی حائل نہ ہو؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تمھیں چودھویں کا چاند دیکھنے میں کوئی دشواری آتی ہے جبکہ وہ چاندنی بکھیر رہا ہو اور اس میں کوئی بادل بھی رکاوٹ نہ ہو؟'' صحابہ نے عرض کی: نہیں۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ رب العزت کو دیکھنے میں اتنی ہی دقت ہو سکتی ہے جتنی سورج یا چاند کو دیکھنے میں ہو سکتی ہے۔ (یعنی بالکل دشواری نہیں ہوگی۔) جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا پکارے گا کہ ہر گروہ اس کے پیچھے ہو جائے جس کی وہ عبادت کرتا تھا، چنانچہ اللہ کے سوا بتوں اور پتھروں کی عبادت کرنے والوں میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا۔ سب دوزخ میں گر پڑیں گے۔ صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور ان میں اچھے برے سب طرح کے مسلمان اور اہل کتاب کے کچھ باقی ماندہ لوگ ہوں گے۔ (سب سے پہلے) یہودیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: وہ کون ہے جس کی تم عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے جو اللہ کا بیٹا ہے۔ تب ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی بیوی اور بیٹا نہیں بنایا۔ اچھا اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم پیاسے ہیں ہمیں پانی پلا، چنانچہ انھیں ایک سراب کی طرف اشارہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا: وہاں جاؤ۔ درحقیقت وہ پانی نہیں بلکہ جہنم ہوگا جس کا ایک حصہ دوسرے کو چکنا چور کر رہا ہوگا۔ وہ بے تاب ہو کر اس کی

فِيهَا، فَيُقَالُ: مَاذَا تَنْتَظِرُونَ؟ تَتْبَعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ، قَالُوا: فَارَقْنَا النَّاسَ فِي الدُّنْيَا عَلٰى أَفْقَرِ مَا كُنَّا إِلَيْهِمْ، وَلَمْ نُصَاحِبْهُمْ، وَنَحْنُ نَنْتَظِرُ رَبَّنَا الَّذِي كُنَّا نَعْبُدُ، فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: لَا نُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا»، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا. [راجع: ٢٢]

طرف دوڑ پڑیں گے اور آگ میں کود جائیں گے۔ ان کے بعد عیسائیوں کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو، بھلا اللہ کے لیے بیوی (اور اولاد) کہاں سے آئی؟ پھر ان سے کہا جائے گا: اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ بھی ایسا ہی کہیں گے جیسا یہودیوں نے کہا تھا۔ (اور وہ بھی دوزخ میں جا گریں گے۔) اب وہی لوگ رہ جائیں گے جو خالص اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں اچھے برے ہر طرح کے لوگ ہوں گے۔ (اس وقت) ان کے پاس اللہ تعالیٰ ایک صورت میں جلوہ گر ہوگا جو اس پہلی صورت سے ملتی جلتی ہوگی جسے وہ دیکھ چکے ہوں گے۔ ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم کس کے انتظار میں کھڑے ہو؟ ہر امت تو اپنے معبود کے ساتھ چلی گئی ہے۔ وہ عرض کریں گے: ہمیں دنیا میں جہاں لوگوں کی زیادہ ضرورت تھی، اس وقت تو ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا تو اس وقت کیوں دیں؟ بلکہ ہم تو اپنے سچے پروردگار کا انتظار کر رہے ہیں جس کی ہم دنیا میں عبادت کرتے تھے۔ اس وقت پروردگار فرمائے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ پھر سب دو یا تین بار یوں کہیں گے: ''ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والے نہیں ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمھارے پاس کوئی نشانی ہے جس کے ذریعے سے تم اپنے پروردگار کو پہچان لو؟ وہ عرض کریں گے: پنڈلی بطور نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی ظاہر کرے گا تو ہر مومن سجدہ ریز ہو جائے گا اور جو دنیا میں ریاکاری اور شہرت کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ باقی رہ جائیں گے۔ وہ سجدے کے لیے جھکیں گے تو ان کی کمر ایک تختے کی طرح بن جائے گی، پھر جہنم پر پل رکھ دیا جائے گا...... پھر اللہ تعالیٰ نجات یافتہ لوگوں سے فرمائے گا: جاؤ، جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان پاؤ اسے جہنم سے نکال لاؤ، چنانچہ وہ جسے پہچانیں گے نکال لائیں گے۔ راویٔ حدیث حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ اگر تمھیں میری بات پر یقین نہیں تو اللہ تعالیٰ کا فرمان پڑھ لو: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ

تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا﴾[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت سے عنوان ثابت کیا ہے اور پیش کردہ روایت سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(٩) بَابٌ: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ [٤١]

باب:9- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اس وقت کیا حالت ہوگی، جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپ کو بطور گواہ پیش کریں گے'' کا بیان

اَلْمُخْتَالُ وَالْخَتَّالُ وَاحِدٌ. ﴿نَّطْمِسَ وُجُوهًا﴾ [٤٧]: نُسَوِّيهَا حَتَّى تَعُودَ كَأَقْفَائِهِمْ، طَمَسَ الْكِتَابَ: مَحَاهُ. ﴿بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا﴾ [٥٥]: وَقُودًا.

مُخْتَال اور خَتَّال دونوں ہم معنی ہیں، یعنی مغرور۔ نَطْمِسَ وُجُوْهًا کے معنی ہیں کہ ہم ان کے چہروں کو بالکل برابر کردیں گے حتی کہ وہ گدی کی مانند ہو جائیں گے جیسا کہ طَمَسَ الْكِتَابَ کے معنی ہیں: اس نے لکھا ہوا مٹا دیا۔ سَعِيْرًا کے معنی ہیں: ایندھن۔

وضاحت: ﴿نَطْمِسَ وُجُوْهًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت قتادہ فرماتے ہیں: ہونٹ، آنکھیں اور ابرو وغیرہ کو ختم کر دیا جائے گا جس سے چہرے گدی کی مانند ہو جائیں گے۔[2]

٤٥٨٢ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ - قَالَ يَحْيَى: بَعْضُ الْحَدِيثِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ - قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِقْرَأْ عَلَيَّ»، قُلْتُ: آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: «فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي»، فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى بَلَغْتُ: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ قَالَ: «أَمْسِكْ»، فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ. [انظر: ٥٠٤٩، ٥٠٥٠، ٥٠٥٥، ٥٠٥٦]

[4582] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔'' میں نے عرض کی: بھلا میں آپ کو کیا سناؤں، خود آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے دوسروں سے سننا اچھا لگتا ہے۔'' چنانچہ میں نے سورۂ نساء پڑھنا شروع کر دی حتی کہ میں اس آیت پر پہنچا: ''بھلا اس دن کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے، پھر آپ کو ان لوگوں پر بحیثیت گواہ کھڑا کریں گے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس رک جاؤ۔'' میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

1 النسآء 40:4، و صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7439. 2 عمدة القاري: 533/12.

فوائد ومسائل: ① محدثین نے رسول اللہ ﷺ کے رونے کے تین اسباب بیان کیے ہیں: * چونکہ رسول اللہ ﷺ کو شہادت دینا ہوگی اور آپ کی شہادت پر ہی فیصلہ ہوگا، آپ شافع بھی ہوں گے تو آپ اپنی امت کے گناہ گاروں کو یاد کر کے رو دیے۔ * ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت پر انتہائی خوشی کی وجہ سے دوسرے اللہ تعالیٰ کی اس عطا پر انتہائی شکر گزاری کے طور پر آنسو بہہ پڑے۔ * اس دن کی ہولناکی کے تصور سے رو پڑے جس کا اس آیت کریمہ میں تذکرہ ہے، یعنی اس دن حضرات انبیاء ﷺ اپنی امتوں کے حق میں یا ان کے خلاف بطور گواہ پیش ہوں گے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسروں سے قرآن سننا تدبر کا زیادہ باعث ہے جبکہ خود پڑھنے سے اس قدر غور وفکر نہیں ہوتا۔ اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

(١٠) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ ٱلْغَآئِطِ﴾ [٤٣]

باب: 10- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت سے (فارغ ہو کر) آیا ہو......“ کا بیان

﴿صَعِيدًا﴾ [٤٣]: وَجْهَ الْأَرْضِ. وَقَالَ جَابِرٌ: كَانَتِ الطَّوَاغِيتُ الَّتِي يَتَحَاكَمُونَ إِلَيْهَا: فِي جُهَيْنَةَ وَاحِدٌ، وَفِي أَسْلَمَ وَاحِدٌ، وَفِي كُلِّ حَيٍّ وَاحِدٌ، كُهَّانٌ يَنْزِلُ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ، وَقَالَ عُمَرُ: الْجِبْتُ: السِّحْرُ، ﴿وَٱلطَّٰغُوتِ﴾ [٥١، ٦٠]: الشَّيْطَانُ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ: (الْجِبْتُ) - بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ -: شَيْطَانٌ. ﴿وَٱلطَّٰغُوتِ﴾: الْكَاهِنُ.

صَعِيْدًا سے مراد روئے زمین ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طواغیت سے مراد وہ سردار ہیں جن کے پاس لوگ مقدمات لے کر جایا کرتے تھے۔ ایسا ایک سردار قبیلۂ جہینہ میں تھا اور ایک قبیلۂ اسلم میں۔ الغرض ہر قبیلے کا ایک سردار تھا۔ یہی وہ کاہن تھے جن کے پاس شیطان (غیب کی خبریں لے کر) آیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جِبْت سے مراد جادو ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ حضرت عکرمہ کا کہنا ہے کہ جِبْت، حبشی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور طاغوت کاہن کو کہتے ہیں۔

وضاحت: جبت اور طاغوت کی وضاحت میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ جنس ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے، خواہ وہ پتھر ہو یا جن یا انسانی شیطان۔ اس تعریف میں جادوگر اور کاہن بھی آ جاتے ہیں۔ امام طبری نے اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔[1]

٤٥٨٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا

[4583] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک مرتبہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تو نبی ﷺ نے

[1] فتح الباري: 318/8.

قَالَتْ: هَلَكَتْ قِلَادَةٌ لِأَسْمَاءَ فَبَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ فِي طَلَبِهَا رِجَالًا، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسُوا عَلَى وُضُوءٍ، وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَصَلَّوْا وَهُمْ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى، يَعْنِي آيَةَ التَّيَمُّمِ. [راجع: ٣٣٤]

کچھ لوگوں کو اسے تلاش کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اس دوران میں نماز کا وقت ہو گیا۔ لوگ باوضو نہیں تھے اور نہ انھیں پانی ہی مل سکا، چنانچہ انھوں نے وضو کے بغیر ہی نماز پڑھ لی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی۔

فائدہ: قرآن مجید میں آیت تیمم دو مقامات پر ہے ایک تو سورۃ النساء میں ہے جس کا آغاز یوں ہے: ﴿يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَاَنْتُمْ سُكْرٰى ......﴾[1] دوسری سورۃ المائدہ میں ہے جس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے: ﴿يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ ......﴾[2] حدیث میں آیت تیمم سے مراد کون سی آیت ہے۔ امام بخاری ؒ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد سورۂ مائدہ کی آیت ہے کیونکہ سورۂ مائدہ میں آیت تیمم کی تفسیر میں بھی روایت لائے ہیں پھر اس رجحان کی تائید کے لیے ایک دوسری حدیث لائے ہیں جس میں صراحت ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ ......﴾ حافظ ابن حجر ؒ نے بھی امام بخاری ؒ کے اس رجحان کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔[3]

(١١) بَابٌ: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ [٥٩]

باب: 11- (ارشاد باری تعالیٰ): ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بات مانو اور ان لوگوں کا بھی کہا مانو جو تم میں سے صاحب امر ہیں'' کی تفسیر

ذَوِي الْأَمْرِ.

اولی الامر کا مطلب صاحب اقتدار ہیں۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی پیروی کرو اور ان حاکموں کی بھی جو تم میں سے ہوں، پھر اگر کسی بات میں تمھارے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو، یہی طریقۂ کار بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''[4] أُولی الأمر سے کون لوگ مراد ہیں؟ علامہ عینی ؒ نے گیارہ اقوال ذکر کیے ہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں: اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو معاملات کو چلانے کا ذمہ دار ہو۔ امام بخاری ؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ پیش کردہ حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہوگی۔[5]

٤٥٨٤ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ يَعْلَى بْنِ

[4584] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ درج ذیل آیت کریمہ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ

1 النسآء 4:43. 2 المآئدة 5:6. 3 فتح الباري: 1/260. 4 النسآء 4:59. 5 عمدة القاري: 12/537.

مُسْلِمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ قَالَ: نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللهِ بْنِ حُذَافَةَ ابْنِ قَيْسِ بْنِ عَدِيٍّ، إِذْ بَعَثَهُ النَّبِيُّ ﷺ فِي سَرِيَّةٍ.

اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جبکہ نبی ﷺ نے انھیں ایک مہم پر بطور افسر روانہ کیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس واقعے کی تفصیل امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر بیان کی ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فوجی دستہ روانہ کیا اور ایک آدمی کو ان کا امیر نامزد کیا۔ اس نے راستے میں آگ کا الاؤ تیار کیا اور حکم دیا کہ تم سب اس میں داخل ہو جاؤ۔ ان سب نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کر لیا، البتہ کچھ لوگوں نے کہا: ہم ایسی آگ سے بھاگ کر ادھر آئے ہیں۔ واپسی پر انھوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے ان لوگوں سے فرمایا جو آگ میں داخل ہونے لگے تھے: ''اگر تم اس میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اسی میں رہتے۔'' اور دوسروں سے فرمایا: ''گناہ کے کاموں میں کسی کی بات نہیں مانی جاتی، اطاعت تو بھلے کاموں میں ہوتی ہے۔''[1] ② بہرحال اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی اختلاف کے وقت قرآن وحدیث کا فیصلہ ہی حرف آخر ہوگا جس کے آگے کسی حاکم یا امام کی بات نہیں چلے گی۔ صرف قرآن وحدیث کو مطلق حاکم مانا جائے گا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہ مسئلہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔[2] ③ اس آیت کریمہ میں اسلامی حکومت کی چار بنیادوں کو ذکر کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہیں: * اسلامی نظام حکومت میں اصل مطاع اور مقتدر اعلیٰ عوام یا پارلیمنٹ نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ * اللہ کے احکام کی بجا آوری رسول کے ذریعے سے ہوتی ہے، لہٰذا رسول کی اطاعت اور اس کے احکام کی بجا آوری بھی ضروری ہے۔ * تیسری اطاعت ان مسلمان حکام کی ہے جو کسی ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہوں گے لیکن یہ اطاعت مشروط ہے، یعنی ان کی بات، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو بصورت دیگر ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ * چوتھی بنیاد یہ ہے کہ اگر حاکم اور رعایا کے درمیان کسی معاملے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ایسے معاملے کو کتاب وسنت کی طرف لوٹایا جائے اور اللہ کی شریعت کو ''حکم'' کی حیثیت دی جائے گی۔ اگر ان چار اصولوں میں سے کسی بھی اصول میں کوتاہی ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان مستحکم نہیں۔ واللہ أعلم.

(١٢) بَابٌ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ [٦٥]

باب: 12- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو حکم تسلیم نہ کر لیں'' کی تفسیر

وضاحت: اس آیت کریمہ کا تکملہ یہ ہے: ''پھر آپ جو فیصلہ کریں اس کے متعلق دلوں میں کوئی گھٹن محسوس نہ کریں اور

[1] صحيح البخاري، أخبار الآحاد، حديث: 7257. [2] فتح الباري: 320/8.

اس فیصلے پر پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں۔''[1] اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کتاب وسنت کی موجودگی میں قیاس کرنا حرام ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٥٨٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ فِي شَرِيجٍ مِّنَ الْحَرَّةِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اسْقِ يَا زُبَيْرُ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ». فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ؟ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ: «اسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ»، وَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ ﷺ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِي صَرِيحِ الْحُكْمِ حِينَ أَحْفَظَهُ الْأَنْصَارِيُّ، وَكَانَ أَشَارَ عَلَيْهِمَا بِأَمْرٍ لَهُمَا فِيهِ سَعَةٌ، قَالَ الزُّبَيْرُ: فَمَا أَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَاتِ إِلَّا نَزَلَتْ فِي ذٰلِكَ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾. [راجع: ٢٣٦٠]

[4585] حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے درمیان حرہ میں واقع ایک برساتی نالے کے متعلق جھگڑا ہوا تو نبی ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم (اپنے درختوں کو) پانی پلا لو، پھر اپنے ہمسائے (کے باغ) کی طرف پانی جانے دو۔'' یہ سن کر انصاری کہنے لگا: اللہ کے رسول! اس لیے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے؟ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اے زبیر! تم (اپنے باغ کو) پانی پلاؤ اور جب تک پانی منڈیروں تک نہ پہنچ جائے اپنے ہمسائے کے لیے پانی نہ چھوڑو۔'' جب انصاری نے آپ کو غصہ دلایا تو نبی ﷺ نے اپنے صریح حکم سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا پورا حق دلایا جبکہ آپ کے پہلے حکم میں وسعت اور دونوں کی رعایت ملحوظ تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے خیال کے مطابق یہ آیت کریمہ اسی مقدمہ میں نازل ہوئی: ''(اے محمد ﷺ) تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو حکم تسلیم نہ کریں۔''

فوائد ومسائل: ① مذکورہ قانون صرف منافق کے لیے نہیں بلکہ ساری امت کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ قانون یہ ہے کہ جو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ارشاد، حکم یا فیصلے کو دل و جان سے قبول کر لینے اور اس کے آگے سر تسلیم خم کر دینے پر آمادہ نہیں ہوتا وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور فیصلے کتب حدیث میں موجود ہیں، اب جو شخص ان کے مقابلے میں کسی اور حاکم، عالم، پیر یا امام کی بات کو ترجیح دیتا ہے وہ بھی اسی وعید میں داخل ہوگا۔ یہ آیت کریمہ امت کے تمام اختلافات اور جھگڑوں میں فیصلہ کرنے میں ہمارے لیے رہنما اور کسوٹی ہے۔ مومن کی یہی نشانی ہے کہ جس مسئلے

1 النسآء 4:65.

میں اسے صحیح حدیث مل جائے وہ خوشی خوشی اس پر عمل شروع کر دے۔ ② بظاہر آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دوسرے کسی قانون کو باطل سمجھنے کے باوجود اس کی طرف رجوع کرے گا وہ مسلمان نہیں یا اگر کوئی شرعی فیصلے کو برحق سمجھنے کے باوجود دل میں تنگی محسوس کرتا ہے تو وہ بھی مسلمان نہیں، حالانکہ تنگی پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تحکیم، عدم حرج اور تسلیم کے تین درجے حسب ذیل ہیں: ✱ اعتقاد: اس کا نام ایمان ہے، اگر یہ نہیں تو عنداللہ کفر ہے اور اس کا مرتکب بھی کافر ہے۔ ✱ زبان: اس کا نام اقرار ہے۔ اگر اقرار نہیں تو عندالناس کافر ہے۔ ✱ عمل: اس کا نام تقویٰ اور اصلاح ہے، اگر یہ نہیں تو فسق پایا جائے گا۔ آیت کریمہ میں چونکہ منافقین کا ذکر ہے، اس لیے اس سے مراد پہلا مرتبہ ہے، یعنی اس کے متعلق دل میں ایمان اور اس کی حقانیت کی تصدیق نہ ہو۔ اس سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ③ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جو پہلا حکم دیا تھا وہ صلح و آشتی پر مبنی تھا اور دوسرا حکم جس میں حضرت زبیر کو پورا پورا حق دیا گیا وہ عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق تھا۔ دراصل انصاری نے آپ پر سنگین الزام عائد کیا کہ رسول اللہ ﷺ مروت و رواداری میں کبھی عدل نہیں کر سکتے، اس بنا پر آیت کریمہ میں سخت وعید ذکر کی گئی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ انصاری مخلص ہو لیکن اسے اس بات کا علم نہ ہو کہ ان پر ہر چھوٹے بڑے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واجب ہے، اس لیے آیت کریمہ میں تنبیہ کر دی گئی۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابٌ: ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ﴾ [٦٩]

باب: 13- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، (یعنی) انبیاء......“ کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اور رفیق ہونے کے لحاظ سے یہ لوگ کتنے اچھے ہیں۔“[1] اس آیت کریمہ میں چار قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جو فضیلت اور درجے کے لحاظ سے بلند تر مقام رکھتے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے: ✱ انبیائے کرام: ہر نبی اپنی قوم اور امت کا افضل ترین فرد ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے۔ ✱ صدیق: اس سے مراد ایسا راست باز شخص ہے جو ہمیشہ حق کا ساتھ دینے والا اور باطل کے خلاف ڈٹ جانے والا ہو۔ ✱ شہید: اس سے مراد ایسا شخص ہے جو اپنے ایمان کی صداقت پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ ✱ صالح: اس سے مراد ایسا نیک سیرت انسان جس کے ہر عمل اور حرکت سے نیکی ظاہر ہوتی ہے۔ بہرحال جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی ہر حال میں خوشی خوشی اطاعت کرتا ہے اسے اخروی زندگی میں مندرجہ بالا لوگوں کی رفاقت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

---

① النسآء 4:69.

٤٥٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا مِنْ نَبِيٍّ يَمْرَضُ إِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»، وَكَانَ فِي شَكْوَاهُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ، أَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِيدَةٌ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: ﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ خُيِّرَ. [راجع: ٤٤٣٥]

[4586] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''ہر نبی کو اس کی بیماری میں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہے تو دنیا میں رہے اور چاہے تو آخرت کو پسند کرے۔'' اور آپ ﷺ کو مرض الموت میں جب سخت دھچکا لگا تو میں نے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''ان لوگوں کی رفاقت جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء کی رفاقت۔'' میں اس وقت سمجھ گئی کہ اب آپ کو بھی اختیار دیا گیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت ہے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ تندرستی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے: ''کسی نبی کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک اسے جنت میں اس کا ٹھکانا نہ دکھایا جائے، پھر اسے دنیا میں رہنے یا آخرت کی طرف سدھارنے کا اختیار دیا جاتا ہے۔'' آپ جب بیمار ہوئے اور آخری وقت آیا تو آپ کا سر مبارک میری ران پر رکھا ہوا تھا آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو چھت کی طرف دیکھنے لگے اور فرمایا: ''اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کی رفاقت چاہتا ہوں۔'' میں نے (دل میں) کہا: اب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس نہیں رہیں گے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی حدیث ہے جو آپ تندرستی کی حالت میں بیان کیا کرتے تھے۔[1] ② حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے آپ سے بہت محبت ہے اور آپ مجھے میرے اہل و عیال سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ میں گھر میں ہوتا ہوں تو آپ ہی کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ جب تک آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو دیکھ نہ لوں مجھے صبر نہیں آتا۔ جب مجھے آپ کی موت یاد آتی ہے تو پریشان ہو جاتا ہوں کہ آپ تو فردوس اعلیٰ میں انبیائے کرام ؑ کے ہمراہ ہوں گے اور میں جنت میں آپ کو دیکھ نہیں سکوں گا، مجھے اس کیفیت سے بہت ڈر لگتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا حتی کہ حضرت جبریل ؑ مذکورہ آیت لے کر نازل ہوئے۔[2]

(١٤) بَابٌ: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ إِلَى ﴿الظَّالِمِ أَهْلُهَا﴾ [٧٥]

باب: 14- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے ...... جس کے باشندے ظالم ہیں'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ میں ان کمزور مسلمانوں، بیواؤں اور بچوں کی طرف اشارہ ہے جو مکہ مکرمہ میں رہائش رکھے

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4437. 2 المعجم الأوسط للطبراني: 296/1، رقم: 480.

ہوئے تھے۔ اسلام لانے کی وجہ سے وہ کافروں کا ظلم وتشدد برداشت کرنے پر مجبور تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! ان ظلم پیشہ لوگوں سے رہائی کی کوئی صورت پیدا فرما دے۔ درج ذیل حدیث میں اسی بے بسی کو بیان کیا گیا ہے۔

٤٥٨٧ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ. [راجع: ١٣٥٧]

[4587] حضرت عبیداللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں اور میری والدہ کمزور لوگوں میں سے تھے۔

٤٥٨٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ تَلَا: ﴿إِلَّا ٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَٰنِ﴾ قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِمَّنْ عَذَرَ اللهُ. وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿حَصِرَتْ﴾ [٩٠]: ضَاقَتْ، ﴿تَلْوُۥٓا۟﴾ [١٣٥]: أَلْسِنَتَكُمْ بِالشَّهَادَةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: اَلْمُرَاغَمُ: اَلْمُهَاجَرُ، رَاغَمْتُ: هَاجَرْتُ قَوْمِي. ﴿مَوْقُوتًا﴾ [١٠٣]: مُوَقَّتًا وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ. [راجع: ١٣٥٧]

[4588] حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے اس آیت کو تلاوت کیا: ''مگر جو مرد، عورتیں اور بچے فی الواقع کمزور اور بے بس ہیں۔'' انھوں نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ ان لوگوں میں تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا۔ حضرت ابن عباس ؓ ہی سے منقول ہے کہ حَصِرتْ کے معنی تنگ ہونے کے ہیں۔ تَلْوٗا کے معنی ہیں: تم گواہی دیتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑ لیتے ہو۔ ابن عباس کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے: اَلْمُرَاغَمُ کے معنی مُهَاجَر کے ہیں، یعنی ہجرت کا مقام، جیسے رَاغَمْتُ کے معنی ہیں: میں نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ مَوْقُوْتًا کے معنی ہیں: مقرر شدہ، وَقَّتَهٗ عَلَيْهِمْ ان پر وقت مقرر کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① عنوان میں مذکور آیت کریمہ میں مسلمانوں کو کمزور و ناتواں مسلمانوں کی مدد کرنے اور ظالموں سے جہاد کر کے انھیں ظلم و استبداد سے بچانے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ حضرت ابن عباس اور ان کی والدہ بھی ان کمزور مسلمانوں سے تھیں جن کی مدد کرنا مسلمانوں پر ضروری تھا۔ رسول اللہ ﷺ ایسے لوگوں کے حق میں نماز میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یوں دعا فرماتے تھے: ''اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور دوسرے ناتواں مسلمانوں کو جو مکے میں ہیں کافروں کی قید سے چھڑا دے۔ اے اللہ! کفار مضر پر سخت گرفت فرما اور ان پر ایسا قحط بھیج جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط پڑا تھا۔''[1] پھر جب یہ کمزور و ناتواں مسلمان کفار مکہ سے رہائی پا کر مدینہ طیبہ آ گئے تو آپ نے کفار کے خلاف بددعا کرنا چھوڑ دی۔ ② آخر میں امام بخاری ؒ نے اس سورت میں آئندہ آنے والے چند الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے۔ تفصیل کے لیے ان الفاظ کے سیاق و سباق کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی بھی تفسیر قرآن کا مطالعہ مفید رہے گا۔

① صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6200.

(١٥) بَابٌ: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا﴾ [٨٨]

باب: 15- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''(مسلمانو) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ بن گئے ہو، حالانکہ اللہ نے انھیں ان کے اعمال کی بدولت اوندھا کر دیا ہے'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بَدَّدَهُمْ. فِئَةٌ: جَمَاعَةٌ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: أَرْكَسَهُمْ کے معنی ہیں: اللہ نے ان کو متفرق کر دیا، یعنی ان کی جمعیت کو پاش پاش کر دیا۔ اور فِئَةٌ کے معنی ہیں: جماعت۔

وضاحت: مکمل آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''کیا تم چاہتے ہو کہ جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا ہے اسے راہ راست پر لے آؤ، حالانکہ جسے اللہ گمراہ کر دے آپ اس کے لیے کوئی راہ نہیں پا سکتے۔''[1] ان منافقین سے مراد عبداللہ بن ابی کی جماعت ہے جنھوں نے غزوۂ اُحد کے موقع پر نفاق ظاہر کیا تھا اور بھاری اکثریت سے ہی مدینے واپس آ گئی جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٥٨٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ﴾: رَجَعَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أُحُدٍ وَكَانَ النَّاسُ فِيهِمْ فِرْقَتَيْنِ: فَرِيقٌ يَقُولُ: اُقْتُلْهُمْ، وَفَرِيقٌ يَقُولُ: لَا، فَنَزَلَتْ: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ﴾ وَقَالَ: «إِنَّهَا طَيْبَةُ تَنْفِي الْخَبَثَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْفِضَّةِ». [راجع: ١٨٨٤]

[4589] حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا: ''تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ بن گئے ہو۔'' کچھ منافقین جو بظاہر نبی ﷺ کے ساتھ تھے جنگ اُحد میں (آپ کو چھوڑ کر) مدینہ طیبہ واپس آ گئے تو ان کے متعلق مسلمانوں میں دو گروہ بن گئے: ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم ان سے بھی لڑائی کریں گے جبکہ دوسرا گروہ ان سے لڑنے پر آمادہ نہ تھا تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: (مسلمانو) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ بن گئے ہو۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ، طیبہ ہے۔ یہ ناپاکی اور خباثت کو اس طرح دور کر دیتا ہے جیسے آگ، چاندی کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ان منافقین نے واپس جا کر اپنی منافقت کا ثبوت مہیا کر دیا ہے، اب اگر تم چاہو کہ ہمیں ان سے لڑائی نہیں کرنی چاہیے، شاید وہ راہ راست پر آ جائیں تو یہ بات تمھارے بس میں نہیں۔ ② اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے

1 النسآء 4:88.

منافقین واجب القتل ہیں کیونکہ ان کے عزائم یہ ہیں کہ تمھیں بھی اپنے جیسا بنا کر چھوڑیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ منافقین کی ایک قسم ایسی بھی تھی جو مدینے کے اردگرد پھیلے ہوئے قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں سے خیرخواہی اور محبت کا اظہار ضرور کرتے تھے مگر عملی طور پر وہ اپنے ہم وطن کافروں کا ساتھ دیتے تھے، ان کے لیے یہ معیار مقرر کیا گیا کہ اگر وہ ہجرت کر کے تمھارے پاس مدینہ آ جائیں اور تمھارے ساتھ شامل ہو جائیں تو اس صورت میں تم انھیں سچا بھی خیال کرو اور ان سے ہمدردی بھی کرو اور اگر وہ گھربار چھوڑنے کی قربانی نہ دیں تو انھیں قتل کرنے سے ہرگز دریغ نہ کرو لیکن اس حکم قتل سے دو قسم کے منافق مستثنیٰ ہیں: * جو کسی ایسی قوم میں چلے جائیں جن سے معاہدۂ امن ہو چکا ہے۔ ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔ * وہ منافقین جو غیر جانبدار رہنا چاہتے ہوں، تمھارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے یا ان کے ساتھ مل کر تم سے لڑنا نہ چاہتے ہوں۔ ان دو قسم کے لوگوں سے جنگ نہ کی جائے۔ ③ امام بخاری ؒ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے منافقین مدینہ ہی مراد ہیں۔ ایک تو آپ نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے مروی حدیث پیش کی ہے، دوسرے مدینہ طیبہ کے متعلق صراحت کی ہے کہ وہ بھٹی کی طرح ہے جو چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

بَابٌ :

باب: - بلاعنوان

﴿وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ ٱلْأَمْنِ أَوِ ٱلْخَوْفِ أَذَاعُوا۟ بِهِۦ﴾ [٨٣]: أَيْ أَفْشَوْهُ. ﴿يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ﴾ [٨٣]: يَسْتَخْرِجُونَهُ. ﴿حَسِيبًا﴾ [٨٦]: كَافِيًا. ﴿إِلَّآ إِنَٰثًا﴾ [١١٧]: يَعْنِي الْمَوَاتَ حَجَرًا أَوْ مَدَرًا أَوْ مَا أَشْبَهَهُ. ﴿مَّرِيدًا﴾ [١١٧]: مُتَمَرِّدًا. ﴿فَلَيُبَتِّكُنَّ﴾ [١١٩]: بَتَّكَهُ: قَطَّعَهُ. ﴿قِيلًا﴾ [١٢٢] وَقَوْلًا، وَاحِدٌ. ﴿طَبَعَ﴾ [١٥٥]: خَتَمَ.

آیت کریمہ: ''اور انھیں جب کوئی امن یا خوف کی بات پہنچتی ہے تو اسے خوب ہوا دیتے ہیں اَذَاعُوْا کے معنی ہیں: مشہور کر دیتے ہیں۔ یَسْتَنْبِطُوْنَهُ کے معنی صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ حَسِيْبًا کے معنی ہیں: کافی ہے۔ اِلَّا اِنَاثًا کے معنی ہیں: بے جان چیزیں، جیسے مٹی اور پتھر وغیرہ۔ مَرِيْدًا سے مراد سرکش ہے۔ فَلَيُبَتِّكُنَّ کا لفظ بَتَّكَهُ سے مأخوذ ہے، یعنی اس کو کاٹ ڈالو۔ قِيْلًا اور قَوْلًا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ طَبَعَ کے معنی ہیں: مہر لگا دی۔

وضاحت: مکمل آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اور جب امن یا خطرے کی خبر ان تک پہنچتی ہے تو اسے فوراً اڑا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول یا کسی ذمہ دار حاکم تک پہنچاتے تو ایسے لوگوں کے علم میں آ جاتی جو اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمھارے شامل حال نہ ہوتی تو تم، سوائے چند لوگوں کے، شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔''[1] غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق کے درمیانی دور میں مدینہ طیبہ افواہوں کا مرکز بن گیا تھا۔ ہر طرف ایک ہنگامی قسم کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ ایسی افواہوں میں ہرگز حصے دار نہ بنیں بلکہ اگر کوئی افواہ سن پائیں تو اسے حکام بالا تک پہنچا

[1] النسآء 4: 83.

دیں تاکہ وہ صورت حال کی تحقیق کر کے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ افواہوں کے متعلق مذکورہ حکم عام ہے۔ ہر موقع پر یہی رویہ اختیار کرنا چاہیے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی شان نزول بالکل الگ بیان کی ہے جو برمحل اور موقع کے عین مطابق ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لوگ مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے اور جب میں نے خود رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس معاملے کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ آپ نے طلاق نہیں دی۔ یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر کوئی حدیث ذکر نہیں کی، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس کے عین مطابق ہے اور آپ نے آیت ذکر کر کے اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ أعلم. آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ افواہوں کی تحقیق کیے بغیر انھیں آگے بیان کر دینا شیطان کی اطاعت ہے جس سے طرح طرح کے فتنے رونما ہو سکتے ہیں۔

(١٦) بَابٌ: ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ﴾ [٩٣]

باب: 16- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور جو کسی مومن کو دیدہ دانستہ قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے“ کا بیان

وضاحت: مکمل آیت کا ترجمہ درج ذیل ہے: ”اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“[2] کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنا بہت سنگین جرم ہے جس کا اس دنیا میں کفارہ ممکن ہی نہیں۔ جرم بیان کرنے کے بعد اللہ کا غضب اور اس کی لعنت کے الفاظ سے اس جرم کی سنگینی واضح ہو جاتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ ایسے مجرم کی توبہ بھی قبول ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس کے متعلق علمائے امت کا اختلاف ہے، تاہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی بات کے قائل ہیں کہ ایسے مجرم کی توبہ قبول نہیں ہوتی جبکہ جمہور اہل علم اس کے خلاف موقف رکھتے ہیں۔ اس کی وضاحت ہم درج ذیل حدیث کے تحت کریں گے۔

٤٥٩٠ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ: آيَةٌ اخْتَلَفَ فِيهَا أَهْلُ الْكُوفَةِ، فَرَحَلْتُ فِيهَا إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَسَأَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ: نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ﴾ هِيَ آخِرُ مَا نَزَلَ، وَمَا نَسَخَهَا شَيْءٌ. [راجع: ٣٨٥٥]

[4590] حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اس آیت کے متعلق علمائے کوفہ کا اختلاف ہو گیا تھا تو میں اس کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سفر کر کے حاضر ہوا اور اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ آیت: ”جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا دوزخ ہے۔“ اس موضوع سے متعلق آخری آخری ہے۔ اسے کسی دوسری آیت نے منسوخ نہیں کیا۔

فوائد و مسائل: ① بلاوجہ کسی کا خون ناحق بہت بڑا جرم ہے۔ قرآن مجید نے ایسے خونی انسان کو پوری نوع انسانی کا قاتل

1 صحیح مسلم، الطلاق، حدیث: 3691 (1479). 2 النسآء 4:93.

قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف بہت واضح ہے کہ ایسے قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوگی، چنانچہ ایک دوسری روایت میں حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ نے کہا: تم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درج ذیل دو آیات کے متعلق سوال کرو: ✷ ''اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، نہ اللہ کی حرام کردہ کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ ان کی سزا پا کے رہے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر اس میں ہمیشہ کے لیے پڑا رہے گا، ہاں جو شخص توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا۔''[1] ✷ ''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''[2] میں نے ان آیات کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: جو آیت سورۃ الفرقان میں ہے وہ اہل مکہ کے مشرکین سے تعلق رکھتی ہے۔ انھوں نے کہا: ہم نے اللہ کی حرام کردہ جانوں کو قتل کیا ہے اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود بھی بنایا، نیز فواحش و منکرات کا ارتکاب بھی کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے نازل فرمایا کہ ہاں جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے...... یعنی یہ آیات مشرکین مکہ کے بارے میں ہیں۔ اور جو آیت سورۃ النساء میں ہے یہ اس شخص کے متعلق ہے جو اسلام لایا اور اس کے احکام کو پہچانا پھر کسی قتل کا مرتکب ہوا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ میں نے اس موقف کا ذکر حضرت مجاہد سے کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ لوگ اس حکم سے الگ ہیں جو توبہ کر لیں۔[3] ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایسے آدمی کی کوئی توبہ نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سورۃ الفرقان مکی سورت ہے جسے اس آیت نے منسوخ کر دیا ہے جو مدنی سورۃ النساء میں ہے۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف کی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف کر دے گا مگر وہ آدمی جو کفر کی حالت میں مرا اور دوسرا وہ آدمی جس نے کسی دوسرے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا۔''[5] ② جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ قاتل کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے اگر وہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اس گناہ عظیم کی معافی ہو سکتی ہے۔ وہ اس سلسلے میں درج ذیل دلائل پیش کرتے: ✷ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اس کے علاوہ دیگر گناہ جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا۔''[6] یہ آیت عام ہے کہ شرک کے علاوہ ہر گناہ قابل معافی ہے اور دانستہ قتل کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ ✷ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ لوگوں سے کہہ دیں: اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ یقیناً اللہ سب گناہ معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔''[7] ✷ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو اور میں تمام گناہ معاف کر دیتا ہوں، لہٰذا تم مجھ ہی سے معافی مانگو، میں معاف کر دوں گا۔''[8] ✷ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ دو آدمیوں سے بہت خوش

---

1 الفرقان 25:70. 2 النسآء 4:93. 3 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3855. 4 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4762. 5 مسند أحمد: 4/99. 6 النسآء 4:48. 7 الزمر 39:53. 8 صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، حديث: 6572 (2577).

ہوتا ہے، ان میں ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے لیکن دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں: ایک تو اللہ کے راستے میں قتال کرتا ہے اور وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ قاتل کو توبہ کی توفیق دیتا ہے اور وہ بھی مسلمان ہو کر شہید ہو جاتا ہے۔[1] ③ ہمارے رجحان کے مطابق جمہور اہل علم کا موقف ہی قابل اعتبار ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے اس کی واضح طور پر تائید ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایک اسرائیلی نے سو آدمی قتل کر دیے تو ایک عالم نے کہا: کون ہے جو تمھارے اور تمھاری توبہ کے درمیان حائل ہو سکے۔[2] الغرض اسے معاف کر دیا گیا۔ یہ حدیث نص صریح ہے کہ قاتل کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو قتل کو حلال سمجھتا ہو یا وہ قاتل توبہ کے بغیر مر جائے، اسے سنگینی اور تغلیظ پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، نیز قرآنی آیت میں خلود سے مراد لمبی مدت ہو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا نہیں کیونکہ یہ سزا تو صرف اور صرف مشرکین اور کفار کے لیے ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ واقعی دیدہ دلیری سے کسی مومن کو قتل کرنے کی سزا یہی ہے جو آیت میں بیان ہوئی ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب اللہ تعالیٰ اسے سزا دینا چاہے اور اس سزا کے لیے کوئی مانع نہ ہو۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے یا توبہ کرنے سے اس کا گناہ معاف ہو جائے تو پھر اسے ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رکھا جائے گا۔ بہر حال جمہور اہل علم کا موقف حقیقت پر مبنی ہے اور دلائل و براہین سے مزین ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(۱۷) بَابٌ: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ [۹٤]

باب: 17- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اگر کوئی شخص تمھیں سلام کہے تو اسے یہ نہ کہا کرو کہ تم تو مومن نہیں ہو“ کی تفسیر

اَلسَّلَمُ وَالسَّلَامُ وَالسِّلْمُ وَاحِدٌ.

اَلسَّلَمُ، اَلسَّلَامُ اور اَلسِّلْمُ سب کے ایک ہی معنی ہیں۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو اگر کوئی شخص تمھیں سلام کہے تو اسے یہ نہ کہا کرو کہ تو مومن نہیں بلکہ اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ اگر تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے ہاں بہت سے اموالِ غنیمت ہیں۔ اس سے پہلے تمھاری بھی یہی صورت حال تھی پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تحقیق ضرور کر لیا کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔“[3] ابتدائے اسلام میں السلام علیکم کا لفظ مسلمانوں کے لیے شعار اور علامت کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ اس دور میں نو مسلم اور کفار کے درمیان لباس، زبان یا کسی دوسری چیز میں نمایاں فرق نہیں تھا جس کی بنا پر

---

1 صحیح البخاري، الجهاد و السیر، حدیث: 2826. ② صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، حدیث: 3470. ③ النسآء 94:4.

ایک مسلمان سرسری طور پر دوسرے مسلمان کو پہچان سکتا ہو، لیکن کفار سے لڑائی کے دوران میں یہ پیچیدگی پیش آ جاتی کہ جس قوم پر مسلمان حملہ آور ہوتے ان میں سے کوئی شخص السّلام علیکم یالا إله إلا الله کہنے لگتا، جس سے مسلمانوں کو یہ مغالطہ لگتا کہ شاید وہ بہانے کے طور پر محض جان بچانے کے لیے یہ کلمہ زبان سے ادا کر رہا ہے تو وہ اپنے اسی گمان کی وجہ سے اسے قتل کر دیتے اور اس کا سامان وغیرہ لوٹ لیتے، آیت کریمہ میں اس کے متعلق ہدایات دی جا رہی ہیں جیسا کہ درج ذیل واقعے میں اسی قسم کی الجھن پیش آئی جو درج بالا آیت کے نزول کا سبب بنا۔ والله أعلم.

٤٥٩١ - حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَ رَجُلٌ فِي غُنَيْمَةٍ لَهُ فَلَحِقَهُ الْمُسْلِمُونَ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَتَلُوهُ وَأَخَذُوا غُنَيْمَتَهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ فِي ذٰلِكَ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ تِلْكَ الْغُنَيْمَةُ.

[4591] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت: ''اگر کوئی شخص تمھیں سلام کہے تو اسے یہ نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں'' کے متعلق فرمایا: ایک شخص اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ اسے ایک مہم پر جاتے ہوئے کچھ مسلمان ملے۔ اس نے السلام علیکم کہا۔ لیکن مسلمانوں نے اسے (بہانہ خور جان کر) قتل کر دیا اور اس کی بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ آیت کے آخر میں: عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا سے مراد انھی بکریوں کی طرف اشارہ تھا۔

قَالَ: قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿السَّلَامَ﴾.

حضرت ابن عباس ؓ نے (مشہور قراءت کے مطابق) السَّلٰمَ ہی پڑھا ہے۔

فوائد و مسائل: ① چونکہ ایک آدمی کے متعلق ایسا گمان شرعی نقطۂ نگاہ سے غلط ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے واقعے کے متعلق پوری چھان بین کا حکم دیا۔ تحقیق کے بغیر چھوڑ دینے میں اگر یہ امکان ہے کہ ایک کافر جھوٹ بول کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو قتل کرنے میں اس امر کا بھی امکان ہے کہ ایک بے گناہ مومن تمھارے ہاتھوں مارا جائے اور تمھارا ایک کافر کو چھوڑ دینے میں غلطی کرنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تم ایک مومن کو قتل کرنے میں غلطی کرو۔ مقصد یہ ہے کہ جہاد میں پوری وضاحت کے بعد معاملہ کرنا چاہیے کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر کے مطابق جاری ہوتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اسی قسم کی بے احتیاطی پر حضرت اسامہ ؓ کو ڈانٹا تھا۔[1] ② یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم ہر جگہ نہیں ہے۔ دارالحرب میں اگر کوئی کافر السلام علیکم کہے اور اس کی آڑ میں اپنا مطلب نکالنا چاہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اگرچہ مذکورہ واقعہ سفر میں پیش آیا تھا لیکن حضر میں بھی پوری چھان بین کرنے کا حکم ہے۔ والله أعلم.

[1] صحيح البخاري، الديات، حديث: 6872.

(۱۸) بَابٌ: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ الْآيَةَ [۹۵]

باب: 18- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اہل ایمان میں سے جو لوگ (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے ہیں وہ (جہاد کرنے والوں کے) برابر نہیں ہو سکتے'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''جو لوگ کسی معذوری کے بغیر بیٹھ رہیں اور جو لوگ اپنی جانوں اور اپنے اموال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، دونوں کی حیثیت برابر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں بہت زیادہ درجہ رکھا ہے۔''[1] اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہیں کیونکہ معاشرے میں کئی افراد بوڑھے، کمزور، ناتواں، اندھے اور لنگڑے ہوتے ہیں جو جہاد پر جا ہی نہیں سکتے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٥٩٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَّهُ رَأَى مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ فِي الْمَسْجِدِ، فَأَقْبَلْتُ حَتَّى جَلَسْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمْلَى عَلَيْهِ (لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ)، فَجَاءَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهُوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَاللهِ! لَوْ أَسْتَطِيعُ الْجِهَادَ مَعَكَ لَجَاهَدْتُ، وَكَانَ أَعْمَى، فَأَنْزَلَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ وَفَخِذُهُ عَلَى فَخِذِي فَثَقُلَتْ عَلَيَّ حَتَّى خِفْتُ أَنْ تُرَضَّ فَخِذِي، ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾. [راجع: ٢٨٣٢]

[4592] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا، فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس آیا اور ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ انھوں نے ہمیں بتایا کہ انھیں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ نبی ﷺ نے ان سے یہ آیت لکھوائی: ''مسلمانوں میں سے بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔'' آپ یہ آیت لکھوا ہی رہے تھے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر میرے اندر ہمت ہوتی تو آپ کے ساتھ مل کر ضرور جہاد میں شرکت کرتا اور وہ نابینا تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی اتاری جبکہ آپ کی ران میری ران پر تھی۔ اس کا مجھ پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے اپنی ران ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو گیا۔ جب یہ کیفیت دور ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ کے مزید الفاظ نازل کر دیے۔

1 النسآء 4:95.

٤٥٩٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿لَا يَسْتَوِى الْقَعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ دَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ زَيْدًا فَكَتَبَهَا فَجَاءَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَشَكَا ضَرَارَتَهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾. [راجع: ٢٨٣١]

[4593] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت ؓ کو کتابت کے لیے بلایا اور انھوں نے یہ آیت لکھ دی۔ پھر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ آئے اور اپنے نابینا ہونے کا عذر پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ کے الفاظ نازل فرما دیے۔

٤٥٩٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿لَا يَسْتَوِى الْقَعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ادْعُوا فُلَانًا»، فَجَاءَهُ وَمَعَهُ الدَّوَاةُ وَاللَّوْحُ أَوِ الْكَتِفُ فَقَالَ: «اكْتُبْ (لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ)» وَخَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا ضَرِيرٌ فَنَزَلَتْ مَكَانَهَا: ﴿لَا يَسْتَوِى الْقَعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾. [راجع: ٢٨٣١]

[4594] حضرت براء بن عازب ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''فلاں کاتب کو بلاؤ۔'' چنانچہ وہ اپنے ساتھ دوات اور تختی یا شانے کی ہڈی لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لکھو: ﴿لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ اس وقت نبی ﷺ کے پیچھے حضرت ابن ام مکتوم ؓ تھے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں تو نابینا ہوں، چنانچہ وہیں بیٹھے بیٹھے یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

فوائد ومسائل: ① پہلے آیت میں یہ ذکر تھا کہ جہاد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے برابر نہیں ہو سکتے، اس میں معذور لوگوں کی وضاحت نہ تھی، پھر جب معذور لوگوں نے عذر پیش کیا تو مزید الفاظ نازل ہوئے جن سے معذور لوگوں کو تسلی ہوگئی کہ ان کا مرتبہ مجاہدین سے کم نہیں ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینے میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جب تم کوئی سفر کرتے ہو یا کوئی وادی طے کرتے ہو تو وہ تمھارے ساتھ ہوتے ہیں۔'' صحابۂ کرام ؓ نے عرض کی: باوجود اس کے کہ وہ مدینے میں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، لیکن یہ وہ لوگ ہیں جنھیں عذر نے روک لیا ہے۔''[1] گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ کے عذر کو قبول فرما لیا لیکن اس رخصت کے باوجود آپ کا جذبۂ جہاد اتنا تھا کہ نابینا ہونے کے باوجود آپ مشقت اٹھا کر بھی کئی غزوات میں شریک ہوئے۔ ② پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ام مکتوم ؓ اس وقت

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4423.

آئے جب رسول اللہ ﷺ آیت لکھوا رہے تھے جبکہ آخری حدیث میں ہے کہ وہ اس وقت آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، ان میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے تھے، جب آپ نے کاتب وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کتابت کے لیے بلایا تو اس وقت آپ سامنے آ گئے اور اپنا عذر پیش کیا کہ میں تو نابینا ہوں۔[1]

٤٥٩٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ؛ ح: وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْكَرِيمِ: أَنَّ مِقْسَمًا مَوْلٰى عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ أَخْبَرَهُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَٰعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ عَنْ بَدْرٍ وَالْخَارِجُونَ إِلٰى بَدْرٍ.

[راجع: ٣٩٥٤]

[4595] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ﴿لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو غزوۂ بدر میں بلاوجہ شریک نہیں ہوئے تھے اور جو لوگ اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ مطلب یہ کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس آیت کو اہل بدر کے ساتھ مخصوص کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اسی خاص وصف کی وجہ سے اہل بدر کو فضیلت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے وہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل شمار ہونے لگے۔ آیت کی شان نزول اگرچہ خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے یہ عام ہے۔ ② ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد شانِ نزول کی خصوصیت بیان کرنا ہے، حکم بیان کرنا مقصود نہیں۔ بہرحال اہل عذر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنگ بدر میں شریک ہونے والے اور معذور لوگوں کے سوا بدر میں شریک نہ ہونے والے دونوں برابر نہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اہل ایمان میں سے جو لوگ بغیر کسی معذوری کے بیٹھ رہیں اور جو لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، ان دونوں کی حیثیت برابر نہیں ہو سکتی۔''[2]

(١٩) [بَابٌ]: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّٰهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ﴾ الْآيَةَ [٩٧]

باب: 19- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جن لوگوں کی جان فرشتے بایں حالت نکالتے ہیں کہ وہ خود پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں (تو) فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے......'' کی تفسیر

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے، جب فرشتے ان کی روح قبض

1 فتح الباري: 330/8. 2 النسآء 4: 95، و جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3032.

کرتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں: تم کس (حال) میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور اور مجبور تھے۔ فرشتے انھیں جواب دیتے ہیں: کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت بری جگہ ہے۔"[1] یہ آیت کریمہ ایسے مسلمانوں سے متعلق ہے جنھوں نے ہجرت کی طاقت ہونے کے باوجود ہجرت نہ کی اور مدینہ طیبہ جانے میں پس و پیش کرتے رہے۔ جنگ کے وقت انھیں مشرکین کا ساتھ دینا پڑا اور مشرک انھیں بطور ڈھال استعمال کرتے رہے۔ ایسے مسلمان دوسرے مسلمانوں کے لیے الجھن کا باعث بنے ہوئے تھے کہ اگر ان پر تیر چلائیں تو ان کے ہاتھوں مسلمان مرتے ہیں اور اگر ان سے ہاتھ روکیں تو خود کو نقصان کا اندیشہ ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے درج ذیل حدیث میں اس کی مزید وضاحت اور اس کا پس منظر بیان کیا ہے۔

٤٥٩٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ وَغَيْرُهُ قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَبُو الْأَسْوَدِ قَالَ: قُطِعَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعْثٌ، فَاكْتُتِبْتُ فِيهِ، فَلَقِيتُ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرْتُهُ، فَنَهَانِي عَنْ ذٰلِكَ أَشَدَّ النَّهْيِ، ثُمَّ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مَعَ الْمُشْرِكِينَ يُكَثِّرُونَ سَوَادَ الْمُشْرِكِينَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، يَأْتِي السَّهْمُ فَيُرْمٰى بِهِ، فَيُصِيبُ أَحَدَهُمْ فَيَقْتُلُهُ، أَوْ يُضْرَبُ فَيُقْتَلُ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّٰهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ﴾ اَلْآيَةَ.

[4596] ابو الاسود محمد بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اہل مدینہ پر ایک لشکر کی تیاری ضروری قرار دی گئی تو اس میں میرا نام بھی لکھا گیا۔ اس دوران میں میری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام عکرمہ سے ہوئی تو میں نے انھیں اس امر سے آگاہ کیا۔ انھوں نے بڑی سختی سے مجھے روک دیا اور فرمایا کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا تھا کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ مشرکین کے ساتھ رہتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکین کی جماعت میں اضافے کا سبب بنتے تھے۔ پھر جب کوئی تیر آتا اور ان میں سے کسی کو لگتا تو اسے قتل کر دیتا یا اسے تلوار ماری جاتی تو وہ قتل ہو جاتا۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: "بے شک وہ لوگ جن کی روح فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں ......" آخر آیت تک۔

رَوَاهُ اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ. [انظر: ٧٠٨٥]

اس روایت کو لیث بن سعد نے بھی ابوالاسود سے روایت کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ اس دور کی بات ہے جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ مکرمہ میں خلافت کا دعویٰ کیا۔ انھوں نے اہل شام سے جنگ کرنے کے لیے اہل مدینہ کو ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس لشکر میں ابوالاسود کا نام بھی لکھا گیا۔ حضرت

---

[1] النسآء 4:97.

عکرمہ نے انھیں سختی سے منع کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو مشرکین کی تعداد بڑھانے کے لیے ان کے ساتھ جاتے تھے، حالانکہ وہ دل سے مسلمانوں کے خلاف لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ابوالاسود کا بھی یہی حال تھا۔ وہ دل سے اہل شام کے خلاف لڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ یہ جنگ فی سبیل اللہ نہیں بلکہ صرف ملک گیری کے لیے تھی۔ ان کا مقصد صرف ان کی تعداد کو بڑھانا تھا، اس لیے حضرت عکرمہ نے انھیں بڑی سختی کے ساتھ لشکر میں شمولیت سے منع کیا۔② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف دشمن کی فوج میں بھرتی ہو۔ واللہ المستعان.

(٢٠) [بَابٌ]: ﴿إِلَّا ٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ﴾ الْآيَةَ [٩٨]

باب: 20- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''ہاں جو مردوں اور عورتوں میں سے کمزور ہیں'' کی تفسیر

وضاحت: شروع اسلام میں اسلام لانے والوں کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ ہجرت کر کے دارالاسلام مدینہ طیبہ پہنچیں لیکن مکہ مکرمہ میں کچھ ایسے کمزور و ناتواں تھے جو وہاں سے ہجرت نہ کر سکتے تھے اور مصیبتوں کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

٤٥٩٧ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿إِلَّا ٱلْمُسْتَضْعَفِينَ﴾ قَالَ: كَانَتْ أُمِّي مِمَّنْ عَذَرَ اللهُ. [راجع: ١٣٥٧]

[4597] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے آیت کریمہ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ کے متعلق فرمایا کہ میری والدہ بھی ان ہی لوگوں میں سے تھیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ کا نام لبابہ بنت حارث تھا اور یہ ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی ہمشیر ہیں۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان ہو چکی تھیں۔ اپنی طبعی کمزوری کی وجہ سے مکے میں رہائش رکھنے پر مجبور تھیں۔ ان کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ یہ دونوں کمزور و ناتواں ہونے کی وجہ سے معذوروں میں شامل تھے۔ حضرت لبابہ کی کنیت ام الفضل ہے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد یہ پہلی خاتون ہیں جو مسلمان ہوئیں۔ ایک روایت میں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں اور میری والدہ ان کمزور لوگوں میں سے تھے جو مکہ مکرمہ میں نجات اور خلاصی نہیں پا سکتے تھے۔[1]

(٢١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَأُو۟لَٰٓئِكَ عَسَى ٱللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ﴾ [٩٩] الْآيَةَ

باب: 21- ارشاد باری تعالیٰ: ''قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں معاف کر دے.....'' کا بیان

وضاحت: فَأُولٰٓئِكَ کے الفاظ سے ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور اس پر ثابت قدم رہے

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4587.

لیکن مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے میں جلدی نہ کی بلکہ وہاں قیام کو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے ان سے درگزر کیا اور انھیں معاف کر دیا۔

٤٥٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي الْعِشَاءَ إِذْ قَالَ: «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، ثُمَّ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَسْجُدَ: «اَللّٰهُمَّ! نَجِّ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اَللّٰهُمَّ نَجِّ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اَللّٰهُمَّ! نَجِّ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ، اَللّٰهُمَّ! نَجِّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اَللّٰهُمَّ! اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ». [راجع: ٧٩٧]

[4598] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ نبی ﷺ نماز عشاء پڑھ رہے تھے کہ آپ نے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہا، پھر سجدہ کرنے سے پہلے یوں دعا کی: ”اے اللہ! عیاش بن ابو ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔ اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات دے۔ اے اللہ! قبیلۂ مضر کو سخت سزا دے۔ اے اللہ! انھیں ایسی قحط سالی میں مبتلا کر دے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی آئی تھی۔“

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے 4 ہجری میں ان کمزور اور بے بس مسلمانوں کی رہائی کے لیے دعا فرمائی جو مکہ مکرمہ میں کفار قریش کے ظلم و ستم کا شکار تھے اور انھیں ہجرت سے بھی روک دیا گیا تھا۔ ان میں حضرت عیاش بن ابو ربیعہ رضی اللہ عنہ ابوجہل کے مادری بھائی جبکہ سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ اس کے حقیقی بھائی تھے اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ② پہلے رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام لے کر ان کی رہائی اور خلاصی کے لیے دعا کی، پھر تمام کمزور مسلمانوں کے لیے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے انھیں نجات دی اور ہجرت سے بھی مشرف فرمایا۔ ③ قبیلۂ مضر کے لوگ ان دنوں کافر تھے اور مسلمانوں کو سخت تکلیف دیتے تھے، اس لیے آپ نے ان کے خلاف بددعا فرمائی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قحط میں مبتلا کر دیا۔ بعد میں یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو کافر مسلمانوں کو تنگ کریں اور انھیں ستائیں تو ان پر قحط سالی اور بیماری کی بددعا کرنا جائز ہے۔ واللّٰه أعلم.

(٢٢) بَابٌ: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ﴾ [١٠٢] اَلْآيَةَ

باب: 22- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”ہاں! اگر تم بارش (یا بیماری) کی وجہ سے ہتھیار پہننے میں تکلیف محسوس کرو تو انھیں اتار دینے میں کوئی حرج نہیں“ کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ کا تکملہ یہ ہے: ”اور اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لیے رہو، یقیناً اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ذلت

کی مار تیار کر رکھی ہے۔"[1] اس میں صرف دو صورتوں کے پیش نظر ہتھیار اتارنے کی اجازت ہے: پہلی یہ کہ بارش ہو، کپڑے اور ہتھیار بھیگ رہے ہوں، دوسری یہ کہ کوئی شخص بیماری کی وجہ سے ہتھیار بند رہنے کا متحمل نہ ہو۔ ان صورتوں کے علاوہ ہتھیار اتارنے کی اجازت نہیں، اس لیے ان دونوں صورتوں کا ذکر کر کے فرمایا: "پھر بھی اپنے اپنے بچاؤ کا پورا پورا خیال رکھو۔" یاد رہے کہ ﴿خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ کے الفاظ بڑے وسیع مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس کے معنی ہیں: ہوشیار رہنا، چوکنا رہنا، مسلح رہنا اور اپنے بچاؤ کے لیے تمام ذرائع اختیار کیے رکھنا۔

٤٥٩٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا حَجَّاجٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَعْلَى عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰٓ﴾ قَالَ: عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، وَكَانَ جَرِيحًا.

[4599] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے آیت کریمہ: ﴿إِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى﴾ پڑھی اور فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ زخمی تھے، ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فوائد و مسائل: ① جنگی حالات میں یہ حکم ہے کہ تم کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے حسب استطاعت قوت کی تیاری رکھو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار دینا بظاہر اس آیت کے خلاف تھا، اس لیے حکم نازل ہوا کہ بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار دینے کی اجازت ہے لیکن اس اجازت کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ دشمن سے غافل نہ رہو بلکہ اس سے بچاؤ کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر ضرور کرو، ایسا نہ ہو کہ تم غافل ہو جاؤ اور دشمن اچانک تم پر حملہ کر دے، اس لیے مورچوں کی حفاظت کرنا، لڑائی سے پہلے سامان جنگ تیار رکھنا اور دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہنا سب اس حکم میں شامل ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جنگ کا اسلحہ ہر مجاہد کا انفرادی طور پر ہوتا تھا مگر آج کل حکومت اسلحہ فراہم کرتی ہے، لہٰذا اسلحہ تیار کرنے والی فیکٹریوں اور اسلحے کے ذخائر کی حفاظت اس حکم میں شامل ہے۔ الغرض ملک و ملت کا تحفظ، افراد فوج کی حفاظت کے لیے تدابیر، آلات جنگ کا تحفظ اور لڑائی کے منصوبوں کو صیغۂ راز میں رکھنا یہ تمام باتیں ﴿خُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ میں داخل ہیں۔ اس دور میں جنگ کے وقت دشمن کی کوشش ہوتی ہے کہ سب سے پہلے اسلحہ کے محفوظ ذخائر اور اسلحے ساز فیکٹریوں کو نشانہ بنائے۔ مسلمانوں کو اس آیت کے ذریعے سے ان تمام باتوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ ③ بہر حال مجاہدین کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ کسی وقت بھی دشمن سے غافل نہ رہیں اور ہر وقت ہتھیار بند رہیں۔ ہاں، اگر کسی وقت کوئی مجبوری ہو تو ایسے حالات میں ہتھیار اتارے جا سکتے ہیں لیکن اپنے بچاؤ سے پھر بھی غافل نہیں رہنا چاہیے۔ یہ صرف قرآنی ہدایت ہی نہیں بلکہ اقوام عالم کی افواج کے لیے بھی یہی ضابطہ ہے۔[3]

---

1 النسآء 4:102. 2 النسآء 4:128. 3 الأنفال 8:60.

(٢٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ﴾ [١٢٧]

باب: 23- ارشاد باری تعالیٰ: ''لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ان کے متعلق فتویٰ دیتا ہے اور وہ (بھی) جو کتاب میں تم پر پڑھا جاتا ہے ان یتیم عورتوں کے متعلق'' کا بیان

وضاحت: یتیم لڑکیوں کے متعلق جو احکام پہلے سنائے جا چکے ہیں وہ سورۃ النساء کی آیت: 3 میں مذکور ہیں جنھیں ہم باب: 1 کے تحت بیان کر آئے ہیں، یعنی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کے سلسلے میں ان کے سرپرست کئی قسم کی بے انصافیاں کیا کرتے تھے۔ جب آیت: 3 نازل ہوئی تو سرپرست حضرات نے یہ محتاط رویہ اختیار کیا کہ ان سے نکاح کرنا ہی چھوڑ دیا تاکہ ان سے کسی قسم کی ناانصافی نہ ہو لیکن اس سے بھی بعض دفعہ نقصان کی صورت پیش آ جاتی تھی کیونکہ جس قدر بہتر سلوک انھیں سرپرستوں سے نکاح کرنے میں میسر آ سکتا تھا وہ غیروں سے نکاح کرنے میں حاصل نہ ہوتا تھا۔ بعض دفعہ تو ان کی زندگی انتہائی تلخ ہو جاتی۔ اس آیت کے ذریعے سے زیر کفالت لڑکیوں سے سرپرستوں کو نکاح کی اجازت دی گئی مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کے حقوق میں کسی قسم کی کمی یا کوتاہی نہ کی جائے، چنانچہ درج ذیل حدیث میں حضرت عائشہ ؓ نے اس کی مزید وضاحت فرمائی۔

٤٦٠٠ – حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَتَرْغَبُونَ أَن تَنكِحُوهُنَّ﴾ قَالَتْ عَائِشَةُ: هُوَ الرَّجُلُ تَكُونُ عِنْدَهُ الْيَتِيمَةُ هُوَ وَلِيُّهَا وَوَارِثُهَا، فَأَشْرَكَتْهُ فِي مَالِهِ حَتَّى فِي الْعَذْقِ، فَيَرْغَبُ أَنْ يَنْكِحَهَا وَيَكْرَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا رَجُلًا فَيَشْرَكُهُ فِي مَالِهِ، بِمَا شَرِكَتْهُ، فَيَعْضُلَهَا فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ.

[راجع: ٢٤٩٤]

[4600] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت: ﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ...... وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: کسی آدمی کے پاس کوئی یتیم بچی ہوتی، وہ اس کا متولی بھی ہوتا اور وارث بھی۔ وہ لڑکی اس کو اپنے مال حتی کہ کھجور کے درخت میں بھی شریک کر لیتی۔ وہ مال کی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتا اور کسی دوسرے سے اس کے نکاح کو ناپسند کرتا، مبادا وہ یتیم لڑکی کے شریک ہونے کے باعث اس کے مال میں شریک ہو جائے گا، اس لیے وہ اس لڑکی کو کسی دوسرے سے نکاح کرنے میں رکاوٹ کھڑی کر دیتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

فوائد ومسائل: ① حافظ ابن حجر ؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے اس آیت کا شان نزول ذکر کیا ہے کہ حضرت جابر ؓ کی چچا زاد بدصورت تھی اور وہ اپنے والد کی میراث پانے کی وجہ سے مال دار بھی تھی۔ حضرت جابر ؓ کے ہاں وہ زیر

کفالت تھی۔ بدصورت ہونے کی وجہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس سے نکاح کرنے میں کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے لیکن کسی سے نکاح کر دینے میں بھی رضا مند نہ تھے کیونکہ اس طرح اس کا مال اس کے شوہر کو مل جاتا۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

② عربی زبان میں ''رغب'' کا لفظ صلہ کے اعتبار سے دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: اگر اس کے بعد فی ہو تو اس کے معنی ہیں: رغبت کرنا اور شوق رکھنا اور اگر اس کے بعد عن آ جائے تو یہ روگردانی اور نفرت کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت کریمہ میں دونوں معنوں کی گنجائش کے پیش نظر اس کا صلہ حذف کر دیا گیا ہے۔ اس میں رغبت کرنا اور نفرت کرنا دونوں معنی مقصود ہیں کیونکہ دور جاہلیت میں یتیم لڑکیوں کے ساتھ دو قسم کا ظلم روا رکھا جاتا تھا: اگر وہ مال دار اور صاحب جمال ہوتی تو خود سرپرست اس کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتا اور نکاح کر لیتا لیکن یتیم ہونے کی وجہ سے حق مہر دینے میں بخل اور بے انصافی کی جاتی اور اگر وہ مال دار ہونے کے ساتھ ساتھ بدصورت ہوتی تو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کی جاتی اور آگے اس کا نکاح کر دینے میں بھی کوئی دلچسپی نہ رکھی جاتی تاکہ اس کا مال ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس آیت کریمہ سے دونوں طرح کے ظلم و ستم کا سد باب کیا گیا ہے اور قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں نفرت اور دلچسپی دونوں معنوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٤) [بَابٌ :] ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ [١٢٨]

باب: 24- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے بدسلوکی یا بے رخی کا اندیشہ ہو......'' کی تفسیر

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : ﴿شِقَاقَ﴾ [٣٥]: تَفَاسُدَ ﴿وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ﴾ [١٢٨] قَالَ: هَوَاهُ فِي الشَّيْءِ يَحْرِصُ عَلَيْهِ ﴿كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ [١٢٩] لَا هِيَ أَيِّمٌ وَلَا ذَاتُ زَوْجٍ . ﴿نُشُوزًا﴾ [٢٨]: بُغْضًا .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: شِقَاقَ کے معنی ہیں: فساد اور جھگڑا۔ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ کے معنی ہیں: ہر نفس کو اپنے فائدے کا لالچ ہوتا ہے۔ كَالْمُعَلَّقَةِ کے معنی ہیں کہ نہ تو وہ بیوہ رہے اور نہ شوہر والی ہو۔ نُشُوْزًا کے معنی ہیں: بغض و عداوت۔

وضاحت: مکمل آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے بدسلوکی یا بے رخی کا اندیشہ ہو تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں کسی طرح کی صلح کر لیں اور صلح (بہرحال) بہتر ہے اور لالچ تو ہر نفس کو لگا ہوا ہے لیکن اگر تم احسان کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔''[2] آیت کریمہ میں لالچ سے مراد مال و دولت کی طمع نہیں بلکہ اس میں نفس کی تمام پسندیدہ چیزیں شامل ہیں، یعنی اگر بیوی اپنے خاوند کی پسند کا خیال رکھے گی تو یقیناً مرد کا دل بھی نرم ہو جائے گا اور صلح کے امکانات بھی روشن ہو جائیں گے۔ اس کی مزید تشریح درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

---

1 فتح الباري: 335/8. 2 النسآء 4:128.

٤٦٠١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا﴾ قَالَتْ: اَلرَّجُلُ تَكُونُ عِنْدَهُ الْمَرْأَةُ لَيْسَ بِمُسْتَكْثِرٍ مِنْهَا، يُرِيدُ أَنْ يُفَارِقَهَا، فَتَقُولُ: أَجْعَلُكَ مِنْ شَأْنِي فِي حِلٍّ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ. [راجع: ٢٤٥٠]

[4601] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کے متعلق ''اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رخی کا خوف ہو......'' فرمایا: اس سے مراد ایسا مرد ہے جس کے پاس اس کی عورت رہتی ہو لیکن وہ اس سے کوئی میل جول نہیں رکھتا اور اسے وہ چھوڑ دینا چاہے تو عورت اسے کہے کہ میں تجھے اپنا حق معاف کر دیتی ہوں، یعنی میں تجھے اپنے حقوق سے بری کرتی ہوں۔ ایسی ہی صورت کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

فوائد ومسائل: ① اس آیت کی عملی تفسیر درج ذیل واقعے سے ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: حضرت سودہ ؓ کو محسوس ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اسے طلاق دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو انھوں نے آپ سے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ مجھے طلاق نہ دیں بلکہ اپنے پاس ہی رکھیں اور میں اپنی باری حضرت عائشہ ؓ کو دے دیتی ہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ گویا میاں بیوی جس شرط پر صلح کر لیں وہ جائز ہے۔[1] ② بہر حال اگر بیوی اپنی باری اور دیگر حقوق سے دستبردار ہو جائے تو اس کے وہ حقوق ختم ہو جائیں گے، چنانچہ ایک دوسری روایت میں مزید وضاحت ہے کہ عورت اپنے خاوند کی بے رخی کو دیکھ کر کہتی ہے: مجھے اپنے پاس ہی رکھو اور طلاق نہ دو، کسی اور سے شادی بھی کر لو، میرے نان ونفقہ سے بھی آپ بری الذمہ ہیں اور میری باری کے موقع پر میرے ہاں شب باشی بھی نہ کریں۔[2] اس کے باوجود خاوند کو چاہیے کہ وہ کسی صورت میں بھی عدل وانصاف کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ واللہ أعلم.

(٢٥) بَابٌ: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [١٤٥]

باب: 25- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''یقیناً منافق جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَسْفَلَ النَّارِ. ﴿نَفَقًا﴾ [الأنعام: ٣٥]: سَرَبًا.

ابن عباس ؓ نے فرمایا: دَرْكِ الْأَسْفَلِ سے مراد جہنم کا نچلا طبقہ ہے اور نَفَقًا کے معنی ہیں: سرنگ۔

وضاحت: حضرت ابن عباس ؓ کی تفسیر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ میں آنے والا مِنْ بیانیہ ہے، لہٰذا کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ دَرْكِ اَسْفَلِ آگ سے باہر کسی مقام کا نام ہے بلکہ اس سے آگ کا نچلا حصہ مراد ہے۔ امام بخاری ؒ نے منافقین کی مناسبت سے نَفَقًا کے معنی بیان کیے ہیں، حالانکہ یہ لفظ سورۂ انعام میں ہے۔ منافق بھی عام طور پر زیر زمین اپنی تمام تر کوششیں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جاری رکھتا ہے۔ جس طرح سرنگ اپنے تحفظ کے لیے بنائی جاتی ہے،

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3040. 2 صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5206.

اسی طرح منافق بھی اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے راستے بناتا رہتا ہے۔ اس مناسبت کو یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ نَفَقًا کے معنی سوراخ ہے، جس طرح چوہا زمین میں دو سوراخ بناتا ہے ایک سوراخ سے اندر آتا ہے تو دوسرے سوراخ سے باہر نکل جاتا ہے۔ منافقین کے بھی دو حال ہوتے ہیں: جب مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں تو انھیں اپنے ایمان کی یقین دہانی کراتے ہیں اور جب کافروں سے ملتے ہیں تو انھیں باور کراتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔ عملی منافق بھی ایسا ہی ہوتا ہے، اس کے دل میں کچھ ہوتا ہے جبکہ اعضاء سے کام کچھ اور کرتا ہے۔

٤٦٠٢ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: كُنَّا فِي حَلْقَةِ عَبْدِ اللهِ، فَجَاءَ حُذَيْفَةُ حَتّٰى قَامَ عَلَيْنَا، فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ خَيْرٍ مِنْكُمْ، قَالَ الْأَسْوَدُ: سُبْحَانَ اللهِ، إِنَّ اللهَ يَقُولُ: ﴿إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِى ٱلدَّرْكِ ٱلْأَسْفَلِ مِنَ ٱلنَّارِ﴾ فَتَبَسَّمَ عَبْدُ اللهِ وَجَلَسَ حُذَيْفَةُ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ، فَقَامَ عَبْدُ اللهِ، فَتَفَرَّقَ أَصْحَابُهُ، فَرَمَانِي بِالْحَصَا، فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ: عَجِبْتُ مِنْ ضَحِكِهِ وَقَدْ عَرَفَ مَا قُلْتُ، لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ كَانُوا خَيْرًا مِنْكُمْ ثُمَّ تَابُوا، فَتَابَ اللهُ عَلَيْهِمْ.

[4602] حضرت اسود رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک وہاں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہو کر انھوں نے سلام کیا اور فرمایا کہ نفاق میں وہ جماعت بھی مبتلا ہو گئی تھی جو تم سے بہتر تھی۔ اسود نے کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ''منافق، دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسکرانے لگے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مسجد کے ایک کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اٹھ گئے اور آپ کے شاگرد بھی چلے گئے۔ اسود نے کہا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مجھے کنکری ماری تو میں ان کے پاس چلا آیا۔ انھوں نے فرمایا: مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تبسم پر حیرت ہوئی، حالانکہ جو کچھ میں نے کہا تھا اسے وہ خوب سمجھتے تھے۔ یقیناً نفاق میں ایک ایسی قوم کو مبتلا کیا گیا جو تم سے بہتر تھے۔ پھر انھوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کچھ لوگ اسلام کا اقرار کرنے کے بعد مرتد ہو گئے اور مرض نفاق کا شکار ہوئے اور وہ بہتر لوگ تھے کیونکہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں تھے اور صحابۂ کرام کا طبقہ تابعین کے طبقے سے بہتر ہے لیکن ان کے مرتد ہونے اور منافق بن جانے کی وجہ سے ان کے بہتر ہونے کا وصف جاتا رہا۔ ان میں سے جب کچھ تائب ہوئے تو ان کے بہتر ہونے کا وصف واپس آ گیا۔ ② حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کو متنبہ کرنا چاہتے تھے کہ تم لوگ خیر القرون نہیں ہو، تمھیں بطریق اولیٰ ڈرنا چاہیے کیونکہ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے

اعمال پر اعتماد کر کے بیٹھ جاؤ۔ اس طرح ایمان کے رخصت ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حضرات صحابۂ کرام ؓ سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوا، البتہ کچھ اعراب (بدو) دین سے ضرور پھر گئے تھے۔ ③ مسیلمہ کذاب کے ساتھ ملنے والے اعراب بھی اسی قماش کے تھے یا کچھ یہودی کسی سازش کے تحت بظاہر مسلمان ہوئے اور پھر مرتد ہو گئے جیسا کہ ان میں ایک کاتب وحی یہودی تھا جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوا اور زمین نے اسے مرنے کے بعد قبول نہ کیا۔

(٢٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ﴾ [١٦٣]

باب: 26- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی جیسا کہ نوح کی طرف وحی کی تھی...... ......یونس، ہارون اور سلیمان ؑ'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''(اے محمد!) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے، جیسے نوح اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی طرف بھیجی تھی، نیز ہم نے ابراہیم، اسماعیل، یعقوب، اس کی اولاد، عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور داود کو ہم نے زبور عطا کی تھی۔''[1] اس آیت کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی آنے کا طریق کار وہی ہے جو دوسرے انبیاء ؑ کے لیے تھا، جب تم دوسرے انبیاء ؑ کی وحی کو مانتے ہو تو اس رسول کی وحی کو کیوں نہیں مانتے؟ دوسرا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو وحی کی جاتی ہے اس کے مضامین وہی ہیں جو سابقہ انبیاء ؑ کو وحی کیے جاتے رہے ہیں، جب تم ان مضامین کو تسلیم کرتے ہو تو قرآن کریم کے مضامین کو بھی مان لو۔

٤٦٠٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى». [راجع: ٣٤١٢]

[4603] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کہے: میں یونس بن متّی سے بہتر ہوں۔''

٤٦٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَالَ: أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى، فَقَدْ كَذَبَ». [راجع: ٣٤١٥]

[4604] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے کہا: میں یونس بن متی سے بہتر ہوں، اس نے جھوٹ بولا۔''

فوائد و مسائل: ① واقعہ یہ ہے کہ حضرت یونس ؑ نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو دریا کے حوالے کر دیا اور کچھ

① النسآء 4:163.

مدت مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی اس حالت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ دعویٰ نہ کرے کہ میں ان سے بہتر ہوں، اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو اس کی بات خلاف واقعہ ہے کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے مزید قریب ہوئے ہیں اور ان کے مرتبے میں ذرہ بھر بھی نقص پیدا نہیں ہوا۔ ② حدیث میں أَنَا سے مراد خود رسول اللہ ﷺ بھی ہو سکتے ہیں اور قائل بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اگر أَنَا سے مراد قائل ہو تو مفہوم واضح ہے اور اگر اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے تو یہ آپ کی تواضع اور کسر نفسی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ تو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ ③ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس انداز بیان سے حضرت یونس علیہ السلام کے دامن تقدس کو سنبھالا ہے اور لوگوں کی آپ کے متعلق غلط فہمی کو دور کیا ہے، جب تحدیث نعمت کا وقت آئے گا تو اپنے کمالات بیان کیے جائیں گے، اب وقتی طور پر کسی نبی کی تنقیص ناقابل برداشت ہے، بہر حال رسول اللہ ﷺ نے امت کو تنبیہ فرمائی ہے کہ مچھلی کے واقعے سے متاثر ہو کر کوئی شخص نبی کی شان میں گستاخی نہ کرے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا تو کسی دوسرے کے لیے کیونکر یہ جائز اور مناسب ہو سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٧) بَابٌ: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ﴾ [١٧٦]

باب: 27- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ تمھیں کلالہ کے متعلق (یہ) فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص لاولد مر جائے اور اس کی ایک ہی بہن ہو تو اسے ترکے کا نصف ملے گا اور اگر کلالہ عورت ہو تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا بشرطیکہ میت کی اولاد نہ ہو“ کا بیان

وَالْكَلَالَةُ: مَنْ لَمْ يَرِثْهُ أَبٌ أَوِ ابْنٌ، وَهُوَ مَصْدَرٌ، مِنْ تَكَلَّلَهُ النَّسَبُ.

کلالہ وہ ہے جس کا باپ یا بیٹا وارث نہ ہو اور یہ تَكَلَّلَهُ النَّسَبُ سے مصدر ہے۔

وضاحت: آیت کا تکملہ حسب ذیل ہے: ”اور اگر بہنیں دو ہوں تو انھیں ترکے کا دو تہائی ملے گا اور اگر کئی بہنیں بھائی (یعنی) مرد اور عورتیں ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمھارے لیے یہ وضاحت اس لیے کرتا ہے کہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“[1] کلالہ اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو اور نہ ماں باپ بلکہ باپ دادا کی طرف سے کوئی رشتے دار موجود نہ ہو۔ کلالہ کی دو صورتیں ہیں: (ا) اگر وہ عورت ہے تو اس کا خاوند اور اگر وہ مرد ہے تو اس کی بیوی موجود نہ ہو۔ (ب) اگر وہ عورت ہے تو اس کا خاوند اور اگر وہ مرد ہے تو اس کی بیوی موجود ہو۔ دوسری صورت میں زوجین بھی وراثت میں مقررہ حصے کے حقدار ہوں گے۔ قبل ازیں سورۃ النساء آیت: 12 میں کلالہ کے جو احکام بیان ہوئے تھے وہ مادری بہن بھائیوں سے متعلق تھے۔ اس آیت میں حقیقی یا پدری بہن بھائیوں کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ کلالہ کی وراثت میں دو

[1] النسآء 4:176.

باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے: * اگر کلالہ کے حقیقی بہن بھائی موجود ہوں تو سوتیلے بہن بھائی محروم ہوں گے اور اگر حقیقی بہن بھائی موجود نہ ہوں تو پھر پدری بہن بھائیوں میں ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔ * کلالہ کے بہن بھائیوں میں تقسیمِ ترکہ کی بالکل وہی صورت ہوگی جو اولاد کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے: اگر صرف ایک بہن ہے تو اسے جائیداد سے نصف ملے گا، دو یا دو سے زیادہ ہوں تو انھیں دو تہائی ملے گا۔ اگر صرف بھائی ہیں تو تمام ترکے کے حقدار ہوں گے اور اگر بہن بھائی ملے جلے ہیں تو ان میں سے ہر مرد کو دو حصے اور ہر عورت کو ایک حصہ ملے گا۔ لفظ کلالہ تَكَلَّلَهُ النَّسَبُ سے مشتق ہے، یعنی نسب نے اسے ایک طرف ڈال دیا۔ چونکہ باپ اصل میں ایک طرف اور بیٹا دوسری طرف لیکن کلالہ ان میں سے کوئی طرف نہیں رکھتا، گویا وہ نسب سے باہر نکال دیا گیا ہے۔ یا پھر لفظ کلالہ ، إكليل سے مشتق ہے کیونکہ إكليل، تاج کو کہتے ہیں جو سر کے اطراف کا احاطہ کیے ہوتا ہے۔ اس کا اسفل اور اعلیٰ خالی ہوتا ہے۔ کلالہ کو بھی جوانب، یعنی بہن بھائیوں نے گھیرا ہوتا ہے اور ماں باپ یا اولاد نہیں ہوتی۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اس کا اشتقاق كَلَّ فِي مَشْيِهِ سے ہے، جب انسان بعد مسافت کی وجہ سے دور رہ گیا ہو تو اس وقت یہ محاورہ بولا جاتا ہے۔ کلالہ بھی اسی صورت حال سے دوچار ہوتا ہے۔

٤٦٠٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: آخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ بَرَاءَةٌ، وَآخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾. [راجع: ٤٣٦٤]

[4605] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: قرآن مجید کی جو آخری سورت نازل ہوئی وہ سورۂ براءت ہے اور جو آیت آخر میں نازل ہوئی وہ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ آخری آیت جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی وہ آیت الربا ہے[1] جبکہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری آیت، آیت کلالہ ہے۔ ان دونوں احادیث میں تطبیق کی یہ صورت ہے: * میراث کے متعلق آخری آیت، آیت کلالہ ہے اور حلت و حرمت کے متعلق آخری آیت آیت الربا ہے۔ * مذکورہ دونوں حکم رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری سال میں نازل ہوئے، اس لیے دونوں پر آخری ہونے کا لفظ بولا گیا ہے۔ * مختلف صحابہ نے اپنے اپنے علم کے مطابق انھیں آخری آیت قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب ؓ سے منقول ہے کہ وہ آخری آیت ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ کو قرار دیتے تھے۔[2] ② اس آیت کریمہ سے شیعہ حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو والد کا ہونا اس کے منافی نہیں ہے لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ لفظ وَلَد سے ولادت من جانب اعلیٰ اور ولادت من جانب اسفل دونوں مراد ہیں، یعنی ولادت من جانب اعلیٰ سے والد اور ولادت من جانب اسفل سے اولاد کی نفی ہے، نیز عرب کے ہاں کلالہ کے معنی معروف تھے، اس لیے والد کی صراحت کے ساتھ نفی نہیں کی گئی۔[3] واللہ أعلم.

---

① صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4544. ② فتح الباري: 258/8. ③ معالم السنن: 162/4.

(٥) [تَفْسِيرُ] سُورَةِ الْمَائِدَةِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 5- تفسیر سورۃ المائدہ

(١) بَابٌ

﴿وَأَنتُمْ حُرُمٌ﴾ [١]: وَاحِدُهَا حَرَامٌ ﴿فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ﴾ [١٣]: بِنَقْضِهِمْ ﴿الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ﴾ [٢١]: [جَعَلَ اللهُ]. ﴿تَبُوٓأَ﴾ [٢٩]: تَحْمِلَ. ﴿دَآئِرَةٌ﴾ [٥٢]: دَوْلَةٌ. وَقَالَ غَيْرُهُ: اَلْإِغْرَاءُ: اَلتَّسْلِيطُ، ﴿أُجُورَهُنَّ﴾ [٥]: مُهُورَهُنَّ. اَلْمُهَيْمِنُ: اَلْأَمِينُ، اَلْقُرْآنُ أَمِينٌ عَلَى كُلِّ كِتَابٍ قَبْلَهُ. وَقَالَ سُفْيَانُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ ﴿لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ وَٱلْإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ﴾ ﴿مَخْمَصَةٍ﴾ [٣]: مَجَاعَةٍ ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا﴾ [٣٢]: يَعْنِي مَنْ حَرَّمَ قَتْلَهَا إِلَّا بِحَقٍّ حَيِيَ النَّاسُ مِنْهُ جَمِيعًا ﴿شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ سَبِيلًا وَسُنَّةً ﴿فَإِنْ عُثِرَ﴾ [١٠٧]: ظَهَرَ ﴿الْأَوْلَيَانِ﴾ وَاحِدُهُمَا أَوْلَى.

باب:1- بلاعنوان

وَأَنْتُمْ حُرُمٌ میں حُرُمٌ، حَرَامٌ کی جمع ہے، یعنی احرام باندھے ہوئے۔ فَبِمَانَقْضِهِمْ مِيْثَاقَهُمْ میں نَقْضِهِمْ کے معنی ہیں: ان کے عہد کو توڑنے کی وجہ سے، یعنی لفظ ما زائدہ ہے۔ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ کے معنی ہیں: جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔ تَبُوْٓأَ کے معنی ہیں: تو اٹھالے گا۔ دَآئِرَةٌ کے معنی ہیں: گردش زمانہ۔ دوسرے مفسرین نے کہا ہے: الْاِغْرَاءُ کے معنی ہیں: مسلط کرنا اور ڈال دینا۔ اُجُوْرَهُنَّ سے مراد عورتوں کے حق مہر ہیں۔ اَلْمُهَيْمِنُ کے معنی ہیں: امانت دار، یعنی قرآن کریم سابقہ تمام آسمانی کتب کا محافظ و نگران ہے۔ سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ تمام قرآن میں درج ذیل آیت سے زیادہ سخت اور گراں مجھ پر اور کوئی آیت نہیں: ”اس وقت تک تمھاری کوئی حیثیت نہیں جب تک تم تورات، انجیل اور تمھاری طرف نازل شدہ تعلیمات پر عمل نہ کرو۔“ مَخْمَصَةٍ کے معنی ہیں: بھوک۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا کے معنی یہ ہیں کہ جس نے آدمی کا خون ناحق حرام خیال کیا گویا سب آدمی اس کی وجہ سے زندہ رہے۔ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا کے معنی ہیں: راستہ اور طریقہ۔ عُثِرَ کے معنی ہیں: ظاہر ہونا۔ اَلْاَوْلَيَانِ کا واحد اَوْلٰى ہے۔ اس سے مراد پہلے دو گواہ ہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ المائدہ کے کچھ الفاظ کی لغوی تشریح ذکر کی ہے۔ قارئین کرام کسی بھی تفسیر سے ان کا سیاق و سباق سامنے رکھ کر مزید تفصیل معلوم کر سکتے ہیں۔

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾[٣]

باب:2- ارشاد باری تعالیٰ: ”آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے“ کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿مَخْمَصَةٍ﴾[٣]: مَجَاعَةٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مَخْمَصَةٍ سے مراد بھوک ہے۔

وضاحت: آیت کا تکملہ یہ ہے: ”میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے بحیثیت دین اسلام کو پسند کیا ہے۔“ آیت مذکور میں دین سے مراد شریعت کے وہ تمام اصول اور احکام و ہدایات ہیں جو ہمیں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے عطا ہوئے ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے دنیا کی زندگی بھی خوشگوار ہو جاتی ہے اور اخروی نجات بھی حاصل ہو گی، اس کے علاوہ دوسروں کا دست نگر بھی نہیں بننا پڑتا۔ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا وہ طریقہ بھی دین ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی صورت میں ہمیں ملا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد مسلمانوں کو زندگی کے کسی بھی پہلو میں، خواہ وہ معاشرتی ہو یا معاشی، سیاسی ہو یا اخلاقی باہر سے کوئی بھی اصول درآمد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس اعتبار سے مغربی جمہوریت، اشتراکیت، کمیونزم، سوشلزم یا کسی دوسرے ازم کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

٤٦٠٦ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ قَيْسٍ، عَنْ طَارِقِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَتِ الْيَهُودُ لِعُمَرَ: إِنَّكُمْ تَقْرَؤُونَ آيَةً لَوْ نَزَلَتْ فِينَا لَاتَّخَذْنَاهَا عِيدًا، فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي لَأَعْلَمُ حَيْثُ أُنْزِلَتْ، وَأَيْنَ أُنْزِلَتْ، وَأَيْنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَيْثُ أُنْزِلَتْ، يَوْمَ عَرَفَةَ وَإِنَّا وَاللهِ بِعَرَفَةَ - قَالَ سُفْيَانُ: وَأَشُكُّ كَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَمْ لَا؟ - ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾. [راجع: ٤٥]

[4606] طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ لوگ ایک ایسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں اگر وہ ہمارے ہاں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو جشن کا دن مقرر کر لیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ ......﴾ کہاں اور کب نازل ہوئی اور جب یہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اس وقت کہاں تشریف فرما تھے۔ اللہ کی قسم! ہم اس وقت میدان عرفات میں تھے۔ سفیان نے کہا: مجھے شک ہے کہ اس دن جمعہ تھا یا کوئی اور دن۔

فوائد ومسائل: ① دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے جس دن یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وہ جمعے کا دن تھا۔[1] سفیان ثوری کے شک کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سوموار کے دن ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی جیسا کہ مشہور ہے، اگر یوم عرفہ جمعے کا دن تھا تو پھر کسی صورت میں بارہ ربیع الاول کو سوموار کا دن نہیں پڑتا، بہر حال اس بات پر اتفاق ہے کہ جس

① صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 45.

دن یہ آیت نازل ہوئی وہ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسحاق کی روایت نقل کی ہے کہ جمعہ اور عرفہ دونوں دن ہمارے لیے عید ہیں۔ طبرانی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔[1] ② اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمعہ کا دن تو واقعی ہمارے لیے عید ہے لیکن عرفہ کے دن کو عید کس بنا پر کہا گیا ہے؟ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں: * حج کرنے والوں کی اصل عید تو یوم عرفہ ہی ہوتی ہے کیونکہ اس دن حج کا رکن اعظم، یعنی وقوف عرفہ ادا ہوتا ہے۔ * اصل عید تو دسویں تاریخ یوم النحر کو ہوتی ہے، چونکہ یہ دن یوم عرفہ کے متصل ہوتا ہے اور کسی شے کے قرب کو بھی وہی حکم دیا جاتا ہے جو اصل چیز کا ہوتا ہے، اس لیے یوم عرفہ کو عید کہا ہے کیونکہ اس کے متصل لیلۃ العید شروع ہو جاتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَآءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [٦]

تَيَمَّمُوا: تَعَمَّدُوا، ﴿ءَآمِّينَ﴾ [٢]: عَامِدِينَ. أَمَّمْتُ وَتَيَمَّمْتُ وَاحِدٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَمَسْتُمُ﴾ [المائدة:٦ والنساء:٤٣]، وَ﴿تَمَسُّوهُنَّ﴾ [البقرة:٢٣٦ والأحزاب:٤٩]، وَ﴿الَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ﴾ [النساء:٢٣] وَالْإِفْضَاءُ: اَلنِّكَاحُ.

باب:3- ارشاد باری تعالیٰ: ”پھر تمھیں پانی نہ مل رہا ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو“ کی تفسیر

تَيَمَّمُوْا کے معنی ہیں: قصد کرو، آمِّيْنَ سے مراد ارادہ کرنے والے۔ أَمَّمْتُ اور تَيَمَّمْتُ دونوں ہم معنی ہیں، یعنی میں نے ارادہ کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لَمَسْتُمْ، تَمَسُّوْهُنَّ، وَالَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ اور اَلْإِفْضَاءُ کے معنی نکاح، یعنی جماع کے ہیں۔ مختلف آیات میں مذکورہ چار الفاظ لمس، مسّ، دُخول اور إفضاء کے معنی وطی، یعنی جماع کے ہیں۔

وضاحت: عنوان میں مذکور آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”ہاں اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت سے آئے یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو، پھر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو، اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔“[2] آیت کریمہ میں انسانی مجبوریوں کے پیش نظر رخصت کا ذکر ہے، یعنی وضو کے بجائے پاک مٹی سے تیمم کر لیا جائے۔

٤٦٠٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ

[4607] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش میں وہاں ٹھہر گئے اور صحابۂ کرام نے بھی آپ کے

---

1 فتح الباري: 142/1، والمعجم الأوسط للطبراني: 202/1. 2 المآئدة 6:5.

عِقْدٌ لِي، فَأَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهِ وَأَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ، وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ، وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، فَأَتَى النَّاسُ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَقَالُوا: أَلَا تَرٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ، أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَبِالنَّاسِ، وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ؟ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلٰى فَخِذِي قَدْ نَامَ، فَقَالَ: حَبَسْتِ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَالنَّاسَ، وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَعَاتَبَنِي أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ، وَجَعَلَ يَطْعُنُنِي بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي، وَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَلٰى فَخِذِي، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ أَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ: مَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ، قَالَتْ: فَبَعَثْنَا الْبَعِيرَ الَّذِي كُنْتُ عَلَيْهِ فَإِذَا الْعِقْدُ تَحْتَهُ.

[راجع: ٣٣٤]

ساتھ قیام کیا۔ وہاں نہ تو پانی کا کوئی چشمہ تھا اور نہ لوگوں کے پاس پانی ہی تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کی: آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کر رکھا ہے؟ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہیں ٹھہرا لیا ہے اور ہمیں بھی ٹھہرنے پر مجبور کر رکھا ہے، حالانکہ یہاں نہ تو پانی کا چشمہ ہے اور نہ لوگوں کے پاس پانی ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے جبکہ رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر محو استراحت تھے۔ انھوں نے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ اور تمام لوگوں کو یہاں روک رکھا ہے، حالانکہ یہاں کہیں پانی کا چشمہ نہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ پر بہت خفا ہوئے اور جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا مجھے سخت سست کہا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگانے لگے۔ میں نے اس خیال سے کوئی حرکت نہ کی کہ رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھے ہوئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ صبح بیدار ہوئے تو وہاں پانی وغیرہ کا کوئی نشان تک نہ تھا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل کی تو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے آل ابی بکر! یہ تمھاری کوئی پہلی برکت تو نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم نے وہ اونٹ اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہار اسی کے نیچے سے مل گیا۔

٤٦٠٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: سَقَطَتْ قِلَادَةٌ لِي بِالْبَيْدَاءِ وَنَحْنُ دَاخِلُونَ الْمَدِينَةَ، فَأَنَاخَ النَّبِيُّ ﷺ وَنَزَلَ، فَثَنٰى رَأْسَهُ فِي حَجْرِي رَاقِدًا، أَقْبَلَ

[4608] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ ہم مدینہ واپس آ رہے تھے کہ مقام بیداء پر میرا ہار گم ہو گیا۔ نبی ﷺ نے وہیں اپنی سواری روک دی اور نیچے اتر پڑے۔ پھر اپنا سر مبارک میری گود میں رکھ کر سو گئے۔ اس دوران میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے سینے پر زور سے ہاتھ (مکا) مار کر فرمایا کہ ایک ہار کی وجہ سے تم نے

أَبُو بَكْرٍ فَلَكَزَنِي لَكْزَةً شَدِيدَةً وَقَالَ: حَبَسْتِ النَّاسَ فِي قِلَادَةٍ، فَبِيَ الْمَوْتُ؛ لِمَكَانِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَقَدْ أَوْجَعَنِي، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَيْقَظَ وَحَضَرَتِ الصُّبْحُ، فَالْتُمِسَ الْمَاءُ فَلَمْ يُوجَدْ، فَنَزَلَتْ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ﴾ الْآيَةَ، فَقَالَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ: لَقَدْ بَارَكَ اللهُ لِلنَّاسِ فِيكُمْ يَا آلَ أَبِي بَكْرٍ! مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَرَكَةٌ لَهُمْ. [راجع: ٣٣٤]

لوگوں کو یہاں روک رکھا ہے لیکن میں رسول اللہ ﷺ کے آرام کی وجہ سے بے حس وحرکت بیٹھی رہی جبکہ مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ جب نبی ﷺ صبح کے وقت بیدار ہوئے تو پانی کی تلاش شروع ہوئی لیکن وہاں پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے آل ابی بکر! تمھاری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو برکت عطا فرمائی ہے۔ یقیناً تم لوگوں کے لیے خیر و برکت کا باعث ہو۔

فوائد ومسائل: ① پہلی حدیث میں ہے کہ اس واقعے کے پس منظر میں آیت تیمم نازل ہوئی، تیمم کا ذکر دو مقامات پر ہے: ایک تو سورۂ نساء آیت: 43 میں اور دوسرے سورۂ مائدہ آیت: 6 میں۔ اس حدیث میں آیت تیمم سے مراد کون سی آیت ہے؟ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد سورۂ نساء کی آیت ہے کیونکہ سورۂ مائدہ والی آیت: 6 کو آیت الوضوء کہا جاتا ہے جبکہ سورۂ النساء کی آیت میں وضو کا ذکر نہیں ہے، اس لیے ان کے نزدیک آیت تیمم سے مراد سورۂ نساء والی آیت ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے مراد سورۂ مائدہ کی آیت ہے کیونکہ دوسری حدیث جو حضرت عمرو بن حارث سے مروی ہے، اس میں اس کی صراحت ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ترجیح دی ہے کیونکہ وضو کا حکم تو پہلے سے موجود تھا، البتہ پانی کی عدم موجودگی میں کیا کرنا چاہیے وہ اس حکم سے ناواقف تھے، اس لیے آیت تیمم سے ان کی مشکل کو حل کیا گیا، پھر اس آیت کا آغاز وضو کے حکم سے کیا گیا ہے تاکہ اس کی فرضیت کو قرآن کا حصہ بنا دیا جائے، حالانکہ اس کا حکم نزول آیت سے پہلے موجود تھا۔ ③ بعض اہل علم نے یہ بھی کہا ہے کہ آیت کا آغاز جس میں وضو کا ذکر ہے یہ حصہ بہت پہلے نازل ہو چکا تھا، پھر کچھ عرصہ بعد وہ حصہ نازل ہوا جس میں تیمم کا ذکر ہے لیکن یہ توجیہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ذکر کردہ دوسری حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری آیت ایک ہی دفعہ نازل ہوئی تھی۔[1] واللہ أعلم.

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَٱذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَٰتِلَآ إِنَّا هَٰهُنَا قَٰعِدُونَ﴾ [٢٤]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں'' کا بیان

وضاحت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم مدت سے فرعون اور آل فرعون کی غلامی میں زندگی بسر کر رہی تھی، اور اللہ کے بجائے بچھڑے کی عبادت ان کا معمول تھا۔ وہ اس قدر پست ہمت اور بزدل بن چکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

1 فتح الباري: 563،562/1.

جب تک وہاں کے جبار لوگ نکل نہیں جاتے ہم وہاں کبھی نہیں جائیں گے، اگر تمھیں جہاد پر اتنا ہی اصرار ہے تو جاؤ تم اور تمھارا رب جا کر ان سے مقابلہ کرو ہم تو یہاں سے آگے نہیں جائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے یہ جواب سن کر سخت مایوس اور غمگین ہوئے اور اللہ کے حضور دعا کی کہ ایسی قوم سے تو میں اکیلا ہی بھلا جیسے تو حکم دے میں حاضر ہوں یا پھر میرا بھائی حاضر ہے جو میرے کہنے میں ہے اور ہر دکھ سکھ میں میرے ساتھ شریک ہے، اگر ایسی نافرمان قوم میری بات نہیں مانتی تو میں کیا کر سکتا ہوں، لہٰذا تو میرے اور نافرمان لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دے۔ واللہ المستعان. ان کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات کچھ اور تھے جو درج ذیل حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔

٤٦٠٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ مُخَارِقٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: شَهِدْتُ مِنَ الْمِقْدَادِ؛ ح: وَحَدَّثَنِي حَمْدَانُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ: حَدَّثَنَا [الْأَشْجَعِيُّ] عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُخَارِقٍ، عَنْ طَارِقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ الْمِقْدَادُ يَوْمَ بَدْرٍ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا لَا نَقُولُ لَكَ كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسٰى: ﴿فَٱذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَـٰتِلَآ إِنَّا هَـٰهُنَا قَـٰعِدُونَ﴾ وَلٰكِنِ امْضِ وَنَحْنُ مَعَكَ، فَكَأَنَّهُ سُرِّيَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

[4609] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن کہا: اللہ کے رسول! ہم آپ سے یہ نہیں کہیں گے جیسے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ''تو اور تیرا رب دونوں جاؤ اور (ان سے) لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔'' لیکن آپ چلیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے تمام خدشات دور ہو گئے اور آپ بہت خوش ہوئے۔

وَرَوَاهُ وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُخَارِقٍ، عَنْ طَارِقٍ: أَنَّ الْمِقْدَادَ قَالَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ.

[راجع: ٣٩٥٢]

امام وکیع نے سفیان سے، انھوں نے مخارق سے، انھوں نے طارق سے بیان کیا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی ﷺ سے کہی تھی۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں اس کی مزید تفصیل ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے ایک ایسی بات سنی ہے کہ اگر وہ بات میری زبان سے ادا ہوتی تو میرے لیے کسی بھی چیز کے مقابلے میں زیادہ عزیز ہوتی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ اس وقت آپ مشرکین کے خلاف بددعا کر رہے تھے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی: ''جاؤ تم اور تمھارا رب ان سے جنگ کرو۔'' بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے ہو کر لڑیں گے۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا

چہرۂ انور چمکنے لگا اور آپ بہت خوش ہوئے۔[1] ② دراصل ہوا یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے ایک قافلے کی خبر سن کر مدینہ طیبہ سے نکلے تھے لیکن قافلہ تو بحفاظت نکل گیا، البتہ کفار مکہ سے لڑائی ٹھن گئی، جس میں کفار ایک جارح کی حیثیت سے تیار ہو کر آئے تھے۔ اس نازک مرحلے پر رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جنگ کے متعلق مشورہ کیا تو سب نے آپ کو تسلی دی اور جنگ پر آمادگی کا اظہار کیا۔ انصار نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اگر آپ برک الغماد نامی دور دراز جگہ تک ہمیں جنگ کے لیے لے جائیں گے تو بھی ہم آپ کے ساتھ چلنے اور جان و مال سے لڑنے کے لیے حاضر ہیں۔ ③ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی وہی بات کہی جو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ ممکن ہے کہ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما دونوں نے ویسا کہا ہو۔ بہرحال اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری اور وفاداری کا پتہ چلتا ہے۔

(٥) بَابٌ: ﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا﴾ [٣٣] الْآيَةَ

باب: 5- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی سزا بھی یہی ہے (کہ وہ بری طرح قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں)“ کا بیان

اَلْمُحَارَبَةُ لِلّٰهِ: اَلْكُفْرُ بِهِ.

اَلْمُحَارَبَةُ لِلّٰهِ ”اللہ سے جنگ لڑنے“ سے مراد اس کے ساتھ کفر کرنا ہے۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں، ان کی سزا تو یہی ہے کہ انھیں اذیت کے ساتھ قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ ان کے لیے یہ ذلت تو دنیا میں ہے اور آخرت میں انھیں بہت بڑا عذاب ہوگا۔“[2] اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول سے جنگ سے مراد ڈکیتی اور راہزنی خیال کیا جاتا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے کفر اور ارتداد مراد لیا ہے، پھر اس میں چار قسم کی سزاؤں کا بیان ہے جن کی نوعیت حسب ذیل ہے: * اگر مجرم نے قتل کر دیا مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی تو اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ * اگر قتل بھی کر دیا ہو اور مال بھی لوٹ لیا ہو تو اسے سولی پر لٹکایا جائے گا۔ * اگر صرف مال ہی چھینا ہو لیکن قتل نہ کیا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹے جائیں گے۔ * اگر ابھی قتل بھی نہ کیا ہو اور مال چھیننے سے پہلے گرفتار ہو جائے تو اسے جلا وطن کیا جائے گا۔ بہرحال جج، جرم کی نوعیت کے اعتبار سے ان سزاؤں میں سے کسی دو کو اکٹھا بھی کر سکتا ہے اور کسی ایک میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے۔ چونکہ آیت کے الفاظ میں عموم ہے، اس لیے محدثین اس آیت کے تحت عکل اور عرینہ کا واقعہ درج کرتے ہیں جس کی تفصیل مندرجہ ذیل

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 3952. [2] المآئدة 5: 33.

حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

٤٦١٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سَلْمَانُ أَبُو رَجَاءٍ مَوْلَى أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ: أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا خَلْفَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَذَكَرُوا وَذَكَرُوا، فَقَالُوا وَقَالُوا: قَدْ أَقَادَتْ بِهَا الْخُلَفَاءُ، فَالْتَفَتَ إِلَى أَبِي قِلَابَةَ وَهُوَ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَقَالَ: مَا تَقُولُ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ زَيْدٍ؟ أَوْ قَالَ: مَا تَقُولُ يَا أَبَا قِلَابَةَ؟ قُلْتُ: مَا عَلِمْتُ نَفْسًا حَلَّ قَتْلُهَا فِي الْإِسْلَامِ إِلَّا رَجُلٌ زَنٰى بَعْدَ إِحْصَانٍ، أَوْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ، أَوْ حَارَبَ اللهَ وَرَسُولَهُ ﷺ، فَقَالَ عَنْبَسَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ بِكَذَا وَكَذَا، قُلْتُ: إِيَّايَ حَدَّثَ أَنَسٌ، قَالَ: قَدِمَ قَوْمٌ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَكَلَّمُوهُ، فَقَالُوا: قَدِ اسْتَوْخَمْنَا هٰذِهِ الْأَرْضَ، فَقَالَ: «هٰذِهِ نَعَمٌ لَنَا تَخْرُجُ لِتَرْعٰى، فَاخْرُجُوا فِيهَا، فَاشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا»، فَخَرَجُوا فِيهَا فَشَرِبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا، وَاسْتَصَحُّوا وَمَالُوا عَلَى الرَّاعِي فَقَتَلُوهُ، وَاطَّرَدُوْا النَّعَمَ فَمَا يُسْتَبْطَأُ مِنْ هٰؤُلَاءِ، قَتَلُوا النَّفْسَ وَحَارَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ، وَخَوَّفُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ، فَقُلْتُ: تَتَّهِمُنِي؟ قَالَ: حَدَّثَنَا بِهٰذَا أَنَسٌ قَالَ: وَقَالَ: يَا أَهْلَ كَذَا، إِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا بِخَيْرٍ مَا أَبْقَى اللهُ هٰذَا فِيكُمْ، وَمِثْلَ هٰذَا. [راجع: ٢٣٣]

[4610] حضرت ابو قلابہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے تو مجلس میں قسامت کا ذکر آ گیا۔ لوگوں نے کہا: قسامت میں قصاص ہوتا ہے۔ آپ سے پہلے خلفاء نے بھی اس میں قصاص لیا ہے۔ تب حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ ابو قلابہ کی طرف متوجہ ہوئے جبکہ وہ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے پوچھا: عبداللہ بن زید! تمھاری اس کے متعلق کیا رائے ہے یا یوں کہا: اے ابو قلابہ! آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کی: مجھے تو کوئی ایسی صورت معلوم نہیں کہ اسلام میں کسی کا قتل جائز ہو، سوائے اس شخص کے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے یا کسی کو ناحق قتل کرے یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے مرتد ہو جائے۔ اس پر حضرت عنبسہ نے کہا: ہم سے تو حضرت انس نے ایسی ایسی حدیث بیان کی تھی۔ میں نے کہا: مجھ سے بھی انھوں نے یہ حدیث بیان کی تھی کہ کچھ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام پر بیعت کرنے کے بعد انھوں نے آپ ﷺ سے عرض کی: ہمیں اس شہر (مدینہ طیبہ) کی آب و ہوا موافق نہیں آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارے یہ اونٹ چرنے کے لیے باہر جا رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ وہاں چلے جاؤ۔ ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔'' چنانچہ وہ لوگ اونٹوں کے ساتھ چلے گئے، وہاں ان کا دودھ اور پیشاب پیا تو وہ تندرست ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے چرواہے پر حملہ کیا، اسے قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ اب ایسے لوگوں سے قصاص لینے میں کیا تامل ہو سکتا تھا؟ انھوں نے ایک شخص کو قتل کیا، اللہ

اور اس کے رسول کے خلاف بغاوت کی، پھر رسول اللہ ﷺ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عنبسہ نے اس پر سبحان اللہ کہا۔ میں نے کہا: کیا تم مجھے جھٹلانا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا: ایسا نہیں ہے۔ یہی حدیث حضرت انس نے مجھ سے بھی بیان کی تھی (لیکن میں نے اس لیے تعجب کا اظہار کیا کہ تمھیں حدیث یاد رہتی ہے)۔ راوی نے کہا کہ حضرت عنبسہ نے فرمایا: اے اہل شام! جب تک تمھارے ہاں ابو قلابہ یا اس جیسے عالم موجود رہیں گے تم ہمیشہ اچھے رہو گے۔

فوائد ومسائل: ① کسی نامعلوم قتل پر اس محلے کے پچاس آدمی حلف اٹھائیں کہ ہم اس سے بری الذمہ ہیں، قسامت کہلاتا ہے۔ قسامت میں قصاص ہے یا دیت؟ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابو قلابہ کا مطلب یہ تھا کہ قسامت میں قصاص نہیں بلکہ دیت دلائی جائے، جبکہ دوسرے اہل مجلس کا موقف تھا کہ اس میں قصاص ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابو قلابہ نے اپنے موقف کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے، فرماتے ہیں: اے امیر المومنین! آپ کے پاس فوج کے سردار اور عرب کے اشراف ہیں اگر ان میں سے پچاس آدمی ایک ایسے شادی شدہ مرد پر گواہی دیں جو دمشق کا رہنے والا ہو کہ اس نے زنا کیا ہے اور انھوں نے اسے آنکھوں سے نہ دیکھا ہو تو کیا آپ اسے ان کی گواہی سے رجم کریں گے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ ابو قلابہ نے کہا: اگر ان میں سے پچاس آدمی ایک شخص کے خلاف چوری کی گواہی دیں جو حمص میں ہو اور انھوں نے اسے دیکھا نہ ہو تو کیا آپ ان کی گواہی سے اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے؟ انھوں نے کہا: نہیں، پھر انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے تین قسم کے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے ان میں قسامت کی بنا پر قتل کرنا نہیں ہے۔[1] ② حضرت ابو قلابہ نے موجبات قتل کو صرف تین اسباب میں بند کر دیا جن میں قسامہ نہیں ہے، پھر حضرت عنبسہ نے حدیث عرنیین بیان کر کے قتل کو ڈاکا زنی میں بند کر دیا کہ محاربین کو قتل کیا جائے۔ ان کا مطلب تھا کہ جواز قتل ان تین اسباب میں منحصر نہیں ہے۔ ابو قلابہ نے جواب دیا کہ عرنیین کا قصہ ان تینوں امور سے خارج نہیں ہے۔ ③ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قسامہ میں قصاص نہیں ہے بلکہ اس میں صرف دیت دلائی جائے گی جیسا کہ انھوں نے کتاب الدیات کے باب القسامۃ میں اشارہ کیا ہے جس کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔ باذن اللہ تعالیٰ۔ ④ آیت مذکورہ کو صرف ڈکیتی کی واردات پر محمول نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے اپنے وسیع مفہوم میں لینا چاہیے کہ اسلام کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈا، مجرمانہ سازشیں، اسلامی حکومت سے غداری اور مسلح بغاوت یہ سب کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ اور فساد فی الارض میں شامل ہے، چنانچہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابو قلابہ کہتے ہیں کہ

---

1 صحیح البخاري، الدیات، حدیث: 6898.

انھوں نے چوری کی، خون کیا، ایمان کے بعد مرتد ہوئے، اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کیا، اس لیے انھیں سنگین سزا سے دوچار کیا گیا۔[1]

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ﴾ [٤٥]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور زخموں میں بھی قصاص ہے'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: ''ہم نے ان یہودیوں کے لیے لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان ہوگی، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا برابر برابر بدلہ ہوگا۔ اور جو شخص اپنے حق سے دستبردار ہو جائے تو یہ دستبرداری اس کے لیے اپنے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔''[2]

٤٦١١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ - وَهِيَ عَمَّةُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ - ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَطَلَبَ الْقَوْمُ الْقِصَاصَ، فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْقِصَاصِ، فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: لَا وَاللهِ! لَا تُكْسَرُ سِنُّهَا يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا أَنَسُ! كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ»، فَرَضِيَ الْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْأَرْشَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ». [راجع: ٢٧٠٣]

[4611] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ان کی پھوپھی حضرت ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا نے انصار کی ایک لڑکی کا سامنے والا دانت توڑ دیا۔ لڑکی والوں نے قصاص کا مطالبہ کیا اور اس غرض سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ نے بھی قصاص کا حکم دیا تو حضرت انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! نہیں، اللہ کی قسم! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے انس! اللہ کی کتاب میں قصاص ہی ہے۔'' اس دوران میں لڑکی والے معافی پر راضی ہو گئے اور انھوں نے دیت قبول کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کا نام لے کر قسم اٹھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور سچا کر دیتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اَرْش دراصل یہ ہوتا ہے کہ کوئی خریدار جب خریدی ہوئی چیز کے عیب پر مطلع ہو تو بقدر نقصان کچھ رقم فروخت کرنے والے سے لے لیتا ہے۔ زخموں اور جنایات کی اَرش بھی اسی طرح ہے کہ وہ بھی پیدا شدہ نقصان کو پورا کرتی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر کسی کو معافی دے دی جائے تو معروف طریقے کے مطابق اس کی اتباع کی جائے اور اچھے انداز سے رقم کی ادائیگی کر دی جائے۔''[3] ② واضح رہے کہ معافی کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ ہے کہ قصاص اور دیت دونوں معاف کر

① صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 233. ② المآئدة 5:45. ③ البقرة 2:178.

دیے جائیں اور دوسری یہ ہے کہ قصاص معاف کر دیا جائے۔ اس صورت میں دیت ادا کرنی ہوگی۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابٌ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ [٦٧]

باب: 7- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اے رسول! جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف اتارا گیا ہے اسے دوسروں تک پہنچا دو'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کا تکملہ یہ ہے: ''اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو اللہ کا پیغام پہنچانے کا حق ادا نہ کیا اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔''[1] اس آیت کے نزول سے پہلے جاں نثار صحابۂ کرام ؓ آپ کے مکان پر پہرہ دیا کرتے تھے، اس کے بعد آپ نے کبھی پہرہ نہیں بٹھایا۔ تبلیغ رسالت کی وجہ سے آپ کو اپنی جان کا کس قدر خطرہ تھا، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ پر کفار مکہ، یہود اور منافقین کی طرف سے تقریباً سترہ بار قاتلانہ حملے ہوئے اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ پر سب سے اہم ذمہ داری تبلیغ رسالت کی تھی، چنانچہ آپ نے سب سے زیادہ توجہ اسی پر دی اور کسی چیز کو بھی لوگوں سے چھپایا نہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٦١٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقَدْ كَذَبَ، وَاللهُ يَقُولُ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ الْآيَةَ. [راجع: ٣٢٣٤]

[4612] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جو شخص بھی تم سے یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر جو کچھ نازل کیا تھا، آپ نے اس میں سے کچھ چھپا لیا تھا تو اس نے یقیناً جھوٹ بولا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: ''اے پیغمبر! جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کیا گیا ہے، اسے لوگوں تک پہنچا دو۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک حدیث سے مذکورہ حدیث کی مزید وضاحت ہوتی ہے، آپ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کسی آیت کو لوگوں سے چھپانا چاہتے تو اس آیت کو چھپاتے: ''اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور آپ لوگوں سے خوف کھاتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار تھا کہ آپ اس سے ڈرتے۔''[2] لیکن آپ نے اس آیت کو بھی نہیں چھپایا۔[3] ② اس طرح کی ایک حدیث حضرت انس ؓ سے بھی مروی ہے۔[4] بہرحال رسول اللہ ﷺ نے پوری ذمے داری سے فریضۂ تبلیغ رسالت سرانجام دیا، پھر آپ نے زندگی کے آخری دور میں ہزاروں صحابۂ کرام ؓ سے گواہی لی، جب انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے آواز بلند فرمایا: ''یا اللہ! تو اس

1 المآئدة 5:67. 2 الأحزاب 33:37. 3 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 440 (177). 4 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7420.

پر گواہ رہنا۔''[1]

(٨) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ﴾ [٨٩]

باب: 8- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ تمھاری مہمل اور لغو قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرے گا'' کا بیان

وضاحت: کلام عرب سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب میں بات بات پر قسمیں اٹھانے کا عام رواج تھا اور ان میں زیادہ تر قسمیں یا تو محض تکیۂ کلام کے طور پر ہوا کرتی تھیں یا پھر کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے اٹھائی جاتی تھیں۔ ایسی ہی قسموں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے لغو کا لفظ استعمال کیا ہے جن کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ لغو یہ قسم ہے کہ اس کی طرف بلا ارادہ و بے ساختہ زبان سبقت کر جائے، جیسے عرف اور عادت کے موافق انسان لا واللہ یا اللہ کی قسم بلا قصد کہہ دیتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

٤٦١٣ - **حَدَّثَنَا** عَلِيُّ بْنُ [سَلَمَةَ]: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ سُعَيْرٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ﴾ فِي قَوْلِ الرَّجُلِ: لَا وَاللهِ، وَبَلٰى وَاللهِ. [انظر: ٦٦٦٣]

[4613] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ درج ذیل آیت کریمہ: ''اللہ تعالیٰ تم سے تمھاری فضول قسموں پر مؤاخذہ نہیں کرے گا۔'' کسی کے اس طرح قسم کھانے کے بارے میں نازل ہوئی تھی، نہیں! اللہ کی قسم، ہاں! اللہ کی قسم۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قسم بطور عادت قصد و ارادہ کے بغیر انسان کی زبان سے نکل جائے وہ لغو ہے کیونکہ بعض اوقات انسان کو بچپن میں بات بات پر قسم کھانے کی عادت پڑ جاتی ہے جس پر کنٹرول کرنا کچھ مشکل ہوتا ہے، چنانچہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ بچپن میں ہمیں قسم اٹھانے پر مار پڑتی تھی۔ ② اگر کوئی انسان جان بوجھ کر قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، حالانکہ وہ اسے کر چکا ہوتا ہے تو اسے یمین غموس کہتے ہیں اور یہ کبیرہ گناہ میں شامل ہے۔

٤٦١٤ - **حَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ أَبَاهَا كَانَ لَا يَحْنَثُ فِي يَمِينٍ حَتّٰى أَنْزَلَ اللهُ كَفَّارَةَ الْيَمِينِ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: لَا أَرٰى يَمِينًا أُرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا قَبِلْتُ رُخْصَةَ اللهِ، وَفَعَلْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ.

[4614] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ ان کے والد گرامی اپنی قسم کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کفارۂ قسم کا حکم نازل فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اب اگر قسم کے علاوہ کوئی دوسری چیز مجھے اس سے بہتر معلوم ہوتی ہے تو میں اللہ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرتا ہوں اور وہی کام کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔

[1] صحيح مسلم، الحج، حديث: 2950 (1218).

[انظر : ٦٦٢١]

فوائدومسائل: ① آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھانا یمین منعقدہ ہے جس کے توڑ دینے پر کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قسم کا کفارہ دس مساکین کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا انھیں لباس دینا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جسے یہ میسر نہ ہوں وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم اٹھا کر اسے توڑ دو۔''[1] ② اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اگر تم کسی کام کے کرنے کی قسم کھالو، پھر تمھیں کسی دوسرے کام میں بہتری نظر آئے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر کے وہ کام کرو جو بہتر ہے۔''[2]

(٩) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ [٨٧]

باب: 9- ارشاد باری تعالیٰ: ''اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ چیزوں کو خود پر حرام نہ کرو جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حلال کیا ہے'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کا تکملہ یہ ہے: ''اور حد سے آگے نہ بڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[3] حد سے آگے بڑھنے کی چند ایک صورتیں حسب ذیل ہیں: * جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں انھیں عقیدہ اور عمل کے طور پر خود پر حرام کر لینا جیسا کہ بعض صوفیا نکاح کے متعلق عقیدہ یا عمل رکھتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ عیسائیوں میں موجود ہوتے تھے۔ * جس قدر جسم کو غذا کی ضرورت ہے اس سے کم کھانا یا بالکل کھانے سے پرہیز کرنا یا مرغوب اشیاء کو ترک کر دینا، یہ رہبانیت کے برگ و بار ہیں جو سنت نبوی کے خلاف ہے۔ * اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا یا ضرورت سے زیادہ کھانا جسے ہم بسیار خوری کا نام دیتے ہیں، ایسا کرنے سے بہت سے جسمانی عوارض اور متعدد امراض لاحق ہو جاتی ہیں۔ * ایک حلال چیز کو اپنی کمائی کے ذریعے سے حرام کر لے، مثلاً: چوری، ڈاکا، غصب، خیانت، سود اور رشوت خوری اس میں شامل ہے۔ یہود کی اکثریت اس میں مبتلا تھی۔ یہ تمام صورتیں حد سے آگے بڑھنے میں شامل ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں کیا۔

٤٦١٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَلَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا: أَلَا نَخْتَصِي؟ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ، فَرَخَّصَ لَنَا بَعْدَ ذٰلِكَ أَنْ نَتَزَوَّجَ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾. [انظر: ٥٠٧١،

[4615] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ جہاد پر جاتے تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ ہم نے کہا کہ ایسے حالات میں ہم خود کو خصی نہ کر لیں؟ لیکن نبی ﷺ نے ہمیں اس سے منع کر دیا، اس کے بعد آپ نے ہمیں اس امر کی اجازت دی کہ ہم کسی عورت سے کپڑے کے عوض شادی کر لیں۔ پھر آپ نے تائید کے طور پر یہ آیت پڑھی:

1 المآئدة 5:89. 2 صحيح البخاري، الأيمان والنذور، حديث: 6622. 3 المآئدة 5:87.

[٥٠٧٥]

''اے ایمان والو! تم خود پر ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حلال کیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں اس آیت کی شان نزول ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: ''اللہ کے رسول! میں جس وقت گوشت کھاتا ہوں تو مجھے عورتوں کی خواہش بے قرار کر دیتی ہے، اس لیے میں نے گوشت کو اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے۔'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرح نکاح متعہ کے جائز ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔ ممکن ہے کہ انھیں پہلے اس کے نسخ کا علم نہ ہوا ہو لیکن جب اس کے منسوخ ہونے کا علم ہوا تو رجوع فرما لیا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ اسماعیلی کے حوالے سے ایسی روایات کا ذکر کیا ہے جن میں ان کے رجوع کا ذکر ہے۔[2] ② یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مذکورہ آیت اختصاء کے لیے پڑھی ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ خصیتین اللہ کی عظیم نعمت ہیں ان کے ذریعے سے حلال جماع کی لذت کا احساس ہوتا ہے، اس طرح یہ طبیعات میں داخل ہیں، خصی ہو کر تم اس لذت کو خود پر حرام نہ کرو۔ واللہ أعلم. ③ بہرحال نکاح متعہ آغاز اسلام میں جائز تھا جسے غزوۂ خیبر میں منسوخ کر دیا گیا، پھر غزوۂ اوطاس میں محض تین دن کے لیے اجازت ہوئی، پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے ختم کر دیا گیا، کتاب وسنت سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

(١٠) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ﴾ [٩٠]

باب: 10- ارشاد باری تعالیٰ: ''یہ شراب، یہ جوا، یہ آستانے اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں'' کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿وَٱلْأَزْلَٰمُ﴾: اَلْقِدَاحُ يَقْتَسِمُونَ بِهَا فِي الْأُمُورِ. وَالنُّصُبُ: أَنْصَابٌ يَذْبَحُونَ عَلَيْهَا. وَقَالَ غَيْرُهُ: اَلزَّلَمُ: اَلْقِدْحُ لَا رِيشَ لَهُ وَهُوَ وَاحِدُ الْأَزْلَامِ. وَالْاِسْتِقْسَامُ: أَنْ يُجِيلَ الْقِدَاحَ، فَإِنْ نَهَتْهُ انْتَهَى، وَإِنْ أَمَرَتْهُ فَعَلَ مَا تَأْمُرُهُ بِهِ - يُجِيلُ: يُدِيرُ - وَقَدْ أَعْلَمُوا الْقِدَاحَ أَعْلَامًا بِضُرُوبٍ، يَسْتَقْسِمُونَ بِهَا، وَفَعَلْتُ مِنْهُ قَسَمْتُ، وَالْقُسُومُ: الْمَصْدَرُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَزْلَام سے مراد وہ تیر ہیں جن کے ذریعے سے وہ اپنے معاملات میں قسمت آزمائی کرتے تھے۔ نُصُب سے وہ آستانے مراد ہیں جہاں وہ جانور ذبح کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ زَلَمْ سے مراد وہ تیر ہے جس کا پَر نہ ہو۔ یہ مفرد ہے جس کی جمع اَزْلَام ہے۔ اَلْاِسْتِقْسَامُ یہ ہے کہ تیروں کو گھمایا جاتا۔ اگر وہ منع کر دیتا تو کام سے رک جاتے اور اگر حکم دیتا تو اس کے مطابق عمل کرتے۔ يُجِيلُ کے معنیٰ ہیں: گھماتے۔ دراصل ان لوگوں نے تیروں پر مختلف قسم

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3054. [2] فتح الباري: 150/8.

کے نشانات لگا رکھے تھے اور ان کے ذریعے سے فال نکالتے تھے۔ اَلْإِسْتِقْسَامُ سے ثلاثی مجرد قَسَمْتُ ہے اور اس کا مصدر قُسُوم آتا ہے۔

وضاحت: دور جاہلیت میں مشرکین تیروں کے ذریعے سے قسمت آزمائی کرتے تھے۔ کعبے کے اندر اور باہر اس قسم کا کاروبار عروج پر تھا۔ عام طور پر سات تیر ہوتے تھے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ ایک پر أَمَرَنِي رَبِّي لکھا ہوتا۔ اس کے نکلنے پر مشرکین اپنا کام کر گزرتے۔ ○ دوسرے پر نَهَانِي رَبِّي لکھا ہوتا۔ اگر یہ نکل آتا تو کام سے باز رہتے۔ ○ تیسرے پر وَاحِدٌ مِنْكُمْ لکھا ہوتا۔ اس کے نکلنے پر کسی کو اپنے نسب میں شامل کر لیتے۔ ○ چوتھے پر مِنْ غَيرِكُم لکھا ہوتا۔ اگر یہ نکل آتا تو اسے اپنے نسب سے خارج خیال کرتے۔ ○ پانچویں پر مُلْصِقٌ لکھا ہوتا۔ اس سے مراد یہ کہ سابقہ تعلقات بحال رکھے جائیں۔ ○ چھٹے پر اَلْعَقْل لکھا ہوتا۔ اس کا مطلب دیت ادا کرنا ہوتا تھا۔ ○ ساتویں پر اَلْغُفْل لکھا ہوتا۔ اگر یہ نکل آتا تو دوبارہ قسمت آزمائی کرتے کیونکہ اس پر کام کرنے یا نہ کرنے کی کوئی علامت نہ ہوتی تھی۔[1]

٤٦١٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَإِنَّ فِي الْمَدِينَةِ يَوْمَئِذٍ لَخَمْسَةَ أَشْرِبَةٍ، مَا فِيهَا شَرَابُ الْعِنَبِ. [انظر: ٥٥٧٩]

[4616] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: شراب کی حرمت نازل ہوئی تو مدینہ طیبہ میں اس وقت پانچ قسم کی شراب استعمال ہوتی لیکن انگوری شراب کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① انگور کی شراب بالکل معدوم نہ تھی بلکہ اس کا استعمال بہت کم ہوتا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں انگور کی شراب کا بھی ذکر آتا ہے۔[2] بہر حال ہر وہ شراب حرام ہے جس کے پینے سے عقل پر پردہ پڑ جائے اور انسان کو نشہ آ جائے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''[3] ایک روایت میں ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار پینے سے نشہ آئے، اس کی تھوڑی سی مقدار بھی حرام ہے۔[4] ② شراب کے متعلق قرآن کریم میں چار مراحل بیان ہوئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: * حرمت سے پہلے اس کی اباحت کا مرحلہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور کھجور اور انگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو اور عمدہ روزی بھی۔''[5] یہ آیت اس وقت اتری جب شراب حرام نہیں تھی، اس لیے حلال چیزوں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن اسلوب سے واضح ہوتا ہے کہ شراب، رزق حسن نہیں ہے کیونکہ اسے الگ بیان کیا گیا ہے۔ * اس کی حرمت کو اشارے سے بیان کیا گیا کہ اس کا نقصان،

1 عمدة القاري: 579/12. 2 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4619. 3 صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5211 (2001). 4 جامع الترمذي، الأشربة، حديث: 1865. 5 النحل 16:67.

فوائد سے زیادہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے نفع کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔''[1] اس حکم میں شراب سے نفرت دلانے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ✱ اس کے بعد نشے کی حالت میں نماز ادا کرنے کی ممانعت کا حکم نازل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! نشے کی حات میں نماز کے قریب تک نہ جاؤ یہاں تک کہ تمھیں یہ معلوم ہو سکے کہ تم نماز میں کیا کہہ رہے ہو۔''[2] یہ آیت حرمت شراب کے تدریجی احکام کی دوسری کڑی ہے۔ اس کے بعد فیصلہ کن حکم نازل ہوا۔ ✱ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ آیت میں شراب کی حرمت کو فیصلہ کن انداز میں بیان کیا گیا اور اسے ''رجس اور شیطانی عمل قرار دیا گیا۔'' ③ ان مراحل کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ! شراب کے متعلق شافی بیان نازل فرما تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیت: 291 نازل فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کی تلاوت کی گئی تو آپ نے عرض کی: اے اللہ! اس کے متعلق بیان شافی نازل فرما۔ پھر سورۂ نساء کی آیت: 43 نازل ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کی تلاوت کی گئی تو آپ نے پھر عرض کی: اے اللہ! اس کے متعلق فیصلہ کن حکم نازل فرما تو سورۂ مائدہ کی آیت: 91 نازل ہوئی جس کے آخر میں ہے کہ کیا تم اس سے باز نہیں آتے ہو۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اسے تلاوت کیا گیا تو انھوں نے کہا: اے اللہ! ہم باز آ گئے۔ اے اللہ! ہم باز آ گئے۔[3]

٤٦١٧ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ قَالَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَا كَانَ لَنَا خَمْرٌ غَيْرُ فَضِيخِكُمْ هٰذَا الَّذِي تُسَمُّونَهُ الْفَضِيخَ، فَإِنِّي لَقَائِمٌ أَسْقِي أَبَا طَلْحَةَ وَفُلَانًا وَفُلَانًا إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ: وَهَلْ بَلَغَكُمُ الْخَبَرُ؟ فَقَالُوا: وَمَا ذَاكَ؟ قَالَ: حُرِّمَتِ الْخَمْرُ، قَالُوا: أَهْرِقْ هٰذِهِ الْقِلَالَ يَا أَنَسُ! قَالَ: فَمَا سَأَلُوا عَنْهَا وَلَا رَاجَعُوهَا بَعْدَ خَبَرِ الرَّجُلِ. [راجع: ٢٤٦٤]

[4617] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم لوگ تمھاری تیار کردہ فضیخ نامی شراب کے علاوہ کوئی دوسری شراب استعمال نہیں کرتے تھے۔ یہ نام ''فضیخ'' تم نے خود ہی تجویز کیا ہے۔ میں کھڑا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو شراب پلا رہا تھا اور فلاں، فلاں کو بھی، اس دوران میں ایک صاحب آئے اور انھوں نے کہا: کیا تمھیں کچھ خبر بھی ہے؟ لوگوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: شراب کو حرام کر دیا گیا ہے۔ شراب پینے والوں نے فوراً کہا: اے انس! اب ان شراب کے مٹکوں کو بہا دو۔ انھوں نے اس آدمی کی اطلاع کے بعد ایک قطرہ بھی نہ طلب کیا اور نہ اسے استعمال ہی کیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی وفاداری اور اطاعت شعاری کا پتہ چلتا ہے کہ حکم الٰہی سنتے ہی تائب ہو گئے۔ شراب نوشی جن کی گھٹی میں رچی بسی تھی یہ حکم امتناعی سننے کے بعد ایک قطرہ بھی حلق میں گرانا گوارا نہ کیا۔ ② شراب نوشی کی وعید کے متعلق متعدد احادیث مروی ہیں۔ چند ایک حسب ذیل ہیں: ○ جس شخص نے شراب پی اور وہ اسی پر

---

① البقرة 219:2. ② النسآء 43:4. 3 جامع الترمذي، التفسير، حديث:3049.

ہیشگی کرتے ہوئے توبہ کیے بغیر مر گیا تو وہ اسے آخرت میں نہیں پیے گا۔''[1] ○ ''جو شخص نشہ آور چیز پیے گا تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ وہ اسے طینة الخبال پلائے۔'' صحابۂ کرام ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! طینة الخبال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اہل جہنم کا پسینہ یا ان کے زخموں سے بہنے والی پیپ۔''[2] ✷ ''تین قسم کے لوگوں پر جنت حرام ہے: ہمیشہ شراب پینے والا، والدین کا نافرمان اور دیوث جو اپنے اہل خانہ میں خباثت برقرار رکھنے والا ہو۔''[3] ✷ ''شراب نوشی کرنے والا اگر اسی حالت میں مرجائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے بت کی پوجا کرنے والے کی طرح ملاقات کرے گا۔''[4] ③ بہرحال شراب کو بطور دوا بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔''[5] اور نہ اسے سرکے میں بدلنے کی اجازت ہے۔[6] اگر کوئی قوم شراب نوشی پر اصرار کرے تو ان سے لڑائی کرنے کا حکم ہے۔[7]

٤٦١٨ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: صَبَّحَ أُنَاسٌ غَدَاةَ أُحُدٍ الْخَمْرَ، فَقُتِلُوا مِنْ يَوْمِهِمْ جَمِيعًا شُهَدَاءَ، وَذٰلِكَ قَبْلَ تَحْرِيمِهَا. [راجع: ٢٨١٥]

[4618] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: غزوۂ اُحد میں کچھ لوگوں نے صبح صبح شراب پی تھی اور اسی دن وہ شہید کر دیے گئے۔ اس وقت شراب حرام نہ ہوئی تھی۔

فوائد و مسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ لوگ کہنے لگے کہ ان شہداء کے پیٹ میں شراب تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے انھیں اس بات پر کچھ گناہ نہیں ہوگا جو وہ (حرمت شراب سے) پہلے پی چکے ہیں۔''[8] گویا اللہ تعالیٰ نے ان کی صفائی بیان کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔[9] ② بہرحال آیت کریمہ میں اس شبہے کا ازالہ کر دیا گیا کہ ان شہداء کا خاتمہ ایمان و تقویٰ پر ہوا یا نہیں؟ یہ واضح کر دیا گیا کہ ان کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوا ہے کیونکہ شراب اس وقت حرام نہ ہوئی تھی، تاہم شراب اُمّ الخباثث ہے جو انسان کو کسی کام کا نہیں چھوڑتی، بسا اوقات تو رئیس زادوں اور خاندانی جاگیرداروں کو مفلس و قلاش بنا دیتی ہے۔ أعاذنا اللّٰه منه.

٤٦١٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا عِيسٰى وَابْنُ إِدْرِيسَ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى مِنْبَرِ النَّبِيِّ ﷺ يَقُولُ: أَمَّا

[4619] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عمر ؓ سے سنا، وہ نبی ﷺ کے منبر پر کھڑے ہو کر فرما رہے تھے: اما بعد! لوگو! جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو وہ پانچ چیزوں سے تیار کی جاتی تھی:

1 صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5218 (2003). 2 صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5217 (2002). 3 مسند أحمد: 69/2. 4 مسند أحمد: 272/1، والصحيحة للألباني، حديث: 677. 5 صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5141 (1984). 6 جامع الترمذي، البيوع، حديث: 1294. 7 سنن أبي داود، الأشربة، حديث: 3683. 8 المآئدة 5:93. 9 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4620.

بَعْدُ! أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ: مِنَ الْعِنَبِ، وَالتَّمْرِ، وَالْعَسَلِ، وَالْحِنْطَةِ، وَالشَّعِيرِ. وَالْخَمْرُ: مَا خَامَرَ الْعَقْلَ. [انظر: ٥٥٨١، ٥٥٨٨، ٥٥٨٩، ٧٣٣٧]

انگور، کھجور، شہد، گیہوں (گندم) اور جو سے، البتہ شراب ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔

فوائد ومسائل: ① حدیث کے آخری الفاظ اپنے عموم کے اعتبار سے ہر اس چیز کو شامل ہیں جو عقل کو زائل کر دے، وہ مشروب کسی بھی چیز سے تیار کیا گیا ہو، وہ خمر ہے اور خمر کا پینا حرام ہے، خواہ وہ انگور سے تیار کیا گیا ہو یا دوسری چیزوں سے، خواہ وہ پینے کے کام آئے یا کھانے کے، جیسے افیون اور ہیروئن وغیرہ۔ بہر حال جس چیز کے زیادہ استعمال سے نشہ آئے اس کی تھوڑی سی مقدار بھی حرام ہے۔ دوسری احادیث کے مطابق شراب کا سرکہ بنانا اور اس کی خرید و فروخت کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں درج ذیل دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے: ''شراب تیار کرنے والا، جس کے لیے تیار کی جائے، لینے والا، اٹھانے والا، جس کے لیے لے جائی جائے، پلانے والا، فروخت کرنے والا، اس کی قیمت کھانے والا، خریدنے والا اور جس کے لیے خریدی جائے۔''[1] ② شراب کی برائی اور حرمت کے باوجود قرب قیامت کے وقت اس شراب کا کوئی دوسرا نام رکھ کر اسے حلال کرنے کی کوشش کی جائے گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور آلات موسیقی کے کوئی دوسرے نام رکھ کر انھیں جائز قرار دے لیں گے۔''[2] شراب سے صحابۂ کرام ؓ کو کس قدر نفرت تھی، اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے کیا جا سکتا ہے: حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کہا کرتے تھے: میں اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ میں شراب پی لوں یا اللہ کے سوا اس ستون کی پوجا کر لوں۔[3]

(١١) - بَابٌ: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا﴾ الْآيَةَ [٩٣]

باب: 11- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے انھیں اس بات پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو وہ پہلے کھا پی چکے ہیں......'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کا تکملہ یہ ہے: ''جبکہ وہ آئندہ پرہیز کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں پھر تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں پھر بچے رہیں اور نیکی کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''[4] اس آیت کریمہ میں تین بار ایمان اور تقویٰ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں کیونکہ ایمان اور تقویٰ کے مختلف درجے ہیں: ایک شخص جب ایمان لاتا ہے تو اس کا تقویٰ کم تر درجے کا ہوتا ہے، پھر جب نیک اعمال کرتا ہے تو اس کا ایمان بھی مضبوط ہو جاتا ہے اور تقویٰ میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایمان اور تقویٰ معلوم کرنے کا معیار صالح اعمال کی کمی بیشی ہوتی ہے۔ نیک اعمال کرنے سے ایمان

---

① جامع الترمذي، البيوع، حديث: 1295. ② صحيح البخاري، الأشربة، حديث: 5590. ③ سنن النسائي، الأشربة، حديث: 5666. ④ المآئدة 5:93.

اور تقویٰ میں اضافہ ہوتا ہے، گویا یہ دونوں ایک دوسرے کے مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

٤٦٢٠ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِنَّ الْخَمْرَ الَّتِي هُرِيقَتِ: الْفَضِيخُ. وَزَادَنِي مُحَمَّدٌ الْبِيكَنْدِيُّ عَنْ أَبِي النُّعْمَانِ قَالَ: كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِي مَنْزِلِ أَبِي طَلْحَةَ، فَنَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أُخْرُجْ فَانْظُرْ مَا هٰذَا الصَّوْتُ، قَالَ: فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ: هٰذَا مُنَادٍ يُنَادِي: أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ، فَقَالَ لِي: اِذْهَبْ فَأَهْرِقْهَا، قَالَ: فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ، قَالَ: وَكَانَتْ خَمْرُهُم يَوْمَئِذٍ الْفَضِيخَ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: قُتِلَ قَوْمٌ وَهِيَ فِي بُطُونِهِمْ، قَالَ: فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿لَيْسَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا۟﴾. [راجع: ٢٤٦٤]

[4620] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شراب بہائی گئی تھی اس کا نام ''فضیخ'' تھا۔ محمد بیکندی نے ابونعمان سے یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے منادی کو حکم دیا تو اس نے اعلان کرنا شروع کر دیا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: (انس!) باہر جا کر دیکھو یہ آواز کیسی ہے؟ میں نے باہر آ کر دیکھا اور (واپس آ کر) بتلایا ایک منادی اعلان کر رہا ہے: خبردار! شراب کو حرام کر دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی انھوں نے حکم دیا: جاؤ اور اس شراب کو بہا دو، چنانچہ مدینے کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ راوی نے بیان کیا: ان دنوں فضیخ شراب نوش کی جاتی تھی۔ شراب بہتی دیکھ کر کچھ لوگ کہنے لگے: کچھ لوگوں نے شراب سے اپنا پیٹ بھر رکھا تھا اور اسی حالت میں وہ شہید کر دیے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان پر کوئی گناہ نہیں جو وہ پہلے پی چکے ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ اہل خانہ کو ایک آدمی نے حرمتِ شراب کی اطلاع دی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو شراب کے مٹکے بہا دینے کا حکم دیا۔[1] جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے منادی کرنے والے سے سن کر خود اہل خانہ کو حرمت خمر سے مطلع کیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ پہلے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انھیں اطلاع دی اس کے بعد منادی کرنے والا یا کوئی دوسرا شخص آیا اور اس نے اہل خانہ کو حرمت شراب سے آگاہ کیا، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے شراب ضائع کر دینے کا حکم دیا۔[2] ② بہرحال اس حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت شراب سے پہلے کچھ لوگوں نے شراب پی تھی، پھر وہ غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور وہیں جام شہادت نوش کیا، ان کی صفائی میں ان آیات کا نزول ہوا کہ ان کا یہ جرم قابل معافی ہے۔ واللہ المستعان.

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4617. [2] فتح الباري: 354/8.

(١٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ [١٠١]

باب: 12- ارشاد باری تعالیٰ: ''(اے ایمان والو!) ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں ناگوار ہوں'' کی تفسیر

وضاحت: اس آیت کا تکملہ یہ ہے: ''اگر تم کوئی بات اس وقت پوچھتے ہو جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائے گی۔ اب تک جو ہو چکا اس سے اللہ تعالیٰ نے درگزر کر دیا ہے اور وہ درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔''[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے سوالات پوچھنے کی ممانعت تھی جن میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہ ہو کیونکہ خواہ مخواہ سوال پوچھنے سے انسان کو نقصان ہی ہوتا ہے یا اس پر کوئی پابندی عائد ہو جاتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بڑا قصوروار وہ انسان ہے جو ایک ایسی بات پوچھے جو حرام نہ ہو لیکن اس کے پوچھنے کی وجہ سے حرام ہو جائے۔''[2]

٤٦٢١ - حَدَّثَنَا مُنْذِرُ بْنُ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجَارُودِيُّ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ خُطْبَةً مَا سَمِعْتُ مِثْلَهَا قَطُّ، قَالَ: «لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا»، قَالَ: فَغَطّٰى أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وُجُوهَهُمْ لَهُمْ خَنِينٌ، فَقَالَ رَجُلٌ: مَنْ أَبِي؟ قَالَ: «أَبُوكَ فُلَانٌ»، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾.

[4621] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے خطبہ دیا۔ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''جو حقائق میں جانتا ہوں اگر وہ تمھیں معلوم ہو جائیں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور ان کے رونے کی آواز آنے لگی۔ اس موقع پر ایک آدمی نے پوچھا: میرے والد کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا والد فلاں شخص ہے۔'' اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ''تم ایسی باتیں مت پوچھو، اگر تم پر وہ ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار گزریں۔

رَوَاهُ النَّضْرُ وَرَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ عَنْ شُعْبَةَ.

[راجع: ٩٣]

اس حدیث کو نضر اور روح بن عبادہ نے حضرت شعبہ سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں اس خطبے کا پس منظر بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی ناگوار بات پہنچی تو آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''ابھی ابھی مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئی تھیں۔ آج سے بڑھ کر میں نے کبھی خیر اور شر کو نہیں دیکھا۔ جن حقائق کو میں جانتا ہوں اگر وہ تمھیں معلوم ہو جائیں تو تم بہت کم ہنسو اور زیادہ روؤ

① المآئدة 5:101. ② صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، حديث: 7289.

کرو۔‘‘ [1] ② بہرحال مذکورہ آیت کریمہ کثرت سے سوالات کرنے کے متعلق نازل ہوئی۔ وہ سوالات استہزاء، امتحان، شرارت اور عناد پر مبنی ہوتے تھے بصورت دیگر امور دین کے متعلق سوالات کرنے کی پابندی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات ایسے سوالات کرنا ضروری ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’اگر تمھیں علم نہیں ہے تو اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔‘‘ [2]

٤٦٢٢ - حَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ: حَدَّثَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْجُوَيْرِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ قَوْمٌ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتِهْزَاءً فَيَقُولُ الرَّجُلُ: مَنْ أَبِي؟ وَيَقُولُ الرَّجُلُ تَضِلُّ نَاقَتُهُ: أَيْنَ نَاقَتِي؟ فَأَنْزَلَ اللهُ فِيهِمْ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ حَتّٰى فَرَغَ مِنَ الْآيَةِ كُلِّهَا.

[4622] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے مذاق کے طور پر سوالات کرتے تھے۔ کوئی آدمی کہتا: میرا باپ کون ہے؟ کوئی دوسرا پوچھتا: میری اونٹنی گم ہو گئی ہے وہ کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ’’اے ایمان والو! تم ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار ہو گی ......۔‘‘

فوائد ومسائل: ① دراصل منافق لوگ رسول اللہ ﷺ سے مذاق اور استہزاء کے طور پر فضول اور غیر ضروری سوالات کرتے تھے اور سادہ لوح مسلمانوں کو بھی اس قسم کے سوالات کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ ؓ نے اپنے باپ کے متعلق سوال کر لیا جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ [3] ② یہ سوالات واقعات اور احکام دونوں سے متعلق ہوتے تھے، چنانچہ بعض روایات میں اس آیت کا سبب نزول حج کے حکم کو بیان کیا گیا ہے۔ [4] ③ بہرحال بے معنی اور فضول سوالات کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ ان سے شکوک وشبہات بڑھتے ہیں اور دوسرے احکام میں سختی کا بھی اندیشہ ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے انبیاء ؑ سے بکثرت سوالات کرتے تھے اور ان کے موقف سے اختلاف کرتے تھے۔‘‘ [5]

(١٣) بَابٌ: ﴿مَا جَعَلَ ٱللَّهُ مِنۢ بَحِيرَةٍ وَلَا سَآئِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ﴾ [١٠٣]

باب: 13- (ارشاد باری تعالیٰ:) ’’اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو کوئی چیز بنایا ہے، نہ سائبہ کو، نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو‘‘ کا بیان

﴿وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ﴾ [١١٦] يَقُولُ: قَالَ اللهُ، وَإِذْ

وَ إِذْ قَالَ اللّٰهُ میں لفظ قَالَ، يَقُوْلُ کے معنی میں ہے۔

1 صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 6119 (2359). 2 النحل 16:43. 3 صحيح البخاري، العلم، حديث: 93.
4 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3055. 5 صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 6113 (1337).

هَاهُنَا صِلَةٌ. اَلْمَائِدَةُ أَصْلُهَا مَفْعُولَةٌ، كَعِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ، وَتَطْلِيقَةٍ بَائِنَةٍ، وَالْمَعْنٰى مِيدَ بِهَا صَاحِبُهَا مِنْ خَيْرٍ، يُقَالُ: مَادَنِي يَمِيدُنِي. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿مُتَوَفِّيكَ﴾ [آل عمران:٥٥]: مُمِيتُكَ.

إِذْ کا لفظ زائد ہے۔ گویا عبارت قَالَ اللّٰهُ ہے۔ لفظ المَائِدَةُ دراصل اسم مفعول کے معنی دیتا ہے جیسا کہ عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ اور تَطْلِيقَةٍ بَائِنَةٍ میں ہے، یعنی مِيدَ بِهَا صَاحِبُهَا: اس کے ذریعے سے خیر و بھلائی دی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے: مَادَنِي اور يَمِيدُنِي جب آدمی کسی کو توشہ دے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: مُتَوَفِّيكَ کے معنی ہیں: میں تجھے موت دینے والا ہوں۔

وضاحت: اس آیت کریمہ کا تکملہ یہ ہے: ''یہ نام کافروں کے رکھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے یہ جھوٹی باتیں اللہ کے ذمے لگا دی ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔''[1] ان ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے: بحیرہ: وہ دودھ دینے والا جانور جس کا دودھ بتوں کے لیے وقف کر دیا جائے۔ سائبہ: وہ جانور جسے بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ وصیلہ: جو پہلی اور دوسری بار مادہ جنم دے، اسے بھی بتوں کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حام: وہ نر اونٹ جس کے نطفے سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں، اسے بھی بتوں کے نام پر بطور سانڈ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد امام بخاری ؒ نے کچھ الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے جسے سیاق و سباق کے پس منظر میں کسی بھی تفسیر کی کتاب سے دیکھا جا سکتا ہے، البتہ آخری لفظ مُتَوَفِّيكَ سورۂ مائدہ میں نہیں بلکہ سورۂ آل عمران میں ہے جسے تَوَفَّيْتَنِي کی مناسبت سے یہاں بیان کیا گیا ہے۔ امام بخاری ؒ پر علامہ عینی نے خواہ مخواہ ناراضی کا اظہار کیا ہے کہ اس مقام پر یہ لفظ بے محل ہے۔[2]

٤٦٢٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ: اَلْبَحِيرَةُ: الَّتِي يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّوَاغِيتِ، فَلَا يَحْلُبُهَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ. وَالسَّائِبَةُ: كَانُوا يُسَيِّبُونَهَا لِآلِهَتِهِمْ، فَلَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا شَيْءٌ. قَالَ: وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرِ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ، كَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ». وَالْوَصِيلَةُ: اَلنَّاقَةُ الْبِكْرُ تُبَكِّرُ فِي أَوَّلِ نِتَاجِ

[4623] حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے، انھوں نے کہا: بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے لیے روک دیا جاتا اور کوئی شخص بھی اس کے دودھ کو دوہنے کا مجاز نہ ہوتا تھا۔ اور سائبہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جسے کفار اپنے دیوتاؤں کے نام پر آزاد کر دیتے تھے۔ اس سے بار برداری یا سواری کا کام نہ لیا جاتا تھا۔ وہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی انتڑیوں کو جہنم میں گھسیٹ رہا تھا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے دیوتاؤں کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم نکالی تھی۔'' (سعید بن مسیب نے کہا کہ)

---

[1] المآئدة 5:103. [2] عمدة القاري: 12/587.

الْإِبِلِ بِأُنْثَى ثُمَّ تُثَنِّي بَعْدُ بِأُنْثَى، وَكَانُوا يُسَيِّبُونَهُمْ لِطَوَاغِيتِهِمْ إِنْ وَصَلَتْ إِحْدَاهُمَا بِالْأُخْرَى لَيْسَ بَيْنَهُمَا ذَكَرٌ. وَالْحَامُ: فَحْلُ الْإِبِلِ يَضْرِبُ الضِّرَابَ الْمَعْدُودَ، فَإِذَا قَضَى ضِرَابَهُ وَدَعُوهُ لِلطَّوَاغِيتِ وَأَعْفَوْهُ مِنَ الْحَمْلِ، فَلَمْ يُحْمَلْ عَلَيْهِ شَيْءٌ، وَسَمَّوْهُ الْحَامِي.

وصیلہ اس جوان اونٹنی کو کہتے تھے جو پہلی مرتبہ مادہ بچہ جنم دیتی، پھر دوسری مرتبہ بھی مادہ بچہ پیدا کرتی۔ اسے بھی وہ بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے تھے بشرطیکہ وہ مسلسل دو مرتبہ مادہ بچہ پیدا کرتی اور درمیان میں کوئی نر بچہ پیدا نہ ہوتا۔ حام اس نر اونٹ کو کہتے جو ایک مقرر مقدار میں کسی اونٹنی سے جفتی کرتا۔ جب وہ مقرر مقدار پوری کر لیتا تو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس پر نہ بوجھ لادا جاتا اور نہ اس پر سواری ہی کرنے کی کسی کو اجازت ہوتی۔ اسے وہ حام کا نام دیتے تھے۔

وَقَالَ لِي أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: سَمِعْتُ سَعِيدًا يُخْبِرُهُ بِهٰذَا. قَالَ: وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ، نَحْوَهُ، وَرَوَاهُ ابْنُ الْهَادِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ. [راجع: ٣٥٢١]

ابوالیمان نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انھوں نے امام زہری سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے حضرت سعید بن مسیب سے یہ حدیث سنی، انھوں نے کہا: حضرت ابوہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی۔ ابن ہاد نے ابن شہاب سے، وہ سعید بن مسیب سے، وہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی۔

٤٦٢٤ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْكِرْمَانِيُّ: حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، وَرَأَيْتُ عَمْرًا يَجُرُّ قُصْبَهُ، وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ». [راجع: ١٠٤٤]

[4624] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ جہنم کی آگ کا کچھ حصہ دوسرے حصے کو کھا رہا تھا۔ اس دوران میں میں نے عمرو بن خزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا۔ اور وہ پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے دیوتاؤں کے نام اونٹنیاں چھوڑنے کی رسم ایجاد کی تھی۔“

فوائد ومسائل: ① عمرو بن عامر خزاعی کے متعلق علامہ عینی ؒ لکھتے ہیں کہ اس کا نام عمرو بن لحی بن قمعہ ہے۔ قبیلۂ خزاعہ کے سرداروں سے تھا۔ یہ ان لوگوں سے تھا جو جرہم کے بعد بیت اللہ کے متولی ہوئے تھے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابراہیم ؑ

کے دین کو بدلا اور بتوں کو حجاز میں داخل کیا، نیز اس نے چرواہوں کو بتوں کی عبادت کرنے پر ابھارا اور جاہلیت کی رسومات کو ان میں رواج دیا۔[1] ② بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو اس طرح مشروع نہیں کیا تھا بلکہ اس نے ہر قسم کی نذر و نیاز اپنے لیے مخصوص کی ہے۔ بتوں کے لیے نذر و نیاز کے یہ طریقے مشرکین نے ایجاد کیے۔ بتوں اور معبودان باطلہ کے نام پر جانور چھوڑنے اور ان کے لیے نذر و نیاز پیش کرنے کا یہ سلسلہ آج بھی مشرکین بلکہ نام نہاد مسلمانوں میں جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس کی کوئی سند نہیں اتاری۔ یہ سب جاہلوں کا طور طریقہ ہے جو ہمارے معاشرے میں رائج ہو چکا ہے۔ أعاذنا اللّٰه منه.

(١٤) بَابٌ: ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ [١١٧]

باب: 14- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور جب تک میں ان میں موجود رہا ان پر نگران رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو پھر تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہی تمام چیزوں کی خوب نگرانی کرنے والا ہے“ کا بیان

وضاحت: یہ ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے جب اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا: ”کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لو؟“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں نے تو انھیں وہی کچھ کہا: جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ اور جب تک میں ان میں موجود رہا ان کی نگرانی کرتا رہا......“[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاف صاف کہہ دیں گے کہ میرے بعد کے حالات کا مجھے علم نہیں کیونکہ بعد کے حالات تو تو ہی بہتر جانتا ہے کہ ان لوگوں نے کب اور کس طرح یہ غلط روش اختیار کی تھی اور کیوں کی تھی؟ واضح رہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن ہو گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے، لہٰذا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں تو وہ تَوَفَّيْتَنِي کے الفاظ کیوں استعمال کر رہے ہیں؟ پیش کردہ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سوال و جواب قیامت کے دن ہو گا۔ واللّٰه أعلم.

٤٦٢٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ ابْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: خَطَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا»، ثُمَّ قَالَ: «﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُۥ وَعْدًا عَلَيْنَآ إِنَّا كُنَّا فَـٰعِلِينَ﴾» [الأنبياء: ١٠٤] إِلَى آخِرِ

[4625] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ”لوگو! تم قیامت کے دن اللہ کے حضور ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ جمع کیے جاؤ گے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ”جیسے ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور کر کے رہیں گے......“ پھر فرمایا: ”سن لو! قیامت کے

[1] عمدة القاري: 589/12. [2] المآئدة 117:5.

الْآيَةِ، ثُمَّ قَالَ: «أَلَا وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ، أَلَا وَإِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُصَيْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِى كُنتَ أَنتَ ٱلرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ فَيُقَالُ: إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ».

[راجع: ٣٣٤٩]

دن ساری خلقت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ پھر میری امت کے کچھ لوگ حاضر کیے جائیں گے جنھیں فرشتے بائیں جانب لے چلیں گے۔ میں کہوں گا: یا رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ جواب ملے گا: آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں نکال لی تھیں۔ میں اس وقت وہی کچھ کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا: ''جب تک میں ان لوگوں میں رہا ان کا حال دیکھتا رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو اس کے بعد تو ہی ان پر نگران تھا۔'' آگے سے جواب ملے گا: جب تم ان سے جدا ہو گئے تھے تو یہ لوگ اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث اور آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو غیب کا علم نہیں ہوتا، مگر اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ انھیں بتا دے، نیز انبیاء علیہم السلام کے رخصت ہونے کے بعد انھیں اپنی امت کے اعمال کی خبر نہیں ہوتی۔ ② رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فتنوں کا دروازہ کھلا۔ مدینہ، مکہ اور بحرین کے علاوہ باقی تمام جگہوں میں شور وغل اٹھا۔ یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اسود عنسی بھی نبوت کا دعویدار تھا جو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تین دن پہلے جہنم واصل ہوا۔ کچھ لوگ اس کے معتقد ہوئے تھے، کچھ لوگ دور جاہلیت کی طرف پھر گئے، کچھ اسلام پر رہے لیکن بعض واجبات کا انھوں نے انکار کر دیا جیسا کہ منکرین زکاۃ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سال بھر جنگ کرتے رہے۔ کچھ مرتدین مارے گئے، البتہ اکثر اسلام کی طرف واپس آ گئے۔ غالباً انھی لوگوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ ''اصحابی'' کے الفاظ کہیں گے۔ ③ اس حدیث سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ سے افضل ہیں کیونکہ جزوی فضیلت کلی فضیلت کو لازم نہیں ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق ''اصحابی'' سے مراد جملہ اہل بدعت ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا ہی بدعات و رسومات ہیں۔ ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ پہلے نرم گوشہ رکھیں گے، پھر جب حقیقت حال سے آگاہ ہوں گے تو ان سے اعلان بے زاری فرمائیں گے۔ أعاذنا الله منهم أجمعين.

(١٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ الْآيَةَ [١١٨]

باب: 15- ارشاد باری تعالیٰ: ''اگر تو انھیں عذاب دے تو بلاشبہ یہ تیرے بندے ہیں......'' کا بیان

وضاحت: اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بڑے لطیف انداز میں اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے کہ اے اللہ! ان کا معاملہ تیرے سپرد ہے، اس لیے کہ تو جو چاہے کر سکتا ہے اور تجھ سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ گویا اس آیت میں اللہ کے سامنے

بندوں کی عاجزی اور بے بسی کا اظہار بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا بیان بھی، یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں ہوگی، البتہ لوگوں سے ان کے کردار کی باز پرس ضرور ہوگی۔[1]

٤٦٢٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ، وَإِنَّ نَاسًا يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾». [راجع: ٣٣٤٩]

[4626] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''(قیامت کے دن) تمھیں جمع کیا جائے گا۔ پھر کچھ لوگوں کو بائیں جانب (جہنم کی طرف) لے جایا جائے گا، اس وقت میں وہی کہوں گا جو ایک نیک بندے نے کہا تھا: ''جب تک میں ان میں رہا ان کے حالات دیکھتا رہا...... آخر آیت اَلْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ تک۔

فوائد ومسائل: ① پوری آیات کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان میں موجود رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر مطلع رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے، اگر تو نے انھیں سزا دی تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں معاف فرما دے تو تو زبردست ہے خوب حکمت والا ہے۔''[2] ② اس آیت کریمہ میں بندوں کی عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کے حوالے سے عفو ومغفرت کی التجا کی گئی ہے۔ سبحان اللہ! یہ آیت کس قدر عجیب اور بلیغ ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ پر نوافل میں اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بار بار ہر رکعت میں اس آیت کو پڑھتے رہے حتی کہ صبح ہوگئی۔[3] ③ بہرحال اس آیت کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے حکیمانہ انداز میں اللہ کے حضور بندوں کی سفارش کریں گے۔ پہلے تو اللہ کی کبریائی بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ اگر تو انھیں عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہی ہیں، نہ دم مار سکتے ہیں اور نہ بھاگ کر کہیں جا سکتے ہیں اور اگر تو انھیں معاف فرما دے تو تیری شان غفاری کے کیا کہنے اور اگر تو انھیں معاف کر دے تو مختار اور اگر سزا دے تو بھی مختار ہے۔ واللّٰہ المستعان.

(٦) سُورَةُ الْأَنْعَامِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 6- تفسیر سورۂ انعام

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ﴾ [٢٣]: مَعْذِرَتُهُمْ. ﴿مَّعْرُوشَٰتٍ﴾ [١٤١]: مَا يُعْرَشُ مِنَ الْكَرْمِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ. ﴿حَمُولَةً﴾

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ کے معنی ہیں: پھر ان کا کوئی اور عذر نہیں ہوگا۔ مَعْرُوْشَاتٍ کے معنی ہیں: انگور وغیرہ کے وہ باغات جو چھتوں پر چڑھائے

① الأنبيآء 21:23. ② المآئدة 5:117، 118. ③ مسند أحمد: 5/149.

[١٤٢]: مَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا . ﴿وَلَلَبَسْنَا﴾ [٩]: لَشَبَّهْنَا . ﴿لِأُنذِرَكُم بِهِۦ﴾ [١٩] أَهْلَ مَكَّةَ ﴿وَيَنْـَٔوْنَ﴾ [٢٦]: يَتَبَاعَدُونَ . ﴿تُبْسَلَ﴾ : [٧٠] تُفْضَحَ . ﴿أُبْسِلُوا﴾ [٧٠]: أُفْضِحُوا . ﴿بَاسِطُوٓا أَيْدِيهِمْ﴾ [٩٣]: الْبَسْطُ : الضَّرْبُ . ﴿ٱسْتَكْثَرْتُم﴾ [١٢٨]: أَضْلَلْتُمْ كَثِيرًا . ﴿مِمَّا ذَرَأَ مِنَ ٱلْحَرْثِ﴾ [١٣٦]: جَعَلُوا لِلّٰهِ مِنْ ثَمَرَاتِهِمْ وَمَالِهِمْ نَصِيبًا، وَلِلشَّيْطَانِ وَالْأَوْثَانِ نَصِيبًا . ﴿أَكِنَّةً﴾ [٢٥] وَاحِدُهَا كِنَانٌ . ﴿أَمَّا ٱشْتَمَلَتْ﴾ [١٤٣، ١٤٤]: يَعْنِي هَلْ تَشْتَمِلُ إِلَّا عَلٰى ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى؟ فَلِمَ تُحَرِّمُونَ بَعْضًا وَتُحِلُّونَ بَعْضًا؟ ﴿مَّسْفُوحًا﴾ : [١٤٥] مُهْرَاقًا . ﴿صَدَفَ﴾ [١٥٧]: أَعْرَضَ . أُبْلِسُوا : أُويِسُوا . ﴿أُبْسِلُوا﴾ [٧٠]: أُسْلِمُوا . ﴿سَرْمَدًا﴾ [القصص: ٧١، ٧٢]: دَائِمًا . ﴿ٱسْتَهْوَتْهُ﴾ [٧١]: أَضَلَّتْهُ . ﴿تَمْتَرُونَ﴾ [٢]: تَشُكُّونَ . ﴿وَقْرًا﴾ [٢٥]: صَمَمٌ، وَأَمَّا الْوِقْرُ فَإِنَّهُ الْحِمْلُ . ﴿أَسَاطِيرُ﴾ [٢٥]: وَاحِدُهَا أُسْطُورَةٌ وَإِسْطَارَةٌ وَهِيَ التُّرَّهَاتُ . ﴿الْبَأْسَاءَ﴾ [٤٢]: مِنَ الْبَأْسِ، وَيَكُونُ مِنَ الْبُؤْسِ . ﴿جَهْرَةً﴾ [٤٧]: مُعَايَنَةً . ﴿ٱلصُّورِ﴾ [٧٣]: جَمَاعَةُ صُورَةٍ كَقَوْلِهِ سُورَةٌ وَسُوَرٌ، ﴿مَلَكُوتَ﴾ [٧٥]: وَمُلْكٌ، [مِثْلُ] رَهَبُوتٌ، رَحَمُوتٌ، وَتَقُولُ: تُرْهَبُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُرْحَمَ . ﴿جَنَّ﴾ [٧٦]: أَظْلَمَ . ﴿تَعَـٰلَىٰ﴾ [١٠٠]: عَلَا ﴿وَإِن تَعْدِلْ﴾ [٧٠]: تُقْسِطْ، لَا يُقْبَلُ مِنْهَا فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ . يُقَالُ: عَلَى اللهِ حُسْبَانُهُ: أَيْ حِسَابُهُ، وَيُقَالُ:

جاتے ہیں، یعنی جس کی بیل ہوتی ہے۔ حَمُوْلَةً کے معنی ہیں: وہ جانور جن پر بار برداری کی جاتی ہے۔ لَلَبَسْنَا کے معنی ہیں: ہم خلط ملط کر دیں گے۔ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ سے مراد اہل مکہ ہیں اور وَيَنْأَوْنَ کے معنی ہیں: دور ہو جاتے ہیں۔ تُبْسَلَ کے معنی ہیں: رسوا کیا جائے اور أُبْسِلُوْا کا مطلب ہے: وہ ذلیل کیے گئے۔ بَاسِطُوٓا اَيْدِيْهِمْ میں اَلْبَسْطُ بمعنی مارنا ہے۔ اِسْتَكْثَرْتُمْ یعنی تم نے بہتوں کو گمراہ کیا۔ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے اپنے پھلوں اور اموال میں سے کچھ حصہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے کر دیا اور کچھ شیطان اور دیوتاؤں کے لیے ٹھہرا دیا۔ أَكِنَّةً کے معنی ہیں: پردہ۔ اس کی واحد كِنَانٌ ہے۔ اَمَّا اشْتَمَلَتْ کا مفہوم یہ ہے کہ رحم میں نر اور مادہ دونوں ہوتے ہیں تو پھر کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال کیوں بناتے ہو؟ مَسْفُوْحًا کے معنی ہیں: بہایا ہوا خون۔ صَدَفَ کے معنی روگردانی کرنا، أَبْلِسُوا کے معنی نا امید ہونا اور أُبْسِلُوْا کے معنی ہیں: ہلاکت کے سپرد کر دیے گئے۔ سَرْمَدًا کے معنی ہیں: ہمیشہ۔ اِسْتَهْوَتْهُ کے معنی ہیں: گمراہ کرنا۔ تَمْتَرُوْنَ کے معنی ہیں: تم شک کرتے ہو۔ وَقْرًا واؤ کے فتحہ کے ساتھ بہرا پن اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ بوجھ ہے۔ اَسَاطِيْرُ جس کا مفرد اُسْطُوْرَةٌ اور اِسْطَارَةٌ ہے۔ اس کے معنی ہیں: بے اصل اور لغو باتیں۔ اَلْبَأْسَاءَ جو بَأْسٌ اور بُؤْسٌ سے نکلا ہے۔ اس کے معنی ہیں: تکلیف، تنگ دستی اور محتاجی۔ جَهْرَةً کے معنی ہیں: آنکھوں کے سامنے۔ اَلصُّوْرِ، صُوْرَةٌ کی جمع ہے، جیسے سُوْرَةٌ کی جمع سُوَرٌ آتی ہے۔ مَلَكُوْت سے مُلْكٌ یعنی سلطنت مراد ہے، جیسے رَهَبُوت اور رَحَمُوت ہے: تجھے خوفزدہ کرنا تجھ پر رحم کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ جَنَّ کے معنی ہیں: تاریک ہونا۔ تَعَلّٰى کے معنی ہیں: وہ بلند و بالا ہے۔ وَاِنْ تَعْدِلْ کا مطلب ہے کہ اگر وہ

﴿حُسْبَانًا﴾ [٩٦]: مَرَامِيَ وَ﴿رُجُومًا لِّلشَّيَٰطِينِ﴾ [الملك: ٥]. ﴿مُسْتَقَرٌّ﴾ [٩٨]: فِي الصُّلْبِ وَ﴿وَمُسْتَوْدَعٌ﴾: فِي الرَّحِمِ. الْقِنْوُ: الْعِذْقُ، وَالْاِثْنَانِ قِنْوَانِ، وَالْجَمَاعَةُ أَيْضًا قِنْوَانٌ، مِثْلُ [صِنْوٍ] وَ﴿صِنْوَانٌ﴾.

عدل و انصاف کرے تو اس دن وہ بھی اس سے قبول نہیں ہو گا۔ حُسْبَانًا کے معنی ہیں: حساب۔ کہا جاتا ہے: اللہ پر اس کا حسبان، یعنی حساب ہے۔ بعض کے نزدیک حسبان ان ستاروں کو بھی کہتے ہیں جو شیاطین کو مارے جاتے ہیں۔ مُسْتَقَرٌّ جائے قرار، یعنی باپ کی پشت اور مُسْتَوْدَعٌ سے مراد ماں کا رحم ہے۔ اَلْقِنْوُ کے معنی ہیں: کھجور کا خوشہ اور اس کا تثنیہ اور جمع قِنْوَان ہے، جیسے صِنْوٌ اور صِنْوَانٌ ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب عادت اس سورت میں آنے والے بعض الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے۔ سیاق و سباق کے اعتبار سے کسی بھی تفسیر کی کتاب سے ان الفاظ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ معنی کی مناسبت سے بعض ایسے الفاظ کی لغوی تشریح بھی کی ہے جو اس سورت میں نہیں بلکہ دوسری سورتوں میں آئے ہیں، مثلاً: لفظ سَرْمَدًا سورۂ قصص میں ہے۔ اسے رات کے حوالے سے یہاں بیان کیا ہے۔ اگرچہ علامہ عینی امام بخاری رحمہ اللہ پر اس لفظ کے لانے سے برہم ہیں۔ واللہ أعلم.

(١) بَابٌ: ﴿وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ﴾ [٥٩]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور غیب کی چابیاں اسی کے پاس ہیں انھیں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا“ کا بیان

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیب کے سب علوم ایک مخصوص مقام پر خزانوں کی صورت میں سربمہر بند اور مقفل (تالے لگے ہوئے) ہیں اور ان تالوں کی چابیاں صرف اللہ کے پاس ہیں۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تقدیریں پہلے سے لکھ رکھی ہیں۔ قرآن مجید میں اس مقام کو کئی ایک ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اس مقام کو لوح محفوظ، ام الکتاب، امام مبین، کتاب مکنون اور کتاب مبین کہا گیا ہے۔ یہ سب اس مقام یا ان غیب کے خزانوں کے صفاتی نام ہیں۔ ان خزانوں تک ان کے مالک کے سوا کسی دوسرے کی رسائی ممکن نہیں ہے۔

٤٦٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى ٱلْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ

[4627] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے۔ وہی بارش برساتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ شکم مادر میں کیا ہے، نیز کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کس جگہ مرے گا، بلاشبہ اللہ ہی ان باتوں کا

بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾». [راجع: ١٠٣٩] خوب علم رکھنے والا خوب خبردار ہے۔"

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے قرب قیامت کی علامات تو بیان فرمائی ہیں لیکن قیامت کے واقع کا یقینی علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ ماں کے پیٹ میں مشینی ذرائع سے بچے کے نر یا مادہ ہونے کا ناقص اندازہ تو شاید ممکن ہو لیکن وہ بچہ نیک ہے یا بد، ناقص ہے یا کامل، خوبصورت ہے یا بدصورت، کالا ہے یا گورا ان باتوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، آثار وقرائن سے اندازہ تو لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ اندازے کبھی غلط نکلتے اور کبھی صحیح بھی ہو جاتے ہیں حتی کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات بھی بعض دفعہ صحیح ثابت نہیں ہوتے۔ ② انسان کل کیا کرے گا؟ کسی کو آنے والے کل کے متعلق کوئی علم نہیں کہ وہ اس کی زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں، اگر آئے گا تو وہ اس میں کیا کچھ کرے گا؟ موت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ وہ گھر میں آئے گی یا گھر سے باہر، اپنے وطن میں یا دیار غیر میں، جوانی میں آئے گی یا بڑھاپے میں، اپنی خواہشات کی تکمیل کے بعد آئے گی یا تمنائیں دھری کی دھری رہ جائیں گی، اس کے متعلق اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے۔ ان تمام باتوں کے متعلق وہ تفصیلی علم رکھتا ہے۔ گویا کتاب مبین یا لوح محفوظ ایک ایسا نورانی تختہ ہے جس میں ازل سے کائنات کا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے، پھر اسی کے مطابق اس جہان میں واقعات ظاہر ہو رہے ہیں، اسی کے مطابق اس جہان کا خاتمہ ہوگا، پھر روز آخرت قائم ہوگا۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابٌ: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ﴾ الْآيَةَ [٦٥].

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) "آپ کہہ دیجیے: اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم پر تمھارے اوپر سے کوئی عذاب نازل کرے" کا بیان

﴿يَلْبِسَكُمْ﴾ [٦٥]: يَخْلِطَكُمْ مِنَ الْالْتِبَاسِ، ﴿يَلْبِسُوا﴾ [٨٢]: يَخْلِطُوا. ﴿شِيَعًا﴾ [٦٥]: فِرَقًا.

يَلْبِسَكُمْ کے معنی ہیں: تمھارے لیے خلط ملط کر دے۔ یہ لفظ التباس سے مأخوذ ہے۔ شِيَعًا کے معنی ہیں: گروہ گروہ۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: "آپ کہہ دیں: اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم پر تمھارے اوپر سے کوئی عذاب نازل کرے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے تم پر کوئی عذاب مسلط کر دے یا تمھیں فرقے بنا کر ایک فرقے کو دوسرے سے لڑائی کا مزا چکھا دے۔ دیکھیے! ہم کس طرح مختلف طریقوں سے آیات بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائیں۔"[1] اس آیت کریمہ میں عذاب الٰہی کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے: * عذاب سماوی: جیسے طوفان، بادو باراں، کڑک، بجلی کا گرنا، تیز آندھی، ژالہ باری یا پتھروں کی بارش۔ * عذاب ارضی: دریاؤں کا سیلاب، زلزلے اور زمین میں دھنس جانا۔ * فرقہ بازی: خواہ یہ مذہبی ہو یا سیاسی یا قبائلی۔ یہ تینوں قسم کے عذاب پہلی امتوں پر آتے رہے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان سب قسم

1 الأنعام 65:6.

کے عذابوں سے اللہ کی پناہ مانگی ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

٤٦٢٨ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ﴾ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَعُوذُ بِوَجْهِكَ». ﴿أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ قَالَ: «أَعُوذُ بِوَجْهِكَ». ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ﴾ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هٰذَا أَهْوَنُ - أَوْ هٰذَا أَيْسَرُ -». [انظر: ٧٣١٣، ٧٤٠٦]

[4628] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''کہہ دیجیے: وہ قادر ہے کہ تم پر تمھارے اوپر سے عذاب بھیجے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''یا اللہ! میں تیری ذات کے وسیلے سے پناہ مانگتا ہوں۔'' پھر فرمایا: ''یا تمھارے نیچے سے عذاب آ جائے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''اے اللہ! میں تیری ذات کے ذریعے سے اس کی پناہ چاہتا ہوں۔'' پھر فرمایا: ''یا تمھیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے باہم دست و گریبان کر دے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ عذاب ہلکا اور آسان ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس کا مطلب یہ ہے لوگوں کا فتنہ اور ان کا آپس میں دست و گریبان ہونا اللہ کے عذاب کے مقابلے میں آسان ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ امت فتنوں میں مبتلا رہی ہے۔ ② دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اوپر سے عذاب رجم کی صورت میں اور نیچے سے عذاب خسف کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے جن سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ لیکن ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قرب قیامت کے وقت اس امت میں خسف ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس میں تطبیق یہ بیان کی ہے کہ خسف میں چند افراد مبتلا ہوں گے، پوری امت اس عذاب کی لپیٹ میں نہیں آئے گی تو جن روایات میں خسف کی نفی ہے، یہ نفی پوری امت کے اعتبار سے ہے اور جن میں اس کے واقع ہونے کا ذکر ہے وہ چند افراد کے لحاظ سے ہے، اس لیے ان احادیث میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں ہے۔[1]

(٣) بَابٌ: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَٰنَهُم بِظُلْمٍ﴾ [٨٢]

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا'' کی تفسیر

٤٦٢٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَٰنَهُم بِظُلْمٍ﴾ قَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ؟ فَنَزَلَتْ:

[4629] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا۔'' رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام نے کہا: ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کبھی ظلم نہ کیا ہو؟ تو یہ آیت نازل ہوئی: ''بلاشبہ شرک کرنا ظلم عظیم ہے۔''

[1] فتح الباري: 371/8.

﴿إِنَّ ٱلشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيمٞ﴾ [لقمان: ١٣].

[راجع: ٣٢]

فوائدومسائل: ① اس مقام پر یہ حدیث مختصر بیان ہوئی ہے جبکہ دوسرے مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گزری اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے کبھی ظلم نہ کیا ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہیں جیسا تم نے سمجھا ہے بلکہ اس ظلم سے مراد شرک ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا جو حضرت لقمان نے اپنے لخت جگر کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: اے بیٹے! شرک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان اگرچہ عربی تھی اور قرآن بھی عربی زبان میں نازل ہوا تھا، تاہم بعض دفعہ انھیں آیت کا مفہوم سمجھنے میں مشکل پیش آجاتی تھی۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ [٨٦]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور یونس اور لوط کو بھی (ہم نے ہدایت دی) ان میں سے ہر ایک کو ہم نے اقوام عالم پر فضیلت دی تھی'' کا بیان

٤٦٣٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عَمِّ نَبِيِّكُمْ - يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى». [راجع: ٣٣٩٥]

[4630] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کسی بندے کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ کہے: میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔''

٤٦٣١ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: سَمِعْتُ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ: أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى». [راجع: ٣٤١٥]

[4631] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کسی انسان کے شایان شان نہیں کہ وہ کہے: میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔''

فائدہ: اس حدیث کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ امت کا کوئی فرد اپنے آپ کو کسی بھی نبی سے بہتر نہ کہے، اس کے لیے قطعاً یہ

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3429.

جائز نہیں ہے، نیز اس کا دوسرا مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بندے کے لیے یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں، یعنی رسول اللہ ﷺ یونس بن متی سے بہتر ہوں، لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو افضل الانبیاء ہیں، پھر آپ نے یہ خود بھی کہا ہے کہ میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اس پر میں فخر نہیں کرتا ہوں۔ محدثین نے اس اشکال کے درج ذیل جوابات دیے ہیں: * رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ ممانعت افضیلت کے علم سے پہلے کا ہے۔ * آپ نے یہ ارشاد تواضع اور انکسار کے طور پر فرمایا ہے۔ * اس انداز سے آپ نے امت کو تنبیہ فرمائی ہے کہ مچھلی کے واقعے سے متاثر ہو کر کوئی شخص کسی نبی کے حق میں گستاخی نہ کرے۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ هَدَى ٱللَّهُ فَبِهُدَىٰهُمُ ٱقْتَدِهْ﴾ [٩٠]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ”یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی، آپ بھی انھی کے راستے پر چلیں“ کی تفسیر

وضاحت: تمام انبیاء ﷺ کا دین یا دستور اساسی ایک ہی رہا ہے، جیسے توحید پرستی، شرک سے بے زاری، اللہ کی فرمانبرداری اور روز آخرت پر ایمان وغیرہ، لہٰذا جو کچھ ان کا دین تھا، آپ کو بھی وہی دین اختیار کرنا چاہیے اور اسی ہدایت کی اتباع کریں جو ان انبیاء ﷺ کو دی گئی تھی، اگرچہ شریعت ہر نبی کو الگ الگ، اس کے زمانہ، احوال وظروف کے مطابق دی گئی تھی۔ اس سے ایک دوسری اہم بات کا پتہ چلتا ہے کہ جو حکم کسی بھی نبی کی شریعت میں مذکور ہو اور اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے حکم بیان کرتے وقت اس حکم پر کوئی نکیر نہ کی ہو تو وہ حکم اس آخری امت کے لیے بھی واجب الاتباع ہوگا۔ اس کی مثال اعضاء و جوارح کا قصاص اور شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کر دینے کا حکم ہے۔ واللہ أعلم.

٤٦٣٢ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ: أَنَّ مُجَاهِدًا أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ أَفِي صٓ سَجْدَةٌ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، ثُمَّ تَلَا ﴿وَوَهَبْنَا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿فَبِهُدَىٰهُمُ ٱقْتَدِهْ﴾ ثُمَّ قَالَ: هُوَ مِنْهُمْ.

[4632] حضرت مجاہد سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابن عباس ﷺ سے پوچھا: آیا سورۂ صٓ میں سجدہ ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ”ہم نے (ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب) عطا کیے...... آپ بھی انھی کا راستہ اختیار کریں۔“ پھر فرمایا: وہ (حضرت داود ﷺ) بھی انھی انبیاء میں سے ہیں (جن کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے)۔

زَادَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ، وَسَهْلُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ الْعَوَّامِ، عَنْ مُجَاهِدٍ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: نَبِيُّكُمْ ﷺ مِمَّنْ أُمِرَ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ. [راجع: ٣٤٢١]

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ مجاہد نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس ﷺ سے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: تمھارے نبی ﷺ بھی ان میں سے ہیں جنھیں ان (مذکور انبیاء ﷺ) کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں صراحت ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے پڑھا: ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَنَ﴾ ''اس کی اولاد میں سے داود اور سلیمان ؑ تھے۔'' حضرت داود ؑ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی اقتدا کا رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے تو حضرت داود ؑ نے سجدہ کیا تھا، ان کی اقتدا میں حضرت محمد رسول ﷺ نے بھی سجدہ کیا ہے۔[1] ② وہ مقام حسب ذیل ہے جس میں حضرت داود ؑ کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے: ''اور حضرت داود ؑ سمجھ گئے کہ ہم نے انھیں آزمایا ہے پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے (سجدے میں) گر پڑے اور اللہ کے حضور رجوع کیا۔''[2] اس کی مزید وضاحت ہم حدیث: 4807 میں کریں گے۔ بإذن اللّٰه تعالىٰ.

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ﴾ [١٤٦]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی تھی ہم نے ان پر ہر ناخن والا جانور حرام کیا تھا......'' کی تفسیر

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿كُلَّ ذِي ظُفُرٍ﴾: اَلْبَعِيرُ وَالنَّعَامَةُ. ﴿الْحَوَايَا﴾: الْمَبْعَرُ، وَقَالَ غَيْرُهُ: هَادُوا: صَارُوا يَهُودًا، وَأَمَّا قَوْلُهُ: ﴿هُدْنَا﴾[الأعراف:١٥٦]: تُبْنَا، هَائِدٌ: تَائِبٌ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ سے مراد اونٹ اور شتر مرغ وغیرہ ہیں۔ اور اَلْحَوَایَا سے مراد انتڑیاں ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ کے علاوہ دوسروں نے کہا: هَادُوْا کے معنی ہیں: جو لوگ یہودی ہو گئے۔ اور هُدْنَا کے معنی ہیں: ہم نے توبہ کی۔ اسی سے لفظ هَائِد ہے جس کے معنی توبہ کرنے والے کے ہیں۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے هُدْنَا کی لغوی تفسیر سے یہ بتایا ہے کہ اس کے معنی توبہ کرنا ہیں۔ یہود کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انھوں نے بچھڑے کی عبادت سے توبہ کی تھی اور یہ نام ان کے لیے بطور مدح (تعریف) کے تھا لیکن ان کی شریعت منسوخ ہونے کے بعد مدح کے معنی ختم ہو گئے ہیں۔ اب اس منسوخ اور تحریف شدہ دین کو اختیار کرنے والے پر یہودی کا اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے لیے یہود کا لفظ ازخود اختیار کیا تھا، یہ لقب اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نہیں ہے۔ والله أعلم.

٤٦٣٣ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ: قَالَ عَطَاءٌ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: سَمِعْتُ

[4633] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے! جب اللہ تعالیٰ نے ان

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4807. 2 صٓ 38: 24.

النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ لَمَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا، جَمَلُوهَا ثُمَّ بَاعُوهَا فَأَكَلُوهَا».

پر چربی کو حرام کیا تو انھوں نے اسے پگھلایا، پھر اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کو کھانا شروع کر دیا۔''

وَقَالَ أَبُو عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ: كَتَبَ إِلَيَّ عَطَاءٌ: سَمِعْتُ جَابِرًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٢٣٦]

ابو عاصم نے کہا: ہم سے عبدالحمید نے حدیث بیان کی، ان سے یزید نے بیان کیا کہ میری طرف عطاء نے لکھا کہ میں نے حضرت جابر ؓ سے سنا، وہ نبی ﷺ سے (حدیث مذکور کی طرح) بیان کرتے تھے۔

فوائدومسائل: ① ایک دوسری روایت میں اس کی تفصیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن اعلان فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔'' عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے جبکہ اس سے کشتیوں کو روغن، چمڑے کو نرم کیا جاتا ہے، نیز لوگ اسے اپنے گھروں میں روشنی کے لیے جلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، یہ حرام ہے۔'' اس کے بعد آپ نے یہود کا کردار بیان کیا۔[1] ② بہرحال فقہائے یہود میں مختلف حیلوں کے ذریعے سے حرام چیز کو حلال بنا لینے کا عام دستور تھا۔ اس کی ایک مثال درج بالا حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے وعید سنائی کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں ملعون ہیں۔ فقہائے کوفہ کے لیے یہ حدیث درس عبرت کا مقام رکھتی ہے۔

(٧) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [١٥١]

باب: 7- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور بے حیائیوں کے قریب بھی نہ جاؤ، خواہ کھلی ہوں یا چھپی ہوں'' کا بیان

وضاحت: اس کا مطلب یہ ہے کہ بے حیائی اختیار کرنا تو بہت دور کی بات ہے، ایسے وسائل اختیار کرنے کی بھی ممانعت ہے جو بے حیائی کے قریب لے جائیں اور انسان کے جنسی جذبات میں تحریک پیدا کریں، جیسے بے حجابی، غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا، تماش بینی، جنسی لٹریچر کا مطالعہ اور عورتوں کی تصاویر کی عام نشر و اشاعت، خواہ وہ کاروبار کی ترویج کے لیے ہوں، سب کچھ اسی ضمن میں آتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''آنکھوں کا زنا (غیر عورتوں کو) دیکھنا، کانوں کا زنا (فحاشی کی باتیں) سننا، زبان کا زنا (بے حیائی پر مبنی) بات کرنا، ہاتھ کا زنا پکڑنا اور پاؤں کا زنا (برے کام کی طرف) چل کر جانا ہے، نیز دل کا زنا بے حیائی کی خواہش اور تمنا کرنا ہے، پھر شرمگاہ ان سب کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے۔''[2]

① صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2236. ② صحيح مسلم، القدر، حديث: 6754 (2657).

٤٦٣٤ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ، وَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ، مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَلَا شَيْءَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللهِ، وَلِذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ. قُلْتُ: سَمِعْتَهُ مِنْ عَبْدِ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَرَفَعَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ.

[انظر: ٤٦٣٧، ٥٢٢٠، ٧٤٠٣]

[4634] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں۔ اسی وجہ سے اس نے ظاہری اور باطنی سب بے حیائیوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اپنی تعریف سے زیادہ اور کوئی چیز پسند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی تعریف خود کی ہے۔ (راوی کہتا ہے:) میں نے اپنے استاد سے پوچھا: آیا تم نے یہ حدیث خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی تھی؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ میں نے پوچھا: انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔

فوائد و مسائل: ① غیرت کے معنی حمیت و شرم کے ہیں۔ آدمی اپنی بیوی کے متعلق غیرت کرتا ہے، یعنی وہ نہیں چاہتا کہ غیر محرم اسے دیکھیں بلکہ وہ ان سے اپنی بیوی کی حفاظت کرتا ہے۔ دوسرے معنوں میں غیرت یہ ہے کہ کوئی اپنے محبوب میں کسی کی شراکت کو گوارا نہ کرے۔ جس انسان میں غیرت ہو اسے غیور کہا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دیوث ہوتا ہے جو اپنی بیوی کے پاس اجنبی لوگوں کے آنے جانے سے شرم محسوس نہیں کرتا اور نہ اپنی بیوی کو پردے میں ہی محفوظ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی غیرت کے پیش نظر بے حیائی کے تمام کام حرام قرار دیے ہیں جیسا کہ مذکورہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ غیرت اس بات پر آتی ہے جب وہ اپنے کسی بندے یا بندی کو زنا کرتے دیکھتا ہے۔''[1] ایک روایت میں صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے بیان کی ہے۔[2]

(٨) [بَابٌ]:

باب: 8- بلا عنوان

﴿وَكِيلٌ﴾ [١٠٢]: حَفِيظٌ وَمُحِيطٌ بِهِ. ﴿قُبُلًا﴾ [١٠٢] جَمْعُ قَبِيلٍ، وَالْمَعْنَى أَنَّهُ ضُرُوبٌ لِلْعَذَابِ كُلُّ ضَرْبٍ مِنْهَا قَبِيلٌ. ﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾: [١١٢] كُلُّ شَيْءٍ حَسَّنْتَهُ وَزَيَّنْتَهُ وَهُوَ بَاطِلٌ، فَهُوَ زُخْرُفٌ. ﴿وَحَرْثٌ حِجْرٌ﴾

وَكِيلٌ کے معنی ہیں کہ وہ ہر چیز کا نگہبان اور اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔ قُبُلًا، یہ قَبِيل کی جمع ہے۔ اس کے معنی عذاب کی انواع و اقسام ہیں۔ عذاب کی ہر قسم کو قَبِيل کہا گیا ہے۔ زُخْرُفَ الْقَوْلِ کے معنی ہر وہ چیز جس کو تم نے آراستہ کیا اور مزین بنایا ہو، حالانکہ وہ باطل اور جھوٹ

[1] صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5221. [2] صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5220.

[١٣٨]: حَرَامٌ، وَكُلُّ مَمْنُوعٍ فَهُوَ حِجْرٌ مَحْجُورٌ، وَالْحِجْرُ: كُلُّ بِنَاءٍ بَنَيْتَهُ، وَيُقَالُ لِلْأُنْثَى مِنَ الْخَيْلِ: حِجْرٌ. وَيُقَالُ لِلْعَقْلِ: حِجْرٌ وَحِجًا، وَأَمَّا الْحِجْرُ فَمَوْضِعُ ثَمُودَ، وَمَا حَجَّرْتَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَرْضِ فَهُوَ حِجْرٌ، وَمِنْهُ سُمِّيَ حَطِيمُ الْبَيْتِ حِجْرًا كَأَنَّهُ مُشْتَقٌّ مِنْ مَحْطُومٍ، مِثْلُ قَتِيلٍ مِنْ مَقْتُولٍ، وَأَمَّا حَجْرُ الْيَمَامَةِ فَهُوَ مَنْزِلٌ.

ہو، اسے زُخْرُف کہتے ہیں۔ وَحَرْثٌ حِجْرٌ کے معنی ہر وہ کھیتی جو ممنوع اور حرام ہو اسے حِجْرٌ مَحْجُوْرٌ کہا جاتا ہے۔ حجر ہر اس عمارت کو بھی کہتے ہیں جسے تم نے بنایا ہو۔ حجر کا اطلاق گھوڑی پر بھی ہوتا ہے اسی طرح حجر اور حِجًا کا اطلاق عقل پر بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حجر قوم ثمود کا علاقہ بھی ہے۔ زمین کا وہ حصہ جسے تم الگ کر لو اسے بھی حجر کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حَطِيْمُ الْبَيْتِ کو حجر کہتے ہیں۔ گویا وہ مَحْطُوْم کے معنی میں ہے جیسا کہ قَتِيل مَقْتُول کے معنی استعمال ہوتا ہے۔ حَجْرُ الْيَمَامَةِ ایک مقام یا منزل کا نام ہے۔

وضاحت: اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے چند الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے۔ اس میں قُبُلًا کے معنی پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس مقام پر قُبُلًا کے معنی عذاب کی اقسام نہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس مقام پر قُبُلًا کی تفسیر انواع عذاب سے میں نے کسی سے منقول نہیں دیکھی،[1] حالانکہ ﴿حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا﴾ میں قُبُلًا کی تفسیر انواع واقسام ہی ہے۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر موجودات کی تمام انواع واقسام گروہ در گروہ ہو کر یہ گواہی دیں کہ پیغمبروں کا سلسلہ برحق ہے تو اس کے باوجود کفار ایمان لانے والے نہیں ہیں، البتہ قُبُلًا کی مناسبت سے ﴿أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا﴾[2] کے معنی بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے بتا دیے ہیں کہ کفار کے سامنے انواع واقسام کا عذاب آ جائے تو ایمان لائیں گے۔ واللہ أعلم.

(٩) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ﴾ [١٥٠]

باب: 9- ارشاد باری تعالیٰ: ”آپ کہہ دیجیے کہ تم اپنے گواہوں کو لاؤ“ کا بیان

لُغَةُ أَهْلِ الْحِجَازِ هَلُمَّ لِلْوَاحِدِ وَالْاِثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ.

اہل حجاز کی لغت میں هَلُمَّ کا لفظ واحد، تثنیہ اور جمع سب کے لیے آتا ہے۔

وضاحت: اہل حجاز کے نزدیک هَلُمَّ اسم فعل، بمعنی امر ہے اور واحد، تثنیہ، جمع مذکر اور مؤنث کے لیے ایک ہی طرح استعمال ہوتا ہے جبکہ اہل نجد کے ہاں واحد مذکر کے لیے هَلُمَّ اور واحد مؤنث کے لیے هَلُمِّي، تثنیہ مذکر و مؤنث کے لیے هَلُمَّا، جمع مذکر کے لیے هَلُمُّوا اور جمع مؤنث کے لیے هَلْمُمْنَ ہے۔[3] واللہ أعلم. پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

---

[1] فتح الباري: 375/8. [2] الكهف 18:55. [3] فتح الباري: 376/8.

''آپ کہہ دیں کہ تم اپنے وہ گواہ تو لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع ان چیزوں کو حرام کیا ہے، پھر اگر وہ گواہی دے بھی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع ہی کرنا جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، نیز وہ دوسروں کو اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں۔''[1] اس مقام پر شہادت سے مراد یقین کی بنیاد پر شہادت دینا ہے کہ واقعی فلاں فلاں چیزیں اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں کے لیے حلال یا حرام قرار دی ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی گواہی وہ نہیں دے سکتے، جب وہ ایسی گواہی نہیں دے سکیں گے تو ممکن ہے کہ بعض صحیح عقل رکھنے والے لوگ ایسی مشرکانہ رسوم سے باز آ جائیں جو سراسر توہمات اور ظن وتخمین پر مبنی ہیں، تاہم اگر کچھ لوگ ڈھیٹ بن کر جھوٹی گواہی دینے پر آمادہ ہو جائیں تو آپ کسی صورت میں ان کے ہمنوا نہ بنیں۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابٌ: ﴿لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا﴾ [١٥٨]

باب: 10- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اس وقت کسی کا ایمان لانا اسے کچھ فائدہ نہیں دے گا'' کی تفسیر

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''کیا یہ ایسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود آپ کا رب آئے یا اس کی کوئی نشانی آئے؟ جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آجائے گی تو اس وقت کسی کا ایمان لانا اسے کچھ فائدہ نہ دے گا جو اس سے پہلے ابھی تک ایمان نہ لایا ہو یا اپنے ایمان کی حالت میں نیکی کے کام نہ کیے ہوں۔ آپ ان سے کہہ دیں تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''[2] موت کے وقت ایمان کے فائدہ نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح دو باتوں پر ہوتا ہے، دوسرے لفظوں میں ایمان کے زبانی اقرار کی تصدیق تو اعمال صالحہ ہی سے ہو سکتی ہے اور مرنے والے کو عمل کا وقت ہی نہیں ملتا، لہٰذا مرتے وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ آیت کریمہ میں ایک نشانی آنے کا ذکر ہے اس کی وضاحت درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

٤٦٣٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا، فَإِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا، فَذَاكَ حِينَ: ﴿لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا لَمْ تَكُنْ ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ﴾». [راجع: ٨٥]

[4635] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو لے۔ جب لوگ اسے دیکھیں گے تو ایمان لائیں گے لیکن یہ وقت ہو گا جب ''کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا۔''

٤٦٣٦ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ

[4636] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں

1 الأنعام 6:158. 2 الأنعام 6:150.

الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا، فَإِذَا طَلَعَتْ وَ رَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ، وَذٰلِكَ حِينَ: ﴿لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا﴾» ثُمَّ قَرَأَ الْآيَةَ. [راجع: ٨٥]

نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوگا۔ پھر جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا اور لوگ اسے دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے، حالانکہ ''اس وقت کا ایمان سود مند نہیں ہوگا۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین علامتیں ایسی ہیں کہ جب وہ ظاہر ہوں گی تو کسی کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جبکہ وہ پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا اس نے اپنے ایمان کی حالت میں اچھے کام نہیں کیے ہوں گے۔ ان میں سے ایک سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دوسرا دجال کا ظاہر ہونا اور تیسرا دابۃ الارض کا نکلنا ہے۔''[1] ② ان علامات میں سے ظہور دجال اور دابۃ الارض کا خروج قرب قیامت کی دلیل ہے اور مغرب سے آفتاب کا نکلنا وجود قیامت کی دلیل ہوگی اور اسی وقت سے توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ وجود قیامت سے پہلے اللہ رب العالمین علامات قیامت ظاہر فرمائے گا جنھیں اشراط الساعۃ کہا جاتا ہے تاکہ بندے تائب ہو کر اللہ کی طرف رجوع کریں، پھر جب اللہ تعالیٰ قیامت برپا کرنا چاہے گا تو سب سے پہلے آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا، اس سے یہ اشارہ ہوگا کہ جو قوانین قدرت دنیا کے موجودہ نظام میں کارفرما ہیں، ان کی میعاد ختم ہونے کا وقت آ پہنچا ہے، پھر جب قرب قیامت کے تمام نشانات کا مجموعہ متحقق ہوگا تو وجود قیامت کا آغاز ہوگا، اس کے بعد ہر چیز کے مشاہدے کا آغاز ہوگا تو توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ واللہ المستعان.

(٧) سُورَةُ الْأَعْرَافِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 7- تفسیر سورۂ اعراف

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: (وَرِيَاشًا) اَلْمَالُ. ﴿إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ﴾ [٥٥]: فِي الدُّعَاءِ وَفِي غَيْرِهِ. ﴿عَفَوا﴾ [٩٥]: كَثُرُوا [وَكَثُرَتْ أَمْوَالُهُمْ]. ﴿ٱلْفَتَّاحُ﴾ [سبا: ٢٦]: اَلْقَاضِي. ﴿ٱفْتَحْ بَيْنَنَا﴾ [٨٩]: اِقْضِ بَيْنَنَا. ﴿نَتَقْنَا ٱلْجَبَلَ﴾ [١٧١]: رَفَعْنَا. ﴿ٱنۢبَجَسَتْ﴾ [١٦٠]: اِنْفَجَرَتْ. ﴿مُتَبَّرٌ﴾ [١٣٩]: خُسْرَانٌ. ﴿ءَاسَىٰ﴾

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: وَرِيْشًا کے معنی ہیں: مال۔ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ''یقیناً وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' حد سے تجاوز کرنا دعا اور اس کے علاوہ میں بھی ہوتا ہے۔ عَفَوْا کے معنی ہیں: وہ اور ان کا مال بہت زیادہ ہو گئے۔ اَلْفَتَّاحُ کے معنی ہیں: فیصلہ کرنے والا۔ اِفْتَحْ بَيْنَنَا کے معنی ہیں: ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ نَتَقْنَا الْجَبَلَ: ہم نے پہاڑ اٹھایا۔ اِنْبَجَسَتْ کے

[1] صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 398 (158).

[٩٣]: أَحْزَنُ. ﴿تَأْسَ﴾ [المائدة:٢٦، ٢٨]: تَحْزَنْ. ﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ﴾ [١٢]: يَقُولُ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ. ﴿يَخْصِفَانِ﴾ [٢٢]: أَخَذَا الْخِصَافَ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ، يُؤَلِّفَانِ الْوَرَقَ: يَخْصِفَانِ الْوَرَقَ بَعْضَهُ إِلَى بَعْضٍ. ﴿سَوْءَاتُهُمَا﴾: كِنَايَةٌ عَنْ فَرْجَيْهِمَا. ﴿وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ﴾ [٢٤]: هُوَ هَاهُنَا إِلَى الْقِيَامَةِ، وَالْحِينُ عِنْدَ الْعَرَبِ مِنْ سَاعَةٍ إِلَى مَا لَا يُحْصَى عَدَدُهَا. اَلرِّيَاشُ وَالرِّيشُ وَاحِدٌ وَهُوَ مَا ظَهَرَ مِنَ اللِّبَاسِ. ﴿وَقَبِيلُهُ﴾ [٢٨]: جِيلُهُ الَّذِي هُوَ مِنْهُمْ. ﴿ادَّارَكُوا﴾ [٣٨]: اجْتَمَعُوا. وَمَشَاقُّ الْإِنْسَانِ وَالدَّابَّةِ كُلُّهَا يُسَمَّى سُمُومًا وَّاحِدُهَا سَمٌّ، وَهِيَ عَيْنَاهُ وَمَنْخِرَاهُ، وَفَمُهُ وَأُذُنَاهُ وَدُبُرُهُ وَإِحْلِيلُهُ.

معنی ہیں: پھوٹ نکلے۔ مُتَبَّرٌ کے معنی خسارہ اور بربادی کے ہیں۔ آسٰی: میں غم کروں۔ تَأْسَ کے معنی ہیں: تَحْزَنْ، یعنی حزن و ملال کرنا۔ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ کے معنی ہیں: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ، یعنی اس میں لا زائدہ ہے۔ تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا۔ یَخْصِفَانِ وہ اپنے آپ پر جنت کے پتے چپکانے لگے، یعنی انھوں نے بہشت کے پتے اپنے آپ پر جوڑ لیے (تاکہ ستر نظر نہ آئے)۔ سَوْءَاتُهُمَا سے مراد شرمگاہ ہے۔ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ یہاں قیامت تک مراد ہے۔ عرب کے محاورے میں حین ایک ساعت سے لامحدود مدت کو کہتے ہیں۔ اَلرِّيَاش اور اَلرِّيشُ دونوں ہم معنی ہیں، یعنی ظاہری لباس۔ وَقَبِيْلُهٗ کے معنی ہیں: اس کا گروہ جس میں وہ شیطان خود بھی شامل ہے۔ اِدَّارَكُوْا کے معنی ہیں: وہ سب جمع ہو گئے۔ آدمی اور حیوانات کے تمام سوراخوں کو سُمُوْمٌ کہتے ہیں جس کا مفرد سَمٌّ ہے اور اس سے مراد دونوں آنکھیں، دونوں نتھنے، منہ، دونوں کان، دبر و قبل، یعنی آگے پیچھے کی شرمگاہیں ہیں۔

﴿غَوَاشٍ﴾ [٤١]: مَا غُشُّوا بِهِ. ﴿نَشْرًا﴾ [٥٧]: مُتَفَرِّقَةً. ﴿نَكِدًا﴾ [٥٨]: قَلِيلًا. ﴿يَغْنَوْا﴾ [٩٢]: يَعِيشُوا. ﴿حَقِيقٌ﴾ [١٠٥]: حَقٌّ. ﴿اسْتَرْهَبُوهُمْ﴾ [١١٦]: مِنَ الرَّهْبَةِ. ﴿تَلْقَفُ﴾ [١١٧]: تَلْقَمُ. ﴿طَائِرُهُمْ﴾ [١٣١]: حَظُّهُمْ. طُوفَانٌ: مِنَ السَّيْلِ، وَيُقَالُ لِلْمَوْتِ الْكَثِيرِ: الطُّوفَانُ. ﴿الْقُمَّلُ﴾ [١٣٣]: اَلْحُمْنَانُ شِبْهُ صِغَارِ الْحَلَمِ. عُرُوشٌ وَعَرِيشٌ: بِنَاءٌ. ﴿سُقِطَ﴾ [١٤٩]: كُلُّ مَنْ نَدِمَ فَقَدْ سُقِطَ فِي يَدِهِ. اَلْأَسْبَاطُ: قَبَائِلُ بَنِي إِسْرَائِيلَ.

غَوَاشٍ اس سے مراد وہ چیز ہے جس سے کسی چیز کو ڈھانپا جائے۔ نَشْرًا کے معنی جدا جدا اور متفرق کے ہیں۔ نَكِدًا کے معنی ہیں: تھوڑا۔ يَغْنَوْا کے معنی جینے اور زندگی گزارنے کے ہیں۔ حَقِيقٌ حق واجب کو کہتے ہیں۔ اِسْتَرْهَبُوْهُمْ یہ رَهْبَة سے نکلا ہے جس کے معنی خوف کے ہیں۔ تَلْقَفُ کے معنی ہیں: لقمہ بنانے لگا۔ طَائِرُهُمْ کے معنی ہیں: ان کا نصیب اور حصہ۔ طُوْفَانٌ کے معنی سیلاب کے ہیں۔ کثرت اموات کو بھی طوفان کہتے ہیں۔ اَلْقُمَّلُ سے مراد چیچڑیاں جو چھوٹی چھوٹی جوؤں کی طرح ہوتی ہیں۔ عُرُوْشٌ اور عَرِيْشٌ کے معنی عمارت کے ہیں۔ سُقِطَ

﴿يَعْدُونَ فِي ٱلسَّبْتِ﴾ [١٦٣]: يَتَعَدَّوْنَ لَهُ، يُجَاوِزُونَ. ﴿تَعْدُ﴾ [الكهف: ٢٨]: تُجَاوِزْ.

جب کوئی شرمندہ ہوتا ہے تو اسے سُقِطَ فِيْ يَدِهٖ کہا جاتا ہے۔ اَلْاَسْبَاطُ سے مراد بنی اسرائیل کے خاندان اور قبیلے ہیں۔ يَعْدُوْنَ فِی السَّبْتِ کے معنی ہیں: وہ ہفتے کے دن حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔ اسی سے لفظ تَعْدُ ہے جس کے معنی حد سے بڑھ جانا ہیں۔

﴿شُرَّعًا﴾ [١٦٣]: شَوَارِعَ. ﴿بَئِيسٍ﴾ [١٦٥]: شَدِيدٍ. ﴿أَخْلَدَ إِلَى ٱلْأَرْضِ﴾ [١٧٦]: قَعَدَ وَتَقَاعَسَ. ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُم﴾ [١٨٢]: نَأْتِيهِمْ مِنْ مَأْمَنِهِمْ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَأَتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا۟﴾. [الحشر: ٢]. ﴿مِّن جِنَّةٍ﴾ [١٨٤]: مِنْ جُنُونٍ. ﴿أَيَّانَ مُرْسَىٰهَا﴾ [١٨٧]: مَتَى خُرُوجُهَا ﴿فَمَرَّتْ بِهِۦ﴾ [١٨٩]: اسْتَمَرَّ بِهَا الْحَمْلُ فَأَتَمَّتْهُ. ﴿يَنزَغَنَّكَ﴾ [٢٠٠]: يَسْتَخِفَّنَّكَ. ﴿طَٰٓئِفٌ﴾ [٢٠١]: مُلِمٌّ: بِهِ لَمَمٌ، وَيُقَالُ: (طَيْفٌ) وَهُوَ وَاحِدٌ. ﴿يَمُدُّونَهُمْ﴾ [٢٠٢]: يُزَيِّنُونَ. ﴿وَخِيفَةً﴾ [٢٠٥]: خَوْفًا. ﴿وَخُفْيَةً﴾ [٥٥] مِنَ الْإِخْفَاءِ. ﴿وَٱلْءَاصَالِ﴾ [٢٠٥]: وَاحِدُهَا أَصِيلٌ، مَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ كَقَوْلِكَ: ﴿بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [الفرقان: ٥].

شُرَّعًا کے معنی ہیں: پانی کے اوپر تیرتی ہوئی۔ بَئِيْسٍ کے معنی ہیں: سخت۔ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ کے معنی ہیں: بیٹھ رہا، پیچھے ہٹ گیا۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ کے معنی ہیں: ہم انھیں ایسی جگہ سے لیں گے جہاں سے ان کو ڈر نہ ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا یعنی اللہ کا عذاب ادھر سے آ پہنچا جہاں سے انھیں گمان بھی نہ تھا۔ مِنْ جِنَّةٍ، یعنی جنون و دیوانگی۔ اَيَّانَ مُرْسٰهَا کے معنی ہیں: وہ (قیامت) کب واقع ہوگی؟ فَمَرَّتْ بِهٖ وہ اسے لیے پھرتی رہی، یعنی اس نے حمل کی مدت کو پورا کیا۔ يَنْزَغَنَّكَ آپ کو اکسائے اور حق سے دور کرنے کی کوشش کرے۔ طٰٓئِفٌ دل میں اترنے والے خیال کو کہتے ہیں۔ اسے طَيْفٌ بھی کہا جاتا ہے۔ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ يَمُدُّوْنَهُمْ کے معنی ہیں: وہ مزین کرتے ہیں۔ وَخِيْفَةً کے معنی ہیں: خوف اور خُفْيَةً، اِخْفَاءِ سے ہے، یعنی چپکے چپکے۔ وَالْاٰصَالِ، أصيل کی جمع ہے اور أصيل عصر سے لے کر مغرب تک کے وقت کو کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا یعنی صبح شام۔

(١) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلْفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [٣٣]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”آپ کہہ دیں کہ میرے رب نے تمام بے حیائیوں کو، خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ (سب کو) حرام قرار دیا ہے“ کا بیان

وضاحت: الفاظ کا عموم ہر قسم کی ظاہری بے حیائی کو شامل ہے، مثلاً: بازار حسن میں جا کر بدکاری کرنا، فلمیں، ڈرامے، ٹی وی، وی سی آر، فحش اخبارات و رسائل، رقص و سرود اور مجروں کی محفلیں، عورتوں کی بے پردگی اور مردوں سے ان کا بے باکانہ میل جول، مہندی اور شادی کی رسومات میں بے حیائی کا کھلے عام مظاہرہ یہ سب فواحش ظاہرہ ہیں۔ اور کسی گرل فرینڈ سے خصوصی تعلق قائم کرنا، ان سے موبائل کے ذریعے سے پیغام رسانی یا تصاویر کا تبادلہ پوشیدہ بے حیائی کی اقسام ہیں۔ بہرحال کھلی اور پوشیدہ بے حیائی کسی ایک صورت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر قسم کی ظاہری اور پوشیدہ بے حیائی کو شامل ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”آپ کہہ دیں کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ یہ ہیں: بے حیائی کے کام، خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ، گناہ کے کام، ناحق زیادتی، تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ جس کے لیے اس نے کوئی سند نہیں اُتاری، نیز تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگاؤ جن کا تمھیں علم نہیں ہے۔“[1]

٤٦٣٧ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: أَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ عَبْدِ اللهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَرَفَعَهُ قَالَ: «لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ، فَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللهِ، فَلِذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ». [راجع: ٤٦٣٤]

[4637] حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے، انھوں نے ابو وائل سے پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، وہ اسے مرفوع (رسول اللہ ﷺ سے) بیان کرتے تھے کہ ”کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر غیرت مند نہیں، اسی لیے تو اس نے کھلی اور پوشیدہ بے حیائیوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جسے مدح و تعریف اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب ہو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مدح فرمائی ہے۔“

فوائد و مسائل: ① آدمی کی غیرت یہ ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کے ہاں کسی اجنبی کو نہ آنے دے اور نہ یہ برداشت کرے کہ کوئی اجنبی شخص انھیں دیکھے۔ غیور کے مقابلے میں دیوث ہوتا ہے جو اپنے اہل خانہ میں خباثت و گندگی کو ٹھنڈے پیٹ برداشت کر لیتا ہے۔ اللہ کی غیرت یہ ہے کہ وہ مومن کو ان چیزوں سے منع کرتا ہے جو اس نے حرام کی ہیں۔ اس نے بے حیائی کے تمام کام حرام کر دیے ہیں اور ان کے کرنے پر سزا کی وعید سنائی ہے۔ ② اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفت غیرت کو ثابت کیا گیا ہے۔ ہم اس کی کوئی تاویل نہیں کرتے بلکہ اسے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں جو اس پروردگار کے شایان شان ہے۔ سلف صالحین کا یہی طریقہ ہے کہ نہ ان صفات کا انکار کرتے ہیں اور نہ ان کی تاویل ہی کا سہارا لیتے ہیں۔ اس کی تفصیل ہم آگے کتاب التوحید میں بیان کریں گے۔ بإذن اللّٰہ تعالیٰ.

1 الأعراف 7:33.

(٢) بَابٌ: ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوسَىٰ لِمِيقَٰتِنَا وَكَلَّمَهُۥ رَبُّهُۥ قَالَ رَبِّ أَرِنِىٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ﴾ الْآيَةَ [١٤٣]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو انھوں نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنا دیدار کرا دے......''

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أَرِنِي﴾: أَعْطِنِي.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اَرِنِیْ کا مطلب ہے: مجھے دے۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اور جب موسیٰ ؑ ہمارے مقرر وقت اور جگہ پر آ گئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا تو موسیٰ ؑ نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے اپنا آپ دکھلا کہ میں ایک نظر تجھے دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا، البتہ اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تو بھی مجھے دیکھ سکے گا، پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ ؑ غش کھا کر گر پڑے پھر جب انھیں کچھ افاقہ ہوا تو کہنے لگے: تیری ذات پاک ہے میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔''[1] بہرحال اس فانی دنیا اور ان فانی آنکھوں سے اللہ کا دیدار ممکن نہیں لیکن جب یہ دنیا تبدیل کر دی جائے گی اور انسانی قُویٰ میں بھی تبدیلی لائی جائے گی تو دیدارِ الٰہی ممکن ہوگا۔ قیامت کے دن اہل ایمان رؤیت باری تعالیٰ سے محظوظ ہوں گے۔ اس وقت بھی ایک مرتبہ لوگوں پر غشی کا عالم طاری ہوگا جس سے حضرت موسیٰ ؑ دوچار ہوئے تھے جیسا کہ امام بخاری ؒ کی پیش کردہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

٤٦٣٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَدْ لُطِمَ وَجْهُهُ وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِكَ مِنَ الْأَنْصَارِ لَطَمَ فِي وَجْهِي، قَالَ: «اُدْعُوهُ» فَدَعَوْهُ قَالَ: «لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ؟» قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي مَرَرْتُ بِالْيَهُودِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ، فَقُلْتُ: وَعَلَى مُحَمَّدٍ؟ وَأَخَذَتْنِي غَضْبَةٌ

[4638] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے منہ پر کسی نے طمانچہ مارا تھا۔ اس نے عرض کی: اے محمد (ﷺ)! تمھارے ایک انصاری صحابی نے میرے منہ پر طمانچہ رسید کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے بلاؤ۔'' لوگوں نے اسے بلایا تو آپ نے پوچھا: ''تو نے اس کے منہ پر طمانچہ کیوں مارا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کے رسول! میرا یہود کے پاس سے گزر ہوا تو میں نے سنا یہ کہہ رہا تھا: اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ ؑ کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! میں نے کہا: کیا وہ حضرت محمد ﷺ سے بھی بڑھ کر ہیں؟

[1] الأعراف 7:143.

فَلَطَمْتُهُ، قَالَ: «لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسٰى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ؟». [راجع: ٢٤١٢]

مجھے اس بات پر غصہ آ گیا تو میں نے اسے طمانچہ مار دیا۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت نہ دیا کرو۔ قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا وہ بے ہوش ہی نہ ہوں گے کیونکہ وہ کوہ طور پر بے ہوش ہو چکے تھے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر بے ہوش ہونے کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیل آیت بالا میں بیان ہو چکی ہے۔ اس آیت سے معتزلہ استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ دنیا میں ممکن ہے اور نہ آخرت ہی میں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَن تَرَانِي﴾ ''تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔'' اس میں ہمیشہ کی نفی ہے، لیکن معتزلہ کا یہ موقف صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیدار الٰہی ہوگا۔ اس نفی رؤیت کا تعلق صرف دنیا سے ہے کہ دنیا میں کوئی آنکھ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے پر قادر نہیں ہے لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان آنکھوں میں اتنی قوت پیدا فرما دے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو برداشت کر سکیں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس روز بہت سے چہرے خوش وخرم ہوں گے اور اپنے رب سے محو دیدار ہوں گے۔''[1] ② اللہ تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام سے محو کلام ہونے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے سب زبانوں میں، ان کے لب و لہجے اور الفاظ وحروف میں کلام کر سکتا ہے، جبکہ فرقہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کے اس طرح کلام کرنے کے منکر ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کے خلاف خیال کرتے ہیں۔ ان کا یہ موقف قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے خلاف ہے جس کی تفصیل ہم کتاب التوحید میں بیان کریں گے۔

[بَابُ] ﴿الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ﴾ [١٦٠]

باب: - (ارشاد باری تعالیٰ:) ''مَن اور سلویٰ'' کا بیان

وضاحت: صحرائے سینا میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو احسانات فرمائے، ان میں سے ایک من وسلویٰ کا نزول بھی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ان پر ہم نے من وسلویٰ نازل کیا۔''[2] لیکن ان بدبختوں نے اسے ذخیرہ کرنا اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کرنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس گناہ کی پاداش میں سنگین سزا سے دوچار کیا، بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے درج ذیل حدیث سے ''مَنْ'' کی حیثیت اور اہمیت کو واضح کیا ہے۔

٤٦٣٩ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ

[4639] حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ

1 القیامة 75:22,23. ② الأعراف 7:160.

الْمَلِكِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءُ الْعَيْنِ». [راجع: ٤٤٧٨]

نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کھمبی ''من'' سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں کھمبی کو ''مَنّ'' کی قسم بتایا گیا ہے کیونکہ یہ خود بخود پیدا ہوتی ہے، اس کے لیے کسی بیج و کھاد یا پانی کی کوئی مشقت نہیں اٹھانا پڑتی جیسا کہ بنی اسرائیل کو من وسلوی بغیر محنت ومشقت سے ملتا تھا۔ یہ کھمبی عام طور پر سردی کے موسم میں اُگتی ہے۔ اس کا پانی آنکھ کی ہر بیماری کے لیے باعث شفا ہے۔ ② کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اسے دوسری ادویات کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے تو سودمند ہے، صرف پانی آنکھ کو نقصان دیتا ہے لیکن ہمارا تجربہ ہے کہ آنکھ اگر حرارت یا برودت کی وجہ سے خراب ہو تو صرف پانی استعمال کرنے سے آرام آ جاتا ہے۔ ہم اس کے متعلق اپنی گزارشات حدیث: 4478 کے فوائد میں ذکر کر آئے ہیں اور کچھ گزارشات کتاب الطب میں ذکر ہوں گی۔ بإذن الله تعالىٰ.

(٣) بَابٌ: ﴿قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ٱلَّذِى لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِ ٱلنَّبِىِّ ٱلْأُمِّىِّ ٱلَّذِى يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَكَلِمَٰتِهِۦ وَٱتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ [١٥٨]

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''کہہ دیجیے! لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول امی نبی پر ایمان لاؤ جو خود بھی اللہ اور اس کے ارشادات پر یقین رکھتا ہے۔ اور اس کی پیروی کرو امید ہے کہ تم راہ راست پا لو گے'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آپ سابقہ انبیاء ؊ کی طرح نسلی، قومی یا علاقائی پیغمبر نہیں بلکہ آپ کا حلقۂ تبلیغ پوری دنیا کے انسان ہیں، پھر آپ وقتی یا کسی مخصوص زمانے کے لیے پیغمبر نہیں بلکہ آپ کی رسالت قیامت تک کے لیے ہے۔ آپ کے بعد اللہ کی طرف سے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اگر کوئی آپ کے بعد نبوت کا مدعی ہے تو وہ کذاب اور جھوٹا ہے۔ اس کی تفصیل ہم سورۂ احزاب میں بیان کریں گے۔

٤٦٤٠ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمُوسَى بْنُ هَارُونَ قَالَا: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ

[4640] حضرت ابوالدرداء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ کے درمیان کچھ تکرار ہوگئی، چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نے حضرت عمر کو ناراض

الْعَلَاءِ بْنِ زَبْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُولُ: كَانَتْ بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مُحَاوَرَةٌ، فَأَغْضَبَ أَبُو بَكْرٍ عُمَرَ، فَانْصَرَفَ عَنْهُ عُمَرُ مُغْضَبًا فَاتَّبَعَهُ أَبُو بَكْرٍ يَسْأَلُهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَهُ، فَلَمْ يَفْعَلْ، حَتّٰى أَغْلَقَ بَابَهُ فِي وَجْهِهِ، فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ - فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: وَنَحْنُ عِنْدَهُ - فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَمَّا صَاحِبُكُمْ هٰذَا فَقَدْ غَامَرَ»، قَالَ: وَنَدِمَ عُمَرُ عَلٰى مَا كَانَ مِنْهُ، فَأَقْبَلَ حَتّٰى سَلَّمَ وَجَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَقَصَّ عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْخَبَرَ، قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: وَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ يَقُولُ: وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ! لَأَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي؟ هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي؟ إِنِّي قُلْتُ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّي رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ فَقُلْتُمْ: كَذَبْتَ، وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: صَدَقْتَ».

کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے غضبناک ہو کر چل دیے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان سے معافی مانگتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معاف نہ کیا بلکہ ان کے سامنے سے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوالدرداء کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس وقت آپ ﷺ کے پاس موجود تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تمھارے یہ صاحب کسی سے جھگڑا کر کے آ رہے ہیں۔'' اس دوران میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے ردعمل پر پشیمانی ہوئی تو وہ آئے اور سلام کر کے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے پورا واقعہ بیان کیا۔ (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر) ناراض ہوئے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل کہے جا رہے تھے: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! واقعی میری زیادتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میرے ساتھی کو میری خاطر (ستانا) چھوڑتے ہو کہ نہیں؟ کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو (ستانا) نہیں چھوڑ سکتے؟ دیکھو میں نے جب کہا تھا: ''اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں تو تم سب نے میری تکذیب کی لیکن ابوبکر نے مجھے سچا کہا تھا۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: غَامَرَ: سَبَقَ بِالْخَيْرِ.

[راجع: ٣٦٦١]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ غامر کے معنی ہیں: بھلائی میں سبقت کرنے والا۔

فوائد ومسائل: ① اگر چہ لغوی طور پر غَامَر کے معنی جھگڑے میں داخل ہونا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی بھلائی میں سبقت کرنے والا ہیں۔ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جھگڑا خیر و بھلائی سے متعلق تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے معنی سابق بالخیر سے کیے ہیں۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معافی مانگنے میں سبقت کی ہے، اس اعتبار سے وہ عمر فاروق پر سبقت لے گئے۔ ② بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ غَامَر کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اگر چہ جمہور محدثین سے یہ معنی منقول نہیں ہیں۔ واللہ أعلم. ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص بہت سے کمالات وفضائل کا

مالک ہوا گر اس سے کوئی لغزش ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دینا چاہیے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی زیادتی کا اقرار بھی کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اپنی ناراضی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس بنا پر اگر بزرگوں سے کوئی غلطی ہو جائے تو خواہ مخواہ ان کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے، ممکن ہے کہ بزرگوں کی بہت ساری نیکیاں بھی ہوں اور ان نیکیوں کی بدولت اللہ کے ہاں ان کا بہت بڑا مقام ہو کہ لغزش کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ ہی نہ دے بلکہ طعن و تشنیع کرنے والوں کا مؤاخذہ ہو جائے، اس لیے کہا جاتا ہے: ''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است۔'' اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعلق وہی الفاظ استعمال کیے ہیں جو الفاظ آیت کریمہ میں آپ کے متعلق استعمال ہوئے ہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿حِطَّةٌ﴾. [١٦١]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''(اور کہتے جاؤ کہ یا اللہ!) ہماری گناہوں سے توبہ ہے'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اور جب بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ اس بستی میں آباد ہو جاؤ اور جہاں سے جی چاہے کھاؤ اور دعا کرتے رہو کہ ہمیں معاف کر دیا جائے اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا تو ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے اور اچھے کام کرنے والوں کو زیادہ بھی دیں گے۔''[2] لیکن بنی اسرائیل کا اس کلمۂ الٰہی کے متعلق ردعمل کیا ہوا، اس کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

٤٦٤١ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قِيلَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ: ﴿وَٱدْخُلُوا۟ ٱلْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا۟ حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَـٰيَـٰكُمْ﴾ [البقرة:٥٨] فَبَدَّلُوا، فَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَى أَسْتَاهِهِمْ وَقَالُوا: حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ». [راجع: ٣٤٠٣]

[4641] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا: ''تم دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو کہ ہمیں معاف کر دیا جائے، ہم تمھارے گناہ معاف کر دیں گے۔'' انھوں نے اس حکم کو یوں بدلا کہ وہ سرینوں کو گھسیٹتے ہوئے اور حِطَّةٌ کے بجائے حَبَّةٌ ''بالی میں دانہ'' کہتے داخل ہوئے۔''

فوائد و مسائل: ① قرآن کریم میں ہے: ''پھر ان ظالموں نے اس بات کو بدل ڈالا جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے بھی ان ظلم پیشہ لوگوں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔''[3] بہرحال ان بدبختوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پوری

---

① الأعراف 7:161. ② البقرة 2:59.

پوری نافرمانی کی۔ فتح کے بعد ان میں عجز وانکسار کے بجائے فخر وگھمنڈ پیدا ہوگیا اور وہ اترانے لگے۔ ② اس واقعے سے ان کی نافرمانی اور سرکشی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو ان کے اندر پیدا ہوگئی تھی اور احکام الٰہی سے تمسخر اور استہزاء کا بھی پتہ چلتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اخلاق وکردار کے لحاظ سے زوال پذیر ہو جائے تو اس کا معاملہ احکام الٰہیہ کے ساتھ اسی طرح کا ہو جاتا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس خلاف ورزی کی پاداش میں طاعون جیسے موذی مرض میں مبتلا کر دیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''یہ طاعون اسی رجز اور عذاب کا حصہ ہے جو تم سے پہلے کچھ لوگوں پر نازل ہوا۔''[1]

(٥) بَابٌ: ﴿خُذِ ٱلْعَفْوَ وَأْمُرْ بِٱلْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْجَٰهِلِينَ﴾ [١٩٩]

باب: 5- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''آپ درگزر اختیار کریں، معروف کاموں کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی کریں'' کا بیان

اَلْعُرْفُ: اَلْمَعْرُوفُ.

عرف کے معنی معروف کے ہیں، یعنی اچھا کام۔

وضاحت: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک داعی حق کو نہایت مختصر الفاظ میں تین نصیحتیں کی ہیں: * عفو ودرگزر: داعی حق کو حوصلہ اور برداشت سے کام لینا چاہیے۔ اپنے رفقاء کی کمزوریوں اور اپنے مخالفین کی اشتعال انگیزیوں پر اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا چاہیے۔ * اچھی باتوں کا حکم: صاف اور سادہ الفاظ میں ایسی بھلائیوں کی طرف دعوت دی جائے جنھیں عقل عامہ تسلیم کرنے پر تیار ہو اور اس انداز میں دعوت دی جائے کہ لوگ بوجھ محسوس نہ کریں۔ * بحث سے پرہیز: داعی حق کو چاہیے کہ اعتراض برائے اعتراض اور بحث برائے بحث کرنے والوں سے کنارہ کش رہے۔ اگر ایسی باتوں میں الجھ گیا تو دعوت حق کا کام ٹھپ ہو جائے گا، لہٰذا ایسے لوگوں کے اعتراضات اور طعن وتشنیع کا جواب دینے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان سے بے نیاز ہو کر اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔

٤٦٤٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنِ بْنِ حُذَيْفَةَ، فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أَخِيهِ الْحُرِّ بْنِ قَيْسٍ، وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِينَ

[4642] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: عیینہ بن حصن بن حذیفہ نے اپنے بھتیجے حضرت حر بن قیس کے ہاں قیام کیا۔ حضرت حر بن قیس ان خاص لوگوں میں سے تھے جنھیں حضرت عمر ؓ اپنے بہت قریب رکھتے تھے کیونکہ جو لوگ قرآن کریم کے زیادہ عالم اور قاری

1 صحیح مسلم، السلام، حدیث: 5772 (2218).

يُدْنِيهِمْ عُمَرُ، وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجَالِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا، فَقَالَ عُيَيْنَةُ لِابْنِ أَخِيهِ: يَا ابْنَ أَخِي! لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هٰذَا الْأَمِيرِ فَاسْتَأْذِنْ لِي عَلَيْهِ، قَالَ: سَأَسْتَأْذِنُ لَكَ عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَاسْتَأْذَنَ الْحُرُّ لِعُيَيْنَةَ، فَأَذِنَ لَهُ عُمَرُ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ قَالَ: هِيْ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، فَوَاللهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ، وَلَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ، فَغَضِبَ عُمَرُ حَتّٰى هَمَّ بِهِ، فَقَالَ لَهُ الْحُرُّ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿خُذِ ٱلْعَفْوَ وَأْمُرْ بِٱلْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْجَٰهِلِينَ﴾ وَإِنَّ هٰذَا مِنَ الْجَاهِلِينَ، وَاللهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلَاهَا عَلَيْهِ، وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ. [انظر: ٧٢٨٦]

ہوتے انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بڑی پذیرائی حاصل ہوتی تھی۔ ایسے لوگ ہی آپ کے مشیر ہوتے تھے، قطع نظر اس سے کہ وہ عمر رسیدہ ہوں یا نوجوان۔ بہر حال عیینہ بن حصن نے اپنے بھتیجے سے کہا: تمھیں اس امیر کی مجلس میں بڑا قرب حاصل ہے، لہٰذا مجھے بھی مجلس میں حاضری کی اجازت لے دو۔ حر بن قیس نے کہا: میں آپ کے لیے مجلس میں حاضری کی اجازت مانگوں گا، چنانچہ انھوں نے عیینہ کے لیے اجازت مانگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مجلس میں آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ مجلس میں پہنچا تو کہنے لگا: اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! نہ تم ہمیں مال دیتے ہو اور نہ عدل کے مطابق فیصلے ہی کرتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی بات پر بہت غصہ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے مزہ چکھانے کے لیے آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ حضرت حر بن قیس نے عرض کی: امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''آپ درگزر اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔'' اور بلاشبہ یہ بھی جاہلوں میں سے ہے۔ اللہ کی قسم! جب حضرت حر نے قرآن مجید کی تلاوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں رک گئے۔ واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کتاب اللہ کا حکم سن کر فوراً گردن جھکا دینے والے تھے۔

فوائد ومسائل: ① ایک داعیِ حق کے لیے اس میں یہ سبق ہے کہ جب وہ نیکی کا حکم دینے میں اتمام حجت کر چکے اور پھر بھی کوئی نہ مانے تو ان سے اعراض کر لیا جائے اور ان کے جھگڑوں اور حماقتوں کا جواب نہ دیا جائے۔ اگر اس موقع پر شیطان اشتعال دلانے کی کوشش کرے تو فوراً اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو آپ فوراً اللہ کی پناہ مانگیں، بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''[1] ② عیینہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عام بادشاہوں کی طرح خیال کیا جو جاہل مصاحبوں پر قومی خزانہ لٹا دیتے ہیں بلکہ اس نے سخت مزاجی اور ترش روئی کا

[1] الأعراف 7:200.

مظاہرہ کیا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی کتاب کا حکم سن کر صبر اور تحمل سے کام لیا، اگر کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو اس طرح کی بے ادبی پر سزا دیتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایمان اور ان کا اخلاص سمجھنے کے لیے یہ ایک واقعہ ہی کافی ہے۔

٤٦٤٣ - حَدَّثَنِي يَحْيٰى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ ﴿خُذِ ٱلْعَفْوَ وَأْمُرْ بِٱلْعُرْفِ﴾ قَالَ: مَا أَنْزَلَ اللهُ إِلَّا فِي أَخْلَاقِ النَّاسِ. [انظر: ٤٦٤٤]

[4643] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: درج ذیل آیت اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اخلاق کی اصلاح کے لیے نازل فرمائی ہے: ''معافی اختیار کیجیے اور نیکی کا حکم دیتے رہیے۔''

٤٦٤٤ - وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ بَرَّادٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: قَالَ هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: أَمَرَ اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ أَنْ يَأْخُذَ الْعَفْوَ مِنْ أَخْلَاقِ النَّاسِ، أَوْ كَمَا قَالَ. [راجع: ٤٦٤٣]

[4644] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے اخلاق درست کرنے کے لیے درگزر سے کام لیں۔

فوائد ومسائل: ① اس آیت میں ''عفو'' کے متعلق دو آراء ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ✱ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف ہے کہ اس سے مراد لوگوں کے وہ مال ہیں جو ان کی ضروریات سے زائد ہوں، انھیں لینے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے اور یہ حکم زکاۃ کے احکام اترنے سے پہلے کا ہے۔ ✱ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا موقف ہے کہ اس سے مراد معاف کر دینا ہے کہ لوگوں کے اخلاق واعمال کی جستجو کرنے کے بجائے انھیں معاف کر دیا کریں جیسا کہ درج بالا احادیث سے واضح ہوتا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ اخلاق، خلق کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ ملکہ ہے جس کے باعث افعال آسانی سے صادر ہوں۔ جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں لوگوں کے مکارم اخلاق بیان کرنے کے بارے میں اس سے جامع کوئی آیت نہیں ہے۔ ② اصول اخلاق تین ہیں: عقلی، شہوی اور غضبی۔ اور ہر خلق کا کمال امر متوسط ہے۔ خلق عقلی کا متوسط حکمت ہے۔ اس سے امر بالمعروف پیدا ہوتا ہے۔ شہوی کا متوسط عفت ہے۔ اس سے اخذ عفو پیدا ہوتا ہے اور قوت غضبی کا متوسط شجاعت ہے۔ اس سے جاہلوں سے اعراض پیدا ہوتا ہے۔[1] ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ مجھے علم نہیں، البتہ میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کر کے اس کا مطلب بتا سکتا ہوں، پھر انھوں نے بتایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جو شخص آپ پر ظلم کرے، آپ اسے معاف کر دیں اور جو آپ کو کچھ نہ دے آپ اس پر بخشش کریں اور جو آپ سے قطع تعلقی کرے آپ اس سے بھی صلہ رحمی کریں۔[2] الغرض یہ آیت اخلاق فاضلہ پر مشتمل ایک جامع ہدایت نامہ ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے سیدالانبیاء ﷺ کی تربیت کر کے آپ کو تمام اولین وآخرین میں خلق عظیم کے خطاب سے نوازا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک آپ عمدہ اخلاق پر فائز ہیں۔''[3]

1 عمدة القاري: 625/12. 2 فتح الباري: 388/8. 3 القلم 68:4.

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''لوگ آپ سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ انفال (اموال زائدہ) تو اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں، لہٰذا تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے باہمی تعلقات درست رکھو'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ٱلْأَنفَالِ﴾: الْمَغَانِمُ. قَالَ قَتَادَةُ: ﴿رِيحُكُمْ﴾ [٤٦]: الْحَرْبُ، يُقَالُ: نَافِلَةٌ: عَطِيَّةٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلْاَنْفَال سے مراد غنیمتیں ہیں۔ حضرت قتادہ نے کہا: رِيْحُكُمْ کے معنی تمھاری لڑائی ہیں۔ لفظ نافِلَة، عَطِيَّة کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

وضاحت: انفال سے مراد وہ اموال زائدہ ہیں جو کسی کی محنت کا صلہ نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے عطا کیے ہوں اور ان کی کئی قسمیں ہیں: * اموال غنیمت: یہ اگرچہ مجاہدین کی محنت کا صلہ ہوتے ہیں، تاہم انھیں انفال میں اس لیے شمار کیا گیا ہے کہ یہ اموال پہلی امتوں پر حرام تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس امت پر انھیں حلال کیا ہے۔ * اموال فے: ایسے اموال جو لڑائی کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں۔ * اموال سلب: وہ مال جو ایک مجاہد، مقتول دشمن کے جسم سے اتارتا ہے۔ * دیگر اموال، جیسے جزیہ، صدقات اور عطیات وغیرہ۔

٤٦٤٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: سُورَةُ الْأَنْفَالِ؟ قَالَ: نَزَلَتْ فِي بَدْرٍ. [راجع: ٤٠٢٩]

[4645] حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: سورۂ انفال کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ تو فرمایا: وہ غزوۂ بدر کے متعلق نازل ہوئی۔

﴿ٱلشَّوْكَةِ﴾ [٧]: اَلْحَدُّ. ﴿مُرْدِفِينَ﴾ [٩]:

اَلشَّوْكَة کے معنی ہیں: تلوار کی دھار۔ مُرْدِفِيْن کا مطلب

فَوْجًا بَعْدَ فَوْجٍ، رَدِفَنِي وَأَرْدَفَنِي: جَاءَ بَعْدِي. ﴿ذُوقُوا﴾ [٥٠]: بَاشِرُوا وَجَرِّبُوا، وَلَيْسَ هٰذَا مِنْ ذَوْقِ الْفَمِ. ﴿فَيَرْكُمَهُ﴾ [٣٧]: يَجْمَعُهُ. ﴿شَرِّدْ﴾ [٥٧]: فَرِّقْ. ﴿وَإِن جَنَحُوا﴾ [٦١]: طَلَبُوا، اَلسِّلْمُ وَالسَّلْمُ وَالسَّلَامُ وَاحِدٌ. ﴿يُثْخِنَ﴾ [٦٧] يَغْلِبَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مُكَآءً﴾ [٣٥]: إِدْخَالُ أَصَابِعِهِمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ. ﴿وَتَصْدِيَةً﴾: اَلصَّفِيرُ. ﴿لِيُثْبِتُوكَ﴾ [٣١] لِيَحْبِسُوكَ.

ہے: ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت۔ رَدِفَنِي اور أَرْدَفَنِي دونوں کے معنی ایک ہیں، یعنی میرے بعد آیا۔ ذُوقُوْا کے معنی ہیں: عذاب برداشت کرو اور اس کا خود تجربہ کرو۔ اس سے مراد منہ سے چکھنا نہیں۔ فَيَرْكُمَهٗ کے معنی ہیں: اس کو جمع کر دے۔ شَرِّدْ: متفرق اور منتشر کرنا۔ جَنَحُوْا: صلح و سلامتی طلب کریں۔ اَلسِّلْمُ، اَلسَّلْمُ اور اَلسَّلَامُ ان تینوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی امن و امان اور صلح و سلامتی۔ يُثْخِنَ کے معنی ہیں: خون ریزی کر کے غلبہ پانا۔ مجاہد ؒ نے کہا: مُكَآءً کے معنی ہیں: اپنی انگلیوں کو منہ میں داخل کرنا اور تَصْدِيَةً کے معنی ہیں: سیٹی بجانا۔ لِيُثْبِتُوْكَ کے معنی ہیں: آپ کو قید کر لیں، آپ کو روک لیں۔

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں سورۃ الانفال کی شان نزول ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: غزوۂ بدر کے اختتام پر یہ صورت پیدا ہوئی کہ جس فریق نے اموال غنیمت لوٹے تھے وہ ان پر قابض ہو گیا۔ ایک دوسرا فریق جس نے کفار کا تعاقب کیا تھا کہنے لگا ہم بھی ان اموال میں برابر کے شریک ہیں کیونکہ اگر ہم کفار کا تعاقب نہ کرتے تو وہ مڑ کر حملہ کر سکتے تھے اور اس طرح یہ فتح شکست میں تبدیل ہو سکتی تھی۔ ایک تیسرا فریق جو رسول اللہ ﷺ کے گرد حفاظت کی خاطر حصار بنائے ہوئے تھا، وہ کہنے لگا: ہم بھی ان اموال میں برابر کے حصے دار ہیں کیونکہ ہم آپ کی حفاظت نہ کرتے اور اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچتا تو فتح شکست میں بدل سکتی تھی مگر قابضین ایسی باتیں قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے، جس سے مجاہدین میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ اس تناظر میں یہ سورت نازل ہوئی۔[1] ② اس سورت کے آغاز ہی میں مسلمانوں کی اخلاقی کمزوریوں اور ان کی اصلاح کا طریق کار بیان کیا گیا ہے۔ ③ امام بخاری ؒ نے مذکورہ چند الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے۔ سیاق و سباق کے پیش نظر کسی بھی تفسیر کی کتاب سے اس کے معانی دیکھے جا سکتے ہیں۔

[بَابٌ]: ﴿إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلصُّمُّ ٱلْبُكْمُ ٱلَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [٢٢]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ”یقیناً اللہ کے ہاں بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کچھ کام نہیں لیتے“ کا بیان

وضاحت: جب انسان اعضاء سے وہ کام لینا چھوڑ دے جس کے لیے وہ بنائے گئے ہیں تو بالآخر وہ اعضاء اپنا کام کرنا

1 مسند أحمد: 324/5.

چھوڑ دیتے ہیں، مثلاً: آنکھیں اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کائنات کو دیکھیں۔ کان اس لیے ہیں کہ وہ حق بات سنیں اور عقل اس لیے ہے کہ وہ کان اور آنکھ کی حاصل کردہ معلومات میں غور وفکر کرے۔ اب جو شخص ان اعضاء سے کام نہ لیتے ہوئے انھیں بے کار بنا دیتا ہے تو ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں جنھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو برباد کر دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ تو نرے چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔''[1]

٤٦٤٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلصُّمُّ ٱلْبُكْمُ ٱلَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ﴾ قَالَ: هُمْ نَفَرٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ الدَّارِ.

[4646] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے اس آیت ''بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل سے ذرا کام نہیں لیتے۔'' کے متعلق فرمایا: یہ آیت بنوعبدالدار کے کچھ لوگوں کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

فوائد ومسائل: ① قریش کے کافروں میں سے بنوعبدالدار قبیلے کے کچھ لوگ جنگ اُحد میں کفر کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں گونگے بہرے حیوان قرار دیا ہے کہ یہ لوگ اپنے انجام بد سے بے خبر ہیں، چنانچہ بعد کے حالات نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ واقعی یہ لوگ جانوروں سے بھی بدتر تھے۔ ② بہرحال انسان اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات ہے، یہ انعامات صرف اطاعت حق کی وجہ سے ہیں، جب انسان حق بات سننے، سمجھنے اور ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو یہ سارے انعامات اس سے چھین لیے جاتے ہیں اور وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٢) [بَابٌ]: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَٱعْلَمُوٓا أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ [٢٤]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، جب وہ (رسول) تمھیں ایسی چیز کی طرف دعوت دے جو تمھارے لیے زندگی بخش ہو۔ اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور تم اسی کے حضور جمع کیے جاؤ گے'' کی تفسیر

﴿ٱسْتَجِيبُوا﴾: أَجِيبُوا. ﴿لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾: لِمَا يُصْلِحُكُمْ.

اِسْتَجِيْبُوْا کے معنی أَجِيبُوا ہیں، یعنی قبول کرو اور لِمَا يُحْيِيْكُمْ، یعنی اس چیز کے لیے جو تمھاری اصلاح کرتی ہے۔

① الفرقان 25: 44.

وضاحت: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دل کے اتنا قریب ہے کہ وہ اس کے راز، ارادے اور نیت تک کو جانتا ہے اور یہ دل ہی خیر وشر کا منبع ہے، لہٰذا ایک مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں دیر نہیں کرنی چاہیے بصورت دیگر ممکن ہے کہ بعد میں کوئی اور خیال پیدا ہو جائے جو اطاعت میں رکاوٹ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ کا تو قانون ہی یہ ہے کہ انسان جیسا ارادہ یا نیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اسی طرح کی راہیں سجھانے لگتا ہے، اس بنا پر انسان کو چاہیے کہ وہ حتی الامکان اپنے دل کو شیطانی وسوسوں کا نشانہ بننے سے بچائے رکھے اور اس کی واحد صورت یہ ہے کہ بلا تاخیر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ]

٤٦٤٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ قَالَ: أَخْبَرَنَا رَوْحٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلّٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي فَمَرَّ بِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَدَعَانِي، فَلَمْ آتِهِ حَتّٰى صَلَّيْتُ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ، فَقَالَ: «مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ؟ أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾» ثُمَّ قَالَ: «لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ»، فَذَهَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِيَخْرُجَ فَذَكَرْتُ لَهُ.

[4647] حضرت ابوسعید بن معلّٰی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے اور آپ نے مجھے آواز دی۔ میں آپ کی خدمت میں نہ پہنچ سکا بلکہ فراغت نماز کے بعد حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''تجھے میرے پاس آنے میں کیا رکاوٹ تھی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا: ''ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہو جب وہ تمھیں بلائیں۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے میں تمھیں قرآن کی ایک عظیم ترین سورت کی تعلیم دوں گا۔'' تھوڑی دیر بعد جب رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا۔

وَقَالَ مُعَاذٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: سَمِعَ حَفْصًا: سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، بِهٰذَا وَقَالَ: «هِيَ ﴿ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾، اَلسَّبْعُ الْمَثَانِي». [راجع: ٤٤٧٤]

معاذ نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبیب بن عبدالرحمٰن سے بیان کیا، انھوں نے حفص سے سنا، انھوں نے ابوسعید بن معلّٰی ؓ سے سنا جو نبی ﷺ کے صحابی تھے، انھوں نے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ''وہ سورت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ہے جس میں سات آیات ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ''السبع المثانی'' سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے جسے دوسری حدیث میں ام الکتاب کہا گیا ہے۔ یہی وہ سورت ہے جسے ہر نمازی اپنی نماز میں پڑھتا ہے۔ تمام قرآن میں کوئی دوسری سورت اس کا بدل نہیں۔ اس کے بہت سے نام ہیں اور اسے صلاۃ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس سورت کا ہر نماز، خواہ نفل ہو یا سنت یا فرض،

اکیلا ہو یا مقتدی ہو یا امام، اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ ② بہرحال سورۃ الفاتحہ بڑی شان وعظمت والی ہے۔ اس کی ہر ہر آیت معرفت اور توحید الٰہی کا عظیم دفتر اور عقائد و اعمال کا خزینہ ہے۔ واضح رہے کہ دوران نماز میں مطلق طور پر کلام حرام ہے لیکن رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں اگر آپ بلاتے تو جواب دینا لازمی تھا۔ علمائے حدیث نے حدیث جریج سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ والدین میں سے کسی ایک کے بلانے پر نفلی نماز کو توڑ کر فوراً حاضر خدمت ہو جانا چاہیے۔[1]

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَإِذْ قَالُوا۟ ٱللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ ٱلْحَقَّ مِنْ عِندِكَ فَأَمْطِرْ﴾ الْآيَةَ: [٣٢]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: "اور جب کفار نے کہا: اے اللہ! اگر یہی دین واقعی تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا (یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ)" کی تفسیر

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: مَا سَمَّى اللهُ مَطَرًا فِي الْقُرْآنِ إِلَّا عَذَابًا وَتُسَمِّيهِ الْعَرَبُ الْغَيْثَ، وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَهُوَ ٱلَّذِى يُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ مِنۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوا۟﴾ [الشورى: ٢٨].

ابن عیینہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لفظ مطر کا استعمال عذاب کے لیے کیا ہے اور عرب بارش کے لیے الغیث کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہی ان کے ناامید ہونے کے بعد بارش نازل فرماتا ہے۔"

وضاحت: کفار نے یہ بات بطور طنز کہی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ مسلمان سچے ہیں تو جس قدر دکھ اور تکلیفیں ہم انھیں پہنچا رہے ہیں، اس کی پاداش میں تو ہم پر اب تک آسمان سے عذاب نازل ہو جانا چاہیے تھا اور وہ عذاب چونکہ آج تک ہم پر نازل نہیں ہوا، لہٰذا مسلمانوں کا دین جھوٹا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ کفار قریش نے یہ بات شدت عناد اور جہالت کی بنا پر کہی تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا پیش کردہ دین مبنی برحق نہیں، لہٰذا جس عذاب کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں وہ کسی صورت میں ہم پر نازل نہیں ہوگا۔ یہ لوگ حق سے کس قدر دور تھے؟ اگر انھیں اس دین کے متعلق کوئی شبہ تھا تو انھیں یوں کہنا چاہیے تھا: "اے اللہ! اگر یہ حق ہے تو ہمیں اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔" امام بخاری ؒ نے آخر میں ابن عیینہ کی جو بات بیان کی ہے وہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر ایسا استعمال ہے کہ لفظ مطر عذاب کے لیے ہے۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر لفظ مطر باران رحمت کے لیے بھی مستعمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اگر بارش کی وجہ سے تمھیں تکلیف ہو تو ہتھیار اتار دینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔"[2]

٤٦٤٨ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ

[4648] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ابوجہل نے کہا تھا: اے اللہ! اگر یہی دین

① صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب: 7. ② النسآء 4:102.

الْحَمِيدِ صَاحِبِ الزِّيَادِيِّ: سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ أَبُو جَهْلٍ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ، أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ. فَنَزَلَتْ: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اَلْآيَةَ [٣٣-٣٤]. [انظر: ٤٦٤٩]

تیری طرف سے واقعی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہیں دے گا جبکہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ انھیں عذاب سے دوچار کرے گا جبکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ عذاب کیوں نہ دے جن کا حال یہ ہے کہ وہ دوسروں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ دعا ابوجہل نے کی تھی جبکہ دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا قائل نضر بن حارث تھا۔ ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ دونوں نے ایسا کہا ہو گا۔ نضر بن حارث بھی ابوجہل کی طرح بہت گستاخ تھا۔ ② ابوجہل کی دعا قبول ہوئی، وہ بدر کے دن ذلت کی موت مرا۔ اسی طرح نضر بن حارث کو بھی رسوا کن عذاب سے دوچار ہونا پڑا، وہ بھی بدر کے دن مقداد بن اسود کے ہاتھوں گرفتار ہوا، پھر اسے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے باندھ کر قتل کیا گیا۔ ③ بہرحال یہ لوگ انتہائی بے وقوف تھے کہ انھوں نے دین اسلام کے برحق ہونے کی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ سے عذاب کا مطالبہ کیا، اسے قبول کرنے کی توفیق طلب نہ کی۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں شاید کوئی سرکشی اور انکار نہ ہو۔ ابوجہل اور نضر بن حارث کی دعا کا جواب ہم آئندہ حدیث کے فوائد میں ذکر کریں گے۔

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [٣٣]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ انھیں عذاب دے جبکہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ یہ ہی مناسب ہے کہ وہ انھیں عذاب سے دوچار کرے جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں'' کا بیان

٤٦٤٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ النَّضْرِ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ صَاحِبِ الزِّيَادِيِّ: سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ: قَالَ أَبُو جَهْلٍ: اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ

[4649] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ابوجہل نے دعا کی: اے اللہ! اگر یہی دین تیری طرف سے واقعی برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا، یا ہمیں کسی اور دردناک عذاب سے دوچار کر دے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''اللہ انھیں عذاب نہیں

السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، فَنَزَلَتْ: ﴿وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ ٱللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ﴾ [٣٣-٣٤] الْآيَةَ. [راجع: ٤٦٤٨]

دے گا جبکہ آپ ان میں موجود ہوں اور نہ اللہ انھیں عذاب سے دوچار کرے گا جبکہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ عذاب کیوں نہ دے جن کا حال یہ ہے کہ وہ دوسروں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں۔"

فوائد ومسائل: ① ابوجہل کی دعا کا جواب اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا: "تم اس سے پہلے حق و باطل میں فیصلہ کرنے کی دعائیں کرتے تھے سو اب اس جنگ (بدر) کی صورت میں میرا فیصلہ تمھیں معلوم ہو چکا ہے۔ اب تم لوگ باز آ جاؤ تو تمھارا بھلا اسی میں ہے اور اگر اب بھی باز نہ آئے تو پھر میں تمھیں دوبارہ ایسی ہی سزا دوں گا اور تمھاری جمعیت تمھارے کچھ بھی کام نہ آ سکے گی، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو۔"[1] اور دوسرا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے کہ فوری طور پر تم پر پتھروں کا عذاب نازل نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ تم میں ابھی اللہ کا رسول موجود ہے اور اس کی موجودگی میں تم پر عذاب نہیں آ سکتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کا رسول اور اہل ایمان کی جماعت ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے ہیں اور میرا قانون یہ ہے کہ جب تک کسی قوم میں استغفار کرنے والے لوگ موجود رہیں، میں اس پر عذاب نازل نہیں کرتا۔ ② یہ بات بھی یاد رہے کہ اگرچہ ابوجہل اور اس کی قوم پر آسمان سے پتھر نہیں برسے لیکن ایک مٹھی بھر سنگریزے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیے تھے وہ آسمانی سنگریزوں کا چھوٹا سا نمونہ تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مارا تھا اور جب آپ نے (مٹھی بھر خاک) پھینکی تھی تو آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے (وہ) پھینکی تھی۔"[2]

(٥) بَابٌ: ﴿وَقَـٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ كُلُّهُۥ لِلَّهِ﴾ [٣٩]

باب: 5- (ارشاد باری تعالیٰ:) "تم ان (کفار) سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے" کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ میں لفظ فتنہ بہت وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس مقام پر اس سے مراد اسلام کے خلاف ہر وہ مخالفانہ کوشش ہے جو اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو، ایسی رکاوٹ کو راستے سے ہٹانا اور اسلام کے لیے راہ صاف کرنے کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے، پھر ان مخالفانہ سرگرمیوں کی بھی دو قسمیں ہیں: ✱ جہاں مسلمان رہتے ہوں وہاں کے کافر انھیں شرعی احکام کی بجا آوری کے لیے رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں۔ ✱ مسلمان اپنی جگہ پر تو آزاد ہوں لیکن دوسروں تک اسلام کی آواز پہنچانے کے لیے رکاوٹ ہو۔ اسلام ان دونوں صورتوں کو ختم کرنے کے لیے جہاد کا حکم دیتا ہے۔ پہلی قسم کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے دفاعی جنگ کرنی پڑتی ہے جبکہ دوسری قسم کے جہاد کو جارحانہ جنگ کا نام دیا جاتا ہے۔ اسلام

① الأنفال 8:109. ② الأنفال 8:17.

دونوں قسم کی جنگوں کا حکم دیتا ہے کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ اللہ کے کلمے کا بول بالا ہو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب اسلام کی راہ میں ہر قسم کی رکاوٹ یا فتنے کا قلع قمع کر دیا جائے۔

٤٦٥٠ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَحْيٰى : حَدَّثَنَا حَيْوَةُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَجُلًا جَاءَهُ فَقَالَ : يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! أَلَا تَسْمَعُ مَا ذَكَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ؟ ﴿وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُوا۟﴾ [الحجرات: ٩] إِلَى آخِرِ الْآيَةِ فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ لَا تُقَاتِلَ كَمَا ذَكَرَ اللهُ فِي كِتَابِهِ؟ فَقَالَ : يَا ابْنَ أَخِي! أُعَيَّرُ بِهٰذِهِ الْآيَةِ وَلَا أُقَاتِلُ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُعَيَّرَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ الَّتِي يَقُولُ اللهُ تَعَالٰى : ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا﴾ [النساء: ٩٣] إِلَى آخِرِهَا، قَالَ : فَإِنَّ اللهَ يَقُولُ : ﴿وَقَٰتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾، قَالَ ابْنُ عُمَرَ : قَدْ فَعَلْنَا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِذْ كَانَ الْإِسْلَامُ قَلِيلًا، فَكَانَ الرَّجُلُ يُفْتَنُ فِي دِينِهِ : إِمَّا يَقْتُلُوهُ وَإِمَّا يُوثِقُوهُ، حَتّٰى كَثُرَ الْإِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ، فَلَمَّا رَأٰى أَنَّهُ لَا يُوَافِقُهُ فِيمَا يُرِيدُ قَالَ : فَمَا قَوْلُكَ فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ؟ قَالَ ابْنُ عُمَرَ : مَا قَوْلِي فِي عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ؟ أَمَّا عُثْمَانُ فَكَانَ اللهُ قَدْ عَفَا عَنْهُ فَكَرِهْتُمْ أَنْ تَعْفُوا عَنْهُ، وَأَمَّا عَلِيٌّ فَابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَخَتَنُهُ - وَأَشَارَ بِيَدِهِ - وَهٰذِهِ ابْنَتُهُ، أَوْ بِنْتُهُ حَيْثُ تَرَوْنَ. [راجع: ٣١٣٠]

[4650] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا آپ نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا فرمایا ہے؟ ''اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں لڑ پڑیں (تو ان میں مصالحت کرا دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے)۔''

ان حالات میں آپ کو لڑائی کرنے سے کس نے روکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اے میرے بھتیجے! میں اس آیت کی تاویل کر کے مسلمانوں سے نہ لڑوں تو یہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ اس آیت کی تاویل کروں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جو کوئی کسی مومن کو دانستہ قتل کر دے (اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا......'') پھر اس آدمی نے کہا: اچھا اس آیت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے: ''ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم یہ کام رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کر چکے ہیں جبکہ اس وقت اہل اسلام تھوڑے تھے اور مسلمانوں کو اسلام اختیار کرنے پر اذیت دی جاتی تھی۔ وہ لوگ اہل ایمان کو قتل کر دیتے تھے یا رسیوں میں جکڑ دیتے تھے، یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور فتنوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جب اس آدمی نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے ہمنوا نہیں ہو رہے تو کہنے لگا: اچھا یہ بتاؤ کہ تمھارا حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما

کے متعلق کیا خیال ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق میرا کیا خیال ہو سکتا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے مگر تم لوگوں کو یہ معافی پسند نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد اور آپ کے داماد ہیں اور ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا یہ ان کی لخت جگر (کا گھر) ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جو آدمی آیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان آپس میں جنگ وقتال میں ہیں اور آپ کسی جنگ میں حصہ نہیں لیتے بلکہ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں جبکہ آپ کو ایک فیصلہ کن کردار ادا کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف یہ تھا کہ جو امور نظم ملک سے متعلق ہیں، ان میں جنگ وقتال درست نہیں بلکہ ایسے حالات میں علیحدگی اختیار کرنے میں عافیت ہے۔ ② ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدمی خارجی تھا کیونکہ خوارج کو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے عداوت تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں حضرات کی خوبیاں ذکر کر کے اس شخص کا رد کیا اور بتایا کہ حضرت عثمان کے جنگ اُحد سے فرار کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا لیکن تم لوگ انھیں معاف نہیں کرتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا ہے۔''[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے نسبی قرابت اور قرابت محل (رہائش) دونوں کو بیان فرمایا، یعنی وہ ہر اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے قریبی ہیں، لیکن تمھیں یہ قرب گوارا نہیں ہے۔

٤٦٥١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا بَيَانٌ: أَنَّ وَبَرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا أَوْ إِلَيْنَا ابْنُ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ: كَيْفَ تَرَى فِي قِتَالِ الْفِتْنَةِ؟ فَقَالَ: وَهَلْ تَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ؟ كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ، وَكَانَ الدُّخُولُ عَلَيْهِمْ فِتْنَةً، وَلَيْسَ كَقِتَالِكُمْ عَلَى الْمُلْكِ.

[راجع: ٣١٣٠]

[4651] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس تشریف لائے تو ایک صاحب نے ان سے دریافت کیا: فتنے کی لڑائی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے فرمایا: کیا تجھے فتنے کے متعلق علم ہے کہ وہ کیا ہے؟ حضرت محمد ﷺ مشرکین سے جنگ کرتے تھے جبکہ ان میں ٹھہر جانا ہی فتنہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی جنگ تمھاری ملک وسلطنت کی خاطر جنگ کی طرح نہیں تھی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ تھا کہ تمھاری موجودہ جنگ خانگی اور حصول اقتدار کے لیے ہے اور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہماری جنگ خالص دین کی سربلندی کے لیے تھی تاکہ کافروں کا غرور خاک میں مل جائے

① آل عمران 3:155.

اور مسلمان ان کی تکلیفوں سے محفوظ رہیں لیکن تم لوگ تو دنیا کی سلطنت اور حکومت حاصل کرنے کے لیے لڑ رہے ہو اور بطور دلیل قرآنی آیات کو بے محل پیش کرتے ہو۔ ② بلاشبہ قرآن مجید کی آیات کو بے محل استعمال کرنے والوں نے اسی طرح امت میں فتنے اور فساد پیدا کیے اور ملت کے شیرازے کو منتشر کر دیا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خوارج کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ مخلوق میں انتہائی بدتر ہیں کیونکہ جو آیات کفار و مشرکین کے متعلق نازل ہوئی تھیں وہ انھیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔[1]

(٦) بَابٌ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ﴾ الْآيَةَ [٦٥]

باب:6- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اے نبی! اہل ایمان کو جہاد پر ابھاریں“ کا بیان

وضاحت: جنگ میں کفار کا مقصد قبائلی یا قومی عصبیت کے سوا کچھ نہیں جبکہ اہل ایمان اللہ کے کلمے کی بلندی اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں، نیز ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ وہ مرنے کے بعد سیدھے جنت میں جائیں گے جبکہ کافروں کو بہرصورت موت ناگوار ہوتی ہے اور لڑائی میں اپنی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں جبکہ مومن اپنی جان اپنے پیدا کرنے والے خالق و مالک رب کے حوالے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وہ ایمانی جذبہ ہے جس کی بنا پر ایک مومن اپنے جیسے ہم طاقت دس کافروں کے مقابلے سے بھی جی نہیں چراتا اور نہ ہمت ہی ہارتا ہے، اس لیے اسے اپنے سے دس گنا کافروں پر غالب آنا چاہیے۔ واللہ المستعان.

٤٦٥٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَٰبِرُونَ يَغْلِبُوا۟ مِاْئَتَيْنِ﴾ فَكُتِبَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرَّ وَاحِدٌ مِنْ عَشَرَةٍ، فَقَالَ سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ: أَنْ لَا يَفِرَّ عِشْرُونَ مِنْ مِائَتَيْنِ، ثُمَّ نَزَلَتْ: ﴿ٱلْـَٔـٰنَ خَفَّفَ ٱللَّهُ عَنكُمْ﴾ الْآيَةَ. فَكَتَبَ أَنْ لَا يَفِرَّ مِائَةٌ مِنْ مِائَتَيْنِ.

[4652] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ”اگر تم میں سے بیس آدمی بھی صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے۔“ اس آیت کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے فرض قرار دے دیا گیا کہ ایک مسلمان دس کافروں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار نہ کرے۔ کئی مرتبہ (راویٔ حدیث) سفیان نے یہ بھی کہا: بیس مسلمان دو سو کافروں کے مقابلے میں نہ بھاگیں۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: ”اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی ہے۔“ اس کے بعد یہ فرض قرار دیا کہ ایک سو، دو سو کے مقابلے سے نہ بھاگیں۔

وَزَادَ سُفْيَانُ مَرَّةً نَزَلَتْ: ﴿حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَٰبِرُونَ﴾.

(راویٔ حدیث) سفیان نے ایک مرتبہ اس اضافے کے ساتھ اسے بیان کیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: ”اے نبی!

1 صحيح البخاري، استتابة المرتدين، باب: 65.

اہل ایمان کو قتال پر آمادہ کریں، اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں گے......"

قَالَ سُفْيَانُ: وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ: وَأُرَى الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ مِثْلَ هٰذَا.

سفیان نے کہا: ابن شبرمہ نے کہا ہے: میرا خیال ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی یہی حکم ہے۔

[انظر: ٤٦٥٣]

فوائدومسائل: ① ابتدائے اسلام میں مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے، جب زیادہ ہو گئے تو ان سے تخفیف کر دی گئی لیکن رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ ہر حالت میں دشمن کا مقابلہ کریں اگرچہ تنہا ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا آپ سے وعدہ ہے کہ وہ آپ کی مدد کرے گا اور دشمنوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ جب غزوۂ حنین میں مسلمانوں سے کمزوری ہوئی تو آپ دشمن کے مقابلے میں تن تنہا ڈٹے رہے اور فرماتے رہے: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب. "میں نبی ہوں، اس میں جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔"[1] ② امر بالمعروف اور نہی المنکر بھی جہاد کی طرح ہے کیونکہ جہاد میں کلمۂ حق بلند کرنا ہوتا ہے اور امر بالمعروف میں کلمۂ باطل ختم کرنا ہوتا ہے، اس لیے اگر مخالفین کی جماعت برابر یا دوگنی ہو تو بھی کلمۂ حق کہنے سے دریغ نہ کرے اور اگر مخالفین تعداد میں اس سے زیادہ ہوں اور جان کا خطرہ ہو تو اس وقت خاموشی اختیار کرنا جائز ہے لیکن دل سے انھیں برا سمجھے اور ان سے نفرت کرے۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابٌ: ﴿ٱلْـَٔـٰنَ خَفَّفَ ٱللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ الْآيَةَ [٦٦]

باب: 7- (ارشاد باری تعالیٰ:) "اب اللہ تعالیٰ نے تم سے تخفیف کر دی اور اس نے جان لیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے" کا بیان

وضاحت: آیت کی تکمیل اس طرح ہے: لہٰذا اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"[2] اس آیت تخفیف سے اہل علم نے یہ حکم نکالا ہے کہ اگر کفار کی تعداد دُگنی یا اس سے کم ہو تو اسی صورت میں جنگ سے فرار حرام ہے۔ ویسے بھی مسلمانوں کا تخفیف والی آیت ہی پر انحصار کر لینا ان میں صبر اور برداشت کی کمی کا باعث بن جاتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٦٥٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ السُّلَمِيُّ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ: أَخْبَرَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي الزُّبَيْرُ بْنُ الْخِرِّيتِ عَنْ

[4653] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب یہ آیت اتری: "اگر تم میں سے بیس آدمی صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے۔" تو

① صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب: 2864. ② الأنفال 8:66.

عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَـٰبِرُونَ يَغْلِبُوا۟ مِا۟ئَتَيْنِ﴾ شَقَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ حِينَ فُرِضَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَفِرَّ وَاحِدٌ مِنْ عَشَرَةٍ، فَجَاءَ التَّخْفِيفُ فَقَالَ: ﴿ٱلْـَٔـٰنَ خَفَّفَ ٱللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّا۟ئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا۟ مِا۟ئَتَيْنِ﴾ قَالَ: فَلَمَّا خَفَّفَ اللهُ عَنْهُمْ مِنَ الْعِدَّةِ نَقَصَ مِنَ الصَّبْرِ بِقَدْرِ مَا خُفِّفَ عَنْهُمْ. [راجع: ٤٦٥٢]

یہ مسلمانوں پر گراں گزری کیونکہ اس میں مسلمانوں پر یہ فرض کر دیا گیا تھا کہ ایک مسلمان دس کفار کے مقابلے سے راہ فرار اختیار نہ کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرما دی اور فرمایا: ''اب اللہ تعالیٰ نے تم سے تخفیف کر دی ہے اور اس نے معلوم کرلیا کہ تم میں کچھ کمزوری ہے، اس لیے اب اگر تم میں سے سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے ان سے تعداد میں تخفیف کر دی تو تعداد کی کمی سے اتنی ہی مسلمانوں کے صبر میں بھی کمی کر دی گئی۔

فوائد ومسائل: ① جب مسلمانوں میں ایمان، عزم اور حوصلہ وغیرہ عروج پر تھا تو ان کا ایک ایک فرد دس، دس افراد پر بھاری تھا اور جب ان چیزوں میں کمی آ گئی تو مسلمانوں کی قوت میں بھی فرق آ گیا۔ یہ تخفیف کا منفی نتیجہ ہے۔ اب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ پہلا حکم منسوخ یا ساقط العمل ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ نومسلم پوری طرح تیار ہو جائیں اور ان میں قوت ایمان پختہ ہو جائے تو پھر سابقہ حکم ہی نافذ العمل ہو گا چنانچہ دور نبوی کی آخری جنگوں میں عملاً ایسا ہوا بھی تھا اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، چنانچہ جنگ موتہ کے موقع پر تین ہزار مسلمان ایک لاکھ کافروں کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ ② چونکہ مسلمانوں کے لیے دو سعادتیں ہیں جن سے کافر محروم ہیں: مومن اگر جنگ میں کام آ تا ہے تو سیدھا جنت میں جاتا ہے اور اگر صحیح سالم واپس آتا ہے تو مال غنیمت اور اجر عظیم لے کر لوٹتا ہے لیکن کافر صرف دنیاوی سامان کے لیے لڑتا ہے اور اس لیے وہ اخروی سعادت سے محروم رہتا ہے۔

(٩) سُورَةُ بَرَاءَةٍ — بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ — 9- تفسیر سورۂ براءۃ

﴿مَرْصَدٍ﴾: طَرِيقٍ ﴿إِلًّا﴾ [التوبة: ١٠]: اَلْإِلُّ: اَلْقَرَابَةُ وَالذِّمَّةُ وَالْعَهْدُ. ﴿وَلِيجَةً﴾ [١٦]: كُلُّ شَيْءٍ أَدْخَلْتَهُ فِي شَيْءٍ. ﴿ٱلشُّقَّةُ﴾ [٤٢]: اَلسَّفَرُ. اَلْخَبَالُ: اَلْفَسَادُ، وَالْخَبَالُ الْمَوْتُ. ﴿وَلَا تَفْتِنِّيٓ﴾ [٤٩]: لَا تُوَبِّخْنِي. ﴿كَرْهًا﴾ [٥٣]: وَكُرْهًا وَاحِدٌ. ﴿مُدَّخَلًا﴾ [٥٧]: يُدْخَلُونَ

مَرْصَدٍ کے معنی ہیں: راستہ۔ اِلًّا سے مراد قرابت، ذمہ داری اور عہد و پیمان ہے۔ وَلِيْجَةً ہر وہ چیز جسے کسی دوسری چیز میں داخل کریں۔ اَلشُّقَّةُ کے معنی سفر ہیں۔ اَلْخَبَالُ کے معنی ہیں: فساد اور الخبال موت کو بھی کہتے ہیں۔ وَلَا تَفْتِنِّی کے معنی ہیں: مجھے ڈانٹ ڈپٹ نہ کر۔ كَرْهًا و كُرْهًا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی ناخوش۔ مُدَّخَلًا: گھس

فِيهِ. ﴿يَجْمَحُونَ﴾ [٧٠]: يُسْرِعُونَ. ﴿وَالْمُؤْتَفِكَٰتِ﴾ [٧٠]: ائْتَفَكَتْ: انْقَلَبَتْ بِهَا الْأَرْضُ. ﴿أَهْوَىٰ﴾ [٥٣]: أَلْقَاهُ فِي هُوَّةٍ. ﴿عَدْنٍ﴾ [٧٢]: خُلْدٍ، عَدَنْتُ بِأَرْضٍ: أَيْ أَقَمْتُ، وَمِنْهُ مَعْدِنٌ، وَيُقَالُ: فِي مَعْدِنِ صِدْقٍ: فِي مَنْبَتِ صِدْقٍ. ﴿الْخَوَالِفِ﴾ [٩٣]: الْخَالِفُ الَّذِي خَلَفَنِي فَقَعَدَ بَعْدِي، وَمِنْهُ: يَخْلُفُهُ فِي الْغَابِرِينَ، وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ النِّسَاءُ، مِنَ الْخَالِفَةِ، وَإِنْ كَانَ جَمْعَ الذُّكُورِ، فَإِنَّهُ لَمْ يُوجَدْ عَلَى تَقْدِيرِ جَمْعِهِ إِلَّا حَرْفَانِ: فَارِسٌ وَفَوَارِسُ، وَهَالِكٌ وَهَوَالِكُ. ﴿الْخَيْرَٰتِ﴾ [٨٨]: وَاحِدُهَا خَيْرَةٌ، وَهِيَ: الْفَوَاضِلُ. ﴿مُرْجَوْنَ﴾ [١٠٦]: مُؤَخَّرُونَ. الشَّفَا: شَفِيرٌ وَهُوَ حَدُّهُ. وَالْجُرُفُ: مَا تَجَرَّفَ مِنَ السُّيُولِ وَالْأَوْدِيَةِ. ﴿هَارٍ﴾ [١٠٩]: هَائِرٍ. ﴿لَأَوَّٰهٌ﴾ [١١٤]: شَفَقًا وَفَرَقًا، وَقَالَ الشَّاعِرُ:

إِذَا قُمْتُ أَرْحَلُهَا بِلَيْلٍ
تَأَوَّهُ آهَةَ الرَّجُلِ الْحَزِينِ

يُقَالُ: تَهَوَّرَتِ الْبِئْرُ إِذَا انْهَدَمَتْ وَانْهَارَ مِثْلُهُ.

بیٹھنے کی جگہ جس میں وہ داخل ہوتے ہیں۔ يَجْمَحُونَ: بھاگتے ہوئے۔ وَالْمُؤْتَفِكَٰتِ یہ لفظ ائْتَفَكَتْ سے ماخوذ ہے، یعنی اس کی زمین الٹ دی گئی۔ أَهْوَىٰ: اسے گڑھے میں دھکیل دیا۔ عَدْنٍ، یعنی ہمیشہ رہنا، اہل عرب کہتے ہیں: عَدَنْتُ بِأَرْضٍ: میں نے ہمیشہ کے لیے اقامت اختیار کی۔ اسی سے معدن کا لفظ نکلا ہے جس کے معنی کان کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: فِي مَعْدِنِ صِدْقٍ، وہ سچائی کی کان میں ہے۔ اس کے معنی فِي مَنْبَتِ صِدْقٍ ہیں، یعنی وہ اس سرزمین میں ہے جہاں سچائی اُگتی ہے۔ الْخَوَالِفِ یہ الْخَالِفُ کی جمع ہے۔ وہ شخص جو میرے پیچھے رہ گیا اور میرے بعد بیٹھا رہا اور اسی سے یہ دعائیہ کلمہ ہے: مرنے والے کے باقی ماندہ لوگوں میں جانشین بنے، یعنی خوالف سے مراد مُتَخَلِّفِين ہیں جو غزوۂ تبوک میں مجاہدین کے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ بھی درست ہے کہ خوالف سے مراد عورتیں ہوں اور یہ خالفة کی جمع ہو (جیسے فاعلة کی جمع فواعل آتی ہے) اگر یہ مذکر کی جمع ہو تو اس صورت میں یہ شاذ ہوگی کیونکہ اس وزن پر اہل عرب کے ہاں صرف دو لفظ پائے گئے ہیں: ایک فارس جس کی جمع فوارس اور هَالِك جس کی جمع هَوَالِك. الْخَيْرَاتِ اس کا مفرد خَيْرَةٌ ہے۔ اس سے مراد فضائل اور خوبیاں ہیں۔ مُرْجَوْنَ جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا۔ الشَّفَا کے معنی ہیں: شَفِير، یعنی کنارہ۔ الْجُرُف سے مراد نہر کا وہ کنارہ جو پانی کے بہاؤ کی وجہ سے کٹ گیا ہو۔ هَارٍ دراصل هائر ہے۔ کہا جاتا ہے: تَهَوَّرَتِ الْبِئْرُ، یعنی کنواں گر گیا۔ اِنْهَارَ کے بھی یہی معنی ہیں۔ لَأَوَّاهٌ کے معنی ہیں: اللہ کے خوف سے بہت آہ و زاری کرنے والا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے: جب میں رات کو اونٹنی کا پالان کسنے کے لیے اٹھتا ہوں تو وہ کسی غمزدہ شخص کی طرح آہیں بھرتی ہے۔

وضاحت: سورۂ براءت کا دوسرا نام سورت توبہ ہے۔ اس میں آنے والے مختلف الفاظ کی لغوی تشریح امام بخاری رحمہ اللہ نے کی ہے۔ ان کے تفصیلی مطالب سیاق و سباق کے ساتھ جاننے کے لیے کسی بھی تفسیر کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارات سے کام لیا ہے۔ اس سورت کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی گئی۔ اس کی متعدد وجوہات کتب تفسیر میں لکھی گئی ہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کے مضامین میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے، اس لیے یہ سورت گویا سورۂ انفال کا تتمہ یا بقیہ ہے، اس لیے اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی گئی۔ واللہ أعلم.

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦٓ إِلَى ٱلَّذِينَ عَٰهَدتُّم مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ﴾ [١]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: "اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بیزاری کا اعلان ہے ان مشرکین کے بارے میں جن سے تم نے عہد و پیمان کر رکھا تھا" کا بیان

﴿أَذَانٌ﴾ [٣]: إِعْلَامٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أُذُنٌ﴾ [٦١]: يُصَدِّقُ ﴿تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ [١٠٣]: وَنَحْوُهَا كَثِيرٌ، وَالزَّكَاةُ: اَلطَّاعَةُ وَالْإِخْلَاصُ، ﴿لَا يُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ﴾ [فصلت: ٧]: لَا يَشْهَدُونَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، ﴿يُضَٰهِـُٔونَ﴾ [٣٠]: يُشَبِّهُونَ.

أَذَانٌ کے معنی مطلع کرنا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اُذُنٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو ہر بات سن کر اس پر یقین کر لے۔ تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيهِمْ بِهَا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ ایسے مترادف الفاظ قرآن مجید میں بہت ہیں۔ اَلزَّكَاة کے معنی بندگی اور اخلاص کے ہیں۔ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کے معنی ہیں کہ وہ کلمۂ لا الہ الا اللہ کی شہادت نہیں دیتے۔ يُضَاهِئُوْنَ، یعنی پہلے کافروں جیسی باتیں کرتے ہیں۔

وضاحت: کچھ لوگوں نے ﴿لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ میں زکاۃ سے مراد مالی زکاۃ لی ہے، انھوں نے مشرکین کو احکام شرع کا مکلف قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان کی تردید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پیش کرتے ہیں کہ اس سے کلمۂ شہادت کی ادائیگی ہے، یعنی اگر وہ کلمۂ اخلاص پڑھ لیتے تو عنداللہ کفر و شرک سے پاک ہو جاتے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں ہیں، نیز مذکورہ آیت مکی ہے جبکہ زکاۃ وغیرہ کی فرضیت مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے۔ واللہ أعلم.

٤٦٥٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِى ٱلْكَلَٰلَةِ﴾ [النساء: ١٧٦] وَآخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ بَرَاءَةٌ. [راجع: ٤٣٦٤]

[4654] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: سب سے آخر میں جو آیت نازل ہوئی وہ: ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ﴾ تھی اور سب سے آخر میں جو سورت اتری وہ سورۂ براءۃ تھی۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ مکمل سورت جو آخر میں نازل ہوئی وہ سورۂ براءت ہے اور آخری خاتمہ سورت جو نازل ہوا وہ سورۃ النساء کا خاتمہ ہے۔[1] ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سب سے آخر میں آیۃ الربا نازل ہوئی جبکہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری آیت کلالہ ہے۔ ان دونوں احادیث میں مندرجہ ذیل طریقے سے تطبیق دی گئی ہے: * میراث کے متعلق نازل ہونے والی آخری آیت کلالہ ہے اور حلت وحرمت کے متعلق آخری آیت آیۃ الربا ہے۔ * مذکورہ دونوں حکم رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری سال میں نازل ہوئے، اس لیے دونوں پر آخری ہونے کا اطلاق کیا گیا ہے۔ * حضرت براء بن عازب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے نقل نہیں فرمایا بلکہ انھوں نے اپنے اجتہاد سے ایسا کہا ہے۔ واللہ أعلم. ③ آخری سورت سے مراد اس کا بیشتر حصہ ہے کیونکہ سورۂ براءت کا زیادہ حصہ غزوۂ تبوک میں نازل ہوا جو رسول اللہ ﷺ کا آخری آخری غزوہ ہے۔ واللہ أعلم و علمه أتم.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ﴾ [٢]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''(اے مشرکین مکہ!) تم زمین میں چار ماہ چل پھر لو اور یہ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یقیناً اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے'' کا بیان

سِيحُوا: سِيرُوا.

فَسِيْحُوْا کے معنی ہیں: سِيرُوا، یعنی چلو پھرو۔

وضاحت: جن مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدعہدی کی تھی، یہ آیت ان کے لیے ایک الٹی میٹم کی حیثیت رکھتی تھی۔ حالات کے پیش نظر ایسا کرنا بہت ضروری تھا جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٦٥٥ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: وَأَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ، فِي مُؤَذِّنِينَ، بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ، يُؤَذِّنُونَ بِمِنًى: أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

[4655] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حج میں (جس میں وہ امیر حج تھے) نحر کے دن اعلان کرنے والوں میں بھیجا کہ وہ منیٰ میں اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔

قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: ثُمَّ أَرْدَفَ

حمید بن عبدالرحمٰن کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ پھر

① صحیح البخاري، المغازي، حدیث: 4364.

رَسُولُ اللهِ ﷺ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةَ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ يَوْمَ النَّحْرِ فِي أَهْلِ مِنًى بِبَرَاءَةَ، وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.
[راجع: ٣٦٩]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ وہ اعلان براءت کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہمارے ساتھ نحر کے دن منیٰ میں موجود لوگوں میں اعلان براءت کیا، نیز یہ کہ آئندہ سال کوئی مشرک بیت اللہ کا حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر اس کا طواف ہی کرے۔

فوائد ومسائل: ① عربوں میں یہ رسم تھی کہ اعلان براءت خود سربراہ مملکت کرتا یا اس کا کوئی قریبی آدمی یہ فریضہ سرانجام دیتا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ تعاون کے لیے دوسرے حضرات بھی روانہ کیے جن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ذکر اس روایت میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے نام بھی دوسری روایات میں ملتے ہیں۔[1] ② ایک روایت کے مطابق جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلان کرتے کرتے تھک جاتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اعلان کرتے۔[2] ③ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اعلان براءت کیا اس کی اہم دفعات چار تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: * کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ * جس کافر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاہدۂ صلح ہے وہ مقررہ مدت تک بحال رہے گا۔ * جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ان کے لیے چار ماہ کی مدت ہے، اس دوران میں وہ مسلمان ہو جائیں تو وہ جنت میں داخل ہوں گے یا پھر یہاں سے کہیں اور چلے جائیں۔ * اس کے بعد مشرک اور مسلمان (حج میں) جمع نہ ہوں گے۔[3] ان دفعات کا مطلب یہ تھا کہ اس دوران میں وہ مسلمان ہو جائیں یا پھر مسلمانوں کے خلاف اپنی سازشیں ختم کر دیں بصورت دیگر ان کے خلاف اعلان جنگ ہو گا۔

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِۦٓ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿الْمُشْرِكِينَ﴾ [٣]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے (حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لیے) اعلان کیا جاتا ہے (کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں)'' کا بیان

آذَنَهُمْ: أَعْلَمَهُمْ.

آذَنَهُمْ کے معنی أَعْلَمَهُمْ ہیں، یعنی ان کو معلوم کرا دیا گیا۔

وضاحت: صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر دسویں ذی الحجہ ہے۔ اسی دن منیٰ میں اعلان براءت سنایا گیا تھا۔ دس ذوالحجہ کو حج اکبر کا دن اس لیے کہا گیا، نیز کہ اس دن حج کے سب سے زیادہ اور اہم مناسک ادا کیے

---

1 فتح الباري: 8/404. 2 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3091. 3 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3092.

جاتے ہیں، نیز عوام عمرے کو حج اصغر کہا کرتے تھے، اس لیے عمرے سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جو حج جمعہ کے دن آئے وہ حج اکبر ہے، یہ بے اصل اور خود ساختہ بات ہے۔ شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ مشرکین کو جو مہلت دی جا رہی تھی وہ اس لیے نہیں کہ ان کے خلاف اب کوئی کارروائی ممکن نہ تھی بلکہ اس کا مقصد صرف ان کی خیر خواہی اور بھلائی تھی تاکہ جو توبہ کر کے مسلمان ہونا چاہیں وہ مسلمان ہو جائیں بصورت دیگر ان کے متعلق جو تقدیر کا لکھا ہو اسے کوئی بھی ٹال نہیں سکتا اور اللہ کی طرف سے مسلط ذلت و رسوائی سے وہ بچ نہیں سکیں گے۔ واللہ المستعان.

٤٦٥٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي الْمُؤَذِّنِينَ، بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤَذِّنُونَ بِمِنًى: أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ. قَالَ حُمَيْدٌ: ثُمَّ أَرْدَفَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةَ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ فِي أَهْلِ مِنًى يَوْمَ النَّحْرِ بِبَرَاءَةَ، وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

[راجع: ٣٦٩]

[4656] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کے موقع پر مجھے ان اعلان کرنے والوں میں رکھا تھا جنھیں آپ نے نحر کے دن منیٰ میں یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے کے لیے نہ آئے اور نہ کوئی شخص بیت اللہ کا برہنہ ہو کر طواف کرے۔ حمید نے کہا: پھر نبی ﷺ نے پیچھے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور انھیں حکم دیا کہ سورۂ براءۃ کا اعلان کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ میدان منیٰ میں دسویں تاریخ کو اعلان براءت کیا، نیز یہ بھی کہ کوئی مشرک آئندہ سال سے حج کرنے نہ آئے اور نہ کوئی بیت اللہ کا طواف ننگا ہو کر کرے۔

فوائد و مسائل: ① فتح مکہ سے پہلے مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے بیت اللہ میں داخلے کے متعلق مختلف پابندیاں لگا رکھی تھیں کہ وہ اس میں عبادات، حج و عمرہ نہیں کر سکتے۔ رمضان 8 ہجری میں جب مکہ فتح ہوا تو وہ پابندیاں خود بخود اٹھ گئیں۔ اب 8 ہجری میں تو مسلمان حج ہی نہ کر سکے کیونکہ فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین اور طائف سے واپس مدینے پہنچنے تک اتنا وقت ہی نہ تھا کہ مسلمان حج کے لیے مدینہ طیبہ سے آتے۔ 9 ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حج کے لیے روانہ فرمایا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس قافلۂ حج کا امیر مقرر کر دیا۔ ابھی تک مشرکین کے بیت اللہ میں داخلے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی، لہٰذا اس حج میں مشرکین بھی شریک تھے، مسلمانوں نے اپنے طریقے پر حج کیا اور مشرکین نے اپنے طریقے پر۔ ② سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد سورت توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جس بنا پر مشرکین کے لیے بیت اللہ میں داخلے پر نہ صرف پابندی لگائی گئی بلکہ ان سے مکمل اعلان براءت کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس اعلان کی اہمیت کے پیش نظر یہ بہتر خیال کیا کہ یہ اعلان آپ کے کسی قریبی رشتے دار کی طرف سے ہونا چاہیے جو مشرکین کی نگاہ میں آپ ہی کے قائم مقام خیال کیا جا سکے، چنانچہ ان آیات کے نزول

کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیج دیا کہ وہ حج کے عظیم اجتماع میں ان آیات کا اعلان کر دیں۔ اس وقت تک بیت اللہ کا ننگا طواف ہوتا تھا اور مشرکین اس طرح طواف کرنے کو اپنے خیال کے مطابق بہتر سمجھتے اور کہتے تھے کہ اس میں زیادہ انکساری پائی جاتی ہے جبکہ اسلام اس قسم کی فحاشی کو بیت اللہ میں کیونکر برداشت کر سکتا تھا، چنانچہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ کبھی کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکے گا، نیز مشرکین خود کو بیت اللہ کا متولی خیال کرتے تھے، اب اعلان کر دیا گیا کہ متولی ہونا تو درکنار وہ آئندہ کعبے کے قریب بھی نہیں پھٹک سکیں گے۔ اسی طرح دوسرے اعلانات بھی کیے گئے جن کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔

(٤) [بَابٌ]: ﴿إِلَّا ٱلَّذِينَ عَـٰهَدتُّم مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ﴾ [٤]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”ہاں جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہو“ کا بیان

وضاحت: مکمل آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”ہاں جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا ہو پھر وہ اسے پورا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں اور نہ انھوں نے تمھاری خلاف کسی کی مدد ہی کی ہو تو ان کے ساتھ اس عہد کو مقررہ مدت تک پورا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔“[1] اس آیت کریمہ میں ان مشرک قبائل کا ذکر ہے جنھوں نے صدق دل سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدۂ امن کر رکھا تھا، پھر انھوں نے نہ کبھی بدعہدی کی اور نہ مسلمانوں کو ان کی طرف سے کچھ خطرہ ہی تھا۔ ایسے مشرک قبائل کو معاہدے کے اختتام تک مہلت دی گئی، اس کے بعد ان کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو دوسرے مشرک قبائل کے ساتھ ہوگا اور ایسے صاف نیت قبائل صرف تین تھے: بنو خزاعہ، بنو کنانہ اور بنو ضمرہ، جنھوں نے نہ خود عہد شکنی کی تھی اور نہ علی الاعلان یا درپردہ مسلمانوں کے خلاف کسی دوسرے کی حمایت ہی کی تھی۔

٤٦٥٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعَثَهُ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي أَمَّرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَيْهَا، قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ، فِي رَهْطٍ يُؤَذِّنُ فِي النَّاسِ أَنْ لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ.

[4657] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جس حج میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے پہلے امیر حج بنا کر بھیجا تھا، اس میں انھوں (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے مجھے چند لوگوں میں روانہ کیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کریں: اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ شخص بیت اللہ کا طواف ہی کرے۔“

---

1 التوبة 9:4.

فَكَانَ حُمَيْدٌ يَقُولُ: يَوْمُ النَّحْرِ يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ، مِنْ أَجْلِ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ. [راجع: ٣٦٩]

(راویٔ حدیث) حضرت حمید، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کی بنا پر کہا کرتے تھے کہ نحر کا دن حج اکبر کا دن ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق دس ذی الحجہ کو حج اکبر، یعنی قربانی کے دن یہ اعلان پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منیٰ کے مقام پر کیا، پھر مقامی روایات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی اعلان کیا۔ ② مشرکین کی کئی قسمیں تھیں: جن مشرکین سے مسلمانوں کا کوئی معاہدۂ صلح نہیں تھا انھیں چار ماہ کی مہلت دی گئی، اس میں بتایا گیا کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے تیار ہیں، یا یہ ملک چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہتے ہیں یا اسلام لانا چاہتے ہیں؟ اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کے لیے دنیا و آخرت کے اعتبار سے بہتر ہوگا۔ اس دفعہ میں وہ مشرک قبائل بھی شامل تھے جو صلح کا معاہدہ تو کر لیتے تھے مگر صلح کی شرائط کچھ ایسی طے کرتے کہ ان کے لیے فتنے اور عہد توڑنے کی گنجائش باقی رہتی، یعنی ایسے قبائل جن کی طرف سے مسلمانوں کو عہد شکنی یا فتنہ انگیزی کا خطرہ تھا ان کا عہد بھی اس اعلان براءت کے ذریعے سے ختم کر دیا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر آپ کو کسی قوم سے عہد شکنی کا خطرہ ہو تو برابری کی سطح پر ان کا معاہدہ ان کی طرف پھینک دو۔''[1] البتہ صاف دل سے معاہدہ کرنے والے مشرک قبائل کو کچھ رعایت دی گئی جس کی وضاحت ہم کر آئے ہیں۔ ③ اس حدیث کے آخر میں حج اکبر کے دن کے متعلق وضاحت ہے کہ وہ قربانی کا دن ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج اکبر کے دن کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ قربانی کا دن ہے۔[2]

(٥) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَقَٰتِلُوٓا۟ أَئِمَّةَ ٱلْكُفْرِ ۙ إِنَّهُمْ لَآ أَيْمَٰنَ لَهُمْ﴾ [١٢]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ''تم کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اور اگر وہ معاہدہ کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے ان سرغنوں سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں، شاید کہ وہ باز آ جائیں۔''[3] اس آیت کے مفہوم میں وہ کافر و مشرک قبائل شامل ہیں جو اعلان براءت سے پہلے اپنا عہد و پیمان توڑتے رہے اور دین میں طعنہ زنی کرتے رہے اور آستین کے وہ سانپ بھی شامل ہیں جو اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت کو دیکھ کر بظاہر اسلام لے آئے لیکن ان کے دل اسلام کی طرف ہرگز مائل نہ تھے بلکہ وہ کسی موقع کے منتظر تھے کہ کب وہ اسلام میں کوئی کمزوری دیکھیں تو اپنے اسلام لانے کے عہد کو توڑ کر دشمنان اسلام کے دست و بازو بنیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انھیں یہ موقع میسر نہ آیا لیکن آپ کی وفات کے فوراً بعد مرتد ہو گئے اور پوری قوت کے ساتھ علم بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے مصداق ان کی ٹھیک ٹھیک سرکوبی کی، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں مذکور آئمہ کفر سے لڑائی کا موقع میسر نہیں آیا

[1] الأنفال 8:58. [2] جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3088. [3] التوبة 9:12.

بلکہ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام لانے سے سب گناہ دُھل جاتے ہیں۔ آئمہ کفر کی سرکوبی کے لیے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ایک یہ کہ وہ عہد و پیمان کو توڑ ڈالیں۔ دوسرے یہ کہ وہ دین میں طعنہ زنی کریں لیکن اگر وہ اسلام لے آئیں تو انھیں نظرانداز کر دیا جائے گا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

٤٦٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ حُذَيْفَةَ فَقَالَ: مَا بَقِيَ مِنْ أَصْحَابِ هٰذِهِ الْآيَةِ إِلَّا ثَلَاثَةٌ، وَلَا مِنَ الْمُنَافِقِينَ إِلَّا أَرْبَعَةٌ. فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: إِنَّكُمْ - أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ - تُخْبِرُونَنَا، فَلَا نَدْرِي فَمَا بَالُ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَبْقُرُونَ بُيُوتَنَا وَيَسْرِقُونَ أَعْلَاقَنَا؟ قَالَ: أُولٰئِكَ الْفُسَّاقُ، أَجَلْ، لَمْ يَبْقَ مِنْهُمْ إِلَّا أَرْبَعَةٌ، أَحَدُهُمْ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَوْ شَرِبَ الْمَاءَ الْبَارِدَ لَمَا وَجَدَ بَرْدَهُ.

[4658] حضرت زید بن وہب سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا: ہم حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے، انھوں نے فرمایا: یہ آیت جن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی تھی ان میں سے اب صرف تین شخص باقی ہیں۔ اسی طرح منافقین میں سے بھی اب چار شخص زندہ ہیں۔ اس پر ایک دیہاتی کہنے لگا: آپ حضرات تو حضرت محمد ﷺ کے صحابۂ کرام ہیں، ہمیں ان لوگوں کے متعلق بتائیں کہ ان کا حشر کیا ہوگا جو ہمارے گھروں میں نقب زنی کر کے اچھی چیزیں چرا کر لے جاتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ لوگ فاسق و بدکردار ہیں، ہاں ان منافقین میں سے چار کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں ہے۔ ایک تو اتنا بوڑھا ہو چکا ہے کہ اگر وہ ٹھنڈا پانی پیے تو اسے پانی کی ٹھنڈک بھی محسوس نہ ہو۔

فوائد و مسائل: ① امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں وضاحت کی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ﴿فَقَاتِلُوْٓا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ کو تلاوت کر کے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق لوگوں سے لڑائی کا موقع نہیں آیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان سے جنگ اس لیے نہیں کی گئی کہ ان سے جنگ کی دو شرطیں پوری نہیں ہو رہی تھیں کیونکہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔[1] نزول آیت کے وقت جو آئمۂ کفر زندہ تھے وہ حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت سہیل بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، یہ دونوں حضرات مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام نے ان کی سابقہ خطاؤں کو معاف کر دیا تھا، اس لیے ان سے جنگ کرنے کا موقع نہیں آیا۔ ② حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راز دان تھے، انھیں منافقین اور آئمۂ کفر کا علم تھا، اس لیے انھوں نے حدیث میں وضاحت کی ہے کہ آئمۂ کفر سے لڑنے کا موقع نہیں ملا۔ ③ اعرابی کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ آئمۂ کفر میں سے تین اور منافقین میں سے چار باقی رہ گئے تو اتنے تھوڑے آدمی تو ڈاکا زنی وغیرہ کا چکر نہیں چلا سکتے، پھر یہ لوگ کون ہیں؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ فاسق و فاجر تو ہو سکتے ہیں لیکن آئمۂ کفر اور منافقین نہیں ہیں۔ ان منافقین میں سے ایک اس قدر عمر رسیدہ ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پیے تو اسے ٹھنڈک محسوس نہیں ہوتی، یعنی اللہ

1 فتح الباري: 410/8.

تعالیٰ نے اسے اس دنیا میں سزا دے رکھی ہے کہ وہ پانی کی لذت اور ٹھنڈک نہیں پاتا۔ واللہ أعلم. ④ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی اسلامی حکومت میں رہنے والے اہل ذمہ دین اسلام کا مذاق اڑائیں یا طعنہ زنی کریں تو ان کا معاہدہ ختم اور ان کی سرکوبی کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہوتا ہے۔ اسی طرح جو ذمی رسول اللہ ﷺ کو گالی دے یا آپ کا مذاق اڑائے یا آپ کی شان میں گستاخی کرے تو وہ بھی واجب القتل ہے کیونکہ یہ دین میں طعنہ زنی کی ایک بدترین قسم ہے۔ واللہ أعلم.

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [٣٤]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ”جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں آپ درد ناک عذاب کی خوشخبری دے دیں“ کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ کے پیش نظر صحابۂ کرام ؓ میں اختلاف تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا موقف تھا کہ جس مال سے زکاۃ ادا کر دی جائے وہ خزانے کے حکم میں نہیں اور جس مال سے زکاۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں وعید آئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم، زکاۃ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ زکاۃ کے احکام نازل ہونے کے بعد زکاۃ کو اللہ تعالیٰ نے مال کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا۔[1] جبکہ سیدنا ابوذر ؓ خزانہ جمع کرنے کے مخالف تھے جیسا کہ آئندہ ایک حدیث میں وضاحت ہے۔

٤٦٥٩ - حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ».

[راجع: ١٤٠٣]

[4659] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ”تمھارا خزانہ قیامت کے دن گنجے سانپ کی شکل اختیار کرے گا۔“

فوائد ومسائل: ① یہ روایت مختصر ہے۔ دوسری روایت میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اس سے زکاۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل اختیار کرے گا جس کی دو زبانیں ہوں گی اور وہ اس کے گلے کا ہار بن کر دونوں جبڑوں کو پکڑ لے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں اور میں تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لیے نہایت بدتر ہے۔ جس مال میں انھوں نے کنجوسی کی، قیامت کے دن اسی کے انھیں طوق

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1404.

پہنائے جائیں گے۔"[1] ② گنجے سانپ سے مراد انتہائی خوفناک اور زہریلا ناگ ہے جو اسے بار بار ڈسے گا۔ اس کی مزید وضاحت آئندہ آئے گی۔ بإذن الله تعالٰى.

٤٦٦٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ: مَرَرْتُ عَلٰى أَبِي ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ فَقُلْتُ: مَا أَنْزَلَكَ بِهٰذِهِ الْأَرْضِ؟ قَالَ: كُنَّا بِالشَّامِ فَقَرَأْتُ: ﴿وَٱلَّذِينَ يَكْنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾، قَالَ مُعَاوِيَةُ: مَا هٰذِهِ فِينَا، مَا هٰذِهِ إِلَّا فِي أَهْلِ الْكِتَابِ، قَالَ: قُلْتُ: إِنَّهَا لَفِينَا وَفِيهِمْ.

[راجع: ١٤٠٦]

[4660] حضرت زید بن وہب سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں مقام ربذہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو (ان سے) عرض کی: اس جنگل میں آپ نے قیام کیوں پسند کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہم شام میں تھے تو میں نے یہ آیت پڑھی: "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔" اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں بلکہ اہل کتاب کے متعلق ہے۔ میں نے کہا: نہیں، بلکہ یہ ہمارے اور اہل کتاب دونوں کے بارے میں ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک دوسری روایت میں اس واقعے کی پوری تفصیل ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: میں شام میں تھا کہ اس آیت کے متعلق میری حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کچھ تکرار ہو گئی۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو میرے متعلق شکایت کی تو انھوں نے مجھے مدینہ طیبہ بلا لیا۔ میں مدینہ طیبہ آ گیا تو میرے پاس بہت سے لوگ جمع ہو گئے، گویا انھوں نے مجھے اس سے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صورت حال سے آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا: تم چاہو تو یہیں الگ ہو کر رہو۔ میں نے یہاں رہنے کو پسند کیا۔[2] ② حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نہیں بشرطیکہ وہ زکاۃ ادا کرتے ہوں بلکہ یہ اہل کتاب کے متعلق ہے جبکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ آیت عام ہے، ہمیں اور اہل کتاب دونوں کو شامل ہے۔ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ اگر مال سے زکاۃ ادا کر دی جائے تو وہ خزانہ نہیں رہتا جس پر سخت وعید آئی ہے۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابُ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِى نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا﴾ الْآيَةَ [٣٥]

باب: 7- ارشاد باری تعالیٰ: "جس دن اس سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے داغا جائے گا" کا بیان

وضاحت: اس آیت میں اس مال و دولت کو باعث عذاب قرار دیا گیا ہے جس سے اللہ کا حق ادا نہ کیا گیا ہو جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الزکاۃ میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [مَا أُدِّيَ زَكَاتُهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ] "جس کی زکاۃ ادا کر

---

1 آل عمران 3:180، وصحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1403. 2 صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1406.

دی جائے وہ خزانہ نہیں۔" (کتاب الزکاۃ، باب: 4) اس کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

٤٦٦١ - وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ: هٰذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ، فَلَمَّا أُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللهُ طُهْرًا لِلْأَمْوَالِ. [راجع: ١٤٠٤]

[4661] حضرت خالد بن اسلم سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ نکلے تو انھوں نے (اس آیت کے متعلق) فرمایا: یہ حکم زکاۃ کے فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔ پھر جب زکاۃ کے احکام نازل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کو اموال کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا۔

فوائد و مسائل: ① درج ذیل حدیث سے اس امر کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص سونے اور چاندی کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اس کے مال کو آگ کے تختوں کی شکل دی جائے گی، پھر انھیں دوزخ کی آگ سے خوب گرم کر کے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغ لگائے جائیں گے۔ جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انھیں دوبارہ گرم کیا جائے گا اور اس دن مسلسل یہی ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، بالآخر جب بندوں کا حساب ہو جائے گا تو اسے جنت کا راستہ بتا دیا جائے گا یا جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔"[1] بہر حال وہ سرمایہ دار اور دولت کے پجاری جو دن رات تجوریاں بھرنے میں مصروف رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں انھیں خرچ کرنے کا کبھی خیال بھی پیدا نہیں ہوا قیامت کے دن ان کی دولت کا وہی نتیجہ برآمد ہوگا جو آیت کریمہ اور حدیث شریف میں بیان ہوا ہے۔ أعاذنا الله منه.

(٨) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ﴾ [٣٦]

باب: 8- ارشاد باری تعالیٰ: "جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس دن سے نوشتۂ الٰہی کے مطابق اللہ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہی ہے۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے، چنانچہ تم ان (مہینوں) میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔" کا بیان

﴿الْقَيِّمُ﴾: هُوَ الْقَائِمُ.

اَلْقَيِّمُ کے معنی قائم، یعنی درست اور سیدھا کے ہیں۔

وضاحت: اہل کتاب کی طرح مشرکین مکہ بھی اپنے مفادات کی خاطر احکام الٰہی میں ہیرا پھیری کر لیتے تھے، چنانچہ ان کے نزدیک بھی بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے لیکن مسلسل تین حرمت والے مہینوں میں ان کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے قتل و غارت سے دور رہنا ان کے لیے بہت مشکل تھا۔ انھوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ جس حرمت والے مہینے میں وہ قتل و

[1] صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 2290 (987).

غارت کرنا چاہتے اس میں وہ اپنا کام کر لیتے اور اعلان کر دیتے کہ اس کی جگہ فلاں مہینہ حرمت والا ہو گا، مثلاً: محرم کے مہینے کی حرمت توڑ کر اس کی جگہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے اور اسے نسیئی کا نام دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا: ''نسیئی کا یہ طریقہ کفر میں زیادتی ہے۔''[1] اس آیت کریمہ میں مشرکین کے اس گندے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے۔

٤٦٦٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ». [راجع: ٦٧]

[4662] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''زمانہ گھوم گھما کر پھر اسی حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی۔ سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے۔ اس میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ تین تو لگاتار ہیں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان ہے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک خطبہ دیا تھا، حدیث کے الفاظ اس خطبے سے تعلق رکھتے ہیں مقصد یہ ہے کہ مشرکین مکہ دور جاہلیت میں جو نسیئی کیا کرتے تھے، یعنی اپنی اغراض و مقاصد کے پیش نظر ان مہینوں میں تقدیم و تاخیر کر دیتے تھے، اب اس سیاہ قانون کے خاتمے کا وقت آ چکا ہے۔ اس سال، یعنی دس ہجری میں تمام مہینے اپنی اپنی جگہ پر آ گئے ہیں جو ان کی دست و برد اور خیانت سے پہلے تھے۔ آئندہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ ② یاد رہے کہ ماہ رجب کو قبیلہ مضر کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ یہ قبیلہ ماہ رجب کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا۔[2]

(٩) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ [٤٠]

باب: 9- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور وہ دو میں سے دوسرا تھا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے اور وہ (دوسرا) اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' کی تفسیر

[﴿مَعَنَا﴾]: نَاصِرُنَا. ﴿السَّكِينَةَ﴾: فَعِيلَةٌ مِنَ السُّكُونِ.

مَعَنَا کے معنی ہیں: ہمارا محافظ و مددگار ہے۔ اور اَلسَّكِينَةَ کا لفظ فَعِيلَةٌ کے وزن پر سکون سے ماخوذ ہے۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اگر تم اس کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی تھی، جب

---

1 التوبة 9:37. 2 فتح الباري: 413/8.

کافروں نے اسے (مکے سے) نکال دیا تھا۔ وہ دو میں سے دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا، بے شک غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل فرمایا اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جو تمھیں نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کے بول کو سرنگوں کر دیا اور بول تو اللہ تعالیٰ ہی کا بلند ہے اور اللہ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے۔"[1] اس آیت کریمہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان ہے اور آئندہ احادیث میں بھی کسی نہ کسی حوالے سے ان کا ذکر ہوگا۔

٤٦٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا حَبَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغَارِ فَرَأَيْتُ آثَارَ الْمُشْرِكِينَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ رَفَعَ قَدَمَهُ رَآنَا، قَالَ: «مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللهُ ثَالِثُهُمَا». [راجع: ٣٦٥٣]

[4663] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا، وہ کہتے ہیں کہ میں غار میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھا۔ میں نے کافروں کے پاؤں دیکھ کر عرض کی: اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کسی نے ذرا بھی قدم اٹھائے تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا: "ان دو کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ گھبرانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور وہ ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ ایک روایت میں صراحت ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لیا تو ہم اسے نظر آ جائیں گے۔[2] ایک دوسری روایت میں مزید وضاحت ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں غار میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ میں نے اوپر سر اٹھا کر دیکھا تو قوم کے پاؤں مجھے نظر آئے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کسی نے اپنی نگاہوں کو نیچے کیا تو ہم اسے نظر آ جائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے اسے تسلی دی کہ اے ابوبکر! تم خاموش رہو، ہم دو ہیں اور تیسرا ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے۔[3] ② بہر حال رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی نصرت ہمارے شامل حال ہے۔

٤٦٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ قَالَ حِينَ وَقَعَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ابْنِ الزُّبَيْرِ، قُلْتُ: أَبُوهُ الزُّبَيْرُ، وَأُمُّهُ

[4664] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب میرا حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے اختلاف ہوا تو میں نے کہا تھا: ان کے والد زبیر رضی اللہ عنہ، ان کی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ان کے نانا

---

① التوبة 9:40. ② صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3653. ③ صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3922.

أَسْمَاءُ، وَخَالَتُهُ عَائِشَةُ، وَجَدُّهُ أَبُو بَكْرٍ، وَجَدَّتُهُ صَفِيَّةُ.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

فَقُلْتُ لِسُفْيَانَ: إِسْنَادُهُ؟ فَقَالَ: حَدَّثَنَا - فَشَغَلَهُ إِنْسَانٌ - وَلَمْ يَقُلْ: ابْنُ جُرَيْجٍ. [انظر: ٤٦٦٥، ٤٦٦٦]

راویٔ حدیث نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا: اس حدیث کی سند کیا ہے؟ تو انھوں نے کہنا شروع کیا "حدثنا" ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ انھیں کسی دوسرے شخص نے مصروف کر دیا اور وہ آگے "ابن جریج" کے الفاظ نہ کہہ سکے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی سند میں اگرچہ ابن جریج کی صراحت ہے لیکن وہ صیغۂ عن کے ساتھ ہے، اس میں سماع کی صراحت نہیں ہے۔ حضرت سفیان کے شاگرد عبداللہ بن محمد صیغۂ تحدیث کے ساتھ یہ حدیث سننا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے سند کے متعلق سوال کیا۔ اس صورت میں یہ احتمال رہ گیا تھا کہ شاید حضرت سفیان نے یہ حدیث خود ابن جریج سے نہ سنی ہو بلکہ اس کے درمیان کوئی واسطہ ہو، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری روایات بیان کر دی ہیں، جن میں اس قسم کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ ② چونکہ اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے یہاں بیان کیا ہے، واقعے کی تشریح آئندہ حدیث کے تحت کی جائے گی۔

٤٦٦٥ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: وَكَانَ بَيْنَهُمَا شَيْءٌ فَغَدَوْتُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ: أَتُرِيدُ أَنْ تُقَاتِلَ ابْنَ الزُّبَيْرِ فَتُحِلَّ مَا حَرَّمَ اللهُ؟ فَقَالَ: مَعَاذَ اللهِ، إِنَّ اللهَ كَتَبَ ابْنَ الزُّبَيْرِ وَبَنِي أُمَيَّةَ مُحِلِّينَ، وَإِنِّي وَاللهِ لَا أُحِلُّهُ أَبَدًا، قَالَ: قَالَ النَّاسُ: بَايِعْ لِابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقُلْتُ: وَأَيْنَ بِهَذَا الْأَمْرِ عَنْهُ؟ أَمَّا أَبُوهُ فَحَوَارِيُّ النَّبِيِّ ﷺ - يُرِيدُ الزُّبَيْرَ - وَأَمَّا جَدُّهُ فَصَاحِبُ الْغَارِ - يُرِيدُ أَبَا بَكْرٍ - وَأَمَّا أُمُّهُ فَذَاتُ النِّطَاقِ - يُرِيدُ أَسْمَاءَ - وَأَمَّا خَالَتُهُ فَأُمُّ الْمُؤْمِنِينَ - يُرِيدُ عَائِشَةَ - وَأَمَّا عَمَّتُهُ، فَزَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ - يُرِيدُ خَدِيجَةَ - وَأَمَّا

[4665] حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی معاملے میں کچھ اختلاف تھا۔ میں صبح صبح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی: آپ ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کرنا چاہتے ہیں، اس طرح آپ اللہ کے حرم کو حلال خیال کریں گے؟ تو انھوں نے فرمایا: معاذ اللہ! یہ تو اللہ تعالیٰ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور بنو امیہ ہی کے مقدر میں لکھ دیا ہے کہ حرم پاک کی بے حرمتی کریں۔ اللہ کی قسم! میں تو کسی صورت میں اس بے حرمتی کے لیے تیار نہیں ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ لوگوں نے مجھے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے متعلق کہا تھا۔ میں نے ان سے کہا: مجھے ان کی خلافت تسلیم کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے؟ ان کے والد نبی ﷺ کے حواری تھے۔ آپ کی

عَمَّةُ النَّبِيِّ ﷺ فَجَدَّتُهُ - يُرِيدُ صَفِيَّةَ - ثُمَّ عَفِيفٌ فِي الْإِسْلَامِ، قَارِئٌ لِلْقُرْآنِ، وَاللهِ إِنْ وَصَلُونِي وَصَلُونِي مِنْ قَرِيبٍ، وَإِنْ رَبُّونِي رَبُّونِي أَكْفَاءٌ كِرَامٌ، فَآثَرَ عَلَيَّ التُّوَيْتَاتِ وَالْأُسَامَاتِ وَالْحُمَيْدَاتِ - يُرِيدُ أَبْطُنًا مِنْ بَنِي أَسَدٍ: ابْنَ تُوَيْتٍ، وَبَنِي أُسَامَةَ، وَبَنِي أَسَدٍ - إِنَّ ابْنَ أَبِي الْعَاصِ بَرَزَ يَمْشِي الْقُدَمِيَّةَ - يَعْنِي عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ - وَإِنَّهُ لَوَّى ذَنَبَهُ - يَعْنِي ابْنَ الزُّبَيْرِ -. [راجع: ٤٦٦٤]

مراد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے تھی، ان کے نانا رسول اللہ ﷺ کے یار غار تھے۔ ان کا اشارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف تھا، ان کی والدہ، یعنی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ذات نطاقین تھیں۔ ان کی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین تھیں۔ ان کی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ محترمہ تھیں، نیز نبی ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ان کی دادی ہیں، پھر وہ خود بھی اسلام میں ہمیشہ صاف کردار اور پاک دامن رہے اور قرآن مجید کے عالم ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر بنوامیہ میرے ساتھ صلہ رحمی کریں گے تو وہ قرابت اور رشتے داری کی وجہ سے میرے ساتھ صلہ رحمی کریں گے اور اگر وہ مجھ پر حکومت کریں تو حکومت کریں کیونکہ وہ ہمارے ہم پلہ اور عزت والے ہیں لیکن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے تو ابن تویت، بنواسامہ اور بنوحمید کو ہم پر ترجیح دی ہے۔ ان کی مراد بنو اسد کے مختلف قبائل، یعنی ابن تویت، بنواسد اور بنواسامہ سے تھی۔ دوسری طرف ابن ابی العاص (یعنی عبدالملک بن مروان) بڑی عمدگی سے پیش قدمی کر رہا ہے اور اس کے برعکس ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے تو دم دبا لی ہے۔

فوائد ومسائل: ① واقعہ یہ ہے کہ جس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی اور ان کے فرزند یزید نے حکومت سنبھالی تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کی بیعت سے انکار کر دیا۔ جب یزید فوت ہوا تو انھوں نے اپنی بیعت کے لیے لوگوں کو دعوت دی، چنانچہ اہل حجاز، مصر، عراق، خراسان اور اکثر اہل شام نے ان کی بیعت کر لی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دنوں مکہ مکرمہ میں تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے انھیں بلایا اور انھیں اپنی بیعت کے لیے کہا لیکن انھوں نے بیعت سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تمام لوگ متفق ہو جائیں گے ہم بیعت کریں گے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان پر سختی کی جس کی وجہ سے لوگ بھی ان کی بیعت سے پیچھے ہٹ گئے۔ جب یہ خبر مختار بن ابوعبید ثقفی کو پہنچی تو اس نے لشکر بھیج کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مکے سے نکال لیا اور انھوں نے طائف میں جا کر اقامت اختیار کر لی۔ اس دوران میں حضرت ابن ابی ملیکہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ ان کی بیعت کیوں کرتے ہیں؟ تو انھوں نے ان کے اوصاف حمیدہ بیان کیے جو حدیث میں بیان ہوئے ہیں، پھر شکوے کے انداز میں فرمایا: ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ہماری پروا نہیں کی اور نہ ہمارا کچھ خیال ہی رکھا ہے، جب یہ ہمارا خیال نہیں کرتے تو بنوامیہ

جو ہم سے زیادہ قریب ہیں، اگر وہ میرے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو میرے لیے قابل قبول ہیں اور ان کا دائرۂ حکومت بھی دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے جبکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی حکومت کا دائرہ وسیع ہونے کے بجائے تنگ ہو رہا ہے۔② بہرحال اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے یہاں بیان کیا ہے۔ واللہ أعلم.

٤٦٦٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: دَخَلْنَا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: أَلَا تَعْجَبُونَ لِابْنِ الزُّبَيْرِ قَامَ فِي أَمْرِهِ هٰذَا؟ فَقُلْتُ: لَأُحَاسِبَنَّ نَفْسِي لَهُ، مَا حَاسَبْتُهَا لِأَبِي بَكْرٍ وَلَا لِعُمَرَ، وَلَهُمَا كَانَا أَوْلَى بِكُلِّ خَيْرٍ مِنْهُ. وَقُلْتُ: ابْنُ عَمَّةِ النَّبِيِّ ﷺ، وَابْنُ الزُّبَيْرِ، وَابْنُ أَبِي بَكْرٍ، وَابْنُ أَخِي خَدِيجَةَ، وَابْنُ أُخْتِ عَائِشَةَ، فَإِذَا هُوَ يَتَعَلَّى عَنِّي وَلَا يُرِيدُ ذٰلِكَ، فَقُلْتُ: مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنِّي أَعْرِضُ هٰذَا مِنْ نَفْسِي فَيَدَعُهُ، وَمَا أُرَاهُ يُرِيدُ خَيْرًا وَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ، لَأَنْ يَرُبَّنِي بَنُو عَمِّي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَرُبَّنِي غَيْرُهُمْ. [راجع: ٤٦٦٤]

[4666] حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا: ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے معاملے میں تم لوگوں کو حیرت نہیں ہوتی، اب وہ خلافت کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں؟ میں نے دل میں ارادہ کر لیا ہے کہ اب میں ان کے لیے محنت و مشقت کروں گا۔ ایسی محنت تو میں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے لیے بھی نہیں کی، حالانکہ یہ دونوں حضرات ان سے ہر اعتبار سے بہتر تھے۔ میں نے (لوگوں سے) کہا: وہ نبی ﷺ کی پھوپھی کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں۔ لیکن انھوں نے کیا کیا ہے کہ وہ مجھ سے بڑا بننے کی کوشش میں ہیں۔ وہ مجھے کسی خاطر میں نہیں لائے۔ میں نے (دل میں) کہا: مجھے ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ میں تو ان سے ایسی عاجزی کروں اور وہ اس پر بھی مجھ سے راضی نہ ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ میرے معاملے میں اب کسی قسم کی بھلائی اور خیر چاہتے ہیں۔ اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا، لہٰذا بنوامیہ جو میرے چچازاد بھائی ہیں اگر مجھ پر حکومت کریں تو یہ مجھے دوسروں کی حکومت سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا شکوہ کیا ہے کہ میری خیرسگالی کے باوجود وہ مجھ سے منہ موڑتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش نہیں کہ میں ان کا مقرب بنوں۔ ایسے حالات میں میری بھی یہ خواہش نہیں کہ میں ان کے حق میں اخلاص کا اظہار کروں اور وہ اس کی قدر نہ کریں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر میں اپنا وزن بنوامیہ کے پلڑے میں ڈالتا ہوں کیونکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں اور میرا ان کی اطاعت کر لینا دوسروں کی اطاعت کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

نوٹ: صحابۂ کرام ؓ آسمان کے درخشاں ستارے اور وحی کے چشم دید گواہ ہیں لیکن وہ انسان تھے، فرشتے یا انبیاء ؑ نہیں تھے، خواہ حضرت ابن عباس ؓ ہوں یا عبداللہ بن زبیر ؓ دونوں ہمارے لیے قابل احترام ہیں، ان کے آپس کے جھگڑوں کے متعلق خاموشی اختیار کرنے میں ہی ہمارے لیے عافیت ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ بہترین نمونہ ہیں۔ ان سے اہل صفین کے بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ان کے خون سے میرے ہاتھوں کو محفوظ رکھا، اب میں نہیں چاہتا ہوں کہ اپنی زبان کو اس میں ملوث کروں۔''[1] اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان حضرات کے لیے ان الفاظ میں دعا کرنے کا حکم دیا ہے: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کے بارے میں ہمارے دل میں کینہ نہ ڈال۔ اے ہمارے پروردگار! بے شک تو شفقت کرنے والا نہایت مہربان ہے۔''[2]

(١٠) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ﴾ [٦٠]

باب: 10- ارشاد باری تعالیٰ: ''(صدقات) تالیف قلب اور غلام آزاد کرانے (پر خرچ کرنے) کے لیے ہیں'' کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: يَتَأَلَّفُهُمْ بِالْعَطِيَّةِ.

امام مجاہد بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ان نومسلم لوگوں کو کچھ دے دلا کر ان کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے۔

وضاحت: اس آیت کریمہ میں زکاۃ کے مصارف کا بیان ہے۔ ان میں سے ایک تالیفِ قلب بھی ہے۔ اس مد سے ان کافروں کو بھی مال زکاۃ دیا جا سکتا ہے جو اسلام دشمنی میں پیش پیش ہوں اگر یہ توقع ہو کہ وہ مال کے لالچ سے مخالفانہ حرکتیں چھوڑ کر اسلام کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ اور وہ نومسلم حضرات بھی مالِ زکاۃ کے حق دار ہیں جو نئے مسلم معاشرے میں ابھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوں۔ درج ذیل حدیث میں اس امر کی مزید وضاحت ہوگی۔

٤٦٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ [ابْنِ] أَبِي نُعْمٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِشَيْءٍ فَقَسَمَهُ بَيْنَ أَرْبَعَةٍ وَقَالَ: «أَتَأَلَّفُهُمْ»، فَقَالَ رَجُلٌ: مَا عَدَلْتَ، فَقَالَ: «يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمٌ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ». [راجع: ٣٣٤٤]

[4667] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس کچھ مال آیا تو آپ نے اسے چار آدمیوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور فرمایا: ''میں یہ مال دے کر ان کی دلجوئی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس پر ایک شخص بولا: آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے باہر ہو جائیں گے۔''

---

[1] موافقات للشاطبي: 320/4. [2] الحشر 59: 10.

فوائد ومسائل: ① یہ روایت انتہائی مختصر ہے۔ اس میں بھیجنے والے کی، کیا چیز بھیجی گئی تھی؟ کون سے چار آدمیوں میں تقسیم کی گئی؟ اور کس آدمی نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا؟ قطعاً کوئی وضاحت نہیں ہے، البتہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے سونا بھیجا تھا جو ابھی صاف نہیں کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اقرع بن حابس، عیینہ بن بدر، زید بن مہلہل اور علقمہ بن علاثہ میں تقسیم کر دیا، اس پر قریش اور انصار نے ناراضی کا اظہار کیا اور ذوالخویصرہ تمیمی نے اٹھ کر اعتراض کیا تھا کہ اس تقسیم میں عدل وانصاف کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔[1] ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذوالخویصرہ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے انھیں اجازت نہ دی۔[2] بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہ کہہ کر اس مد کو حذف کر دیا تھا: ''اب اسلام غالب آچکا ہے اور اس مد کی ضرورت نہیں ہے۔'' لیکن حالات ایک جیسے نہیں رہتے، لہٰذا بوقت ضرورت اس مد کو بھی بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

(١١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ٱلَّذِينَ يَلْمِزُونَ ٱلْمُطَّوِّعِينَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ فِى ٱلصَّدَقَـٰتِ﴾ [٧٩]

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: ''(کچھ منافقین ایسے ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والے اہل ایمان پر طعنہ زنی کرتے ہیں'' کا بیان

﴿يَلْمِزُونَ﴾: يَعِيبُونَ. وَ﴿جُهْدَهُمْ﴾ وَجَهْدَهُمْ: طَاقَتَهُمْ.

يَلْمِزُوْنَ کے معنی ہیں: عیب لگاتے اور طعنہ مارتے ہیں۔ جُهْدَهُمْ اور جَهْدَهُمْ، یعنی جیم کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔ دونوں کے معنی ہیں: اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق۔

وضاحت: آیت کا تکملہ اس طرح ہے: ''اور ایسے تنگ دست مسلمانوں پر بھی طعنہ زنی کرتے ہیں جنھیں اپنی محنت مزدوری کے علاوہ اور کچھ میسر ہی نہیں۔ یہ منافق ان سب کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ بھی ان کا مذاق انھی پر ڈال دے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔''[3] غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے تعاون کی اپیل کی تو تنگ دست اور غریب لوگوں نے اپنی حیثیت کے مطابق اور مال دار حضرات نے اپنی رغبت کے مطابق اس فنڈ میں بھرپور حصہ لیا۔ اس موقع پر منافقین کو پھبتیاں کسنے کا خوب موقع ملا۔ اگر کوئی جی کھول کر تعاون کرتا تو اسے کہتے کہ یہ سب دکھلاوا اور ریاکاری ہے اور اگر کوئی محنت مزدوری کر کے تھوڑا تعاون کرتا تو کہتے کہ اس سے کون سی جنگی ضرورت پوری ہوگی؟ الغرض ان کی طعن وتشنیع سے کوئی بھی محفوظ نہیں تھا، اسی پس منظر میں یہ آیات نازل ہوئیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

٤٦٦٨ - حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَبُو مُحَمَّدٍ:

[4668] حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3344. ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3610. ③ التوبة 9:79.

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: لَمَّا أُمِرْنَا بِالصَّدَقَةِ كُنَّا نَتَحَامَلُ فَجَاءَ أَبُو عَقِيلٍ بِنِصْفِ صَاعٍ، وَجَاءَ إِنْسَانٌ بِأَكْثَرَ مِنْهُ، فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ: إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَدَقَةِ هٰذَا، وَمَا فَعَلَ هٰذَا الْآخَرُ إِلَّا رِيَاءً، فَنَزَلَتْ: ﴿ٱلَّذِينَ يَلْمِزُونَ ٱلْمُطَّوِّعِينَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ فِى ٱلصَّدَقَٰتِ وَٱلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ الْآيَةَ. [راجع: ١٤١٥]

انھوں نے کہا: جب ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا گیا تو اس وقت ہم مزدوری پر بوجھ اٹھایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابوعقیل ؓ (اسی مزدوری سے) آدھا صاع کھجور لے کر آئے۔ ایک دوسرے صحابی اس سے زیادہ لائے تو منافقین کہنے لگے: اللہ تعالیٰ کو اس (عقیل ؓ کے) صدقے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور دوسرے نے تو محض ریاکاری کے لیے اتنا مال دیا ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''یہ ایسے لوگ ہیں کہ خوشی سے صدقہ دینے والے اہل اسلام پر طعن کرتے ہیں، خاص طور پر ان لوگوں کو ہدف تنقید بناتے ہیں جو محنت و مزدوری کے علاوہ اور کچھ نہیں رکھتے۔''

٤٦٦٩ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ: أَحَدَّثَكُمْ زَائِدَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُ بِالصَّدَقَةِ، فَيَحْتَالُ أَحَدُنَا حَتّٰى يَجِيءَ بِالْمُدِّ، وَإِنَّ لِأَحَدِهِمُ الْيَوْمَ مِائَةَ أَلْفٍ، كَأَنَّهُ يُعَرِّضُ بِنَفْسِهِ. [راجع: ١٤١٥]

[4669] حضرت ابومسعود انصاری ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب ہمیں صدقہ کی ترغیب دیتے تو ہم میں کوئی محنت و مزدوری کر کے لاتا اور بڑی مشکل سے ایک مد (کھجوریں) صدقہ کرتا لیکن آج ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے پاس لاکھوں درہم ہیں۔ گویا ان کا اشارہ خود اپنی طرف تھا۔

فوائدومسائل: ① غزوۂ تبوک کے موقع پر قحط سالی تھی، ابھی فصلیں بھی نہیں پکی تھیں، سفر بھی دور دراز کا تھا، مقابلہ بھی اس دور کی انتہائی مضبوط اور زبردست طاقت رومی حکومت سے تھا، اسلحے اور سواریوں کی بھی قلت تھی، اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے جہاد فنڈ کے لیے پرزور اپیل کی جس کے نتیجے میں حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن ؓ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اتنا چندہ دیا کہ آپ خوش ہو گئے۔ سیدنا عمر ؓ اپنے گھر کا آدھا سامان بانٹ کر جہاد فنڈ کے لیے لے آئے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ گھر کا تمام سامان اٹھا کر لے آئے۔ الغرض مال دار اور مزدور پیشہ لوگوں نے اپنی حیثیت کے مطابق چندہ دیا، لیکن منافقین کی طعنہ زنی سے کوئی بھی محفوظ نہ رہا۔ ② حضرت ابومسعود انصاری ؓ نے حدیث کے آخر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں نے بھی اس وقت محنت مزدوری کر کے صدقہ کیا تھا اور آج اللہ تعالیٰ نے اتنا دیا ہے کہ لاکھوں میں کھیل رہا ہوں۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں اس سے مقصود یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قلت مال کے باوجود لوگ محنت مزدوری کر کے صدقہ کیا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان پر مال و دولت کے دروازے کھول دیے ہیں۔ بڑی آسانی کے ساتھ صدقہ خیرات

کرتے ہیں۔ انھیں تنگی کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا۔[1] واللہ أعلم.

(١٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾ [٨٠]

باب: 12- ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش کی دعا کریں تو بھی اللہ انھیں معاف نہیں کرے گا'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ کا تکملہ یہ ہے: ''یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے۔ ایسے فاسق لوگوں کو رب کریم ہدایت نہیں دیتا۔'' یہ عدم مغفرت کی وجہ بیان کر دی گئی ہے تاکہ لوگ کسی کی سفارش پر امید نہ رکھیں بلکہ ایمان اور عمل صالح کی دولت لے کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اگر یہ زاد آخرت کسی کے پاس نہیں ہوگا تو ایسے کافروں اور نافرمانوں کی کوئی سفارش ہی نہیں کرے گا۔ اس آیت کریمہ میں ستر کا عدد مبالغے اور کثرت کے لیے ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ آپ کتنی ہی کثرت سے ان کے لیے استغفار کریں اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرنے پر ان کو معافی مل جائے گی۔ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی مر گیا، اس کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا اور یہ پکے سچے مسلمان اور مخلص صحابی تھے، نیز یہ اپنے باپ کے کرتوت سے آگاہ تھے مگر باپ کی وفات پر خون نے جوش مارا اور طبیعت میں ہمدردی اور پدرانہ شفقت کے جذبات ابھر آئے۔ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اس کا جنازہ پڑھائیں۔ ان کی درخواست پر آپ نے اس کا جنازہ پڑھا دیا۔ اپنی قمیص اسے پہنائی، نیز اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن بھی لگایا لیکن وہ اپنی خباثتوں کی وجہ سے اللہ کی پکڑ میں آ چکا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی۔ مزید تفصیل درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٦٧٠ - حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ قَمِيصَهُ يُكَفِّنُ فِيهِ أَبَاهُ، فَأَعْطَاهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَقَامَ عُمَرُ، فَأَخَذَ بِثَوْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتُصَلِّي

[4670] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اپنا کُرتا عنایت فرمائیں تاکہ وہ اپنے باپ کو اس میں کفن دیں۔ آپ نے اسے اپنا کُرتا دے دیا۔ پھر اس نے درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو سیدنا عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ

[1] فتح الباري: 422/8.

عَلَيْهِ وَقَدْ نَهَاكَ رَبُّكَ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللهُ فَقَالَ: ﴿ٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً﴾ وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ». قَالَ: إِنَّهُ مُنَافِقٌ، قَالَ: فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ﴾ [٨٤]. [راجع: ١٢٦٩]

کا دامن تھام لیا اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اس پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے: ”تو ان کے لیے دعائے مغفرت کرے یا نہ کرے، اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کرے تو بھی اللہ انھیں معاف نہیں کرے گا۔“ میں ایسا کروں گا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ اس کے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔“ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یہ تو منافق ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ کبھی بھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر ہی پر کھڑے ہوں۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رئیس المنافقین کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر تین کام کیے: * رئیس المنافقین کے لیے اپنی قمیص دی تاکہ اس میں کفن دیا جائے۔ * اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا۔ * اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ ② آپ نے تین وجوہ کی بنا پر یہ کام کیے: * رسول اللہ ﷺ کی طبیعت میں نرمی، رحم اور عفو و درگزر کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ * بدر کے قیدیوں میں آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدن سے ننگے تھے چونکہ ان کا قد لمبا تھا، اس لیے رئیس المنافقین سے قمیص مانگ کر دی۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ قمیص دے کر اس احسان کا بدلہ چکا دیں۔ * ایسے حالات میں رئیس المنافقین کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی دل جوئی اور تالیف قلبی مقصود تھی تاکہ وہ شکستہ دل نہ ہو۔ ③ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے عرض کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا ہے کیونکہ ستر مرتبہ استغفار کرنے سے بھی ان کی معافی ممکن نہیں تو جنازہ بھی معافی کی درخواست ہوتی ہے، اسے ادا کرنے کا کیا فائدہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق وحی نازل فرمائی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اب منافقین سے نرم قسم کی پالیسی اختیار کرنے کا دور بیت چکا ہے اور ان سے سخت رویہ اختیار کرنا عین منشائے الٰہی کے مطابق ہے۔ ④ واضح رہے کہ رئیس المنافقین کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس لیے درخواست نہیں کی تھی کہ اس کا باپ نفاق سے تائب ہو چکا تھا بلکہ یہ درخواست اس لیے تھی کہ مرنے کے بعد لوگ اسے اور اس کے قبیلے کو اس کے نفاق کا طعنہ نہ دیں، بہر حال اس کے بیٹے کو اس بات کا علم تھا کہ وہ اب بھی منافق ہے اور حالت نفاق ہی میں مرا ہے۔ واللہ أعلم.

٤٦٧١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ

[4671] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

عَنْ عُقَيْلٍ - وَقَالَ غَيْرُهُ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ - عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا مَاتَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ دُعِيَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ، فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَثَبْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتُصَلِّي عَلَى ابْنِ أُبَيٍّ وَقَدْ قَالَ يَوْمَ كَذَا، كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ: أُعَدِّدُ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَالَ: «أَخِّرْ عَنِّي يَا عُمَرُ»، فَلَمَّا أَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ: «إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ، لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُّ عَلَى السَّبْعِينَ يُغْفَرْ لَهُ، لَزِدْتُّ عَلَيْهَا»، قَالَ: فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ انْصَرَفَ، فَلَمْ يَمْكُثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَتَانِ مِنْ بَرَاءَةَ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَهُمْ فَٰسِقُونَ﴾ قَالَ: فَعَجِبْتُ بَعْدُ مِنْ جُرْأَتِي عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ.

[راجع: ١٣٦٦]

انھوں نے کہا: جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مرا تو اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں جلدی سے آپ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ ابن ابی (منافق) کی نماز جنازہ پڑھانے لگے ہیں، حالانکہ اس نے فلاں دن، اس، اس طرح کی باتیں کی تھیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کی بکواسات ایک ایک کر کے آپ کے سامنے بیان کرنے لگا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ”عمر! میرے پاس سے ایک طرف ہٹ جاؤ۔“ میں نے جب اصرار کیا تو آپ نے فرمایا: ”مجھے اختیار دیا گیا ہے، اس لیے میں اپنے اختیار کو استعمال کرنے لگا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ مغفرت طلب کروں گا۔“ فرمایا: بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور واپس تشریف لائے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ سورۂ براءۃ کی یہ دو آیات نازل ہوئیں: ”ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں (اور نہ اس کی قبر ہی پر کھڑے ہوں، یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک) یہ بدکار بے اطاعت ہی رہے ہیں۔“ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنی اس درجہ جسارت پر بعد میں مجھے خود بھی حیرت ہوئی، بہر حال اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے قبر سے نکلوایا اور اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اپنا لعاب دہن اس کے منہ کو لگایا اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔[1] لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی عدم مغفرت کے متعلق صاف صاف اعلان فرما دیا۔ اس

1. صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1350.

سے معلوم ہوا کہ جو ایمان سے محروم ہوا سے دنیا کی بڑی سے بڑی شخصیت کی دعائے مغفرت اور اس کی سفارش بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔ ② رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی موت ذی قعدہ 9 ہجری غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد واقع ہوئی۔ یہ بدبخت غزوۂ تبوک میں شامل نہیں ہوا تھا۔ قرآن کریم کی یہ آیت: ''اگر یہ منافقین تمھارے ساتھ جاتے بھی تو تمھارے لیے سوائے فساد کے اور کچھ نہ کرتے''[1] عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والوں کے متعلق نازل ہوئی۔ ③ قارئین کرام کو یہ حقیقت مدنظر رکھنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ بھی سورۂ توبہ کی آیت: 80 کا وہی مفہوم سمجھتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا بلکہ آپ کو یقین تھا کہ ہمارے کسی عمل سے اس منافق کی مغفرت نہیں ہوگی مگر آیت کے ظاہر سے آپ کو اختیار دیا گیا تھا اور کسی دوسری آیت سے اس کی ممانعت نہیں اتری تھی، دوسری طرف ایک منافق کے احسان سے اس دنیا میں نجات حاصل کرنا بھی مقصود تھا اور ایک مخلص ساتھی اس کے بیٹے کی دلجوئی بھی پیش نظر تھی، اس کے علاوہ اس معاملے میں دوسرے کافروں کے اسلام کے قریب ہونے کی توقع تھی، اس لیے ان مصلحتوں کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اس منافق کی نماز جنازہ پڑھانے کو ترجیح دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خیال کیا کہ جب آیت: 80 سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مغفرت نہیں ہوگی تو اس کے لیے نماز جنازہ پڑھ کر دعائے مغفرت کرنا ایک بے فائدہ اور بے کار فعل ہے جو شان نبوت کے خلاف ہے، اسی کو آپ نے ممانعت سے تعبیر کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ اگرچہ اس فعل کو فی نفسہ مفید نہ سمجھتے تھے مگر دوسروں کے اسلام لانے کا فائدہ پیش نظر تھا، اس لیے آپ کے نزدیک یہ فعل بے فائدہ نہ تھا۔ ④ اس توجیہ سے نہ تو رسول اللہ ﷺ کے عمل پر کوئی اشکال رہتا ہے اور نہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر ہی کوئی اعتراض ہوتا ہے۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعائے مغفرت ہی کی ہے۔[2]

(١٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ﴾ [٨٤]

باب: 13- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اگر ان منافقین میں سے کوئی مر جائے تو کبھی بھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر ہی پر کھڑے ہونا'' کا بیان

وضاحت: منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھنے اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر دعائے مغفرت کی ممانعت اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا ہے: ''انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اسی نافرمانی کی حالت میں انھیں موت آئی۔''[3]

٤٦٧٢ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ جَاءَ ابْنُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ

[4672] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کا بیٹا حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو اپنی قمیص دی اور فرمایا کہ اسے اس

① التوبة 9:84. ② فتح الباري: 8/427. ③ التوبة 9:84.

إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَأَعْطَاهُ قَمِيصَهُ، وَأَمَرَهُ أَنْ يُكَفِّنَهُ فِيهِ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي عَلَيْهِ، فَأَخَذَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِثَوْبِهِ فَقَالَ: تُصَلِّي عَلَيْهِ وَهُوَ مُنَافِقٌ، وَقَدْ نَهَاكَ اللهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُمْ؟ قَالَ: «إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللهُ، - أَوْ أَخْبَرَنِي اللهُ - فَقَالَ: ﴿ٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَهُمْ﴾ فَقَالَ: سَأَزِيدُهُ عَلَى سَبْعِينَ». قَالَ: فَصَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ ثُمَّ أَنْزَلَ اللهُ عَلَيْهِ: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ فَٰسِقُونَ﴾.

[راجع: ١٢٦٩]

قمیص میں کفن دیا جائے۔ پھر آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے لگے ہیں جبکہ یہ شخص منافق ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کے لیے طلب مغفرت سے منع بھی فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے یا مجھے خبر دی ہے کہ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں، اگر ان کے لیے ستر بار استغفار کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ اس کا جنازہ پڑھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: ''اگر ان منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اسی نافرمانی کی حالت میں ان پر موت آئی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے رئیس المنافقین کو اس لیے کرتا پہنایا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی کہ جو لوگ اسلام کے قریب نہیں تھے، ان کے قریب ہونے کی توقع تھی، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری قمیص اسے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی مگر میں نے یہ کام اس لیے کیا ہے کہ مجھے اس عمل سے اس کی قوم کے ہزار آدمیوں کے مسلمان ہونے کی امید ہے۔''[1] نیز منافقین اگرچہ دل سے کافر تھے مگر ظاہری لحاظ سے ان پر شرعی احکام ویسے ہی نافذ تھے جیسے سچے مسلمانوں پر لاگو ہوتے تھے۔ ② اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کسی گناہ گار کے حق میں استغفار کریں تو اس کی معافی ہو سکتی ہے لیکن بداعتقاد لوگوں کی معافی کے لیے کوئی صورت نہیں، خواہ رسول اللہ ﷺ کتنی ہی زیادہ دفعہ اس کے لیے استغفار کریں، چنانچہ اس آیت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھانا یا ان کے حق میں استغفار کرنا چھوڑ دیا تھا۔[2]

[1] فتح الباري: 426/8، وتفسير الطبري تحت آية سورة التوبة: 84. [2] فتح الباري: 427/8.

(١٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ﴾ الْآيَةَ [٩٥]

باب: 14- ارشاد باری تعالیٰ: ''جب تم ان کے پاس لوٹ کر آؤ گے تو وہ تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں اٹھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض (درگزر) کرو'' کی تفسیر

وضاحت: اس آیت کا تکملہ یہ ہے: ''وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔'' اس آیت میں ان منافقین کا ذکر ہے جو تبوک کے سفر میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی بخیریت واپسی پر اپنے آپ کو پیش کر کے ان کی نظروں میں وفادار بننا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو قبل از وقت مطلع کر دیا کہ تمھارے واپس آنے پر منافقین قسمیں اٹھائیں گے تاکہ تم انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دو، فرمایا کہ تم انھیں بالکل ہی چھوڑ دو کیونکہ یہ لوگ اپنے عقائد واعمال کے لحاظ سے پلید ہیں۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے، اس کا بدلہ جہنم ہی ہے۔ مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

٤٦٧٣ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوكَ: وَاللهِ! مَا أَنْعَمَ اللهُ عَلَيَّ مِنْ نِعْمَةٍ بَعْدَ إِذْ هَدَانِي، أَعْظَمَ مِنْ صِدْقِي رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ لَا أَكُونَ كَذَبْتُهُ، فَأَهْلِكَ كَمَا هَلَكَ الَّذِينَ كَذَبُوا، حِينَ أُنْزِلَ الْوَحْيُ: ﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿الْفَاسِقِينَ﴾. [راجع: ٢٧٥٧]

[4673] عبداللہ بن کعب سے روایت ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب وہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تو میں نے ان سے سنا: اللہ کی قسم! ہدایت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا بڑا اور کوئی انعام نہیں کیا جتنا رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولنے کا کیا کہ میں نے آپ سے جھوٹ نہ بولا، بصورت دیگر میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح دوسرے جھوٹی معذرتیں بیان کرنے والے لوگ ہلاک ہوئے تھے جب ان کے بارے میں یہ وحی نازل کی گئی: ''جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو وہ لوگ تمھارے سامنے قسمیں اٹھائیں گے...... جو نافرمان ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہونے سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے دل میں شیطان نے طرح طرح کے خیالات ڈالے تھے کہ کوئی جھوٹا بہانہ کر کے دنیا کی ذلت سے نجات حاصل کر لی جائے جیسا کہ درج ذیل روایت میں اس کی تفصیل ہے، حضرت کعب بن مالک کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر آج میں آپ کے علاوہ کسی دنیا دار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو کوئی نہ کوئی عذر گھڑ کر اس کی ناراضی سے بچ سکتا تھا۔ مجھے خوبصورتی کے ساتھ بات بنانے کا سلیقہ بھی خوب آتا ہے لیکن اللہ کی

قسم! مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپ کے سامنے کوئی جھوٹا عذر بیان کر کے آپ کو راضی کر لوں تو بہت جلد اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اس کے بجائے اگر میں آپ سے سچی بات بیان کر دوں تو یقیناً آپ مجھ سے ناراض تو ہوں گے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ سے معافی کی پوری امید ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے کوئی معذوری نہیں تھی۔ اللہ کی قسم! اس وقت سے پہلے میں کبھی اتنا فارغ البال اور خوش حال نہیں تھا لیکن پھر بھی آپ کے ساتھ شریک سفر نہ ہو سکا۔[1] ② الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث اس لیے بیان کی ہے کہ اس میں فضول عذر کرنے والوں کا واضح تذکرہ ہے بلکہ اس آیت کا بھی حوالہ ہے جو بطور عنوان پیش کی گئی ہے۔ واللہ أعلم.

بَابُ قَوْلِهِ: ﴿يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿ٱلْفَـٰسِقِينَ﴾ [٩٦]

باب: - ارشاد باری تعالیٰ: ''وہ تمھارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بھی اللہ ایسے بدکردار لوگوں سے راضی نہیں ہوگا'' کا بیان

وضاحت: منافقین کے قسم اٹھانے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ان سے خوش رہیں اور ان کے تعلقات حسب سابق برقرار رہیں جیسے پہلے تھے۔ لیکن نفاق پوری طرح کھل جانے کے بعد کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ان سے دوستی یا محبت برقرار رکھے کیونکہ ایسے منافقین سے اللہ کبھی راضی نہیں ہوگا۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی، البتہ ابن ابی حاتم نے امام مجاہد رحمہ اللہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مذکورہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی تھی۔[2] لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ غالباً امام بخاری رحمہ اللہ نے اس علت کی وجہ سے اسے بیان نہیں کیا۔ واللہ أعلم.

(١٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَءَاخَرُونَ ٱعْتَرَفُوا۟ بِذُنُوبِهِمْ﴾ الْآيَةَ [١٠٢]

باب: 15- ارشاد باری تعالیٰ: ''(ان کے علاوہ) کچھ اور لوگ بھی ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا......'' کا بیان

وضاحت: غزوۂ تبوک سے واپسی پر اسّی (80) سے زیادہ منافق رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ردی اور فضول عذر پیش کیے اور قسمیں اٹھا کر یقین دہانی کرائی کہ ہم واقعتاً معذور تھے۔ ان کے علاوہ سات مسلمان ایسے تھے جو عذر کے بغیر محض سستی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہو سکے۔ انھیں بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اپنے جرم کا اعتراف کسی نے یوں کیا کہ خود کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا اور اپنے آپ پر نیند اور خور ونوش کو حرام کر لیا اور قسم اٹھائی کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے انھیں نہیں کھولیں گے وہ اسی حالت میں بندھے رہیں گے، خواہ انھیں اسی حالت

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4418. 2 فتح الباري: 432/8.

میں موت ہی کیوں نہ آ جائے۔ ان میں سرفہرست حضرت ابولبابہ بن منذر رضی اللہ عنہ تھے جو محض بشری کمزوری کی بنا پر پیچھے تو رہ گئے لیکن ان کا سابقہ طرز زندگی بے داغ تھا۔ یہ آیات الٰہی ان کے متعلق نازل ہوئیں۔ اگرچہ شان نزول کے اعتبار سے ان کا خاص مفہوم ہے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ عام ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث پیش کر کے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنا رجحان واضح کیا ہے۔

٤٦٧٤ - حَدَّثَنِي مُؤَمَّلٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَنَا: «أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ فَابْتَعَثَانِي فَانْتَهَيَا [بِي] إِلَى مَدِينَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ فَتَلَقَّانَا رِجَالٌ، شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، وَشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، قَالَا لَهُمْ: اِذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذٰلِكَ النَّهْرِ، فَوَقَعُوا فِيهِ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، قَالَا لِي: هٰذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَهٰذَاكَ مَنْزِلُكَ، قَالَا: أَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرٌ مِنْهُمْ حَسَنٌ وَشَطْرٌ مِنْهُمْ قَبِيحٌ فَإِنَّهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا، تَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُمْ».

[راجع: ٨٤٥]

[4674] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے اور مجھے اٹھا کر ایک ایسے شہر کی طرف لے گئے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ وہاں ہمیں ایسے لوگ ملے جن کا آدھا بدن انتہائی خوبصورت کہ تو نے ایسا حسن کبھی نہ دیکھا ہوگا اور آدھا بدن نہایت بدصورت جو تو نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ ان دونوں نے ان سے کہا: جاؤ اور اس نہر میں غوطہ لگاؤ۔ وہ نہر میں گھس گئے۔ پھر جب وہ ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور وہ انتہائی خوبصورت ہو گئے تھے۔ پھر ان دونوں نے مجھ سے کہا: یہ ''جنت عدن'' ہے اور آپ کا مکان یہیں ہے اور جن لوگوں کو ابھی آپ نے دیکھا تھا کہ ان کا آدھا جسم انتہائی خوبصورت تھا اور آدھا نہایت بدصورت تو یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اچھے برے ملے جلے عمل کیے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا اور انھیں معاف کر دیا۔''

فوائد ومسائل: ① شانِ نزول کے اعتبار سے مذکورہ آیت خاص لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی لیکن حکم کے اعتبار سے یہ ہر اس مسلمان کو شامل ہے جس کے اعمال نیک اور بد دونوں قسم کے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا اور انھیں پروانۂ مغفرت عطا فرمائے گا کیونکہ اس ذات کریم کا وعدہ ہے: ''اور میری رحمت تمام اشیاء پر محیط ہے۔''[1] وہ قیامت کے دن ایسے لوگوں کو معاف کر دے گا جن کے اعمال برے اچھے ملے جلے ہوں گے۔ ② دوسری روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو دو شخص ملے وہ اللہ کے فرشتے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل تھے۔[2] یہ روایت پہلے مفصل طور پر گزر چکی ہے۔[3]

[1] الأعراف 156:7. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث :3236. [3] صحيح البخاري، الجنائز، حديث :1386.

(١٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ [١١٣]

باب: 16- ارشاد باری تعالیٰ: ''نبی اور اہل ایمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت طلب کریں......'' کا بیان

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کو آپ سے بہت محبت تھی۔ جب آپ نے چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کیا تو پوری قوم آپ کی دشمن بن گئی۔ ایسے حالات میں ابو طالب نے اسلام نہ لانے کے باوجود آپ کی بھرپور حمایت کی اور ہر مشکل وقت میں آپ کا ساتھ دیا۔ نبی ﷺ کو بھی اپنے چچا سے بہت محبت تھی۔ نبوت کے آٹھویں سال جب ابو طالب کی وفات ہوئی تو آپ کو اس کا شدید صدمہ ہوا۔ آپ نے ابو طالب کی خدمات اور پدرانہ شفقت سے متأثر ہو کر اس کے لیے طلب مغفرت کا وعدہ کیا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے۔

٤٦٧٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَيْ عَمِّ! قُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ»، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ»، فَنَزَلَتْ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا أُوْلِي قُرْبَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَٰبُ الْجَحِيمِ﴾ [١١٣]. [راجع: ١٣٦٠]

[4675] میب بن حزن ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے چچا! لا الہ الا اللہ پڑھ لو، میں اللہ کے ہاں تیری مغفرت کے لیے اسے بطور دلیل پیش کروں گا۔'' ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ دونوں کہنے لگے: اے ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کا دین چھوڑ دو گے؟ اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لیے ضرور بخشش کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے۔'' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''نبی اور اہل ایمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے بخشش طلب کریں، خواہ وہ ان کے قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مشرکین یقیناً دوزخی ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ درج ذیل آیت کریمہ بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی: ''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ہدایت والوں سے وہی خوب واقف ہے۔''[1]

1 القصص 28: 56، وصحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1360.

③ چونکہ نبی ﷺ کو چچا کے غیر مسلم مرنے کا بہت زیادہ افسوس تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا کہ آپ کا کام صرف دعوت و تبلیغ ہے لیکن ہدایت کے راستے پر چلانا یہ ہمارا کام ہے۔ آپ اپنی ذمے داری پوری کریں ہم اپنا کام کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کے لیے بھی استغفار کی اجازت طلب کی لیکن آپ کو اس سے منع کر دیا گیا جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[1] ③ بہر حال مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت نہیں، البتہ ان کی ہدایت کے لیے دعا کی جا سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے دوس قبیلے کے لیے دعا کی تھی کہ اے اللہ! انھیں ہدایت دے اور انھیں میرے پاس بھیج دے۔"[2]

(١٧) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿لَقَد تَّابَ ٱللَّهُ عَلَى ٱلنَّبِيِّ وَٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ﴾ الْآيَةَ [١١٧]

باب: 17- ارشاد باری تعالیٰ: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نبی پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی اور مہاجرین وانصار پر بھی ......" کا بیان

وضاحت: اس کا تکملہ اس طرح ہے: "جنھوں نے بڑی تنگی کے وقت اس کا ساتھ دیا اگرچہ اس وقت بعض لوگوں کے دل ٹیڑھے پن کی طرف مائل ہونے کو تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا کیونکہ اللہ مسلمانوں پر بہت شفقت کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔"[3] اس آیت میں "تنگی کے وقت" سے مراد غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہونے کا وقت ہے جبکہ شدید گرمی کا موسم تھا، قحط سالی تھی، فصلیں پکنے والی تھیں، بے سروسامانی کی حالت تھی، سفر طویل اور کٹھن تھا، چنانچہ اس وقت بعض سچے مسلمان بھی جہاد پر جانے سے گھبرانے لگے تھے، آخر ان کے ایمان کی پختگی ان کے نفس پر غالب آ گئی اور وہ پورے عزم کے ساتھ جہاد پر نکل کھڑے ہوئے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دو دفعہ اپنی طرف توبہ کی نسبت کی ہے: پہلی توبہ سے مراد اہل ایمان کو توبہ کی توفیق دینا اور دوسری توبہ سے مراد اسے شرف قبولیت سے نوازنا ہے۔ مسلمانوں کی توبہ کا ذکر درج ذیل حدیث سے ہے۔

٤٦٧٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ. قَالَ أَحْمَدُ: وَحَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ كَعْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبٍ - وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ - قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فِي حَدِيثِهِ: ﴿وَعَلَى ٱلثَّلَٰثَةِ ٱلَّذِينَ خُلِّفُوا۟﴾ [١١٨] قَالَ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ: إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، فَقَالَ

[4676] حضرت عبداللہ بن کعب سے روایت ہے...... جب کعب ؓ نابینا ہو گئے تو ان کے بیٹوں میں سے یہی ان کو راستے میں ساتھ لے کر چلتے تھے...... انھوں نے بتایا کہ میں نے حضرت کعب بن مالک ؓ سے ان کے اس واقعے کے سلسلے میں سنا جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: "اور ان تین آدمیوں پر بھی (مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا۔" آپ نے آخر میں کہا تھا کہ میں اپنی توبہ کے قبول ہونے کی خوشی میں اپنا تمام مال اللہ اور اس کے رسول کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں۔

① مسند أحمد: 355/5. ② صحيح البخاري، الدعوات، حديث: 6397. ③ التوبة 9: 117.

النَّبِيُّ ﷺ: «أَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ». [راجع: ٢٧٥٧]

نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہیں کچھ مال اپنے لیے بھی رکھ لو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔''

فوائد ومسائل: ① عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی توبہ، اللہ کی طرف سے شرف قبولیت اور پھر اس کی خوشی میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے صدقہ کرنے کا ذکر ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیرات بھی وہی بہتر ہے جو طاقت کے مطابق کی جائے۔ اگر کوئی خیرات کر کے خود بھوکا ننگا ہو جاتا ہے تو وہ خیرات اللہ کے ہاں بہتر نہیں ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے بقدر ضرورت حدیث کا کچھ حصہ بیان کیا ہے، مفصل حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔ دیکھیے: (حدیث: 4418) اس کے فوائد وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

(١٨) [بَابٌ]: ﴿وَعَلَى ٱلثَّلَٰثَةِ ٱلَّذِينَ خُلِّفُوا۟ حَتَّىٰٓ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ ٱلْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ الْآيَةَ [١١٨]

باب: 18- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور ان تین آدمیوں پر بھی (مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی رکھا گیا تھا حتی کہ زمین اپنی فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی'' کا بیان

وضاحت: بقیہ آیت کا مفہوم اس طرح ہے: ''اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئی تھیں اور انھیں یہ یقین تھا کہ اللہ کے سوا ان کے لیے کوئی اور جائے پناہ نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' واضح رہے کہ یہ وہ تین آدمی ہیں جن کا اجمالی ذکر اسی سورت کی آیت: 106 میں آ چکا ہے اور وہ سیدنا کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ تینوں حضرات پہلے بار بار اپنے اخلاص کا ثبوت دے چکے تھے اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تو ان صحابۂ کرام میں سے تھے جنھوں نے عقبہ کی رات رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ آپ اگرچہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے، تاہم آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے لیلۂ عقبہ کی بیعت میں شمولیت غزوۂ بدر میں شمولیت سے زیادہ عزیز ہے۔ ان کا قصہ درج ذیل حدیث میں مختصر طور پر بیان ہوا ہے۔

٤٦٧٧ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي شُعَيْبٍ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَعْيَنَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ: أَنَّ الزُّهْرِيَّ حَدَّثَهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ - وَهُوَ أَحَدُ الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ تِيبَ عَلَيْهِمْ -

[4677] حضرت عبداللہ بن کعب سے روایت ہے، وہ اپنے باپ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، ان کے باپ ان تین صحابہ میں سے تھے جن کی توبہ قبول کی گئی تھی، انھوں نے کہا: وہ دو غزووں: غزوۂ عسرت، یعنی غزوۂ تبوک اور غزوۂ بدر کے علاوہ اور کسی غزوے میں کبھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے سے پیچھے نہیں رہے تھے۔

أَنَّهُ لَمْ يَتَخَلَّفْ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا قَطُّ غَيْرَ غَزْوَتَيْنِ: غَزْوَةِ الْعُسْرَةِ، وَغَزْوَةِ بَدْرٍ، قَالَ: فَأَجْمَعْتُ صِدْقَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ضُحًى وَكَانَ قَلَّمَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ سَافَرَهُ إِلَّا ضُحًى، وَكَانَ يَبْدَأُ بِالْمَسْجِدِ فَيَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ كَلَامِي وَكَلَامِ صَاحِبَيَّ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ كَلَامِ أَحَدٍ مِنَ الْمُتَخَلِّفِينَ غَيْرِنَا، فَاجْتَنَبَ النَّاسُ كَلَامَنَا فَلَبِثْتُ كَذٰلِكَ حَتّٰى طَالَ عَلَيَّ الْأَمْرُ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَهَمُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَمُوتَ فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ، أَوْ يَمُوتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَكُونَ مِنَ النَّاسِ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ فَلَا يُكَلِّمُنِي أَحَدٌ مِنْهُمْ وَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَوْبَتَنَا عَلٰى نَبِيِّهِ ﷺ حِينَ بَقِيَ الثُّلُثُ الْآخِرُ مِنَ اللَّيْلِ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ، وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مُحْسِنَةً فِي شَأْنِي، مَعْنِيَّةً فِي أَمْرِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا أُمَّ سَلَمَةَ! تِيبَ عَلٰى كَعْبٍ» قَالَتْ: أَفَلَا أُرْسِلُ إِلَيْهِ فَأُبَشِّرُهُ؟ قَالَ: «إِذًا يَحْطِمَكُمُ النَّاسُ فَيَمْنَعُونَكُمُ النَّوْمَ سَائِرَ اللَّيْلَةِ»، حَتّٰى إِذَا صَلّٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلَاةَ الْفَجْرِ آذَنَ بِتَوْبَةِ اللهِ عَلَيْنَا، وَكَانَ إِذَا اسْتَبْشَرَ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ قِطْعَةٌ مِنَ الْقَمَرِ، وَكُنَّا أَيُّهَا الثَّلَاثَةُ الَّذِينَ خُلِّفُوا عَنِ الْأَمْرِ الَّذِي قُبِلَ مِنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ اعْتَذَرُوا حِينَ أَنْزَلَ اللهُ لَنَا التَّوْبَةَ، فَلَمَّا ذُكِرَ الَّذِينَ كَذَبُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ مِنَ الْمُتَخَلِّفِينَ وَاعْتَذَرُوا بِالْبَاطِلِ ذُكِرُوا بِشَرٍّ مَا ذُكِرَ بِهِ أَحَدٌ،

انھوں نے کہا: (غزوۂ تبوک سے واپسی پر) چاشت کے وقت جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ آپ کا سفر سے واپس آنے کا معمول یہ تھا کہ چاشت کے وقت آپ پہنچتے تھے۔ سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔ الغرض نبی ﷺ نے مجھ سے اور میری طرح کے دو اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دوسرے لوگوں کو بات چیت کرنے سے منع کر دیا تھا۔ ہمارے علاوہ اور بہت سے لوگ تھے جو اس غزوے میں شریک نہیں ہوئے تھے لیکن آپ نے ان سے بائیکاٹ کا حکم نہیں دیا تھا، چنانچہ لوگوں نے ہم سے بات چیت کرنا چھوڑ دی۔ میں اسی حالت میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ معاملہ بہت طویل ہو گیا۔ ادھر میری نظر میں سب سے اہم معاملہ یہ تھا کہ اگر اسی حالت میں موت آ گئی تو نبی ﷺ میری نماز جنازہ نہیں پڑھائیں گے یا اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو لوگوں کا یہی طرز عمل میرے ساتھ ہمیشہ رہے گا، نہ مجھ سے کوئی گفتگو کرے گا اور نہ کوئی میری نماز جنازہ پڑھے گا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کی بشارت اپنے نبی ﷺ پر اس وقت نازل فرمائی جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ گیا تھا، جبکہ رسول اللہ ﷺ اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مجھ پر بڑا احسان تھا کہ وہ اس سلسلے میں میرا بہت خیال رکھتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ام سلمہ! کعب کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔'' انھوں نے عرض کی: تو کیا میں ان کے ہاں کسی کو بھیج کر اس امر کی خوشخبری نہ سنا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ خبر سنتے ہی لوگ جمع ہو جائیں گے، پھر ساری رات تمھیں سونے نہیں دیں گے۔''

قَالَ اللهُ سُبْحَانَهُ : ﴿يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ﴾ الْآيَةَ

[٩٤]. [راجع:٢٧٥٧]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر پڑھنے کے بعد اعلان فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے۔'' آپ ﷺ جب خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرۂ انور روشن ہو جاتا گویا وہ چودھویں رات کے چاند کا ٹکڑا ہے۔ (غزوہ میں شریک نہ ہونے والوں میں سے) ہم ہی تین آدمی تھے جو مؤخر کر دیے گئے تھے۔ ہمارا معاملہ ان لوگوں سے مؤخر کر دیا گیا تھا جن لوگوں نے معذرت کی تھی اور ان کی معذرت قبول بھی ہو گئی تھی۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول ہونے کے متعلق وحی نازل فرمائی اور ان لوگوں کا تذکرہ ہوا جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کذب بیانی کی اور بے بنیاد معذرت سے کام لیا، ان لوگوں کا ذکر اس درجہ برائی کے ساتھ کیا گیا کہ کسی کا بھی اتنی برائی کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ لوگ تمھارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے۔ آپ کہہ دیں: تم یہ عذر پیش مت کرو۔ ہم کبھی تمھارا اعتبار نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمھاری خبر دے چکا ہے اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمھاری کارگزاری دیکھ لیں گے ......۔''

فوائد ومسائل: ① یہ تینوں حضرات کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ ؓ تھے۔ یہ تینوں انتہائی مخلص اور ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر مسلمان تھے۔ قبل ازیں ہر غزوے میں شریک ہوتے رہے لیکن اس غزوے میں صرف سستی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ بعد میں جب انھیں غلطی کا احساس ہوا تو سوچا کہ ایک غلطی تو پیچھے رہنے کی ہو گئی ہے اب منافقین کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جھوٹا عذر پیش کرنے کی غلطی نہیں کریں گے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کر لیا اور اس کی سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا کہ وہی ان کے متعلق کوئی فیصلہ فرمائے گا، تاہم اس دوران میں رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابۂ کرام ؓ کو ان تینوں افراد سے تعلق قائم رکھنے حتی کہ بات چیت کرنے سے روک دیا اور چالیس راتوں کے بعد حکم دیا کہ وہ اپنی بیویوں سے بھی دور رہیں، چنانچہ بیویوں سے بھی علیحدگی عمل میں آ گئی۔ مزید دس دن گزرے تو پچاس دنوں کے بعد ان کی توبہ قبول کر لی گئی،

اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سچائی، راست بازی اور وفاداری کی تعریف بھی فرمائی۔ ② اس سلسلے میں ہم ایک واقعے کا ذکر ضروری خیال کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا ایمان کس قدر مضبوط تھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جن دنوں میرے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی گفتگو بند کی گئی تھی انھی دنوں شام کے عیسائیوں میں سے ایک شخص مجھے ملا اور اس نے شاہ غسان کا خط میرے حوالے کیا اس خط میں لکھا تھا: امابعد! ہم نے سنا ہے کہ تمھارے صاحب نے تم پر تشدد کیا ہے۔ تم ایسے حقیر آدمی نہیں ہو جسے یونہی ضائع کر دیا جائے۔ اگر تم ہمارے پاس آ جاؤ تو ہم تمھاری پوری پوری قدر کریں گے۔ میں نے جب یہ خط پڑھا تو سمجھ گیا کہ یہ ایک دوسری آزمائش مجھ پر نازل ہوئی ہے، چنانچہ میں نے وہ خط فوراً تنور میں جھونک دیا......[1] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہم جیسے دین فروش نہ تھے کہ چند ٹکوں کے عوض اپنا دین فروخت کر دیتے ...... رضی اللہ عنہم اجمعین ......

(١٩) بَابٌ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَكُونُوا مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ﴾ [١١٩]

باب: 19- (ارشاد باری تعالیٰ): ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست باز لوگوں کا ساتھ دو“ کا بیان

وضاحت: یہ آیت کریمہ تینوں حضرات کے واقعے کی روح ہے، یعنی سچائی ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی غلطی نہ صرف معاف فرما دی بلکہ ان کی توبہ کو قرآن کا حصہ بنا دیا، اس لیے اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس دل کے اندر تقویٰ ہو گا وہ سچا بھی ہو گا اور جو جھوٹا ہو گا، سمجھ لو کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ درج ذیل حدیث میں سچ بولنے کی فضیلت اور اس کا فائدہ بیان کیا گیا ہے۔

٤٦٧٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ قِصَّةِ تَبُوكَ: فَوَاللهِ مَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَبْلَاهُ اللهُ فِي صِدْقِ الْحَدِيثِ أَحْسَنَ مِمَّا أَبْلَانِي، مَا تَعَمَّدْتُ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى يَوْمِي هٰذَا كَذِبًا، وَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ: ﴿لَقَد تَّابَ ٱللَّهُ عَلَى

[4678] حضرت عبداللہ بن کعب سے روایت ہے، جو حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر انھیں چلایا کرتے تھے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، جب آپ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے تو اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے: ”اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو سچ کہنے کی توفیق دے کر اس پر اتنا بڑا احسان کیا ہو جتنا کہ مجھ پر کیا۔ میں نے اس وقت سے لے کر آج تک قصداً کبھی جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ نے اسی باب میں یہ آیات نازل فرمائیں: لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ ...... وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ.

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4418.

﴿ٱلنَّبِيِّ وَٱلْمُهَٰجِرِينَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ﴾ [١١٧-١١٩]. [راجع: ٢٧٥٧]

فوائد و مسائل: ① حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو سچائی کی وجہ سے یہ صلہ ملا کہ ان کی توبہ کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سچائی کے متعلق فرمایا ہے: ''تم سچائی کو اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کا متلاشی رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور گناہ، جہنم کا راستہ دکھاتے ہیں۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا طلبگار رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''[1] ② ایک روایت میں ہے: ''بے شک سچ نیکی ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور بے شک جھوٹ گناہ ہے اور گناہ جہنم کی راہ دکھاتا ہے۔''[2] ہمیں چاہیے کہ ہم ہمیشہ سچائی کے متلاشی رہیں۔ واللہ المستعان.

(٢٠) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ الْآيَةَ [١٢٩]

باب: 20- ارشاد باری تعالیٰ: ''تمھارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمھاری جنس سے ہیں، تمھاری تکلیف ان پر بہت گراں گزرتی ہے......'' کا بیان

مِنَ الرَّأْفَةِ.

لفظ رَءُوف، رَأْفَةٌ سے ماخوذ ہے۔

وضاحت: اللہ کی طرف سے اس امت کو ایسا رسول ملا ہے جو انتہائی مہربان ہے۔ امت کی ہر تکلیف اور مشقت اس پر بہت گراں گزرتی ہے۔ اسے اس امت کا جہنم میں جانا انتہائی ناپسند ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں، تمھاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں لیکن تم مجھ سے دامن چھڑا کر زبردستی جہنم کی آگ میں گھسنے کی کوشش کرتے ہو۔''[3] اگرچہ آپ رحمۃ اللعالمین تھے، تاہم اہل ایمان کے تو بہت زیادہ ہمدرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے آپ کی دو صفات کو ایک جگہ ذکر کیا ہے ایک رؤف اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا دل کسی پر مصیبت یا سختی دیکھ کر فوراً پسیج جائے اور اسے ترس آنے لگے۔ دوسرے رحیم، اس کا تعلق تو ہر طرح کے حالات میں یکساں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے تو آپ سخت بے قرار ہو جاتے تھے۔ قرآن نے آپ کی اس صفت کو متعدد مرتبہ بیان کیا ہے۔

٤٦٧٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

[4679] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ

---

1. صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6094. ② صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، حديث: 6638 (2607). ③ صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6483.

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ السَّبَّاقِ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ مِمَّنْ يَكْتُبُ الْوَحْيَ قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ وَعِنْدَهُ عُمَرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ: إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِالنَّاسِ، وَإِنِّي أَخْشٰى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ فِي الْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنْ تَجْمَعُوهُ، وَإِنِّي لَأَرٰى أَنْ تَجْمَعَ الْقُرْآنَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: قُلْتُ لِعُمَرَ: كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ فَقَالَ عُمَرُ: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي فِيهِ حَتّٰى شَرَحَ اللهُ لِذٰلِكَ صَدْرِي وَرَأَيْتُ الَّذِي رَأٰى عُمَرُ.

وحی لکھا کرتے تھے، انھوں نے فرمایا: جنگ یمامہ میں بہت سے صحابہ شہید ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا۔ آپ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (مجھ سے) فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا: جنگ یمامہ میں بہت زیادہ مسلمان شہید ہو گئے ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر مختلف مقامات پر اسی طرح قراء صحابہ شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بہت حصہ ضائع ہو جائے گا۔ اب تو ایک ہی صورت ہے کہ آپ قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرا دیں اور میری رائے تو یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کو جمع کرنے کا کام ضرور کر دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میں ایسا کام کیونکر کر سکتا ہوں جو خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو محض ایک نیک کام ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس معاملے میں بات کرتے رہے، آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے لیے میرا بھی سینہ کھول دیا اور میری بھی رائے وہی ہو گئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی۔

قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: وَعُمَرُ عِنْدَهُ جَالِسٌ لَا يَتَكَلَّمُ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ وَلَا نَتَّهِمُكَ، كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ، فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفَنِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ النَّبِيُّ ﷺ؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ أَزَلْ أُرَاجِعُهُ حَتّٰى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ اللهُ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ،

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں خاموش بیٹھے ہوئے تھے، تاہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: تم جوان ہمت اور سمجھ دار ہو، ہمیں تم پر کسی قسم کا شبہ بھی نہیں اور تم رسول اللہ ﷺ کی وحی بھی لکھا کرتے تھے، اس لیے تم ہی قرآن مجید کو جا بجا تلاش کر کے اسے جمع کر دو۔ اللہ کی قسم! اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے کوئی پہاڑ اٹھا لانے کو کہتے تو یہ میرے لیے اتنا گراں نہ ہوتا جتنا قرآن مجید کی جمع و ترتیب کا حکم مشکل تھا۔ میں نے عرض کی: آپ دونوں حضرات ایک ایسا کام کرنے پر کس طرح آمادہ ہو گئے ہیں

فَقُمْتُ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ وَالْعُسُبِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ حَتّٰى وَجَدْتُّ مِنْ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم﴾ إِلٰى آخِرِهَا. وَكَانَتِ الصُّحُفُ الَّتِي جُمِعَ فِيهَا الْقُرْآنُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللهُ، ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللهُ، ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ.

جسے خود نبی ﷺ نے نہیں کیا تھا؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ ایک نیک کام ہے۔ پھر میں ان سے اس مسئلے کے متعلق بحث و تکرار کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے لیے میرا سینہ بھی کھول دیا جس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شرح صدر فرمایا تھا، چنانچہ میں اٹھا اور کھال، ہڈی اور کھجور کی شاخوں سے قرآن مجید جمع کرنا شروع کر دیا اور لوگوں کے حافظے سے بھی مدد لی، حتی کہ سورۂ توبہ کی دو آیات حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پائیں۔ وہ ان کے علاوہ اور کسی کے پاس (لکھی ہوئی) نہ تھیں اور وہ یہ ہیں: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ...... وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ وہ اوراق جن میں قرآن جمع کیا گیا تھا وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی، پھر عمر فاروق کے پاس رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فوت کر لیا۔ پھر وہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس رہے۔

تَابَعَهُ عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، وَاللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ.

عثمان بن عمر اور لیث نے یونس کے ذریعے سے ابن شہاب سے روایت کرنے میں شعیب کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ: مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ.

لیث نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن خالد نے، ابن شہاب سے خبر دی اور کہا: ابوخزیمہ انصاری کے پاس وہ آیات تھیں۔

وَقَالَ مُوسٰى عَنْ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ: مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ.

موسیٰ نے ابراہیم سے بیان کیا، انھوں نے ابن شہاب سے خبر دی اور کہا کہ ابوخزیمہ کے پاس تھیں۔

وَتَابَعَهُ يَعْقُوبُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ.

یعقوب بن ابراہیم نے اپنے باپ سے بیان کرنے میں موسیٰ کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ أَبُو ثَابِتٍ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، وَقَالَ: مَعَ خُزَيْمَةَ، أَوْ أَبِي خُزَيْمَةَ. [راجع: ٢٨٠٧]

ابو ثابت نے کہا: ہمیں ابراہیم نے خبر دی اور کہا: وہ آیات خزیمہ یا ابوخزیمہ کے پاس تھیں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سورۂ توبہ کی آخری دو آیات تحریری شکل میں صرف حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملیں۔ زبانی طور پر سب کو یاد تھیں، البتہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ایسے لکھے ہوئے کی تلاش تھی جو نزول آیات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کے ذریعے سے محفوظ کیا تھا۔ ② سورۂ توبہ کی آخری دو آیات حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملیں یا ابوخزیمہ کے پاس سے، اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سورۂ توبہ کی آخری دو آیات تو حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملیں جو جنگ بدر میں شریک تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں وفات پائی اور سورۃ الاحزاب کی آیت: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ......﴾ حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملی جن کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے برابر قرار دیا تھا۔[1] روایات میں اگرچہ اختلاف ہے، تاہم ترجیح کی وہ صورت جو ہم نے بیان کی ہے قابل اعتبار ہے۔

(١٠) سُورَةُ يُونُسَ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — 10- تفسیر سورۂ یونس

(١) [بَابٌ]: — باب: 1- بلاعنوان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿فَاخْتَلَطَ﴾ [٢٤]: فَنَبَتَ بِالْمَاءِ مِنْ كُلِّ لَوْنٍ. وَ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ [٦٨]. وَقَالَ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ: ﴿أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ﴾ [٢]: مُحَمَّدٌ ﷺ؛ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: خَيْرٌ. يُقَالُ: ﴿تِلْكَ آيَاتُ﴾ [١]، يَعْنِي: هٰذِهِ أَعْلَامُ الْقُرْآنِ؛ وَمِثْلُهُ: ﴿حَتَّى إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم﴾ [٢٢] اَلْمَعْنَى: بِكُمْ. ﴿دَعْوَاهُمْ﴾ [١٠]: دُعَاؤُهُمْ. ﴿أُحِيطَ بِهِمْ﴾ [٢٢]: دَنَوْا مِنَ الْهَلَكَةِ: ﴿وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ﴾ [البقرة: ٨١]. فَاتَّبَعَهُمْ وَأَتْبَعَهُمْ وَاحِدٌ. ﴿عَدْوًا﴾ [٩٠]: مِنَ الْعُدْوَانِ. وَقَالَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فَاخْتَلَطَ: اللہ تعالیٰ نے پانی کے ذریعے سے مختلف قسم کی نباتات پیدا فرمائیں۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ: لوگوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ وہ تو پاک ہے اور بے نیاز ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ: ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لیے حقیقی مقام و مرتبہ ہے۔ قَدَمَ صِدْقٍ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جبکہ امام مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق خیر ہے۔ تِلْكَ آيَاتُ کے معنی ہیں: یہ قرآن کی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح حَتّٰی اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَ جَرَيْنَ بِهِمْ میں بِهِمْ سے مراد بِكُمْ ہے، یعنی غائب سے حاضر مراد ہے۔ دَعْوَاهُمْ سے مراد ان کی

---

[1] فتح الباري: 437/8.

مُجَاهِدٌ: ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ﴾ [١١]: قَوْلُ الْإِنْسَانِ لِوَلَدِهِ وَمَالِهِ إِذَا غَضِبَ: اَللّٰهُمَّ لَا تُبَارِكْ فِيهِ وَالْعَنْهُ. ﴿لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ﴾ لَأَهْلَكَ مَنْ دُعِيَ عَلَيْهِ وَلَأَمَاتَهُ. ﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ﴾ [٢٦] بِهِ مِثْلُهَا حُسْنٰى. ﴿وَزِيَادَةٌ﴾ [٢٦]: مَغْفِرَةٌ وَرِضْوَانٌ وَقَالَ غَيْرُهُ: اَلنَّظَرُ إِلٰى وَجْهِهِ. ﴿الْكِبْرِيَاءُ﴾ [٧٨]: الْمُلْكُ.

دعا ہے۔ اُحِيْطَ بِهِمْ، یعنی وہ ہلاکت و بربادی کے قریب آ گئے۔ وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْئَتُهٗ، یعنی گناہوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ فَاَتْبَعَهُمْ اور اَتْبَعَهُمْ کے ایک ہی معنی ہیں۔ عَدْوًا یہ عدوان سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: سرکشی کرتے ہوئے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں: وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ سے مراد یہ ہے کہ غصے کے وقت آدمی اپنی اولاد اور اپنے مال کے بارے میں کہتا ہے کہ اے اللہ! اس میں برکت نہ دے اور اسے اپنی رحمت سے دور رکھ۔ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ، تو وہ اسے ہلاک کر دیتا جس پر بددعا کی تھی اور اسے موت دے دیتا۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى: جن لوگوں نے اچھے کام کیے ان کے لیے ویسا ہی اچھا بدلہ ہوگا۔ وَ زِيَادَةٌ سے مراد اللہ کی بخشش اور اس کی رضامندی ہے۔ امام مجاہد کے علاوہ دوسروں نے اس (زِيَادَةٌ) سے مراد اللہ کا دیدار لیا ہے۔ اَلْكِبْرِيَاءُ سے مراد اللہ کی سلطنت اور بادشاہی ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے، سیاق و سباق کے پیش نظر کسی بھی مستند تفسیر سے اس کی مزید تشریح دیکھی جا سکتی ہے۔

(٢) بَابٌ: ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ [٩٠]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار گزار دیا تو فرعون اور اس کے لشکروں نے از راہ ظلم و سرکشی ان کا تعاقب کیا حتی کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بولا: میں اس بات پر ایمان لاتا ہوں کہ الٰہ وہی ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں اس کا فرمانبردار ہوں" کا بیان

﴿نُنَجِّيكَ﴾ [٩٢]: نُلْقِيكَ عَلٰى نَجْوَةٍ مِنَ

نُنَجِّيْكَ کے معنی ہیں: ہم تیری لاش کو اونچی جگہ پر ڈال

الْأَرْضِ، وَهُوَ النَّشَزُ: اَلْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ. دیں گے۔ نَجْوَةٍ کے معنی ہیں: اَلنَّشَزُ، یعنی بلند مقام۔

وضاحت: اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اب (تو ایمان لاتا ہے) جبکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔ آج تو ہم تیری لاش کو بچالیں گے تاکہ تو بعد میں آنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بنے اگرچہ اکثر لوگ ہماری آیات سے غفلت ہی برتتے ہیں۔''[1] سیدنا حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ جب فرعون نے یہ کلمات کہے تو جبریل نے کہا: ''اے محمد! کاش، آپ دیکھتے، میں نے اس وقت دریا سے کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونس دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو اسے اللہ کی رحمت آ لے۔''[2]

٤٦٨٠ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَالْيَهُودُ تَصُومُ عَاشُورَاءَ فَقَالُوا: هٰذَا يَوْمٌ ظَهَرَ فِيهِ مُوسٰى عَلٰى فِرْعَوْنَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: «أَنْتُمْ أَحَقُّ بِمُوسٰى مِنْهُمْ فَصُومُوا». [راجع: ٢٠٠٤]

[4680] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود مدینہ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں حضرت موسیٰ ؑ کو فرعون پر فتح ملی تھی۔ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''تم لوگ حضرت موسیٰ ؑ سے ان کی نسبت زیادہ تعلق دار ہو، اس لیے تم بھی روزہ رکھو۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کی ایک دوسری سند میں ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ ؑ کو نجات دی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا تو موسیٰ ؑ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس دن کا روزہ رکھا۔[3] ② رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد یہود کی مشابہت سے بچنے کے لیے یوم عاشوراء کے ساتھ ایک مزید روزہ رکھنے کا حکم فرمایا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ رمضان المبارک کے بعد یوم عاشوراء کی فرضیت تو منسوخ ہوگئی، البتہ استحباب باقی ہے۔ واللہ أعلم. ③ چونکہ آیت میں فرعون کے غرق ہونے کا ذکر تھا اور حدیث میں اس کی مناسبت سے روزے کا بیان ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے آیت کریمہ کے ذیل میں مذکورہ حدیث کو بیان کیا ہے۔ ④ واضح رہے کہ فرعون کی لاش نہ تو سمندر میں ڈوب کر معدوم ہوئی اور نہ وہ مچھلیوں ہی کی خوراک بنی بلکہ اس کے ڈوب جانے کے بعد سمندر میں ایک لہر اٹھی جس نے اس کی لاش کو سمندر کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر پھینک دیا تاکہ باقی لوگ فرعون کا لاشہ دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ جو بادشاہ خود کو أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى کہتا تھا بالآخر اس کا انجام کیا ہوا۔ ⑤ جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ اس کی لاش آج تک محفوظ ہے اور قاہرہ کے عجائب خانے میں پڑی ہے، جس پر سمندری نمک کی تہہ جمی ہوئی ہے جو اسے پرانا ہونے اور گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتی ہے، تاہم الفاظ قرآنی کی صحت اس امر پر موقوف نہیں کہ اس کی لاش قیامت تک محفوظ رہے۔

① يونس 10:91، 92. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3107. ③ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3397.

(۱۱) سُورَةُ هُودٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 11- تفسیر سورۂ ہود

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿عَصِيبٌ﴾ [٧٧] شَدِيدٌ ﴿لَا جَرَمَ﴾ [٢٢]: بَلَى. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿وَحَاقَ﴾ نَزَلَ ﴿يَحِيقُ﴾ [فاطر: ٤٣] يَنْزِلُ. يَؤُوسٌ: فَعُولٌ مِنْ يَئِسْتُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿تَبْتَئِسْ﴾ [٣٦] تَحْزَنْ ﴿يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ﴾ [٥] شَكٌّ وَامْتِرَاءٌ فِي الْحَقِّ. ﴿لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ﴾ مِنَ اللهِ إِنِ اسْتَطَاعُوا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عَصِيْبٌ کے معنی ہیں: شدید، یعنی سخت۔ لَا جَرَمَ کے معنی ہیں: کیوں نہیں؟ یعنی ضرور ہے۔ ان کے علاوہ دوسروں نے کہا: حَاقَ کے معنی ہیں: نَزَلَ، یعنی اتر پڑا۔ يَحِيْقُ بھی اس سے ہے، یعنی اترتا ہے۔ يَؤُوْسٌ فَعُوْل کے وزن پر يَئِسْتُ سے مأخوذ ہے، یعنی ناامید ہونا۔ مجاہد نے کہا: تَبْتَئِسْ، یعنی غم نہ کر۔ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ حق بات میں شک وشبہ کرتے ہیں۔ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ اگر ہو سکے تو خود کو اللہ سے چھپا لیں۔

وَقَالَ أَبُو مَيْسَرَةَ: اَلْأَوَّاهُ: اَلرَّحِيمُ بِالْحَبَشِيَّةِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿بَادِيَ الرَّأْيِ﴾ [٢٧]: مَا ظَهَرَ لَنَا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿الْجُودِيِّ﴾ [٤٤]: جَبَلٌ بِالْجَزِيرَةِ. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ﴾ [٨٧]: يَسْتَهْزِؤُنَ بِهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أَقْلِعِي﴾ [٤٤]: أَمْسِكِي. ﴿عَصِيبٌ﴾ [٧٧]: شَدِيدٌ. ﴿لَا جَرَمَ﴾ [٢٢]: بَلَى. ﴿وَفَارَ التَّنُّورُ﴾ [٤٠]: نَبَعَ الْمَاءُ؛ وَقَالَ عِكْرِمَةُ: وَجْهُ الْأَرْضِ.

ابو میسرہ نے کہا: اَلْأَوَّاهُ حبشی زبان میں مہربان کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَادِيَ الرَّأْيِ کے معنی ہیں: سرسری نظر سے جو ہمیں معلوم ہوا۔ مجاہد نے کہا: اَلْجُوْدِيِّ جزیرہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ حضرت حسن نے کہا: اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ واقعی تو ہی باوقار (نیک چلن) ہے۔ کفار بطور استہزاء اور مذاق کہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَقْلِعِيْ کے معنی ہیں: تھم جا۔ عَصِيْبٌ کے معنی ہیں: شدید، سخت۔ لَا جَرَمَ: کیوں نہیں، ضرور۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ: پانی پھوٹ پڑا۔ حضرت عکرمہ نے کہا: تَنُّور سے مراد روئے زمین ہے۔

(١) بَابٌ: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ [٥]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”دیکھو، جب یہ لوگ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپے رہیں اور جب یہ اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں، وہ سب کچھ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کیونکہ وہ سینوں کے راز تک جاننے والا ہے“ کا بیان

وضاحت: اس آیت کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کے علم محیط کی وسعت کو بیان کرنا ہے کہ وہ کھلی اور پوشیدہ چیزوں کے علاوہ دلوں کے رازوں اور ان میں چھپے ارادوں تک سے بھی واقف ہے مگر اس کے ابتدائی جملوں کی تفسیر میں مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے کیونکہ اس کی شان نزول میں بہت اختلاف ہے، تاہم ہمارا رجحان یہ ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غلبۂ حیا کی وجہ سے قضائے حاجت اور بیوی سے ہم بستری کے وقت برہنہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اس لیے وہ ایسے موقعوں پر شرم گاہ چھپانے کے لیے اپنے سینوں کو دوہرا کر لیتے تھے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٦٨١ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَبَّاحٍ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ: (أَلَا إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ) قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ: أُنَاسٌ كَانُوا يَسْتَخْفُونَ أَنْ يَتَخَلَّوْا فَيُفْضُوا إِلَى السَّمَاءِ، وَأَنْ يُجَامِعُوا نِسَاءَهُمْ فَيُفْضُوا إِلَى السَّمَاءِ، فَنَزَلَ ذٰلِكَ فِيهِمْ.

[4681] محمد بن عباد بن جعفر سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابن عباس ﷠ کو سنا: وہ آیت کی قراءت اس طرح کرتے تھے: أَلَآ إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ. میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: کچھ لوگ اس میں شرم کرنے لگے کہ آسمان کی طرف اپنا ستر کھول کر قضائے حاجت کریں اور شرماتے تھے کہ ستر کھول کر اپنی بیویوں سے جماع کریں تو ایسے لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

٤٦٨٢ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ. وَأَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَرَأَ: (أَلَا إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ)، قُلْتُ: يَا أَبَا الْعَبَّاسِ! مَا تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ؟ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ يُجَامِعُ امْرَأَتَهُ فَيَسْتَحِي أَوْ يَتَخَلّٰى فَيَسْتَحِي، فَنَزَلَتْ: ﴿أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ﴾.

[4682] محمد بن عباد ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابن عباس ﷠ اس طرح قراءت کرتے تھے: أَلَآ إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُوْرُهُمْ. محمد بن عباد نے پوچھا: اے ابوالعباس! تَثْنَوْنِي صُدُوْرُهُمْ کا کیا مطلب ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: کچھ لوگ اپنی بیویوں سے ہم بستری کرنے میں حیا اور قضائے حاجت کرتے وقت بھی شرم کرتے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ.

٤٦٨٣ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ: قَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ﴾. وَقَالَ غَيْرُهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿يَسْتَغْشُونَ﴾: يُغَطُّونَ رُءُوسَهُمْ. ﴿سِيءَ

[4683] حضرت عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس ﷠ نے اس آیت کی قراءت اس طرح کی تھی: أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ أَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ. عمرو بن دینار کے علاوہ دوسروں نے حضرت ابن عباس ﷠ سے بیان کیا کہ يَسْتَغْشُوْنَ کے

بِهِمْ﴾: سَاءَ ظَنُّهُ بِقَوْمِهِ. ﴿وَضَاقَ بِهِمْ﴾ [٧٧]: بِأَضْيَافِهِ. ﴿بِقِطْعٍ مِّنَ ٱلَّيْلِ﴾ [٨١]: بِسَوَادٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أُنِيبُ﴾ [٨٨]: أَرْجِعُ.

معنی ہیں: وہ اپنے سروں کو چھپا لیتے ہیں: سِيئَ بِهِمْ: وہ اپنی قوم سے بدگمان ہوئے۔ وَضَاقَ بِهِمْ: اور وہ اپنے مہمانوں کی وجہ سے بہت پریشان اور دل گرفتہ ہوئے۔ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ کے معنی ہیں: رات کی سیاہی میں۔ مجاہد نے کہا: أُنِيبُ کے معنی ہیں: میں رجوع کرتا ہوں۔

فوائد ومسائل: ① ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمھیں بوقت ضرورت بدن کھولنے میں اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے اور اس طرح جھکے جاتے ہو تو کیا جس وقت تم کپڑے اتارتے اور پہنتے ہو تو اس وقت تمھارا ظاہر اور باطن اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں ہوتا؟ جب انسان اللہ تعالیٰ سے کسی وقت بھی چھپ نہیں سکتا تو پھر ضرورت بشریہ سے متعلق اس قدر تشدد سے کام لینا درست نہیں، تمھارا شرم وحیا کا جذبہ اپنی جگہ بہت اچھا ہے لیکن اس میں غلو صحیح نہیں، اس لیے کہ جس ذات کی خاطر وہ ایسا کرتے ہیں اس سے تو پھر بھی وہ نہیں چھپ سکتے تو پھر اس طرح کے تکلفات کا کیا فائدہ؟ ② واضح رہے کہ مشہور قراءت ﴿يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ﴾ ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے تَثْنَوْنِي صُدُوْرُهُمْ پڑھا ہے۔ اسے علم قراءت میں ''قراءۃ شاذۃ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُۥ عَلَى ٱلْمَآءِ﴾ [٧]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اس کا عرش پانی پر تھا'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا مفہوم حسب ذیل ہے: ''وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔''[1] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی پیدا کیا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہے: ''اللہ تھا اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔ اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی۔''[2]

٤٦٨٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ، وَقَالَ: يَدُ اللهِ مَلْأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ». وَقَالَ: «أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ

[4684] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (آدم کے بیٹے!) تو خرچ کر، میں بھی تجھ پر خرچ کروں گا۔ مزید فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن مسلسل خرچ کرنے سے بھی اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔'' فرمایا: ''تم نے دیکھا نہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے

[1] هود 11: 7. [2] صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7418.

السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ». [انظر: ٥٣٥٢، ٧٤٩٦]

مسلسل خرچ کیے جا رہا ہے اس کے باوجود جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس میں کمی نہیں آئی۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کے ہاتھ میں میزان عدل ہے جسے وہ جھکاتا اور اٹھاتا ہے۔"

﴿اعْتَرَاكَ﴾ [٥٤]: افْتَعَلَكَ، مِنْ عَرَوْتُهُ أَيْ: أَصَبْتُهُ، وَمِنْهُ يَعْرُوهُ وَاعْتَرَانِي. ﴿ءَاخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَآ﴾ [٥٦]: أَيْ: فِي مُلْكِهِ وَسُلْطَانِهِ. ﴿عَنِيدٍ﴾ [٥٩]: وَعَنُودٌ وَعَانِدٌ وَاحِدٌ، هُوَ تَأْكِيدُ التَّجَبُّرِ. ﴿وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ﴾ [١٨]: وَاحِدُهُ شَاهِدٌ؛ مِثْلُ: صَاحِبٍ وَأَصْحَابٍ. ﴿اسْتَعْمَرَكُمْ﴾ [٦١]: جَعَلَكُمْ عُمَّارًا؛ أَعْمَرْتُهُ الدَّارَ فَهِيَ عُمْرَى: جَعَلْتُهَا لَهُ. ﴿نَكِرَهُمْ﴾ [٧٠]: وَأَنْكَرَهُمْ وَاسْتَنْكَرَهُمْ وَاحِدٌ. ﴿حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ [٧٣]: كَأَنَّهُ فَعِيلٌ مِنْ مَاجِدٍ - مَحْمُودٌ: مِنْ حَمِدَ - ﴿سِجِّيلٍ﴾ [٨٢]: اَلشَّدِيدِ الْكَبِيرِ، سِجِّيلٌ وَسِجِّينٌ وَاحِدٌ، وَاللَّامُ وَالنُّونُ أُخْتَانِ؛ وَقَالَ تَمِيمُ بْنُ مُقْبِلٍ:

وَرَجْلَةٍ يَضْرِبُونَ الْبَيْضَ ضَاحِيَةً
ضَرْبًا تَوَاصَى بِهِ الْأَبْطَالُ سِجِّينَا

اِعْتَرَاكَ باب افتعال ہے۔ عَرَوْتُهُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: میں نے اس کو مبتلائے مصیبت کیا۔ يَعْرُوْهُ اور اِعْتَرَانِیْ بھی اسی سے ہے۔ آخِذٌ بِنَا صِيَتِهَا: تمام چلنے والوں کی چوٹی اس کے ہاتھ میں ہے، یعنی سب اس کے قبضے اور اس کی حکومت میں ہیں۔ عَنِيْد، عَنُود اور عَانِد سب کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی سرکش اور مخالف۔ یہ جَبَّار کی تاکید ہے۔ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ اور گواہ (فرشتے) کہیں گے۔ اشھاد کی واحد شاھد ہے جس طرح اصحاب کی واحد صاحب ہے۔ اِسْتَعْمَرَكُمْ: تمھیں آباد کیا۔ عرب کہتے ہیں: أَعْمَرْتُهُ الدَّارَ فَهِيَ عُمْرٰى، یعنی میں نے یہ گھر اس کو عمر بھر کے لیے دے دیا، یہ عمریٰ ہے، یعنی اس کے لیے ہبہ ہے۔ نَكِرَهُمْ، اَنْكَرَهُمْ اور اِسْتَنْكَرَهُمْ کے معنی ایک ہی ہیں، یعنی حضرت ابراہیم نے ان فرشتوں کو اجنبی خیال کیا۔ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ، حَمِيد فعیل کے وزن پر ہے، بمعنی محمود۔ یہ حَمِدَ سے ماخوذ ہے اور مَجِيد فعیل بمعنی فاعل ہے، اس کے معنی ہیں مَاجِد، یعنی کرم کرنے والا۔ سِجِّيْل اور سِجِّيْن دونوں کے معنی ایک ہیں، یعنی بڑا اور سخت۔ لام اور نون دونوں بہنیں ہیں، (ایک دوسرے سے بدل جاتی ہیں) جیسا کہ تمیم بن مقبل شاعر نے کہا ہے: "بہت سے پیدل چلنے والے چاشت کے وقت سروں پر ایسی مار مارتے ہیں کہ بہادر اور سخت آدمی اس کی وصیت کرتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی طرح کا ایک عنوان کتاب التوحید میں بھی قائم کیا ہے۔ وہاں مقصود عرش باری تعالیٰ کا اثبات اور اللہ تعالیٰ کے اس پر مستوی ہونے کو ثابت کرنا ہے، نیز ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ایک مخلوق اور اس کا پیدا

کیا ہوا ہے۔ اس مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت بھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ یہ پانی کہاں تھا؟ کیا یہ پانی وہی معروف ہے جسے ہم استعمال کرتے ہیں یا کوئی اور مائع قسم کا مادہ تھا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اور انھیں سمجھنے کے ہم مکلف بھی نہیں ہیں، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ ② عرش اس تخت کو کہتے ہیں جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے، نیز عربی زبان میں گھر کی چھت کے لیے بھی لفظ عرش استعمال ہوا ہے، اس اعتبار سے اللہ کا عرش اپنے اندر دو معانی رکھتا ہے: * وہ اللہ ذوالجلال کا محل استواء ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ * وہ تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔ اس کی مکمل بحث کتاب التوحید میں ذکر ہوگی۔ بإذن الله تعالىٰ.

(٣) [بَابٌ]:

﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾: أَيْ: إِلَى أَهْلِ مَدْيَنَ لِأَنَّ مَدْيَنَ بَلَدٌ؛ وَمِثْلُهُ: ﴿وَسْـَٔلِ ٱلْقَرْيَةَ﴾ [يوسف:٨٢]، وَاسْأَلِ الْعِيرَ يَعْنِي أَهْلَ الْقَرْيَةِ وَالْعِيرِ. ﴿وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا﴾ [٩٢]: يَقُولُ: لَمْ تَلْتَفِتُوا إِلَيْهِ، وَيُقَالُ - إِذَا لَمْ يَقْضِ الرَّجُلُ حَاجَتَهُ -: ظَهَرْتَ لِحَاجَتِي وَجَعَلْتَنِي ظِهْرِيًّا؛ وَالظِّهْرِيُّ هَاهُنَا: أَنْ تَأْخُذَ مَعَكَ دَابَّةً أَوْ وِعَاءً تَسْتَظْهِرُ بِهِ. ﴿أَرَاذِلُنَا﴾ [٢٧]: سُقَّاطُنَا. ﴿إِجْرَامِى﴾ [٣٥]: هُوَ مَصْدَرٌ مِنْ أَجْرَمْتُ، وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ: جَرَمْتُ. ﴿ٱلْفُلْكَ﴾ [٣٧]: وَالْفُلْكُ وَاحِدٌ وَهِيَ: السَّفِينَةُ وَالسُّفُنُ. (مُجْرَاهَا) مَدْفَعُهَا، وَهُوَ مَصْدَرُ أَجْرَيْتُ. وَأَرْسَيْتُ: حَبَسْتُ. وَيُقْرَأُ: (وَمَجْرَاهَا): مِنْ جَرَتْ هِيَ. وَمَرْسَاهَا، مِنْ رَسَتْ [هِيَ]، وَ(مُجْرِيهَا وَمُرْسِيهَا)، مِنْ فُعِلَ بِهَا. الرَّاسِيَاتُ: ثَابِتَاتٌ.

باب: 3- بلاعنوان

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا میں مدین سے مراد اہل مدین ہیں کیونکہ مدین تو ایک شہر کا نام ہے اور اسی طرح وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ اور وَسْئَلِ الْعِيرَ ہے، یعنی اس سے مراد اہل قریہ اور اہل عیر ہیں، یعنی ان دونوں مثالوں میں بھی مضاف محذوف ہے۔ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا: تم نے پس پشت ڈال دیا، یعنی اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ جب کوئی کسی کی ضرورت کو پورا نہ کرے تو عرب لوگ کہتے ہیں: ظَهَرْتَ لِحَاجَتِي وَجَعَلْتَنِي ظِهْرِيًّا، یعنی میری ضرورت کو پس پشت ڈال دیا اور مجھے پیٹھ پیچھے کر دیا اور ظِهْرِي یہاں اس مفہوم کے لیے آیا ہے کہ کوئی اپنے ساتھ جانور یا برتن لے تا کہ ضرورت کے وقت اس سے مدد حاصل کرے۔ اَرَاذِلُنَا سے مراد گرے پڑے لوگ ہیں۔ اِجْرَامِي یہ أَجْرَمْتُ، یعنی باب افعال کا مصدر ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے: یہ جَرَمْتُ، یعنی ثلاثی مجرد سے ہے۔ اَلْفُلْكَ، فُلك جمع اور مفرد دونوں کے لیے آتا ہے، یعنی ایک کشتی اور کئی کشتیوں کو فلک ہی کہا جاتا ہے۔ مُجْرَاهَا بمعنی مَدْفَعُهَا ہے: اس کا چلانا۔ یہ أَجْرَيْتُ کا مصدر (میمی) ہے۔ أَرْسَيْتُ بمعنی حَبَسْتُ ہے، اس کی دوسری قراءت مَجْرَاهَا ہے اور یہ

جَرَتْ سے مصدر (میمی) ہے۔ وَمُرْسَاهَا یہ رَسَتْ کا مصدر (میمی) ہے، یعنی اس کا چلنا اور لنگر انداز ہونا۔ تیسری قراءت مُجْرِيْهَا وَمُرْسِيْهَا ہے۔ اسم فاعل، یعنی اسے چلانے والا اور لنگر انداز کرنے والا۔ اَلرَّاسِيَاتُ اس کے معنی ثَابِتَاتٌ ہیں، یعنی ایک جگہ قائم اور ثابت رہنے والی دیگیں۔

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی بلکہ چند الفاظ کی لغوی تشریح پر اکتفا کیا ہے اور آخری لفظ "اَلرَّاسِيَاتُ" اس میں نہیں بلکہ سورۂ سبا میں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "مُرْسَاهَا" کی مناسبت سے ذکر کر دیا ہے کیونکہ دونوں کا مادہ ایک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ مادے کی مناسبت سے دوسری سورتوں کے الفاظ بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا﴾ الْآيَةَ [١٨]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: "اور گواہ کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے (اپنے رب پر) جھوٹ بولا" کا بیان

وَاحِدُ الْأَشْهَادِ شَاهِدٌ؛ مِثْلُ: صَاحِبٍ وَأَصْحَابٍ.

أَشْهَاد، شَاهِدٌ کی جمع ہے جیسا کہ صاحب کی جمع اصحاب آتی ہے۔

وضاحت: یہ گواہ فرشتے اور کراماً کاتبین بھی ہو سکتے ہیں، حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اور عام لوگ بھی۔ اور جب یہ لوگ اپنا جرم تسلیم نہیں کریں گے بلکہ صاف انکار کر دیں گے تو ان کے اعضاء بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے، پھر شہادتوں کی بنیاد پر ان پر فرد جرم عائد کی جائے گی کہ فی الواقع ان لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٦٨٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ وَهِشَامٌ قَالَا: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ قَالَ: بَيْنَا ابْنُ عُمَرَ يَطُوفُ إِذْ عَرَضَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! أَوْ قَالَ: يَا ابْنَ عُمَرَ! هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ فِي النَّجْوٰى؟ فَقَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «يُدْنَى الْمُؤْمِنُ مِنْ رَبِّهِ». وَقَالَ هِشَامٌ: «يَدْنُو

[4685] صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ طواف کر رہے تھے کہ اچانک ایک آدمی سامنے آیا اور ان سے پوچھا: اے ابن عمر! آپ نے سرگوشی کے متعلق نبی ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: "مومن کو اپنے پروردگار کے قریب لایا جائے گا۔ راویٔ حدیث حضرت ہشام نے کہا: مومن قریب ہو گا، یہاں تک کہ پروردگار اس پر اپنا بازو

الْمُؤْمِنُ حَتّٰى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهُ فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ، تَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ يَقُولُ: أَعْرِفُ رَبِّ، يَقُولُ: أَعْرِفُ - مَرَّتَيْنِ - فَيَقُولُ: سَتَرْتُهَا فِي الدُّنْيَا وَأَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ، ثُمَّ تُطْوٰى صَحِيفَةُ حَسَنَاتِهِ، وَأَمَّا الْآخَرُونَ أَوِ الْكُفَّارُ فَيُنَادٰى عَلٰى رُؤُسِ الْأَشْهَادِ: هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلٰى رَبِّهِمْ».

رکھ لے گا، پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرائے گا (اور فرمائے گا:) فلاں گناہ تجھے معلوم ہے؟ مومن کہے گا: اے میرے رب! مجھے معلوم ہے۔ دوبارہ یہی سوال جواب ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرا گناہ چھپائے رکھا اور آج تجھے معاف کرتا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا دفتر لپیٹ دیا جائے گا (اس کو دے دیا جائے گا۔) رہے دوسرے لوگ یا کفار! تو ان کے متعلق بھرے مجمع میں اعلان کر دیا جائے گا: یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا۔

وَقَالَ شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ: حَدَّثَنَا صَفْوَانُ.

[راجع: ٢٤٤١]

شیبان نے اس حدیث کو قتادہ سے نقل کیا ہے، انھوں نے صفوان سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ بندہ جب اپنے گناہوں کا اعتراف کرے گا تو اسے خیال آئے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ اسے گناہوں کی بخشش کی خوشخبری سنائے گا، پھر اس کے ہاتھ میں نیکیوں کا صحیفہ تھما دیا جائے گا۔[1] رہے کافر لوگ جو دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کج روی تلاش کرتے تھے، نیز وہ آخرت کے بھی منکر تھے ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ لوگ زمین میں اللہ کو بے بس کرنے والے نہ تھے اور نہ اللہ کے مقابلے میں ان کا کوئی حامی ہی ہوگا، انھیں دوگنا عذاب دیا جائے گا کیونکہ نہ تو وہ حق بات سننا گوارا کرتے تھے اور نہ خود انھیں کچھ سوجھتا ہی تھا۔''[2] ② انھیں دوگنا عذاب اس لیے دیا جائے گا کہ ایک تو خود گمراہ ہوئے دوسرے یہی گمراہی کی میراث اپنی اولاد کے لیے اور دوسرے پیروکاروں کے لیے چھوڑ گئے جن کے عذاب سے حصہ رسدی ان کے کھاتے میں بھی جمع ہوتا رہا۔ واللّٰه أعلم.

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ ٱلْقُرَىٰ وَهِىَ ظَٰلِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُۥٓ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾ [١٠٢]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اسی طرح جب بھی آپ کا رب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو اس کی گرفت ایسی ہی ہوتی ہے، بلاشبہ اس کی گرفت دُکھ دینے والی اور سخت ہوتی ہے'' کا بیان

﴿ٱلرِّفْدُ ٱلْمَرْفُودُ﴾ [٩٩]: اَلْعَوْنُ الْمُعِينُ، رَفَدْتُهُ: أَعَنْتُهُ. ﴿تَرْكَنُوٓا﴾ [١١٣]: تَمِيلُوا.

اَلرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ کے معنی ہیں: وہ مدد جو بوقت ضرورت کی جائے۔ عرب لوگ کہتے ہیں: رَفَدْتُهُ، یعنی میں نے اس

[1] صحيح البخاري، المظالم، حديث: 2441. [2] هود 11: 20.

﴿فَلَوْلَا كَانَ﴾ [١١٦]: فَهَلَّا كَانَ. ﴿أُتْرِفُوا﴾ [١١٦]: أُهْلِكُوا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ﴾ [١٠٦]: شَدِيدٌ وَصَوْتٌ ضَعِيفٌ.

کی مدد کی۔ تَرْكَنُوْا، یعنی مائل ہو یا جھکو۔ فَلَوْلَا كَانَ کے معنی فَهَلَّا كَانَ ہیں، یعنی: پھر کیوں نہ ہوئے۔ اُتْرِفُوْا کے معنی ہیں: أُهْلِكُوْا، یعنی ہلاک کیے گئے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ، زَفِيْر زوردار آواز اور شَهِيْق کے معنی ہیں: پست آواز۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ ظلم پیشہ لوگوں کو مہلت دیتا ہے اور مہلت سے مقصود تنبیہ اور اتمام حجت دونوں ہوتے ہیں لیکن جب کسی قوم پر اتمام حجت ہو جائے اور تنبیہات بھی کچھ فائدہ مند نہ ہوں تو پھر قہر الٰہی سخت تکلیف دہ اور جان لیوا بن کر نازل ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو ان کا نام ونشان ہی مٹا دیا جاتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

٤٦٨٦ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ»، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ ٱلْقُرَىٰ وَهِيَ ظَٰلِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُۥٓ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾.

[4686] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑ لیتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اور اسی طرح جب بھی آپ کا رب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو اس کی گرفت ایسی ہی ہوتی ہے۔ بلاشبہ اس کی گرفت بہت تکلیف دہ اور سخت ہوتی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث اور مذکورہ آیت سے اللہ تعالیٰ کی سنت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل ظلم کا ضرور مؤاخذہ کرتا ہے، اس سلسلے میں دیر تو ہو سکتی ہے لیکن اندھیر نہیں ہوتا، لہٰذا ظلم پیشہ لوگوں کو اپنے انجام سے ڈرتے رہنا چاہیے اور دوسرے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ ظلم پیشہ لوگوں کا ساتھ نہ دیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور تم لوگ ان کی طرف مت جھکو جو ظلم کرنے والے ہیں، ورنہ جہنم کی آگ تمھیں پکڑے گی پھر اللہ کے علاوہ تمھارا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور نہ تمھاری مدد کی جائے گی۔''[1] ② یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر قسم کے ظالموں کو شامل ہے، خواہ وہ مشرک ہوں یا فاسق و فاجر، بہر حال ظلم کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ اس سے عقل مند انسان کو اجتناب کرنا چاہیے۔

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ طَرَفَيِ ٱلنَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ ٱلَّيْلِ ۚ إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ﴾ ٱلْآيَةَ [١١٤]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور آپ دن کے دونوں اطراف میں اور کچھ رات گئے نماز پڑھیں۔ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں'' کا بیان

① هود 11:113.

﴿وَزُلَفًا﴾: سَاعَاتٍ بَعْدَ سَاعَاتٍ، وَمِنْهُ سُمِّيَتِ الْمُزْدَلِفَةُ؛ الزُّلَفُ: مَنْزِلَةٌ بَعْدَ مَنْزِلَةٍ؛ وَأَمَّا ﴿زُلْفَىٰ﴾ [الزمر:٣] فَمَصْدَرٌ مِنَ الْقُرْبٰى؛ اِزْدَلَفُوا: اِجْتَمَعُوا؛ ﴿أَزْلَفْنَا﴾ [الشعراء:٦٤]: جَمَعْنَا.

وَزُلَفًا کے معنی ہیں: یکے بعد دیگرے آنے والی گھڑیاں۔ اور اسی سے مزدلفہ کا نام رکھا گیا ہے کیونکہ یہاں یکے بعد دیگرے لوگ پہنچتے رہتے ہیں۔ اور زلف منزل بعد منزل کو کہتے ہیں۔ اور زُلْفٰی، قُرْبٰی کے معنی میں مصدر ہے۔ اِزْدَلَفُوا کے معنی ہیں: وہ جمع ہو گئے۔ اَزْلَفْنَا کے معنی ہیں: ہم نے جمع کیا۔

وضاحت: دن کے ''اطراف'' سے مراد صبح اور مغرب اور ''کچھ رات گئے'' سے مراد عشاء کی نماز ہے۔ گویا اس آیت سے یہ تین نمازیں ثابت ہوتی ہیں اور نماز اگر مکمل آداب وشرائط سے ادا کی جائے تو انسان کے چھوٹے چھوٹے گناہ خود بخود معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

٤٦٨٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنِ امْرَأَةٍ قُبْلَةً فَأَتٰى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ: ﴿وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ طَرَفَيِ ٱلنَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ ٱلَّيْلِ ۚ إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّٰكِرِينَ﴾، قَالَ الرَّجُلُ: أَلِي هٰذِهِ؟ قَالَ: «لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ أُمَّتِي».

[راجع: ٥٢٦]

[4687] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا گناہ بیان کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''آپ دن کے دونوں اطراف میں اور کچھ رات گئے نماز پڑھیں۔ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ ایک یاددہانی ہے یاد کرنے والوں کے لیے۔'' اس شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: آیا یہ امر خاص میرے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل کرے یہ سب کے لیے ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے ایک عورت سے جماع کے علاوہ سب کچھ کیا ہے۔ میں حاضر ہوں، میرے متعلق جو چاہیں فیصلہ فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تجھ پر پردہ ڈالا تھا بہتر تھا کہ تو خود بھی اس پر پردہ پوشی کرتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے پیچھے ایک آدمی بھیجا اور اسے بلا کر مذکورہ آیت سنائی۔ قوم سے ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! کیا یہ حکم خاص اس کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لیے ہے۔''[1] ایک دوسری روایت میں ہے: ''کیا تو نے اچھی طرح وضو کر کے نماز نہیں پڑھی؟'' اس نے کہا: کیوں نہیں، رسول اللہ ﷺ نے

1 صحیح مسلم، التوبة، حدیث: 7004 (2763).

فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ معاف کر دیا ہے۔''[1] ② سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانچوں نمازیں، جمعہ دوسرے جمعے تک اور رمضان دوسرے رمضان تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں جبکہ وہ بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے۔''[2] ③ نیکیوں سے برائیاں ختم ہونے کی تین صورتیں ہیں: * جو شخص نیکیاں بکثرت کرے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ * اس سے برائی کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔ * جس معاشرے میں نیکی کے کام بکثرت ہو رہے ہوں، برائیاں خود بخود وہاں سے رخصت ہونے لگتی ہیں۔ واللہ أعلم.

(۱۲) سُورَةُ يُوسُفَ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- | بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ | 12- تفسیر سورۂ یوسف

وَقَالَ فُضَيْلٌ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ: (مُتْكًا): اَلْأُتْرُجُّ. قَالَ فُضَيْلٌ: اَلْأُتْرُجُّ: بِالْحَبَشِيَّةِ مُتْكًا؛ وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ رَجُلٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ: (مُتْكًا): كُلُّ شَيْءٍ قُطِعَ بِالسِّكِّينِ. وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿لَذُو عِلْمٍ﴾ [٦٨]: عَامِلٌ بِمَا عَلِمَ. وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: (صُوَاعٌ) مَكُّوكُ الْفَارِسِيِّ الَّذِي يَلْتَقِي طَرَفَاهُ، كَانَتْ تَشْرَبُ بِهِ الْأَعَاجِمُ.

فضیل نے حصین کے ذریعے سے مجاہد سے بیان کیا ہے کہ مُتْکًا کے معنی نارنگی ہیں۔ فضیل نے کہا: حبشی زبان میں نارنگی کو مُتْکًا کہتے ہیں۔ ابن عیینہ نے ایک آدمی کے ذریعے سے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ہر وہ چیز جسے چھری سے کاٹا جائے وہ مُتْکاً ہے، حضرت قتادہ نے لَذُو عِلْمٍ کی تفسیر علم کے مطابق عامل سے کی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: صُوَاع اہل فارس کا ایک پیالہ ہے جس کے دونوں کنارے ملے ہوتے ہیں۔ اس میں عجمی لوگ پانی پیتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿تُفَنِّدُونِ﴾ [٩٤]: تُجَهِّلُونِ؛ وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿غَيَٰبَتِ ٱلْجُبِّ﴾ [١٠]: كُلُّ شَيْءٍ غَيَّبَ عَنْكَ شَيْئًا فَهُوَ غَيَابَةٌ؛ وَالْجُبُّ: اَلرَّكِيَّةُ الَّتِي لَمْ تُطْوَ. ﴿بِمُؤْمِنٍ لَّنَا﴾ [١٧]: بِمُصَدِّقٍ. ﴿أَشُدَّهُۥ﴾ [٢٢]: قَبْلَ أَنْ يَأْخُذَ فِي النُّقْصَانِ يُقَالُ: بَلَغَ أَشُدَّهُ، وَبَلَغُوا أَشُدَّهُمْ؛ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: وَاحِدُهَا شَدٌّ. وَالْمُتَّكَأُ: مَا اتَّكَأْتَ عَلَيْهِ لِشَرَابٍ أَوْ لِحَدِيثٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تُفَنِّدُوْنِ کے معنی ہیں: اگر تم مجھے بے خبر نہ کہو۔ غَیٰبَتِ الْجُبِّ کے متعلق ابن عباس کے علاوہ دوسرے نے کہا: ہر وہ چیز جو تجھ سے غائب رہے وہ غیابة ہے۔ اور اَلْجُبّ وہ کنواں ہے جس کے کنارے نہ بنائے گئے ہوں۔ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا کے معنی ہیں: یقین کرنے والا۔ اَشُدَّهٗ سے مراد وہ عمر ہے جو نقصان وزوال سے پہلے ہو۔ اس وقت بَلَغَ اَشُدَّهٗ اور بَلَغُوا أَشُدَّهُمْ کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے: اس کا مفرد شَدٌّ ہے۔

[1] صحيح مسلم، التوبة، حديث: 7007 (2765). [2] صحيح مسلم، الطهارة، حديث: 552 (233).

أَوْ لِطَعَامٍ، وَأَبْطَلَ الَّذِي قَالَ: اَلْأُتْرُجُّ، وَلَيْسَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ الْأُتْرُجُّ، فَلَمَّا احْتُجَّ عَلَيْهِمْ بِأَنَّهُ الْمُتَّكَأُ مِنْ نَمَارِقَ، فَرُّوا إِلٰى شَرٍّ مِنْهُ فَقَالُوا: إِنَّمَا هُوَ الْمُتْكُ سَاكِنَةُ التَّاءِ، وَإِنَّمَا الْمُتْكُ طَرَفُ الْبَظْرِ. وَمِنْ ذٰلِكَ قِيلَ لَهَا: مَتْكَاءُ، وَابْنُ الْمَتْكَاءِ؛ فَإِنْ كَانَ ثَمَّ أُتْرُجٌّ فَإِنَّهُ بَعْدَ الْمُتَّكَإِ.

اَلْمُتَّكَأُ اس چیز کو کہتے ہیں جس پر پیتے وقت، بات کرتے وقت یا کھاتے وقت ٹیک لگائی جائے۔ جس نے اس کے معنی نارنگی کیے ہیں وہ غلط ہے کیونکہ عربی زبان میں مُتَّكَأٌ نارنگی کے معنی میں نہیں آتا۔ پھر جب اس کے خلاف دلیل پیش کی گئی کہ مُتَّكَأٌ کے معنی مسند اور تکیہ کے ہیں تو نارنگی معنی کرنے والے نے اس سے بدتر کی طرف فرار کیا اور کہا کہ یہ لفظ مُتْكٌ، یعنی تا کے سکون کے ساتھ ہے، حالانکہ مُتْكٌ کے معنی عورت کی شرمگاہ کا کنارہ ہے۔ اسی لیے ختنہ والی عورت کو مَتْكَاء اور اس کے بیٹے کو ابن مَتْكَاء کہتے ہیں۔ پھر اگر وہاں نارنگیاں تھیں تو وہ مَسند اور تکیہ کے بعد ہی لائی گئی ہوں گی۔

﴿شَغَفَهَا﴾ [٣٠]: يُقَالُ: بَلَغَ إِلٰى شِغَافِهَا، وَهُوَ غِلَافُ قَلْبِهَا؛ وَأَمَّا شَعَفَهَا: فَمِنَ الْمَشْعُوفِ. ﴿أَصْبُ إِلَيْهِنَّ﴾ [٣٣]: أَمِيلُ إِلَيْهِنَّ حُبًّا. ﴿أَضْغَٰثُ أَحْلَٰمٍ﴾ [٤٤]: مَا لَا تَأْوِيلَ لَهُ؛ وَالضِّغْثُ مِلْءُ الْيَدِ مِنْ حَشِيشٍ وَمَا أَشْبَهَهُ؛ وَمِنْهُ: ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا﴾ [ص:٤٤]، لَا مِنْ قَوْلِهِ: ﴿أَضْغَٰثُ أَحْلَٰمٍ﴾؛ وَاحِدُهَا ضِغْثٌ. ﴿نَمِيرُ﴾ [٦٥]: مِنَ الْمِيرَةِ. ﴿وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ﴾: مَا يَحْمِلُ بَعِيرٌ. ﴿ءَاوَىٰٓ إِلَيْهِ﴾ [٦٩]: ضَمَّ إِلَيْهِ. ﴿السِّقَايَةَ﴾ [٧٠]: مِكْيَالٌ. ﴿اسْتَيْـَٔسُوا﴾ [٨٠]: يَئِسُوا ﴿وَلَا تَاْيْـَٔسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ﴾ [٨٧]: مَعْنَاهُ: الرَّجَاءُ. ﴿خَلَصُوا نَجِيًّا﴾ [٨٠]: [اعْتَزَلُوا] نَجِيًّا؛ وَالْجَمْعُ أَنْجِيَةٌ: يَتَنَاجَوْنَ، اَلْوَاحِدُ نَجِيٌّ، وَالِاثْنَانِ وَالْجَمْعُ: نَجِيٌّ وَأَنْجِيَةٌ. ﴿تَفْتَؤُا﴾ [٨٥]: لَا تَزَالُ.

شَغَفَهَا، کہا جاتا ہے کہ محبت اس کے دل کے پردے تک پہنچ چکی تھی۔ شغاف دل کے کنارے کو کہتے ہیں۔ ایک قراءت شَعَفَهَا بھی ہے۔ یہ مشعوف سے ہے اور اس سے مراد وہ آدمی ہے جس کا دل محبت کی وجہ سے جل گیا ہو۔ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ کے معنی اَمِيلُ إِلَيْهِنَّ حُبًّا ہیں، یعنی میں ان کی طرف محبت کی وجہ سے مائل ہو جاؤں گا۔ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ سے مراد وہ خواب جن کی کوئی تعبیر نہ ہو اور ضِغْثٌ سے مراد تنکوں کا وہ گٹھا وغیرہ ہے جو ہاتھ میں آ جائے اور آیت کریمہ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا میں یہی معنی مراد ہیں لیکن اس سورت میں یہ معنی مراد نہیں۔ اَضْغَاث کا مفرد ضِغْثٌ ہے۔ نَمِيْرُ، مِيْرَةٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی طعام اور غلہ کے ہیں۔ وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ اس سے مراد اتنا غلہ جسے ایک اونٹ اٹھا سکتا ہو۔ اٰوٰى اِلَيْهِ کے معنی ہیں: اپنے ساتھ ملا لیا، اپنے پاس جگہ دی۔ اَلسِّقَايَةَ کے معنی پیمانہ کے ہیں۔ اِسْتَيْئَسُوْا کے معنی ہیں: وہ نا امید ہو گئے۔ وَلَا تَايْئَسُوْا

﴿حَرَضًا﴾: مُحْرَضًا يُذِيبُكَ الْهَمُّ. تَحَسَّسُوا: تَخَبَّرُوا. ﴿مُزْجَىٰةٍ﴾ [٨٨]: قَلِيلَةٍ. ﴿غَـٰشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ ٱللَّهِ﴾ [١٠٧]: عَامَّةٌ مُجَلِّلَةٌ.

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ کے معنی امید کے ہیں۔ خَلَصُوْا نَجِيًّا کے معنی: وہ الگ جا کر مشورہ کرنے لگے۔ نَجِيًّا کی جمع أَنْجِيَة آتی ہے اور یہ يَتَنَاجَوْنَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سرگوشی کرنا ہیں۔ اس کا واحد نَجِيٌّ جبکہ تثنیہ اور جمع کے لیے نَجِيّ اور أَنْجِيَة استعمال ہوتا ہے۔ تَفْتَؤُا کے معنی ہیں: لاتزال، یعنی ہمیشہ۔ حَرَضًا یہ مُحْرَضًا اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ يُذِيبُكَ الْهَمُّ اس کی تفسیر ہے، یعنی تجھے غم و حزن ہلاک کر دے گا۔ تَحَسَّسُوْا کے معنی ہیں: خبر لاؤ اور سراغ لگاؤ۔ مُزْجٰةٍ کے معنی ہیں: قليلة، یعنی ہم تھوڑی سی پونجی لائے ہیں۔ غٰشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ، یعنی اللہ کا عام عذاب جو سب کو گھیر لے۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ وَعَلَىٰٓ ءَالِ يَعْقُوبَ﴾ الْآيَةَ [٦]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور تم پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت پوری کرے......“ کا بیان

وضاحت: اتمام نعمت سے مراد نعمت نبوت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تجھے نعمت نبوت سے فیض یاب کرے گا جیسا کہ تمھارے دادا، پردادا سیدنا اسحاق اور سیدنا ابراہیم علیہم السلام کو نبوت عطا کر چکا ہے۔ اس مقام پر سیدنا یعقوب علیہ السلام نے تواضع اور انکسار کی وجہ سے اپنا نام لینا مناسب نہیں سمجھا ورنہ آپ خود بھی جلیل القدر نبی تھے۔ آپ کی اولاد ہی میں آئندہ سلسلۂ نبوت جاری رہا، البتہ آخر الزمان نبی حضرت محمد ﷺ، سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے آئے، اسی حقیقت پر درج ذیل حدیث سے روشنی پڑتی ہے۔

٤٦٨٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْكَرِيمُ ابْنُ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ ابْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ». [راجع: ٣٣٨٢]

[4688] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”کریم بن کریم بن کریم بن کریم، حضرت یوسف بن حضرت یعقوب بن حضرت اسحاق بن حضرت ابراہیم علیہم السلام ہیں۔“

فائدہ: اس حدیث کی آیت کریمہ سے مناسبت اس طرح ہے کہ یہ چار افراد حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ دادا

صاحبان نبوت تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت کا اتمام ہوا تھا، بہرحال سیدنا یوسف علیہ السلام سب سے مکرم ہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! سب سے مکرم کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جو سب سے زیادہ متقی ہے۔'' انھوں نے کہا: ہم یہ نہیں پوچھتے، پھر آپ نے فرمایا: ''یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی، اللہ کے نبی کے بیٹے، اللہ کے نبی کے پوتے، اللہ کے نبی کے پڑپوتے سب سے زیادہ مکرم ہیں۔''[1]

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ ءَايَٰتٌ لِّلسَّآئِلِينَ﴾ [٧]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''بلاشبہ یقیناً حضرت یوسف اور اس کے بھائیوں (کے واقعے) میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں'' کا بیان

وضاحت: کفار مکہ نے یہود مدینہ سے کہا کہ آپ ہمیں کوئی ایسا سوال بتائیں جس کا جواب اس پیغمبر سے نہ بن سکے، تاکہ جواب نہ دینے کی صورت میں اس کی نبوت کا بھرم کھل جائے۔ یہود نے ایک تاریخی سوال بنایا کہ سیدنا ابراہیم، سیدنا اسحاق اور سیدنا یعقوب علیہم السلام کا مسکن تو شام وفلسطین کا علاقہ تھا، پھر بنی اسرائیل مصر کیسے جا پہنچے جنھیں اہل مصر کی غلامی سے آزاد کرانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے؟ جب کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تو پوری سورۂ یوسف اس کے جواب میں نازل ہوئی۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے سوال میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے جو حالات زندگی آئیں گے وہ خود ان کے حالات واضح کرنے والے ہیں۔ کفار مکہ اور برادران یوسف کے تقابلی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں بے شمار چیزوں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ جس کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ہم اسے اپنی زیر تصنیف تفسیر میں ذکر کریں گے۔ ان شاءاللہ۔ درج ذیل حدیث میں سیدنا یوسف علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور ان کے متعلق سوال کرنے والوں کے لیے بزرگی کے دلائل ہیں۔

٤٦٨٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَيُّ النَّاسِ أَكْرَمُ؟ قَالَ: «أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاهُمْ»، قَالُوا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: «فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللهِ ابْنُ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ نَبِيِّ اللهِ ابْنِ خَلِيلِ اللهِ». قَالُوا: لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ، قَالَ: «فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِي؟» قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: «فَخِيَارُكُمْ فِي

[4689] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں کون سب سے زیادہ باعزت اور معزز ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت اور معزز وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔'' لوگوں نے کہا: ہم نے آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا: ''پھر سب سے زیادہ معزز اور بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام جو اللہ کے نبی ہیں اور اللہ کے نبی کے بیٹے، اللہ کے نبی کے پوتے اور خلیل اللہ کے پڑپوتے ہیں۔'' لوگوں نے کہا:

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3353.

الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا»

ہمارے سوال کا مقصد یہ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا تم لوگ عرب کے خانوادوں کے متعلق مجھ سے پوچھتے ہو؟'' لوگوں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ''جو لوگ زمانہ جاہلیت میں معزز اور بزرگ خیال کیے جاتے تھے اسلام لانے کے بعد بھی وہ معزز ہیں، بشرطیکہ دین میں سمجھ حاصل کر لیں۔''

تَابَعَهُ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ. [راجع: ٣٣٥٣]

ابو اسامہ نے عبیداللہ سے روایت کرنے میں عبدہ کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبی فضیلت بیان ہوئی ہے، جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا پیغمبر ان کے ساتھ شریک نہیں۔ مذکورہ عنوان کے ساتھ اس حدیث کی یہی مناسبت ہے۔ ② معادن عرب سے مراد عرب کے خاندان ہیں جن کی طرف لوگ منسوب ہوتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں۔ لوگوں کے کمال ونقصان کی وجہ سے انھیں سونے چاندی کی کانوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی، چنانچہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح ہیں۔[1] اس حدیث کی رو سے خاندانی شرافت کی بنیاد دین داری اور دین میں سمجھ بوجھ ہے، اس کے بغیر شرافت کا دعویٰ غلط ہے، خواہ کوئی سید ہی کیوں نہ ہو۔ دینی فقاہت شرافت کی اوّلین بنیاد ہے۔ محض علم کوئی چیز نہیں جب تک اسے صحیح طور پر سمجھا نہ جائے، اسی کا نام فقاہت ہے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ﴾ [١٨]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''یعقوب علیہ السلام نے کہا: بلکہ تمھارے دلوں نے تمھارے لیے ایک بری بات آراستہ کر دی ہے، لہٰذا صبر ہی بہتر ہے'' کا بیان

سَوَّلَتْ: زَيَّنَتْ.

سَوَّلَتْ کے معنی ہیں: مزین کر لی ہے۔

وضاحت: صبر جمیل ایسا صبر ہے کہ مصیبت پڑنے پر انسان اسے ٹھنڈے دل سے برداشت کر جائے، چیخ وپکار نہ کرے، نہ کسی دوسرے سے اس کا شکوہ شکایت ہی کرے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے افسانہ سننے کے بعد ان سے کوئی بحث نہیں کی، نہ انھیں برا بھلا کہا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی اور غلط حرکت کر بیٹھیں۔ اگر کہا تو صرف یہی کہا: ''میری فریاد تو اللہ ہی سے ہے اور میں اسی سے مدد چاہتا ہوں۔'' درج ذیل حدیث میں بھی صبر جمیل پر مشتمل ایک واقعہ ذکر ہوا ہے۔

---

① مسند أحمد: 539/2.

٤٦٩٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ. قَالَ: وَحَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْلِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ ابْنَ الزُّبَيْرِ، وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ، وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ، كُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللهُ، وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ». قُلْتُ: إِنِّي وَاللهِ لَا أَجِدُ مَثَلًا إِلَّا أَبَا يُوسُفَ: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ وَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ﴾ [النور: ١١] الْعَشْرَ الْآيَاتِ. [راجع: ٢٥٩٣]

[4690] حضرت زہری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ سے نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کی حدیث کے متعلق سنا، جبکہ ان کے بارے میں بہتان لگانے والوں نے جو کہنا تھا کہا اور اللہ تعالیٰ نے صدیقۂ کائنات کو مبرا اور پاک صاف قرار دیا، ہر ایک نے مجھ سے حدیث کا کچھ حصہ بیان کیا۔ (حضرت عائشہ ؓ سے) نبی ﷺ نے فرمایا: ''(اے عائشہ!) اگر تم بہتان سے مبرا اور پاک صاف ہو تو عن قریب اللہ تعالیٰ تمھیں مبرا اور پاک صاف قرار دے گا اور اگر تم نے گناہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے حضور اپنی توبہ کا نذرانہ پیش کرو۔'' (حضرت عائشہ ؓ فرماتی کہ) میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو ابو یوسف (حضرت یعقوب ؑ) کے علاوہ اور کوئی مثال نہیں پاتی۔ ''اب صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتی ہوں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ......﴾ سے لے کر (بیسویں آیت، یعنی 11 تا 20 تک) دس آیات نازل فرمائیں۔

٤٦٩١ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ: حَدَّثَنِي مَسْرُوقُ بْنُ الْأَجْدَعِ قَالَ: حَدَّثَتْنِي أُمُّ رُومَانَ، وَهِيَ أُمُّ عَائِشَةَ قَالَتْ: بَيْنَا أَنَا وَعَائِشَةُ أَخَذَتْهَا الْحُمَّى، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَعَلَّ فِي حَدِيثٍ تُحُدِّثَ»، قَالَتْ: نَعَمْ، وَقَعَدَتْ عَائِشَةُ، قَالَتْ: مَثَلِي وَمَثَلُكُمْ كَيَعْقُوبَ وَبَنِيهِ: ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ

[4691] حضرت مسروق بن اجدع سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کی والدہ حضرت ام رومان ؓ نے بیان کیا کہ میں اور عائشہ ؓ بیٹھے ہوئے تھے، اس دوران میں عائشہ ؓ کو بخار چڑھ گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''غالباً یہ بخار ان باتوں کی وجہ سے ہے جن کا چرچا ہو رہا ہے۔'' حضرت ام رومان نے کہا: جی ہاں۔ اس کے بعد حضرت عائشہ ؓ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور کہا: میری اور آپ لوگوں کی مثال حضرت یعقوب ؑ اور ان

﴿ٱلْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾. [راجع: ٣٣٨٨]

کے بیٹوں جیسی ہے ”بلکہ تم لوگوں نے ایک بری بات کو بنا سنوار لیا ہے، خیر اب صبر ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو، اس کے متعلق میں اللہ ہی سے مدد چاہتی ہوں۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو مذکورہ عنوان کے تحت اس لیے لائے ہیں کہ اس میں ”صبر جمیل“ کا ایک عملی نمونہ مذکور ہے۔ اس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے والد گرامی کا ذکر ہے۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر غم تھا کہ شدت صدمہ کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی ذہن میں نہ آ سکا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے ذہن پر زور ڈالا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام میرے ذہن میں نہ آسکا۔ میں نے جلدی سے ابو یوسف ہی کہہ دیا۔[1] البتہ جن روایات میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے نام کی صراحت ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جن روایات میں نام کی صراحت ہے وہ روایات بالمعنی ہیں کیونکہ حضرت ہشام کی روایت میں وضاحت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام اپنے ذہن میں لانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکیں، پھر آپ نے ان کی کنیت ذکر کردی۔[2]

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَرَٰوَدَتْهُ ٱلَّتِى هُوَ فِى بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِۦ وَغَلَّقَتِ ٱلْأَبْوَٰبَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ [٢٣]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے، اس نے حضرت یوسف کو اپنی طرف ورغلانا چاہا، اس نے دروازے بند کر لیے اور یوسف سے کہنے لگی: جلدی آ جاؤ“ کا بیان

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ بِالْحَوْرَانِيَّةِ: هَلُمَّ؛ وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ: تَعَالَهْ.

حضرت عکرمہ نے کہا: هَيْتَ لَكَ حورانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ”آ جا“ ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر نے بھی یہی معنی کیے ہیں۔

وضاحت: حضرت یوسف علیہ السلام نہایت حسین وجمیل تھے۔ غیر شادی شدہ اور نوخیز جوانی سے مالا مال تھے۔ دوسری طرف عزیز مصر کی بیوی بھی جوان اور بے اولاد تھی، اپنے لباس، حسن و جمال اور پوری رعنائیوں سے اپنا آپ پیش کر رہی تھی تاکہ اس کے شہوانی جذبات کی تسکین ہو سکے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے پوری شانِ بے نیازی سے جواب دیا: ”اللہ کی پناہ! میرے پروردگار نے تو مجھے بہت اچھی منزلت بخشی ہے اور میں یہ کام کروں۔“[3]

٤٦٩٢ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا بِشْرُ

[4692] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

① صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4757. ② فتح الباري: 604/8. ③ يوسف 12: 23.

ابْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ: قَالَتْ هَيْتُ لَكَ، قَالَ: وَإِنَّمَا نَقْرَؤُهَا كَمَا عُلِّمْنَاهَا.

انھوں نے هیت لك (تا کے ضمہ کے ساتھ) پڑھا اور فرمایا: ہم تو اس لفظ کو اسی طرح پڑھیں گے جس طرح ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔

﴿مَثْوَاهُ﴾ [۲۱]: مُقَامُهُ. ﴿وَأَلْفَيَا﴾ [۲۵]: وَجَدَا، ﴿أَلْفَوْا ءَابَآءَهُمْ﴾ [الصافات: ٦٩]، ﴿أَلْفَيْنَا﴾ [البقرة: ١٧٠].

مَثْوٰہُ کے معنی ہیں: اس کا مقام اور ٹھکانا۔ اَلْفَیَا کے معنی ہیں: ان دونوں نے پایا جیسا کہ اَلْفَوْا اٰبَآءَ هُمْ اور اَلْفَیْنَا میں یہی معنی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ: «بَلْ عَجِبْتُ وَيَسْخَرُونَ». [الصافات: ١٢].

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بَلْ عَجِبْتُ وَ یَسْخَرُوْنَ منقول ہے۔

فائدہ: هیتُ لَكَ کے معنی ہیں: میں نے خود کو تیرے لیے تیار کر لیا ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے جیسا کہ بَلْ عَجِبْتُ میں انھوں نے متکلم کا صیغہ اختیار کیا ہے۔ علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کلمے کو یہاں بیان کیا ہے اگرچہ یہ سورۂ صافات میں ہے، اس سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے تا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ هیتُ کو تا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس توجیہ کو موزوں قرار دیا ہے۔[2]

٤٦٩٣ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ قُرَيْشًا لَمَّا أَبْطَؤُوا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِالْإِسْلَامِ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ»، فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ، حَتّٰى أَكَلُوا الْعِظَامَ، حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَرٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا مِثْلَ الدُّخَانِ، قَالَ اللهُ: ﴿فَٱرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ [الدخان: ١٠]، قَالَ اللهُ: ﴿إِنَّا كَاشِفُوا۟ ٱلْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَآئِدُونَ﴾ [الدخان: ١٥]، أَفَيُكْشَفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ وَقَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَمَضَتِ الْبَطْشَةُ. [راجع: ١٠٠٧]

[4693] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قریش نے نبی ﷺ پر ایمان لانے میں تاخیر کی تو آپ نے ان کے خلاف بددعا کی: ”اے اللہ! ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا سا قحط نازل فرما۔“ چنانچہ ایسا قحط پڑا کہ ہر چیز ملیامیٹ ہو گئی، کوئی چیز نہیں ملتی تھی اور اہل مکہ ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے تھے، حتی کہ ان کی یہ کیفیت ہو گئی کہ کوئی شخص آسمان کی طرف نظر اٹھاتا تو اسے اپنے اور آسمان کے درمیان دھواں سا نظر آتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”آپ اس دن کے منتظر رہیں جبکہ آسمان ظاہر دھواں لائے گا۔“ اور فرمایا: ”بے شک ہم عذاب کو تھوڑا سا دور کر دیں گے تو تم پھر اپنی اسی حالت پر آ جاؤ گے۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: عذاب سے یہی قحط کا عذاب مراد ہے

1 شرح الكرماني: 163/17. 2 فتح الباري: 464/8.

کیونکہ قیامت کے دن کا عذاب تو ٹلنے والا نہیں۔ الغرض دخان اور بطشہ جن کا ذکر سورۂ دخان میں ہے، وہ آ چکا ہے۔

فائدہ: دوسری روایات میں ہے کہ جب قریش پر قحط کی سختی ہوئی تو ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: آپ کنبہ پروری اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم کے لوگ بھوکے مر رہے ہیں، ان کے لیے دعا فرمائیں کہ قحط سالی کا عذاب ٹل جائے۔[1] آپ نے دعا فرمائی اور قریش کا قصور معاف کر دیا، جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں اور عزیز مصر کی بیوی کو معاف کر دیا تھا۔ عنوان اور اس حدیث میں یہی مناسبت ہے۔[2] واللہ أعلم.

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُ ٱلرَّسُولُ قَالَ ٱرْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿قُلْنَ حَٰشَ لِلَّهِ﴾ [٥٠، ٥١]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ”جب قاصد یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا: اپنے آقا کے پاس واپس چلے جاؤ...... وہ بول اٹھیں حاشا للہ!“ کا بیان

حَاشَ وَحَاشَا: تَنْزِيهٌ وَاسْتِثْنَاءٌ. ﴿حَصْحَصَ﴾ [٥١]: وَضَحَ.

حاش اور حاشا کے معنی ہیں: پاکی بیان کرنا اور استثنا کرنا اور حَصْحَصَ کے معنی ”کھل گیا اور واضح ہو گیا“ ہیں۔

وضاحت: اب صورت حال یہ بن گئی تھی کہ عزیز مصر خود حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملے میں ذاتی طور پر دلچسپی لینے لگا، تکیہ دار دعوت میں شریک زنان مصر اور عزیز مصر کی بیوی نے برملا اپنے جرم کا اعتراف کر لیا کہ حضرت یوسف بالکل بے قصور ہے۔ اس نے ہم میں سے کسی کو بھی میلی آنکھ سے دیکھا تک نہیں۔ ہم نے ہی اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے مقدمے کی تحقیق تک اپنی قید سے رہائی کے معاملے میں جس عزم و استقلال سے صبر کا مظاہرہ کیا اور اسے تاخیر میں ڈالا، اس کی داد خود رسول اللہ ﷺ نے بڑے زوردار الفاظ میں دی جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٦٩٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ بَكْرِ بْنِ مُضَرَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَرْحَمُ اللهُ

[4694] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر اپنی رحمت نازل فرمائے بے شک وہ ایک زبردست اور محکم سہارے کی پناہ لیتے تھے۔ اور اگر میں اتنے دنوں تک قید خانے میں رہا ہوتا جتنے دن حضرت یوسف علیہ السلام رہے تھے تو بلانے والے کی بات رد نہ کرتا۔ اور ہمیں تو ابراہیم علیہ السلام

[1] صحيح البخاري، الاستسقاء، حديث: 1007. [2] فتح الباري: 463/8.

لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ، وَنَحْنُ أَحَقُّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لَهُ: ﴿أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾

[البقرة: ٢٦٠]. [راجع: ٣٣٧٢]

کی بہ نسبت شک ہونا زیادہ سزاوار ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ''کیا تجھے یقین نہیں؟ تو انھوں نے کہا تھا: کیوں نہیں؟ یقین تو ہے لیکن چاہتا ہوں کہ مزید اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے صبر وتحمل کی تعریف فرمائی ہے کہ انھوں نے جیل میں لمبی مدت رہنے کے باوجود بھی جلد بازی سے کام نہیں لیا بلکہ صبر وعزم کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ چاہا کہ میرے، ناجائز اور ظلم و ستم پر مبنی جیل میں رہنے کی خوب وضاحت ہو جائے۔ نبی ﷺ نے لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ کہہ کر اپنی عبودیت کاملہ اور انکسار کا اظہار فرمایا ہے۔ ② بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بادشاہ مصر اب مائل بہ کرم ہے تو انھوں نے اس طرح محض بادشاہِ مصر کی عنایت سے آزاد ہونا پسند نہیں فرمایا بلکہ اپنے کردار کی رفعت اور پاک دامنی کے اثبات کو ترجیح دی تاکہ دنیا کے سامنے آپ کے کردار کا حسن اور اس کی بلندی واضح ہو جائے کیونکہ داعی الی اللہ کے لیے عفت و پاک بازی اور بلندیٔ کردار بہت ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی کردار کو سراہا ہے۔ ③ اس کردار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکر و فریب کا اثر محدود اور عارضی ہوتا ہے، بالآخر جیت حق اور اہل حق کی ہوتی ہے اگرچہ عارضی طور پر اہل حق کو ابتلاء و آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔ واللہ المستعان.

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ﴾ [١١٠]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور قوم کے لوگ خیال کرنے لگے کہ انھیں جھوٹ کہا گیا تھا تو فوراً ہی ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی، پھر جسے ہم نے چاہا اسے نجات دی گئی، تاہم جرم پیشہ لوگوں سے ہمارا عذاب ٹالا نہیں جاتا۔''[1] قراءت کے اعتبار سے اس آیت کریمہ کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں لیکن سب سے زیادہ مناسب مفہوم یہ ہے کہ ظَنُّوا کا فاعل قوم کفار کو قرار دیا جائے، یعنی کفار عذاب کی دھمکی سے پہلے تو کچھ ڈرے لیکن جب زیادہ تاخیر ہوئی تو خیال کیا کہ عذاب تو آتا نہیں جیسا کہ پیغمبر سے دعویٰ ہو رہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں سے بھی یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

٤٦٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ

[4695] حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا جبکہ انھوں نے

[1] یوسف 12:110.

شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ لَهُ وَهُوَ يَسْأَلُهَا عَنْ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا ٱسْتَيْـَٔسَ ٱلرُّسُلُ﴾ قَالَ: قُلْتُ: أَكُذِبُوا أَمْ كُذِّبُوا؟ قَالَتْ عَائِشَةُ: (كُذِّبُوا). قُلْتُ: فَقَدِ اسْتَيْقَنُوا أَنَّ قَوْمَهُمْ كَذَّبُوهُمْ فَمَا هُوَ بِالظَّنِّ. قَالَتْ: أَجَلْ لَعَمْرِي لَقَدِ اسْتَيْقَنُوا بِذٰلِكَ، فَقُلْتُ لَهَا: ﴿وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا۟﴾، قَالَتْ: مَعَاذَ اللهِ، لَمْ تَكُنِ الرُّسُلُ تَظُنُّ ذٰلِكَ بِرَبِّهَا، قُلْتُ: فَمَا هٰذِهِ الْآيَةُ؟ قَالَتْ: هُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ الَّذِينَ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَصَدَّقُوهُمْ، فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ وَاسْتَأْخَرَ عَنْهُمُ النَّصْرُ، حَتّٰى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ مِمَّنْ كَذَّبَهُمْ مِنْ قَوْمِهِمْ، وَظَنَّتِ الرُّسُلُ أَنَّ أَتْبَاعَهُمْ قَدْ كَذَّبُوهُمْ جَاءَهُمْ نَصْرُ اللهِ عِنْدَ ذٰلِكَ. [راجع: ٣٣٨٩]

حضرت عائشہ ؓ سے اس آیت کے متعلق پوچھا: ﴿حَتّٰى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ﴾ عروہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا تھا کہ آیت میں کُذِبُوْا (تخفیف کے ساتھ) ہے یا کُذِّبُوْا (تشدید کے ساتھ ہے)؟ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: کُذِّبُوْا (تشدید کے ساتھ) ہے۔ اس پر میں نے کہا: انبیاء تو یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ ان کی قوم انھیں جھٹلا رہی ہے، پھر ظَنُّوْا سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، زندگی کی قسم! بلاشبہ پیغمبروں کو اس امر کا یقین تھا۔ میں نے کہا: وَظَنُّوَا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوْا میں اگر کُذِبُوا (تخفیف کے ساتھ) پڑھیں تو کیا قباحت ہے؟ انھوں نے فرمایا: معاذ اللہ! پیغمبر اپنے رب کے متعلق ایسا گمان کیونکر کر سکتے ہیں؟ میں نے عرض کی: پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: پیغمبروں کو جن لوگوں نے مانا اور ان کی تصدیق کی اور اپنے رب پر ایمان لائے، جب ان پر مدت دراز تک آفت اور مصیبت آتی رہی اور اللہ کی مدد آنے میں تاخیر ہوئی اور پیغمبر ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے جنھوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور وہ گمان کرنے لگے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اب وہ بھی ہمیں جھوٹا خیال کرنے لگیں گے، اس وقت اللہ کی مدد آ پہنچی۔

٤٦٩٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، فَقُلْتُ: لَعَلَّهَا: (كُذِبُوا)، مُخَفَّفَةً، قَالَتْ: مَعَاذَ اللهِ!. نَحْوَهُ. [راجع: ٣٣٨٩]

[4696] حضرت عروہ بن زبیر ؒ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ ؓ سے عرض کی: ہو سکتا ہے کُذِبُوا (تخفیف کے ساتھ) ہو، تو انھوں نے فرمایا: معاذ اللہ! پھر وہی حدیث بیان کی۔

فوائد و مسائل: ① مشہور قراءت کُذِبُوا (تخفیف کے ساتھ) ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کو یہ قراءت نہ پہنچی ہو اور انھوں نے ظن بمعنی یقین خیال کر کے اس قراءت کا انکار کر دیا۔ ان کے نزدیک اس قراءت کے یہ معنی بنتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں سے جو وعدے کیے تھے وہ جھوٹ پر مبنی تھے، اس لیے انھوں نے انکار کر دیا، حالانکہ تخفیف کی صورت میں مطلب

یہ ہے کہ کافروں کو یہ گمان ہوا کہ پیغمبروں نے عذاب آنے کے جو وعدے ان سے کیے تھے وہ سب غلط اور جھوٹ ثابت ہوئے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ہاں آ پہنچی۔② اس کی مکمل بحث ہم نے سورۂ بقرہ آیت: 214 اور حدیث: 4524 میں کی ہے اسے ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

(۱۳) سُورَةُ الرَّعْدِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ 13- تفسیر سورۂ رعد

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿كَبَٰسِطِ كَفَّيْهِ﴾ [١٤]: مَثَلُ الْمُشْرِكِ الَّذِي عَبَدَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا غَيْرَهُ كَمَثَلِ الْعَطْشَانِ الَّذِي يَنْظُرُ إِلٰى ظِلِّ خَيَالِهِ فِي الْمَاءِ مِنْ بَعِيدٍ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَتَنَاوَلَهُ وَلَا يَقْدِرُ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿مُّتَجَٰوِرَٰتٌ﴾ [٤]: مُتَدَانِيَاتٌ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿ٱلْمَثُلَٰتُ﴾ [٦]: وَاحِدُهَا مَثُلَةٌ، وَهِيَ: الْأَشْبَاهُ وَالْأَمْثَالُ؛ وَقَالَ: ﴿إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ ٱلَّذِينَ خَلَوْا﴾ [يونس: ١٠٢]. ﴿بِمِقْدَارٍ﴾ [٨]: بِقَدَرٍ. يُقَالُ: ﴿مُعَقِّبَٰتٌ﴾ [١١]: مَلَائِكَةٌ حَفَظَةٌ تُعَقِّبُ الْأُولٰى مِنْهَا الْأُخْرٰى؛ وَمِنْهُ قِيلَ: الْعَقِيبُ، أَيْ: عَقَّبْتُ فِي أَثَرِهِ. ﴿ٱلْمِحَالِ﴾ [١٣]: الْعُقُوبَةِ. ﴿كَبَٰسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى ٱلْمَآءِ﴾ [١٤] لِيَقْبِضَ عَلَى الْمَاءِ. ﴿رَّابِيًا﴾: مِنْ رَبَا يَرْبُو. ﴿أَوْ مَتَٰعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُۥ﴾ [١٧]: الْمَتَاعُ: مَا تَمَتَّعْتَ بِهِ. ﴿جُفَآءً﴾: يُقَالُ: أَجْفَأَتِ الْقِدْرُ: إِذَا غَلَتْ؛ فَعَلَاهَا الزَّبَدُ، ثُمَّ تَسْكُنُ فَيَذْهَبُ الزَّبَدُ بِلَا مَنْفَعَةٍ، فَكَذٰلِكَ يُمَيِّزُ الْحَقُّ مِنَ الْبَاطِلِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: كَبٰسِطِ كَفَّيْهِ یہ مشرک کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتا ہے۔ اس کی مثال اس پیاسے جیسی ہے جو پانی کا تصور کر کے دور سے اپنے ہاتھ پھیلائے اور چاہتا ہے کہ اسے حاصل کر لے لیکن اسے لینے کی قدرت نہیں ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسروں نے کہا: مُتَجٰوِرَاتٌ کے معنی ہیں: قریب قریب آپس میں ملے ہوئے۔ اَلْمَثُلٰتُ کا واحد مَثُلَةٌ ہے۔ اس کے معنی مشابہ اور مماثل کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یہ لوگ ان لوگوں کے مشابہ واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ بمقدار کے معنی ہیں: قدر، یعنی مقررہ اندازہ۔ مُعَقِّبٰتٌ سے مراد وہ نگہبان فرشتے جو ایک دوسرے کے بعد باری باری آتے ہیں۔ اس سے عقیب ماخوذ ہے۔ عرب کہتے ہیں: عَقَّبْتُ فِي أَثَرِهٖ: میں اس کے نقش قدم پر پیچھے پیچھے چلا۔ اَلْمِحَال کے معنی ہیں: سزا۔ كَبٰسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاءِ: پانی کی طرف ہاتھ بڑھائے تاکہ اس پر قبضہ کرے۔ رَابِيًا یہ لفظ ربا یربو سے ماخوذ ہے جس کے معنی پھلنا پھولنا ہیں۔ اَوْ مَتٰعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ متاع سے مراد وہ جس چیز سے تو فائدہ اٹھائے۔ جُفَآءً، اَجْفَأَتِ الْقِدْرُ سے ماخوذ ہے۔ جب ہنڈیا جوش مارتی ہے تو جھاگ اوپر آ جاتا ہے۔ پھر

جب ہنڈیا ٹھنڈی ہوتی ہے تو بے فائدہ جھاگ ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح حق باطل سے جدا ہو جاتا ہے۔

﴿ٱلْمِهَادُ﴾ [١٨]: الْفِرَاشُ. ﴿يَدْرَءُونَ﴾ [٢٢]: يَدْفَعُونَ، دَرَأْتُهُ عَنِّي: دَفَعْتُهُ. ﴿سَلَٰمٌ عَلَيْكُم﴾ [٢٤]: أَيْ يَقُولُونَ: سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، وَالْمَتَابُ: إِلَيْهِ تَوْبَتِي. ﴿أَفَلَمْ يَاْيْـَٔسِ﴾ [٣١]: أَفَلَمْ يَتَبَيَّنْ. ﴿قَارِعَةٌ﴾ [٣١]: دَاهِيَةٌ. ﴿فَأَمْلَيْتُ﴾ [٣٢]: أَطَلْتُ، مِنَ الْمَلِيِّ وَالْمِلَاوَةِ؛ وَمِنْهُ ﴿مَلِيًّا﴾ [مريم:٤٦]، وَيُقَالُ لِلْوَاسِعِ الطَّوِيلِ مِنَ الْأَرْضِ: مَلًى، ﴿أَشَقُّ﴾ [٣٤]: أَشَدُّ، مِنَ الْمَشَقَّةِ. ﴿مُعَقِّبَ﴾ [٤١]: مُغَيِّرَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مُّتَجَٰوِرَٰتٌ﴾ [٤]: طَيِّبُهَا عَذْبُهَا وَخَبِيثُهَا السِّبَاخُ. ﴿صِنْوَانٌ﴾: اَلنَّخْلَتَانِ أَوْ أَكْثَرُ فِي أَصْلٍ وَاحِدٍ؛ ﴿وَغَيْرُ صِنْوَانٍ﴾: وَحْدَهَا. ﴿بِمَاءٍ وَاحِدٍ﴾: كَصَالِحِ بَنِي آدَمَ وَخَبِيثِهِمْ أَبُوهُمْ وَاحِدٌ. ﴿ٱلسَّحَابَ ٱلثِّقَالَ﴾ [١٢]: اَلَّذِي فِيهِ الْمَاءُ. ﴿كَبَٰسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى ٱلْمَآءِ﴾ [١٤]: يَدْعُو الْمَاءَ بِلِسَانِهِ وَيُشِيرُ إِلَيْهِ بِيَدِهِ، فَلَا يَأْتِيهِ أَبَدًا. ﴿فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا﴾ [١٧]: تَمْلَأُ بَطْنَ كُلِّ وَادٍ. ﴿زَبَدًا رَّابِيًا﴾: اَلزَّبَدُ: اَلسَّيْلُ؛ ﴿زَبَدٌ مِّثْلُهُۥ﴾ [١٧]: خَبَثُ الْحَدِيدِ وَالْحِلْيَةِ.

اَلْمِهَادُ کے معنی ہیں: فِرَاش، یعنی بچھونا اور آرام گاہ۔ يَدْرَءُونَ کے معنی ہیں: يَدْفَعُونَ اور یہ دَرَأْتُهُ عَنِّي سے ماخوذ ہے، یعنی میں نے اس کو اپنے سے دور کر دیا۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ اس مقام پر يَقُولُونَ کا لفظ محذوف ہے، یعنی وہ سلام علیکم کہیں گے۔ اَلْمَتَابِ کے معنی ہیں: (اس کی طرف) میرا رجوع کرنا ہے۔ اَفَلَمْ يَايْئَسِ: کیا ان پر یہ بات واضح نہیں ہوئی۔ قَارِعَةٌ کے معنی مہلک آفت کے ہیں۔ فَاَمْلَيْتُ: میں نے مہلت دراز کردی یہ اَلْمَلِيّ اور اَلْمِلَاوَة سے ماخوذ ہے۔ اسی سے مَلِيًّا بنا ہے۔ کشادہ اور طویل میدان کو مَلًى کہا جاتا ہے اَشَقُّ کے معنیٰ ہیں: اشد اور یہ مَشَقَّةٌ سے ماخوذ ہے، یعنی بہت سخت۔ مُعَقِّبَ کے معنی ہیں: تبدیل کرنے والا۔ امام مجاہد نے کہا: مُتَجٰوِرٰتٌ سے مراد ہے: عمدہ زمین اور شوریلی زمین ملی جلی۔ صِنْوَانٌ سے مراد کھجور کے دو یا اس سے زیادہ درخت جن کی جڑ ایک ہو۔ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ سے مراد وہ درخت جو تنہا ہو۔ بِمَاءٍ وَاحِدٍ یہ مثال ہے بنوآدم کی کہ صالح اور خبیث ایک اصل سے ہیں۔ اَلسَّحَابَ الثِّقَالَ سے مراد وہ بادل ہے جس میں پانی ہو۔ كَبٰسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاءِ: اس شخص کی طرح جو دور سے ہاتھ پھیلا کر زبان سے پانی طلب کرے اور ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے۔ اس کی طرف پانی کبھی نہیں آئے گا۔ فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا کا مفہوم یہ ہے کہ ہر نالے کا اندرونی حصہ بھر جاتا ہے۔ زَبَدًا رَّابِيًا: ابھرا ہوا جھاگ۔ اس سے مراد بہتے پانی کا جھاگ ہے۔ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ سے مراد لوہے اور زیور کی میل ہے۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ٱللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ ٱلْأَرْحَامُ﴾ [٨]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ جانتا ہے ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور ارحام کی کمی بیشی بھی'' کا بیان

﴿وَغِيضَ﴾ [هود: ٤٤]: نُقِصَ.

غِیضَ کے معنی ہیں: نُقِصَ، یعنی کم کیا گیا۔

وضاحت: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا بیان ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مادہ کے پیٹ میں نطفہ کس طرح قرار پکڑتا ہے اور اس میں کیا کچھ تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، اس سے شکل وصورت کیسے بنتی ہے؟ نیز یہ کہ پیٹ میں ایک بچہ ہے یا زیادہ ہیں؟ یا حمل کاذب ہے؟ بچہ تندرست پیدا ہوگا یا لنگڑا اور اپاہج پیدا ہوگا؟ لمبے قد کا ہوگا یا پست قد، ناقص العقل ہوگا یا ذہین وفطین؟ نیک بخت ہوگا یا بدبخت؟ ضدی اور سرکش ہوگا یا حق کو قبول کرنے والا؟ اس کا رنگ کیا ہوگا؟ اس میں صلاحیت کتنی ہوگی؟ اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔ مزید تفصیل درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٦٩٧ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللهُ: لَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتٰى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللهُ، وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتٰى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللهُ». [راجع: ١٠٣٩]

[4697] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خزانہ غیب کی چابیاں پانچ ہیں جنھیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ عورتوں کے رحم میں کیا کمی بیشی ہوتی ہے۔ اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب برسے گی۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی موت کہاں واقع ہوگی۔ اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔''

فوائد ومسائل: ① درج ذیل آیت میں بھی حدیث کا مضمون بیان ہوا ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو ماں کے پیٹ میں ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے۔''[1] ② اس حدیث میں جن پانچ چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ان کا علم کسی مخلوق کو نہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی انھیں جانتا ہے یہ کوئی تخصیص نہیں

1 لقمان 31:34.

ہے بصورت دیگر درج ذیل آیت سے تعارض ہو جائے گا: ''کہہ دیجیے! آسمان والوں میں سے، زمین والوں میں سے اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔''[1] یعنی اللہ تعالیٰ علم غیب کے متعلق یکتا و تنہا ہے۔ اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ واللّٰه أعلم.

(١٤) سُورَةُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

14- تفسیر سورۂ ابراہیم

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿هَادٍ﴾ [الرعد:٨]: دَاعٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿صَدِيدٍ﴾ [١٦]: قَيْحٌ وَدَمٌ. وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: ﴿اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ أَيَادِيَ اللهِ عِنْدَكُمْ وَأَيَّامَهُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ﴾ [٣٤]: رَغِبْتُمْ إِلَيْهِ فِيهِ. ﴿تَبْغُونَهَا عِوَجًا﴾[٣]: تَلْتَمِسُونَ لَهَا عِوَجًا. ﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾ [٧]: أَعْلَمَكُمْ، آذَنَكُمْ. رَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ: هٰذَا مَثَلٌ: كَفُّوا عَمَّا أُمِرُوا بِهِ. ﴿مَقَامِي﴾ [١٤]: حَيْثُ يُقِيمُهُ اللهُ بَيْنَ يَدَيْهِ. ﴿مِن وَرَائِهِ﴾ [١٦]: قُدَّامَهُ ﴿جَهَنَّمُ﴾ [١٦] ﴿لَكُمْ تَبَعًا﴾ [٢١]: وَاحِدُهَا تَابِعٌ، مِثْلُ: غَيَبٍ وَغَائِبٍ. ﴿بِمُصْرِخِكُمْ﴾ [٢٢]: اِسْتَصْرَخَنِي: اِسْتَغَاثَنِي؛ ﴿يَسْتَصْرِخُهُ﴾ [القصص:١٨]: مِنَ الصُّرَاخِ. ﴿وَلَا خِلَالٌ﴾ [٣١]: مَصْدَرُ خَالَلْتُهُ خِلَالًا، وَيَجُوزُ أَيْضًا جَمْعُ خُلَّةٍ وَخِلَالٍ. ﴿اجْتُثَّتْ﴾ [٢٦]: اُسْتُؤْصِلَتْ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: هَادٍ کے معنی ہیں: دَاعٍ، یعنی دعوت دینے والا۔ امام مجاہد نے کہا: صَدِيدٍ کے معنی ہیں: خون اور پیپ۔ ابن عیینہ نے کہا: اُذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ میں نِعْمَتَ اللّٰه سے مراد اللہ کی وہ نعمتیں ہیں جو تمھارے پاس ہیں اور وہ واقعات جو تمھاری نجات کا ذریعہ ہیں۔ امام مجاہد نے کہا: مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ کا مفہوم یہ ہے کہ جن جن چیزوں کی طرف تمھیں رغبت ہے۔ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا: دین میں کجی تلاش کرتے ہو۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ کے معنی ہیں: جب تمھارے رب نے اطلاع دی۔ رَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ عرب کی مثل ہے جس کے معنی ہیں: اس (حق) سے باز رہے جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا۔ مَقَامِيْ سے مراد وہ مقام ہے جہاں اللہ اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ مِنْ وَّرَائِهٖ کا مفہوم ہے: اس کے آگے دوزخ ہو گی۔ لَكُمْ تَبَعًا یہ جمع ہے۔ اس کا مفرد تابع ہے جیسا کہ غَيَبٍ کا مفرد غائب ہے۔ بِمُصْرِخِكُمْ فریاد رس۔ یہ اِسْتَصْرَخَنِي سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: اِسْتَغَاثَنِي، یعنی اس نے میری فریاد رسی کی۔ يَسْتَصْرِخُهٗ بھی صُرَاخ سے بنا ہے۔ اس کے معنی بھی فریاد اور چیخ کے ہیں۔ وَلَا خِلٰلٌ یہ خَالَلْتُهٗ خِلَالًا سے مصدر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ خُلَّة اور خِلَال کی جمع ہو۔ اجْتُثَّتْ کے معنی ہیں: جڑ سے اکھاڑ دیا گیا۔

---

[1] النمل 27:65.

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ﴾ الْآيَةَ [٢٤].

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''ایک پاکیزہ درخت کی طرح جس کی جڑ مضبوط ہے'' کی تفسیر

وضاحت: پوری آیت کریمہ کا مفہوم حسب ذیل ہے: ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ (توحید) کی کیسی عمدہ مثال بیان کی ہے کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔''[1] کلمۂ طیبہ سے مراد کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ ہے۔ جب یہ کلمہ عقیدہ وعمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہ جہاں تمام تر بھلائیوں کی بنیاد بن جاتا ہے تو وہاں ہر طرح کی برائیوں کو بھی ختم کر دیتا ہے اور پاکیزہ درخت سے مراد کھجور کا درخت ہے اور پاکیزہ درخت کی تو ایسے مومن کے ساتھ مثال دی گئی ہے جس کے دل میں کلمۂ توحید رچ بس گیا ہو جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٦٩٨ - حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ تُشْبِهُ - أَوْ: كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَا يَتَحَاتُّ وَرَقُهَا وَلَا... وَلَا... وَلَا...، تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ»، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، وَرَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ لَا يَتَكَلَّمَانِ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ. فَلَمَّا لَمْ يَقُولُوا شَيْئًا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هِيَ النَّخْلَةُ». فَلَمَّا قُمْنَا قُلْتُ لِعُمَرَ: يَا أَبَتَاهُ، وَاللهِ لَقَدْ كَانَ وَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، فَقَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَكَلَّمَ؟ قَالَ: لَمْ أَرَكُمْ تَكَلَّمُونَ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ أَوْ أَقُولَ شَيْئًا. قَالَ عُمَرُ: لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا.

[راجع: ٦١]

[4698] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھے کہ آپ نے صحابہ سے پوچھا: ''مجھے اس درخت کے متعلق بتاؤ جو بندۂ مسلم سے مشابہ ہے یا مرد مسلم کی مانند ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور نہ یہ ہوتا ہے، نہ یہ ہوتا ہے اور نہ یہ ہوتا ہے۔ وہ اپنا پھل ہر موسم میں دیتا ہے۔'' حضرت ابن عمر کہتے ہیں: میرے دل میں خیال آیا وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے بزرگ خاموش بیٹھے ہیں تو میں نے بھی جواب دینا مناسب نہ خیال کیا۔ جب انھوں نے کوئی جواب نہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔'' جب ہم اس مجلس سے اٹھ آئے تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ابا جان، اللہ کی قسم! میرے دل میں یہ بات آئی تھی کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ انھوں نے فرمایا: تمھیں جواب دینے سے کس چیز نے روکا تھا؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے دیکھا کہ آپ حضرات خاموش ہیں تو میں نے مناسب نہ سمجھا کہ آگے بڑھ کر کچھ بات کروں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم کہہ دیتے تو

1 إبراهيم 14:24.

مجھے اتنا اتنا مال ملنے سے زیادہ خوشی ہوتی۔

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سوال کیا تو آپ جُمار کھا رہے تھے۔[1] حضرت ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ آپ کے جُمار کھانے کی وجہ سے میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔[2] ② رسول اللہ ﷺ نے اس کی تین صفات بیان کیں۔ راوی نے انھیں تین دفعہ لا۔ ولا۔ ولا کہہ کر بیان کر دیا، یعنی نہ تو اس کا پھل ختم ہوتا ہے اور نہ اس کا سایہ ختم ہوتا ہے اور نہ اس کا نفع ختم ہوتا ہے۔ کھجور کا کوئی جزبے کار نہیں جاتا، اس کا پھل نہایت شیریں، لذیذ اور مفید ہے۔ اس کا پھل کچا اور پختہ ہر طرح کھایا جاتا ہے، پھر پختہ ہونے کے بعد اسے خشک کر کے سارا سال استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی گٹھلیاں چوپایوں کی خوراک ہے۔ انھیں پیس کر اطباء حضرات مختلف ادویات میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ درخت ہمیشہ ہرا بھرا رہتا ہے، موسم خزاں میں بھی اس کے پتے نہیں گرتے۔ اس کے تنے مکانوں میں ستونوں اور شہتیر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے پتوں سے چٹائیاں، ٹوکرے اور پنکھے بنائے جاتے ہیں۔ اس کی چھال تکیوں اور گدوں میں بھری جاتی ہے۔ ③ اسے بندۂ مسلم سے تشبیہ دی ہے کہ مسلم کامل کا ہر کام نفع مند اور ثمر آور ہوتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے: درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی برکات بندۂ مسلم کی برکات کی طرح ہیں۔[3] اللہ نے بھی آیت کریمہ میں شجرہ طیبہ کی چار صفات بیان کی ہیں: * وہ طیب اور پاکیزہ ہے۔ اس کی یہ عمدگی، خواہ شکل وصورت کے اعتبار سے ہو یا پھل پھول کے اعتبار سے یا پھل کے خوش ذائقہ، میٹھے اور خوشبودار ہونے کے اعتبار سے ہو۔ * اس کی جڑیں زمین میں خوب مستحکم اور گہرائی تک پیوست ہو چکی ہیں اور اس قدر مضبوط ہیں جو اپنے طویل القامت درخت کا بوجھ برداشت کر سکتی ہیں۔ * اس کی شاخیں آسمانوں میں، یعنی بہت بلندی تک چلی گئی ہیں، لہٰذا اس سے جو پھل حاصل ہوگا وہ ہوا کی آلودگی اور گندگی وغیرہ کے جراثیم سے پاک صاف ہوگا۔ * یہ عام درختوں کی طرح نہیں بلکہ ہر موسم میں پورا پھل دیتا ہے۔ یہ باتیں کھجور کے درخت اور پھل میں پائی جاتی ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

(٢) بَابٌ: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ [٢٧]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ انھیں کلمۂ طیبہ کے ساتھ (دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں) ثابت قدم رکھتا ہے“ کا بیان

وضاحت: قول ثابت سے مراد کلمۂ توحید ہے۔ اس کی برکت سے بندۂ مسلم کسی حالت میں گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ مصائب و مشکلات کے دور میں بھی اللہ پر بھروسا کرتا ہے، ثابت قدم رہتا اور عزم و استقلال سے سب کچھ برداشت کر جاتا ہے اور آخرت میں بھی اسے وہی حالات و مناظر پیش آئیں گے جن پر وہ پہلے ہی ایمان رکھتا تھا، لہٰذا وہاں بھی اس کے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور اس کلمے کی برکت سے وہاں بھی ثابت قدم رہے گا۔ دنیا و آخرت کے علاوہ ایک تیسرا مقام عالم برزخ یا قبر کا مقام ہے وہاں بھی سوال و جواب کے وقت ثابت قدم رہے گا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

① صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2209. ② فتح الباري: 1/193. ③ صحيح البخاري، الأطعمة، حديث: 5444.

٤٦٩٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَلْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿يُثَبِّتُ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ بِٱلْقَوْلِ ٱلثَّابِتِ فِي ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِي ٱلْآخِرَةِ﴾». [راجع: ١٣٦٩]

[4699] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کا بھی یہی مفہوم ہے: ''جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ انھیں کلمۂ طیبہ سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔''

فوائدومسائل: ① بندۂ مومن کلمۂ طیبہ کی برکت سے مرتے دم تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور قبر میں بھی اللہ کی تائید سے اسی کلمے پر قائم رہے گا، اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے گا، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ مذکورہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی۔[1] ② بہرحال جب کلمۂ توحید کسی مومن کے دل میں رچ بس جاتا ہے اور اس کی جڑ پیوست ہو جاتی ہے اور وہ اپنی پوری زندگی اس کلمے کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیتا ہے تو اس سے اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں، پھر ان کا فائدہ صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ آس پاس کا معاشرہ بھی ان سے فائدہ اٹھاتا ہے، پھر یہی اعمال صالحہ آسمان کی بلندیوں تک جا پہنچتے ہیں۔

(٣) بَابٌ: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ بَدَّلُواْ نِعْمَتَ ٱللَّهِ كُفْرًا﴾ [٢٨]

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ) ''کیا آپ نے ان لوگوں کی حالت پر غور نہیں کیا جنھوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا'' کا بیان

﴿أَلَمْ تَرَ﴾: أَلَمْ تَعْلَمْ؛ كَقَوْلِهِ: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ خَرَجُواْ﴾. ﴿ٱلْبَوَارِ﴾ [٢٨]: اَلْهَلَاكُ. بَارَ يَبُورُ بَوْرًا؛ ﴿قَوْمًا بُورًا﴾ [الفرقان:١٨]: هَالِكِينَ.

اَلَمْ تَرَ کے معنی اَلَمْ تَعْلَمْ ہیں جیسا کہ: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا میں ہے۔ اَلْبَوَارِ کے معنی ہیں: ہلاکت۔ اور یہ بَارَ، يَبُوْرُ، بَوْرًا سے ماخوذ ہے۔ قَوْمًا بُوْرًا کے معنی ہیں: ہلاک ہونے والی قوم۔

وضاحت: یہ آیت اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے اور اپنے اندر یہ مفہوم رکھتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین اور لوگوں کے لیے نعمت الٰہیہ بنا کر بھیجا۔ اب جس نے اس نعمت کی قدر کی، اسے قبول کیا، اس نے شکر ادا کیا وہ جنتی

1 صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1369.

ہوگیا، اور جس نے اس نعمت کو رد کر دیا اور کفر اختیار کیے رکھا وہ جہنمی قرار پایا، مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

٤٧٠٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عَطَاءٍ: سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ قَالَ: هُمْ كُفَّارُ أَهْلِ مَكَّةَ. [راجع: ٣٩٧٧]

[4700] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: درج ذیل آیت کریمہ سے مراد کفار مکہ ہیں: ''کیا آپ نے ان کی طرف نظر نہیں ڈالی جنھوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا......

فوائد ومسائل: ① کفار مکہ سے قریشی مشرک سردار مراد ہیں، جن کے ہاتھ میں اس وقت سارے عرب کی باگ ڈور تھی۔ یہ لوگ بیت اللہ کے پاسبان تھے اور اسی پاسبانی کی وجہ سے ان کی عرب بھر میں عزت کی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ان پر دوسری مہربانی تھی مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کا جواب ضد اور دشمنی سے دیا۔ وہ حق کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے پھر اس مخالفت میں بڑھتے ہی چلے گئے یہاں تک کہ خود بھی تباہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی تباہ کر کے چھوڑا اور مرنے کے بعد خود بھی جہنم جائیں گے اور اپنے پیروکاروں کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبیں گے۔ ② اس حوالے سے ہمیں اپنے متعلق بھی غور وفکر کرنا چاہیے کہ کس قدر اللہ کی نعمتیں استعمال کرنے کے بعد ہم ان کا کتنا شکر ادا کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمھیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔''[1]

(١٥) تَفْسِيرُ سُورَةِ الْحِجْرِ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — 15- تفسیر سورۂ حجر

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿صِرَٰطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ﴾ [٤١]: الْحَقُّ يَرْجِعُ إِلَى اللهِ، وَعَلَيْهِ طَرِيقُهُ. ﴿لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ [٧٩]: عَلَى الطَّرِيقِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَعَمْرُكَ﴾ [٧٢]: لَعَيْشُكَ. ﴿قَوْمٌ مُّنكَرُونَ﴾ [٦٢]: أَنْكَرَهُمْ لُوطٌ. ﴿كِتَابٌ مَّعْلُومٌ﴾ [٤]: أَجَلٌ. ﴿لَّوْ مَا﴾ [٧]: هَلَّا تَأْتِينَا. ﴿شِيَعِ﴾ [١٠]: أُمَمٍ وَلِلْأَوْلِيَاءِ أَيْضًا شِيَعٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿يُهْرَعُونَ﴾ [هود: ٧٨]: مُسْرِعِينَ. ﴿لِلْمُتَوَسِّمِينَ﴾

امام مجاہد نے فرمایا: صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ کے معنی ہیں: حق اللہ کی طرف لوٹتا ہے اور اس کی رہنمائی بھی وہی فرماتا ہے۔ لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ کے معنی ہیں: کھلے راستے پر۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: لَعَمْرُكَ بمعنی لَعَيْشُكَ ہے، یعنی تیری زندگی کی قسم۔ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ: حضرت لوط ؑ نے ان فرشتوں کو اجنبی خیال کیا۔ كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ، یعنی مقررہ مدت۔ لَوْمَا (تَأْتِينَا) کے معنی: هَلَّا تَأْتِينَا ہیں کہ تو (فرشتے) کیوں نہیں لے کر آتا۔ شِيَع کے معنی امتیں اور

[1] ابراھیم 14:7.

[۷۵]: لِلنَّاظِرِينَ. ﴿سُكِّرَتْ﴾ [۱۵]: غُشِّيَتْ. ﴿بُرُوجًا﴾ [۱٦]: مَنَازِلَ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ. ﴿لَوَاقِحَ﴾ [۲۲]: مَلَاقِحَ مُلْقِحَةً. ﴿حَمَإٍ﴾ [۲٦]: جَمَاعَةُ حَمْأَةٍ، وَهُوَ الطِّينُ الْمُتَغَيِّرُ، وَالْمَسْنُونُ: الْمَصْبُوبُ. ﴿تَوْجَلْ﴾ [۵۳]: تَخَفْ. ﴿دَابِرَ﴾ [٦٦]: آخِرَ. ﴿لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ﴾: الْإِمَامُ كُلُّ مَا ائْتَمَمْتَ وَاهْتَدَيْتَ بِهِ. ﴿الصَّيْحَةُ﴾ [۸۳]: الْهَلَكَةُ.

قومیں، نیز اولیاء پر بھی شِیَعٌ کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: يُهْرَعُوْنَ کے معنی تیز دوڑتے ہوئے آئے۔ لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ کے معنی ہیں: لِلنَّاظِرِيْنَ، دیکھنے والوں کے لیے۔ سُكِّرَتْ کے معنی ہیں: ہماری نظر بندی کردی گئی ہے۔ بُرُوْجًا سے مراد سورج اور چاند کی منزلیں ہیں۔ لَوَاقِحَ کے معنی مَلَاقِحَ ہیں جو مُلْقِحَةٌ کی جمع ہے، پانی کا بوجھ اٹھانے والی ہوائیں۔ حَمَإٍ یہ حَمْأَةٍ کی جمع ہے جس کے معنی بدبودار مٹی۔ اور مَسْنُوْن کے معنی ہیں: قالب میں ڈھالی گئی۔ لَا تَوْجَلْ: تو مت ڈر۔ دَابِرَ کے معنی ہیں: جڑ اور بنیاد۔ لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ: اَلْإِمَامُ سے مراد ہر وہ چیز جس کی تو پیروی کرے اور جس کے ذریعے سے تو راہ پائے۔ اَلصَّيْحَةُ کے معنی ہیں: ہلاکت اور چنگھاڑ۔

(۱) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ﴾ [۱۸]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”ہاں، اگر شیطان چوری چھپے سننا چاہے تو چمکتا ہوا ایک شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے“ کا بیان

وضاحت: اس آیت میں شہاب مبین کے الفاظ ہیں جبکہ دوسرے مقام پر شہاب ثاقب آیا ہے۔[1] اس کے معنی ہیں چھید کرنے والا چمک دار شعلہ۔ رات کے وقت ایسے شعلے دار ستارے نظر آتے ہیں جنھیں ہم اپنی زبان میں ٹوٹنے والے تارے کہتے ہیں، چنانچہ ہمیں ایک شعلہ تیزی سے فضا میں سفر کرتا نظر آتا ہے پھر اچانک بجھ جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ شیاطین کو جلا کر راکھ کر دینے والے وہ ستارے ہوں جن کا ذکر درج بالا آیت میں ہوا ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں ہے بلکہ بعثت نبوی کے وقت سے تو ان کا گزر بھی وہاں نہیں ہوسکتا، اگرچہ شیاطین کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کرکے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہوکر وہاں اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں۔ اس پر بھی فرشتوں کے پہرے بٹھا دیے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوششیں کریں تو اوپر سے ان پر آتش بازی کی جائے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

٤٧٠١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا

[4701] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی

1 الصّٰفّٰت 10:37.

سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلَى صَفْوَانٍ - قَالَ عَلِيٌّ: وَقَالَ غَيْرُهُ: - صَفْوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ - فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا لِلَّذِي قَالَ: الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ، فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هٰكَذَا، وَاحِدٌ فَوْقَ آخَرَ. - وَوَصَفَ سُفْيَانُ بِيَدِهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ أَصَابِعِ يَدِهِ الْيُمْنٰى، نَصَبَهَا بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ الْمُسْتَمِعَ قَبْلَ أَنْ يَرْمِيَ بِهَا إِلٰى صَاحِبِهِ فَيُحْرِقَهُ، وَرُبَّمَا لَمْ يُدْرِكْهُ حَتّٰى يَرْمِيَ بِهَا إِلَى الَّذِي يَلِيهِ، إِلَى الَّذِي هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُ حَتّٰى يُلْقُوهَا إِلَى الْأَرْضِ - وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: - حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلَى الْأَرْضِ، فَتُلْقٰى عَلٰى فَمِ السَّاحِرِ فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ، فَيُصَدَّقُ فَيَقُولُونَ: أَلَمْ يُخْبِرْنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا يَكُونُ كَذَا وَكَذَا؟ فَوَجَدْنَاهُ حَقًّا - لِلْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ -».

ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی حکم کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اس کا حکم بجا لانے کے لیے نہایت عاجزی کے ساتھ اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں اور ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے کسی صاف پتھر پر زنجیر کھینچی جا رہی ہو۔ (سفیان بن عیینہ کے علاوہ) دوسرے راویوں نے صفوان کے بعد يَنْفُذُهُمْ ذٰلِكَ کے الفاظ ذکر کیے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں تک اپنا پیغام پہنچا دیتا ہے۔ پھر جب ان کے دلوں سے خوف زائل ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ تو ایک دوسرے کو وہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حق فرمایا ہے اور وہ برتر و بزرگ ہے۔ (فرشتوں کی) یہ باتیں چوری سے بات اڑانے والے شیطان پا لیتے ہیں اور وہ اس طرح ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں۔ راویٔ حدیث سفیان نے اپنے ہاتھ سے ان کی حالت بیان کی، انھوں نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں کشادہ کیں اور ان کو ایک دوسرے پر رکھا۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بات سننے والے کو آگ کا شعلہ لگتا ہے جو اسے اپنے نیچے والے کو بات پہنچانے سے پہلے پہلے بھسم کر دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شعلہ اس تک نہیں پہنچتا اور وہ اپنے نیچے والے شیطان کو بات پہنچا دیتا ہے، وہ اس سے نیچے والے کو، اس طرح وہ بات زمین تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور کبھی سفیان نے کہا: وہ بات زمین تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر وہ بات کاہن کے منہ میں ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس بات کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔ پھر جب کوئی بات سچی نکل آتی ہے تو لوگ کہنے لگتے ہیں: دیکھو اس (نجومی) نے فلاں فلاں دن ہمیں یہ خبر نہ دی تھی کہ آئندہ ایسا ایسا ہو گا اور ویسا ہی ہوا ہے؟ اس کی بات سچی نکلی، حالانکہ وہ، وہ بات ہوتی ہے جو آسمان سے چرائی

گئی تھی۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: «إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ»، وَزَادَ: وَ«الْكَاهِنِ».

حضرت ابوہریرہ ؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے: ''جب اللہ تعالیٰ کسی معاملے کا فیصلہ کرتا ہے۔'' اس میں جادوگر کے ساتھ کاہن کا اضافہ ہے۔

وَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ فَقَالَ: قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ: «إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ» وَقَالَ: «عَلَى فَمِ السَّاحِرِ»، قُلْتُ لِسُفْيَانَ: أَأَنْتَ سَمِعْتَ عَمْرًا؟ قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قُلْتُ لِسُفْيَانَ: إِنَّ إِنْسَانًا رَوَى عَنْكَ: عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَيَرْفَعُهُ: أَنَّهُ قَرَأَ: [فُرِّغَ]، قَالَ سُفْيَانُ: هٰكَذَا قَرَأَ عَمْرٌو فَلَا أَدْرِي سَمِعَهُ هٰكَذَا أَمْ لَا. قَالَ سُفْيَانُ: وَهِيَ قِرَاءَتُنَا. [انظر: ٤٨٠٠، ٧٤٨١]

انھی کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے۔'' اور اس میں ہے: ''وہ بات جادو گر کے منہ میں ڈال دی جاتی ہے۔'' علی بن عبداللہ نے کہا: میں نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا: تم نے عمرو بن دینار سے خود سنا ہے کہ وہ کہتے تھے: میں نے عکرمہ سے سنا، وہ کہتے تھے: میں نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے سنا؟ انھوں نے ہاں میں جواب دیا۔ میں نے سفیان سے کہا: ایک آدمی نے تم سے یوں روایت کی کہ تم نے عمرو سے، انھوں نے عکرمہ سے انھوں نے ابوہریرہ ؓ سے، انھوں نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فُرِّغ پڑھا تھا۔ سفیان نے کہا: عمرو نے اس قراءت کو اسی طرح پڑھا، اب میں نہیں جانتا کہ انھوں نے عکرمہ سے اس طرح سنا یا نہیں سنا۔ سفیان نے کہا: ہماری قراءت بھی یہی ہے۔

فوائد ومسائل: ① قرآن وحدیث میں مذکور اس طرح کے واقعات سے پتا چلتا ہے کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سی چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہی عالم ملکوت ہے۔ انسانوں اور جنوں کے شیاطین کے خزانے میں جھوٹ اور افتراء کے علاوہ اور کچھ نہیں، نیز یہ آسمانی انتظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں قدم رکھ سکے یا انتہائی جدوجہد کے باوجود وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر قابل ذکر دسترس حاصل کر سکے۔ ② ادھر ادھر کا جو ایک فقرہ سن لیا جاتا ہے تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کی قطعاً بندش کر دی جائے۔ وہ چاہتا تو اس سے بھی روک سکتا تھا مگر یہ بات اس کی حکمت بالغہ کے مطابق نہ تھی، آخر اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا کو گمراہ کرنے کے لیے طویل مہلت دی ہے اور گمراہ کرنے والے اسباب و وسائل پر دسترس دی ہے، حالانکہ اللہ کو معلوم ہے کہ یہ شیاطین گمراہ کرنے اور بھٹکانے سے باز نہیں آئیں گے۔ اس میں کچھ نہ کچھ حکمت تسلیم کرنا پڑے گی، اس طرح ایک آدمی بات سننے میں بھی کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ شیاطین، ہزاروں کی تعداد میں ان شہابوں سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی اپنی کوشش کو جاری رکھے ہوتے ہیں جیسا کہ کوہ ہمالیہ کی چوٹی سر کرنے والے اپنی

جان سے ہاتھ دھوتے رہتے ہیں لیکن یہ انجام دیکھ کر دوسرے اس کام کو ترک نہیں کرتے۔ واللہ أعلم. اس کی مزید تفصیل سورۂ سبا آیت: 23 کی تفسیر میں آئے گی۔

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَٰبُ ٱلْحِجْرِ ٱلْمُرْسَلِينَ﴾ [٨٠]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور بلاشبہ یقیناً ''حجر'' والوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا'' کا بیان

وضاحت: قوم ثمود کی بستی کا نام حجر تھا، اس لیے انھیں اصحاب الحجر کہا گیا ہے۔ یہ بستی مدینہ اور تبوک کے درمیان تھی۔ انھوں نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا۔ یہ لوگ بڑے طویل القامت، دیوہیکل اور لمبی عمروں والے تھے، سنگ تراش اور انجینئر قسم کے لوگ تھے اور فن سنگ تراشی میں اتنے ماہر تھے کہ پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنے محلات بناتے تھے جو ہر طرح کی زمینی اور آسمانی آفات، مثلاً: زلزلہ، طوفان بادوباراں کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ وہ ہر قسم کے خوف وخطر سے بے خوف ہو کر ان میں رہتے تھے لیکن جب طغیانی اور سرکشی کی وجہ سے ان پر عذاب آیا تو ان کی ساری تدابیر بے کار ثابت ہوئیں، چنانچہ وہ اپنے گھروں میں ہی مر گئے اور وہیں گلتے سڑتے رہے، پھر ان کے بہت سے آثار طویل مدت تک دوسروں کے لیے باعث عبرت بنے رہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧٠٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِأَصْحَابِ الْحِجْرِ: «لَا تَدْخُلُوا عَلَى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ». [راجع: ٤٣٣]

[4702] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب الحجر کے متعلق فرمایا تھا: ''اس قوم کی بستی سے جب گزرنا پڑے تو روتے ہوئے گزرو اور اگر روتے ہوئے نہیں گزر سکتے تو پھر وہاں نہ جاؤ، مبادا تم پر وہی عذاب آجائے جو ان پر آیا تھا۔''

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر تبوک میں جب حجر کے مقام پر پہنچے تو آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ ان کے کنوؤں سے پانی نہ پئیں اور نہ ڈول بھریں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہم نے تو آٹا گوندھ لیا ہے اور پانی بھر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''آٹا پھینک دو اور پانی بہا دو۔''[1] ایک دوسری روایت کے مطابق آپ نے وہ آٹا اونٹوں کو کھلانے کی اجازت دے دی اور آپ نے حکم دیا کہ اس کنویں سے پانی پلاؤ جس سے اونٹنی پانی پیتی تھی۔[2] پھر آپ نے

---

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3378. 2 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3379.

چادر سے اپنا سر ڈھانپ لیا اور تیزی سے اپنی سواری کو چلاتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔[1] ② ان واقعات سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اگر مشرکین مکہ بھی قوم ثمود کی ڈگر پر چل رہے ہیں تو ان کا انجام بھی وہی ہونے والا ہے، لہٰذا ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں، مناسب وقت آنے پر اللہ تعالیٰ ان سے خود نمٹ لے گا۔ واللہ المستعان.

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَلَقَدْ ءَاتَيْنَٰكَ سَبْعًا مِّنَ ٱلْمَثَانِي وَٱلْقُرْءَانَ ٱلْعَظِيمَ﴾ [٨٧]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم نے آپ کو سات ایسی آیات دی ہیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی دیا ہے'' کا بیان

وضاحت: السبع المثانی سے کیا مراد ہے، اس کے متعلق مفسرین کے تین قول مشہور ہیں: ○ السبع المثانی سے مراد قرآن مجید کی پہلی سات سورتیں ہیں جنھیں السبع الطوال بھی کہا جاتا ہے۔ ○ اس سے مراد سات قسم کے مضامین ہیں جو قرآن مجید میں بار بار آتے ہیں۔ ○ السبع المثانی سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے کیونکہ اس کی سات آیات ہیں جو بار بار نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان اقوال میں ترجیح آخری قول کو ہے جس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

٤٧٠٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ: مَرَّ بِيَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا أُصَلِّي، فَدَعَانِي فَلَمْ آتِهِ حَتَّى صَلَّيْتُ، ثُمَّ أَتَيْتُ فَقَالَ: «مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ؟» فَقُلْتُ: كُنْتُ أُصَلِّي، فَقَالَ: «أَلَمْ يَقُلِ اللهُ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ﴾؟» ثُمَّ قَالَ: «أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ؟» فَذَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ لِيَخْرُجَ فَذَكَّرْتُهُ فَقَالَ: «﴿ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ». [راجع: ٤٤٧٤]

[4703] حضرت ابو سعید بن معلّی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میرے پاس سے نبی ﷺ گزرے جبکہ میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے مجھے آواز دی تو میں حاضر نہ ہو سکا حتی کہ میں نے نماز مکمل کی۔ نماز سے فراغت کے بعد میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تم اس وقت کیوں نہ آئے؟'' میں نے عرض کی: میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا اللہ تعالیٰ کا درج ذیل ارشاد نہیں ہے: ''اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کا رسول تمھیں بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ؟'' پھر آپ نے فرمایا: ''مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے میں تجھے قرآن کریم کی ایک عظیم سورت کی تعلیم نہ دوں؟'' اس کے بعد آپ مسجد سے جانے کے لیے اٹھے تو میں نے آپ کو وہ بات یاد دلائی۔ آپ نے فرمایا: ''﴿الحمدللہ رب العالمین﴾'' یہی سورت سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3380.

٤٧٠٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ».

[4704] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام القرآن، یعنی سورۃ الفاتحہ ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔''

فوائدومسائل: ① سورۃ الفاتحہ کی سات آیات ہیں جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے، خواہ امام ہو یا مقتدی، نماز فرض ہو یا نفل، سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی جیسا کہ دیگر احادیث میں اس کی صراحت ہے۔ ② سورۃ الفاتحہ کو قرآن عظیم اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں پورے قرآن کی تعلیم کا خلاصہ آگیا ہے، گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی حمد و ثنا، پھر روز جزا میں سزا و جزا کا جامع بیان، اس کے بعد شرک کی تمام اقسام سے کلی اجتناب کا اقرار اور ہر قسم کی مدد اللہ سے مانگنے کا عہد، آخر میں صراط مستقیم کا تعین اور اسے اختیار کرنے کی طلب و دعا، یہی مضامین قرآن مجید میں اجمال اور تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور ان کے بیان کے لیے مختلف انداز اختیار کیے گئے ہیں، بلکہ اس سورت کا مزید اختصار ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ہے۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ واللہ المستعان.

(٤) بَابُ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ﴾ [٩١]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''جنھوں نے قرآن مجید کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا'' کی وضاحت

﴿الْمُقْتَسِمِينَ﴾ [٩٠]: الَّذِينَ حَلَفُوا؛ وَمِنْهُ ﴿لَا أُقْسِمُ﴾ [البلد: ١]: أَيْ: أُقْسِمُ، وَتُقْرَأُ: (لَأُقْسِمُ)؛ ﴿قَاسَمَهُمَا﴾ [الأعراف: ٢١]: حَلَفَ لَهُمَا وَلَمْ يَحْلِفَا لَهُ؛ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿تَقَاسَمُوا﴾ [النمل: ٤٩]: تَحَالَفُوا.

اَلْمُقْتَسِمِيْنَ سے وہ کافر مراد ہیں جنھوں نے قسم اٹھائی تھی۔ اسی سے لَا أُقْسِمُ ماخوذ ہے کہ میں قسم اٹھاتا ہوں۔ بعض حضرات نے اس لفظ کو لَأُقْسِمُ (لام تاکید کے ساتھ) پڑھا ہے۔ قَاسَمَهُمَا بھی اسی سے ہے، یعنی ابلیس نے آدم اور حوا دونوں کے سامنے قسم اٹھائی لیکن آدم اور حوا نے قسم نہیں اٹھائی تھی۔ امام مجاہد نے کہا ہے: تَقَاسَمُوْا کے معنی ہیں: تَحَالَفُوا، یعنی حضرت صالح کو مار دینے کی انھوں نے قسم اٹھائی تھی۔

وضاحت: مکمل آیات کا مفہوم حسب ذیل ہے: ''جیسا کہ ہم نے عذاب قسم اٹھانے والوں پر نازل کیا جنھوں نے قرآن کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔'' ان آیات کے عام طور پر دو معانی بیان کیے گئے ہیں: * مُقْتَسِمِين کے معنی تقسیم کرنے والے یا

بانٹ دینے والے قرار دیے جائیں، اس صورت میں ان سے مراد یہود و نصاریٰ دونوں ہیں جنھوں نے قرآن کریم کے کچھ حصوں کو مانا اور کچھ کا انکار کردیا۔ مُقتَسِمِین کے معنی آپس میں قسم اٹھانے والے قرار دیے جائیں، اس صورت میں ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے انبیاء ﷺ کو جھٹلانے یا انھیں تکلیفیں پہنچانے کی قسمیں اٹھائی تھیں۔ انھوں نے آسمانی کتابوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے، پھر انھوں نے اس معنی کی تائید کے لیے کچھ آیات کا حوالہ دیا ہے جو عنوان میں بیان کی گئی ہیں۔ درج ذیل احادیث بھی اس معنی کی تائید میں ہیں۔

٤٧٠٥ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: ﴿ٱلَّذِينَ جَعَلُوا۟ ٱلْقُرْءَانَ عِضِينَ﴾ قَالَ: هُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ جَزَّؤُهُ أَجْزَاءً فَآمَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ. [راجع: ٣٩٤٥]

[4705] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کریمہ کے متعلق فرمایا: ''جنھوں نے قرآن کریم کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے ہیں۔'' اس سے مراد اہل کتاب ہیں جنھوں نے قرآن کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا تھا۔ انھوں نے اس کے کچھ حصے کو مانا اور کچھ کو مسترد کردیا۔

٤٧٠٦ - حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا: ﴿كَمَآ أَنزَلْنَا عَلَى ٱلْمُقْتَسِمِينَ﴾ قَالَ: آمَنُوا بِبَعْضٍ وَكَفَرُوا بِبَعْضٍ، الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى. [راجع: ٣٩٤٥]

[4706] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ آیت کریمہ: كَمَا اَنْزَلْنَا عَلَى...... سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنھوں نے کچھ قرآن کو تسلیم کیا اور کچھ کا انکار کردیا۔

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں مُقْتَسِمِیْن سے مراد یہود و نصاریٰ بیان کیا گیا ہے۔ واقعی انھوں نے اپنی مذہبی کتاب کے بعض حصوں کو مان کر اور بعض کا انکار کر کے، نیز بعض آیات کو چھپا کر اور بعض میں تحریف کر کے بیسیوں فرقے بنا ڈالے تھے۔ ② کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں جن کا قرآن کریم کے متعلق مطالبہ تھا کہ جن آیات میں ہمارے بتوں کی توہین ہے انھیں نکال دیا جائے باقی آیات ہم مان لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا، وہ اہل کتاب ہوں یا اہل مکہ سے، اللہ تعالیٰ نے اس کردار کے حاملین کو معاف نہیں کیا۔

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَٱعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ ٱلْيَقِينُ﴾ [٩٩]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ اپنے رب کی عبادت کریں حتی کہ آپ پر موت آجائے'' کا بیان

قَالَ سَالِمٌ: ﴿ٱلْيَقِينُ﴾: اَلْمَوْتُ.

حضرت سالم نے کہا: ''یقین'' سے مراد موت ہے۔

وضاحت: حضرت سالم نے کہا ہے کہ یقین سے مراد موت ہے، اس کی تائید مرفوع احادیث سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: [أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ] "اب اسے تو موت آچکی ہے۔"[1] اسی طرح ایک دوسرے شخص کے متعلق فرمایا: [وَيَعْبُدُ رَبَّهُ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْيَقِينُ] "وہ اللہ کی عبادت موت آنے تک کرتا ہے۔"[2] قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر اہل جہنم اپنے جرائم ذکر کرتے ہوئے کہیں گے: "اور ہم روز جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا۔"[3] لیکن کچھ صوفیاء کا کہنا ہے کہ اس سے مراد سلوک کی منازل طے کرتے ہوئے ایک درجہ آتا ہے یہاں پہنچ کر انسان فنافی اللہ ہو جاتا ہے اور یقین کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے، پھر اسے عبادات کی ضرورت نہیں رہتی۔ صوفیاء کا یہ قول محض ایک شیطانی وسوسہ ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیے کیونکہ عبادات تو مرتے دم تک ساقط نہیں ہوتیں بشرطیکہ ہوش و حواس قائم ہوں۔ تعجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو دم واپسیں عبادت اور مجاہدہ میں مصروف رہے اور انھیں تو یہ مرتبہ حاصل نہ ہوا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی فضولیات سے محفوظ رکھے۔ آمین.

(١٦) سُورَةُ النَّحْلِ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — 16- تفسیر سورۂ نحل

﴿رُوحُ الْقُدُسِ﴾ [١٠٢]: جِبْرِيلُ؛ ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾ [الشعراء: ١٩٣]. ﴿فِي ضَيْقٍ﴾ [١٢٧]: يُقَالُ: أَمْرٌ ضَيْقٌ وَضَيِّقٌ مِثْلُ: هَيْنٍ وَهَيِّنٍ، وَلَيْنٍ وَلَيِّنٍ، وَمَيْتٍ وَمَيِّتٍ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: (تَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ) تَتَهَيَّأُ. ﴿سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا﴾ [٦٩]: لَا يَتَوَعَّرُ عَلَيْهَا مَكَانٌ سَلَكَتْهُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿فِي تَقَلُّبِهِمْ﴾ [٤٦]: اِخْتِلَافِهِمْ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿تَمِيدَ﴾ [١٥]: تَكَفَّأُ. ﴿مُفْرَطُونَ﴾ [٦٢]: مَنْسِيُّونَ.

رُوْحُ الْقُدُسِ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں جیسا کہ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ میں ہے، یعنی اس قرآن کو روح الامین (جبریل) لے کر اترے۔ ضَيْقٍ اس میں دو لغتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے أَمْرٌ ضَيْقٌ (تخفیف) اور أَمْرٌ ضَيِّقٌ (تشدید) جیسے هَيْنٍ اور هَيِّنٍ لَيْنٍ و لَيِّنٍ اور مَيْتٍ وَ مَيِّتٍ ہے۔ ضیق کے معنی تنگ دل ہونا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ کے معنی ہیں تَتَهَيَّأُ، یعنی ڈھلتا رہتا ہے۔ ﴿سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا﴾. اس مکھی کا کسی بھی جگہ جانا مشکل نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿فِي تَقَلُّبِهِمْ﴾ کے معنی آنا جانا ہیں۔ مجاہد نے کہا: ﴿تَمِيدَ﴾ کے معنی ہیں: جھکاؤ۔ مُفْرَطُوْنَ کے معنی ہیں: بھلا دیے جائیں گے۔

وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ

مجاہد کے علاوہ نے کہا: ﴿فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ

1 صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1243. 2 صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4889 (1889). 3 المدثر 74: 46، 47.

مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ﴾ [٩٨]: هٰذَا مُقَدَّمٌ وَّمُؤَخَّرٌ؛ وَذٰلِكَ أَنَّ الْاِسْتِعَاذَةَ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَمَعْنَاهَا: الْاِعْتِصَامُ بِاللهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿تُسِيمُونَ﴾ [١٠]: تَرْعَوْنَ. ﴿شَاكِلَتِهِۦ﴾ [الإسراء:٨٤]: نَاحِيَتِهِ ﴿قَصْدُ ٱلسَّبِيلِ﴾ [٩]: الْبَيَانُ. الدِّفْءُ: مَا اسْتَدْفَأْتَ بِهِ. ﴿تُرِيحُونَ﴾ [٦]: بِالْعَشِيِّ. ﴿تَسْرَحُونَ﴾: بِالْغَدَاةِ. ﴿بِشِقِّ﴾ [٧]: يَعْنِي الْمَشَقَّةَ. ﴿عَلَىٰ تَخَوُّفٍ﴾ [٤٧]: تَنَقُّصٍ. ﴿ٱلْأَنْعَٰمِ لَعِبْرَةً﴾ [٦٦]: وَهِيَ تُؤَنَّثُ وَتُذَكَّرُ، وَكَذٰلِكَ: النَّعَمُ؛ ﴿ٱلْأَنْعَٰمِ﴾ جَمَاعَةُ النَّعَمِ. ﴿أَكْنَٰنًا﴾ [٨١]: وَاحِدُهَا كِنٌّ مِثْلُ حِمْلٍ وَأَحْمَالٍ. ﴿سَرَابِيلَ﴾: قُمُصٌ ﴿تَقِيكُمُ ٱلْحَرَّ﴾. وَأَمَّا ﴿سَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ﴾ فَإِنَّهَا الدُّرُوعُ. ﴿دَخَلًا بَيْنَكُمْ﴾ [٩٢، ٩٤]: كُلُّ شَيْءٍ لَمْ يَصِحَّ فَهُوَ دَخَلٌ.

بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ اس میں تقدیم و تاخیر ہے کیونکہ استعاذہ قراءت سے پہلے ہوتا ہے۔ اس کے معنی اللہ کی پناہ لینا ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: تُسِيْمُوْنَ کے معنی ہیں: تم چراتے ہو۔ شَاكِلَتِهٖ سے مراد ہے: اپنے اپنے طریق پر ہے۔ قَصْدُ السَّبِيْلِ: سچے راستے کا بیان کرنا۔ اَلدِّفْءُ: ہر وہ چیز جس سے تو گرمی حاصل کرے۔ تُرِيْحُوْنَ: شام کو چرا کر لاتے ہو۔ تَسْرَحُوْنَ: صبح کو چرانے لے جاتے ہو۔ بِشِقِّ: مشقت سے۔ تَخَوُّفٍ: آہستہ آہستہ کم کرنا۔ اَلْاَنْعٰمِ لَعِبْرَةً، اَنْعَام، نَعَم کی جمع ہے، مذکر، مؤنث دونوں کو انعام اور نعم کہا جاتا ہے۔ اَكْنَانًا اس کی واحد كِنٌّ ہے جیسے حِمْلٌ ہے اور اَحْمَال ہے۔ اس کے معنی ہیں: چھپنے کے مقامات۔ سَرَابِيْلَ اس کے معنی قمیصیں ہیں۔ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ: جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ میں سرابیل سے مراد وہ زرہیں ہیں جو لڑائی میں کام آتی ہیں۔ دَخَلًا بَيْنَكُمْ: ہر وہ چیز جو درست نہ ہو اسے دخل کہا جاتا ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿حَفَدَةً﴾ [٧٢] مِنْ وَلَدِ الرَّجُلِ. اَلسَّكَرُ: مَا حُرِّمَ مِنْ ثَمَرَتِهَا، وَالرِّزْقُ الْحَسَنُ: مَا أُحِلَّ. وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ صَدَقَةَ: ﴿أَنكَٰثًا﴾ [٩٢]: هِيَ خَرْقَاءُ، كَانَتْ إِذَا أَبْرَمَتْ غَزْلَهَا نَقَضَتْهُ. وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: (الْأُمَّةُ) مُعَلِّمُ الْخَيْرِ. وَالْقَانِتُ: الْمُطِيعُ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: حَفَدَةً سے مراد آدمی کی اولاد ہے۔ اَلسَّكَرُ: ہر نشہ آور چیز جو ان پھلوں سے تیار کی جائے اور وہ حرام ہو اور رزق حسن وہ ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہو۔ ابن عیینہ نے صدقہ سے: اَنْكَاثًا کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ایک پاگل عورت جس کا نام خرقاء تھا وہ دن بھر سوت کاتتی، پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی۔ حضرت ابن مسعود ؓ نے کہا کہ اُمَّةٌ کے معنی خیر کی تعلیم دینے والا اور قَانِتٌ کے معنی مطیع اور فرمانبردار کے ہیں۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰٓ أَرْذَلِ ٱلْعُمُرِ﴾ [٧٠]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور کچھ تم میں سے ناکارہ عمر تک پہنچ جاتے ہیں'' کی تفسیر

٤٧٠٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مُوسَى أَبُو عَبْدِ اللهِ الْأَعْوَرُ عَنْ شُعَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو: «أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ، وَأَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ».

[راجع: ٢٨٢٣]

[4707] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں بخل سے، سستی سے، نکمی عمر سے، عذاب قبر سے اور فتنۂ دجال سے، نیز زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

فائدہ: نکمی عمر سے مراد زندگی کا وہ حصہ ہے جس میں انسان بوڑھا ہو کر بے عقل ہو جاتا ہے، اس کے لیے کوئی خاص میعاد مقرر نہیں بلکہ ہر آدمی کی طاقت اور قوت پر منحصر ہے۔

(١٧) سُورَةُ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 17- تفسیر سورۂ بنی اسرائیل

(١) [بَابٌ]:

باب: 1- بلاعنوان

٤٧٠٨ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ وَالْكَهْفِ وَمَرْيَمَ: إِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ، وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي. [انظر: ٤٧٣٩، ٤٩٩٤]

[4708] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف اور سورۂ مریم کے متعلق فرمایا کہ یہ اول درجے کی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور یہ میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔

﴿فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ﴾ [٥١]: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَهُزُّونَ، وَقَالَ غَيْرُهُ: نَغَضَتْ سِنُّكَ

فَسَيُنْغِضُونَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ کے بارے میں حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ فَسَيُنْغِضُوْنَ کے معنی ہیں:

أَيْ: تَحَرَّكَتْ.

وہ اپنا سر ہلائیں گے۔ اوران کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ یہ لفظ نَغَضَتْ سِنُّكَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: تیرا دانت ہل گیا ہے۔

فوائدومسائل: ① عتاق کے معنی عمدہ اور قدیم دونوں ہیں۔ چونکہ یہ سورتیں عجیب وغریب واقعات پر مشتمل ہیں اوران سے سبق آموز عبرتیں حاصل ہوتی ہیں اور یہ واقعات زمانۂ قدیم سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے دونوں معنی درست ہیں۔ ② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سورتوں کے ساتھ شوق اور شفقت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ سورتیں میرے محفوظات قدیم میں سے ہیں اور عرصۂ دراز سے میرے دماغ پر نقش ہیں۔

(٢) [بَابٌ]:

﴿وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ﴾ [٤]: أَخْبَرْنَاهُمْ أَنَّهُمْ سَيُفْسِدُونَ؛ وَالْقَضَاءُ عَلَى وُجُوهٍ: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ﴾ [٣٣]: أَمَرَ، وَمِنْهُ الْحُكْمُ: ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ﴾ [يونس: ٩٣ والنحل: ٧٨ والجاثية: ١٧] وَمِنْهُ الْخَلْقُ: ﴿فَقَضَىٰهُنَّ سَبْعَ سَمَٰوَاتٍ﴾ [فصلت: ١٢] خَلَقَهُنَّ. ﴿نَفِيرًا﴾ [٦] مَنْ يَنْفِرُ مَعَهُ. ﴿وَلِيُتَبِّرُوا۟﴾ [٧]: يُدَمِّرُوا ﴿مَا عَلَوْا۟﴾. ﴿حَصِيرًا﴾ [٨]: مَحْبِسًا، مَحْصَرًا. ﴿حَقَّ﴾ [١٦]: وَجَبَ. ﴿مَيْسُورًا﴾ [٢٨]: لَيِّنًا. ﴿خِطْـًٔا﴾ [٣١]: إِثْمًا، وَهُوَ اسْمٌ مِنْ خَطِئْتُ وَالْخَطَأُ - مَفْتُوحٌ - مَصْدَرُهُ، مِنَ الْإِثْمِ، خَطِئْتُ بِمَعْنَى أَخْطَأْتُ. ﴿تَخْرِقَ﴾ [٣٧]: تَقْطَعَ. ﴿وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰٓ﴾ [٤٧]: مَصْدَرٌ مِنْ نَاجَيْتُ فَوَصَفَهُمْ بِهَا، وَالْمَعْنَى: يَتَنَاجَوْنَ.

باب: 2- بلاعنوان

وَقَضَيْنَا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کے معنی ہیں: ہم نے بنی اسرائیل کو مطلع کر دیا تھا کہ آئندہ وہ فساد کریں گے۔ اور لفظ قضا کئی معنوں میں مستعمل ہے: حکم دینا جیسا کہ قَضٰی رَبُّكَ میں ہے، یعنی تیرے رب نے حکم دیا۔ اس کے معنی فیصلہ کرنا بھی ہیں، جیسے اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ: یقیناً تیرا رب ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اور اس کے معنی پیدا کرنے کے بھی ہیں، جیسے: فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ: اس نے سات آسمان پیدا کیے۔ نَفِيْرًا سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی کے ساتھ کوچ کریں یا آدمی کے ہمراہ لڑائی کے لیے نکلیں۔ وَلِيُتَبِّرُوا مَاعَلَوْا سے مراد جہاں غلبہ پائیں اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ حَصِيْرًا: قید کرنے یا روکنے کی جگہ۔ مَحْصَرًا قید خانہ اور جیل کو کہتے ہیں۔ حَقَّ کے معنی ہیں وَجَبَ، یعنی ثابت ہوا۔ مَيْسُوْرًا کے معنی نرم اور ملائم کے ہیں۔ خِطْأً ''خا'' کے کسرہ کے ساتھ خَطِئْتُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی گناہ کے ہیں اور خَطَأً ''خا'' کے فتحہ کے ساتھ، یہ مصدر ہے، یعنی گناہ کرنا۔ خَطِئْتُ اور أَخْطَأْتُ ثلاثی مجرد اور مزید فیہ دونوں ہم معنی ہیں۔ تَخْرِقَ کے معنی تَقْطَعَ

ہیں، یعنی تو (زمین کو) منقطع (نہیں) کر سکے گا۔ وَاِذْهُمْ نَجْوٰی، نَجْوٰی، نَاجَيْتُ سے مصدر ہے۔ اس میں ان مشرکین کی سرگوشی کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں: وہ سرگوشی کرتے ہیں۔

﴿وَرُفَاتًا﴾ [٤٩، ٩٨]. حُطَامًا. ﴿وَاسْتَفْزِزْ﴾ [٦٤]: اسْتَخِفَّ. ﴿بِخَيْلِكَ﴾ الْفُرْسَانِ. وَالرَّجْلُ وَالرِّجَالُ وَالرَّجَّالَةُ وَاحِدُهَا رَاجِلٌ مِثْلُ صَاحِبٍ وَصَحْبٍ وَتَاجِرٍ وَتَجْرٍ. ﴿حَاصِبًا﴾ [٦٨]: اَلرِّيحُ الْعَاصِفُ، وَالْحَاصِبُ أَيْضًا: مَا تَرْمِي بِهِ الرِّيحُ، وَمِنْهُ: ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [الأنبياء: ٩٨]: يُرْمٰى بِهِ فِي جَهَنَّمَ، وَهُمْ حَصَبُهَا؛ وَيُقَالُ: حَصَبَ فِي الْأَرْضِ: ذَهَبَ؛ وَالْحَاصِبُ مُشْتَقٌّ مِنَ الْحَصْبَاءِ: اَلْحِجَارَةِ. ﴿تَارَةً﴾ [٦٩]: مَرَّةً، وَجَمَاعَتُهُ تِيَرٌ وَتَارَاتٌ. ﴿لَأَحْتَنِكَنَّ﴾ [٦٢]: لَأَسْتَأْصِلَنَّهُمْ؛ يُقَالُ: اِحْتَنَكَ فُلَانٌ مَا عِنْدَ فُلَانٍ مِنْ عِلْمٍ: اسْتَقْصَاهُ. ﴿طَٰٓئِرَهُۥ﴾ [١٣]: حَظُّهُ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُلُّ سُلْطَانٍ فِي الْقُرْآنِ فَهُوَ حُجَّةٌ. ﴿وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ [١١١]: لَمْ يُحَالِفْ أَحَدًا.

وَرُفَاتًا کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کے ہیں۔ وَاسْتَفْزِزْ، یعنی ہلکا کر دے۔ بِخَيْلِكَ کے معنی ہیں: فرسان، یعنی سوار۔ اَلرَّجْلُ وَالرِّجَالُ اور اَلرَّجَّالَةُ کا واحد رَاجِلٌ ہے جیسا کہ صَاحِبٍ کی جمع صَحْبٍ اور تَاجِر کی جمع تَجْرٍ ہے۔ حَاصِبًا: تیز آندھی اور حَاصِبٌ اس کو بھی کہتے ہیں جسے ہوا اڑا لائے۔ اسی سے حَصَبُ جَهَنَّمَ ہے، یعنی جو جہنم میں ڈالا جائے وہی جہنم کا حصب ہے۔ عرب لوگ کہتے ہیں: حَصَبَ فِي الْأَرْضِ: وہ زمین میں گھس گیا اور حَاصِبٌ، حَصْبَاء سے مشتق ہے اور حَصْبَاء پتھروں اور سنگریزوں کو کہتے ہیں۔ تَارَةً: ایک بار۔ اس کی جمع تِيَر اور تَارَاتٌ آتی ہے۔ لَأَحْتَنِكَنَّ کے معنی ہیں: میں ان کو تباہ کر دوں گا۔ عرب کہتے ہیں: اِحْتَنَكَ فُلَانٌ مَاعِنْدَ فُلَانٍ مِنْ عِلْمٍ، یعنی فلاں کے پاس جو کچھ معلومات تھیں وہ سب دوسرے نے حاصل کر لیں، اب کوئی باقی نہیں رہی۔ طَائِرَهُ کے معنی ہیں: اس کا حصہ، قسمت ونصیب۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن کریم میں جہاں جہاں سلطان کا لفظ آیا ہے اس کے معنی ہیں: دلیل اور حجت۔ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ: اس نے کسی سے اس لیے دوستی نہیں لگائی کہ وہ اس کو ذلت سے بچا لے، یعنی اللہ کو کسی کی مدد کی قطعاً ضرورت نہیں۔

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ [١]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ”پاک ہے وہ ذات جس نے رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے (مسجد اقصیٰ تک) سیر کرائی“ کا بیان

وضاحت: سیر کرانے کے واقعے کے دو حصے ہیں، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کو اسراء کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں صرف اسی حصے کا ذکر ہے۔ ○ مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کی سیاحت اور واپسی، اسے معراج کہا جاتا ہے۔ واقعۂ معراج کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جمہور امت کا اتفاق ہے کہ یہ سفر جسمانی تھا۔ محض روحانی یا کشفی قسم کا نہ تھا۔ منکرین حدیث تو واقعۂ معراج کا سرے سے انکار کرتے ہیں اور واقعۂ اسراء چونکہ قرآن میں ہے، اس لیے اس کی بے جا تاویلات کرتے ہیں۔ واللہ المستعان.

٤٧٠٩ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ؛ ح: وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ بِإِيلِيَاءَ بِقَدَحَيْنِ مِنْ خَمْرٍ وَلَبَنٍ، فَنَظَرَ إِلَيْهِمَا فَأَخَذَ اللَّبَنَ، قَالَ جِبْرِيلُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ، لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ. [راجع: ٣٣٩٤]

[4709] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: معراج کی رات رسول اللہ ﷺ کو بیت المقدس میں دو پیالے پیش کیے گئے: ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو دیکھا پھر دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ حضرت جبرئیل ؑ نے کہا: تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے آپ کو فطرت کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت انس ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس تین پیالے لائے گئے: ایک میں دودھ، دوسرے میں شہد اور تیسرے میں شراب تھی۔ میں نے دودھ والا پیالہ لیا اور اسے نوش کر لیا۔ مجھے کہا گیا کہ تو نے اور تیری امت نے فطرت کا انتخاب کیا ہے۔“[1] حقیقت یہ ہے کہ واقعۂ معراج کے وقت آپ کو تین پیالے پیش کیے گئے تھے لیکن ہر راوی نے اپنی معلومات کے مطابق اس واقعے کو بیان کیا ہے، پھر یہ مشروبات رسول اللہ ﷺ کو دو مرتبہ پیش کیے گئے: ایک مرتبہ تو معراج سے پہلے بیت المقدس میں، دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہی کے پاس جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[2] ② حدیث میں شراب کے بجائے دودھ کو اختیار کی وجہ تو بیان کی گئی ہے کہ اس سے گمراہی کا سد باب مقصود تھا لیکن شہد کے مقابلے میں دودھ کا انتخاب کیوں ہوا، اس کی غالباً وجہ یہ تھی کہ دودھ شہد کے مقابلے میں زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے اور اس سے ہڈیاں مضبوط ہوتی ہیں اور گوشت بھی پیدا ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو پیاس لگی تھی جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے اور پیاس بجھانے کے لیے تو شہد کے بجائے دودھ ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ واللہ أعلم.[3]

---

① صحیح البخاري، الأشربة، حديث : 5610. ② صحیح البخاري، مناقب الأنصار، حديث : 3887. ③ فتح الباري : 93/10.

٤٧١٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ».

[4710] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''جب قریش نے مجھے جھوٹا قرار دیا تو میں حطیم میں کھڑا ہوا۔ میرے سامنے پورا بیت المقدس کر دیا گیا۔ میں اسے دیکھ دیکھ کر انھیں اس کی ایک ایک علامت بیان کرنے لگا۔''

زَادَ يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمِّهِ: «لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ حِينَ أُسْرِيَ بِي إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ». نَحْوَهُ.

[راجع: ٣٨٨٦]

ابن شہاب زہری ہی کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: ''جب قریش نے واقعۂ معراج کے متعلق میری تکذیب کی۔'' پھر پہلی حدیث کی طرح اسے بیان کیا۔

﴿قَاصِفًا﴾: رِيحٌ تَقْصِفُ كُلَّ شَيْءٍ.

قَاصِفًا سے مراد وہ آندھی جو ہر چیز کو تباہ کر دے۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ قریش کے کچھ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا: تمھارے رسول تو یہ کہتے ہیں کہ وہ رات کو بیت المقدس گئے اور وہاں سے اس رات واپس آئے، حالانکہ وہاں قافلہ ایک مہینے میں جاتا ہے اور ایک مہینے میں واپس آتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واقعی انھوں نے یہ فرمایا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔[1] اس روز سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا خطاب ملا۔

(٤) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ﴾ [٧٠].

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''بلاشبہ ہم نے آدم کی اولاد کو بہت بزرگی عطا فرمائی'' کا بیان

كَرَّمْنَا وَأَكْرَمْنَا وَاحِدٌ. ﴿ضِعْفَ ٱلْحَيَوٰةِ وَضِعْفَ ٱلْمَمَاتِ﴾ [٧٥]: عَذَابَ الْحَيَاةِ وَعَذَابَ الْمَمَاتِ. ﴿خِلَٰفَكَ﴾ [٧٦]: وَخَلْفَكَ سَوَاءٌ. ﴿وَنَآ﴾ [٨٣]: تَبَاعَدَ. ﴿شَاكِلَتِهِۦ﴾ [٨٤]: نَاحِيَتِهِ.

كَرَّمْنَا اور أَكْرَمْنَا کے معنی ایک ہی ہیں۔ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاةِ سے مراد زندگی اور موت کا عذاب ہے۔ خِلٰفَكَ (خا، کے کسرہ کے ساتھ) اور خَلْفَكَ (خا، کے فتحہ کے ساتھ) دونوں برابر ہیں، یعنی دو قراءتیں

[1] فتح الباري: 498/9.

وَهِيَ: مِنْ شَكْلِهِ. ﴿صَرَّفْنَا﴾ [٤١، ٨٩]: وَجَّهْنَا. ﴿قَبِيلًا﴾ [٩٢]: مُعَايَنَةً وَمُقَابَلَةً. وَقِيلَ: الْقَابِلَةُ لِأَنَّهَا مُقَابِلَتُهَا، وَتَقْبَلُ وَلَدَهَا. ﴿خَشْيَةَ ٱلْإِنفَاقِ﴾ [١٠٠]، يُقَالُ: أَنْفَقَ الرَّجُلُ: أَمْلَقَ؛ وَنَفِقَ الشَّيْءُ: ذَهَبَ. ﴿قَتُورًا﴾: مُقَتِّرًا. ﴿لِلْأَذْقَانِ﴾ [١٠٧، ١٠٩]: مُجْتَمَعُ اللَّحْيَيْنِ، اَلْوَاحِدُ ذَقَنٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مَوْفُورًا﴾[٦٣]: وَافِرًا. ﴿تَبِيعًا﴾ [٦٩]: ثَائِرًا؛ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: نَصِيرًا. ﴿خَبَتْ﴾ [٩٧]: طَفِئَتْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿وَلَا تُبَذِّرْ﴾ [٢٦]: لَا تُنْفِقْ فِي الْبَاطِلِ. ﴿ٱبْتِغَآءَ رَحْمَةٍ﴾ [٢٨]: رِزْقٍ. ﴿مَثْبُورًا﴾ [١٠٢]: مَلْعُونًا. ﴿وَلَا تَقْفُ﴾ [٣٦]: لَا تَقُلْ. ﴿فَجَاسُواْ﴾ [٥]: تَيَمَّمُوا. يُزْجِي الْفُلْكَ: يُجْرِي الْفُلْكَ. ﴿يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ﴾ [١٠٩]: لِلْوُجُوهِ.

ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ وَنَا کے معنی تَبَاعَدَ ہیں، یعنی وہ دور ہوا۔ شَاكِلَتِهٖ کے معنی ہیں: راستہ اور طریقہ۔ اور یہ شَكْلِهٖ سے ماخوذ ہے۔ صَرَّفْنَا کے معنی ہیں: ہم اسے سامنے لائے، یعنی بیان کیا۔ قَبِيْلًا کے معنی ہیں: آنکھوں کے سامنے، روبرو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قَابِلَةٌ سے بنا ہے جس کے معنی دائی، یعنی بچہ جننے والی ہے کیونکہ وہ اس موقع پر عورت کے سامنے ہوتی ہے اور بچہ قبول کرتی ہے۔ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ، أَنْفَقَ الرَّجُلُ کے معنی آدمی کا مفلس ہوجانا ہیں، جب کوئی چیز ختم ہوجائے تو نَفِقَ الشَّيْءُ کہا جاتا ہے۔ قَتُوْرًا: اخراجات میں کمی کرنا اور بخل سے کام لینا۔ یہ مُقَتِّرٌ کے معنی میں ہے، یعنی بخیل اور کنجوس۔ لِلْاَذْقَانِ: اذقان دونوں جبڑوں کے ملنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اس کا مفرد ذَقَنٌ ہے جس کے معنی ہیں: ٹھوڑی۔ امام مجاہد نے کہا: مَوْفُوْرًا کے معنی وافرًا ہیں، یعنی پورا پورا گویا کہ اسم مفعول، اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ تَبِيْعًا کے معنی ہیں: بدلہ لینے والا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کے معنی مدد کرنے والا ہیں۔ خَبَتْ کے معنی بجھنا اور دھیما ہونا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لَا تُبَذِّرْ کے معنی ہیں: بے ہودہ کاموں میں خرچ نہ کرو۔ اِبْتِغَاءَ رَحْمَةٍ: روزی کی تلاش میں۔ مَثْبُوْرًا کے معنی ہیں: ملعون، یعنی فرعون شامت زدہ ہے۔ وَلَا تَقْفُ کے معنی ہیں: تم اٹکل سے مت کہو۔ فَجَاسُوْا: انھوں نے قصد کیا۔ يُزْجِي الْفُلْكَ کے معنی ہیں: چلانا اور جاری کرنا۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ کا مطلب ہے: چہروں کے بل گرتے ہیں۔

وضاحت: عنوان میں درج کردہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا کیا ہے جو سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے، پھر جس قدر توازن اور اعتدال انسانی جسم میں ہے اور جس قدر اس کے اعضائے جسم کثیر المقاصد ہیں اتنے کسی

دوسرے کے نہیں۔ مخلوقات میں سب سے برتر اللہ کے فرشتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی عزت وتکریم کے پیش نظر ان سے بھی اسے سجدہ کرایا اور اس طرح تمام مخلوق پر واضح کر دیا کہ انسان ہی اشرف المخلوقات ہے، پھر اس سے بڑھ کر اور حماقت اور ضلالت کیا ہوسکتی ہے کہ انسان، دوسری مخلوقات کے مقابلے میں ایسے بلند مرتبے پر فائز ہو کر اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری مخلوقات کے سامنے سر جھکائے یا اپنے ہی جیسے کسی محتاج بندے کو حاجت روا اور مشکل کشا خیال کرنے لگے، پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت میں آنے والے کچھ مشکل الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے۔ سیاق وسباق کے اعتبار سے کسی تفسیری کتاب سے ان کے متعلق مزید معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ واللہ المستعان.

بَابٌ: ﴿وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا﴾ الْآيَةَ [١٦]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں'' کا بیان

وضاحت: آیت کریمہ میں ''اَمَرْنَا'' کے کئی ایک معنی ہیں: جمہور کی قراءت أَمَرْنَا ہے، یعنی اَمَرَ یَأْمُرُ جس کے معنی حکم دینا ہیں۔ اس امر سے مراد امر تکوینی ہے، یعنی جس بستی کے لیے ہلاکت مقدر ہو چکی ہو، اس میں ہوتا یہ ہے کہ وہاں کے خوشحال لوگ عیاشیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اتر آتے ہیں، بالآخر انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ دوسری قراءت میم کے کسرہ (زیر) کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں: پھلنا، پھولنا اور مقدار میں زیادہ ہوجانا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧١١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا نَقُولُ لِلْحَيِّ إِذَا كَثُرُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ: أَمِرَ بَنُو فُلَانٍ.

[4711] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب کسی قبیلے کے لوگ زیادہ ہوجاتے تو زمانۂ جاہلیت میں ہم ان کے متعلق کہا کرتے تھے: أَمِرَ بنو فلان، فلاں کا خاندان بہت بڑھ گیا ہے۔

حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَقَالَ: أَمَرَ.

ایک دوسری روایت میں سفیان بن عیینہ نے بھی اس لفظ أَمَرَ کا ذکر کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① آیت کریمہ میں أمرنا کے متعلق عام طور پر تین قراءتیں ہیں: ○ أَمَرَ یَأْمُرُ از نَصَر، اس کے معنی ہیں: حکم دینا۔ جمہور کی قراءت یہی ہے۔ اس کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ ہم مال داروں کو کہا ماننے کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ نافرمانی پر اتر آتے ہیں۔ ○ أَمِرَ یَأْمَرُ از سَمِعَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی قراءت منقول ہے۔ اس کے معنی تعداد میں زیادہ کرنا اور انھیں بڑھا دینا ہیں۔ اس کی تائید مذکورہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے

رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا تھا: لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ، یعنی ابن ابی کبشہ کا معاملہ بہت بڑھ گیا ہے۔[1] اس قراءت کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں بدکاروں کی تعداد بڑھا دیتے ہیں۔ ② اسے میم کی شد سے بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں عیش پرستوں کو قوم کا حاکم بنا دیتے ہیں۔ بہرحال امام بخاری ؒ کا رجحان یہ ہے کہ اس مقام پر دوسری قراءت کے مطابق معنی کیے جائیں کہ وہاں خوش عیش امراء کی تعداد بڑھا دیتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابٌ: ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ [٣]

باب: 5- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اے ان لوگوں کی اولاد! جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا، وہ (ہمارا) بہت ہی شکر گزار بندہ تھا“ کا بیان

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ انسانی نسل صرف سیدنا نوح ؑ کے تین بیٹوں: حام، سام اور یافث ہی کی اولاد نہیں جیسا کہ مؤرخین کا بیان ہے بلکہ ان تمام لوگوں کی اولاد ہے جو سیدنا نوح ؑ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ اس بنا پر حضرت نوح ؑ کو ”آدم ثانی“ کہنا محل نظر ہے۔ آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم بھی حضرت نوح ؑ کی طرح شکر گزاری کا راستہ اختیار کرو اور ہم نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ان کا انکار کر کے کفرانِ نعمت مت کرو۔ درج ذیل حدیث میں بھی حضرت نوح ؑ کی شکر گزاری کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے اسے ذکر کیا ہے۔

٤٧١٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ، فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً ثُمَّ قَالَ: «أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَهَلْ تَدْرُونَ مِمَّ ذٰلِكَ؟ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، يُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ، وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا

[4712] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا اور دستی کا حصہ آپ کو پیش کیا گیا۔ چونکہ آپ کو دستی کا گوشت بہت پسند تھا، اس لیے آپ نے اسے دانتوں سے نوچ نوچ کر کھایا۔ پھر آپ نے فرمایا: ”قیامت کے دن میں لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تمھیں علم ہے کہ یہ کس وجہ سے ہو گا؟ اللہ تعالیٰ تمام اگلے پچھلے لوگوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کر دے گا۔ اس دوران میں پکارنے والا سب کو اپنی آواز سنائے گا اور ان سب پر اس کی نظر پہنچے گی۔ سورج بالکل قریب آ جائے گا، چنانچہ لوگوں کو غم اور تکلیف اس قدر ہو گی

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 7.

يَحْتَمِلُونَ. فَيَقُولُ النَّاسُ: أَلَا تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ؟ أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ إِلٰى رَبِّكُمْ؟ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: عَلَيْكُمْ بِآدَمَ، فَيَأْتُونَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُولُونَ لَهُ: أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ آدَمُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ، نَفْسِي نَفْسِي، اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى نُوحٍ.

جو ان کی طاقت سے باہر اور نا قابل برداشت ہوگی۔ لوگ آپس میں کہیں گے: تم دیکھتے نہیں کہ ہماری کیا حالت ہوگئی ہے؟ کیا کوئی ایسا مقبول بندہ نہیں جو اللہ کے حضور تمھاری سفارش کرے؟ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے، چنانچہ سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: آپ سب انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی طرف سے خصوصیت کے ساتھ آپ میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، اس لیے آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بلاشبہ آج کے دن میرا رب انتہائی غیظ و غضب میں ہے۔ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ میرے پروردگار نے مجھے درخت سے روکا تھا لیکن میں نے اس کی نافرمانی کی، اس لیے مجھے تو اپنی فکر ہے۔ میں اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہوں، لہٰذا تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم نوح کے پاس جاؤ۔

فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ: يَا نُوحُ! إِنَّكَ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ، وَقَدْ سَمَّاكَ اللهُ عَبْدًا شَكُورًا، اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ: إِنَّ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُهَا عَلٰى قَوْمِي، نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى إِبْرَاهِيمَ. فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ: يَا إِبْرَاهِيمُ! أَنْتَ نَبِيُّ

چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے نوح! آپ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جو اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے اور اللہ نے آپ کو ''شکر گزار بندے'' کا لقب دیا۔ آپ ہی ہمارے لیے اپنے رب کے حضور سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس حالت میں پہنچ چکے ہیں؟ (حضرت نوح علیہ السلام) فرمائیں گے: بلاشبہ میرا رب آج بہت غضب ناک ہے۔ اس سے پہلے وہ کبھی ایسا غضبناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد ہی اس طرح غضب ناک ہوگا۔ اللہ نے مجھے ایک دعا

اللهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ لَهُمْ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنِّي قَدْ كُنْتُ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ - فَذَكَرَهُنَّ أَبُو حَيَّانَ فِي الْحَدِيثِ - نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى مُوسٰى. فَيَأْتُونَ مُوسٰى، فَيَقُولُونَ: يَا مُوسٰى! أَنْتَ رَسُولُ اللهِ، فَضَّلَكَ اللهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ عَلَى النَّاسِ، اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنِّي قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا، نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى عِيسٰى. فَيَأْتُونَ عِيسٰى فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ، وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا، اِشْفَعْ لَنَا، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَيَقُولُ عِيسٰى: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ - وَلَمْ يَذْكُرْ ذَنْبًا - نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ، فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا ﷺ فَيَقُولُونَ: يَا مُحَمَّدُ! أَنْتَ رَسُولُ اللهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ فَأَنْطَلِقُ فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ، فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّي عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ

کی قبولیت کا یقین دلایا تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر لی تھی۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ آج مجھے اپنی ہی فکر ہے، لہٰذا تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں اور اہل زمین میں منتخب شدہ ہیں، لہٰذا آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غضب ناک ہے۔ اتنا غضب ناک نہ وہ پہلے ہوا تھا اور نہ آج کے بعد ہو گا۔ میں نے تین خلاف واقعہ باتیں کی تھیں...... راویٔ حدیث ابوحیان نے اپنی روایت میں ان تین باتوں کا ذکر کیا ہے...... نفسی، نفسی، نفسی۔ مجھے تو اپنی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف سے رسالت اور آپ سے گفتگو کرنے کی فضیلت دی۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے: آج اللہ تعالیٰ بہت غضبناک ہے۔ اتنا غضبناک تو وہ نہ پہلے کبھی ہوا تھا اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ نفسی، نفسی۔ بس مجھے آج اپنی فکر ہے۔ میرے علاوہ تم اور کسی کے پاس چلے جاؤ، ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ

يَفْتَحُ اللهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلٰى أَحَدٍ قَبْلِي، ثُمَّ يُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ: أُمَّتِي يَا رَبِّ، أُمَّتِي يَا رَبِّ. فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ». ثُمَّ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَحِمْيَرَ، أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰى». [راجع: ٣٣٤٠]

ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام پر ڈالا تھا اور آپ اللہ کی طرف سے روح ہیں۔ آپ نے بحالت بچپن گود میں رہتے ہوئے لوگوں سے باتیں کی تھیں۔ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غصے میں ہے۔ وہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضب ناک ہوا نہ آئندہ اس جیسا غضب ناک ہوگا۔ آپ اپنی کسی لغزش کا ذکر نہیں کریں گے۔ صرف یہ کہیں گے: میں اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہوں۔ میرے علاوہ تم اور کسی کے پاس جاؤ، ہاں تم حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ، چنانچہ سب لوگ حضرت محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے محمد (ﷺ)! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ آخر کار میں خود آگے بڑھوں گا اور عرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رب کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنے تعریفی کلمات اور حسنِ ثنا کے دروازے کھول دے گا جو اس نے مجھ سے پہلے اور کسی پر ظاہر نہیں کیے تھے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا۔ آپ سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، چنانچہ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت کو معاف کر دے۔ اے پروردگار! میری امت پر رحم کر۔ کہا جائے گا: اے محمد! اپنی امت کے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں، جنت کے دائیں دروازے سے داخل کریں۔ ویسے انھیں اختیار ہے دوسرے لوگوں کے ساتھ جس دروازے سے چاہیں داخل

ہو سکتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت کے دروازے کے دونوں کناروں کا اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور حمیر یا مکہ اور بُصریٰ میں ہے۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق صراحت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے۔ عنوان میں ذکر کردہ آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی اس صفت کا حوالہ تھا۔ عنوان اور حدیث میں یہی مطابقت ہے۔ ② علامہ عینی رحمہ اللہ نے مفسرین کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کھانا کھاتے تو کہتے تھے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے کھانا کھلایا، اگر وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا۔ جب پانی پیتے تو کہتے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے پانی پلایا، اگر وہ چاہتا تو مجھے پیاسا رکھتا۔ جب لباس پہنتے تو کہتے: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے لباس پہنایا، اگر وہ چاہتا تو مجھے برہنہ رکھتا۔ جب جوتا پہنتے تو کہتے: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے جوتا پہنایا، اگر وہ چاہتا تو مجھے ننگے پاؤں رکھتا۔ جب قضائے حاجت سے فارغ ہوتے تو کہتے: اللہ کا شکر ہے جس نے اذیت سے نجات دی اور مجھے صحت سے نوازا، اگر وہ چاہتا تو اسے روک لیتا۔ اس شکر گزاری کی وجہ سے آپ کو عبد شکور کا لقب دیا گیا ہے۔[1] حدیث کے متعلق دیگر مباحث کتاب احادیث الانبیاء میں گزر چکے ہیں۔

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَءَاتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾ [٥٥]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: "اور ہم نے داود کو زبور عطا کی" کا بیان

وضاحت: یہ مضمون سورۃ البقرہ آیت: 253 میں بھی گزر چکا ہے۔ اور یہاں دوبارہ کفار مکہ کے جواب میں دہرایا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کو رسالت کے لیے یہ محمد (ﷺ) ہی ملا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی کو رسالت کے لیے منتخب کرنا اور کسی ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دینا یہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اور خصوصیت کے ساتھ حضرت داود علیہ السلام کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت داود علیہ السلام اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور پست قد تھے، نیز یہ بکریاں چرایا کرتے اور حقیر خیال کیے جاتے تھے مگر جو قیمتی جوہر ان میں تھا اسے اللہ ہی جانتا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انھیں صرف نبی ہی نہیں بنایا بلکہ صاحب کتاب نبی بنایا ہے پھر بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے، جس پر اس کی نظر انتخاب پڑتی ہے اسے نوازتا ہے اور جتنا چاہے اسے دے دیتا ہے۔ درج ذیل حدیث میں ان کی فضیلت ایک دوسرے حوالے سے بیان ہوئی ہے۔

٤٧١٣ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:

[4713] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "حضرت داود علیہ السلام پر قرآن (زبور) کی تلاوت آسان کر دی گئی تھی۔ وہ

[1] عمدة القاري: 114/13.

«خُفِّفَ عَلٰى دَاوُدَ الْقُرْآنُ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَابَّتِهِ لِتُسْرَجَ، فَكَانَ يَقْرَأُ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ» - يَعْنِي الْقُرْآنَ. [راجع: ۲۰۷۳]

گھوڑے پر زین رکھنے کا حکم دیتے، پھر زین کسے جانے سے پہلے ہی اسے پڑھ لیتے تھے۔'' یعنی اللہ کی کتاب کو مکمل پڑھ لیتے تھے۔

فوائدومسائل: ① زبور میں کچھ مواعظ ونصائح اور دعائیں وتسبیحات وغیرہ تھیں، احکام کے لیے تورات ہی پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ حضرت داود علیہ السلام کا زبور کو اتنی جلدی پڑھ لینا ایک معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے زمانہ لپیٹ دیتا ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اسے طی زمان کہتے ہیں، اس سے زیادہ خطرناک اصطلاح طی مکان کی ہے، پھر انھوں نے ان اصطلاحات کی آڑ میں ایسے واقعات بیان کیے ہیں جو عقل ونقل کے خلاف ہیں۔ ② بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ تھوڑے وقت میں برکت ڈال دیتا ہے کہ اس میں بہت سے کام سرانجام پا جاتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابٌ: ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ﴾ الْآيَةَ [٥٦]

باب: 7- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''آپ ان سے کہہ دیں، اللہ کے سوا جنھیں تم (معبود) خیال کرتے ہو انھیں پکارو'' کا بیان

وضاحت: اس آیت میں عموم ہے کہ اللہ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے، خواہ وہ پتھر کی مورتیاں ہوں یا فرشتے یا جن یا فوت شدہ نبی یا ولی، سب اس میں شامل ہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک صرف بتوں کو سجدہ کرنے کا نام نہیں بلکہ انھیں مشکل کے وقت پکارنا بھی شرک ہی ہے۔ یہ بھی پتا چلا کہ باطل معبود، خواہ کسی بھی قسم سے تعلق رکھتے ہوں وہ نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ کسی کی بگڑی سنوار سکتے ہیں۔ یہ سب مشرکانہ عقائد ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث میں دور جاہلیت کے اس قسم کے شرک کا بیان ہے۔

٤٧١٤ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ﴿إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ قَالَ: كَانَ نَاسٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعْبُدُونَ نَاسًا مِنَ الْجِنِّ، فَأَسْلَمَ الْجِنُّ وَتَمَسَّكَ هٰؤُلَاءِ بِدِينِهِمْ.

[4714] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے متعلق فرمایا: اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ ''(وہ تو خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ (تلاش کرتے ہیں)۔'' لوگوں کا ایک گروہ جنوں کے ایک گروہ کی عبادت کرتا تھا۔ جن تو مسلمان ہوگئے لیکن ان آدمیوں نے ان کے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔

زَادَ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم﴾. [انظر: ٤٧١٥]

اشجعی (عبیداللہ) نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کیا ہے اور انھیں اعمش نے بیان کیا ہے، اس میں یوں ہے: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ کا شان نزول یہ ہے۔

فائدہ: وہ لوگ جو جنات کو پوجتے تھے، جب جنات مسلمان ہو گئے تو اس وقت بھی ان کے پجاری ان کی پرستش پر قائم رہے، حالانکہ وہ جنات اس کام سے ان پر راضی نہیں تھے کیونکہ اب تو وہ خود اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی ذریعہ تلاش کرتے تھے۔ شاید ان کے پجاریوں کو جنات کے مسلمان ہو جانے کا علم نہیں ہو گا۔ واللہ أعلم.

(٨) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ ٱلْوَسِيلَةَ﴾ الْآيَةَ [٥٧]

باب: 8- ارشاد باری تعالیٰ: ”جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں“ کا بیان

وضاحت: ﴿يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ یعنی اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کی جستجو میں رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ کے ذریعے سے اللہ کی خوشنودی ڈھونڈتے ہیں۔ یہی وسیلہ ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ وہ وسیلہ مراد نہیں جسے قبر پرست بیان کرتے ہیں کہ فوت شدہ اشخاص کے نام کی نذر و نیاز دو، ان کی قبروں پر غلاف چڑھاؤ، اور میلے ٹھیلے جماؤ۔ یہ وسیلہ نہیں۔ یہ تو ان کی عبادت ہے جو شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ درج ذیل حدیث میں اسی مشروع وسیلے کو بیان کیا گیا ہے۔

٤٧١٥ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي هٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ ٱلْوَسِيلَةَ﴾ قَالَ: نَاسٌ مِنَ الْجِنِّ يُعْبَدُونَ فَأَسْلَمُوا. [راجع: ٤٧١٤]

[4715] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ کچھ ایسے جن تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ (آدمی ان کی پرستش کیا کرتے تھے۔) پھر وہ جن مسلمان ہو گئے۔“

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ آیت بالا میں انھی جنات کا بیان ہے جو مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کی پوجا کرنے والے بدستور ان کی عبادت کرتے رہے۔ وہ بزرگان اسلام بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جو خود تو موحد، دین دار، متبع سنت اور پرہیز گار تھے مگر عوام نے اب ان کی قبروں کو قبلۂ حاجات بنا لیا ہے، وہاں نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ ایسے نام نہاد مسلمانوں نے اسلام اور حقیقی اہل اسلام کو بدنام کر رکھا ہے۔ ② واضح رہے کہ مذکورہ بالا آیت میں ایسے معبودوں کا ذکر ہے جو جاندار ہیں، پتھر کی مورتیاں اس میں شامل نہیں ہیں، فرشتے، جن یا فوت شدہ انبیاء اور صالحین ہی اس سے مراد لیے جا سکتے ہیں۔ ③ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر آپ اپنے حق میں دعا کر سکتا ہے۔ احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غار میں پھنس جانے والے تین آدمیوں کے واقعے سے

یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ المستعان.

(٩) بَابٌ: ﴿وَمَا جَعَلْنَا ٱلرُّءْيَا ٱلَّتِىٓ أَرَيْنَٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ [٦٠]

باب: 9- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''ہم نے جو مناظر آپ کو دکھائے تھے وہ تو لوگوں کے لیے صاف آزمائش ہی تھے......'' کا بیان

وضاحت: اس رؤیا کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ خواب ہے جو آپ نے مکہ میں رہتے ہوئے مدینہ طیبہ کے متعلق دیکھا تھا، جبکہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ خواب غزوۂ بدر یا حدیبیہ کے متعلق ہے۔ ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا رجحان ہے کہ اس سے مراد معراج کا واقعہ ہے جو بہت سے کمزور لوگوں کے لیے باعث فتنہ بن گیا، اسی طرح اَلشَّجَرَةُ الْمَلْعُوْنَة سے مراد زقوم کا درخت ہے جس کا مشاہدہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے موقع پر جہنم میں کیا تھا۔ درج ذیل حدیث میں حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس رؤیا کے متعلق تفسیر بیان کی گئی ہے۔

٤٧١٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: ﴿وَمَا جَعَلْنَا ٱلرُّءْيَا ٱلَّتِىٓ أَرَيْنَٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ قَالَ: هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ، ﴿وَٱلشَّجَرَةَ ٱلْمَلْعُونَةَ فِى ٱلْقُرْءَانِ﴾ قَالَ: شَجَرَةُ الزَّقُّومِ.

[راجع: ٣٨٨٨]

[4716] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کے متعلق فرمایا: ''اور وہ مناظر جو ہم نے آپ کو دکھائے تھے وہ لوگوں کے لیے صاف آزمائش ہی تھے'' اس رویا سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو شب معراج میں دکھایا گیا۔ ''اور وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے'' اس سے مراد تھوہر کا درخت ہے۔

فوائد ومسائل: ① واقعۂ معراج ایک خرق عادت معجزہ تھا۔ کفار نے اس معجزے کا اتنا مذاق اڑایا کہ کمزور ایمان والے لوگ بھی شک میں پڑ گئے۔ پھر وہ کافر جنھوں نے پہلے بیت المقدس دیکھا ہوا تھا وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوالات پوچھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے درمیان سے سب پردے ہٹا دیے اور آپ ﷺ ان کے تمام سوالات کے جوابات دینے لگے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ کسی حسی معجزہ کے طالب کفار ایمان لے آتے لیکن وہ ان کے لیے آزمائش اور باعث فتنہ بن گیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ سرکشی کرنے لگے۔ ② تھوہر کے درخت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جہنم کی تہ سے تھوہر کا درخت اگے گا۔ یہی اہل جہنم کا کھانا ہوگا۔ اس کے علاوہ انھیں کھانے کی کوئی اور چیز نہیں ملے گی۔''[1] اس پر بھی کفار نے بہت باتیں بنائیں کہ آگ

---

① الصّٰفّٰت 37:62-66.

میں یہ درخت کیسے اُگ سکتا ہے، حالانکہ آگ کا کیڑا اسمندر (Salamander) آگ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اسی میں زندہ رہتا ہے۔ ③ تھوہر کا درخت ملعون اس لیے ہے کہ اس میں غذائیت تو نام کی نہیں بلکہ اس کے کانٹے اتنے سخت ہوتے ہیں وہ اہل دوزخ کی اذیت اور تکلیف میں اضافہ ہی کریں گے۔

(١٠) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ [٧٨]

باب: 10- ارشاد باری تعالیٰ: ”یقیناً فجر کے وقت قرآن کا پڑھنا حاضر کیا گیا ہے“ کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: صَلَاةَ الْفَجْرِ.

امام مجاہد نے فرمایا: قرآن فجر سے مراد نماز فجر ہے۔

وضاحت: انسان کی حفاظت اور اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے دن کے الگ اور رات کے الگ ہیں۔ نماز فجر میں فرشتوں کی دونوں جماعتیں جمع ہوتی ہیں۔ رات کے فرشتے اپنا کام ختم کر کے اور دن کے فرشتے اپنا کام سنبھالنے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح شام کو عصر کی نماز میں دونوں جماعتیں جمع ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کا اجتماع باعث برکت ہے لیکن آیت کریمہ میں قرآن الفجر سے مراد نماز فجر ہے کیونکہ عربی زبان میں کسی چیز کا اشرف جز بول کر اس سے مراد کُل لے لیا جاتا ہے۔ اسی دستور کے مطابق یہاں قرآن کا لفظ آیا ہے کیونکہ اس نماز میں قرآن کی قراءت دوسری نمازوں کی نسبت لمبی ہوتی ہے اور فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور قرآن سنتے ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٧١٧ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «فَضْلُ صَلَاةِ الْجَمِيعِ عَلَى صَلَاةِ الْوَاحِدِ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ دَرَجَةً، وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ». يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: اِقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿وَقُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾. [راجع: ١٧٦]

[4717] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”نماز باجماعت اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور صبح کی نماز کے وقت رات اور دن کے فرشتے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ”اور فجر کا قرآن پڑھنا، یقیناً فجر کے وقت کا قرآن پڑھنا حاضر کیا گیا ہے۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں خصوصیت کے ساتھ فجر کی نماز کا ذکر ہے لیکن اس میں عصر کی نماز کی نفی نہیں ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رات والے فرشتے جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں: ”جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے

اور جب ان کے پاس سے آئے تو انھیں نماز پڑھتے ہوئے ہی چھوڑ کر آئے ہیں۔"[1] اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [بابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعَصْرِ] "نمازِ عصر کی فضیلت" اور اس حدیث میں یہ الفاظ قابل ملاحظہ ہیں: "دن اور رات کے فرشتے نماز فجر اور نماز عصر کے وقت جمع ہوتے ہیں۔" بہرحال اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز فجر کی فضیلت کو ثابت کیا ہے، جس سے نماز عصر کی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی۔

(١١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [٧٩]

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: "قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے" کا بیان

وضاحت: مقام محمود سے مراد ایسا مرتبہ ہے کہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے لگیں۔ اس کی کئی ایک توجیہات ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: * قدر و منزلت کا یہ مقام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو زندگی کے آخری حصے میں عطا کر دیا تھا۔ * جنت میں ایک بلند مقام ہے، اس کا نام ہی مقام محمود ہے۔ وہ آپ کو جنت میں عطا کیا جائے گا۔ * قیامت کے دن ہولناکیوں کو دیکھ کر سب لوگ گھبراہٹ میں ہوں گے، اس وقت رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے جس کے بعد لوگوں کا حساب ہوگا۔ اس لحاظ سے مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔ درج ذیل احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

٤٧١٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ آدَمَ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: إِنَّ النَّاسَ يَصِيرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُثًا، كُلُّ أُمَّةٍ تَتْبَعُ نَبِيَّهَا، يَقُولُونَ: يَا فُلَانُ! اِشْفَعْ، حَتَّى تَنْتَهِيَ الشَّفَاعَةُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذٰلِكَ يَوْمَ يَبْعَثُهُ اللهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ. [راجع: ١٤٧٥]

[4718] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: قیامت کے دن لوگ گروہوں کی شکل میں بٹ جائیں گے اور ہر گروہ اپنے نبی کے پیچھے لگ جائے گا اور سب کہیں گے: اے فلاں! آپ ہماری سفارش کریں یہاں تک کہ یہ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچے گا، لہٰذا یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔

٤٧١٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ ابْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ

[4719] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ ...... "اے اس مکمل پکار کے مالک اور قائم ہونے والی نماز کے رب! تو محمد ﷺ کو مقام وسیلہ عطا فرما اور خاص فضیلت دے اور انھیں مقام محمود پر

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 555.

الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔" تو اسے قیامت کے دن میری سفارش نصیب ہوگی۔"

رَوَاهُ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٦١٤]

اس حدیث کو حمزہ بن عبداللہ نے بھی اپنے والد سے روایت کیا ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے اسے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① پہلی حدیث مختصر طور پر بیان ہوئی ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ ان کے بعد پھر باری باری دیگر انبیاء علیہم السلام سے سفارش کی التجا کریں گے مگر ہر نبی اپنی کوئی نہ کوئی تقصیر یاد کر کے معذرت کر دے گا۔ بالآخر سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے تو آپ لوگوں کی التجا کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی سفارش کریں گے۔ مقام شفاعت ہی کو مقام محمود کہا گیا ہے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے مقام محمود کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: "اس سے مراد مقام شفاعت ہے۔"[1] ② اس وقت سب لوگوں کی زبان پر آپ کی حمد وستائش جاری ہو جائے گی جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے۔ آپ چلیں گے اور جنت کے دروازے کا حلقہ پکڑ لیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ اہل محشر سب کے سب آپ کی تعریف کرنے لگیں گے۔[2]

(١٢) [بَابٌ]: ﴿وَقُلْ جَآءَ ٱلْحَقُّ وَزَهَقَ ٱلْبَٰطِلُ﴾ الْآيَةَ [٨١].

باب: 12- (ارشاد باری تعالیٰ:) "کہہ دیجیے! حق آ گیا اور باطل بھاگ کھڑا ہوا" کی تفسیر

يَزْهَقُ: يَهْلِكُ.

يَزْهَقُ کے معنی ہیں: يَهْلِكُ، ہلاک ہونے والا۔

وضاحت: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر بہت سے مسلمان حبشے کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور باقی ماندہ مسلمانوں پر ان کی سختیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ ان حالات میں اس قسم کا اعلان قریش مکہ کے لیے مذاق کا سامان فراہم کرنے کے مترادف تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ اس اعلان کے نو سال بعد رسول اللہ ﷺ فاتحانہ انداز میں بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

1 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3137. 2 صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1475.

٤٧٢٠ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْبَيْتِ سِتُّونَ وَثَلَاثُمِائَةِ نُصُبٍ، فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُودٍ فِي يَدِهِ، وَيَقُولُ: «﴿جَآءَ ٱلْحَقُّ وَزَهَقَ ٱلْبَٰطِلُ ۚ إِنَّ ٱلْبَٰطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ [٨١]. ﴿جَآءَ ٱلْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ ٱلْبَٰطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾» [سبأ: ٤٩]. [راجع: ٢٤٧٨]

[4720] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ آپ ﷺ اپنے دست مبارک میں پکڑی ہوئی ایک چھڑی انھیں مارتے جاتے اور یہ آیات پڑھ رہے تھے۔ ''حق آگیا اور باطل نابود ہوگیا۔ بے شک باطل تو ہے ہی نیست و نابود ہونے والا۔'' ''حق آگیا اور باطل نہ تو کسی چیز کو شروع کرسکتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹا سکتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اس وقت آپ نے یہ کام کیا۔[1] حق سے مراد قرآن اور دین حق، باطل سے مراد کفر وشرک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اللہ کا دین اور اس کا قرآن آگیا ہے، جس سے باطل ختم ہوگیا ہے، اب وہ سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔ ② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے وقت جب آپ نے کعبہ میں تصویریں دیکھیں تو آپ اس میں داخل نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ کے حکم سے تمام تصویریں مٹا دی گئیں۔ آپ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں جن کے ہاتھوں میں قسمت آزمائی کے تیر تھے۔ آپ نے فرمایا: ''ان (مشرکوں) کو اللہ تباہ وبرباد کرے! اللہ کی قسم! انھوں (سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام) نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی تھی۔''[2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو دیکھا وہاں سیدنا ابراہیم اور سیدہ مریم علیہما السلام کی تصاویر ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ تو سن چکے ہیں کہ جس گھر میں تصویریں ہوں وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر ہے ان کو کیا ہوا؟ بھلا وہ ان تیروں سے قسمت آزمائی کرتے؟''[3] ③ بہرحال رسول اللہ ﷺ جب ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے بیت اللہ میں داخل ہوئے تو یہ آیات ایک واضح حقیقت بن کر قریش مکہ کے سامنے آچکی تھیں۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابٌ: ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ﴾ [٨٥]

باب: 13- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں'' کا بیان

وضاحت: روح وہ لطیف شے ہے جو کسی کو نظر تو نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی قوت وتوانائی اسی میں مضمر ہے۔ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں سے ہے۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سمیت کسی کو بھی نہیں دیا۔ اس کی حقیقت کو صرف وہی جانتا ہے۔ قرآن کریم نے روح پر نفس کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَخْرِجُوْا

(1) صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4287. (2) صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3352. (3) صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3351.

﴿اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اپنی جانوں کو نکالو۔''[1] کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ روح پر نفس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب وہ بدن میں موجود ہو اور جب نکل جائے تو اسے روح کہا جاتا ہے۔ یہود مدینہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧٢١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرْثٍ وَهُوَ يَتَّكِئُ عَلَى عَسِيبٍ، إِذْ مَرَّ الْيَهُودُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، فَقَالَ: مَا رَابَكُمْ إِلَيْهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يَسْتَقْبِلُكُمْ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ، فَقَالُوا: سَلُوهُ، فَسَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، فَأَمْسَكَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ شَيْئًا، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَقُمْتُ مَقَامِي، فَلَمَّا نَزَلَ الْوَحْيُ قَالَ: «﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾». [راجع: ١٢٥]

[4721] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ نبی ﷺ کے ہمراہ ایک کھیت میں جا رہا تھا جبکہ آپ کھجور کی ایک چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اتنے میں چند یہودی سامنے سے گزرے اور آپس میں کہنے لگے: اس سے روح کے متعلق سوال کرو۔ کسی نے کہا: کیوں، آخر ایسی کیا ضرورت ہے؟ اور کسی نے کہا: ممکن ہے وہ تمھیں ایسی بات کہہ دے جو تمھیں ناگوار گزرے۔ آخر یہی طے ہوا کہ پوچھو تو سہی، چنانچہ انھوں نے آپ سے پوچھا: روح کیا چیز ہے؟ نبی ﷺ خاموش رہے اور انھیں کوئی جواب نہ دیا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی آنے لگی ہے۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اور وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ روح میرے رب کا امر ہے اور تمھیں تو بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① کچھ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال قریش مکہ نے یہود مدینہ کے کہنے پر کیا تھا۔[2] مگر صحیح بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال یہود مدینہ ہی نے کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں خَرِبِ الْمَدِينَةِ ''مدینہ کے کھنڈرات'' کی تصریح ہے۔[3] ممکن ہے کہ ان آیات کا نزول مکرر ہو۔ ایک روایت میں صراحت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہودی کہنے لگے: ہمیں بہت علم دیا گیا ہے۔ ہمیں تورات دی گئی ہے اور جسے تورات مل گئی تو اسے بہت بھلائی مل گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''آپ ان سے کہہ دیں: اگر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہیں ہوں گی، خواہ اتنی ہی اور بھی سیاہی لائی جائے۔''[4] ② جس روح کے

---

1 الأنعام 6:93. 2 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3140. 3 صحيح البخاري، العلم، حديث: 125. 4 الكهف 18:109، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3140.

متعلق یہود نے سوال کیا تھا اس سے کون سی روح مراد ہے، اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں: ○ روح انسان۔ ○ روح حیوان۔ ○ جبریل۔ ○ حضرت عیسیٰ۔ ○ قرآن۔ ○ فرشتہ۔ ○ وحی الٰہی۔ ○ خاص مخلوق، پھر انھوں نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اس سے مراد روح انسان ہے۔[1] ⓷ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روح انسانی ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق سب جانتے اور اسے تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا تذکرہ قرآن نے جہاں بھی کیا ہے وہاں اس کے لیے لفظ ''نفس'' استعمال کیا ہے، لفظ ''روح'' استعمال نہیں کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس روح کے متعلق یہود مدینہ نے سوال کیا تھا اس سے مراد وہ روح ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا﴾ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام۔ روح انسانی مراد نہیں۔[2] لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی تحقیق کو مرجوح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہود کا سوال روح انسانی کے متعلق تھا۔[3]

(١٤) بَابٌ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ [١١٠]

باب: 14- ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ اپنی نماز نہ تو زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل پست آواز سے'' کا بیان

٤٧٢٢ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ قَالَ: نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ، كَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ، فَإِذَا سَمِعَ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ، فَقَالَ اللهُ تَعَالَى لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ أَيْ: بِقِرَاءَتِكَ فَيَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ فَيَسُبُّوا الْقُرْآنَ، ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْمِعُهُمْ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾. [انظر: ٧٤٩٠، ٧٥٢٥، ٧٥٤٧]

[4722] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کریمہ کے متعلق فرمایا: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں چھپے ہوئے تھے۔ آپ جب اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھاتے تو باآواز بلند قرآن پڑھتے۔ مشرکین مکہ جب قرآن سنتے تو قرآن کو گالیاں دیتے، اس کے نازل کرنے والے اور قرآن لانے والے کو بھی (سب وشتم کرتے)۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ سے فرمایا: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ، یعنی قرآن اس قدر باآواز بلند نہ پڑھیں کہ مشرکین سنیں اور اسے برا بھلا کہیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھیں کہ اپنے اصحاب کو نہ سنا سکیں بلکہ درمیانی راہ اختیار کریں۔

---

[1] فتح الباري: 511/8. [2] النبا 78: 38، وكتاب الروح، ص: 243. [3] فتح الباري: 513/8.

٤٧٢٣ - حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أُنْزِلَ ذٰلِكَ فِي الدُّعَاءِ. [انظر: ٦٣٢٧، ٧٥٢٦]

[4723] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کریمہ کے متعلق فرمایا: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا یہ آیت دعا کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

فوائدومسائل: ① ظاہری طور پر ان دو احادیث میں تعارض ہے کیونکہ پہلی حدیث میں ہے کہ یہ آیت نماز میں قراءت کے متعلق نازل ہوئی جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ یہ آیت دعا کے متعلق اتری۔ ان میں تطبیق حسب ذیل انداز سے دی گئی ہے: ○ ہر راوی نے اپنے علم کے مطابق اس کی شان نزول بیان کی ہے، لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ ○ ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول دو مرتبہ ہوا ہو: ایک دفعہ نماز کے متعلق اور دوسری مرتبہ دعا کے بارے میں۔ ○ یہ آیت بنیادی طور پر نماز کے متعلق ہے اور جس روایت میں اس کی شان نزول دعا بیان ہوئی ہے اس میں جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے کیونکہ دعا، نماز کا جز ہے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ کا گزر حضرت ابوبکر ؓ کے پاس سے ہوا تو دیکھا کہ وہ پست آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں، پھر حضرت عمر ؓ کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تو وہ باآواز بلند قرآن پڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں سے پوچھا تو حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کی: جس سے میں مصروف مناجات تھا وہ میری آواز سن رہا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے جواب دیا: میرا مقصد سوئے ہوؤں کو جگانا اور شیطان کو بھگانا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر ؓ سے فرمایا: ''اپنی آواز قدرے بلند کرو۔'' اور حضرت عمر ؓ سے کہا: ''اپنی آواز کچھ پست کرو۔''[1] حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس دعا کے متعلق نازل ہوئی جو دوران نماز میں کی جاتی ہے تاکہ دونوں احادیث میں تطبیق ہو جائے۔[2]

(١٨) سُورَةُ الْكَهْفِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 18- تفسیر سورۂ کہف

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿تَقْرِضُهُمْ﴾ [١٧]: تَتْرُكُهُمْ. (وَكَانَ لَهُ ثُمُرٌ): ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ؛ وَقَالَ غَيْرُهُ: جَمَاعَةُ الثَّمَرِ. ﴿بَاخِعٌ﴾ [٦]: مُهْلِكٌ. ﴿أَسَفًا﴾: نَدَمًا. ﴿الْكَهْفِ﴾ [٩]: الْفَتْحُ فِي الْجَبَلِ. ﴿وَالرَّقِيمِ﴾: الْكِتَابُ. ﴿مَرْقُومٌ﴾ [المطففين: ٢٠]: مَكْتُوبٌ مِنَ الرَّقْمِ. ﴿رَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ [١٤]: أَلْهَمْنَاهُمْ صَبْرًا؛ ﴿لَوْلَا

مجاہد نے کہا: تَقْرِضُهُمْ کے معنی سورج ان کو چھوڑ دیتا ہے، ان سے کترا جاتا ہے۔ وَكَانَ لَهُ ثُمُرٌ سے مراد سونا چاندی، یعنی روپیہ پیسہ ہے۔ دوسروں نے کہا کہ ثُمر ثا کے ضمہ کے ساتھ یہ ثمر کی جمع ہے۔ بَاخِعٌ کے معنی ہیں: ہلاک کرنے والا۔ اَسَفًا سے مراد ندامت اور رنج ہے۔ اَلْكَهْفِ کے معنی پہاڑ کی غار، اَلرَّقِيمِ لکھا ہوا، یعنی مَرْقُوم، اسم مفعول کے معنی میں ہے جو رقم سے ماخوذ ہے۔ رَبَطْنَا عَلٰی

[1] سنن أبي داود، التطوع، حديث: 1329. [2] فتح الباري: 8/515.

أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا﴾ [القصص: ١٠]. ﴿شَطَطًا﴾ [١٤]: إِفْرَاطًا. الْوَصِيدُ: الْفِنَاءُ، جَمْعُهُ وَصَائِدُ وَوُصُدٌ؛ وَيُقَالُ: الْوَصِيدُ: الْبَابُ؛ ﴿مُؤْصَدَةٌ﴾ [البلد: ٢٠ والهمزة: ٨] مُطْبَقَةٌ؛ آصَدَ الْبَابَ وَأَوْصَدَ. ﴿بَعَثْنَاهُم﴾ [١٩]: أَحْيَيْنَاهُمْ. ﴿أَزْكَىٰ﴾: أَكْثَرُ؛ وَيُقَالُ: أَحَلُّ؛ وَيُقَالُ: أَكْثَرُ رَيْعًا. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِم﴾ [٣٣]: لَمْ تَنْقُصْ. وَقَالَ سَعِيدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿الرَّقِيمُ﴾: اَللَّوْحُ مِنْ رَصَاصٍ، كَتَبَ عَامِلُهُمْ أَسْمَاءَهُمْ ثُمَّ طَرَحَهُ فِي خِزَانَتِهِ، فَضَرَبَ اللهُ عَلَىٰ آذَانِهِمْ فَنَامُوا. وَقَالَ غَيْرُهُ: وَأَلَتْ تَئِلُ: تَنْجُو؛ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مَوْئِلًا﴾ [٥٨]: مَحْرِزًا. ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا﴾ [١٠١]: لَا يَعْقِلُونَ.

قُلُوْبِهِمْ: ہم نے ان کے دلوں پر صبر کا الہام کیا، یعنی ان کے دلوں کو مضبوط کیا۔ لَوْلَا اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا میں بھی یہی معنی ہیں۔ شَطَطاً: حد سے بڑھ جانا۔ اَلْوَصِيْدُ کے معنی ہیں: گھر کا صحن۔ اس کی جمع وَصَائِد اور وُصُد ہے۔ دروازے کو بھی وَصِيْد کہا جاتا ہے۔ مُؤْصَدَةٌ کے معنی ہیں: بند کی ہوئی۔ آصَدَ الْبَاب اور أَوْصَدَ الباب کے معنی ہیں: اس نے دروازہ بند کر دیا۔ بَعَثْنَاهُمْ: ہم نے انھیں زندہ کیا۔ اَزْكٰى کے معنی ہیں: اکثر، یعنی جو شہر والوں کی اکثر خوراک ہے۔ بعض نے حلال تر معنی کیے ہیں۔ بعض نے کہا: اس کے معنی زیادہ برکت والا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ: دونوں باغوں نے پورا پھل دیا اور کچھ کمی نہ کی۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر نقل کی ہے کہ اَلرَّقِيْم تانبے کی ایک تختی تھی جس پر حاکم وقت نے اصحاب کہف کے نام لکھ کر اسے اپنے خزانے میں محفوظ کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا، چنانچہ وہ سو گئے۔ (پوری طرح محو استراحت ہو گئے۔) ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دوسروں نے کہا: مَوْئِلًا، وَأَلَ يَئِلُ سے نکلا ہے اور اس کے معنی نجات پانا ہیں۔ مجاہد نے کہا: مَوْئِلًا کے معنی ہیں: محفوظ مقام۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعاً کے معنی ہیں: وہ عقل نہیں رکھتے۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ ﴿وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [٥٤]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے“ کا بیان

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق کا راستہ سمجھانے کے لیے قرآن کریم میں ہر طریقہ استعمال کیا ہے: وعظ و تذکیر، امثال و واقعات اور دلائل و براہین۔ علاوہ ازیں انھیں بار بار اور مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ لیکن انسان چونکہ سخت جھگڑالو ہے، اس لیے اس پر نہ وعظ و نصیحت کا اثر ہوتا ہے اور نہ اس کے لیے دلائل و براہین کارگر ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ درج ذیل واقعہ بطور

تائید پیش کیا جاتا ہے۔

٤٧٢٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ: أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ أَخْبَرَهُ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ، قَالَ: «أَلَا تُصَلِّيَانِ؟». [راجع: ١١٢٧]

[4724] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت ان کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا: ''تم لوگ نماز (تہجد) کیوں نہیں پڑھتے؟''

﴿رَجْمًا بِالْغَيْبِ﴾ [٢٢]: لَمْ يَسْتَبِنْ. يُقَالُ: ﴿فُرُطًا﴾ [٢٨]: نَدَمًا. ﴿سُرَادِقُهَا﴾ [٢٩] مِثْلُ السُّرَادِقِ وَالْحُجْرَةِ الَّتِي تُطِيفُ بِالْفَسَاطِيطِ. ﴿يُحَاوِرُهُ﴾ [٣٤، ٣٧] مِنَ الْمُحَاوَرَةِ. ﴿لَٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي﴾ [٣٨] أَيْ: لٰكِنْ أَنَا هُوَ اللهُ رَبِّي، ثُمَّ حَذَفَ الْأَلِفَ وَأَدْغَمَ إِحْدَى النُّونَيْنِ فِي الْأُخْرٰى. ﴿وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا﴾ [٣٣] تَقُولُ بَيْنَهُمَا نَهَرًا ﴿زَلَقًا﴾ [٤٠]: لَا يَثْبُتُ فِيهِ قَدَمٌ. ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ﴾ [٤٤]: مَصْدَرُ وَلِيَ الْوَلِيُّ وَلَاءً. ﴿عُقْبًا﴾: عَاقِبَةً، وَعُقْبٰى وَعُقْبَةٌ وَاحِدٌ وَهِيَ الْآخِرَةُ. ﴿قُبُلًا﴾ [٥٥]: قَبَلًا وَقَبْلًا: اسْتِئْنَافًا. ﴿لِيُدْحِضُوا﴾ [٥٦]: لِيُزِيلُوا، اَلدَّحْضُ: اَلزَّلَقُ.

رَجْمًا بِالْغَيْبِ کے معنی ہیں: خود انھیں کچھ معلوم نہیں، یعنی بغیر علم کے رائے زنی کرنا۔ فُرُطاً کے معنی ہیں: ندامت اور شرمندگی۔ سُرَادِقُهَا کا مطلب ہے کہ قناتوں کی طرح ہر طرف سے انھیں آگ گھیر لے گی جس طرح کوٹھڑی اور حجرے کو ہر طرف سے خیمے گھیر لیتے ہیں۔ يُحَاوِرُهُ، مُحَاوَرَة سے نکلا ہے، یعنی گفتگو کرنا۔ لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّی دراصل یہ تھا: لٰكِنْ أَنَا هُوَ اللّٰهُ رَبِّی، پھر "أنا" کا الف حذف کر کے نون کو نون میں ادغام کر دیا گیا، لہٰذا یہ لٰكِنَّا ہوگیا۔ وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا کے معنی ہیں: ہم نے ان دونوں (باغوں) کے درمیان ایک نہر جاری کر دی۔ زَلَقًا کے معنی ہیں: ایسا چکنا چپڑا (میدان) جس میں پاؤں پھسل جائیں، جم نہ سکیں۔ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ میں الْوَلَايَةُ وَلِيَ کا مصدر ہے۔ عُقْبًا کے معنی ہیں: عاقبت، یعنی انجام۔ عَاقِبَة، عُقْبٰی اور عُقْبة سب کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی آخرت۔ قُبُلًا، قَبَلًا اور قَبْلًا اس لفظ کو تین طرح پڑھا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں: سامنے سے آنا۔ لِيُدْحِضُوا، دَحْضٌ سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں: پھسلا دینا اور زائل کر دینا۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ حدیث کتاب التہجد (1127) میں گزر چکی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ الفاظ بیان کر کے پوری

حدیث کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اس حدیث کا تتمہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کے اختیار میں ہیں وہ جب ہمیں بیدار کرنا چاہے گا، کردے گا۔ یہ سن کر آپ لوٹ گئے اور کچھ نہ کہا بلکہ اپنی ران پر ہاتھ مار کر یہ آیت پڑھتے جاتے تھے: ''انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔''② حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شرعی حکم کو تقدیر سے رد کرنے کی کوشش کی، حالانکہ تقدیر تو صرف پریشانی دور کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اگر احکام شرعیہ میں بھی تقدیر کو استعمال کیا جائے تو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَىٰهُ لَآ أَبْرَحُ حَتَّىٰٓ أَبْلُغَ مَجْمَعَ ٱلْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِىَ حُقُبًا﴾ [٦٠]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا پھر میں مدتوں چلتا ہی رہوں گا'' کا بیان

زَمَانًا وَجَمْعُهُ أَحْقَابٌ.

حُقُبْ کی جمع أحقاب ہے۔ اس کے معنی ہیں: زمانۂ دراز۔

وضاحت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر سے ملاقات کا واقعہ غالباً مصر میں پیش آیا اور مصر میں دریاؤں کا سنگم ایک ہی ہے۔ چونکہ یہ سنگم کا علاقہ کوئی مخصوص مقام نہ تھا بلکہ میلوں پھیلا ہوا تھا، لہذا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بذریعۂ وحی یہ ہدایت دی گئی کہ ایک مچھلی تل کر اپنے توشہ دان میں رکھ لیں، جس مقام پر یہ مچھلی زندہ ہو کر دریا کے پانی میں چھلانگ لگا دے بس یہ وہی مقام ہو گا جہاں تمھاری ہمارے خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گی جیسا کہ درج ذیل واقعے میں اس کی تفصیل ہے۔

٤٧٢٥ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ نَوْفًا الْبِكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى صَاحِبَ الْخَضِرِ لَيْسَ هُوَ مُوسَى صَاحِبَ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ، حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ مُوسَى قَامَ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَسُئِلَ: أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ: أَنَا، فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ، فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ: إِنَّ لِي

[4725] حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی کہتا ہے: خضر کے ساتھی حضرت موسیٰ وہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ اللہ کا دشمن غلط کہتا ہے۔ مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اس دوران میں آپ سے پوچھا گیا: لوگوں میں زیادہ عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ ناراض

عَبْدًا بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ، قَالَ
مُوسٰى: يَا رَبِّ فَكَيْفَ لِي بِهِ؟ قَالَ: تَأْخُذُ
مَعَكَ حُوتًا فَتَجْعَلَهُ فِي مِكْتَلٍ، فَحَيْثُمَا فَقَدْتَّ
الْحُوتَ فَهُوَ ثَمَّ، فَأَخَذَ حُوتًا، فَجَعَلَهُ فِي
مِكْتَلٍ، ثُمَّ انْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ
نُونٍ، حَتّٰى إِذَا أَتَيَا الصَّخْرَةَ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا
فَنَامَا، وَاضْطَرَبَ الْحُوتُ فِي الْمِكْتَلِ، فَخَرَجَ
مِنْهُ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُۥ فِى ٱلْبَحْرِ
سَرَبًا﴾ [٦١] وَأَمْسَكَ اللّٰهُ عَنِ الْحُوتِ جِرْيَةَ الْمَاءِ
فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلَ الطَّاقِ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ نَسِيَ
صَاحِبُهُ أَنْ يُخْبِرَهُ بِالْحُوتِ، فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ
يَوْمِهِمَا وَلَيْلَتَهُمَا، حَتّٰى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ قَالَ
مُوسٰى لِفَتَاهُ: ﴿ءَاتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا
هَٰذَا نَصَبًا﴾ [٦٢] - قَالَ: وَلَمْ يَجِدْ مُوسٰى
النَّصَبَ حَتّٰى جَاوَزَا الْمَكَانَ الَّذِي أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ -
فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ: ﴿أَرَءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَآ إِلَى ٱلصَّخْرَةِ فَإِنِّى
نَسِيتُ ٱلْحُوتَ وَمَآ أَنسَىٰنِيهُ إِلَّا ٱلشَّيْطَٰنُ أَنْ أَذْكُرَهُۥ
وَٱتَّخَذَ سَبِيلَهُۥ فِى ٱلْبَحْرِ عَجَبًا﴾ [٦٣] قَالَ: فَكَانَ
لِلْحُوتِ سَرَبًا وَلِمُوسٰى وَلِفَتَاهُ عَجَبًا. فَقَالَ
مُوسٰى: ﴿ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَٱرْتَدَّا عَلَىٰٓ ءَاثَارِهِمَا
قَصَصًا﴾ [٦٤] قَالَ: رَجَعَا يَقُصَّانِ آثَارَهُمَا حَتّٰى
انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى ثَوْبًا،
فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسٰى فَقَالَ الْخَضِرُ: وَأَنّٰى
بِأَرْضِكَ السَّلَامُ؟ قَالَ: أَنَا مُوسٰى، قَالَ:
مُوسٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ: نَعَمْ أَتَيْتُكَ،
لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا، قَالَ: ﴿إِنَّكَ لَن

ہوئے کیونکہ انھوں نے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں
کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ دو
دریاؤں کے سنگم پر میرا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا
ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! میں
اس سے ملاقات کس طرح کرسکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
اپنے ساتھ ایک مچھلی لے لو اور اسے زنبیل میں رکھ لو۔ جہاں
وہ گم ہو جائے، میرا وہ بندہ وہیں آپ سے ملے گا، چنانچہ
انھوں نے ایک مچھلی لی اور اسے زنبیل میں رکھا، پھر عازم
سفر ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی
تھے۔ جب یہ دونوں چٹان کے پاس آئے تو وہاں سر رکھ کر
سو گئے۔ اتنے میں مچھلی زنبیل میں حرکت کرنے لگی، پھر باہر
کود کر اس نے دریا میں اپنا راستہ سرنگ کی صورت میں بنا
لیا۔ مچھلی جہاں گری تھی اللہ تعالیٰ نے پانی کے بہاؤ کو روک
لیا اور مچھلی کے لیے ایک طاق کی طرح راستہ بن گیا۔ جب
موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کے خادم انھیں مچھلی کا واقعہ بتانا
بھول گئے۔ وہ دونوں باقی دن رات چلتے رہے حتی کہ
دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ”اب
ہمارا ناشتہ لاؤ، ہمیں تو اس سفر نے بہت تھکا دیا ہے۔“ موسیٰ
علیہ السلام نے تھکان اس وقت محسوس کی جب اس جگہ سے آگے
گزر گئے جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا۔ اب ان کے
خادم نے ان سے کہا: ”بھلا آپ نے دیکھا جب ہم اس
چٹان کے پاس جا کر ٹھہرے تھے تو میں (تمھیں) مچھلی (کا
واقعہ) بتانا بھول گیا اور وہ مجھے صرف شیطان نے بھلوایا کہ
میں (آپ سے) اس کا ذکر کروں۔ اس نے تو عجیب طریقے
سے دریا میں اپنا راستہ بنا لیا تھا۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”مچھلی نے تو دریا میں اپنا راستہ لیا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور

تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ [٦٧] يَا مُوسٰى! إِنِّي عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ، وَأَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَكَ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ، فَقَالَ مُوسٰى: ﴿سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾ [٦٩] فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ: ﴿فَإِنِ ٱتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْـَٔلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰٓ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ [٧٠]. فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ، فَمَرَّتْ سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمْ فَعَرَفُوا الْخَضِرَ فَحَمَلُوهُ بِغَيْرِ نَوْلٍ، فَلَمَّا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ لَمْ يَفْجَأْ إِلَّا وَالْخَضِرُ قَدْ قَلَعَ لَوْحًا مِنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ بِالْقَدُومِ، فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلٰى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا ﴿لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا إِمْرًا﴾ [٧١]. قَالَ: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ [٧٢] قَالَ: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ [٧٣] - قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: - وَكَانَتِ الْأُولٰى مِنْ مُوسٰى نِسْيَانًا، - قَالَ: - وَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ فِي الْبَحْرِ نَقْرَةً، فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ: مَا عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللهِ إِلَّا مِثْلُ مَا نَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنْ هٰذَا الْبَحْرِ، ثُمَّ خَرَجَا مِنَ السَّفِينَةِ. فَبَيْنَا هُمَا يَمْشِيَانِ عَلَى السَّاحِلِ إِذْ بَصَرَ الْخَضِرُ غُلَامًا يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَ الْخَضِرُ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَاقْتَلَعَهُ بِيَدِهِ فَقَتَلَهُ، فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ [٧٤] قَالَ: ﴿أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن

ان کے خادم کو راستہ کے نشانات دیکھ کر تعجب ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''یہی تو وہ جگہ تھی جس کی ہمیں تلاش تھی، چنانچہ وہ دونوں اپنے نقش قدم پر چلتے چلتے آخر اس چٹان تک پہنچ گئے۔'' وہاں انھوں نے دیکھا کہ ایک صاحب کپڑا لپیٹے (لیٹے) ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں سلام کیا۔ حضرت خضر نے کہا: تمھاری اس سرزمین میں سلام کیسے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا کہ میں موسیٰ ہوں۔ انھوں نے فرمایا: موسیٰ، جو بنی اسرائیل کے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، میں تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ رشد و ہدایت کی تعلیم دیں جس کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت خضر نے کہا: ''اے موسیٰ! آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم دیا ہے وہ آپ نہیں جانتے اور جو علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے وہ میں نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ اور میں کسی معاملے میں آپ کے خلاف نہیں کروں گا۔'' حضرت خضر نے کہا: ''اگر آپ میرے ساتھ چلنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا حتی کہ میں خود اس کا حال بیان کرنا شروع کروں۔'' اب یہ دونوں سمندر کے کنارے کنارے روانہ ہوئے، اتنے میں ایک کشتی گزری، انھوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انھیں بھی اس پر سوار کرلیں۔ انھوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور کسی کرائے کے بغیر انھیں سوار کرلیا۔ جب یہ دونوں کشتی میں بیٹھ گئے تو حضرت خضر نے تیشے سے کشتی کے تختوں سے ایک تختہ باہر نکال دیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا تو حضرت خضر سے فرمایا کہ ان لوگوں نے ہمیں کرائے کے بغیر کشتی میں

تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ [٧٥] قَالَ: وَهٰذَا أَشَدُّ مِنَ الْأُولٰى قَالَ: ﴿إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْرًا﴾ [٧٦] ﴿فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ﴾ - قَالَ: مَائِلٌ - فَقَامَ الْخَضِرُ ﴿فَأَقَامَهُ﴾ بِيَدِهِ، فَقَالَ مُوسٰى: قَوْمٌ أَتَيْنَاهُمْ فَلَمْ يُطْعِمُونَا وَلَمْ يُضَيِّفُونَا، ﴿لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ [٧٧]، قَالَ: ﴿هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ [٧٨-٨٢] - فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ -: وَدِدْنَا أَنَّ مُوسٰى كَانَ صَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ اللهُ عَلَيْنَا مِنْ خَبَرِهِمَا».

سوار کیا اور تم نے قصداً اس کا تختہ توڑ ڈالا'' تاکہ کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کردو، بلاشبہ آپ نے بہت ہولناک اور ناگوار کام کیا ہے۔'' حضرت خضر نے کہا: ''میں نے تمھیں پہلے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''جو بات میں بھول گیا تھا، اس پر آپ مجھے معاف کردیں اور میرے معاملے میں مجھ پر تنگی نہ کریں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واقعی پہلی دفعہ موسیٰ علیہ السلام نے بھول کر انھیں ٹوکا تھا۔ اس دوران میں ایک چڑیا آئی اور اس نے کشتی کے کنارے بیٹھ کر دریا میں ایک مرتبہ اپنی چونچ ماری۔ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: میرے اور آپ کے علم کی حیثیت اللہ کے علم کے مقابلے میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے سمندر سے پانی کم کیا ہے۔ پھر وہ دونوں کشتی سے اتر گئے۔ ابھی وہ سمندر کے کنارے کنارے جارہے تھے کہ حضرت خضر نے ایک بچے کو دیکھا جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر پکڑا اور اس کے تن سے جدا کردیا اور اسے مار دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''آپ نے ایک بے گناہ اور معصوم جان کو بغیر کسی جان کے بدلے مار دیا ہے، یقیناً آپ نے انتہائی ناپسندیدہ کام کیا ہے۔'' حضرت خضر نے کہا: ''میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کرسکو گے۔'' راوی نے کہا: یہ کام تو پہلے سے بھی زیادہ سخت تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخر اس مرتبہ بھی معذرت کرلی کہ ''اگر میں نے اس کے بعد پھر آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیے گا، آپ میرا بار بار عذر سن چکے ہیں۔ پھر دونوں روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچے اور بستی والوں سے کہا: ہمیں اپنا مہمان بنا لو، لیکن انھوں نے میزبانی سے انکار کردیا۔ پھر

انھیں بستی میں ایک دیوار دکھائی دی جو بس گرنے ہی والی تھی، یعنی وہ جھک رہی تھی۔'' حضرت خضر کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ سے دیوار کو سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہم ان لوگوں کے پاس آئے اور ان سے مہمانی کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے ہماری میزبانی سے صاف انکار کر دیا ''اگر آپ چاہتے تو دیوار سیدھی کرنے پر اجرت لے سکتے تھے۔'' حضرت خضر نے کہا: ''یہ میری اور آپ کی جدائی کا وقت ہے..... اب یہ حقیقت ہے ان معاملات کی جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہماری یہ خواہش تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر سے کام لیتے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے مزید واقعات ہم سے بیان کرتا۔

قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ : فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ (وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا) وَكَانَ يَقْرَأُ (وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَّكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ). [راجع: ٧٤]

سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس طرح آیت کی تلاوت کرتے تھے: ''کشتی والوں کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر اچھی کشتی چھین لیتا تھا۔'' اور اس آیت کی بھی یوں تلاوت کرتے تھے: ''اور وہ بچہ تو کافر تھا جبکہ اس کے والدین مومن تھے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق قرآنی تصریحات کے باوجود صوفیاء حضرات نے ان کی شخصیت کو ایک معمہ بنا دیا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ وہ اس عالم اور دنیا میں بقید حیات ہیں اور بھٹکے ہوئے انسانوں کی رہنمائی کے لیے وہ گاہے گاہے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ ② ہمارے رجحان کے مطابق حسب ذیل دلائل و براہین کے پیش نظر وہ وفات پا چکے ہیں:
* رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے فرمایا تھا: ''آج کے دن روئے زمین پر جو ذی روح ہے، سو سال بعد ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔''[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ موجودہ لوگ موت کی لپیٹ میں آجائیں گے۔[2] اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل فرمایا تھا: ''آج جو چیز بھی روئے زمین پر زندہ ہے سو سال بعد وہ ختم ہو جائے گی۔''[3] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر یہ الفاظ کہے تھے۔[4] * کچھ اہل علم سے منقول ہے کہ ان سے حضرت خضر علیہ السلام کی

① صحيح البخاري، العلم، حديث :116. ② صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث :601. ③ صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: 6481 (2538). ④ صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث : 6485 (2539).

زندگی کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے اس کے جواب میں درج ذیل آیت پڑھ دی: ''آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں بخشی۔''[1] ٭ رسول اللہ ﷺ جن وانس کی طرف بھیجے گئے ہیں، حضرت خضر علیہ السلام کا آپ کے پاس آکر بیعت نہ کرنا بھی ان کی وفات پر دلالت کرتا ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو لازی طور پر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی اطاعت کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا: ''اللہ کی قسم! اگر آج موسیٰ (علیہ السلام) زندہ ہوتے تو انھیں بھی میری اطاعت کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔''[2] ٭ اگر کسی آدم زاد کا قیامت تک زندہ رہنا صحیح ہوتا تو کم از کم قرآن مجید میں اس کا ذکر ضرور ہوتا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرنے والی ایک عظیم نشانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق قرآن کریم میں صراحت کی ہے کہ وہ قرب قیامت تک زندہ رہے گا۔ اگر اس کے ساتھ اپنے مقرب بندے کی زندگی کا ذکر بھی کر دیا جاتا تو قرآن ہر دو کی ابدی زندگی پر مشتمل ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کا قطعی ثبوت نہیں بلکہ ان کی موت پر قوی دلائل موجود ہیں۔ ٭ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو لازماً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے ساتھ مل کر کفار و مشرکین سے جہاد کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن فرمایا: ''اے اللہ! اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ختم ہو گئی تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔''[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے صرف وہی لوگ تھے جنھیں اصحاب بدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ صرف تین سو تیرہ تھے، جن کے نام معروف و مشہور ہیں۔ ان میں حضرت خضر علیہ السلام کا نام نہیں ہے، اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ وہ اس وقت موجود نہیں تھے بلکہ خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ ٭ حضرت خضر علیہ السلام کی ابدی زندگی کا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے ذمے ایک ایسی بات لگانا ہے جس کا ہمیں علم نہیں، ایسا کرنا بالکل حرام اور ناجائز ہے کیونکہ ان کی ہمیشہ کی زندگی کا ثبوت یا تو قرآن و حدیث میں موجود ہو یا کم از کم اجماع امت سے ثابت ہونا چاہیے۔ کتاب و سنت ہمارے سامنے ہیں کسی مقام پر اس کا اشارہ تک نہیں ملتا اور نہ کسی وقت علمائے امت نے اس پر اجماع ہی کیا ہے۔ دراصل اس قسم کی بلا دلیل اور بے سروپا باتیں کرنے والے ان کے ذریعے سے بدعات و خرافات کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں جتنی بھی روایات ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان تمام پر سیر حاصل بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔[4]

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ [٦١]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''جب وہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے، پھر اس مچھلی نے دریا میں کود کر اپنا راستہ بنا لیا'' کا بیان

مَذْهَبًا، يَسْرُبُ: يَسْلُكُ، وَمِنْهُ: ﴿وَسَارِبٌ

سربًا کے معنی ہیں: جانے کا راستہ، یَسْرُبُ بمعنی یَسْلُكُ

1. الأنبياء 21:34. 2. مسند أحمد: 338/3، و إسناده ضعيف. 3. صحيح البخاري، الجهاد و السير، حديث: 2915.
4. فتح الباري: 528/6.

بِٱلنَّهَارِ﴾ [الرعد: ١٠].

ہے۔ اسی سے سَارِبٌ بِالنَّهَارِ ماخوذ ہے، یعنی دن میں راستہ چلنے والا۔

٤٧٢٦ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ وَعَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ - يَزِيدُ أَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ وَغَيْرُهُمَا قَدْ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُهُ عَنْ سَعِيدٍ - قَالَ: إِنَّا لَعِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي بَيْتِهِ. إِذْ قَالَ: سَلُونِي، قُلْتُ: أَيْ أَبَا عَبَّاسٍ! جَعَلَنِيَ اللهُ فِدَاءَكَ إِنَّ بِالْكُوفَةِ رَجُلًا قَاصًّا يُقَالُ لَهُ: نَوْفٌ، يَزْعُمُ أَنَّهُ لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ - أَمَّا عَمْرٌو فَقَالَ لِي: قَالَ: قَدْ كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ، وَأَمَّا يَعْلَى فَقَالَ لِي: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ - حَدَّثَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مُوسَى رَسُولُ اللهِ ﷺ، قَالَ: ذَكَّرَ النَّاسَ يَوْمًا حَتَّى إِذَا فَاضَتِ الْعُيُونُ وَرَقَّتِ الْقُلُوبُ، وَلَّى فَأَدْرَكَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: أَيْ رَسُولَ اللهِ! هَلْ فِي الْأَرْضِ أَحَدٌ أَعْلَمُ مِنْكَ؟ قَالَ: لَا، فَعُتِبَ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَى اللهِ، قِيلَ: بَلَى، قَالَ: أَيْ رَبِّ، فَأَيْنَ؟ قَالَ: بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ، قَالَ: أَيْ رَبِّ اجْعَلْ لِّي عَلَمًا أَعْلَمُ ذٰلِكَ مِنْهُ - فَقَالَ لِي عَمْرٌو: قَالَ: «حَيْثُ يُفَارِقُكَ الْحُوتُ»، وَقَالَ لِي يَعْلَى: «قَالَ: خُذْ حُوتًا مَيِّتًا حَيْثُ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ - فَأَخَذَ حُوتًا فَجَعَلَهُ فِي مِكْتَلٍ فَقَالَ لِفَتَاهُ: لَا أُكَلِّفُكَ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنِي بِحَيْثُ يُفَارِقُكَ الْحُوتُ، قَالَ:

[4726] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم حضرت ابن عباس ؓ کے گھر ان کی خدمت میں حاضر تھے، انھوں نے فرمایا: مجھ سے کوئی سوال کرو۔ میں نے عرض کی: ابو عباس! اللہ تعالیٰ آپ پر مجھے قربان کرے! کوفہ میں ایک آدمی واعظ ہے، جسے نوف کہا جاتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ حضرت خضر ؑ سے ملاقات کرنے والے موسیٰ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اللہ کا دشمن غلط کہتا ہے کیونکہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لوگوں کو ایسا وعظ کیا کہ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور دل پسیج گئے۔ جب آپ واپس جانے لگے تو ایک شخص نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا دنیا میں آپ سے بڑا کوئی عالم ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کے متعلق اظہار خفگی فرمایا کیونکہ انھوں نے علم کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی تھی۔ ان سے کہا گیا: کیوں نہیں؟ بلکہ آپ سے بڑھ کر ایک عالم ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے عرض کی: اے میرے رب! وہ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دو دریاؤں کے سنگم پر۔ موسیٰ ؑ نے عرض کی: اے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دے جس کے ذریعے سے میں اسے معلوم کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جہاں تم سے مچھلی جدا ہو جائے، یعنی ایک مردہ مچھلی لو، جہاں اس مچھلی میں جان پڑ جائے وہ اس جگہ ہوں گے، چنانچہ موسیٰ ؑ نے ایک مچھلی ساتھ لے لی اور اسے اپنی زنبیل میں

مَا كَلَّفْتَ كَثِيرًا فَذٰلِكَ قَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَـٰهُ﴾ [٦٠]، يُوشَعَ بْنِ نُونٍ - لَيْسَتْ عَنْ سَعِيدٍ - قَالَ: فَبَيْنَمَا هُوَ فِي ظِلِّ صَخْرَةٍ فِي مَكَانٍ ثَرْيَانَ، إِذْ تَضَرَّبَ الْحُوتُ وَمُوسٰى نَائِمٌ، فَقَالَ فَتَاهُ: لَا أُوقِظُهُ حَتَّى إِذَا اسْتَيْقَظَ، فَنَسِيَ أَنْ يُخْبِرَهُ، وَتَضَرَّبَ الْحُوتُ حَتّٰى دَخَلَ الْبَحْرَ، فَأَمْسَكَ اللهُ عَنْهُ جِرْيَةَ الْبَحْرِ حَتّٰى كَأَنَّ أَثَرَهُ فِي حَجَرٍ - قَالَ لِي عَمْرٌو هٰكَذَا كَانَ أَثَرُهُ فِي حَجَرٍ وَحَلَّقَ بَيْنَ إِبْهَامَيْهِ وَالَّتِي تَلِيَانِهِمَا - ﴿لَقَدْ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا﴾ [٦٢] قَالَ: قَدْ قَطَعَ اللهُ عَنْكَ النَّصَبَ - لَيْسَتْ هٰذِهِ عَنْ سَعِيدٍ أَخْبَرَهُ - فَرَجَعَا فَوَجَدَا خَضِرًا - قَالَ لِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ عَلٰى طِنْفِسَةٍ خَضْرَاءَ عَلٰى كَبِدِ الْبَحْرِ، قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: مُسَجًّى بِثَوْبِهِ: قَدْ جَعَلَ طَرَفَهُ تَحْتَ رِجْلَيْهِ وَطَرَفَهُ تَحْتَ رَأْسِهِ - فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسٰى، فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ وَقَالَ: هَلْ بِأَرْضِي مِنْ سَلَامٍ؟ مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: أَنَا مُوسٰى، قَالَ: مُوسٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَمَا شَأْنُكَ؟ قَالَ: جِئْتُ لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا، قَالَ: أَمَا يَكْفِيكَ أَنَّ التَّوْرَاةَ بِيَدَيْكَ وَأَنَّ الْوَحْيَ يَأْتِيكَ يَا مُوسٰى؟ إِنَّ لِي عِلْمًا لَا يَنْبَغِي لَكَ أَنْ تَعْلَمَهُ وَإِنَّ لَكَ عِلْمًا لَا يَنْبَغِي لِي أَنْ أَعْلَمَهُ، فَأَخَذَ طَائِرٌ بِمِنْقَارِهِ مِنَ الْبَحْرِ، وَقَالَ: وَاللهِ مَا عِلْمِي وَمَا عِلْمُكَ فِي جَنْبِ عِلْمِ اللهِ إِلَّا كَمَا أَخَذَ هٰذَا الطَّائِرُ بِمِنْقَارِهِ مِنَ

رکھ لیا۔ آپ نے اپنے خادم (یوشع) سے فرمایا: میں تمھیں بس اتنی تکلیف دیتا ہوں کہ جب یہ مچھلی زنبیل سے نکل کر چل دے تو مجھے مطلع کرنا۔ خادم نے کہا: یہ کون سی بڑی تکلیف ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰهُ. میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے...... یہ خادم رفیق سفر حضرت یوشع بن نون تھے۔ سعید بن جبیر نے اس کا نام نہیں لیا...... پھر موسیٰ علیہ السلام ایک چٹان کے سائے میں ٹھہر گئے جہاں نمی اور ٹھنڈک تھی۔ اس وقت مچھلی نے حرکت کی اور دریا میں کود گئی جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت سو رہے تھے۔ خادم نے کہا: اس وقت آپ کو جگانا مناسب نہیں لیکن جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو وہ انھیں مچھلی کا حال کہنا بھول گئے۔ اس دوران میں مچھلی حرکت کرکے دریا میں کود گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے کودنے کی جگہ پانی کا بہاؤ روک دیا اور مچھلی کا نشان اس پتھر پر بن گیا جس کے اوپر سے گزر کر گئی تھی...... عمرو بن دینار نے مجھ (ابن جریج) سے بیان کیا کہ اس کا نشان پتھر پہ بن گیا۔ اور انھوں نے دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں کو جوڑ کر ایک حلقے کی طرح پتھر پر پڑے ہوئے نشان کو نمایاں کیا...... (بیدار ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی دن اور پوری رات چلتے رہے۔) آخر کہنے لگے: ''ہمیں اس سفر میں تھکن ہو رہی ہے۔'' ان کے خادم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی تھکن کو دور کر دیا ہے...... یہ الفاظ سعید بن جبیر کی روایت میں نہیں ہیں...... اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم دونوں واپس لوٹے اور وہاں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی جو دریا کے درمیان میں ایک چھوٹے سے سبز زین پوش پر تشریف رکھتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر نے اپنی روایت میں یوں بیان کیا کہ وہ اپنے کپڑے سے تمام جسم لپیٹے ہوئے تھے۔ کپڑے کا ایک کنارہ

الْبَحْرِ، حَتّٰى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ وَجَدَا مَعَابِرَ صِغَارًا تَحْمِلُ أَهْلَ هٰذَا السَّاحِلِ إِلٰى أَهْلِ هٰذَا السَّاحِلِ الْآخَرِ عَرَفُوهُ، فَقَالُوا: عَبْدُ اللهِ الصَّالِحُ - قَالَ: قُلْنَا لِسَعِيدٍ: خَضِرٌ؟ قَالَ: نَعَمْ - لَا نَحْمِلُهُ بِأَجْرٍ فَخَرَقَهَا وَوَتَدَ فِيهَا وَتِدًا، قَالَ مُوسٰى: ﴿أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا﴾ [٧١] - قَالَ مُجَاهِدٌ: مُنْكَرًا - قَالَ: ﴿أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ [٧٢] كَانَتِ الْأُولٰى نِسْيَانًا، وَالْوُسْطٰى شَرْطًا، وَالثَّالِثَةُ عَمْدًا. قَالَ: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ [٧٣] ﴿لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ﴾ [٧٤]

ان کے پاؤں کے نیچے تھا اور دوسرا سر کے تلے تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا: میری اس سرزمین میں سلام کا رواج کہاں سے آ گیا؟ آپ کون ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں موسیٰ ہوں۔ انھوں نے پوچھا: بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انھوں نے پوچھا: آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میرے آنے کا مقصد یہ ہے کہ جو ہدایت کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے وہ مجھے بھی سکھا دیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: کیا آپ کو یہ کافی نہیں کہ تورات آپ کے پاس ہے اور آپ کے پاس وحی آتی ہے؟ اے موسیٰ! میرے پاس علم ہے، آپ کے لیے اس کو پورا جاننا مناسب نہیں اور آپ کے پاس علم ہے، میرے لیے مناسب نہیں کہ میں وہ سارا سیکھوں۔ اس دوران میں ایک چڑیا نے اپنی چونچ سے دریا کا پانی لیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرا اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے دریا کا پانی اپنی چونچ میں لیا ہے۔ بہرحال کشتی پر چڑھتے وقت انھوں نے چھوٹی چھوٹی کشتیاں دیکھیں جو ایک کنارے والوں کو دوسرے کنارے پر لے جا کر چھوڑ آتی تھیں۔ ملاحوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں۔ ہم نے سعید بن جبیر سے کہا: انھوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچانا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں، کشتی والوں نے کہا: ہم ان سے کرایہ نہیں لیں گے لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ توڑ دیا اور اس کی جگہ میخیں گاڑ دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے کشتی کا تختہ اس لیے نکالا ہے تاکہ کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کر دیں۔ بلاشبہ آپ نے بڑا ناگوار کام کیا ہے۔" مجاہد نے کہا:

اِمْرًا کے معنی ہیں: مُنْكَرًا۔ یہ سن کر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے پہلے ہی نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔'' موسیٰ کا پہلا سوال بھولنے کی وجہ سے تھا لیکن دوسرا بطور شرط اور تیسرا قصداً بطور اعتراض تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''جو میں بھول گیا ہوں اس کے بارے میں مجھ سے مؤاخذہ نہ کریں اور میرے معاملے میں مجھے تنگی میں نہ ڈالیں۔ پھر انھیں ایک بچہ ملا تو (حضرت خضر علیہ السلام نے) اسے قتل کر دیا۔''

- قَالَ يَعْلٰى : قَالَ سَعِيدٌ -: وَجَدَ غِلْمَانًا يَلْعَبُونَ فَأَخَذَ غُلَامًا كَافِرًا ظَرِيفًا، فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ بِالسِّكِّينِ قَالَ: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾: لَمْ تَعْمَلْ بِالْحِنْثِ - وَابْنُ عَبَّاسٍ قَرَأَهَا: ﴿زَكِيَّةً﴾، (زَاكِيَةً) زَاكِيَةً: مُسْلِمَةً، كَقَوْلِكَ: غُلَامًا زَكِيًّا - فَانْطَلَقَا فَوَجَدَا جِدَارًا ﴿يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُۥ﴾ [۷۷] - قَالَ سَعِيدٌ بِيَدِهِ هٰكَذَا وَرَفَعَ يَدَهُ فَاسْتَقَامَ قَالَ يَعْلٰى: حَسِبْتُ أَنَّ سَعِيدًا قَالَ: فَمَسَحَهُ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ - ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ - قَالَ سَعِيدٌ: أَجْرًا نَأْكُلُهُ - ﴿وَكَانَ وَرَآءَهُم مَّلِكٌ﴾ [۷۹]: وَكَانَ أَمَامَهُمْ؛ قَرَأَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ: (أَمَامَهُمْ مَلِكٌ). يَزْعُمُونَ عَنْ غَيْرِ سَعِيدٍ: أَنَّهُ هُدَدُ بْنُ بُدَدَ، [وَ]الْغُلَامُ الْمَقْتُولُ، يَزْعُمُونَ: اسْمُهُ حَيْسُورُ - ﴿مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾ فَأَرَدْتُ إِذَا هِيَ مَرَّتْ بِهِ أَنْ يَدَعَهَا لِعَيْبِهَا، فَإِذَا جَاوَزُوا أَصْلَحُوهَا فَانْتَفَعُوا بِهَا - وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: سَدُّوهَا بِقَارُورَةٍ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: بِالْقَارِ -

حضرت سعید بن جبیر نے اس کی تفصیل بیان کی کہ حضرت خضر علیہ السلام کو چند بچے ملے جو کھیل رہے تھے۔ انھوں نے ان بچوں میں سے ایک بچے کو پکڑا جو کافر اور چالاک تھا اور اسے لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ نے بلاوجہ ایک بے گناہ بچے کو قتل کر دیا'' حالانکہ اس نے کوئی برا کام نہیں کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس مقام پر لفظ زَكِيَّةً کو زَاكِيَة پڑھا کرتے تھے۔ اس کے معنی مسلمان کے ہیں جیسا کہ غُلَامًا زَكِيًّا کو نفس زکیہ کہا جاتا ہے۔ پھر وہ دونوں بزرگ آگے بڑھے تو ایک دیوار پر نظر پڑی ''جو بس گرنے ہی والی تھی۔ خضر (علیہ السلام) نے اسے درست کر دیا۔'' حضرت سعید بن جبیر نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا ''اس طرح'' یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار پر ہاتھ پھیر کر اسے ٹھیک کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے سکتے تھے۔'' سعید بن جبیر نے اس کی تشریح کی کہ اجرت جسے ہم کھا سکتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَكَانَ وَرَاءَ هُمْ مَّلِكٌ کو وَكَانَ اَمَامَهُمْ...... پڑھا ہے، یعنی ان کے آگے ایک بادشاہ تھا۔ سعید بن جبیر کے علاوہ دوسروں کی روایت میں اس

﴿كَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ﴾ [٨٠]: وَكَانَ كَافِرًا. ﴿فَخَشِينَآ أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَنًا وَكُفْرًا﴾ أَنْ يَحْمِلَهُمَا حُبُّهُ عَلَى أَنْ يُتَابِعَاهُ عَلَى دِينِهِ؛ ﴿فَأَرَدْنَآ أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَوٰةً﴾ [٨١]: لِقَوْلِهِ: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً﴾ [٧٤] ﴿وَأَقْرَبَ رُحْمًا﴾ [٨١]: هُمَا بِهِ أَرْحَمُ مِنْهُمَا بِالْأَوَّلِ الَّذِي قَتَلَ خَضِرٌ». وَزَعَمَ غَيْرُ سَعِيدٍ أَنَّهُمَا أُبْدِلَا جَارِيَةً. وَأَمَّا دَاوُدُ بْنُ أَبِي عَاصِمٍ فَقَالَ: عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ: إِنَّهَا جَارِيَةٌ. [راجع: ٧٤]

بادشاہ کا نام ہدد بن بدد ہے اور جس بچے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اس کا نام لوگ حَيْسُور بیان کرتے ہیں۔ ''وہ بادشاہ ہر (نئی) کشتی کو زبردستی چھین لیا کرتا تھا'' اس لیے میں نے چاہا کہ جب یہ کشتی اس کے سامنے سے گزرے تو اس کے اس عیب کی وجہ سے اسے نہ چھینے۔ پھر جب کشتی والے اس بادشاہ کی سلطنت سے گزر جائیں گے تو وہ خود اسے ٹھیک کر لیں گے اور اسے کام میں لاتے رہیں گے۔ بعض نے کہا: انھوں نے کشتی کو پھر سیسہ پگھلا کر جوڑ لیا تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ تارکول سے سوراخ بند کر لیا تھا۔ (اور جس بچے کو قتل کر دیا تھا تو) ''اس کے والدین مومن تھے'' جبکہ بچہ کافر تھا، اس لیے ہمیں ڈر تھا کہ کہیں وہ انھیں بھی کفر میں مبتلا نہ کر دے، اس طرح کہ وہ لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو کر اس کے دین کی پیروی کر لیں گے'' اس لیے ہم نے یہ ارادہ کیا کہ ان کا رب اس سے بہتر بچہ ان کو عنایت کر دے جو پاکباز (اور صلہ رحمی کرنے والا ہو)۔ (یہ جواب ہے اس کا کہ) ''تو نے ایک بے قصور جان کو قتل کر دیا۔'' وَاَقْرَبَ رُحْمًا کے معنی ہیں کہ اس کے والدین اس بچے پر جواب اللہ انھیں دے گا پہلے بچے سے زیادہ مہربان ہوں گے جسے حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا۔'' حضرت سعید بن جبیر نے کہا کہ اس کے والدین کو اس بچے کے بدلے ایک لڑکی دی گئی تھی۔ داود بن عاصم، کئی ایک راویوں سے نقل کرتے ہیں کہ وہ لڑکی ہی تھی۔

فوائد و مسائل: ① اس واقعے سے گمراہ صوفیوں نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام مسند نبوت پر فائز نہیں تھے بلکہ انھیں صرف ولایت کا درجہ حاصل تھا اور اللہ کا ولی فہم و بصیرت میں منصب نبوت سے کہیں اونچے درجے پر فائز ہوتا ہے اور پھر بطور دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نبی ہونے کے باوجود اللہ کے ولی حضرت خضر علیہ السلام سے چند باتیں سیکھنے کے لیے تشریف لے گئے اور عملی طور پر ان کی شاگردی اختیار کی۔ اس فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے:

مَقَام النُّبُوَّةِ فِي بَرْزَخٍ　　فُوَيق الرسول ودُون الْوَلِي

''مقام نبوت برزخ کی طرح ایک درمیانہ درجہ ہے جو رسالت سے تھوڑا سا اوپر اور ولایت سے نیچے ہے'' یعنی ان کے ہاں مقام ولایت نبوت ورسالت سے اونچا ہے۔ مصنف عقیدۂ طحاویہ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم کسی ولی کو کسی نبی سے افضل نہیں سمجھتے اور تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے تمام اولیاء سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔[1] ② اکثر اہل علم کا رجحان ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام منصب نبوت پر فائز تھے، چنانچہ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ جمہور اہل علم کے ہاں حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے جیسا کہ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے، پھر کوئی بھی نبی اپنے سے کم تر درجہ سے علم حاصل نہیں کرتا۔[2] ہمارے نزدیک بھی حضرت خضر علیہ السلام کی عظیم شخصیت منصب نبوت پر فائز تھی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں شرف رسالت سے نوازا تھا جیسا کہ درج ذیل دلائل سے معلوم ہوتا ہے: * حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت سے نوازا اور اپنے پاس سے خاص علم دیا۔''[3] اکثر مفسرین نے آیت میں رحمت اور علم سے مراد نبوت لی ہے، یعنی اسے ہم نے اپنی طرف سے نبوت عطا کی تھی۔ * حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اللہ کا فرمان ان الفاظ میں نقل ہوا ہے: ''میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا۔''[4] اس کی تفسیر میں امام طبری لکھتے ہیں کہ اے موسیٰ! جو کچھ میں نے کیا وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح وحی الٰہی کے پابند تھے۔ اتنے اہم کام اللہ کی وحی کے بغیر نہیں کر سکتے تھے۔ یہ نبی کا منصب ہے جو وحی الٰہی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو چند ایسی باتوں پر مطلع کیا گیا تھا جو بظاہر ہماری آنکھوں سے اوجھل تھیں، اللہ تعالیٰ اس قسم کی غائبانہ باتوں پر صرف اپنے انبیاء علیہم السلام ہی کو آگاہ فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ غیب دان ہے اور اس طرح کے غیبی امور پر اپنے رسولوں کے علاوہ کسی اور کو مطلع نہیں کرتا۔''[5] * حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے وحی کی بنا پر سرانجام دیا ہے، بصورت دیگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قسم کے بظاہر خلاف عادت کام دیکھ کر خاموش نہ رہتے، اس قسم کے اقدامات نبی کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں ہیں، خواہ وہ ولایت کے آخری درجے پر ہی فائز کیوں نہ ہو۔ * ایک حدیث میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! وہ میرا بندہ تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔[6] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس سے ان کی نبوت کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ان کے نبی مرسل ہونے کا بھی پتا چلتا ہے۔[7] ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ ''الزهر النضر في أخبار الخضر'' لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبی تھے، البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا انھیں نبوت کے ساتھ وعظ وارشاد کی ذمے داری بھی سونپی گئی تھی یا نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب بن منبہ کا رجحان ہے کہ وہ نبی تو تھے لیکن کسی قوم کی طرف نہیں بھیجے گئے تھے جبکہ دوسرے اہل علم کا موقف ہے کہ آپ کو باقاعدہ ایک قوم کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور انھوں نے ان کی دعوت کو قبول بھی کر لیا تھا۔ ابوالحسن رمانی اور ابن جوزی نے بھی اس بات کی تائید کی ہے۔ امام ثعلبی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی

---

1 شرح العقيدة الطحاوية، ص: 493. 2 المفهم: 209/6. 3 الكهف 65:18. 4 الكهف 82:18. 5 الجن 26:72، 27. 6 صحيح البخاري، العلم، حديث: 122. 7 فتح الباري: 290/1.

حضرت خضر علیہ السلام نبی مرسل تھے۔ واللہ أعلم. ④ بہرحال حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت پر فائز تھے۔ انھیں پہلے ولی قرار دینا، پھر ولی کو نبی سے اونچا مرتبہ دینا شریعت کے خلاف ہے اور عقل بھی اس کی تائید نہیں کرتی۔

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَىٰهُ ءَاتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِن سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا﴾ إِلَىٰ قَوْلِهِ: ﴿قَصَصًا﴾ [٦٢-٦٤]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ”جب یہ دونوں وہاں سے آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان (خادم) سے کہا: لاؤ ہمارا دن کا کھانا، ہمیں تو اپنے اس سفر میں سخت تکلیف اٹھانا پڑی ہے......“ کا بیان

﴿صُنْعًا﴾ [١٠٤]: عَمَلًا. ﴿حِوَلًا﴾ [١٠٨]: تَحَوُّلًا. ﴿قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَٱرْتَدَّا عَلَىٰٓ ءَاثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ [٦٤]. ﴿نُكْرًا﴾ [٧٤]: دَاهِيَةً. ﴿يَنقَضَّ﴾ [٧٧]: يَنْقَاضُ كَمَا يَنْقَاضُ السِّنُّ. لَتَخِذْتَ وَاتَّخَذْتَ وَاحِدٌ. ﴿رُحْمًا﴾ [٨١]: مِنَ الرُّحْمِ، وَهِيَ أَشَدُّ مُبَالَغَةً مِنَ الرَّحْمَةِ، وَيُظَنُّ أَنَّهُ مِنَ الرَّحِيمِ، وَتُدْعٰى مَكَّةُ أُمَّ رُحْمٍ أَيِ: الرَّحْمَةُ تَنْزِلُ بِهَا.

صُنْعًا عمل کے معنی میں ہے۔ حِوَلًا کے معنی پھر جانا ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”یہی تو وہ چیز تھی جس کی ہمیں تلاش تھی، چنانچہ وہ دونوں الٹے پاؤں لوٹے۔“ نُكْرًا کے معنی ہیں: عجیب بات۔ يَنْقَضَّ اور يَنْقَاضُ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، جیسے کہا جاتا ہے: يَنْقَاضُ السِّنُّ، یعنی دانت گر رہا ہے۔ لَتَخِذْتَ اور اِتَّخَذْتَ دو روایات ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہیں۔ رُحْمًا رُحم سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: بہت رحمت، گویا یہ مبالغہ ہے رحمت سے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لفظ رحیم سے نکلا ہے، اس لیے مکہ کو اُم رُحْم کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں پروردگار کی بہت رحمت اترتی ہے۔

وضاحت: اس مقام پر مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دریا میں سرنگ کی طرح راستہ بنا دیا حضرت یوشع علیہ السلام نے مچھلی کو سمندر میں جاتے اور راستہ بناتے ہوئے دیکھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے حتی کہ آرام کر کے وہاں سے سفر شروع کر دیا۔ وہ اس دن اور اس کے بعد پوری رات سفر کر کے جب دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکاوٹ اور بھوک محسوس ہوئی تو انھوں نے اپنے جوان (خادم) سے کہا: لاؤ بھائی کھانا، اسے ہم تناول کریں۔ اس نے کہا: جہاں ہم نے چٹان سے ٹیک لگا کر آرام کیا تھا مچھلی تو وہاں زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی اور وہاں اس نے عجیب طریقے سے اپنا راستہ بنایا تھا، جس کا میں آپ سے تذکرہ کرنا بھول گیا اور شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ کے بندے! جہاں مچھلی زندہ ہو کر غائب ہوئی تھی وہی تو ہماری منزل مقصود تھی، جس کی تلاش میں ہم سفر کر رہے تھے، چنانچہ اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے وہ واپس ہوئے اس کی تفصیل درج ذیل روایات میں بیان ہوئی ہے۔

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿قَالَ أَرَءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَآ إِلَى ٱلصَّخْرَةِ﴾ إِلَى آخِرِهِ [٦٣-٨٢].

باب: ارشاد باری تعالیٰ: ''نوجوان (خادم) نے جواب دیا: کیا آپ نے دیکھا تھا جب ہم چٹان سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے......''

٤٧٢٧ - حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ: أَنَّ مُوسَى نَبِيَّ اللهِ لَيْسَ بِمُوسَى الْخَضِرِ، فَقَالَ: كَذَبَ عَدُوُّ اللهِ، حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَامَ مُوسَى خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَقِيلَ لَهُ: أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ قَالَ: أَنَا، فَعَتَبَ اللهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ، وَأَوْحَى إِلَيْهِ: بَلَى عَبْدٌ مِّنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ، قَالَ: أَيْ رَبِّ! كَيْفَ السَّبِيلُ إِلَيْهِ؟ قَالَ: تَأْخُذُ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَّ الْحُوتَ فَاتَّبِعْهُ. قَالَ: فَخَرَجَ مُوسَى وَمَعَهُ فَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ، وَمَعَهُمَا الْحُوتُ، حَتَّى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَنَزَلَا عِنْدَهَا. قَالَ: فَوَضَعَ مُوسَى رَأْسَهُ فَنَامَ، - قَالَ سُفْيَانُ: وَفِي حَدِيثِ غَيْرِ عَمْرٍو قَالَ: وَفِي أَصْلِ الصَّخْرَةِ عَيْنٌ يُقَالُ لَهَا: الْحَيَاةُ، لَا يُصِيبُ مِنْ مَائِهَا شَيْءٌ إِلَّا حَيِيَ، فَأَصَابَ الْحُوتَ مِنْ مَاءِ تِلْكَ الْعَيْنِ - قَالَ: فَتَحَرَّكَ وَانْسَلَّ مِنَ الْمِكْتَلِ فَدَخَلَ الْبَحْرَ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ مُوسَى ﴿قَالَ لِفَتَىٰهُ ءَاتِنَا غَدَآءَنَا﴾ الْآيَةَ [٦٢]، قَالَ: وَلَمْ يَجِدِ النَّصَبَ حَتَّى جَاوَزَ مَا أُمِرَ بِهِ،

[4727] حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: نوف بکالی کہتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے رسول تھے وہ موسیٰ نہیں تھے جو حضرت خضر علیہ السلام سے ملے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کے دشمن نے غلط بات کہی ہے۔ ہم سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو وعظ کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو ان سے پوچھا گیا: سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر عتاب کیا کیونکہ انھوں نے علم کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی تھی۔ اور اللہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ دو دریاؤں کے سنگم پر رہتا ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! ان تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک مچھلی زنبیل میں ساتھ لے لو، پھر وہ مچھلی جہاں گم ہو جائے وہیں انھیں تلاش کرو۔ الغرض موسیٰ علیہ السلام نکل پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کے رفیق سفر یوشع بن نون بھی تھے۔ مچھلی ان کے پاس تھی۔ جب وہ دونوں چٹان تک پہنچے تو وہاں ٹھہر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا سر وہیں رکھ کر سو گئے...... سفیان نے عمرو کی روایت کے علاوہ دوسری روایت کے حوالے سے بیان کیا کہ اس چٹان کی جڑ میں ایک چشمہ تھا جسے ''حیات'' کہا

قَالَ لَهُ فَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ: ﴿أَرَءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَآ إِلَى ٱلصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ ٱلْحُوتَ﴾ الْآيَةَ [٦٣]. قَالَ: فَرَجَعَا يَقُصَّانِ فِي آثَارِهِمَا فَوَجَدَا فِي الْبَحْرِ كَالطَّاقِ - مَمَرَّ الْحُوتِ -، فَكَانَ لِفَتَاهُ عَجَبًا وَلِلْحُوتِ سَرَبًا.

جاتا تھا، جس چیز پر بھی اس کا پانی پڑتا وہ زندہ ہو جاتی تھی......اس مچھلی پر اس کا پانی پڑا تو اس کے اندر حرکت پیدا ہوگئی اور وہ زنبیل سے نکل کر دریا میں چلی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو ''انھوں نے اپنے ساتھی سے فرمایا: ہمارا ناشتہ لاؤ......'' اس سفر کے دوران میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سفر کی تھکاوٹ کا کوئی احساس نہ ہوا۔ جب مقررہ جگہ سے آگے بڑھے تو تھکاوٹ محسوس کی، تاہم ان کے رفیق سفر یوشع بن نون نے عرض کی: ''آپ نے دیکھا جب ہم چٹان کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے تو میں مچھلی کے متعلق آپ کو آگاہ کرنا بھول گیا......'' پھر وہ دونوں الٹے پاؤں واپس آئے، دیکھا کہ جہاں مچھلی پانی میں گری تھی وہاں اس کے گزرنے کی جگہ پر طاق کی سی صورت بنی ہوئی تھی۔ مچھلی تو پانی میں چلی گئی تھی لیکن یوشع بن نون کو اس طرح پانی کے رک جانے پر تعجب تھا۔

قَالَ: فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ، إِذَا هُمَا بِرَجُلٍ مُسَجًّى بِثَوْبٍ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسٰى، قَالَ: وَأَنّٰى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ!؟ فَقَالَ: أَنَا مُوسٰى، قَالَ: مُوسٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلٰى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا؟ قَالَ لَهُ الْخَضِرُ: يَا مُوسٰى إِنَّكَ عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَكَهُ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ، وَأَنَا عَلٰى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ اللهُ لَا تَعْلَمُهُ، قَالَ: بَلْ أَتَّبِعُكَ، قَالَ: ﴿فَإِنِ ٱتَّبَعْتَنِى فَلَا تَسْـَٔلْنِى عَن شَىْءٍ حَتَّىٰٓ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ [٧٠]. فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى السَّاحِلِ، فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَعُرِفَ الْخَضِرُ، فَحَمَلُوهُمْ فِي

جب وہ چٹان کے پاس پہنچے تو وہاں ایک بزرگ کو کپڑے میں لپٹا ہوا پایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے سلام کیا تو انھوں نے فرمایا: تمھاری زمین میں سلام کہاں سے آگیا؟ فرمایا: میں موسیٰ ہوں۔ انھوں نے دریافت کیا: بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا: جی ہاں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے مزید کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ علم ہدایت جو آپ کو دیا گیا ہے وہ آپ مجھے بھی سکھا دیں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ! آپ کو اللہ کی طرف سے ایسا علم حاصل ہے جو میں نہیں جانتا اور اسی طرح اللہ کی طرف سے مجھے ایسا علم حاصل ہے جو آپ نہیں جانتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر آپ نے میرے ساتھ رہنا

سَفِينَتِهِمْ بِغَيْرِ نَوْلٍ - يَقُولُ: بِغَيْرِ أَجْرٍ - فَرَكِبَا السَّفِينَةَ.

ہی ہے تو پھر مجھ سے کسی چیز کے متعلق مت پوچھیں حتی کہ میں خود آپ کو بتانا شروع کردوں۔" چنانچہ دونوں حضرات دریا کے کنارے کنارے روانہ ہوئے۔ ان کے قریب سے ایک کشتی گزری تو حضرت خضر علیہ السلام کو کشتی والوں نے پہچان لیا اور اپنی کشتی میں انھیں بغیر کرائے کے سوار کر لیا۔ وہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے۔

قَالَ: وَوَقَعَ عُصْفُورٌ عَلٰى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَغَمَسَ مِنْقَارَهُ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ الْخَضِرُ لِمُوسٰى: مَا عِلْمُكَ وَعِلْمِي وَعِلْمُ الْخَلَائِقِ فِي عِلْمِ اللهِ إِلَّا مِقْدَارُ مَا غَمَسَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنْقَارَهُ.

اس دوران میں ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آ بیٹھی اور اس نے اپنی چونچ کو دریا میں ڈالا تو حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: میرا، تمھارا اور دیگر تمام مخلوق کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے اپنی چونچ میں دریا کا پانی لیا ہے۔

قَالَ: فَلَمْ يَفْجَأْ مُوسٰى إِذْ عَمَدَ الْخَضِرُ إِلٰى قَدُومٍ فَخَرَقَ السَّفِينَةَ، فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَّ إِلٰى سَفِينَتِهِمْ (فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ) الْآيَةَ [٧١]، فَانْطَلَقَا إِذَا هُمَا بِغُلَامٍ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ فَقَطَعَهُ، قَالَ لَهُ مُوسٰى: ﴿أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ○ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِىَ صَبْرًا﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ﴾ [٧٤-٧٧] فَقَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا، فَأَقَامَهُ، فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: إِنَّا دَخَلْنَا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَلَمْ يُضَيِّفُونَا وَلَمْ يُطْعِمُونَا ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ○ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِى وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ [٧٧، ٧٨] فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَدِدْنَا أَنَّ مُوسٰى صَبَرَ حَتّٰى

پھر یکدم حضرت خضر علیہ السلام نے تیشہ اٹھایا اور کشتی کو توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ان لوگوں نے کرائے کے بغیر ہمیں اپنی کشتی میں سوار کیا اور آپ نے بدلے میں یہ دیا کہ ان کی کشتی کو توڑ ڈالا تاکہ اس میں سوار تمام مسافر پانی میں ڈوب مریں۔ یقیناً آپ نے انتہائی (نامناسب) کام کیا ہے۔ پھر وہ دونوں آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک بچہ جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس کا سر پکڑا اور اسے جسم سے الگ کر دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بول پڑے: "آپ نے بلا کسی خون و بدلہ کے ایک معصوم بچے کی جان لے لی۔ یہ تو بہت نازیبا حرکت ہے۔ خضر نے کہا: میں نے آپ سے پہلے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے ...... "اس بستی والوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا۔ پھر اس بستی میں انھیں ایک دیوار دکھائی دی جو بس گرنے ہی والی تھی۔" حضرت خضر علیہ السلام نے اس پر اپنا ہاتھ

يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا». قَالَ: وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقْرَأُ: (وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا. وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا). [راجع: ٧٤]

پھیرا اور اسے سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہم اس بستی میں آئے تو انھوں نے ہماری میزبانی سے انکار کر دیا اور ہمیں کھانا بھی نہیں دیا ''اگر آپ چاہتے تو اس کے بدلے میں اجرت لے سکتے تھے۔ حضرت خضر نے فرمایا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت ہے۔ میں عنقریب آپ کو ان کاموں کی وجہ سے آگاہ کروں گا جن پر آپ نے صبر نہیں کیا۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کاش! موسیٰ علیہ السلام نے صبر کیا ہوتا تو ہمیں اس سلسلے سے متعلق مزید واقعات بیان کیے جاتے۔'' راوی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں پڑھا کرتے تھے: وَكَانَ اَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَالِحَةٍ غَصْباً۔ اور یہ بھی پڑھا کرتے تھے: وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا......

فوائد ومسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے گمراہ کن صوفیاء کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اس واقعے سے یہ مسئلہ کشید کرتے ہیں کہ شرعی احکام عام لوگوں کے لیے ہیں لیکن جو اولیاء اور خاص الخاص ہیں انھیں ان احکام شرعیہ کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ وہ ان سے بے نیاز ہوتے ہیں۔[1] اس فکر کی تردید کرتے ہوئے شارح عقیدہ طحاویہ لکھتے ہیں: جو شخص موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعے کو حجت بنا کر علم لدنی کے ذریعے سے علم شریعت کی عدم ضرورت کا دعوی کرتا ہے وہ گمراہ، بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی طرف نہیں بھیجے گئے تھے اور نہ ان میں سے ایک کو دوسرے کی پیروی کا پابند ہی بنایا گیا تھا، اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا: کیا تو وہ موسیٰ ہے جسے بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے؟ اس کے برعکس حضرت محمد ﷺ تو جن وانس کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ بھی شریعت محمدیہ ہی نافذ کریں گے، بنابریں جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہمارے پیغمبر کے ساتھ وہی حیثیت ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یا امت کے کسی فرد کو یہ اتھارٹی دیتا ہے، اسے چاہیے کہ کلمۂ شہادت دوبارہ ادا کرے کیونکہ وہ اس قسم کے کلمۂ کفر سے اپنے اسلام کو خیر باد کہہ بیٹھا ہے۔ ایسا آدمی شیطان کا دوست اور اس کا قریبی ہے چہ جائیکہ ہم اسے ولی اللہ قرار دیں۔ یہ وہی چوراہا ہے جہاں سے اہل حق اور اہل باطل الگ الگ ہو جاتے ہیں۔[2] ② ایسا عقیدہ رکھنے والوں کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شریعت کا خون کرنے والوں کے لیے یہ واقعہ کسی طرح بھی حجت نہیں بن سکتا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آئے تھے، حضرت خضر علیہ السلام پر ان کی اطاعت ضروری نہ تھی کیونکہ آپ کا دائرۂ رسالت محدود تھا،

① فتح الباري: 1/292. ② شرح العقيدة الطحاوية، ص: 512.

اسی لیے تو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم آپ کو دیا ہے اسے میں نہیں جانتا اور جو علم اس کی طرف سے مجھے ملا ہے اس تک آپ کی رسائی نہیں ہے، البتہ ہمارے پیغمبر ﷺ تمام انسانوں اور جنوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ کا حلقۂ رسالت نہایت ہی وسیع ہے، لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ شریعت وطریقت کا بہانہ بنا کر آپ کی اطاعت سے انکار کرے اور نہ اس طرح شریعت مطہرہ کو ٹھکرانے کی گنجائش ہی ہے۔ اس کے علمی اور عملی دونوں پہلو برابر ہیں۔ کسی کو قطعاً کوئی حق نہیں کہ وہ ایسی بات کہے جو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہی تھی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام کی طرف مبعوث ہی نہیں ہوئے تھے کہ انھیں ان کی اطاعت کا پابند کیا جائے، پھر حضرت خضر علیہ السلام کے اس واقعے میں کوئی خلاف شرع بات نہیں بلکہ شریعت مطہرہ کے عین مطابق اور ایسا کرنے کی گنجائش موجود ہے بشرطیکہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرح ان امور کے اسباب معلوم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان امور کے اسباب ووجوہ بیان کیے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی انھیں درست قرار دیا اور تسلیم کر کے ان کی موافقت فرمائی۔ اگر خلاف شرع ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی صورت میں بھی ان سے اتفاق نہ کرتے، چنانچہ کشتی والے واقعے کو لیجیے کہ اگر کسی کا مال بچانے کے لیے تھوڑا بہت نقصان ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے! سارا مال ضائع ہونے سے بہتر ہے کہ تھوڑا بہت نقصان کر کے باقی ماندہ کو بچا لیا جائے۔ چرواہے کو اجازت ہے کہ وہاں بکری کو ذبح کر دے جس کے متعلق مرنے کا اندیشہ ہو جیسا کہ عہد رسالت میں اس قسم کا واقعہ پیش بھی آیا تھا۔ اسی طرح بے گناہ معصوم لڑکے کو قتل کر دینے کے واقعے سے حضرت خضر علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے والدین کے لیے وبال جان بن جائے گا، اس لیے اس کے قتل کرنے میں ہی عافیت تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قیدی لڑکوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر ان میں ایسی چیز معلوم ہو جائے جو آئندہ کسی فتنے کا پیش خیمہ بن سکتی ہے تو ان کا صفایا کر دیا جائے جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو معلوم ہو گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قتل کرنے کی قطعاً اجازت نہ ہوتی۔ باقی رہا معاملہ دیوار بنانے کا تو یہ ایک نیکی کا کام ہے، اگرچہ اجرت کی ضرورت تھی لیکن آپ نے اس کار خیر کو فی سبیل اللہ سرانجام دیا کیونکہ وہ نیک لوگوں کے ساتھ تعاون کی ایک شکل تھی۔[1]

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ [١٠٣]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ”آپ کہہ دیں: کیا ہم تمھیں بتائیں کہ لوگوں میں اعمال کے لحاظ سے زیادہ نقصان اٹھانے والے کون ہیں؟“ کا بیان

وضاحت: وہ لوگ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ اعمال کرتے ہیں لیکن بزعم خویش سمجھتے یہ ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں، اس سے مراد کون ہیں؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس آیت کا مصداق خوارج اور اہل بدعت ہیں، جبکہ کچھ اہل علم اس سے

[1] مجموعة الرسائل والمسائل: 62/2.

مشرکین مراد لیتے ہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق یہ آیت عام ہے جس میں ہر وہ فرد اور گروہ شامل ہے جس کے اندر مذکورہ صفات ہوں گی کیونکہ آگے ایسے ہی لوگوں کے متعلق مزید وعیدیں بیان کی جارہی ہیں لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جیسا کہ ان کی پیش کردہ درج ذیل حدیث میں اس کی صراحت ہے۔

٤٧٢٨ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ مُصْعَبٍ قَالَ: سَأَلْتُ أَبِي: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ هُمُ الْحَرُورِيَّةُ؟ قَالَ: لَا، هُمُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارٰى، أَمَّا الْيَهُودُ فَكَذَّبُوا مُحَمَّدًا ﷺ، وَأَمَّا النَّصَارٰى كَفَرُوا بِالْجَنَّةِ وَقَالُوا: لَا طَعَامَ فِيهَا وَلَا شَرَابَ، وَالْحَرُورِيَّةُ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ، وَكَانَ سَعْدٌ يُسَمِّيهِمُ الْفَاسِقِينَ.

[4728] حضرت مصعب بن سعد سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے اپنے باپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس آیت: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا کے متعلق سوال کیا کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا ان سے مراد خوارج ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ نہیں، بلکہ ان سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود نے حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کی اور نصاریٰ نے جنت کا انکار کیا اور کہا کہ اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملے گی۔ خوارج تو وہ ہیں جنھوں نے اللہ کے عہد و میثاق کو توڑا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ انھیں فاسق کہا کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حروریہ کی نسبت حروراء کی طرف ہے اور وہ کوفے کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے جہاں خارجی لوگ جمع ہوئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ انھیں خوارج کہا جاتا ہے اور یہ اہل السنہ کے انتہائی مخالف ہیں۔ ان کا سرغنہ وہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپ عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے دور حکومت میں قتل کیا تھا۔ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: اس کی نسل سے ایسے لوگ ہوں گے جو بڑی لمبی لمبی نمازیں پڑھیں گے، بڑے خوبصورت روزے رکھیں گے لیکن ان کا دین میں کوئی حصہ نہیں ہو گا۔ ② ابن کواء جو خارجیوں کا سردار تھا، اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اَلْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا'' کون لوگ ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا کہ یہ حروراء والے کم بخت بھی ان میں شامل ہیں۔[1] ③ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جنت میں صرف روحانی لذتیں ہوں گی۔ یہ عقیدہ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے کیونکہ اہل جنت کو جنت کی تمام نعمتیں حاصل ہوں گی، خواہ ان کا تعلق جسم سے ہو یا روح سے، ہاں عیسائی ضرور اس سے محروم ہوں گے۔ اہل جنت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اہل جنت کے دل جس چیز کی خواہش کریں گے اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں گی سب وہاں ہوگا۔''[2] حتی کہ جنت میں اہل جنت کو حور و غلمان بھی ملیں گے۔ واللہ أعلم.

---

1 فتح الباري: 540/8. 2 الزخرف 43: 71.

(٦) بَابُ: ﴿أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِۦ فَحَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ﴾ الْآيَةَ [١٠٥]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اوراس کی ملاقات کا انکار کیا، لہٰذا ان کے سب اعمال برباد ہو گئے'' کا بیان

وضاحت: بنیادی کافر اور ریا کار قسم کے لوگوں کے لیے میزان کا اہتمام ہی نہیں کیا جائے گا کیونکہ اعمال تو ان موحدین کے تولے جائیں گے جن کے نامۂ اعمال میں نیکیاں اور برائیاں دونوں ہوں گی لیکن جن لوگوں کے نامۂ اعمال میں صرف برائیاں ہی برائیاں ہوں گی اور وہ نیکیوں سے بالکل خالی ہوں گے تو وہاں کس چیز کا وزن کیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کو ان کے کفر اور برے اعمال کی وجہ سے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ترازو کے اہتمام کی وہاں ضرورت ہی نہ ہو گی جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧٢٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَزِنُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ - وَقَالَ -: اقْرَؤُا: ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَزْنًا﴾».

[4729] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک آدمی قدآور اور موٹا تازہ آئے گا جس کا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے برابر بھی وزن نہ ہو گا۔ اگر اس کی تصدیق کرنا چاہو تو اس آیت کی تلاوت کرو: ''قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔''

وَعَنْ يَحْيَى بْنِ بُكَيْرٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، مِثْلَهُ.

اس حدیث کو محمد بن عبداللہ نے یحییٰ بن بکیر سے، انھوں نے مغیرہ بن عبدالرحمٰن سے، انھوں نے ابوالزناد سے ویسا ہی بیان کیا ہے۔

فائدہ: قیامت کے دن ترازو میں کس چیز کو تولا جائے گا؟ اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے۔ کچھ اہل علم کہتے ہیں کہ قیامت کے دن وزن اعمال کا ہو گا اور کچھ کہتے ہیں کہ اعمال کے صحیفوں کا وزن کیا جائے گا جبکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وزن اشخاص کا ہو گا۔ ہر قول کی دلیل احادیث میں ملتی ہے جس کی تفصیل ہم کتاب التوحید میں بیان کریں گے، البتہ دو قسم کے لوگ ایسے ہوں گے جن کے وزن کرنے کا اہتمام نہیں کیا جائے گا: * اہل ایمان میں سے وہ خوش قسمت ستر ہزار جو بلاحساب جنت میں جائیں

گے۔ ٭ وہ کافر جن کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہیں ہوگی، ان کا وزن بھی نہیں ہوگا۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اعمال، صحائف اور خود عمل کرنے والوں کا وزن کیا جائے گا۔ واللہ أعلم۔

(۱۹) سُورَةُ كٓهٰيٰعٓصٓ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ 19- تفسیر سورۂ مریم

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾ [۳۸]: اَللّٰهُ يَقُولُهُ - وَهُمُ الْيَوْمَ لَا يَسْمَعُونَ وَلَا يُبْصِرُونَ - ﴿فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ﴾: يَعْنِي قَوْلَهُ: ﴿أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ﴾: اَلْكُفَّارُ يَوْمَئِذٍ أَسْمَعُ شَيْءٍ وَأَبْصَرُهُ. ﴿لَأَرْجُمَنَّكَ﴾ [٤٦]: لَأَشْتُمَنَّكَ. ﴿وَرِءْيًا﴾ [٧٤]: مَنْظَرًا. وَقَالَ أَبُو وَائِلٍ: عَلِمَتْ مَرْيَمُ أَنَّ التَّقِيَّ ذُو نُهْيَةٍ حَتّٰى قَالَتْ: ﴿إِنِّيٓ أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا﴾ [۱۸]. وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: ﴿تَؤُزُّهُمْ أَزًّا﴾ [۸۳]: تُزْعِجُهُمْ إِلَى الْمَعَاصِي إِزْعَاجًا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿إِدًّا﴾ [۹۷]: عِوَجًا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿وِرْدًا﴾ [۸٦]: عِطَاشًا. ﴿أَثَٰثًا﴾ [٧٤]: مَالًا. ﴿إِدًّا﴾ [۸۹]: قَوْلًا عَظِيمًا. ﴿رِكْزًا﴾ [۹۸]: صَوْتًا. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿غَيًّا﴾ [٥٩]: خُسْرَانًا. ﴿وَبُكِيًّا﴾ [٥٨]: جَمَاعَةُ بَاكٍ. ﴿صِلِيًّا﴾ [٧٠]: صَلِيَ يَصْلٰى. ﴿نَدِيًّا﴾ [٧٣] - وَالنَّادِي وَاحِدٌ -: مَجْلِسًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج کے دن کافر نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں بلکہ ''کھلی گمراہی میں ہیں'' مطلب یہ ہے کہ کافر قیامت کے دن خوب سنتے اور خوب دیکھتے ہوں گے (مگر اس وقت ان کا سننا اور دیکھنا کوئی فائدہ نہ دے گا)۔ لَاَرْجُمَنَّكَ: میں تجھ پر گالیوں کا پتھراؤ کروں گا۔ وَرِءْيًا کے معنی ہیں: منظر اور ظاہری خوبی۔ ابو وائل نے کہا: حضرت مریم علیہا السلام جانتی تھیں کہ جو پرہیز گار رہتا ہے وہ صاحب عقل ہوتا ہے اسی لیے انھوں نے کہا تھا: ''اگر تو پرہیز گار ہے تو میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔'' سفیان بن عیینہ نے کہا: تَؤُزُّهُمْ اَزًّا کے معنی ہیں: شیاطین ان کو گناہوں پر خوب ابھارتے ہیں۔ امام مجاہد نے کہا: اِدًّا کے معنی ہیں: کج روی اور ٹیڑھی بات۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وِرْدًا کے معنی ہیں: پیاسے۔ اَثَاثًا سے مراد مال و اسباب ہے۔ اِدًّا کے معنی ہیں: بڑی بات۔ رِكْزًا کے معنی ہیں: بھنک یا آہستہ آواز۔ غَيًّا کے معنی ہیں: نقصان اور خسارہ۔ بُكِيًّا یہ بَاكٍ کی جمع ہے، یعنی رونے والے۔ صِلِيًّا یہ صَلِيَ يَصْلٰى سے مصدر ہے، یعنی داخل ہونا۔ نَدِيًّا اور نَادِي دونوں کے معنی ''مجلس'' ہیں۔

(۱) بَابُ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ [۳۹]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''انھیں رنج و افسوس (پچھتاوے) کے دن سے خبردار کریں'' کا بیان

وضاحت: روز قیامت کو حسرت کا دن کہا گیا ہے کیونکہ اس دن سب لوگ حسرت کریں گے۔ بدکار حسرت کریں گے کاش انھوں نے برائیاں نہ کی ہوتیں اور نیکوکار حسرت کریں گے کہ انھوں نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کمائیں۔ درج ذیل حدیث میں ایک دوسرے انداز سے یوم حسرت کو پیش کیا گیا ہے۔

٤٧٣٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُؤْتَى بِالْمَوْتِ كَهَيْئَةِ كَبْشٍ أَمْلَحَ فَيُنَادِي مُنَادٍ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ فَيَقُولُ: هَلْ تَعْرِفُونَ هٰذَا؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، هٰذَا الْمَوْتُ، وَكُلُّهُمْ قَدْ رَآهُ، ثُمَّ يُنَادِي: يَا أَهْلَ النَّارِ! فَيَشْرَئِبُّونَ وَيَنْظُرُونَ فَيَقُولُ: هَلْ تَعْرِفُونَ هٰذَا؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمْ، هٰذَا الْمَوْتُ، وَكُلُّهُمْ قَدْ رَآهُ، فَيُذْبَحُ، ثُمَّ يَقُولُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ - وَهٰؤُلَاءِ فِي غَفْلَةٍ أَهْلُ الدُّنْيَا، - وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ».

[4730] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”موت کو ایک ایسے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا جو سفید اور سیاہ ہوگا۔ پھر ایک آواز دینے والا آواز دے گا: اے اہل جنت! وہ گردنیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے۔ وہ کہے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ جواب دیں گے: جی ہاں، یہ موت ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسے دیکھ چکا ہوگا۔ پھر وہ منادی کرنے والا آواز دے گا: اے اہل دوزخ! وہ گردنیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے۔ وہ کہے گا: تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ اس کو پہچانتے ہوئے جواب دیں گے: جی ہاں، یہ موت ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسے دیکھ چکا ہوگا۔ پھر اس (مینڈھے) کو ذبح کیا جائے گا اور اعلان کرنے والا آواز دے گا: اے اہل جنت! ہمیشہ جنت میں رہو، تمھارے لیے موت نہیں۔ اور اے اہل دوزخ! تم ہمیشہ دوزخ میں رہو، اب تمھارے لیے موت نہیں۔ آپ نے اس آیت کو پڑھا: ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ﴾ یعنی دنیا دار غفلت میں پڑے ہیں اور وہ ایمان نہیں لا رہے۔“

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”موت کو لایا جائے گا اور اسے پل صراط پر کھڑا کیا جائے گا، پھر اہل جنت کو آواز دی جائے گی، وہ اس طرح ڈرتے ہوئے دیکھیں گے کہ کہیں انھیں جنت سے نکال نہ دیا جائے، پھر اہل دوزخ کو آواز دی جائے گی۔ وہ بہت خوش ہوں گے اور خوشی سے اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے کہ انھیں دوزخ سے نکالا جائے گا: پھر ان سب کو کہا جائے گا کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ سب کہیں گے: ہم اسے جانتے ہیں۔ پھر اسے ذبح کر دینے کا حکم

دیا جائے گا تو اسے پل صراط پر ذبح کیا جائے گا۔ پھر دونوں گروہوں سے کہا جائے گا: تم جہاں جہاں ہو، اس میں ہمیشہ رہو گے۔ اب موت نہیں آئے گی۔''[1] ایک روایت میں ہے کہ اسے جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار پر ذبح کیا جائے گا۔[2]
② مقصد یہ ہے کہ اہل جنت کی خوشی کو دوبالا اور اہل جہنم کی پریشانی کو زیادہ کرنے کے لیے موت کو ذبح کر دیا جائے گا، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''موت کو اس لیے ذبح کیا جائے گا تاکہ اہل جنت کی خوشی میں اضافہ ہو اور اہل جہنم کا افسوس اور دکھ مزید بڑھ جائے۔''[3] ③ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کے لیے جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے، انھیں موت نہیں آئے گی اور نہ ان کے لیے راحت و آرام ہی کی زندگی ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو لوگ کافر ہیں، ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے، نہ تو ان پر موت آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔''[4] واضح رہے کہ یہ اعلان اس وقت کیا جائے گا جب شفاعت کی وجہ سے نجات پانے والے جنت میں جا چکے ہوں گے اور جہنم میں صرف وہی باقی رہ جائیں گے جن کے لیے وہاں ہمیشہ رہنے کا فیصلہ ہو چکا ہوگا۔ وہ وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش بھی کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے فرشتے انھیں وہاں سے نکلنے نہیں دیں گے اور انھیں جسمانی سزا اور ذہنی کوفت پہنچانے کے لیے نت نئے تجربے کریں گے۔ أعاذنا الله منها.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ﴾ [٦٤]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم (فرشتے) نہیں اترتے مگر تیرے رب کے حکم سے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے سب اسی کا ہے'' کا بیان

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کفار قریش نے اصحاب کہف کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے پندرہ دن تک وحی کا انتظار کیا۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اے جبریل! آپ نے بہت دیر کر دی، مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔'' تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ہم تو حکم باری تعالیٰ کے پابند ہیں، بااختیار نہیں کہ جب چاہیں حاضر ہو جائیں۔[5] امام بخاری رحمہ اللہ نے پس منظر کے حوالے کے بغیر اس حدیث کو بیان کیا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث ہے۔

٤٧٣١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ

[4731] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا: ''آپ جتنا ہماری

---

1 سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4327. 2 جامع الترمذي، صفة الجنة، حديث: 2557. 3 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6548. 4 فاطر 35:36. 5 فتح الباري: 545/8.

عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِجِبْرِيلَ: «مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا؟» فَنَزَلَتْ: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾. [راجع: ٣٢١٨]

ملاقات کو آیا کرتے ہیں، اس سے زیادہ ملنے کے لیے کیوں نہیں آتے؟ آپ کے لیے کیا چیز باعث رکاوٹ ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''اور ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے۔ ہمارے آگے اور پیچھے کی کل چیزیں اسی کی ملکیت ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① ہم فرشتے خود مختار مخلوق نہیں بلکہ آپ کے پروردگار کے ماتحت ہیں، جب حکم ہوتا ہے اس وقت اترتے ہیں۔ ② اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض تفسیری اجزاء ہیں جن کا علم صاحب وحی کے بتائے بغیر نہیں ہو سکتا کیونکہ بعض آیات سیاق و سباق کی محتاج ہوتی ہیں اور صرف حدیث ہی میں اس کا بیان ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس جنت کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انھیں بناتے ہیں جو پرہیز گار ہوتے ہیں اور ہم (فرشتے) نازل نہیں ہوتے جب تک آپ کے رب کا حکم نہ ہو۔''[1] پہلی آیت میں متکلم اللہ تعالیٰ ہے، دوسری آیت جو اس کے بالکل متصل ہے عبارت کے تسلسل کے پیش نظر دوسری آیت کا متکلم بھی اللہ تعالیٰ ہی ہونا چاہیے۔ لیکن اس صورت میں لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی دوسرے کے حکم سے نازل ہوتا ہے لیکن یہ مفہوم بالکل غیر اسلامی ہے، اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی ہے کہ دوسری آیت فرشتوں کا جواب ہے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیا تھا جب آپ نے ان سے یہ پوچھا تھا کہ تم بار بار کیوں نہیں آتے؟ فرشتوں کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ اللہ کے حکم کے بغیر پر بھی نہیں ہلا سکتے۔ ہمارا چڑھنا، اترنا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کس فرشتے کو کس پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا ہے۔ مقرب ترین فرشتے اور معزز ترین پیغمبر کو یہ بھی اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلا لے۔ الغرض! ہمارا جلد یا دیر سے آنا اس کی حکمت کے تابع ہے۔

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِـَٔايَٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾ [٧٧]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے تو مال و اولاد ضرور ہی دیا جائے گا'' کی تفسیر

وضاحت: اس آیت کا روئے سخن ایک قریشی سردار عاص بن وائل سہمی کی طرف ہے جس کے ذمے حضرت خباب بن ارت ؓ کی کچھ رقم واجب الادا تھی۔ اس کی تفصیل درج ذیل روایت میں بیان ہوئی ہے۔

٤٧٣٢ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ

[4732] حضرت خباب بن ارت ؓ سے روایت ہے،

[1] مریم 19: 63، 64.

الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: سَمِعْتُ خَبَّابًا قَالَ: جِئْتُ الْعَاصَ بْنَ وَائِلِ السَّهْمِيَّ أَتَقَاضَاهُ حَقًّا لِي عِنْدَهُ فَقَالَ: لَا أُعْطِيكَ حَتّٰى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ، فَقُلْتُ: لَا، حَتّٰى تَمُوتَ ثُمَّ تُبْعَثَ، قَالَ: وَإِنِّي لَمَيِّتٌ ثُمَّ مَبْعُوثٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: إِنَّ لِي هُنَاكَ مَالًا وَوَلَدًا فَأَقْضِيكَ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿أَفَرَءَيْتَ ٱلَّذِى كَفَرَ بِـَٔايَـٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾.

[راجع: ٢٠٩١]

انھوں نے کہا: میں عاص بن وائل سہمی کے پاس اپنا حق لینے کے لیے گیا جو اس کے ذمے تھا تو اس نے کہا: جب تک تم محمد ﷺ سے کفر نہیں کرو گے میں تجھے تیرا حق نہیں دوں گا۔ میں نے کہا: تو مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی یہ نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا: کیا مرنے کے بعد مجھے دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ میں نے کہا: ہاں ضرور۔ اس نے کہا: میرے لیے وہاں مال و اولاد ہو گی اور میں تمھارا حق بھی وہیں ادا کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیت کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے مال و اولاد مل کر رہے گا۔“

رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَحَفْصٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ.

اس حدیث کو سفیان ثوری، شعبہ، حفص، ابو معاویہ اور وکیع نے بھی حضرت اعمش سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت خباب بن ارت ؓ لوہار تھے۔ عاص بن وائل سہمی نے ان سے تلوار بنوائی تھی، جس کی اجرت اس کے ذمے تھی۔ اس اجرت کا مطالبہ کرنے کے لیے حضرت خباب ؓ عاص بن وائل کے پاس گئے، جس پر عاص نے یہ بات کہی، پھر اس بات کے پس منظر میں ان آیات کا نزول ہوا۔ ② یہ عاص بن وائل، جناب عمرو بن عاص ؓ کا باپ ہے۔ یہ عاص کافر اور معزز سردار سمجھا جاتا تھا۔ جب عمرو بن عاص مسلمان نہیں ہوئے تھے تو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے والے قریشی وفد کے نمائندہ تھے، پھر جب مسلمان ہوئے تو اسلام کے لیے بہت زیادہ خدمات سرانجام دیں۔

(٤) بَابٌ: ﴿أَطَّلَعَ ٱلْغَيْبَ أَمِ ٱتَّخَذَ عِندَ ٱلرَّحْمَـٰنِ عَهْدًا﴾ [٧٨]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”کیا وہ غیب پر مطلع ہے یا وہ رحمٰن کا کوئی وعدہ لے چکا ہے“ کا بیان

قَالَ: مَوْثِقًا.

عَهْدًا کے معنی ہیں: مضبوط اقرار۔

٤٧٣٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ خَبَّابٍ قَالَ: كُنْتُ قَيْنًا بِمَكَّةَ

[4733] حضرت خباب بن ارت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں مکہ مکرمہ میں آہن گری (لوہار) کا پیشہ کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل سہمی کی ایک تلوار بنائی۔

فَعَمِلْتُ لِلْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ السَّهْمِيِّ سَيْفًا، فَجِئْتُ أَتَقَاضَاهُ فَقَالَ: لَا أُعْطِيكَ حَتَّى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ، قُلْتُ: لَا أَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ ﷺ حَتَّى يُمِيتَكَ اللهُ ثُمَّ يُحْيِيكَ، قَالَ: إِذَا أَمَاتَنِي اللهُ ثُمَّ بَعَثَنِي وَلِيَ مَالٌ وَوَلَدٌ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِى كَفَرَ بِـَٔايَٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ○ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا﴾ قَالَ: مَوْثِقًا. [راجع: ٢٠٩١]

میں اس کی اجرت کا تقاضا کرنے کے لیے اس کے پاس آیا تو وہ کہنے لگا: میں اس وقت تک اس کی اجرت نہیں دوں گا تا آنکہ تم محمد ﷺ کا انکار کر دو۔ میں نے کہا: میں تو حضرت محمد ﷺ (کی نبوت) کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک اللہ تعالیٰ تجھے مار دے پھر زندہ کر دے۔ وہ کہنے لگا: جب اللہ مجھے مار کر دوبارہ زندہ کرے گا تو میرے پاس اس وقت مال واولاد ہوگی، یعنی اس وقت اجرت ادا کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے آخرت میں مال واولاد ملے گی۔ کیا یہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے؟'' عَهْدًا کے معنی ہیں: مضبوط اقرار۔

لَمْ يَقُلِ الْأَشْجَعِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ: سَيْفًا، وَلَا مَوْثِقًا.

اشجعی نے بھی اس حدیث کو سفیان ثوری سے بیان کیا ہے لیکن اس میں تلوار بنانے کا ذکر نہیں اور نہ عہد کی تفسیر ہی مذکور ہے۔

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ عاص بن وائل جو دعویٰ کر رہا ہے کہ اس کے پاس مال ودولت ہوگی، کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہاں بھی اس کے ہاں روپے پیسے کی ریل پیل ہوگی؟ یا اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی عہد و پیمان ہو چکا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ صرف غرور کا اظہار اور آیات الٰہی کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ یہ جس مال واولاد کی بات کر رہا ہے اس کے وارث تو ہم ہیں۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عاص بن وائل پچاسی سال کی عمر پا کر مکہ میں واصل جہنم ہوا۔ یہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا کہ گدھے نے اسے کانٹوں پر گرا دیا، اس کے پاؤں میں کانٹے چبھے تو پاؤں میں ورم آ گیا جو اس کی موت کا باعث بنا۔[1]

(٥) بَابٌ: ﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُۥ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ [٧٩]

باب:5- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''ہرگز نہیں، یہ جو بھی کہہ رہا ہے ہم اسے ضرور لکھ لیں گے اور اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے'' کا بیان

٤٧٣٤ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ

[4734] حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

1 فتح الباري: 546/8.

ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ: سَمِعْتُ أَبَا الضُّحٰى يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ خَبَّابٍ قَالَ: كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ لِي دَيْنٌ عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ، قَالَ: فَأَتَاهُ يَتَقَاضَاهُ فَقَالَ: لَا أُعْطِيكَ حَتّٰى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ فَقَالَ: وَاللهِ لَا أَكْفُرُ حَتّٰى يُمِيتَكَ اللهُ ثُمَّ تُبْعَثَ، قَالَ: فَذَرْنِي حَتّٰى أَمُوتَ ثُمَّ أُبْعَثَ، فَسَوْفَ أُوتٰى مَالًا وَّوَلَدًا فَأَقْضِيكَ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿أَفَرَءَيْتَ ٱلَّذِى كَفَرَ بِـَٔايَـٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾. [راجع: ٢٠٩١]

انھوں نے فرمایا: میں زمانۂ جاہلیت میں لوہار کا کام کرتا تھا اور عاص بن وائل کے ذمے میرا کچھ قرض تھا۔ میں اس کے پاس اپنا قرض لینے گیا تو وہ کہنے لگا: جب تک تو محمد ﷺ کا انکار نہیں کرے گا، میں تیری اجرت تجھے نہیں دوں گا۔ میں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں حضرت محمد ﷺ کا انکار نہیں کرسکتا تا آنکہ اللہ تعالیٰ تجھے مار دے اور پھر تجھے دوبارہ زندہ کر دے۔ عاص نے کہا: پھر مرنے تک میرا پیچھا چھوڑ دو۔ مرنے کے بعد جب میں دوبارہ زندہ ہوں گا تو مجھے وہاں مال و اولاد ملے گی پھر میں اس وقت تیرا قرض واپس کردوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ......﴾

فائدہ: عاص بن وائل نے مذاق اور استہزا کے طور پر یہ باتیں کی تھیں، دور حاضر میں اس قسم کے بے شمار ملحد اور بے دین موجود ہیں، جو دین اسلام کا مذاق اڑاتے اور اسے نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کا حال بھی عاص بن وائل جیسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قسم کی ملحدانہ اور بے دینی والی باتوں سے محفوظ رکھے۔

(٦) بَابٌ: ﴿وَنَرِثُهُۥ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾ [٨٠]

باب: 6- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور جن باتوں (مال و اولاد) کے متعلق یہ کہہ رہا ہے، ان کے وارث تو ہم ہوں گے اور یہ اکیلا ہی ہمارے پاس آئے گا۔'' کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ٱلْجِبَالُ هَدًّا﴾ [٩٠]: هَدْمًا.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اَلْجِبَالُ هَدًّا کے معنی ہیں: پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر جائیں گے۔

وضاحت: یعنی جس مال و دولت کی یہ اب بات کر رہا ہے یہ سب کچھ دنیا ہی میں دھرا رہ جائے گا اور بالآخر یہ سب کچھ ہماری ملکیت میں آجائے گا اور یہ شخص بالکل خالی ہاتھ ہمارے پاس حاضر ہوگا، البتہ اس کے گستاخانہ کلمات اور بکواسات ضرور اس کے ساتھ آئیں گے، جن کی اسے قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ وہاں اس کا مال و اولاد اور جتھا اس کے کسی کام نہیں آئے گا۔

٤٧٣٥ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ

[4735] حضرت خباب بن ارت ؓ سے روایت ہے،

الْأَعْمَشِ، عَنِ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَّسْرُوقٍ، عَنْ خَبَّابٍ قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا قَيْنًا وَّكَانَ لِي عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَيْنٌ فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ، فَقَالَ لِي: لَا أَقْضِيكَ حَتّٰى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ، قَالَ: قُلْتُ: لَنْ أَكْفُرَ بِهِ حَتّٰى تَمُوتَ ثُمَّ تُبْعَثَ، قَالَ: وَإِنِّي لَمَبْعُوثٌ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ؟ فَسَوْفَ أَقْضِيكَ إِذَا رَجَعْتُ إِلٰى مَالٍ وَّوَلَدٍ، قَالَ: فَنَزَلَتْ: ﴿أَفَرَءَيْتَ ٱلَّذِى كَفَرَ بِـَٔايَـٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ○ أَطَّلَعَ ٱلْغَيْبَ أَمِ ٱتَّخَذَ عِندَ ٱلرَّحْمَـٰنِ عَهْدًا ○ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُۥ مِنَ ٱلْعَذَابِ مَدًّا ○ وَنَرِثُهُۥ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا﴾.

[راجع: ٢٠٩١]

انھوں نے فرمایا: میں پہلے لوہار تھا اور عاص بن وائل کے ذمے میرا کچھ قرض تھا۔ میں اس کا تقاضا کرنے کے لیے اس کے پاس گیا تو وہ کہنے لگا: جب تک تم محمد ﷺ سے کفر نہیں کرتے میں تمھارا قرض ادا نہیں کروں گا۔ میں نے کہا: میں تو کسی صورت میں ان کا انکار نہیں کروں گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ تجھے مار دے، پھر زندہ کر دے۔ اس نے کہا: کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ پھر تو مجھے وہاں مال و اولاد بھی ملے گا، اس وقت میں تمھارا قرض بھی ادا کروں گا۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿افرء یت الَّذِیْ کفَرَ باٰیٰتِنَا و قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا. اَطَّلَع الْغَیْب اَمِ اتَّخذَ عِنْدَالرَّحْمٰنِ عَهْدًا.کَلَّا سَنَکْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَ نَمُدُّلَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا. وَ نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْ تِيْنَا فَرْدًا.﴾

فوائد ومسائل: ① عاص بن وائل کافر تھا۔ قیامت، حشر ونشر اور جزا وسزا کا منکر تھا اور اس نے بطور مذاق حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے یہ گفتگو کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پس منظر میں ان آیات کا نزول فرمایا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث چار عنوان میں مختلف طریق سے بیان کی ہے، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ چاروں آیات ایک ہی واقعے سے متعلق ہیں۔[1]

(٢٠) سُورَةُ طٰهٰ — بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ — 20- تفسیر سورۂ طہ

قَالَ عِكْرِمَةُ وَالضَّحَّاكُ: بِالنَّبَطِيَّةِ - أَيْ: ﴿طه﴾ [١] -: يَا رَجُلُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أَلْقَىٰ﴾ [٦٥]: صَنَعَ. ﴿أَزْرِى﴾ [٣١]: ظَهْرِي. ﴿فَيُسْحِتَكُم﴾ [٦١]: يُهْلِكَكُمْ. ﴿ٱلْمُثْلَىٰ﴾ [٦٣]: تَأْنِيثُ الْأَمْثَلِ يَقُولُ: بِدِينِكُمْ؛ يُقَالُ: خُذِ

حضرت عکرمہ اور امام ضحاک نے کہا: نبطی زبان میں طه کے معنی یا رَجُلُ ہیں، یعنی اے آدمی! امام مجاہد نے کہا: اَلْقٰی کے معنی ہیں: اس نے بنایا۔ اَزْرِی کے معنی ہیں: میری کمر۔ فَيُسْحِتَكُمْ کے معنی يُهْلِكَكُمْ ہیں، یعنی تمھیں ہلاک کر دے۔ اَلْمُثْلٰی یہ اَلْاَمْثَلُ کی تانیث ہے۔ اس سے مراد

1 فتح الباري: 548/8.

الْمُثْلٰى خُذِ الْأَمْثَلَ. ﴿ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا﴾ [٦٤]: يُقَالُ: هَلْ أَتَيْتَ الصَّفَّ الْيَوْمَ؟ يَعْنِي الْمُصَلّٰى الَّذِي يُصَلّٰى فِيهِ. ﴿فَأَوْجَسَ﴾ [٦٧]: أَضْمَرَ خَوْفًا، فَذَهَبَتِ الْوَاوُ مِنْ ﴿خِيفَةً﴾ لِكَسْرَةِ الْخَاءِ. ﴿فِي جُذُوعِ﴾ [٧١]: أَيْ: عَلٰى جُذُوعِ النَّخْلِ. ﴿خَطْبُكَ﴾ [٩٥]: بَالُكَ. ﴿مِسَاسَ﴾ [٩٧]: مَصْدَرُ مَاسَّهُ مِسَاسًا. ﴿لَنَنسِفَنَّهُ﴾ [٩٧]: لَنَذْرِيَنَّهُ. ﴿قَاعًا﴾ [١٠٦]: يَعْلُوهُ الْمَاءُ - وَالصَّفْصَفُ: اَلْمُسْتَوِي مِنَ الْأَرْضِ - وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أَوْزَارًا﴾ [٨٧]: أَثْقَالًا. ﴿مِن زِينَةِ الْقَوْمِ﴾: اَلْحُلِيُّ الَّذِي اسْتَعَارُوا مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ. فَقَذَفْتُهَا: فَأَلْقَيْتُهَا. ﴿أَلْقَى﴾: صَنَعَ ﴿فَنَسِيَ﴾ [٨٨] مُوسَاهُمْ؛ يَقُولُونَهُ: أَخْطَأَ الرَّبَّ. لَا ﴿يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ [٨٩]: اَلْعِجْلُ. ﴿هَمْسًا﴾ [١٠٨]: حِسُّ الْأَقْدَامِ. ﴿حَشَرْتَنِي أَعْمَى﴾ [١٢٥] عَنْ حُجَّتِي. ﴿وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا﴾: فِي الدُّنْيَا. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿بِقَبَسٍ﴾ [١٠]: ضَلُّوا الطَّرِيقَ وَكَانُوا شَاتِينَ، فَقَالَ: إِنْ لَّمْ أَجِدْ عَلَيْهَا مَنْ يَهْدِي الطَّرِيقَ آتِكُمْ بِنَارٍ تُوقِدُونَ. وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: ﴿أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً﴾ [١٠٤]: أَعْدَلُهُمْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿هَضْمًا﴾ [١١٢]: لَا يُظْلَمُ فَيُهْضَمُ مِنْ حَسَنَاتِهِ. ﴿عِوَجًا﴾ [١٠٧]: وَادِيًا. ﴿وَلَا أَمْتًا﴾: رَابِيَةً. ﴿سِيرَتَهَا﴾ [٢١]: حَالَتَهَا ﴿الْأُولَى﴾. ﴿النُّهَى﴾ [٥٤]: اَلتُّقٰى. ﴿ضَنكًا﴾ [١٢٤]: اَلشَّقَاءُ. ﴿هَوَى﴾ [٨١]: شَقِيَ. ﴿بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ﴾ [١٢]:

تمھارا دین ہے۔ عرب لوگ کہتے ہیں: اچھی بات لے لو اور اچھی بات پر مضبوط رہو۔ ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا، کہا جاتا ہے: کیا تو آج صف میں آیا؟ یعنی اس مُصَلّٰی میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس جگہ صف سے مراد عیدگاہ ہے۔ فَاَوْجَسَ کے معنی ہیں: دل میں سہم گیا۔ خِيفَةً اصل میں خوفة تھا، واو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یا ہوگئی۔ فِيْ جُذُوْعِ میں فی بمعنی علٰی ہے، یعنی کھجور کے تنوں پر پھانسی دوں گا۔ خَطْبُكَ: تیرا حال۔ مِسَاسَ مصدر ہے باب مفاعلہ سے، یعنی چھونا۔ لَنَنْسِفَنَّهٗ: یقیناً ہم اسے ضرور بکھیر دیں گے۔ قَاعًا: وہ زمین جس پر پانی چڑھ آئے اور اَلصَّفْصَفُ برابر اور ہموار زمین کو کہتے ہیں۔ امام مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: اَوْزَارًا کے معنی ہیں: بوجھ۔ مِنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ اس سے وہ زیور مراد ہے جو بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے مانگ کر لیے تھے۔ فَقَذَفْتُهَا: میں نے اس کو ڈال دیا۔ اَلْقٰى کے معنی ہیں: بنایا۔ فَنَسِيَ، یعنی وہ (موسیٰ) اپنے رب، یعنی بچھڑے سے چوک گئے ہیں۔ لَا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا: یہ نہیں دیکھتے کہ بچھڑا ان کی بات کا جواب نہیں دے رہا۔ هَمْسًا کے معنی ہیں: قدموں کی نہایت ہلکی آواز (آہٹ)۔ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا، یعنی دنیا میں مجھے دلیل اور حجت معلوم ہوتی تھی یہاں تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بِقَبَسٍ کے معنی ہیں: وہ راستہ بھول گئے تھے، دوسری طرف سردی کا موسم تھا، کہنے لگے: اگر کوئی راستہ بتانے والا مل گیا تو بہتر ورنہ تھوڑی سی آگ تمھارے گرمی حاصل کرنے کے لیے لے آؤں گا۔ امام ابن عیینہ نے کہا: اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً کے معنی ہیں: ان میں سے افضل اور عقل مند آدمی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: هَضْمًا کے معنی ہیں: اس پر بایں طور ظلم نہیں ہوگا

الْمُبَارَكِ. ﴿طُوًى﴾: اِسْمُ الْوَادِي. ﴿بِمَلْكِنَا﴾ [٧٨]: بِأَمْرِنَا. ﴿مَكَانًا سُوًى﴾ [٥٨]: مَنْصَفٌ بَيْنَهُمْ. ﴿يَبَسًا﴾ [٧٧]: يَابِسًا، ﴿عَلَىٰ قَدَرٍ﴾: مَوْعِدٍ. ﴿لَا تَنِيَا﴾ [٤٢]: لَا تَضْعُفَا. ﴿يَفْرُطَ﴾ [٤٥]: عُقُوبَةً.

کہ اس کی نیکیاں دبالی جائیں۔ عِوَجاً کے معنی ہیں: نشیبی علاقہ۔ اَمْتًا کے معنی ہیں: بلندی۔ سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى: پہلی حالت پر۔ النُّهٰى کے معنی ہیں: پرہیز گاری اور عقل۔ ضَنْكًا کے معنی بدبختی کے ہیں۔ هَوٰى کے معنی ہیں: وہ بدبخت ہوا۔ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ: برکت والی وادی۔ طُوًى: ایک وادی کا نام ہے۔ بِمَلْكِنَا: اپنے حکم اور اپنے اختیار سے۔ مَكَانًا سُوًى: ایسی جگہ جو فریقین کے لیے برابر کے فاصلہ پر ہو۔ يَبَساً کے معنی ہیں: خشک۔ عَلٰى قَدَرٍ: اپنے معین وقت پر۔ لَا تَنِيَا: سست یا کمزور نہ ہونا۔ يَفْرُطَ: سزا دینے میں حد سے تجاوز کرے گا۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾ [٤١]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''(اے موسیٰ!) میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا ہے'' کا بیان

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ! یہ تمھاری تربیت کا سارا اہتمام اسی غرض کے تحت کیا گیا ہے کہ تمھیں ایک خاص مہم کے لیے فرعون کے پاس بھیجا جائے، اور میں نے اس کام کے لیے خاص اسی انداز سے تمھاری تربیت کی ہے۔ درج ذیل حدیث میں بس اس وصف خاص کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کی تفسیر میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

٤٧٣٦ - حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُولِ اللهِ قَالَ: «اِلْتَقَى آدَمُ وَمُوسٰى فَقَالَ مُوسٰى لِآدَمَ: أَنْتَ الَّذِي أَشْقَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ؟ قَالَ لَهُ آدَمُ: أَنْتَ الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَتِهِ، وَاصْطَفَاكَ لِنَفْسِهِ، وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ التَّوْرَاةَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَوَجَدْتَّهَا كُتِبَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَنِي؟ قَالَ: نَعَمْ، فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى». [راجع: ٣٤٠٩]

[4736] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: آپ ہی نے لوگوں کو پریشانی میں ڈالا اور انھیں جنت سے نکالا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے انھیں جواب دیا: تو وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا اور تجھے خود اپنے لیے پسند کیا، نیز آپ پر تورات نازل فرمائی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں۔ (میں وہی ہوں۔) حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

آپ نے تو (تورات میں لکھا) دیکھا ہی ہو گا کہ میری پیدائش سے پہلے ہی یہ سب کچھ میرے لیے لکھ دیا گیا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: جی ہاں (معلوم ہے)، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اس طرح موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

﴿ٱلْيَمّ﴾ [طٰہٰ: ۹۷]: اَلْبَحْرِ. [اَلْيَمّ] سے مراد دریا ہے۔

فوائدومسائل: ① حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری زندگی اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے تکلیفوں اور پریشانیوں میں گزری، آخر ایک دن سوچا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر ہم اس عالم رنگ و بو میں نہ آتے تو شاید ان ذہنی کوفتوں سے دوچار نہ ہوتے پھر اللہ تعالیٰ سے حضرت آدم سے ملاقات کا سوال کر دیا تاکہ انھیں اپنی عرض داشت پیش کر کے اپنا غم ہلکا کر لوں جس کی تفصیل درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! ہمیں آدم علیہ السلام دکھلا، جنھوں نے ہمیں اور اپنے آپ کو بھی جنت سے نکال دیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات کرا دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: آپ ہمارے باپ آدم ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے انھیں جواب دیا کہ ہاں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: آپ ہی وہ ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی تھی اور تمام چیزوں کے نام تعلیم کیے تھے اور تمام فرشتوں کو حکم دیا تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا تھا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: آپ کو کس چیز نے آمادہ کیا کہ آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکال باہر کیا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔ فرمایا: تم ہی بنی اسرائیل کے وہ نبی ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے پس پردہ کلام فرمایا تھا اور اپنے اور تمھارے درمیان اپنی مخلوق میں سے کسی کو واسطہ نہیں بنایا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے نہیں پایا کہ یہ سب کچھ میرے پیدا کیے جانے سے پہلے ہی کتاب اللہ میں تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: کیوں نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: پھر تم مجھے کس چیز پر ملامت کرتے ہو، حالانکہ وہ مجھ سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں تھی؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حضرت آدم علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر دلیل میں غالب آگئے۔“ [1] ② ”تقدیر“ یعنی اللہ تعالیٰ کا ازلی اور ابدی علم عین برحق ہے، کہیں بھی اس سے ذرہ برابر کچھ مختلف نہیں ہو سکتا، مگر یہ علم بندوں کو مجبور نہیں کرتا، لہٰذا انسانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے آئندہ کے امور میں تقدیر کو بطور عذر اور بہانہ پیش کریں کیونکہ ہر ایک کو صحیح راہ اختیار کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے لیکن ماضی کے حقائق میں تقدیر کا بیان بطور عذر مباح ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس تقدیر کو بطور عذر پیش کیا تھا۔

---

① سنن أبي داود، السنة، حديث: 4702.

(٢) بَابٌ: ﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِى فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَٰفُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ○ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِۦ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ○ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُۥ وَمَا هَدَىٰ﴾ [٧٧-٧٩]

باب:2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات (نکال) لے جا، پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ، تمھیں نہ تو تعاقب کا خوف ہوگا اور نہ تو (ڈوب جانے سے) ڈرے گا۔ پھر فرعون نے اپنے لاؤ لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا تو سمندر نے انھیں یوں ڈھانپ لیا جیسے ڈھانپنے کا حق تھا۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا اور سیدھی راہ نہ دکھائی'' کا بیان

وضاحت: حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ان کے آبائی وطن شام و فلسطین لے جانا چاہتے تھے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ بحر احمر کے کنارے کنارے چل کر جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہو جائیں۔ ابھی سمندر کے کنارے کنارے جا ہی رہے تھے کہ فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت ان کا تعاقب کرتا ہوا، ان کے سر پر آ پہنچا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ سامنے سمندر تھا اور پیچھے فرعون اور اس کی فوجیں۔ اب انھیں ہر طرف موت ہی موت نظر آ رہی تھی۔ بنی اسرائیل یہ صورت حال دیکھ کر سخت گھبرا گئے اور کہنے لگے: موسیٰ! ہم تو مارے گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اپنا عصا سمندر کے پانی پر مارد۔ عصا کا پانی پر مارنا ہی تھا کہ سمندر میں ایک کشادہ سڑک بن گئی، پانی کی ایک دیوار ایک طرف کھڑی تھی اور دوسری دیوار دوسری طرف۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا جس سے نچلی زمین خشک ہوگئی۔ اس طرح سڑک کے راستے سے بنی اسرائیل بحفاظت اس سمندر کو عبور کر گئے۔ ابھی بنی اسرائیل دوسرے کنارے پر پہنچے ہی تھے کہ فرعون کا لشکر بھی کنارے پر پہنچ گیا۔ اس نے کھلا راستہ دیکھا تو فوراً اپنے گھوڑے اس میں ڈال دیے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی تباہی کا سامان کر دیا۔ یہ واقعہ دس محرم کو پیش آیا جب فرعونیوں سے بنی اسرائیل کو نجات ملی جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧٣٧ - حَدَّثَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَالْيَهُودُ تَصُومُ عَاشُورَاءَ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا: هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي ظَهَرَ فِيهِ مُوسٰى عَلٰى فِرْعَوْنَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «نَحْنُ أَوْلٰى بِمُوسٰى مِنْهُمْ فَصُومُوهُ».

[4737] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون پر غلبہ پایا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہم ان کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں۔ مسلمانو! تم بھی اس دن کا روزہ رکھا کرو۔''

[راجع: ٢٠٠٤]

فوائدومسائل: ① بنی اسرائیل دوسری طرف دریا کے کنارے سخت دہشت زدہ حالت میں کھڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: ''تم نے دریا کو ساکن حالت میں چھوڑ کر چلے جانا ہے، بلاشبہ یہ لشکر غرق کر دیا جائے گا۔''(1) ② جب فرعون اور اس کا لشکر عین وسط میں پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے پانی کو بہنے کا حکم دے دیا۔ پانی بڑے زور سے غراتا ہوا بہ نکلا، اس طرح فرعون اور اس کا بہت بڑا لشکر دریا کی تہ میں ڈوب گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بیک وقت تین احسان فرمائے: * فرعونیوں سے نجات۔ * سر پر کھڑی موت کے بعد زندگی۔ * دشمن کی مکمل طور پر تباہی و ہلاکت۔ ③ بنی اسرائیل دس محرم کو شکرانے کے طور پر روزہ رکھا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ بھی دس محرم کا روزہ رکھتے تھے، پھر جب یہود کی مخالفت کا حکم ہوا تو آپ نے نو کا روزہ بھی رکھنے کا ارادہ فرمایا لیکن محرم آنے سے پہلے آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ﴾ [١١٧]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''یہ خیال رکھنا کہ وہ (شیطان) کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے، پھر تو مصیبت میں پڑ جائے گا'' کا بیان

٤٧٣٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ابْنُ النَّجَّارِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «حَاجَّ مُوسٰى آدَمَ فَقَالَ لَهُ: أَنْتَ الَّذِي أَخْرَجْتَ النَّاسَ مِنَ الْجَنَّةِ بِذَنْبِكَ فَأَشْقَيْتَهُمْ. قَالَ: قَالَ آدَمُ: يَا مُوسٰى! أَنْتَ الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَاتِهِ وَبِكَلَامِهِ، أَتَلُومُنِي عَلٰى أَمْرٍ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي؟ أَوْ قَدَّرَهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي؟» قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى». [راجع: ٣٤٠٩]

[4738] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا آدم علیہ السلام سے بحث کی اور ان سے کہا: آپ ہی نے اپنی غلطی کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے نکالا اور مشقت میں ڈالا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے پسند فرمایا اور ہم کلامی کا شرف بخشا، کیا آپ مجھے ایک ایسی بات پر ملامت کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی پہلے میرے لیے مقدر کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بحث میں غالب آ گئے۔''

فائدہ: تقدیر کو بطور بہانہ یا عذر پیش کرنا درست نہیں لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر کو بطور عذر پیش کیا۔ دراصل تقدیر کا بہانہ بنانے کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ نافرمانی اور گناہوں پر جرأت کرنے کے لیے آدمی تقدیر کا حوالہ دے کہ اس مصیبت اور گناہ میں

(1) الدخان 44:24.

میرا کوئی قصور نہیں یہ تو تقدیر میں لکھا تھا۔ بلاشبہ اس طرح کا عذر جائز نہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ انسان نے گناہ سے توبہ کر لی، لیکن اس کے باوجود دل مطمئن نہیں تو اپنے دل کی تسلی کے لیے ایسے موقع پر تقدیر کو بطور بہانہ پیش کرنا جائز ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی پر توبہ کر لی تھی لیکن اپنے دل کی تسلی کے لیے اعتذار بالقدر کیا ہے، پھر اس بحث میں حضرت آدم علیہ السلام کے غالب ہونے کا سبب یہ تھا کہ ان کی نظر ازلی تقدیر پر تھی جبکہ موسیٰ علیہ السلام کی نظر ظاہری کسب پر تھی جو تقدیر ازلی کے تابع ہے، اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کو غلبہ حاصل ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ واللّٰہ أعلم.

(٢١) سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 21- تفسیر سورۂ انبیاء

٤٧٣٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: بَنِي إِسْرَائِيلَ، وَالْكَهْفُ، وَمَرْيَمُ، وَطٰهٰ، وَالْأَنْبِيَاءُ: هُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ، وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي. [راجع: ٤٧٠٨]

[4739] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ انبیاء اول درجے کی عمدہ سورتوں میں سے ہیں اور یہ سورتیں میری پرانی یاد کی ہوئی ہیں۔

وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿جُذَاذًا﴾ [٥٨]: قَطَّعَهُنَّ. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿فِي فَلَكٍ﴾ [٣٣]: مِثْلِ فَلْكَةِ الْمِغْزَلِ. ﴿يَسْبَحُونَ﴾: يَدُورُونَ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿نَفَشَتْ﴾ [٧٨]: رَعَتْ لَيْلًا. ﴿يُصْحَبُونَ﴾ [٤٣]: يُمْنَعُونَ. ﴿أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ [٩٢] قَالَ: دِينُكُمْ دِينٌ وَاحِدٌ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ: ﴿حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ [٩٨]: حَطَبُ - بِالْحَبَشِيَّةِ - وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿أَحَسُّوا﴾ [١٢]: تَوَقَّعُوا، مِنْ أَحْسَسْتُ. ﴿خَامِدِينَ﴾ [١٥]: هَامِدِينَ. وَالْحَصِيدُ: مُسْتَأْصَلٌ، يَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالِاثْنَيْنِ وَالْجَمِيعِ. ﴿لَا يَسْتَحْسِرُونَ﴾ [١٩]: لَا يَعْيَوْنَ؛ وَمِنْهُ: ﴿حَسِيرٌ﴾ [الملك: ٤]؛

حضرت قتادہ نے کہا: جُذَاذًا کے معنی ہیں: اس نے بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ امام حسن بصری نے فِی فَلَكٍ کے متعلق فرمایا: وہ چرخے کے تکلے کی طرح ہیں۔ يَسْبَحُوْنَ کے معنی ہیں: گھومتے ہیں، یعنی ہر ایک چرخے کے تکلے کی طرح اپنے دائرے میں گھومتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نَفَشَتْ کے معنی ہیں: وہ بکریاں رات کے وقت چر گئیں۔ يُصْحَبُوْنَ کے معنی ہیں: روکے جائیں گے، یعنی انھیں کوئی بھی ہمارے عذاب سے نہیں بچائے گا۔ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں امت کے معنی "دین" ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم سب کا دین ایک ہے، یعنی ہر وہ جماعت جو ایک دین پر ہو، اسے امت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت عکرمہ نے کہا: حبشی زبان میں حَصَبُ

وَحَسَرْتُ بَعِيرِي. ﴿عَمِيقٍ﴾ [۲۷]: بَعِيدٍ. ﴿نُكِسُواْ﴾ [٦٥]: رُدُّوا. ﴿صَنْعَةَ لَبُوسٍ﴾ [۸۰]: الدُّرُوعُ. ﴿تَقَطَّعُوٓا أَمْرَهُم﴾ [۹۳]: اِخْتَلَفُوا. - اَلْحَسِيسُ وَالْحِسُّ وَالْجَرْسُ وَالْهَمْسُ وَاحِدٌ وَّهُوَ مِنَ الصَّوْتِ الْخَفِيِّ - ﴿ءَاذَنَّكَ﴾ [فصلت: ٤٧]: أَعْلَمْنَاكَ. ﴿ءَاذَنتُكُمْ﴾ [۱۰۹] إِذَا أَعْلَمْتَهُ فَأَنْتَ وَهُوَ ﴿عَلَىٰ سَوَآءٍ﴾ لَمْ تَغْدِرْ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُونَ﴾ [۱۳]: تُفْهَمُونَ. ﴿ٱرْتَضَىٰ﴾ [۲۸]: رَضِيَ. ﴿ٱلتَّمَاثِيلُ﴾ [٥٢]: الْأَصْنَامُ. ﴿ٱلسِّجِلِّ﴾ [۱۰٤]: اَلصَّحِيفَةِ.

جَهَنَّمَ کے معنی ہیں: جہنم کا ایندھن۔ عکرمہ کے علاوہ کسی نے کہا: اَحَسُّوْا کے معنی ہیں: توقع کرنا، محسوس اور مشاہدہ کرنا۔ یہ اَحْسَسْتُ سے ماخوذ ہے۔ خَامِدِيْنَ کے معنی ہیں: مرا ہوا، بجھا ہوا۔ حَصِيْدًا کے معنی ہیں: جڑ سے کٹا ہوا، یہ لفظ واحد، تثنیہ اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ کے معنی ہیں: وہ تھکتے نہیں ہیں۔ لفظ حَسِير بھی اسی سے ہے، یعنی تھکا ماندہ، اسی طرح حَسَرْتُ بَعِيرِي ہے، یعنی: میں نے اپنے اونٹ کو تھکا دیا۔ عَمِيْقٍ کے معنی ''بعید'' ہیں، یعنی وہ ہر دور کے راستہ سے آئیں گے۔ نُكِسُوْا کے معنی ہیں: لوٹا دیے گئے، یعنی شرمندگی سے اپنے سر نیچے کر لیے۔ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ سے مراد زرہیں بنانا ہے۔ تَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ سے مراد ہے: انھوں نے دین میں اختلاف کیا، جدا جدا طریقہ اختیار کیا۔ اَلْحَسِيْسُ کے معنی ہلکی سی آواز کے ہیں، حسیس، حِسّ، جَرْس اور هَمْس ان سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ اٰذَنّٰكَ کے معنی ہیں: ہم نے تجھ کو اطلاع دی۔ اٰذَنْتُكُمْ: میں نے تمھیں مطلع کر دیا، یعنی تو اور مخاطب دونوں برابر ہو گئے تا کہ کسی کو دھوکا نہ دیا جا سکے۔ امام مجاہد نے کہا: لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ کے معنی ہیں: شاید تم سمجھ جاؤ۔ اِرْتَضٰى کے معنی ہیں: وہ راضی ہوا اور اس نے پسند کیا۔ اَلتَّمَاثِيْلُ کے معنی ''بت اور مورتیاں'' ہیں۔ اَلسِّجِلِّ سے مراد صحیفہ یا نوشتہ ہے۔

فوائد و مسائل: ① عتاق، عتیق کی جمع ہے۔ جو چیز نفاست و عمدگی میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہو اسے عرب لوگ عتیق کہتے ہیں، نیز عتیق قدیم کے معنی میں بھی ہے۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ تلاد، خاندان میں پرانے زمانے سے مال کا ہونا تلاد کہلاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ سورتیں میرے محفوظات قدیمہ میں سے ہیں۔ بہر حال یہ پانچوں سورتیں اعلیٰ درجے کی ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی ابتدا ایک عجیب امر سے ہوتی ہے جو عام عادت کے خلاف ہے، چنانچہ بنی اسرائیل کی ابتدا آسمانی سیر اور کہف کی ابتدا اصحاب کہف کے واقعے سے ہے۔ اسی طرح سورۂ مریم کی ابتدا حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعے سے ہے جبکہ انھوں نے بڑھاپے میں بچے کی خواہش کی، نیز اس میں حضرت مریم علیہا السلام کا عجیب و غریب واقعہ

بھی بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات ہیں۔ سورۂ انبیاء میں قیامت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ واللہ أعلم.

(١) [بَابٌ: ﴿كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُۥ وَعْدًا عَلَيْنَآ﴾] [١٠٤]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”جیسے ہم نے پہلی پیدائش کی ابتدا کی تھی (اسی طرح) دوبارہ لوٹائیں گے، یہ ہمارے ذمے ایک وعدہ ہے“ کا بیان

وضاحت: اس کے تین مفہوم ہیں: * جس طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کا آغاز کیا تھا اسی طرح موجودہ زمین و آسمان اور ان کی ایک ایک چیز کو ختم کر کے نئی زمین، نئے آسمان اور نئی کائنات کو وجود میں لایا جائے گا۔ * جس طرح لوگوں کو ہم نے پانی سے پیدا کیا تھا زمین سے انھیں دوبارہ اسی طرح پیدا کریں گے۔ * جس طرح انسان کو ماں کے پیٹ سے برہنہ، بے لباس اور بے ختنہ پیدا کیا، قیامت کے دن بھی اسی حالت میں ہم انھیں قبروں سے نکالیں گے۔ حدیث سے آخری مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مفہوم کی تائید میں درج ذیل حدیث پیش کی ہے۔

٤٧٤٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ - شَيْخٍ مِّنَ النَّخَعِ - عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ﴿كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُۥ وَعْدًا عَلَيْنَآ إِنَّا كُنَّا فَٰعِلِينَ﴾، ثُمَّ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ، أَلَا إِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ أُمَّتِي، فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُصَيْحَابِي، فَيُقَالُ: لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ. فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿شَهِيدٌ﴾ فَيُقَالُ: إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ». [راجع: ٣٣٤٩]

[4740] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ”تم سب اللہ کے حضور اس حالت میں اٹھائے جاؤ گے کہ تمھارے پاؤں اور بدن ننگے ہوں گے اور تمھارا ختنہ بھی نہیں کیا ہوگا ”جیسے ہم نے پہلی پیدائش کی ابتدا کی تھی (اسی طرح) ہم اسے دوبارہ لوٹائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے، ہم اسے ضرور پورا کریں گے۔“ پھر قیامت کے دن سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، آگاہ رہو! میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے اور ان کو بائیں جانب سے پکڑا جائے گا تو اس وقت میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں۔ مجھ سے کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا تھا۔ اس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے نے کہا تھا: ”جب تک میں ان میں موجود رہا ان کے حالات سے آگاہ رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو

اس وقت تو ہی ان کے حالات سے آگاہ تھا اور تو ہی ہر چیز کی پوری خبر رکھنے والا ہے۔'' اس وقت کہا جائے گا: جب آپ ان سے جدا ہوئے تھے تو بلاشبہ یہ لوگ اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر گئے تھے۔''

فوائد و مسائل: ① جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے بعد مرتد ہو گئے تھے وہ دور دراز کے رہنے والے بدو لوگ تھے جو ذاتی مفادات اور قتل و غارت کے ڈر سے مسلمان ہوئے تھے، اس لیے لفظ ''رجال'' کا اطلاق ہوا ہے جو ان کی تذلیل و تحقیر کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے قطعاً وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کے وفادار اور سچے جاں نثار تھے، ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے خوش ہوئے۔'' خاص طور پر عشرہ مبشرہ جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی مجلس میں جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، اسی طرح شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ؓ جو رسول اللہ ﷺ کے مشیر اور وزیر تھے اور مرنے کے بعد بھی آپ کے پہلو میں محو استراحت ہیں، ان کی تکفیر تو کوئی بے دین ہی کر سکتا ہے، اہل ایمان کے لیے ایسا ممکن نہیں۔ واللہ أعلم.

(٢٢) سُورَةُ الْحَجِّ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 22- تفسیر سورۂ حج

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: ﴿الْمُخْبِتِينَ﴾ [٣٤]: الْمُطْمَئِنِّينَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي ﴿إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ﴾ [٥٢]: إِذَا حَدَّثَ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي حَدِيثِهِ، فَيُبْطِلُ اللهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ وَيُحْكِمُ آيَاتِهِ، وَيُقَالُ أُمْنِيَّتُهُ قِرَاءَتُهُ؛ . ﴿إِلَّا أَمَانِيَّ﴾ [البقرة: ٧٨]: يَقْرَءُونَ وَلَا يَكْتُبُونَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مَشِيدٍ﴾ [٤٥]: بِالْقَصَّةِ - جِصٌّ - وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿يَسْطُونَ﴾ [٧٢]: يَفْرُطُونَ، مِنَ السَّطْوَةِ؛ وَيُقَالُ: يَسْطُونَ: يَبْطُشُونَ. ﴿وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ [٢٤]: أُلْهِمُوا إِلَى الْقُرْآنِ. ﴿وَهُدُوا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ﴾: الْإِسْلَامِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ:

ابن عیینہ نے فرمایا: اَلْمُخْبِتِيْنَ کے معنی ہیں: ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر راضی اور مطمئن رہنے والے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِيَّتِهٖ: جب آپ ﷺ کوئی بات کرتے ہیں تو نقل کرتے وقت شیطان اس میں اپنی بات ملا دیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی ڈالی ہوئی بات کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو ثابت رکھتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: اُمْنِيَّتُهٗ کے معنی قراءت کے بھی ہیں۔ اِلَّا اَمَانِیَّ کے معنی ہیں: وہ پڑھتے ہیں لیکن لکھتے نہیں۔ امام مجاہد نے کہا: مَشِيْدٍ کے معنی ہیں: سیمنٹ اور پلستر کیا ہوا۔ مجاہد کے علاوہ نے کہا: يَسْطُوْنَ، اَلسَّطْوَة سے ماخوذ ہے، یعنی حملہ کے وقت زیادتی کرتے۔ کہا جاتا ہے: يَسْطُوْنَ کے معنی ہیں: وہ سختی سے پکڑتے ہیں۔ وَهُدُوْٓا اِلَى

﴿بِسَبَبٍ﴾ [١٥]: بِحَبْلٍ إِلَى سَقْفِ الْبَيْتِ. ﴿ثَانِيَ عِطْفِهِ﴾ [٩]: مُسْتَكْبِرٌ ﴿تَذْهَلُ﴾ [٢]: تُشْغَلُ.

الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ کے معنی ہیں: ان کی قرآن کی طرف رہنمائی کی گئی۔ وَهُدُوْٓا اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِيْدِ کے معنی ہیں: اسلام کی طرف ان کی رہنمائی کی گئی۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: بِسَبَبٍ کے معنی ہیں: وہ رسی جو گھر کی چھت تک لگی ہوئی ہو۔ ثَانِيَ عِطْفِهِ کے معنی ہیں: تکبر کرتے ہوئے۔ تَذْهَلُ کے معنی ہیں: غافل ہو جائے گی۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَٰرَىٰ﴾ [٢]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور تو لوگوں کو نشے میں (بے ہوش) دیکھے گا“ کا بیان

وضاحت: مکمل آیت کا مفہوم حسب ذیل ہے: ”اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ اپنے حمل کو جنم دے دے گی اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہوگا۔“[1] قیامت کا دن دراصل ایک طویل دور کا نام ہے۔ اس دن کی مدت ہمارے موجودہ حساب کے مطابق پچاس ہزار سال ہے۔ اس طویل عرصے میں کئی اوقات ایسے آئیں گے جن کی دہشت، ہولناکی اور گھبراہٹ اس طرح کی ہو گی جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ لیکن کچھ خوش قسمت ایسے ہوں گے کہ وہ قیامت کے دن گھبراہٹ اور ہولناکی سے قطعاً پریشان نہ ہوں گے کیونکہ یہ سب کچھ ان کے عقائد اور ان کی توقعات کے مطابق ہو رہا ہوگا، اس لیے وہ مکمل اطمینان وسکون میں ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت انھیں غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کریں گے: اور کہیں گے یہ وہی دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“[2] اہل محشر کو جہنم میں جانے کا اندیشہ بھی اس قسم کی گھبراہٹ کو جنم دے گا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٧٤١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ. فَيُنَادَى بِصَوْتٍ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ. قَالَ: يَا رَبِّ! وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ

[4741] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت آدم ؑ سے فرمائے گا: اے آدم! وہ جواب دیں گے: جی پروردگار! میں حاضر ہوں جو ارشاد ہو۔ پھر انھیں ایک آواز آئے گی: اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ میں جانے والوں کا گروہ نکالو۔ وہ عرض کریں گے: پروردگار! دوزخ کے لیے کتنا حصہ نکالوں؟ حکم

[1] الحج 22:2. [2] الأنبيآء 21:103.

أَلْفٍ - أُرَاهُ قَالَ - تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ، فَحِينَئِذٍ تَضَعُ الْحَامِلُ حَمْلَهَا وَيَشِيبُ الْوَلِيدُ ﴿وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَـٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَـٰرَىٰ وَلَـٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ﴾» فَشَقَّ ذَٰلِكَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى تَغَيَّرَتْ وُجُوهُهُمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ وَمِنْكُمْ وَاحِدٌ. ثُمَّ أَنْتُمْ فِي النَّاسِ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جَنْبِ الثَّوْرِ الْأَبْيَضِ أَوْ كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جَنْبِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ» فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: «ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ» فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: «شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ» فَكَبَّرْنَا.

ہوگا: ہر ہزار میں سے نوسوننانوے۔ یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ حمل والی کا حمل گر جائے گا اور بچہ (مارے فکر کے) بوڑھا ہوجائے گا ''اور تو لوگوں کو نشے میں (مدہوش) دیکھے گا، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب ہی شدید ہوگا'' یہ حدیث لوگوں پر بہت گراں گزری۔ ان کے چہرے بدل گئے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''یاجوج ماجوج میں سے نوصد ننانوے اور تم میں سے ایک جہنم کے لیے لیا جائے گا۔ تم، لوگوں کی نسبت ایسے ہو جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہو یا جیسے کالے بیل کے جسم پر ایک بال سفید ہوتا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگ اہل جنت کا چوتھا حصہ ہوگے۔'' یہ سن کر ہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر آپ نے فرمایا: ''تم جنت کا تیسرا حصہ ہو گے۔'' ہم نے پھر اللہ اکبر پکارا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''تم اہل جنت کا آدھا حصہ ہو گے۔'' ہم نے پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ ﴿وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَـٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَـٰرَىٰ﴾ قَالَ: «مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ». وَقَالَ جَرِيرٌ وَعِيسَى بْنُ يُونُسَ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ: (سَكْرَى وَمَا هُمْ بِسَكْرَى). [راجع: ٣٣٤٨]

ابو اسامہ نے حضرت اعمش سے یوں روایت کیا: وَتَرَى النَّاسَ سُكْرٰى وَمَاهُمْ بِسُكْرٰى، نیز فرمایا: ہر ہزار میں سے نوصد ننانوے نکالو، لیکن جریر، عیسیٰ بن یونس اور ابو معاویہ نے یوں نقل کیا: وَتَرَى النَّاسَ سَكْرٰى وَمَاهُمْ بِسَكْرٰى.

فوائد ومسائل: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ سو میں سے ایک جنت کے لیے اور ننانوے جہنم کے لیے الگ کر دیے جائیں۔[1] ان مختلف روایات میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ جب یاجوج و ماجوج کو اس امت کے ساتھ ملایا جائے گا تو ہزار میں سے ایک جنتی اور باقی نوسوننانوے جہنمی ہوں گے اور جب ان کے بغیر تقابل ہوگا تو سو میں سے ایک جنتی اور باقی جہنمی ہوں گے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یاجوج و ماجوج کا ذکر ہے اور اس میں ہزار میں سے ایک کے جنتی ہونے کا بیان ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یاجوج ماجوج کا ذکر نہیں اور اس میں ایک فی صد کے جنتی ہونے کا ذکر ہے، نیز ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جنت میں دو تہائی ہو گے۔'' یہ روایت

① صحيح البخاري، الرقاق، حديث : 6529.

اگرچہ ضعیف ہے، تاہم ایک دوسری حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ اس میں اسی صفیں اس امت محمدیہ کی اور باقی چالیس صفیں دوسری امتوں کی ہوں گی۔''[1] اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ دو تہائی اہل جنت اس امت سے ہوں گے اور ایک تہائی دوسری امتوں سے لیے جائیں گے۔[2] ② ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے چوتھائی حصے، پھر ایک تہائی، اس کے بعد نصف اور آخر میں دو تہائی کی اطلاع دی گئی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مقدار مختلف اوقات اور مختلف مراحل کے اعتبار سے ہو: ابتدائی مرحلے میں امت مسلمہ کی تعداد ایک چوتھائی حصے اہل جنت کے برابر ہو پھر ایک زمانے کے بعد اہل جنت کی تعداد میں اضافہ ہو جائے تو ان کی تعداد ایک تہائی کے برابر ہو جائے گی تیسرے مرحلے میں ایک تہائی سے بڑھ کر نصف ہو جائے گی اور آخر میں نصف سے بڑھ کر دو تہائی تک پہنچ جائے۔ اس سے امت محمدیہ کی فضیلت اور برتری بیان کرنا مقصود ہے۔ واللّٰه أعلم بالصواب.

(٢) بَابٌ: ﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَعْبُدُ ٱللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ [١١]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کنارے (شک) پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں'' کا بیان

شَكٌّ. ﴿وَأَتْرَفْنَٰهُمْ﴾: وَسَّعْنَاهُمْ.

حَرْفٍ کے معنی ہیں: شک۔ وَأَتْرَفْنٰهُمْ کے معنی ہیں: ہم نے انھیں وسعت عطا کی۔

وضاحت: مکمل آیت کا مفہوم اس طرح ہے: ''اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو کنارے پر کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اگر اسے کچھ فائدہ ہو تو مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی مصیبت پڑ جائے تو الٹا پھر جاتا ہے۔ ایسے شخص نے دنیا کا بھی نقصان اٹھایا اور آخرت کا بھی۔ یہ ہے صریح خسارہ۔''[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی مفاد پرست ہوتا ہے۔ گویا کفر و اسلام کی سرحد پر ہی کھڑا رہتا ہے۔ اسلام میں پورا پورا داخل ہوتا ہی نہیں۔ اگر اسے اسلام لانے میں کوئی مادی فائدہ پہنچنے کی توقع ہو تو اسے اسلام گوارا ہے لیکن اگر اسے اسلام لانے میں کوئی مشکل یا مادی نقصان نظر آ رہا ہو تو اس سرحد سے فوراً کفر کی طرف نکل بھاگتا ہے۔ ایسے لوگ دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے خسارے اور نقصان میں رہتے ہیں۔ دینی نقصان تو واضح ہے کہ ایسے مفاد پرست قیامت کے دن جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے اور دنیوی نقصان یہ ہے کہ نہ کافر اسے اپنا ہمدرد خیال کرتا ہے اور نہ مسلمان، دونوں طرف اس کی ساکھ تباہ ہو جاتی ہے اور اسے کسی صورت میں پذیرائی اور عزت نصیب نہیں ہوتی۔ اس کی شان نزول میں ایک مذبذب اور ڈانواں ڈول شخص کا طریقہ بھی اسی طرح کا بیان ہوا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٧٤٢ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا

[4742] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں

---

1 مسند أحمد: 347/5. 2 فتح الباري: 474/11. 3 الحج 22: 11.

يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: ﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَعْبُدُ ٱللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ﴾ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْمَدِينَةَ، فَيُسْلِمُ، فَإِنْ وَلَدَتِ امْرَأَتُهُ غُلَامًا وَّنُتِجَتْ خَيْلُهُ قَالَ: هٰذَا دِينٌ صَالِحٌ، وَإِنْ لَّمْ تَلِدِ امْرَأَتُهُ وَلَمْ تُنْتَجْ خَيْلُهُ قَالَ: هٰذَا دِينُ سُوءٍ.

نے درج ذیل آیت کے متعلق فرمایا: ''بعض لوگ ایسے ہیں جو کنارے (شک) پر عبادت کرتے ہیں۔'' کوئی آدمی مدینہ طیبہ آتا، اگر اس کی بیوی بچہ جنم دیتی یا اس کی گھوڑی کا بچہ پیدا ہوتا تو کہتا: یہ دین ٹھیک ہے اور اگر بیوی بچہ نہ جنتی اور نہ گھوڑی ہی کو کچھ پیدا ہوتا تو کہتا: یہ دین برا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں اس شخص کا حال بیان ہوا ہے جو دین کے بارے میں شک وشبہ اور تذبذب کا شکار رہتا ہے۔ اسے دین میں استقامت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نیت صرف دنیوی مفادات کا حصول ہوتا ہے، ملتے رہیں تو ٹھیک بصورت دیگر وہ کفر وشرک کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو سچے مسلمان ہوتے ہیں اور ایمان ویقین سے سرشار ہوتے ہیں وہ تنگی اور خوشحالی کو دیکھے بغیر دین پر قائم رہتے ہیں۔ نعمتوں سے بہراور ہوتے ہیں تو شکر ادا کرتے ہیں اور اگر تکلیفوں سے دوچار ہو جاتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بعض روایات کے حوالے سے یہ وصف نومسلم اعرابیوں کا بیان کیا ہے۔[1]

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ ٱخْتَصَمُوا۟ فِى رَبِّهِمْ﴾ [١٩]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''یہ دو فریق ہیں جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا'' کا بیان

وضاحت: ان دو فریقوں میں سے ایک فریق مسلمانوں اور اللہ کے فرمانبرداروں کا ہے اور دوسرا فریق کافروں کا ہے۔ اس دوسرے گروہ میں یہودی، صابی، عیسائی، مجوسی اور مشرکین ہیں۔ ان کے علاوہ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ کی ہستی کے منکر ہیں۔ ان دونوں فریقوں میں باعث اختلاف مسئلہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی پاکیزہ صفات ہیں، پھر یہ دوسرا گروہ صرف بحث ومناظرے میں مسلمانوں کے خلاف نہیں مل بیٹھتا بلکہ جہاد وقتال میں بھی یہی صورت ہوتی ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث میں حضرت ابوذر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا ارشاد گرامی ہے۔

٤٧٤٣ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو هَاشِمٍ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، عَنْ

[4743] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ قسم اٹھا کر بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت: ''یہ دو فریق ہیں جنھوں

[1] فتح الباري: 8/563.

قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُقْسِمُ قَسَمًا: إِنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ ٱخْتَصَمُوا۟ فِى رَبِّهِمْ﴾ نَزَلَتْ فِي حَمْزَةَ وَصَاحِبَيْهِ، وَعُتْبَةَ وَصَاحِبَيْهِ يَوْمَ بَرَزُوا فِي يَوْمِ بَدْرٍ.

نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا'' حضرت حمزہ ؓ اور آپ کے دونوں ساتھیوں (حضرت عبیدہ بن حارث اور حضرت علی ؓ)، نیز عتبہ اور اس کے دونوں ساتھیوں (شیبہ اور ولید) کے متعلق نازل ہوئی تھی جب انھوں نے بدر کے دن میدان میں آ کر مقابلے کی دعوت دی تھی۔

رَوَاهُ سُفْيَانُ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ. وَقَالَ عُثْمَانُ عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي هَاشِمٍ، عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، قَوْلَهُ. [راجع: ٣٩٦٦]

اس روایت کو سفیان نے بھی ابو ہاشم سے بیان کیا ہے۔ اور عثمان نے جریر سے، انھوں نے منصور سے، انھوں نے ابو ہاشم سے، انھوں نے ابو مجلز سے اسی طرح بیان کی ہے۔

٤٧٤٤ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مِجْلَزٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَنَا أَوَّلُ مَنْ يَجْثُو بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمٰنِ لِلْخُصُومَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ قَيْسٌ: وَفِيهِمْ نَزَلَتْ: ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ ٱخْتَصَمُوا۟ فِى رَبِّهِمْ﴾ قَالَ: هُمُ الَّذِينَ بَارَزُوا يَوْمَ بَدْرٍ: عَلِيٌّ وَحَمْزَةُ وَعُبَيْدَةُ، وَشَيْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَعُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدُ بْنُ عُتْبَةَ. [راجع: ٣٩٦٥]

[4744] حضرت علی بن ابو طالب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں پہلا شخص ہوں گا جو رحمٰن کے حضور اپنا دعویٰ پیش کرنے کے لیے قیامت کے دن چہار زانو بیٹھوں گا۔ حضرت قیس نے کہا: آپ ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی: ''یہ دو فریق ہیں جنھوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔'' یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بدر کی لڑائی میں دعوت مقابلہ دی تھی، یعنی حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ ؓ ایک طرف، اور شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ دوسری طرف تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں میدانِ بدر کی مبارزت کا اجمالی سا ذکر ہوا ہے جبکہ ایک دوسری حدیث میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ بدر کے دن جب دونوں لشکر مقابلے میں آ گئے تو عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو لے کر میدان میں نکلا اور نعرہ لگایا: مقابلے کے لیے کون آتا ہے؟ مسلمانوں کے لشکر سے تین انصاری نوجوان مقابلے کے لیے نکلے تو عتبہ نے کہا: تم کون لوگ ہو اور کس قوم سے تمھارا تعلق ہے؟ انھوں نے اپنے نام بتائے تو عتبہ نے کہا: تم ہمارے جوڑ کے نہیں ہو، ہم تم سے لڑنے نہیں آئے، پھر آواز دی کہ تم لوگ ہماری توہین نہ کرو۔ ہم ان کاشتکاروں سے لڑنے نہیں آئے۔ ہمارے مقابلے میں ان لوگوں کو بھیجو جو ہمارے ہمسر اور ہمارے جوڑ کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت سیدنا حمزہ، سیدنا علی اور سیدنا عبیدہ بن حارث ؓ کو میدان میں نکلنے کے لیے کہا۔ سیدنا حمزہ ؓ نے تو جلد ہی عتبہ کو ٹھکانے لگا دیا، اسی طرح سیدنا علی ؓ نے شیبہ کو واصل جہنم کیا لیکن حضرت عبیدہ بن حارث ؓ کا ولید بن عتبہ سے سخت مقابلہ ہوا۔ دونوں نے بیک وقت ایک

دوسرے پر کاری وار کیا۔ حضرت عبیدہ ؓ کی ٹانگیں کٹ گئیں، پھر سیدنا حمزہ اور سیدنا علی ؓ آگے بڑھے اور انھوں نے ولید کا کام تمام کر دیا اور حضرت عبیدہ ؓ جو دم توڑ رہے تھے انھیں اٹھا کر لے آئے۔[1] ② بہر حال هٰذٰنِ خَصْمٰنِ یہ دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں، اس سے مراد گمراہ فرقے اور ان کے مقابلے میں دوسرا فرقہ مسلمان بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ اپنے رب کے متعلق جھگڑتے ہیں۔ مسلمان تو اس کی وحدانیت اور قدرت کاملہ کے قائل ہیں جبکہ دوسرے گروہ اللہ تعالیٰ کے متعلق مختلف گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔ اس ضمن میں میدان بدر میں لڑنے والے مسلمان اور کافر بھی آ جاتے ہیں جس کے آغاز میں ایک طرف حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث ؓ تھے اور دوسری طرف ان کے مقابلے میں کافروں میں سے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ تھے۔ امام ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں کہ عموم کے اعتبار سے یہ دونوں مفہوم صحیح اور آیت کے مطابق ہیں۔ واللّٰه أعلم.

(٢٣) سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ 23- تفسیر سورۂ مومنون

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: ﴿سَبْعَ طَرَآئِقَ﴾ [٧]: سَبْعَ سَمٰوَاتٍ. ﴿لَهَا سٰبِقُونَ﴾ [٦١]: سَبَقَتْ لَهُمُ السَّعَادَةُ. ﴿وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ [٦٠]: خَائِفِينَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ﴾ [٣٦]: بَعِيدٌ بَعِيدٌ. ﴿فَسْـَٔلِ الْعَآدِّينَ﴾ [١١٣]: الْمَلَائِكَةَ. ﴿لَنٰكِبُونَ﴾ [٧٤]: لَعَادِلُونَ. ﴿كٰلِحُونَ﴾ [١٠٤]: عَابِسُونَ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿مِن سُلٰلَةٍ﴾ [١٢]: اَلْوَلَدُ. وَالنُّطْفَةُ: اَلسُّلَالَةُ. وَالْجِنَّةُ وَالْجُنُونُ وَاحِدٌ. وَالْغُثَاءُ: اَلزَّبَدُ وَمَا ارْتَفَعَ عَنِ الْمَاءِ وَمَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ. ﴿يَجْـَٔرُونَ﴾ [٦٤]: يَرْفَعُونَ أَصْوَاتَهُمْ كَمَا تَجْأَرُ الْبَقَرَةُ. ﴿عَلٰٓى أَعْقٰبِكُمْ﴾ [٦٦]: رَجَعَ عَلٰى عَقِبَيْهِ ﴿سٰمِرًا﴾ [٦٧]: مِنَ السَّمَرِ، وَالْجَمْعُ السُّمَّارُ، وَالسَّامِرُ هَاهُنَا فِي مَوْضِعِ الْجَمْعِ. ﴿تُسْحَرُونَ﴾ [٨٩] تَعْمَوْنَ، مِنَ السِّحْرِ.

حضرت سفیان بن عیینہ نے کہا: سَبْعَ طَرَآئِقَ سے مراد سات آسمان ہیں۔ لَهَا سَابِقُوْنَ ان کے لیے سعادت سبقت کر گئی ہے جس کی وجہ سے وہ نیکیوں کی طرف دوڑتے ہیں۔ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کے معنی ہیں: ان کے دل خوفزدہ اور ڈرنے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ کے معنی ہیں: بعید اور بہت ہی بعید۔ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ میں العادین سے مراد فرشتے ہیں۔ لَنٰكِبُوْنَ کے معنی ہیں: راستے سے پھرنے والے، اعراض کرنے والے۔ كٰلِحُوْنَ کے معنی ہیں: ترش رو اور بدشکل۔ ان کے علاوہ نے کہا: مِنْ سُلٰلَةٍ سے مراد بچہ ہے اور نطفہ سلالہ ہوتا ہے، یعنی خلاصہ اور نچوڑا ہوا۔ جِنَّةٌ اور جُنُون دونوں کے معنی ایک ہیں۔ غُثَاء کے معنی ہیں: جھاگ، یعنی ہر وہ چیز جو پانی کے اوپر اٹھے اور جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ يَجْئَرُوْنَ: اپنی آوازوں کو بلند کریں گے جیسا کہ گائے آواز نکالتی ہے۔ عَلٰى أَعْقٰبِكُمْ: وہ اپنی ایڑیوں کے بل واپس لوٹے۔

---

① سنن أبي داود، الجهاد، حديث: 2665.

سُمِرًا کا لفظ السمر سے ماخوذ ہے، اس کی جمع اَلسُّمَّار آتی ہے۔ اس مقام پر سَامِرًا جمع کے معنی دیتا ہے۔ اس کے معنی رات کو گپ شپ کرنا ہیں۔ تُسْحَرُوْنَ: تم جادو کی وجہ سے اندھے ہو چکے ہو۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے ذوق کے مطابق سورۂ مومنون کے چند الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے۔ سیاق وسباق سے ان کی تشریح کسی بھی تفسیر کی مستند کتاب سے دیکھی جاسکتی ہے۔

(٢٤) سُورَةُ النُّورِ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — 24- تفسیر سورۂ نور

﴿مِنْ خِلَٰلِهِۦ﴾ [٤٣]: مِنْ بَيْنِ أَضْعَافِ السَّحَابِ. ﴿سَنَا بَرْقِهِۦ﴾ وَهُوَ الضِّيَاءُ. ﴿مُذْعِنِينَ﴾ [٤٩]: يُقَالُ لِلْمُسْتَخْذِي: مُذْعِنٌ. ﴿أَشْتَاتًا﴾ [٦١] وَشَتّٰى وَشَتَاتٌ وَشَتٌّ وَّاحِدٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿سُورَةٌ أَنزَلْنَٰهَا﴾ [١]: بَيَّنَّاهَا. وَقَالَ غَيْرُهُ: سُمِّيَ الْقُرْآنُ لِجَمَاعَةِ السُّوَرِ، وَسُمِّيَتِ السُّورَةُ لِأَنَّهَا مَقْطُوعَةٌ مِّنَ الْأُخْرٰى، فَلَمَّا قُرِنَ بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ سُمِّيَ قُرْآنًا - وَقَالَ سَعْدُ بْنُ عِيَاضٍ الثُّمَالِيُّ: اَلْمِشْكَاةُ: اَلْكُوَّةُ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ - وَقَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ﴾: [القيامة: ١٧] تَأْلِيفَ بَعْضِهِ إِلٰى بَعْضٍ. ﴿فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ﴾ [القيامة: ١٨]: فَإِذَا جَمَعْنَاهُ وَأَلَّفْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ، أَيْ: مَا جُمِعَ فِيهِ فَاعْمَلْ بِمَا أَمَرَكَ وَانْتَهِ عَمَّا نَهَاكَ؛ وَيُقَالُ: لَيْسَ لِشِعْرِهِ قُرْآنٌ أَيْ: تَأْلِيفٌ؛ وَسُمِّيَ الْفُرْقَانَ، لِأَنَّهُ يُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ، وَيُقَالُ لِلْمَرْأَةِ: مَا قَرَأَتْ بِسَلًا قَطُّ، أَيْ: لَمْ تَجْمَعْ فِي بَطْنِهَا

مِنْ خِلٰلِهٖ کے معنی ہیں: بادل کے پردوں کے درمیان سے۔ سَنَا بَرْقِهٖ سے مراد ضیاء، یعنی روشنی ہے۔ مُذْعِنِيْنَ: اطاعت گزار کو مذعن کہا جاتا ہے۔ اَشْتَاتًا، شَتّٰی، شَتَاتٌ اور شَتٌّ چاروں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی متفرق۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا کے معنی ہیں: ہم نے سورت کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ابن عباس کے علاوہ نے کہا: قرآن کا نام قرآن اس لیے ہے کہ یہ سورتوں کا مجموعہ ہے اور سورت کو اس لیے سورت کہا جاتا ہے کہ وہ دوسری سورت سے علیحدہ ہوتی ہے۔ جب ایک سورت کو دوسری سورت کے ساتھ ملا دیا جائے تو اس کا نام قرآن ہو جاتا ہے۔ حضرت سعد بن عیاض ثمالی نے کہا: اَلْمِشْكَاة کے معنی ہیں: روشندان، حبشی زبان میں اسے طاق کہتے ہیں جس میں چراغ رکھا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ہمارے ذمے اس کا جمع کرنا اور اس کا ایک دوسرے سے جوڑنا ہے۔ پھر جب ہم اس کو جوڑ دیں اور ملا دیں تو آپ اس مجموعے کی پیروی کریں'' یعنی جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اسے عمل میں لائیں اور جس سے منع کیا ہے

وَلَدًا. وَقَالَ: (فَرَّضْنَاهَا): أَنْزَلْنَا فِيهَا فَرَائِضَ مُخْتَلِفَةً، وَمَنْ قَرَأَ: ﴿فَرَضْنَاهَا﴾ يَقُولُ: فَرَضْنَا عَلَيْكُمْ وَعَلَى مَنْ بَعْدَكُمْ.

اس سے باز رہیں۔ عرب لوگ کہتے ہیں: اس کے شعروں کا کوئی مجموعہ نہیں ہے۔ قرآن کو فرقان بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اور عورت کے متعلق کہا جاتا ہے: مَاقَرَأَتْ بِسَلًا قَطُّ ''اس نے اپنے پیٹ میں کبھی بچہ نہیں رکھا۔'' فَرَّضْنَاهَا (را کی تشدید کے ساتھ) کے معنی ہیں: ہم نے اس سورت میں مختلف احکام و مسائل نازل کیے ہیں۔ اور جس نے فَرَضْنَاهَا (را کی تخفیف کے ساتھ) پڑھا ہے اس کے نزدیک یہ معنی ہیں: ہم نے تم پر اور جو لوگ تمھارے بعد آئیں گے ان سب پر فرض کیا ہے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُواْ﴾ [٣١]: لَمْ يَدْرُوا لِمَا بِهِمْ مِنَ الصِّغَرِ. وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: ﴿أُوْلِي ٱلْإِرْبَةِ﴾ مَنْ لَيْسَ لَهُ أَرَبٌ، وَقَالَ مُجَاهِدٌ: لَا يُهِمُّهُ إِلَّا بَطْنُهُ، وَلَا يُخَافُ عَلَى النِّسَاءِ. وَقَالَ طَاوُسٌ: هُوَ الْأَحْمَقُ الَّذِي لَا حَاجَةَ لَهُ فِي النِّسَاءِ.

امام مجاہد نے کہا: أَوِالطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا ''یا ایسے بچے جو کم سنی کی وجہ سے عورتوں کے پردہ کی چیزوں کو نہیں سمجھتے۔'' امام شعبی نے کہا: أُولِي الْإِرْبَةِ سے مراد وہ مرد ہیں جن کو عورتوں کی ضرورت نہ ہو۔ امام مجاہد نے فرمایا: اس سے مراد وہ ہے جسے صرف اپنے پیٹ بھرنے کی دھن ہو، اور یہ خطرہ نہ ہو کہ یہ عورتوں کو ہاتھ لگائے گا۔ امام طاوس نے کہا: اس سے مراد وہ بدھو ہے جسے عورتوں سے کوئی سروکار نہ ہو۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَٱلَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَٰجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَآءُ﴾ اَلْآيَةَ [٦]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس گواہ بھی نہ ہوں'' کا بیان

وضاحت: اس آیت میں لعان کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور یہ لعان بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل ہے، مثلاً: اگر کوئی شخص خود اپنی بیوی کو بدکاری میں مبتلا دیکھ لے تو کیا کرے گا؟ گواہ ڈھونڈنے جائے تو گواہوں کے آنے پر کھیل ختم ہو چکا ہو گا۔ اگر گواہوں کے بغیر بات کرے تو حد قذف کے لیے اپنی پشت کو کوڑوں کے حوالے کرنا ہو گا، اگر خاموش رہے تو خاموشی دوسروں کے حق میں تو اختیار کی جاسکتی ہے مگر اپنی بیوی کے حق میں یہ کڑوا گھونٹ کیسے پی سکتا ہے۔ اگر غصے میں آ کر بیوی کو قتل کر دے تو خود قصاص کی زد میں آتا ہے۔ اگر طلاق دے دے تو اس میں اس کا اپنا نقصان بھی ہے اور بیوی اور اس کے آشنا کو کوئی اخلاقی یا بدنی سزا بھی نہیں مل سکتی بلکہ یہ طلاق شاید زانی اور زانیہ کے لیے خوشی کا باعث ہو۔ اگر کڑوا گھونٹ بھر کر صبر کر ہی جاتا ہے تو

ایک ناجائز بچے کی پرورش کا بوجھ اس کے گلے میں پڑ جاتا ہے جو بعد میں اس کا وارث بھی ہوگا۔ اس طرح بے شمار مشکلات کا حل لعان کی شکل میں بتایا گیا ہے، پھر لعان کے اس قانون میں میاں بیوی کو یکساں سطح پر رکھا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے وضاحت ہوتی ہے۔

٤٧٤٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ الْفَرْيَابِيُّ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ عُوَيْمِرًا أَتَى عَاصِمَ بْنَ عَدِيٍّ - وَكَانَ سَيِّدَ بَنِي عَجْلَانَ - فَقَالَ: كَيْفَ تَقُولُونَ فِي رَجُلٍ وَّجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا؟ أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ؟ أَمْ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ سَلْ لِّي رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَتَى عَاصِمٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَسَائِلَ فَسَأَلَهُ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَرِهَ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا، قَالَ عُوَيْمِرٌ: وَاللهِ لَا أَنْتَهِي حَتّٰى أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَجَاءَ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! رَجُلٌ وَّجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ؟ أَمْ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ أَنْزَلَ اللهُ الْقُرْآنَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ»، فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْمُلَاعَنَةِ، بِمَا سَمَّى اللهُ فِي كِتَابِهِ، فَلَاعَنَهَا، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ حَبَسْتُهَا فَقَدْ ظَلَمْتُهَا، فَطَلَّقَهَا.

[4745] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عویمر بن حارث ؓ حضرت عاصم بن عدی ؓ کے پاس آئے جو (عویمر کے) قبیلۂ بنو عجلان کے سردار تھے اور ان سے پوچھا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھے تو تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ اگر وہ اس کو مار ڈالے تو تم لوگ بھی اسے مار ڈالو گے؟ پھر وہ کیا کرے؟ آپ میرے لیے رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلے کا حل دریافت کریں، چنانچہ حضرت عاصم بن عدی ؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! (اس مسئلے کا حل کیا ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے سوالات کو برا خیال کیا۔ پھر جب حضرت عویمر ؓ نے حضرت عاصم ؓ سے اپنے مسئلے کا جواب پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے مسائل پوچھنے کو ناپسند کیا اور معیوب قرار دیا ہے۔ حضرت عویمر ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلے کا حل پوچھ کر رہوں گا، چنانچہ حضرت عویمر ؓ خود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھے تو کیا کرے؟ اگر اس کو مار ڈالے تو آپ بھی اس کو مار ڈالیں گے؟ پھر آخر کیا کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے متعلق قرآن نازل کر دیا ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں میاں بیوی کو لعان کا حکم دیا جیسا کہ قرآن مجید میں حکم نازل ہوا تھا، چنانچہ حضرت عویمر ؓ نے اپنی بیوی

سے لعان کیا اور کہا: اللہ کے رسول! اگر اب میں اس عورت کو رکھوں تو میں نے اس پر ظلم کیا۔ اس کے بعد حضرت عویمر ؓ نے اسے طلاق دے دی۔

فَكَانَتْ سُنَّةً لِّمَنْ كَانَ بَعْدَهُمَا فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اُنْظُرُوا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَسْحَمَ أَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ، عَظِيمَ الْأَلْيَتَيْنِ، خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ، فَلَا أَحْسِبُ عُوَيْمِرًا إِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أُحَيْمِرَ كَأَنَّهُ وَحَرَةٌ، فَلَا أَحْسِبُ عُوَيْمِرًا إِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهَا». فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى النَّعْتِ الَّذِي نَعَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ تَصْدِيقِ عُوَيْمِرٍ، فَكَانَ - بَعْدُ - يُنْسَبُ إِلَى أُمِّهِ. [راجع: ٤٢٣]

پھر لعان کرنے والوں میں یہی طریقہ جاری ہو گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھتے رہو۔ اس عورت کو جو بچہ پیدا ہوا اگر وہ سانولا، کالی آنکھوں، بڑے سرین اور موٹی پنڈلیوں والا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اپنی بیوی کے متعلق سچ کہا تھا اور اگر بچہ گرگٹ کی طرح سرخ رنگ کا پیدا ہوا تو میرے خیال کے مطابق عویمر نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی ہے۔'' پھر جب بچہ پیدا ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی علامات کے مطابق عویمر سچا نکلا۔ اس کے بعد وہ بچہ اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی شخص کسی غیر عورت پر تہمت لگائے تو اس کا فیصلہ شہادتوں کی بنا پر ہو گا اور اگر اپنی بیوی پر الزام لگائے تو اس کا فیصلہ لعان کی صورت میں ہو گا جس کی صورت حسب ذیل ہے۔ پہلے خاوند عدالت میں یا حاکم مجاز کے سامنے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے گا کہ وہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گا: اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو پھر بیوی خاوند کے جواب میں چار مرتبہ اللہ کی قسم اٹھا کر یہ کہہ دے کہ میرا خاوند جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے: اگر اس کا خاوند سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس صورت میں وہ زنا کی سزا سے بچ جائے گی۔ اس کے بعد میاں بیوی کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جائے گی اور وہ دونوں زندگی میں کبھی میاں بیوی کی زندگی نہیں گزار سکیں گے۔ ② قسم کھانے کے دوران میں قاضی فریقین کو اللہ سے ڈر کر صحیح بات کی تلقین کرتا رہے۔ اگر خاوند اپنے دعویٰ سے رک جائے تو اس پر حد قذف لگے گی اور اگر مرد کی طرف سے قسمیں اٹھانے کے بعد عورت رک جائے تو اس نے گویا اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ اس صورت میں اسے رجم کیا جائے گا۔ لعان کے بعد مرد طلاق دے یا نہ دے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دونوں میاں بیوی میں ہمیشہ کے لیے جدائی از خود واقع ہو جاتی ہے۔

(٢) بَابٌ: ﴿وَٱلْخَٰمِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ ٱللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ ٱلْكَٰذِبِينَ﴾ [٧]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''خاوند، پانچویں دفعہ یوں کہے گا: اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو'' کا بیان

وضاحت: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو جس کا وہ خود تو عینی گواہ ہے، تاہم زنا کی حد کے اثبات کے لیے چار مردوں کی گواہی ضروری ہوتی ہے، اس لیے جب تک وہ اپنے ساتھ مزید تین عینی گواہ نہ پیش کرے اس کی بیوی پر زنا کی حد نہیں لگائی جاسکتی۔ لیکن آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد اسی بدچلن بیوی کو برداشت کرنا بھی اس کے لیے ناممکن ہے تو شریعت نے اس کا حل لعان کی صورت میں پیش کیا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧٤٦ - حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ أَبُو الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ رَجُلًا رَأَى مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ؟ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ؟ فَأَنْزَلَ اللهُ فِيهِمَا مَا ذُكِرَ فِي الْقُرْآنِ مِنَ التَّلَاعُنِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ قُضِيَ فِيكَ وَفِي امْرَأَتِكَ»، قَالَ: فَتَلَاعَنَا وَأَنَا شَاهِدٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَفَارَقَهَا، فَكَانَتْ سُنَّةً أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ، وَكَانَتْ حَامِلًا فَأَنْكَرَ حَمْلَهَا وَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى إِلَيْهَا. ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْمِيرَاثِ أَنْ يَرِثَهَا وَتَرِثَ مِنْهُ مَا فَرَضَ اللهُ لَهَا.

[راجع: ٤٢٣]

[4746] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! بتائیں اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی بیوی کے ہمراہ مصروف کار دیکھے تو کیا وہ اسے قتل کر دے؟ اس صورت میں آپ اسے بھی (قصاص میں) قتل کر دیں گے؟ یا پھر وہ کیا کرے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق لعان کا حکم نازل فرمایا جو قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”تمھارے اور تمھاری بیوی کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے۔“ چنانچہ ان دونوں نے لعان کیا۔ میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا۔ آپ نے اس عورت کو اس سے علیحدہ کر دیا۔ اب یہی طریقہ رائج ہو گیا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان علیحدگی کر دی جائے۔ وہ عورت حاملہ تھی۔ مرد نے اس حمل کا انکار کر دیا تو اس کا بیٹا ماں کی طرف منسوب ہو کر پکارا جاتا تھا۔ پھر وارثت کے متعلق یہ طریقہ جاری ہوا کہ وہ لڑکا اپنی ماں کا وارث بنے گا اور ماں اس کی وارث بنے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

فائدہ: لعان کے بعد مرد، عورت سے حق مہر یا دیگر اخراجات کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا، نیز دوران عدت میں عورت کا نان ونفقہ یا رہائش وغیرہ مرد کے ذمے نہ ہوگی۔ پیدا ہونے والا بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا۔ زانی یا خاوند کی طرف اسے منسوب نہیں کیا جائے گا۔ اگر وضع حمل کے بعد عورت قرائن کی بنا پر مجرم ثابت ہو جائے تو بھی اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا، چونکہ خاوند اس لڑکے سے انکار کر رہا ہے، اس لیے لعان کا بچہ خاوند کا وارث نہیں ہوگا لیکن ماں کا وارث ہوگا کیونکہ اس نے اسے ولد الزنا ہونا تسلیم نہیں کیا۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابٌ: ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ﴾ الْآيَةَ [٨]

٤٧٤٧ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ: حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِشَرِيكِ بْنِ سَحْمَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْبَيِّنَةَ أَوْ حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ»، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِذَا رَأَى أَحَدُنَا عَلَى امْرَأَتِهِ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ؟ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «اَلْبَيِّنَةَ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ»، فَقَالَ هِلَالٌ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنِّي لَصَادِقٌ وَلَيُنْزِلَنَّ اللهُ مَا يُبَرِّئُ ظَهْرِي مِنَ الْحَدِّ. فَنَزَلَ جِبْرِيلُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ﴾ فَقَرَأَ حَتّٰى بَلَغَ ﴿إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ [٦] فَانْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا، فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ، فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ؟» ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ، فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَّفُوهَا وَقَالُوا: إِنَّهَا مُوجِبَةٌ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَتَلَكَّأَتْ وَنَكَصَتْ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ: لَا أَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ، سَابِغَ الْأَلْيَتَيْنِ، خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ، فَهُوَ لِشَرِيكِ بْنِ سَحْمَاءَ». فَجَاءَتْ بِهِ كَذٰلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْلَا مَا مَضٰى مِنْ كِتَابِ اللهِ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ».

باب:3- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور اس عورت سے یہ بات سزا دور کردے گی......“ کا بیان

[4747] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اس پر گواہ لاؤ بصورت دیگر تمھاری پشت پر حد قذف پڑے گی۔“ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے کے ساتھ بدکاری کرتے دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈتا پھرے؟ لیکن نبی ﷺ یہی فرماتے رہے: ”گواہ لاؤ ورنہ حد قذف پڑے گی۔“ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں اس معاملے میں حق بجانب ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کے متعلق ضرور کوئی ایسا حکم نازل کرے گا جس سے میری پشت سزا سے بری ہوجائے گی۔ اس دوران میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے اور یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ......اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾۔ جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو نبی ﷺ نے حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بلا بھیجا۔ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ آئے اور پہلے انھوں نے گواہی دی جبکہ نبی ﷺ ساتھ ساتھ فرما رہے تھے: ”دیکھو، تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے تو کیا وہ توبہ کرنے پر تیار نہیں ہے؟“ اس کے بعد ان کی بیوی کھڑی ہوئی، اس نے بھی چار گواہیاں دے دیں۔ جب پانچویں گواہی کا وقت آیا تو لوگوں نے اسے ٹھہرایا اور سمجھایا کہ پانچویں گواہی تمھیں سزا میں مبتلا کر دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ

[راجع: ٢٦٧١]

عورت یہ بات سن کر ذرا جھجکی اور رکی۔ ہم سمجھے کہ وہ اپنا بیان واپس لے لے گی مگر وہ کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو تمام عمر کے لیے رسوا نہیں کرنا چاہتی، پھر اس نے پانچویں گواہی بھی دے دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دیکھتے رہو اگر اس عورت کے ہاں کالی آنکھوں، موٹے سرین اور فربہ پنڈلیوں والا بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کے نطفہ ہی سے ہوگا۔'' چنانچہ اس عورت کے ہاں اسی صورت کا بچہ پیدا ہوا۔ اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ کا حکم (لعان) نازل نہ ہوا ہوتا تو میں اس عورت کو ٹھیک ٹھیک سزا دیتا۔''

فوائد ومسائل: ① حدیث :4745 سے معلوم ہوا تھا کہ آیت لعان کا تعلق عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ سے ہے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت لعان حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کا یوں جواب دیا ہے: آیات کا نزول تو ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوا ہے، اس کے بعد حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کو ایسا واقعہ پیش آ گیا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے پیش کر دیا۔ ممکن ہے کہ انھیں حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کا علم نہ ہو۔ ② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھارے معاملے کا فیصلہ یہ ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعے میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیات پڑھ کر سنائیں جبکہ حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعے میں یہ الفاظ ہیں: اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق حکم نازل فرمایا ہے، جس کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے واقعے جیسے ایک واقعے میں اس کا حکم نازل فرما دیا ہے۔[1] ③ واضح رہے کہ رجم چار گواہوں کی گواہی یا اقرار کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن رسول اللہ ﷺ کا معاملہ کچھ اور ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کو بذریعۂ وحی معاملے کی حقیقت معلوم ہو گئی ہو کہ اس عورت نے واقعی بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ واللّٰه أعلم.

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَٱلْخَٰمِسَةَ أَنَّ غَضَبَ ٱللَّهِ عَلَيْهَآ إِن كَانَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ﴾ [٩]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''عورت پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ مرد سچا ہے'' کا بیان

٤٧٤٨ - حَدَّثَنِي مُقَدَّمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى: حَدَّثَنَا عَمِّي الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ

[4748] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اپنی بیوی پر

1 فتح الباري: 572/8.

- وَقَدْ سَمِعَ مِنْهُ - عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَجُلًا رَّمَى امْرَأَتَهُ فَانْتَفَى مِنْ وَّلَدِهَا فِي زَمَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَتَلَاعَنَا كَمَا قَالَ اللهُ، ثُمَّ قَضَى بِالْوَلَدِ لِلْمَرْأَةِ وَفَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ.

[انظر : ٥٣٠٦، ٥٣١٣، ٥٣١٤، ٥٣١٥، ٦٧٤٨]

تہمت لگائی اور کہا کہ عورت کا حمل میرا نہیں ہے تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں میاں بیوی کو لعان کرنے کا حکم دیا، چنانچہ انھوں نے اللہ کے حکم کے مطابق لعان کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے بچے کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ وہ عورت ہی کا ہو گا اور لعان کرنے والے دونوں میاں بیوی میں علیحدگی کروا دی۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف لعان کرنے سے ہی میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی، خاوند کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اکثر اہل حدیث کا یہی موقف ہے۔ لعان کے بعد عورت عدت پوری کرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کی حق دار ہو گی جو تین حیض یا وضع حمل ہے۔ ② واضح رہے کہ لعان صرف اس صورت میں ہے جب خاوند اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائے، عام عورتوں پر تہمت کے متعلق وہی حکم ہے جو حد قذف کے متعلق سورۃ النور آیت: 4 میں ہے۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لعان کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو گا اس بچے کی نسبت شوہر کی طرف نہیں بلکہ اس کی ماں کی طرف کی جائے گی۔ وہ اپنی ماں کا اور ماں اس کی وارث ہو گی۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ﴾ الْآيَةَ [١١]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ”بے شک جو لوگ جھوٹ (بہتان) گھڑ لائے وہ تمھی میں سے ایک ٹولہ ہے“ کا بیان

﴿أَفَّاكٍ﴾ : كَذَّابٍ.

اَفّاك: بہت بڑے جھوٹے کو کہتے ہیں۔

وضاحت: پوری آیت کا مفہوم حسب ذیل ہے: ”جو لوگ یہ بہت بڑا بہتان باندھ لائے ہیں، یہ بھی تم میں سے ہی ایک گروہ ہے۔ تم اسے اپنے لیے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ تو تمھارے حق میں بہتر ہے۔ ہاں، ان میں سے ہر ایک شخص اتنا گناہ گار ہے جتنا اس نے کمایا ہے۔ اور ان میں سے جس نے اس کے بہت بڑے حصے کو سرانجام دیا ہے، اس کے لیے عذاب بھی بہت ہی بڑا ہے۔“[1] افک سے مراد وہ واقعۂ افک ہے جس میں منافقین نے حضرت عائشہ ؓ کے دامن عفت و عصمت کو داغدار کرنا چاہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عائشہ ؓ کی براءت نازل فرما کر ان کی پاکدامنی اور عفت کو واضح کر دیا۔ دراصل افک کے معنی کسی چیز کو الٹا کر دینا ہیں۔ اس واقعے میں چونکہ منافقین نے معاملے کو الٹا دیا تھا کہ حضرت عائشہ ؓ تو لائق تعریف وثنا، عالی نسب اور بلند کردار کی مالک تھیں لیکن ان ظالموں نے اس پیکر عفت و عصمت کو اس کے برعکس طعن اور بہتان تراشی

1 النور 24:11.

کا ہدف بنالیا۔ دراصل یہ منافقین کا ایک ٹولا تھا جن کی پشت پناہی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کر رہا تھا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧٤٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ﴿وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُۥ﴾ قَالَتْ: عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ. [راجع: ٢٥٩٣]

[4749] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ کے متعلق فرمایا: اس سے مراد عبداللہ بن ابی ابن سلول ہے (جس نے اس بہتان طرازی میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا تھا)۔

فائدہ: بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ اس آیت سے مراد حضرت حسان بن ثابت ؓ ہیں لیکن راجح یہی موقف ہے جو مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ اس سے مراد رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی ہے جو لوگوں کو جمع کرتا، ابھارتا اور مزے لے کر اس کا تذکرہ کرتا، پھر نہایت چالاکی کے ساتھ اپنا دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کراتا، مسلمان اس کا پروپیگنڈا سن کر تردد میں مبتلا ہو جاتے، بعض خاموش ہو جاتے اور اہل ایمان کی اکثریت ایسی تھی کہ یہ باتیں سن کر اسے جھٹلا دیتے تھے۔ اس واقعے کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

(٦) بَابٌ: ﴿لَّوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿ٱلْكَٰذِبُونَ﴾ [١٢، ١٣]

باب: 6- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جب تم نے یہ (بری بات) سنی تو اہل ایمان مرد اور اہل ایمان خواتین نے اپنے دل میں اچھی بات کیوں نہ سوچی...... جھوٹے ہیں'' کا بیان

وضاحت: واقعۂ افک کی پوری تفصیل سیدہ عائشہ ؓ کی زبانی آئندہ حدیث میں بیان ہوگی لیکن اہل ایمان کی اخلاقی حالت اس قدر مضبوط تھی کہ منافقین کے زبردست پروپیگنڈے کے باوجود مسلمانوں میں سے تین افراد کے علاوہ ان سے کوئی متأثر نہ ہو سکا: ایک حضرت مسطح بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر ؓ کے عزیز تھے اور ان کی کفالت میں تھے، دوسرے حضرت حسان بن ثابت ؓ اور تیسرے ایک خاتون حضرت حمنہ بنت جحش جو اپنی بہن سیدہ زینب بنت جحش ؓ کی خاطر سیدہ عائشہ ؓ کو نیچا دکھانے کے لیے اس بہتان میں شامل ہوئی تھیں۔ واللہ المستعان.

٤٧٥٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ

[4750] حضرت ابن شہاب سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کا واقعہ بیان

مَسْعُودٍ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ
النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا،
فَبَرَّأَهَا اللهُ مِمَّا قَالُوا، وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِّنَ
الْحَدِيثِ وَبَعْضُ حَدِيثِهِمْ يُصَدِّقُ بَعْضًا، وَّإِنْ
كَانَ بَعْضُهُمْ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضٍ، اَلَّذِي حَدَّثَنِي
عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا
زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا
أَرَادَ أَنْ يَّخْرُجَ أَقْرَعَ بَيْنَ أَزْوَاجِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ
سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مَعَهُ، قَالَتْ
عَائِشَةُ: فَأَقْرَعَ بَيْنَنَا فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا فَخَرَجَ
سَهْمِي، فَخَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بَعْدَ مَا
نَزَلَ الْحِجَابُ، فَأَنَا أُحْمَلُ فِي هَوْدَجِي وَأُنْزَلُ
فِيهِ، فَسِرْنَا حَتّٰى إِذَا فَرَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ
غَزْوَتِهِ تِلْكَ وَقَفَلَ وَدَنَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ قَافِلِينَ،
آذَنَ لَيْلَةً بِالرَّحِيلِ، فَقُمْتُ حِينَ آذَنُوا بِالرَّحِيلِ
فَمَشَيْتُ حَتّٰى جَاوَزْتُ الْجَيْشَ، فَلَمَّا قَضَيْتُ
شَأْنِي أَقْبَلْتُ إِلٰى رَحْلِي، فَإِذَا عِقْدٌ لِّي مِنْ
جَزْعِ أَظْفَارٍ قَدِ انْقَطَعَ، فَالْتَمَسْتُ عِقْدِي
وَحَبَسَنِي ابْتِغَاؤُهُ، وَأَقْبَلَ الرَّهْطُ الَّذِينَ كَانُوا
يَرْحَلُونَ لِي، فَاحْتَمَلُوا هَوْدَجِي فَرَحَلُوهُ عَلٰى
بَعِيرِي الَّذِي كُنْتُ رَكِبْتُ، وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنِّي
فِيهِ، وَكَانَ النِّسَاءُ إِذْ ذَاكَ خِفَافًا لَّمْ يُثْقِلْهُنَّ
اللَّحْمُ إِنَّمَا يَأْكُلْنَ الْعُلْقَةَ مِنَ الطَّعَامِ، فَلَمْ
يَسْتَنْكِرِ الْقَوْمُ خِفَّةَ الْهَوْدَجِ حِينَ رَفَعُوهُ، وَكُنْتُ
جَارِيَةً حَدِيثَةَ السِّنِّ، فَبَعَثُوا الْجَمَلَ وَسَارُوا،
فَوَجَدْتُ عِقْدِي بَعْدَ مَا اسْتَمَرَّ الْجَيْشُ فَجِئْتُ
مَنَازِلَهُمْ وَلَيْسَ بِهَا دَاعٍ وَّلَا مُجِيبٌ فَأَمَمْتُ

کیا جبکہ تہمت لگانے والوں نے ان کے متعلق افواہ اڑائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس تہمت سے پاک قرار دیا تھا۔ان تمام حضرات نے حدیث کا ایک ایک ٹکڑا مجھ سے بیان کیا اور ان حضرات میں سے ایک کا بیان دوسرے کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ اگرچہ ان میں سے کچھ حضرات کو دوسروں کے مقابلے میں حدیث زیادہ بہتر طریقے سے یاد تھی۔حضرت عروہ بن زبیر نے مجھے حضرت عائشہ ؓ کے حوالے سے اس طرح بیان کیا کہ نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کسی سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے قرعہ اندازی کرتے۔جس کا نام نکل آتا رسول اللہ ﷺ اسے اپنے ساتھ لے جاتے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک غزوے میں جانے کے لیے قرعہ اندازی کی تو قرعہ میرے نام نکل آیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوگئی اور یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ایک ہودج میں سوار ہوتی اور جب اترتی تو ہودج سمیت اتاری جاتی۔ ہم اس طرح سفر کرتے رہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ اس غزوے سے فارغ ہوکر لوٹے تو ہم لوگ مدینہ طیبہ کے نزدیک آ پہنچے۔ ایک رات (پڑاؤ کے بعد) جب کوچ کا حکم ہوا تو میں اٹھی اور پیدل چل کر لشکر سے پار نکل گئی۔ جب حاجت سے فارغ ہوکر لشکر کی طرف آنے لگی تو مجھے معلوم ہوا کہ میرا اظفار کے نگینوں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا ہے۔ میں اسے ڈھونڈنے لگی اور اسے ڈھونڈنے میں دیر لگ گئی۔ اتنے میں وہ لوگ جو میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر لادا کرتے تھے انھوں نے ہودج اٹھایا اور اونٹ پر رکھ دیا۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ میں ہودج میں ہوں کیونکہ اس وقت عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی

مَنْزِلِيَ الَّذِي كُنْتُ بِهِ، وَظَنَنْتُ أَنَّهُمْ سَيَفْقِدُونِي فَيَرْجِعُونَ إِلَيَّ، فَبَيْنَا أَنَا جَالِسَةٌ فِي مَنْزِلِي غَلَبَتْنِي عَيْنِي فَنِمْتُ، وَكَانَ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ السُّلَمِيُّ ثُمَّ الذَّكْوَانِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْجَيْشِ، فَأَدْلَجَ فَأَصْبَحَ عِنْدَ مَنْزِلِي فَرَأٰى سَوَادَ إِنْسَانٍ نَّائِمٍ، فَأَتَانِي فَعَرَفَنِي حِينَ رَآنِي، وَكَانَ يَرَانِي قَبْلَ الْحِجَابِ، فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهِ حِينَ عَرَفَنِي فَخَمَّرْتُ وَجْهِي بِجِلْبَابِي، وَاللهِ مَا كَلَّمَنِي كَلِمَةً وَّلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اسْتِرْجَاعِهِ، حَتّٰى أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ فَوَطِئَ عَلٰى يَدَيْهَا فَرَكِبْتُهَا، فَانْطَلَقَ يَقُودُ بِيَ الرَّاحِلَةَ حَتّٰى أَتَيْنَا الْجَيْشَ بَعْدَمَا نَزَلُوا مُوغِرِينَ فِي نَحْرِ الظَّهِيرَةِ، فَهَلَكَ مَنْ هَلَكَ، وَكَانَ الَّذِي تَوَلَّى الْإِفْكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ، فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَاشْتَكَيْتُ حِينَ قَدِمْتُ شَهْرًا، وَالنَّاسُ يُفِيضُونَ فِي قَوْلِ أَصْحَابِ الْإِفْكِ وَلَا أَشْعُرُ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ، وَهُوَ يَرِيبُنِي فِي وَجَعِي أَنِّي لَا أَعْرِفُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ اللُّطْفَ الَّذِي كُنْتُ أَرٰى مِنْهُ حِينَ أَشْتَكِي، إِنَّمَا يَدْخُلُ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَيُسَلِّمُ ثُمَّ يَقُولُ: «كَيْفَ تِيكُمْ؟» ثُمَّ يَنْصَرِفُ، فَذَاكَ الَّذِي يَرِيبُنِي وَلَا أَشْعُرُ بِالشَّرِّ حَتّٰى خَرَجْتُ بَعْدَمَا نَقَهْتُ، فَخَرَجَتْ مَعِيَ أُمُّ مِسْطَحٍ قِبَلَ الْمَنَاصِعِ - وَهُوَ مُتَبَرَّزُنَا - وَكُنَّا لَا نَخْرُجُ إِلَّا لَيْلًا إِلٰى لَيْلٍ وَّذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ تُتَّخَذَ الْكُنُفُ قَرِيبًا مِّنْ بُيُوتِنَا، وَأَمْرُنَا أَمْرُ الْعَرَبِ الْأُوَلِ فِي التَّبَرُّزِ قِبَلَ الْغَائِطِ، فَكُنَّا نَتَأَذّٰى بِالْكُنُفِ أَنْ نَتَّخِذَهَا عِنْدَ بُيُوتِنَا، فَانْطَلَقْتُ أَنَا

تھیں، پُر گوشت اور بھاری بھرکم نہ ہوتی تھیں، اس لیے کہ وہ کھانا تھوڑا کھایا کرتی تھیں، لہٰذا ان لوگوں نے جب ہودج (کجاوہ) اٹھایا تو ہلکے پن میں انھیں کوئی اجنبیت محسوس نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ میں اس وقت یوں بھی کم عمر لڑکی تھی۔ خیر وہ ہودج اونٹ پر لاد کر چل دیے۔ لشکر کے روانہ ہونے کے بعد میرا ہار مجھے مل گیا تو میں اس ٹھکانے کی طرف چلی گئی جہاں رات کے وقت اترے تھے، دیکھا تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا تھا اور نہ کوئی جواب دینے والا، یعنی سب جا چکے تھے۔ میں نے اپنی اسی جگہ کا ارادہ کیا جہاں میں پہلے تھی۔ مجھے یقین تھا کہ جب وہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ تلاش کرنے آئیں گے۔ میں وہاں بیٹھی رہی۔ نیند نے غلبہ کیا تو میں سو گئی۔ لشکر کے پیچھے پیچھے حضرت صفوان بن معطل سلمی ذکوانی ؓ مقرر تھے۔ وہ پچھلی رات چلے اور صبح کے وقت میرے ٹھکانے کے قریب پہنچے۔ انھوں نے دور سے کسی انسان کو سوتے ہوئے دیکھا۔ پھر جب میرے قریب آئے تو مجھے پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انھوں نے مجھے دیکھا تھا۔ جب انھوں نے مجھے پہچان کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا تو میں بیدار ہو گئی اور اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ اللہ کی قسم! انھوں نے نہ مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کے علاوہ کوئی اور بات سنی۔ انھوں نے اپنی سواری بٹھائی اور اس کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبائے رکھا تو میں اس پر سوار ہو گئی۔ وہ پیدل چلتے رہے اور اپنی اونٹنی کو چلاتے رہے یہاں تک کہ ہم لشکر سے اس وقت جا ملے جب وہ عین دوپہر کے وقت گرمی کی شدت کی وجہ سے اترے ہوئے تھے، چنانچہ جن لوگوں کی قسمت میں تباہی لکھی تھی وہ تباہ ہوئے۔ اس تہمت کو سب

وَأُمُّ مِسْطَحٍ، - وَهِيَ ابْنَةُ أَبِي رُهْمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ وَأُمُّهَا بِنْتُ صَخْرِ بْنِ عَامِرٍ خَالَةُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَابْنُهَا مِسْطَحُ بْنُ أُثَاثَةَ - فَأَقْبَلْتُ، أَنَا وَأُمُّ مِسْطَحٍ قِبَلَ بَيْتِي، وَقَدْ فَرَغْنَا مِنْ شَأْنِنَا فَعَثَرَتْ أُمُّ مِسْطَحٍ فِي مِرْطِهَا فَقَالَتْ: تَعِسَ مِسْطَحٌ، فَقُلْتُ لَهَا: بِئْسَ مَا قُلْتِ، أَتَسُبِّينَ رَجُلًا شَهِدَ بَدْرًا؟ قَالَتْ: أَيْ هَنْتَاهُ! أَوَ لَمْ تَسْمَعِي مَا قَالَ؟ قَالَتْ: قُلْتُ: وَمَا قَالَ؟ قَالَتْ فَأَخْبَرَتْنِي بِقَوْلِ أَهْلِ الْإِفْكِ فَازْدَدْتُ مَرَضًا عَلٰى مَرَضِي، قَالَتْ: فَلَمَّا رَجَعْتُ إِلٰى بَيْتِي وَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ - تَعْنِي سَلَّمَ - ثُمَّ قَالَ: «كَيْفَ تِيكُمْ؟» فَقُلْتُ: أَتَأْذَنُ لِي أَنْ آتِيَ أَبَوَيَّ؟ قَالَتْ: وَأَنَا حِينَئِذٍ أُرِيدُ أَنْ أَسْتَيْقِنَ الْخَبَرَ مِنْ قِبَلِهِمَا، قَالَتْ: فَأَذِنَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فَجِئْتُ أَبَوَيَّ فَقُلْتُ لِأُمِّي: يَا أُمَّتَاهُ! مَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ؟ قَالَتْ: يَا بُنَيَّةُ! هَوِّنِي عَلَيْكِ، فَوَاللهِ لَقَلَّمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ قَطُّ وَضِيئَةٌ عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا وَلَهَا ضَرَائِرُ إِلَّا أَكْثَرْنَ عَلَيْهَا، قَالَتْ: فَقُلْتُ: سُبْحَانَ اللهِ، أَوَلَقَدْ تَحَدَّثَ النَّاسُ بِهٰذَا؟ قَالَتْ: فَبَكَيْتُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ حَتّٰى أَصْبَحْتُ لَا يَرْقَأُ لِي دَمْعٌ وَّلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ، حَتّٰى أَصْبَحْتُ أَبْكِي، فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَّأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْتَأْمِرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ، قَالَتْ: فَأَمَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَأَشَارَ عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالَّذِي يَعْلَمُ مِنْ بَرَاءَةِ

سے زیادہ پھیلانے والا عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔ خیر ہم لوگ مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں پہنچ کر میں بیمار ہوگئی اور مہینہ بھر بیمار رہی۔ اس عرصے میں لوگ تہمت لگانے والوں کی باتوں کا چرچا کرتے رہے لیکن مجھے اس تہمت کے متعلق کوئی خبر نہ ہوئی، البتہ ایک معاملے سے مجھے شبہ سا ہوتا تھا کہ میں اس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس لطف و محبت کا اظہار نہیں دیکھتی تھی جو سابقہ علالت کے دنوں میں دیکھ چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے، سلام کرتے اور صرف اتنا پوچھ لیتے کہ ”تم کیسی ہو؟“ پھر واپس چلے جاتے۔ اس رویے سے مجھے کچھ شک تو پڑتا مگر کسی بری بات کی خبر نہ تھی۔ ایک دن بیماری سے افاقہ کے بعد میں باہر نکلی جبکہ نقاہت بدستور باقی تھی۔ میرے ہمراہ حضرت ام مسطح بھی نکلیں۔ ہم مناصع کی طرف گئے۔ ہم لوگ قضائے حاجت کے لیے وہیں جایا کرتے تھے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ہم نے اپنے گھروں کے نزدیک بیت الخلاء نہیں بنائے تھے بلکہ اگلے زمانے کے عربوں کی طرح رفع حاجت کے لیے جنگل جایا کرتے تھے کیونکہ گھروں کے نزدیک بیت الخلاء بنانے سے ان کی بدبو ہمیں تکلیف دیتی۔ خیر میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لیے روانہ ہو گئیں، وہ ابو رہم بن عبد مناف کی صاحبزادی تھیں اور اس کی ماں صخر بن عامر کی دختر تھیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ حضرت مسطح بن اثاثہ اس کا بیٹا تھا۔ پھر میں اور ام مسطح دونوں قضائے حاجت کے بعد جب گھر واپس آنے لگیں تو ام مسطح کا پاؤں ان کی چادر میں الجھ کر پھسل گیا۔ اس پر ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: مسطح ہلاک ہوا۔ میں نے انھیں کہا: آپ نے بری بات کہی ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو

أَهْلِهِ، وَبِالَّذِي يَعْلَمُ لَهُمْ فِي نَفْسِهِ مِنَ الْوُدِّ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَهْلَكَ وَمَا نَعْلَمُ إِلَّا خَيْرًا، وَأَمَّا عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَمْ يُضَيِّقِ اللهُ عَلَيْكَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ، وَإِنْ تَسْأَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ، قَالَتْ: فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بَرِيرَةَ: فَقَالَ: «أَيْ بَرِيرَةُ! هَلْ رَأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَرِيبُكِ؟» قَالَتْ بَرِيرَةُ: لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، إِنْ رَأَيْتُ عَلَيْهَا أَمْرًا أَغْمِصُهُ عَلَيْهَا سِوٰى أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا، فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ.

کوستی ہو جو غزوۂ بدر میں شریک تھا؟ وہ کہنے لگی: اے بھولی لڑکی! کیا تم نے وہ کچھ بھی سنا ہے جو اس نے کہا ہے؟ میں نے کہا: اس نے کیا کہا ہے؟ تب انھوں نے تہمت لگانے والوں کی باتیں مجھ سے بیان کیں۔ یہ سننے کے بعد میری بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب میں گھر گئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سلام کر کے پوچھا: ''اب کیسی ہو؟'' میں نے عرض کی: آپ مجھے میرے والدین کے ہاں جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ والدین سے اس خبر کی تصدیق کروں۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی تو میں اپنے والدین کے پاس آ گئی۔ میں نے اپنی ماں سے کہا: امی! یہ لوگ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: بیٹی، صبر کرو، اللہ کی قسم! اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی مرد کے پاس کوئی خوبصورت عورت ہوتی ہے اور وہ اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو سوکنیں بہت کچھ کرتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! لوگوں نے اس کا چرچا بھی کر دیا ہے؟ چنانچہ میں ساری رات روتی رہی، صبح ہو گئی مگر نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی، صبح تک میں روتی ہی رہی۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابو طالب اور حضرت اسامہ بن زید ؓ کو بلایا کیونکہ اس معاملے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی اور آپ اس سلسلے میں ان سے مشورہ لینا چاہتے تھے کہ میں اپنی اہلیہ کو ساتھ رکھوں یا طلاق دے دوں، چنانچہ حضرت اسامہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو وہی مشورہ دیا جو وہ جانتے تھے کہ سیدہ عائشہ ؓ ایسی ناپاک باتوں سے پاک ہے۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آپ ﷺ کو ان سے کس قدر تعلق خاطر ہے۔ انھوں نے صاف صاف کہا: اللہ کے رسول! ہمیں آپ کی اہلیہ کے

بارے میں خیر و بھلائی کے علاوہ کسی چیز کا علم نہیں۔ البتہ حضرت علی ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی تنگی نہیں کی۔ عورتیں ان کے علاوہ اور بہت ہیں۔ اگر آپ اس سلسلے میں حضرت بریرہ ؓ سے پوچھیں تو وہ آپ کو ٹھیک ٹھیک بتا دے گی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ ؓ کو بلایا اور اس سے پوچھا: ”بریرہ! کیا تم نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس سے تمھیں کوئی شبہ گزرا ہو؟“ حضرت بریرہ ؓ نے کہا: نہیں، مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جس کی بنیاد پر میں کوئی عیب لگا سکوں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ وہ کم عمر لڑکی ہے، اپنے گھر والوں کے لیے آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اتنے میں گھر کی بکری آتی ہے اور آٹا کھا جاتی ہے۔

فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاسْتَعْذَرَ يَوْمَئِذٍ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيِّ ابْنِ سَلُولَ، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: «يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ رَّجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي؟ فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا، وَلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَّا عَلِمْتُ عَلَيْهِ إِلَّا خَيْرًا، وَمَا كَانَ يَدْخُلُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا مَعِي». فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا أَعْذِرُكَ مِنْهُ، إِنْ كَانَ مِنَ الْأَوْسِ ضَرَبْنَا عُنُقَهُ، وَإِنْ كَانَ مِنْ إِخْوَانِنَا مِنَ الْخَزْرَجِ أَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا أَمْرَكَ، قَالَتْ: فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَهُوَ سَيِّدُ الْخَزْرَجِ، وَكَانَ قَبْلَ ذٰلِكَ رَجُلًا صَالِحًا وَّلٰكِنِ احْتَمَلَتْهُ الْحَمِيَّةُ فَقَالَ

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن ابی کے خلاف آپ نے مدد چاہتے ہوئے فرمایا: ”مسلمانو! ایک ایسے شخص کے خلاف میری کون مدد کرتا ہے جس کی اذیت رسانی اب میرے اہل خانہ تک پہنچ گئی ہے؟ اللہ کی قسم! میں اپنی اہلیہ کے بارے میں خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتا اور یہ لوگ جس شخص کا نام لے رہے ہیں، اس کے متعلق بھی میں خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ وہ جب بھی میرے گھر گئے ہیں تو میرے ساتھ ہی گئے ہیں۔“ یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ ؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: میں اس کے خلاف آپ کی مدد کرتا ہوں۔ اگر یہ اوس قبیلے کا ہے تو میں ابھی اس کی گردن اڑا دیتا ہوں اور اگر وہ ہمارے بھائیوں، یعنی قبیلۂ خزرج کا ہے تو آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ اس کے بعد حضرت سعد بن

لِسَعْدٍ: كَذَبْتَ، لَعَمْرُ اللهِ لَا تَقْتُلُهُ وَلَا تَقْدِرُ عَلٰى قَتْلِهِ، فَقَامَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ - وَّهُوَ ابْنُ عَمِّ سَعْدٍ - فَقَالَ لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ: كَذَبْتَ لَعَمْرُ اللهِ لَنَقْتُلَنَّهُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ تُجَادِلُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ، فَتَثَاوَرَ الْحَيَّانِ: الْأَوْسُ وَالْخَزْرَجُ، حَتّٰى هَمُّوا أَنْ يَّقْتَتِلُوا، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُخَفِّضُهُمْ حَتّٰى سَكَتُوا وَسَكَتَ، قَالَتْ: فَمَكَثْتُ يَوْمِي ذٰلِكَ لَا يَرْقَأُ لِي دَمْعٌ وَّلَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ، قَالَتْ: فَأَصْبَحَ أَبَوَايَ عِنْدِي وَقَدْ بَكَيْتُ لَيْلَتَيْنِ وَيَوْمًا، لَا أَكْتَحِلُ بِنَوْمٍ وَّلَا يَرْقَأُ لِي دَمْعٌ، يَظُنَّانِ أَنَّ الْبُكَاءَ فَالِقٌ كَبِدِي، قَالَتْ: فَبَيْنَا هُمَا جَالِسَانِ عِنْدِي وَأَنَا أَبْكِي فَاسْتَأْذَنَتْ عَلَيَّ امْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَأَذِنْتُ لَهَا، فَجَلَسَتْ تَبْكِي مَعِي، قَالَتْ: فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ، قَالَتْ: وَلَمْ يَجْلِسْ عِنْدِي مُنْذُ قِيلَ مَا قِيلَ قَبْلَهَا، وَقَدْ لَبِثَ شَهْرًا لَّا يُوحٰى إِلَيْهِ فِي شَأْنِي، قَالَتْ: فَتَشَهَّدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ جَلَسَ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي عَنْكِ كَذَا وَكَذَا، فَإِنْ كُنْتِ بَرِيئَةً فَسَيُبَرِّئُكِ اللهُ، وَإِنْ كُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ، فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِهِ ثُمَّ تَابَ إِلَى اللهِ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ».

عبادہ ؓ کھڑے ہوئے۔ وہ قبیلۂ خزرج کے سردار تھے۔ وہ ایک نیک سیرت آدمی تھے مگر آج ان پر قومی حمیت غالب آگئی۔ کہنے لگے: اے سعد بن معاذ! اللہ کی قسم! تم نے غلط کہا ہے۔تم اسے قتل نہیں کر سکتے اور نہ تجھ میں اسے قتل کرنے کی ہمت ہے۔ اس دوران میں حضرت اسید بن حضیر ؓ کھڑے ہوئے جو حضرت سعد بن معاذ ؓ کے چچا زاد بھائی تھے، وہ حضرت سعد بن عبادہ سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! تجھے غلط فہمی ہوئی ہے، ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ کیا تو بھی منافق ہو گیا ہے جو منافقین کی طرف داری کرتا ہے۔ اتنے میں دونوں قبیلے اٹھ کھڑے ہوئے اور نوبت آپس میں قتل و قتال تک پہنچ گئی۔ رسول اللہ ﷺ ابھی منبر ہی پر تھے، آپ لوگوں کو خاموش کراتے رہے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو آپ بھی خاموش ہو گئے۔ حضرت عائشہ ؓا فرماتی ہیں کہ میرا وہ دن بھی رونے میں گزرا اور میں مسلسل دو دن سے رو رہی تھی، نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند ہی آتی تھی۔ میرے والدین سوچنے لگے کہ روتے روتے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے جبکہ میں روئے جا رہی تھی کہ اس دوران میں قبیلۂ انصار کی ایک عورت نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ میں نے اسے اجازت دے دی تو وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگی۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے۔ آپ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ قبل ازیں جب سے مجھ پر تہمت لگی تھی، آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ آپ نے مہینہ بھر اس معاملے کے متعلق انتظار کیا، آپ پر میرے متعلق کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے پاس بیٹھنے کے بعد خطبہ پڑھا، پھر فرمایا: ”عائشہ! تیرے متعلق مجھے اس طرح

کی خبریں ملی ہیں، اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ تمھاری براءت (اور پاک دامنی) خود بیان فرما دے گا لیکن اگر تم سے غلطی کی بنا پر کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر لیتا ہے، پھر اللہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔“

قَالَتْ: فَلَمَّا قَضٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ مَقَالَتَهُ قَلَصَ دَمْعِي حَتّٰى مَا أُحِسُّ مِنْهُ قَطْرَةً، فَقُلْتُ لِأَبِي: أَجِبْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِيمَا قَالَ، قَالَ: وَاللهِ مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ لِأُمِّي: أَجِيبِي رَسُولَ اللهِ ﷺ، قَالَتْ: مَا أَدْرِي مَا أَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَتْ: قُلْتُ وَأَنَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ لَا أَقْرَأُ كَثِيرًا مِّنَ الْقُرْآنِ: إِنِّي وَاللهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَقَدْ سَمِعْتُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ حَتّٰى اسْتَقَرَّ فِي أَنْفُسِكُمْ وَصَدَّقْتُمْ بِهِ، فَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ: إِنِّي بَرِيئَةٌ، وَّاللهُ يَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ، لَّا تُصَدِّقُونَنِي بِذٰلِكَ، وَلَئِنِ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ بِأَمْرٍ وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّي مِنْهُ بَرِيئَةٌ لَتُصَدِّقُنِّي، وَاللهِ مَا أَجِدُ لَكُمْ مَّثَلًا إِلَّا قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ قَالَ: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ [يوسف:١٨] قَالَتْ: ثُمَّ تَحَوَّلْتُ فَاضْطَجَعْتُ عَلٰى فِرَاشِي، قَالَتْ: وَأَنَا حِينَئِذٍ أَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ، وَّأَنَّ اللهَ مُبَرِّئِي بِبَرَاءَتِي، وَلٰكِنْ وَاللهِ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللهَ مُنْزِلٌ فِي شَأْنِي وَحْيًا يُتْلٰى، وَلَشَأْنِي فِي نَفْسِي كَانَ أَحْقَرَ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللهُ فِيَّ بِأَمْرٍ يُتْلٰى، وَلٰكِنْ كُنْتُ أَرْجُو

وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی گفتگو ختم کر چکے تو یکبارگی میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی میری آنکھوں میں باقی نہ رہا۔ میں نے اپنے والد گرامی سے عرض کی: آپ رسول اللہ ﷺ کو ان کی بات کا جواب دیں۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میں آپ کو اس سلسلے میں کیا کہوں؟ پھر میں نے اپنی والدہ ماجدہ سے عرض کی: آپ رسول اللہ ﷺ کو (میری طرف سے) جواب دیں تو انھوں نے بھی یہی کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا عرض کروں۔ آخر کار میں خود ہی بول اٹھی، میں اس وقت ایک نوعمر لڑکی تھی، میں نے بہت زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا، میں نے عرض کی: اللہ کی قسم! میں اس قدر تو جانتی ہوں کہ میرے متعلق آپ حضرات نے جو کچھ سنا ہے وہ آپ کے دل و دماغ پر جم گیا ہے اور آپ لوگ اسے صحیح سمجھنے لگے ہیں۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں...... اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں...... تو بھی آپ لوگ مجھے سچا نہیں سمجھیں گے اور اگر میں گناہ کا اقرار کر لوں...... اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں...... تو آپ لوگ گناہ کے اقرار میں مجھے سچا خیال کریں گے۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اور تمھاری مثال ایسی ہی سمجھتی ہوں جیسے سیدنا یوسف علیہ السلام کے والد کی تھی، انھوں

أَنْ يَّرٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي النَّوْمِ رُؤْيَا يُبَرِّئُنِي اللّٰهُ بِهِ، . قَالَتْ: فَوَاللّٰهِ مَا رَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا خَرَجَ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْبَيْتِ حَتّٰى أُنْزِلَ عَلَيْهِ، فَأَخَذَهُ مَا كَانَ يَأْخُذُهُ مِنَ الْبُرَحَاءِ، حَتّٰى إِنَّهُ لَيَتَحَدَّرُ مِنْهُ مِثْلُ الْجُمَانِ مِنَ الْعَرَقِ، وَهُوَ فِي يَوْمٍ شَاتٍ، مِنْ ثِقَلِ الْقَوْلِ الَّذِي يُنْزَلُ عَلَيْهِ، قَالَتْ: فَلَمَّا سُرِّيَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ سُرِّيَ عَنْهُ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَكَانَ أَوَّلُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا: «يَا عَائِشَةُ! أَمَّا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَدْ بَرَّأَكِ». فَقَالَتْ أُمِّي: قُومِي إِلَيْهِ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: وَاللّٰهِ لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُ إِلَّا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ جَآءُو بِٱلْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْۚ لَا تَحْسَبُوهُ﴾ اَلْعَشْرَ الْآيَاتِ كُلَّهَا [۱۱-۲۰]، فَلَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِي بَرَاءَتِي قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - وَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحِ بْنِ أُثَاثَةَ لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ وَفَقْرِهِ - وَاللّٰهِ لَا أُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِي قَالَ لِعَائِشَةَ مَا قَالَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُوْلُواْ ٱلْفَضْلِ مِنكُمْ وَٱلسَّعَةِ أَن يُؤْتُوٓاْ أُوْلِي ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينَ وَٱلْمُهَٰجِرِينَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِۖ وَلْيَعْفُواْ وَلْيَصْفَحُوٓاْۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَكُمْۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٌ﴾ [۲۲] قَالَ أَبُو بَكْرٍ: بَلٰى وَاللّٰهِ إِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِي، فَرَجَعَ إِلٰى مِسْطَحٍ النَّفَقَةَ الَّتِي كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ، وَقَالَ: وَاللّٰهِ لَا أَنْزِعُهَا مِنْهُ أَبَدًا. قَالَتْ عَائِشَةُ: وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَسْأَلُ زَيْنَبَ ابْنَةَ جَحْشٍ عَنْ أَمْرِي، فَقَالَ: «يَا زَيْنَبُ! مَاذَا

نے جو کچھ کہا تھا میں بھی وہی کچھ کہتی ہوں: ''اب صبر کرنا ہی بہتر ہے اور تمھاری باتوں پر اللہ میری مدد کرنے والا ہے۔'' پھر میں نے اپنا رخ دوسری طرف کرلیا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور میری براءت کرے گا، لیکن اللہ کی قسم! مجھے اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسی آیات نازل فرمائے گا جو ہمیشہ پڑھی جائیں گی۔ میں اپنی شان اس سے بہت کم تر سمجھتی تھی۔ ہاں، مجھے یہ امید ضرور تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی ایسا خواب دیکھیں گے جس سے آپ پر میری بے گناہی واضح ہوجائے گی۔ پھر اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ابھی اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے اور گھر والوں میں سے بھی کوئی باہر نہیں نکلا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور وہی کیفیت طاری ہوئی جو نزول کے وقت آپ پر طاری ہوتی تھی، یعنی آپ پسینے سے شرابور ہو گئے اور پسینہ موتیوں کی طرح آپ کے بدن سے ٹپکنے لگا، حالانکہ وہ دن سخت سردی کا تھا۔ یہ کیفیت آپ پر وحی کی شدت کی بنا پر طاری ہوتی تھی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ سے وحی ختم ہوئی تو آپ خوشی کی وجہ سے مسکرا رہے تھے۔ سب سے پہلا کلمہ جو آپ کی زبان سے نکلا: وہ یہ تھا: ''عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمھیں بری کردیا ہے۔'' میری والدہ نے کہا: اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں اٹھوں گی۔ میں تو صرف اللہ عزوجل کا شکریہ ادا کروں گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ﴾ آخر تک دس آیتیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے میری براءت میں یہ آیات نازل کر دیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، جو محتاجی اور رشتے داری کی وجہ سے حضرت

عَلِمْتِ أَوْ رَأَيْتِ؟» فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَحْمِي سَمْعِي وَبَصَرِي، مَا عَلِمْتُ إِلَّا خَيْرًا، قَالَتْ: وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِينِي مِنْ أَزْوَاجِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَعَصَمَهَا اللهُ بِالْوَرَعِ، وَطَفِقَتْ أُخْتُهَا حَمْنَةُ تُحَارِبُ لَهَا، فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْإِفْكِ. [راجع: ۲۵۹۳]

مسطح کی مدد کیا کرتے تھے اور اس کے اخراجات برداشت کرتے تھے، ان کے متعلق فرمایا: اللہ کی قسم! اب میں مسطح پر کبھی کچھ بھی خرچ نہیں کروں گا جبکہ اس نے حضرت عائشہ ؓ کے متعلق ایسی ایسی باتیں کی ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں انھیں اپنے قرابت داروں، مساکین اور مہاجرین کو فی سبیل اللہ دینے سے قسم نہیں کھا لینی چاہیے بلکہ انھیں معاف کر دینا چاہیے اور ان سے درگزر کر لینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے قصور معاف فرما دے؟ اور اللہ غفور رحیم ہے۔'' یہ آیت سن کر حضرت ابوبکر ؓ کہنے لگے: اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے۔ پھر وہ حضرت مسطح ؓ پر اسی طرح خرچ فرمانے لگے جس طرح پہلے خرچ کیا کرتے تھے۔ (ان سے پہلے والا حسن سلوک کرنے لگے) اور فرمایا: اللہ کی قسم! جب تک مسطح زندہ رہا میں یہ معمول بند نہیں کروں گا۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اس زمانہ تہمت میں رسول اللہ ﷺ زینب بنت جحش ؓ سے میرا حال پوچھتے: ''زینب تم عائشہ کو کیسی سمجھتی ہو اور تم نے کیا دیکھا ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اپنے کان اور آنکھ کی خوب احتیاط رکھتی ہوں، میں تو سیدہ عائشہ ؓ کو اچھا ہی خیال کرتی ہوں۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ ازواج مطہرات میں سے وہی ایک تھیں جو میرا مقابلہ کرتی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی پرہیز گاری کی وجہ سے انھیں تہمت لگانے سے محفوظ رکھا لیکن ان کی بہن حضرت حمنہ بنت جحش ان کے لیے جوش میں آئیں اور تہمت لگانے والوں کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئیں۔

فوائدومسائل: ① اس مفصل حدیث کے مطابق مسلمانوں کی مضبوط اخلاقی حالت کا درج ذیل امور سے پتا چلتا ہے۔ * رسول اللہ ﷺ خود اس واقعے کو ایک بہتان ہی خیال کرتے تھے، وہ صرف اپنی زوجۂ محترمہ ہی کو نہیں بلکہ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو بھی ایک پاکباز انسان سمجھتے تھے۔ * اپنے یقین کامل کے باوجود آپ نے اس واقعے کی حتمی تردید اس لیے نہ فرمائی کہ ایک شوہر کی اپنی بیوی کے لیے تردید مخالفین کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ * سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین بھی ذاتی طور پر انھیں پاکباز سمجھتے تھے جیسا کہ ان کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے، تاہم وہ بھی حتمی تردید اس لیے نہ کر سکتے تھے یا پاکباز کا بیان اس لیے نہ دے سکتے تھے کہ والدین کا اپنی بیٹی کے حق میں پاکبازی کا بیان مخالفین کا منہ بند نہیں کرسکتا تھا۔ * رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں سیدنا اسامہ بن زید اور سیدہ زینب بن جحش رضی اللہ عنہم سے پوچھا۔ یہ سب آپ کے گھر کے افراد تھے۔ سب نے پرزور الفاظ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکبازی کا بیان دیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوکن اور ان کے مقابلے کی چوٹ تھیں انھوں نے بھی آپ کے متعلق ذکر خیر ہی کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر کے فرد تھے، جن سے آپ نے پوچھا۔ انھوں نے اس الزام کی تردید یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکبازی بیان کرنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی پریشانی اور خوشنودی کا لحاظ رکھ کر جواب دیا لیکن ان کی زبان سے بھی کوئی ایسا لفظ نہیں نکلا جس سے اس الزام کی تائید ہوتی ہو یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات یا ان کی پاکبازی پر کوئی حرف آتا ہو۔ ② اس واقعے کا براہ راست صدمہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو پہنچا تھا اور آپ کے ایک ادنیٰ اشارے سے بہتان باندھنے والوں کا صفایا ہوسکتا تھا مگر جب قومی اور قبائلی عصبیت کی بنا پر جھگڑا شروع ہوا تو آپ نے یہ انتہائی تکلیف وہ صدمہ خود اپنی ذات پر برداشت کر لیا مگر مسلمانوں میں جھگڑا نہ ہونے دیا۔ ③ آپ اس سلسلے میں پورا مہینہ بے چین و بے تاب رہے، اس لیے کہ یقینی علم یا علم غیب آپ کو حاصل نہ تھا ورنہ رسول اللہ ﷺ دوسروں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نہ پوچھتے اور شاید اس تاخیر میں یہ مصلحت تھی کہ بعد میں آنے والے لوگ آپ کو عالم الغیب نہ سمجھنے لگیں یا اسے ثابت کرنے کے لیے کوشش نہ کریں۔ ④ اس واقعے کا قانونی پہلو یہ ہے کہ ایسی شہادتیں جو بدکاری پر دلالت کرتی ہوں وہ کبھی میسر بھی نہ آسکتی تھیں کیونکہ سب قرائن اس کے خلاف تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ پیچھے رہ جانے والی کوئی عام عورت نہ تھی بلکہ تمام مسلمانوں کی ماں تھی اور پیچھے سے آنے والا آدمی بھی پکا مسلمان ہی تھا جو انھیں واقعی اپنی ماں ہی سمجھتا تھا۔ وہ دونوں اس وقت یا دوران سفر میں ہم کلام نہیں ہوئے اور یہ سفر صبح سے دوپہر تک دن دیہاڑے ہوا۔ عورت اونٹ پر سوار ہے اور مرد خاموشی سے آگے آگے چل رہا ہے یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کے لشکر سے جا ملتا ہے، ایسے حالات میں بدگمانی کے محرک دو ہی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ بدگمانی کرنے والا خود بدباطن اور خبیث الفطرت انسان ہو جو ایسے حالات میں خود بھی کچھ سوچتا یا کرتا ہو اور اسی طرح دوسروں کو اپنی ہی طرح سمجھتا ہو اور دوسرا یہ کہ وہ ایسے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس طرح کی بکواس کرنے لگے۔ اس وقت کے منافقین میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی تھیں۔ واللہ المستعان.

(٧) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِى مَآ أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [١٤]

باب: 7- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے اس کی پاداش میں تمھیں بہت بڑا عذاب آلیتا'' کا بیان

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿تَلَقَّوْنَهُۥ﴾ [١٥]: يَرْوِيهِ بَعْضُكُمْ عَنْ بَعْضٍ. ﴿تُفِيضُونَ﴾ [يونس:٦١ والأحقاف:٨] تَقُولُونَ.

امام مجاہد نے کہا: تَلَقَّوْنَهٗ کے معنی ہیں: تم ایک دوسرے سے اس بات کو نقل کرنے لگے۔ تُفِیْضُوْنَ کے معنی ہیں: تَقُوْلُوْنَ، یعنی باتیں کرنے لگے۔

وضاحت: ایسے حالات میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت یہ تھی کہ اس نے مسلمانوں اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کو صبرو استقامت کی توفیق بخشی، ورنہ منافقین نے مسلمانوں پر ایسا کاری وار کیا تھا کہ اگر مسلمان جوابی کارروائی کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تو حالات کوئی سنگین صورت اختیار کر سکتے تھے۔ والله أعلم.

٤٧٥١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ أُمِّ رُومَانَ أُمِّ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: لَمَّا رُمِيَتْ عَائِشَةُ خَرَّتْ مَغْشِيًّا عَلَيْهَا.

[راجع: ٣٣٨٨]

[4751] حضرت ام رومان ؓ جو حضرت عائشہ ؓ کی والدہ ماجدہ ہیں، بیان کرتی ہیں کہ جب سیدہ عائشہ ؓ پر تہمت لگائی گئی تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی تھیں۔

فوائد ومسائل: ① اس کی تفصیل ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت ام رومان ؓ کو انصار کی عورت نے اس واقعے کی اطلاع دی تو حضرت عائشہ ؓ بھی وہاں موجود تھیں۔ انھوں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ باتیں سنی ہیں؟ اس نے بتایا کہ ہاں سنی ہیں۔ انھوں نے پوچھا: کیا ابوبکر ؓ کو ان کا پتا چل گیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ ؓ غش کھا کر گر پڑیں اور جب انھیں ہوش آیا تو سردی کا بخار چڑھا ہوا تھا۔ حضرت ام رومان ؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان پر کپڑے ڈال کر ڈھانپ دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پوچھا: انھیں کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! انھیں سردی کے ساتھ بخار چڑھ گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شاید اس نے اس طوفان بدتمیزی کو سن لیا ہے؟'' حضرت ام رومان ؓ نے جواب دیا: ہاں، سن لیا ہے۔[1] ② حافظ ابن حجر ؒ نے طبرانی کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے ارادہ کیا کہ کسی کنویں میں چھلانگ لگا کر خود کو ختم کر لوں۔[2]

---

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4143. 2 المعجم الأوسط للطبراني: 1/184، و فتح الباري: 8/592.

عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ آیت اور حدیث دونوں واقعۂ افک سے متعلق ہیں۔

(٨) بَابٌ: ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُۥ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ﴾ اَلْآيَةَ [١٥]

باب: 8- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جب تم اپنی زبانوں سے اس واقعے کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کے متعلق تمھیں کچھ علم نہ تھا'' کا بیان

وضاحت: محض سنی سنائی بات کو تحقیق کے بغیر آگے بیان کر دینا کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کر دے۔''[1] اس وقت مسلمان اسی قسم کے حالات سے دوچار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خبردار کیا ہے کہ ایسا کرنا تمھاری شان کے خلاف ہے۔

٤٧٥٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ: قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقْرَأُ: (إِذْ تَلِقُونَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ). [راجع: ٤١٤٤]

[4752] حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ ؓ سے سنا، وہ مذکورہ بالا آیت اس طرح پڑھ رہی تھیں: (اِذْ تَلِقُوْنَهُ بِاَلْسِنَتِكُمْ)

فائدہ: حضرت عائشہ ؓ اسے وَلَقَ يَلِقُ باب سے پڑھتی تھیں، جس کے معنی جھوٹ بولنا ہیں۔ اسے لام کے زیر اور قاف پر شد کے بجائے تخفیف کے ساتھ پڑھتی تھیں، جبکہ مشہور قراءت لام کے زبر اور قاف مشدد کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی منہ در منہ بات نقل کرنا ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ کی قراءت کے مطابق معنی یہ ہیں: ''جب تم اپنی زبانوں سے جھوٹ بول رہے تھے۔'' چنانچہ حضرت عائشہ ؓ نے خود اس کے معنی بیان کیے ہیں کہ ''الولق'' جھوٹ کے معنی میں ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ ؓ ان آیات کو دوسروں سے زیادہ جانتی تھیں کیونکہ یہ آیات خاص ان کی شان میں نازل ہوئی تھیں۔[2]

بَابٌ: ﴿وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَآ أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا﴾ اَلْآيَةَ [١٦]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جب تم نے یہ (بری بات) سنی تھی تو یوں کیوں نہ کہہ دیا: ہمیں یہ مناسب نہیں کہ ایسی بات کریں۔'' کا بیان

وضاحت: اس آیت میں ایک اخلاقی ضابطے کا بیان ہے کہ ہر ایک شخص کو دوسرے کے متعلق اس وقت تک حسن ظن ہی رکھنا چاہیے جب تک اس کے خلاف بدظنی کی کوئی یقینی وجہ علم میں نہ آ جائے۔ یہ اصول قطعاً غلط ہے کہ انسان ہر ایک کو شکوک و

---

1 صحيح مسلم، مقدمة الإمام مسلم، حديث: 7. 2 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4144.

شبہات کی نظر سے دیکھے۔ یہاں تو معاملہ اور بھی زیادہ سنگین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ محترمہ پر محض بدظنی کی بنیاد پر ایک بہتان لگا۔ اسے ہوا دینا اور اس کا چرچا کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مسلمانوں کو تو صاف صاف کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے، چنانچہ جب اس بہتان کا عام چرچا ہونے لگا تو ایک دن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا: لوگ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تم خود ہی بتاؤ کہ تم ایسا کام کر سکتی ہو؟ وہ کہنے لگی: ہرگز نہیں۔ انھوں نے فرمایا: عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تجھ سے بڑھ کر پاک دامن ہیں۔ ان کی نسبت ایسا گمان کیوں کیا جائے؟ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔[1] مسلمانوں کی اکثریت کا انداز فکر یہی تھا۔

٤٧٥٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: اِسْتَأْذَنَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَبْلَ مَوْتِهَا عَلَى عَائِشَةَ وَهِيَ مَغْلُوبَةٌ، قَالَتْ: أَخْشٰى أَنْ يُثْنِيَ عَلَيَّ، فَقِيلَ: اِبْنُ عَمِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَمِنْ وُّجُوهِ الْمُسْلِمِينَ! قَالَتْ: اِئْذَنُوا لَهُ، فَقَالَ: كَيْفَ تَجِدِينَكِ؟ قَالَتْ: بِخَيْرٍ إِنِ اتَّقَيْتُ، قَالَ: فَأَنْتِ بِخَيْرٍ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى، زَوْجَةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَمْ يَنْكِحْ بِكْرًا غَيْرَكِ، وَنَزَلَ عُذْرُكِ مِنَ السَّمَاءِ، وَدَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ خِلَافَهُ فَقَالَتْ: دَخَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأَثْنٰى عَلَيَّ وَوَدِدْتُ أَنِّي كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا. [راجع: ٣٧٧١]

[4753] حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے جبکہ وہ نزع کی حالت میں تھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ مبادا میری تعریف کرنے لگیں۔ کسی نے عرض کی: وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد اور عزت دار انسان ہیں! انھوں نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا: آپ کس حال میں ہیں؟ انھوں نے فرمایا: اگر میں اللہ کے ہاں اچھی ہوں تو سب اچھا ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان شاء اللہ آپ اچھی ہی رہیں گی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ مطہرہ ہیں۔ آپ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں کیا۔ آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بعد آپ کی خدمت میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے تو محترمہ صدیقۂ کائنات رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: ابھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے تھے، انھوں نے میری تعریف کی۔ میں تو چاہتی ہوں کاش میں بھولی بسری گمنام ہوتی۔

٤٧٥٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ

[4754] حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

[1] تفسیر ابن کثیر: 301/3.

الْقَاسِمِ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا اسْتَأْذَنَ عَلٰى عَائِشَةَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ: نَسْيًا مَّنْسِيًّا. [راجع: ٣٧٧١]

پاس آنے کی اجازت چاہی۔ پھر راوی نے مذکورہ بالا حدیث کی طرح واقعہ بیان کیا لیکن اس روایت میں راوی نے نَسْيًا مَنْسِيًّا کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عائشہ ؓ کا مقصد تھا کہ تعریف سے آدمی کے اندر خود پسندی اور تکبر کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور یہ ایسا وقت ہے کہ اس میں آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اپنے نفس کی طرف توجہ کسی بھی طرح سے مناسب نہیں ہے، اس لیے حضرت ابن عباس ؓ کو اجازت دینے میں انھیں کچھ تامل ہوا۔ ان کے جانے کے بعد آپ نے جو کچھ کہا اس سے حضرت عائشہ ؓ کی خشیت الٰہی اور تقویٰ کے بلند مقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ② واقعی اولیاء اللہ اور بزرگ لوگ گمنامی ہی پسند کرتے ہیں۔ انھوں نے شہرت و ناموری کو کبھی اپنے پاس نہیں آنے دیا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ ان کی اچھی شہرت کر دے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈال دے تو ''رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ'' سمجھ کر خاموش رہتے ہیں۔

(٩) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا﴾ الْآيَةَ [١٧]

باب: 9- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ (اگر تم مومن ہو تو) آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا'' کا بیان

وضاحت: ایمان داروں کو خبردار کیا گیا ہے کہ آئندہ منافقین کی ایسی مخالفانہ چالوں سے ہوشیار اور چوکس رہنا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کی عظمت و شان کو بھی ملحوظ رکھنا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں حضرت حسان بن ثابت ؓ کو تنبیہ کی گئی ہے۔

٤٧٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَّسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا، قُلْتُ: أَتَأْذَنِينَ لِهٰذَا؟ قَالَتْ: أَوَ لَيْسَ قَدْ أَصَابَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ؟ - قَالَ سُفْيَانُ: تَعْنِي ذَهَابَ بَصَرِهِ - فَقَالَ:

[4755] حضرت مسروق سے روایت ہے، وہ حضرت عائشہ ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت ؓ نے حضرت عائشہ سے ملاقات کرنے کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: آپ انھیں بھی اجازت دیتی ہیں؟ اس پر انھوں نے فرمایا: کیا انھیں بہتان لگانے کی بڑی سزا نہیں ملی؟ ان کا اشارہ ان کے نابینا ہونے کی طرف تھا، پھر حضرت حسان ؓ نے یہ شعر پڑھا:

حَصَانٌ رَّزَانٌ مَّا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثٰى مِنْ لُّحُومِ الْغَوَافِلِ

''عفیفہ اور بڑی زیرک ہیں۔ ان کے متعلق کسی کو شبہ بھی نہیں گزر سکتا۔ وہ غافل اور پاکدامن عورتوں کا گوشت

کھانے سے مکمل پرہیز کرتی ہیں۔''

قَالَتْ : لٰكِنْ أَنْتَ ! . [راجع : ٤١٤٦]

حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: لیکن تم!

فوائدومسائل: ① حضرت عائشہ ؓ نے حضرت حسان بن ثابت ؓ کو تنبیہ فرمائی کہ تم تہمت لگانے والوں کے ساتھ شریک ہوکر غیبت کر کے لوگوں کا گوشت کھانے سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ لیکن وہ حضرت حسان ؓ کا دفاع بھی کرتی تھیں۔ انھوں نے فرمایا: حضرت حسان ؓ رسول اللہ ﷺ کی حمایت کیا کرتے تھے۔[1] ② حضرت حسان ؓ سے تہمت لگانے کی غلطی ضرور ہوئی تھی لیکن انھوں نے اس جرم سے توبہ کر لی تھی۔ بہر حال حضرت عائشہ ؓ کا دل، غلطی کی وجہ سے تہمت لگانے والے صحابۂ کرام ؓ کے متعلق صاف ہو گیا تھا لیکن جب بھی اس واقعے کا تذکرہ ہوتا تو دل کا رنجیدہ ہونا ایک فطری امر تھا۔ اس مقام پر بھی حضرت عائشہ ؓ نے حضرت حسان بن ثابت ؓ کے متعلق چبھتا ہوا جملہ اسی تأثر کے پیش نظر بولا تھا۔ و اللّٰہ أعلم.

(١٠) بَابٌ : ﴿وَيُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْآيَٰتِ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [١٨]

باب: 10- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور اللہ تمھیں واضح ہدایات دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا کمال حکمت والا ہے'' کا بیان

٤٧٥٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ : أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ : دَخَلَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ عَلٰى عَائِشَةَ فَشَبَّبَ وَقَالَ :

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثٰى مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

قَالَتْ عَائِشَةُ : لَسْتَ كَذَاكَ، قُلْتُ : تَدَعِينَ مِثْلَ هٰذَا يَدْخُلُ عَلَيْكِ وَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ : ﴿وَٱلَّذِى تَوَلَّىٰ كِبْرَهُۥ مِنْهُمْ﴾ [١١] فَقَالَتْ : وَأَيُّ عَذَابٍ أَشَدُّ مِنَ الْعَمٰى، وَقَالَتْ : وَقَدْ كَانَ يَرُدُّ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ . [راجع : ٤١٤٦]

[4756] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت حسان بن ثابت ؓ، حضرت عائشہ ؓ کے ہاں حاضر ہو کر اس طرح تعریفی اشعار پڑھنے لگے: وہ پاکدامن اور زیرک و دانا ہیں۔ کبھی کسی شک و شبہ سے متہم نہیں ہوئیں۔ آپ بے خبر اور پاکباز عورتوں کا گوشت کھانے سے مکمل پرہیز کرتی ہیں۔ اس پر حضرت عائشہ ؓ نے ان سے کہا: لیکن حسان! تم تو ایسے نہیں ہو۔ میں نے عرض کی: آپ بھی تو ایسے آدمی اپنے پاس آنے کے لیے چھوڑ دیتی ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور جس نے اس واقعہ میں سب سے زیادہ حصہ لیا......'' حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: نابینا ہونے سے بڑھ کر اور کیا عذاب ہو سکتا ہے۔ پھر انھوں نے فرمایا: حضرت حسان ؓ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے۔

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث : 4146.

فوائد و مسائل: ① ”اے حسان! تم ایسے نہیں ہو۔“ حضرت عائشہ ؓ نے یہ کلمہ اس لیے فرمایا تا کہ حضرت حسان ؓ توبہ و استغفار میں مزید کوشش کریں اور آئندہ ایسا کام کرنے سے بچیں۔ ② حضرت حسان ؓ سے اگرچہ ایک غلطی سرزد ہو گئی تھی لیکن ان میں ایک ہنر بھی ہے جو ان کے عیب کے مقابلے میں کہیں وزنی ہے۔ وہ کفار کی نظم و نثر میں ہجو کرتے تھے۔ اس عظیم ہنر کے ہوتے ہوئے ان کا ایک عیب درگزر کرنے کے قابل ہے۔ ③ حضرت عروہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ ؓ اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ ان کے سامنے حضرت حسان ؓ کو برا بھلا کہا جائے اور فرماتی تھیں کہ وہ حسان ہی تھے جو یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

فَإِنَّ أَبِي وَ وَالِدَهُ وَ عِرْضِي لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

میرا باپ، دادا اور میری عزت و آبرو رسول اللہ ﷺ کی عزت و آبرو کے لیے ڈھال ہے۔[1] ایک روایت میں ہے کہ عروہ نے حضرت عائشہ ؓ کے سامنے حضرت حسان بن ثابت ؓ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا: ”انھیں برا بھلا نہ کہو وہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔“[2]

(١١) بَابٌ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ ٱلْفَٰحِشَةُ فِى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟﴾ الْآيَةَ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [١٩-٢٠]: ﴿تَشِيعَ﴾ تَظْهَرَ ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُو۟لُوا۟ ٱلْفَضْلِ مِنكُمْ وَٱلسَّعَةِ أَن يُؤْتُوٓا۟ أُو۟لِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [٢٢]

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: ”جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی کو رواج دینے کے خواہش مند ہیں..... شفقت کرنے والا بہت مہربان ہے۔ تَشِيعَ کے معنی ہیں: ظاہر اور نمایاں ہونا۔ ”اور نہ قسم کھائیں تم میں سے بزرگی اور کشادگی والے کہ وہ اپنے قرابت داروں، مسکینوں...... اور اللہ تعالیٰ بے حد معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے“ کا بیان

وضاحت: واقعۂ افک بھی بے حیائی اور فحاشی پھیلانے کا ایک سبب تھا، اس لیے مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ انھیں ایسے کام سے بچنا چاہیے جو فواحش و منکرات (بے حیائی اور فحاشی) کے پھیلنے کا باعث ہو۔ امام بخاری ؒ نے اس غرض سے واقعۂ افک کو ایک دوسرے طریق سے بیان فرمایا ہے۔

٤٧٥٧ - وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا ذُكِرَ مِنْ شَأْنِي الَّذِي ذُكِرَ، وَمَا عَلِمْتُ بِهِ، قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِيَّ خَطِيبًا فَتَشَهَّدَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ،

[4757] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب میرے متعلق ایسی باتیں کہی گئیں جن کا مجھے گمان بھی نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ میرے معاملے میں (لوگوں کو) خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد اللہ کی شایان شان حمد و ثنا

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4141. 2 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4145.

أَشِيرُوا عَلَيَّ فِي أُنَاسٍ أَبَنُوا أَهْلِي، وَايْمُ اللهِ! مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي مِنْ سُوءٍ، وَأَبَنُوهُمْ بِمَنْ وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَطُّ، وَلَا يَدْخُلُ بَيْتِي قَطُّ إِلَّا وَأَنَا حَاضِرٌ، وَلَا غِبْتُ فِي سَفَرٍ إِلَّا غَابَ مَعِيَ». فَقَامَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ: ائْذَنْ لِّي يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ نَّضْرِبَ أَعْنَاقَهُمْ، وَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي الْخَزْرَجِ - وَكَانَتْ أُمُّ حَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ مِّنْ رَهْطِ ذٰلِكَ الرَّجُلِ - فَقَالَ: كَذَبْتَ، أَمَا وَاللهِ أَنْ لَّوْ كَانُوا مِنَ الْأَوْسِ مَا أَحْبَبْتَ أَنْ تُضْرَبَ أَعْنَاقُهُمْ، حَتّٰى كَادَ أَنْ يَّكُونَ بَيْنَ الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ شَرٌّ فِي الْمَسْجِدِ وَمَا عَلِمْتُ، فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ ذٰلِكَ الْيَوْمِ خَرَجْتُ لِبَعْضِ حَاجَتِي وَمَعِيَ أُمُّ مِسْطَحٍ فَعَثَرَتْ وَقَالَتْ: تَعِسَ مِسْطَحٌ، فَقُلْتُ: أَيْ أُمِّ، تَسُبِّينَ ابْنَكِ؟ وَسَكَتَتْ، ثُمَّ عَثَرَتِ الثَّانِيَةَ فَقَالَتْ: تَعِسَ مِسْطَحٌ، فَقُلْتُ لَهَا: تَسُبِّينَ ابْنَكِ؟ ثُمَّ عَثَرَتِ الثَّالِثَةَ فَقَالَتْ: تَعِسَ مِسْطَحٌ، فَانْتَهَرْتُهَا، فَقَالَتْ: وَاللهِ مَا أَسُبُّهُ إِلَّا فِيكِ، فَقُلْتُ: فِي أَيِّ شَأْنِي؟ قَالَتْ: فَبَقَرَتْ لِيَ الْحَدِيثَ، فَقُلْتُ: وَقَدْ كَانَ هٰذَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَاللهِ.

کی، پھر فرمایا: اما بعد! ''تم لوگ مجھے ایسے لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنھوں نے میری اہلیہ پر تہمت لگائی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے اپنی اہلیہ میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔ اور انھوں نے ایسے شخص کے متعلق تہمت لگائی ہے کہ اللہ کی قسم! اس میں بھی میں نے کوئی برائی نہیں دیکھی۔ وہ میرے گھر میں جب بھی آیا میری اجازت سے داخل ہوا اور اگر میں کبھی سفر کی وجہ سے مدینے میں نہیں ہوتا تو وہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ تو میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔'' اس کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! ہمیں اجازت دیں، ہم ایسے لوگوں کی گردنیں اڑا دیں۔ اس کے بعد قبیلۂ خزرج کے ایک صاحب کھڑے ہوئے، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی والدہ اسی آدمی کے قبیلے سے تھیں، انھوں نے کھڑے ہو کر کہا: تم غلط کہتے ہو۔ اگر وہ لوگ قبیلۂ اوس سے ہوتے تو تم انھیں قتل کرنا کبھی پسند نہ کرتے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسجد ہی میں قبیلۂ اوس اور خزرج میں باہم فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس فساد کی مجھے کوئی خبر نہ تھی۔ میں اسی دن شام کے وقت قضائے حاجت کے لیے باہر نکلی جبکہ میرے ہمراہ ام مسطح بھی تھیں۔ وہ راستے میں پھسلیں تو ان کی زبان سے نکلا: مسطح کو اللہ غارت کرے۔ میں نے کہا: تم اپنے بیٹے کو کوستی ہو؟ اس پر وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر وہ دوبارہ پھسلیں تو ان کی زبان سے وہی الفاظ نکلے کہ مسطح کو اللہ مارے۔ میں نے پھر کہا: تم اپنے بیٹے کو کوستی ہو؟ پھر وہ تیسری دفعہ پھسلیں تو انھوں نے پھر وہی لفظ کہے: اللہ مسطح کو غارت کرے۔ میں نے پھر انھیں جھڑکا تو انھوں نے بتایا کہ اللہ کی قسم! میں تو آپ ہی کی وجہ سے اسے کوس رہی ہوں۔ میں نے کہا: میری وجہ سے کیسے؟ تب انھوں نے مجھ سے اس طوفان کا سارا واقعہ

بیان کیا۔ میں نے پوچھا: کیا واقعی یہ سب کچھ کہا گیا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم!

فَرَجَعْتُ إِلٰى بَيْتِي كَأَنَّ الَّذِي خَرَجْتُ لَهُ لَا أَجِدُ مِنْهُ قَلِيلًا وَّلَا كَثِيرًا، وَوُعِكْتُ فَقُلْتُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: أَرْسِلْنِي إِلٰى بَيْتِ أَبِي، فَأَرْسَلَ مَعِيَ الْغُلَامَ فَدَخَلْتُ الدَّارَ فَوَجَدْتُ أُمَّ رُومَانَ فِي السُّفْلِ وَأَبَا بَكْرٍ فَوْقَ الْبَيْتِ يَقْرَأُ، فَقَالَتْ أُمِّي: مَا جَاءَ بِكِ يَا بُنَيَّةُ؟ فَأَخْبَرْتُهَا وَذَكَرْتُ لَهَا الْحَدِيثَ، وَإِذَا هُوَ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهَا مِثْلَ مَا بَلَغَ مِنِّي، فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّةُ! خَفِّضِي عَلَيْكِ الشَّأْنَ، فَإِنَّهُ وَاللهِ لَقَلَّمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ قَطُّ حَسْنَاءُ عِنْدَ رَجُلٍ يُحِبُّهَا لَهَا ضَرَائِرُ إِلَّا حَسَدْنَهَا وَقِيلَ فِيهَا، وَإِذَا لَمْ يَبْلُغْ مِنْهَا مَا بَلَغَ مِنِّي، قُلْتُ: وَقَدْ عَلِمَ بِهِ أَبِي؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَرَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ.

اس کے بعد میں اپنے گھر واپس آ گئی۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ میں کس کام کے لیے باہر گئی تھی اور کہاں سے آئی ہوں۔ ذرہ برابر بھی مجھے اس کا احساس نہیں رہا۔ اس کے بعد مجھے بخار ہو گیا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: مجھے میرے والدین کے گھر پہنچا دیں۔ آپ نے میرے ساتھ ایک بچہ بھیج دیا۔ میں اپنے (والدین کے) گھر پہنچی تو میں نے دیکھا کہ (میری والدہ) ام رومان رضی اللہ عنہا نچلے حصے میں ہیں اور میرے والد گرامی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بالا خانے میں قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہیں۔ میری والدہ نے پوچھا: پیاری بیٹی! اس وقت کیسے آنا ہوا؟ میں نے وجہ بتائی اور واقعے کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا لیکن ان باتوں کا جتنا غم مجھے تھا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اتنی پریشانی نہیں تھی۔ انھوں نے فرمایا: بٹیا! اتنا فکر کیوں کرتی ہو؟ کم ہی کوئی ایسی خوبصورت عورت کسی ایسے مرد کے نکاح میں ہوگی جو اس سے محبت بھی رکھتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اور وہ اس سے حسد نہ کریں اور اس میں سو عیب نہ نکالیں۔ وہ اس تہمت سے اتنا متاثر نہیں تھیں جس قدر میں پریشان تھی۔ میں نے پوچھا: والد گرامی کے علم میں بھی یہ تمام باتیں آ گئی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ میں نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ بھی ان سے باخبر ہیں؟ انھوں نے بتایا: رسول اللہ ﷺ بھی (اس سے آگاہ ہیں)۔

وَاسْتَعْبَرْتُ وَبَكَيْتُ فَسَمِعَ أَبُو بَكْرٍ صَوْتِي وَهُوَ فَوْقَ الْبَيْتِ يَقْرَأُ فَنَزَلَ فَقَالَ لِأُمِّي: مَا شَأْنُهَا؟ قَالَتْ: بَلَغَهَا الَّذِي ذُكِرَ مِنْ شَأْنِهَا

میں یہ سن کر رونے لگی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میرے رونے کی آواز سن لی، وہ گھر کے بالائی حصے میں قرآن پڑھ رہے تھے، اتر کر نیچے آئے اور والدہ سے پوچھا کہ اسے کیا

فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، قَالَ: أَقْسَمْتُ عَلَيْكِ أَيْ بُنَيَّةُ! إِلَّا رَجَعْتِ إِلٰى بَيْتِكِ، فَرَجَعْتُ، وَلَقَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْتِي فَسَأَلَ عَنِّي خَادِمَتِي فَقَالَتْ: لَا وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا عَيْبًا إِلَّا أَنَّهَا كَانَتْ تَرْقُدُ حَتّٰى تَدْخُلَ الشَّاةُ فَتَأْكُلَ خَمِيرَهَا أَوْ عَجِينَهَا، وَانْتَهَرَهَا بَعْضُ أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أُصْدُقِي رَسُولَ اللهِ ﷺ، حَتّٰى أَسْقَطُوا لَهَا بِهِ، فَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللهِ، وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا إِلَّا مَا يَعْلَمُ الصَّائِغُ عَلٰى تِبْرِ الذَّهَبِ الْأَحْمَرِ، وَبَلَغَ الْأَمْرُ إِلٰى ذٰلِكَ الرَّجُلِ الَّذِي قِيلَ لَهُ، فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ، وَاللهِ مَا كَشَفْتُ كَنَفَ أُنْثٰى قَطُّ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُتِلَ شَهِيدًا فِي سَبِيلِ اللهِ، قَالَتْ: وَأَصْبَحَ أَبَوَايَ عِنْدِي فَلَمْ يَزَالَا حَتّٰى دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَدْ صَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ دَخَلَ وَقَدِ اكْتَنَفَنِي أَبَوَايَ عَنْ يَّمِينِي وَعَنْ شِمَالِي، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ، يَا عَائِشَةُ! إِنْ كُنْتِ قَارَفْتِ سُوءًا أَوْ ظَلَمْتِ فَتُوبِي إِلَى اللهِ، فَإِنَّ اللهَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ»، قَالَتْ: وَقَدْ جَاءَتِ امْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَهِيَ جَالِسَةٌ بِالْبَابِ، فَقُلْتُ: أَلَا تَسْتَحْيِ مِنْ هٰذِهِ الْمَرْأَةِ أَنْ تَذْكُرَ شَيْئًا؟ فَوَعَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَالْتَفَتُّ إِلٰى أَبِي فَقُلْتُ: أَجِبْهُ، قَالَ: فَمَاذَا أَقُولُ؟ فَالْتَفَتُّ إِلٰى أُمِّي فَقُلْتُ: أَجِيبِيهِ، فَقَالَتْ: أَقُولُ مَاذَا؟ فَلَمَّا لَمْ يُجِيبَاهُ تَشَهَّدْتُّ فَحَمِدْتُّ اللهَ تَعَالٰى وَأَثْنَيْتُ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قُلْتُ: أَمَّا بَعْدُ، فَوَاللهِ لَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ: إِنِّي

ہوا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ وہ تمام باتیں انھیں بھی معلوم ہو گئی ہیں جو ان کے متعلق کہی جا رہی ہیں۔ ان کی بھی آنکھیں بھر آئیں اور انھوں نے فرمایا: بیٹی! میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ، چنانچہ میں واپس چلی آئی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے حجرے میں تشریف لائے اور آپ نے میرے بارے میں ہماری خادمہ سے دریافت کیا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کے اندر کوئی عیب نہیں جانتی، البتہ بسا اوقات ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ سو جایا کرتی ہیں کہ گھر کی بکری ان کا گوندھا ہوا آٹا کھا جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ نے ڈانٹ کر اس خادمہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کو صحیح صحیح بات کیوں نہیں بتا دیتی۔ پھر انھوں نے کھل کر صاف الفاظ میں ان سے اس واقعے کی تصدیق چاہی۔ اس پر وہ گویا ہوئیں: سبحان اللہ! میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح جانتی ہوں جس طرح زرگر کھرے سونے کو جانتا ہے۔ اس تہمت کی خبر جب اس شخص کو ہوئی جس کے ساتھ مجھے متہم کیا گیا تھا تو اس نے کہا: سبحان اللہ! اللہ کی قسم! میں نے آج تک کسی عورت کا کپڑا نہیں کھولا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس کے بعد انھوں نے اللہ کے راستے میں شہادت پائی تھی۔ الغرض صبح کے وقت میرے والدین میرے پاس آگئے اور میرے پاس ہی رہے۔ عصر کی نماز پڑھ کر رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ میرے والدین مجھے دائیں اور بائیں سے پکڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا: ''اے عائشہ! اگر تم نے واقعی کوئی برا کام کیا ہے اور اپنے اوپر ظلم کیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو کیونکہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔'' اس دوران میں ایک انصاری خاتون بھی آگئیں جو دروازے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے

لَمْ أَفْعَلْ، وَاللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَشْهَدُ إِنِّي لَصَادِقَةٌ، مَا ذَاكَ بِنَافِعِي عِنْدَكُمْ، لَقَدْ تَكَلَّمْتُمْ بِهِ وَأُشْرِبَتْهُ قُلُوبُكُمْ، وَإِنْ قُلْتُ: إِنِّي فَعَلْتُ، وَاللهُ يَعْلَمُ أَنِّي لَمْ أَفْعَلْ لَتَقُولُنَّ قَدْ بَاءَتْ بِهِ عَلٰى نَفْسِهَا، وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَجِدُ لِي وَلَكُمْ مَثَلًا - وَالْتَمَسْتُ اسْمَ يَعْقُوبَ فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهِ - إِلَّا أَبَا يُوسُفَ حِينَ قَالَ: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ﴾ [يوسف: ١٨]. وَأُنْزِلَ عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ سَاعَتِهِ فَسَكَتْنَا فَرُفِعَ عَنْهُ وَإِنِّي لَأَتَبَيَّنُ السُّرُورَ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ يَمْسَحُ جَبِينَهُ، وَيَقُولُ: «أَبْشِرِي يَا عَائِشَةُ! فَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ بَرَاءَتَكِ». قَالَتْ: وَكُنْتُ أَشَدَّ مَا كُنْتُ غَضَبًا، فَقَالَ لِي أَبَوَايَ: قُومِي إِلَيْهِ، فَقُلْتُ: وَاللهِ لَا أَقُومُ إِلَيْهِ وَلَا أَحْمَدُهُ وَلَا أَحْمَدُكُمَا، وَلَكِنْ أَحْمَدُ اللهَ الَّذِي أَنْزَلَ بَرَاءَتِي، لَقَدْ سَمِعْتُمُوهُ فَمَا أَنْكَرْتُمُوهُ وَلَا غَيَّرْتُمُوهُ.

کہا: آپ اس خاتون کا لحاظ بھی نہیں کرتے، مبادا وہ باہر جا کر کوئی بات کہہ دے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے وعظ و نصیحت فرمائی تو میں اپنے والد کی طرف متوجہ ہوئی اور ان سے عرض کی: آپ ﷺ کو آپ ہی اس کا جواب دیں۔ انھوں نے کہا: میں اس کے متعلق کیا کہوں؟ پھر میں اپنی والدہ کی طرف متوجہ ہوئی اور انھیں کہا: آپ میری طرف سے جواب دیں۔ انھوں نے بھی یہی کہا کہ میں کیا کہوں؟ جب کسی نے میری طرف سے کوئی بات نہ کی تو میں نے خطبہ پڑھا اور اللہ کی شایان شان حمد و ثنا کی اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں آپ لوگوں سے کہوں کہ میں نے اس طرح کا کوئی کام نہیں کیا اور اللہ گواہ ہے کہ میں اپنے اس دعویٰ میں سچی ہوں، تو بھی تمھارے ہاں میری یہ بات مجھے کوئی فائدہ نہیں دے گی کیونکہ آپ لوگوں نے یہ باتیں کی ہیں اور آپ کے دل و دماغ میں یہ باتیں رچ بس گئی ہیں۔ اور اگر میں یہ بات کہہ دوں کہ میں نے واقعی یہ کام کیا ہے، حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں نے ایسا کام نہیں کیا ہے تو آپ لوگ کہیں گے کہ اس نے تو اقرار جرم خود کر لیا ہے۔ اللہ کی قسم! میری اور آپ لوگوں کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے والد جیسی ہے جب انھوں نے فرمایا تھا: ”صبر ہی اچھا ہے اور تم لوگ جو کچھ بیان کرتے ہو اس پر میری اللہ ہی مدد کرے گا۔“ میں نے ذہن پر بہت زور دیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام یاد آ جائے لیکن اس وقت یاد نہ آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا اور ہم سب خاموش ہو گئے۔ پھر آپ سے یہ کیفیت ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ خوشی آپ کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیشانی کو صاف کرتے ہوئے فرمایا: ”عائشہ! تمھیں بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھاری پاکدامنی

نازل کردی ہے۔'' اس وقت مجھے بہت غصہ آ رہا تھا۔ میرے والدین نے مجھ سے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑی ہو جاؤ۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑی نہیں ہوں گی اور نہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں گی اور نہ تمھارا شکریہ ادا کروں گی۔ میں تو صرف اپنے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری براءت نازل کی ہے۔ آپ لوگوں نے تو یہ طوفان بدتمیزی سنا، نہ تو آپ اس کا انکار کر سکے اور نہ اسے ختم کرنے ہی کی کوئی کوشش کی۔

وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَقُولُ: أَمَّا زَيْنَبُ ابْنَةُ جَحْشٍ فَعَصَمَهَا اللهُ بِدِينِهَا فَلَمْ تَقُلْ إِلَّا خَيْرًا، وَأَمَّا أُخْتُهَا حَمْنَةُ فَهَلَكَتْ فِيمَنْ هَلَكَ، وَكَانَ الَّذِي يَتَكَلَّمُ فِيهِ مِسْطَحٌ وَّحَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ وَّالْمُنَافِقُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ وَّهُوَ الَّذِي كَانَ يَسْتَوْشِيهِ وَيَجْمَعُهُ، وَهُوَ الَّذِي تَوَلّٰى كِبْرَهُ مِنْهُمْ هُوَ وَحَمْنَةُ، قَالَتْ: فَحَلَفَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ لَّا يَنْفَعَ مِسْطَحًا بِنَافِعَةٍ أَبَدًا، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ﴾ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ، يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ ﴿وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ﴾ يَعْنِي مِسْطَحًا، إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ حَتّٰى قَالَ أَبُو بَكْرٍ: بَلٰى وَاللهِ يَا رَبَّنَا إِنَّا لَنُحِبُّ أَنْ تَغْفِرَ لَنَا، وَعَادَ لَهُ بِمَا كَانَ يَصْنَعُ. [راجع: ٢٥٩٣]

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش ؓ کو اللہ تعالیٰ نے ان کی دینداری کی وجہ سے اس تہمت میں پڑنے سے بچا لیا۔ میری بابت انھوں نے خیر کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کی، البتہ ان کی بہن حمنہ بنت جحش ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئی۔ اس طوفان کو پھیلانے میں مسطح، حسان اور منافق عبداللہ بن ابی نے حصہ لیا تھا۔ عبداللہ بن ابی تو اس کے متعلق بہت کرید کرتا اور اس پر حاشیہ چڑھاتا تھا۔ وہی اس طوفان کا بانی مبانی تھا اور وَالَّذِی تَوَلّٰی کِبْرَهٗ سے مراد وہ اور حمنہ ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے بیان کیا کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر ؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ وہ مسطح کو کبھی بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور جو لوگ تم میں سے بزرگی والے اور فراخ دست ہیں۔'' اس سے مراد حضرت ابوبکر ؓ ہیں۔ ''وہ قرابت داروں اور مساکین کو نہ دینے کی قسم نہ اٹھائیں۔'' اس سے مراد حضرت مسطح ہیں۔ ''کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے قصور معاف کر دے؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد مغفرت کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! ہمارے رب! ہم تو اس بات کے خواہش مند ہیں کہ تو ہماری مغفرت فرما دے۔ پھر انھوں نے مسطح کا وظیفہ پہلے کی طرح جاری کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب دان نہیں تھے۔ قرآن کریم میں کئی آیات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔ جو لوگ آپ کو غیب دان کہتے ہیں وہ آپ پر تہمت لگاتے ہیں۔ اگر آپ کو غیب کا علم ہوتا تو روز اول ہی سے اس جھوٹ کی قلعی کھول دیتے اور دشمنوں کی زبانیں بند کر دیتے لیکن اس سلسلے میں آپ کو کافی دنوں تک انتظار کرنا پڑا، آخر سورۂ نور نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کو قیامت تک کے لیے قرآن مجید میں محفوظ کر دیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طویل حدیث کو فحاشی اور بے حیائی کے پھیلانے اور ان کی سنگینی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ واقعی جو لوگ اس طرح کے الزامات گھڑ کر اور انھیں پھیلا کر مسلم معاشرے میں بداخلاقی پھیلانے اور امت مسلمہ کے اخلاق پر دھبا لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ سزا کے مستحق ہیں۔ ایسے لوگوں کو صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی سزا ملنی چاہیے۔ ایک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ فحاشی اور بے حیائی پھیلانے والے تمام ذرائع و وسائل کا سدباب کرے۔ آیت کریمہ کے الفاظ بے حیائی اور فحاشی پھیلانے کی تمام صورتوں کو شامل ہیں۔ اپنے عموم کے اعتبار سے ان کا اطلاق عملاً بدکاری کے اڈے قائم کرنے اور بازار حسن کے اجازت نامے دینے پر بھی ہوتا ہے اور بداخلاقی کی ترغیب دینے والے اور اس کے لیے جذبات کو ابھارنے والے قصوں، کہانیوں، اشعار، گانوں، تصویروں اور کھیل تماشوں پر بھی ہوتا ہے، نیز وہ کلب، ہوٹل اور دوسرے ادارے بھی ان کی زد میں آجاتے ہیں جن میں مخلوط رقص اور مخلوط تفریحات کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس میں نیٹ کیفے، کیبل، ویڈیو، تصویر والے موبائل اور ان کی تمام حرکات وسکنات آجاتی ہیں جن سے فواحش ومنکرات کو ہوا ملتی ہے۔ اسلامی حکومت کے قانون تعزیرات میں یہ تمام کام واجب سزا اور قابل دست اندازی پولیس ہونے چاہییں۔ واللہ أعلم.

(۱۲) بَابُ: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ [۳۱]	باب: 12- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رکھیں'' کا بیان

وضاحت: زمانۂ جاہلیت میں خواتین سروں پر ایک طرح کے کساوے سے باندھے رکھتی تھیں جن کی گرہ جوڑے کی طرح پیچھے چوٹی پر لگائی جاتی تھی۔ سامنے گریبان کا ایک حصہ کھلا رہتا تھا جس سے گلا اور سینے کا بالائی حصہ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ چھاتی پر قمیص کے علاوہ اور کوئی چیز نہ ہوتی تھی اور پیچھے بالوں کی دو دو تین تین چوٹیاں لہراتی رہتی تھیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمان خواتین میں دوپٹا رائج کیا گیا جیسا کہ درج ذیل احادیث سے پتہ چلتا ہے۔

٤٧٥٨ - وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ

[4758] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر رحم کرے جنھوں نے پہلے

عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: يَرْحَمُ اللهُ نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْأُوَلَ، لَمَّا أَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ شَقَّقْنَ مُرُوطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهِ. [انظر: ٤٧٥٩]

پہل ہجرت کی تھی! جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ''اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھا کریں۔'' تو انھوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر ان کے دوپٹے بنا لیے تھے۔

٤٧٥٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَانَتْ تَقُولُ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ أَخَذْنَ أُزْرَهُنَّ فَشَقَّقْنَهَا مِنْ قِبَلِ الْحَوَاشِي، فَاخْتَمَرْنَ بِهَا. [راجع: ٤٧٥٨]

[4759] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، وہ کہا کرتی تھیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں'' تو عورتوں نے اپنی چادروں کو لیا اور ان کو کناروں کی جانب سے پھاڑ کر ان کی اوڑھنیاں بنالیں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عائشہ ؓ کے پاس قریش کی عورتوں اور ان کی فضیلت کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: بلاشبہ قریش کی عورتیں فاضلہ ہیں لیکن اللہ کی قسم! قرآن پاک کی تصدیق اور اس پر ایمان لانے میں انصار کی عورتوں سے بڑھ کر میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ جب سورۂ نور کی آیت نازل ہوئی: ''اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔'' تو ان کے مردوں نے اپنے گھروں میں یہ آیت پڑھ کر سنائی تو انھوں نے فوراً اس پر عمل کیا۔ اپنی چادروں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے اور صبح کی نماز دوپٹے اوڑھ کر ادا کی، گویا ان کے سروں پر کوے بیٹھے تھے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ انصار کی عورتوں نے اس آیت پر عمل کرنے میں بہت جلدی کی۔[1] ② اس آیت کے نازل ہونے کے بعد دوپٹا اسلامی تہذیب کا ایک حصہ بن گیا جس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آج کی صاحبزادیوں کی طرح بس اسے بل دے کر گلے کا ہار بنا لیا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اسے اوڑھ کر سر، کمر، سینہ سب اچھے طرح ڈھانپ لیے جائیں، چنانچہ انصار کی خواتین نے حکم سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ اس کا منشا کس طرح کے کپڑے کا دوپٹا بنانے سے پورا ہو سکتا ہے۔ لیکن آج اس نئی روشنی اور روشن خیالی کے دور میں پرانے دور جاہلیت سے بھی زیادہ جاہلیت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ آج کی اس مہذب سوسائٹی میں اول تو عورتیں دوپٹا لینا ہی گوارا نہیں کرتیں اور اگر لے لیں تو دوپٹے کو گلے میں ڈال کر اس کے کنارے پیچھے پشت پر ڈال دیتی ہیں۔ والله المستعان.

(٢٥) سُورَةُ الْفُرْقَانِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 25- تفسیر سورۂ فرقان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿هَبَآءً مَّنثُورًا﴾ [٢٣] مَا

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: هَبَاءً مَّنْثُوْرًا سے مراد

① فتح الباري: 622/8.

تَسْفِي بِهِ الرِّيحُ. ﴿مَدَّ ٱلظِّلَّ﴾ [٤٥]: مَا بَيْنَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ. ﴿سَاكِنًا﴾: دَائِمًا. ﴿عَلَيْهِ دَلِيلًا﴾: طُلُوعُ الشَّمْسِ. ﴿خِلْفَةً﴾ [٦٢]: مَنْ فَاتَهُ مِنَ اللَّيْلِ عَمَلٌ أَدْرَكَهُ بِالنَّهَارِ، أَوْ فَاتَهُ بِالنَّهَارِ أَدْرَكَهُ بِاللَّيْلِ. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ [٧٤]: فِي طَاعَةِ اللهِ. وَمَا شَيْءٌ أَقَرَّ لِعَيْنِ الْمُؤْمِنِ مِنْ أَنْ يَّرٰى حَبِيبَهُ فِي طَاعَةِ اللهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ثُبُورًا﴾ [١٣]: وَيْلًا. وَقَالَ غَيْرُهُ: اَلسَّعِيرُ - مُذَكَّرٌ - وَالتَّسَعُّرُ وَالْاضْطِرَامُ: اَلتَّوَقُّدُ الشَّدِيدُ. ﴿تُمْلَىٰ عَلَيْهِ﴾ [٥]: تُقْرَأُ عَلَيْهِ، مِنْ أَمْلَيْتُ وَأَمْلَلْتُ. ﴿ٱلرَّسِّ﴾ [٣٨]: اَلْمَعْدِنِ، جَمْعُهُ رِسَاسٌ. ﴿مَا يَعْبَؤُا﴾ [٧٧] يُقَالُ: مَا عَبَأْتُ بِهِ شَيْئًا، لَا يُعْتَدُّ بِهِ. ﴿غَرَامًا﴾ [٦٥]: هَلَاكًا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَعَتَوْا﴾ [٢١]: طَغَوْا. وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: ﴿عَاتِيَةٍ﴾ [الحاقة: ٦]: عَتَتْ عَلَى الْخُزَّانِ.

وہ چیز جسے ہوا اڑا کر لائے۔ مَدَّ الظِّلَّ سے مراد وہ سایہ ہے جو طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ سَاكِنًا کے معنی ہیں: دَائِمًا، ہمیشہ رہنے والا۔ عَلَيْهِ دَلِيْلًا سے مراد طلوع آفتاب ہے۔ خِلْفَةً کا مطلب ہے کہ جس سے رات کا عمل فوت ہو جائے وہ اسے دن کے وقت بجا لائے اور جس کا دن میں کوئی عمل رہ جائے وہ اسے رات میں پورا کرے۔ امام حسن بصری نے فرمایا: هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ مومن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اس سے زیادہ کسی بات میں نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے محبوب کو اللہ کی اطاعت میں دیکھے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: ثُبُوْرًا کے معنی ہیں: موت اور ہلاکت۔ حضرت ابن عباس ؓ کے علاوہ نے کہا: اَلسَّعِيْرُ کا لفظ مذکر ہے اور تسعیر واضطرام کے معنی آگ کا بھڑکنا اور خوب مشتعل ہونا ہیں۔ تُمْلٰى عَلَيْهِ کے معنی ہیں: تُقْرَأُ عَلَيْهِ، یعنی اسے پڑھ کر سناتے جاتے ہیں۔ یہ اَمْلَيْتُ اور اَمْلَلْتُ سے ماخوذ ہے۔ اَلرَّسِّ کے معنی کان کے ہیں۔ اس کی جمع رِسَاس ہے۔ مَايَعْبَؤُا، عرب لوگ کہتے ہیں: مَاعَبَأْتُ بِهِ شَيْئًا، یعنی میں نے اس کی کچھ پروا نہیں کی، یا وہ کسی گنتی میں نہیں۔ غَرَامًا کے معنی ہیں: ہلاکت و تباہی۔ امام مجاہد نے کہا: وَعَتَوْا کے معنی ہیں: طَغَوْا، یعنی انھوں نے سرکشی اور سرتابی کی۔ ابن عیینہ نے کہا: عَاتِيَةٍ سے مراد وہ ہوا ہے جس نے اپنے خزانہ دار فرشتوں سے سرکشی کی۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ٱلَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ﴾ اَلْآيَةَ [٣٤]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''جو لوگ اپنے منہ کے بل جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے'' کا بیان

وضاحت: کفار مکہ رسول اللہ ﷺ پر طرح طرح کے اعتراضات اور آپ سے مختلف مطالبات کرتے تھے۔ اس کی اصل

وجہ یہ ہے کہ ان کی عقلیں اوندھی ہو چکی ہیں جو سیدھی سادی باتوں پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتیں، لہٰذا ہم انھیں قیامت کے دن اوندھے منہ جہنم کی طرف چلا کر لائیں گے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

٤٧٦٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَغْدَادِيُّ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ! يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلٰى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: «أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلٰى أَنْ يُمْشِيَهُ عَلٰى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟» قَالَ قَتَادَةُ: بَلٰى وَعِزَّةِ رَبِّنَا. [انظر: ٦٥٢٣]

[4760] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! کافر قیامت کے دن اپنے چہرے کے بل کیسے چلائے جائیں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس (اللہ) نے انسان کو دو پاؤں پر چلایا ہے کیا وہ اسے قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں ہے؟'' حضرت قتادہ نے کہا: یقیناً ہمارے رب کی عزت کی قسم! (وہ اس پر قادر ہے)۔

فوائدومسائل: ① وہ کافر جو دنیا میں اللہ کے حضور جھکتے نہیں تھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل وخوار کرنے کے لیے اوندھے منہ چلنے پر مجبور کر دے گا۔ دنیا میں جس طرح انسان اپنے پاؤں کے ذریعے سے راستے کی اذیت سے بچتا ہے قیامت کے دن وہ منہ کے ذریعے سے بچنے کی کوشش کرے گا۔[1] ② قرآن کریم میں صراط مستقیم سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کرنا، اس کے لیے ان الفاظ کو بطور تمثیل بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کیا وہ شخص زیادہ ہدایت والا ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا ہو کر چلتا ہے یا وہ جو سیدھا راہ راست پر چلتا ہے؟''[2] منہ کے بل اوندھا چلنے والے کو دائیں، بائیں اور آگے پیچھے کچھ نظر نہیں آتا نہ وہ ٹھوکروں ہی سے محفوظ ہوتا ہے کیا ایسا شخص اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ یقیناً نہیں پہنچ سکتا۔

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ﴾ الْآيَةَ [٦٨]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے ......'' کا بیان

﴿يَلْقَ أَثَامًا﴾: اَلْعُقُوبَةَ.

يَلْقَ اَثَامًا: وہ سزا پائے گا۔

وضاحت: پوری آیت کا مفہوم حسب ذیل ہے: ''وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص ایسے کام کرے گا وہ ان گناہوں کی سزا پا کر رہے گا۔''[3] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان تین بڑے بڑے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے، جن میں اس دور کا عرب معاشرہ بری طرح مبتلا

① فتح الباري: 465/11. ② الملك 67:22. ③ الفرقان 25:68.

تھا جس کی تفصیل درج ذیل حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

٤٧٦١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ وَّسُلَيْمَانُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ. قَالَ: وَحَدَّثَنِي وَاصِلٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ - أَوْ سُئِلَ - رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَيُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللهِ أَكْبَرُ؟ قَالَ: «أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ». قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ». قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ». قَالَ: وَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ تَصْدِيقًا لِّقَوْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ﴾. [راجع: ٤٤٧٧]

[4761] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے سوال کیا، اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا گناہ اللہ کے ہاں سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔'' میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ تمھارے ساتھ کھائے گی۔'' میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کے لیے نازل ہوئی: ''وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہو، ہاں حق کے ساتھ قتل ہو تو اور بات ہے اور وہ زنا بھی نہیں کرتے۔''

فائدہ: اسلامی قانون میں قتل حق کی پانچ صورتیں حسب ذیل ہیں: ○ قتل عمد کے مجرم کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ ○ دین حق کے راستے میں مزاحمت کرنے والوں سے جنگ کی جائے۔ ○ اسلامی نظام حکومت کو الٹنے کی کوشش اور بغاوت کرنے والوں کو کچل دیا جائے۔ ○ شادی شدہ مرد یا عورت کو زنا کرنے کی صورت میں رجم کیا جائے۔ ○ اسلام کے بعد دوبارہ کفر اختیار کرنے، یعنی مرتد ہونے کی سزا بھی قتل ہے۔ صرف یہی پانچ صورتیں ہیں، جن میں انسانی جان کی حرمت ختم ہو جاتی ہے اور اسے قتل کرنا قتل حق کے زمرے میں آتا ہے۔ واللّٰه أعلم.

٤٧٦٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْقَاسِمُ بْنُ أَبِي بَزَّةَ أَنَّهُ سَأَلَ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ: هَلْ لِّمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا مِّنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ: ﴿وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي

[4762] حضرت قاسم بن ابوبزہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے سوال کیا: اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو کیا اس کے لیے توبہ ہے؟ اور میں نے ان کے سامنے یہ آیت بھی پڑھی: ''وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا

حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ﴾ فَقَالَ سَعِيدٌ: قَرَأْتُهَا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ كَمَا قَرَأْتَهَا عَلَيَّ، فَقَالَ هٰذِهِ مَكِّيَّةٌ نَسَخَتْهَا آيَةٌ مَّدَنِيَّةٌ الَّتِي فِي سُورَةِ النِّسَاءِ. [راجع: ٣٨٥٥]

ہے۔'' حضرت سعید بن جبیر نے کہا: میں نے بھی یہ آیت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے اسی طرح پڑھی تھی جیسے تو نے میرے سامنے اسے پڑھا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت مکی ہے، اس کو سورۂ نساء کی مدنی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف تھا کہ قاتل کے لیے کوئی توبہ نہیں۔ سورۂ فرقان کی جس آیت میں قاتل کے لیے توبہ کا ذکر ہے وہ مکی سورت ہے جسے سورۂ نساء کی مندرجہ ذیل مدنی آیت نے منسوخ کر دیا ہے: ''اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔ اس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''[1] ② بہرحال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف جمہور اہل علم کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ انھوں نے بہت سد باب کے طور پر یہ مسلک اختیار کیا ہو یا استحلال (جو قتل کرنا حلال سمجھتا ہو) پر محمول کر کے فرمایا ہو ورنہ توبہ سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل ہم نے حدیث: 4590 کے فوائد میں بیان کی ہے۔

٤٧٦٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: اِخْتَلَفَ أَهْلُ الْكُوفَةِ فِي قَتْلِ الْمُؤْمِنِ، فَدَخَلْتُ فِيهِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: نَزَلَتْ فِي آخِرِ مَا نَزَلَ وَلَمْ يَنْسَخْهَا شَيْءٌ. [راجع: ٣٨٥٥]

[4763] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اہل کوفہ کا مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے کے متعلق اختلاف ہوا تو میں سفر کر کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے فرمایا: یہ آیت (سورۂ نساء والی) اس سلسلے میں سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور اس کو کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ نساء کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ حسب ذیل ہے: ''جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''[2] اس موقف پر ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں۔

٤٧٦٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ [قَالَ]: سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ﴾ [النساء: ٩٣] قَالَ: لَا تَوْبَةَ

[4764] حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت ''(جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے) اس کی سزا جہنم ہے۔'' کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اس قاتل کی

① النسآء 4:93. ② النسآء 4:93.

لَهُ، وَعَنْ قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ﴾ قَالَ: كَانَتْ هٰذِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ. [راجع: ٣٨٥٥]

کوئی توبہ نہیں اور دوسری آیت: ''اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے ہیں......'' کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ دور جاہلیت کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال تھا کہ سورۂ فرقان میں جس توبہ کا ذکر ہے: ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ......﴾ اس کا تعلق ان مسلمانوں سے نہیں جو کسی مومن کا جان بوجھ کر خون بہا دیں بلکہ یہ آیت صرف کفار و مشرکین کے ایمان لانے کے متعلق ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذاتی فتویٰ ہے لیکن دیگر اہل علم نے ایسے قاتل کے متعلق توبہ و استغفار کی گنجائش بتائی ہے جس کے دلائل ہم صحیح بخاری، حدیث: 4590 کے فوائد میں بیان کر آئے ہیں۔

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا﴾ [٦٩]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت و خواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا'' کا بیان

٤٧٦٥ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: قَالَ ابْنُ أَبْزٰى: سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ﴾ وَقَوْلِهِ: ﴿وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِي حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ﴾ حَتّٰى بَلَغَ ﴿إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ﴾ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ قَالَ أَهْلُ مَكَّةَ: فَقَدْ عَدَلْنَا بِاللهِ وَقَتَلْنَا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَتَيْنَا الْفَوَاحِشَ، فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿غَفُورًا رَّحِيمًا﴾. [راجع: ٣٨٥٥]

[4765] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن ابی ابزیٰ نے فرمایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت: ''جو کسی مومن کو قصداً قتل کر دے اس کی سزا جہنم ہے۔'' اور آیت: ''اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو مگر حق کے ساتھ۔'' کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل مکہ نے کہا: ہم نے تو اللہ کے ساتھ شریک بھی ٹھہرائے ہیں اور ناحق قتل بھی کیے ہیں جنھیں اللہ نے حرام قرار دیا تھا اور ہم نے بدکاریوں کا ارتکاب بھی کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ''ہاں جو شخص توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے (تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور) اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔''

فائدہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سورۂ فرقان میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ کفار و مشرکین سے متعلق ہے لیکن مسلمان ہونے کے بعد جو کسی مومن کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دے، اس کے ساتھ اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ کے ہاں اس کی توبہ کا کوئی تعلق نہیں اور یہ آیت منسوخ بھی نہیں ہے۔ لیکن ان کا یہ موقف جمہور امت کے خلاف ہے۔ قرآن و حدیث کے متعدد دلائل سے یہ ثابت ہے کہ قاتل کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اس کی تفصیل سورۂ نساء آیت: 93 کی تفسیر میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(٤) بَابٌ: ﴿إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُوْلَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ [٧٠]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں، پھر نیک کام بجا لائیں تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے“ کا بیان

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا میں خالص توبہ کرنے سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا ہو حتی کہ کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دینا بھی معافی کے قابل ہے۔ سورۂ نساء کی آیت: 93 میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتائی گئی ہے تو وہ اس صورت پر محمول ہوگی، جب قاتل نے توبہ نہ کی ہو اور بغیر توبہ کے اسے موت آ گئی ہو، ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ سو آدمیوں کے قاتل نے بھی خالص توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی معاف کر دیا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف اس سے جداگانہ ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: أَمَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبْزَى أَنْ أَسْأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ هَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا﴾ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: لَمْ يَنْسَخْهَا شَيْءٌ، وَعَنْ ﴿وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ﴾ قَالَ: نَزَلَتْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ. [راجع: ٣٨٥٥]

[4766] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ نے حکم دیا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درج ذیل دو آیات کے متعلق سوال کروں: ”جو کسی مومن کو قصداً قتل کرتا ہے تو اس کی سزا جہنم ہے۔“ میں نے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ آیت کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوئی۔ اور دوسری آیت: ”اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔“ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ آیت تو مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

فوائد و مسائل: ① قاتل کی توبہ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی تو وہ دونوں

آیات کو ایک محل پر محمول کرتے، ایک آیت کو دوسری آیت کے لیے ناسخ بتاتے ہیں اور کبھی وہ دو محلوں پر محمول کرتے ہیں کہ ایک آیت مشرکین کے بارے میں ہے اور دوسری اہل ایمان سے متعلق ہے۔ ان میں اتفاق کی صورت یہ ممکن ہے کہ سورۂ فرقان کی آیت میں جو توبہ کا عموم ہے اس سے اس مسلمان کو مخصوص کیا جائے جس نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کیا ہے۔ بہت سے اسلاف اس قسم کی تخصیص پر نسخ کا اطلاق کرتے ہیں۔[1] ② اس سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مشہور قول یہ ہے کہ جب کوئی مومن دوسرے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی توبہ قبول نہیں لیکن جمہور علماء نے اس موقف سے اتفاق نہیں کیا بلکہ وہ قاتل کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھتے ہیں اور اس کے لیے توبہ کو صحیح کہا ہے۔ اس کی تفصیل پچھلے اوراق میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(٥) بَابٌ: ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾ [٧٧]

باب: 5- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”جلد ہی اس کی ایسی سزا پاؤ گے جس سے جان چھڑانا محال ہوگی“ کا بیان

هَلَكَةً.

لِزَامًا سے مراد ہلاکت ہے۔

٤٧٦٧ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: خَمْسٌ قَدْ مَضَيْنَ: اَلدُّخَانُ، وَالْقَمَرُ، وَالرُّومُ، وَالْبَطْشَةُ، وَاللِّزَامُ ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾.

[راجع: ١٠٠٧]

[4767] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کی یہ پانچوں علامتیں گزر چکی ہیں: دھواں، شق قمر (چاند کا پھٹنا)، روم، بطشہ اور لزام۔

فوائد و مسائل: ① دھواں سے مراد سورۂ دخان کی یہ آیت ہے: ”جب آسمان ظاہر دھواں لائے گا۔“ انشقاق قمر سے مراد یہ ہے: ”قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔“ (القمر: 1) روم کا ذکر سورۂ روم میں ہے: ﴿غُلِبَتِ الرُّومُ﴾ یعنی اہل روم مغلوب ہو گئے۔“ (الروم: 1، 2) بَطْشَه کا ذکر سورۂ دخان میں ہے: ”جس دن ہم بڑی سخت پکڑ کریں گے۔“ (الدخان: 16) لِزَام سے مراد یہ آیت ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ پانچوں علامات قیامت گزر چکی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ دھویں سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش مکہ کو شدت بھوک کی وجہ سے آسمان پر نظر آتا تھا۔ شق القمر کا معجزہ بھی ہجرت سے پہلے رونما ہو چکا ہے۔ غلبت الروم کا ظہور بھی ہو چکا ہے۔ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور بطشہ سے مراد وہ سخت پکڑ ہے جو بدر کے دن کفار قریش کے قتل کی صورت میں ظاہر ہوئی تھی، اور لزام سے مراد غزوۂ بدر میں کفار کا قید و گرفتار ہونا ہے، جبکہ جمہور اہل علم کے نزدیک بَطْشَه سے مراد کفار کو جہنم میں پکڑ کر ڈالنا ہے اور کفار مکہ نے چونکہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی تھی، اس

1 فتح الباري: 629/8.

لیے انھیں اس کی سزا لازمی طور پر بھگتنا ہوگی، چنانچہ دنیا میں غزوہ بدر کے موقع پر شکست کی صورت میں ملی اور آخرت میں جہنم کے دائمی عذاب سے بھی انھیں دوچار ہونا پڑے گا۔ واللہ أعلم.

(٢٦) سُورَةُ الشُّعَرَاءِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 26- تفسیر سورۂ شعراء

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿تَعْبَثُونَ﴾ [١٢٨]: تَبْنُونَ. ﴿هَضِيمٌ﴾ [١٤٨]: يَتَفَتَّتُ إِذَا مُسَّ. مُسَحَّرِينَ: مَسْحُورِينَ. اَللَّيْكَةُ وَالْأَيْكَةُ: جَمْعُ أَيْكَةٍ، وَهِيَ جَمْعُ الشَّجَرِ. ﴿يَوْمِ الظُّلَّةِ﴾ [١٨٩]: إِظْلَالُ الْعَذَابِ إِيَّاهُمْ. ﴿مَوْزُونٍ﴾ [الحجر: ١٩]: مَعْلُوم. ﴿كَالطَّوْدِ﴾ [٦٣]: كَالْجَبَلِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿لَشِرْذِمَةٌ﴾ [٥٤] اَلشِّرْذِمَةُ: طَائِفَةٌ قَلِيلَةٌ. ﴿فِي السَّاجِدِينَ﴾ [٢١٩]: اَلْمُصَلِّينَ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ﴾ [١٢٩] كَأَنَّكُمْ. اَلرِّيعُ: اَلْأَيْفَاعُ مِنَ الْأَرْضِ، وَجَمْعُهُ رِيَعَةٌ وَأَرْيَاعٌ، وَاحِدُهُ الرِّيعَةُ. ﴿مَصَانِعَ﴾ كُلُّ بِنَاءٍ فَهُوَ مَصْنَعَةٌ. (فَرِهِينَ): مَرِحِينَ، ﴿فَرِهِينَ﴾ [١٤٩] بِمَعْنَاهُ؛ وَيُقَالُ: فَارِهِينَ: حَاذِقِينَ. ﴿تَعْثَوْا﴾ [١٨٣]: هُوَ أَشَدُّ الْفَسَادِ، وَعَاثَ يَعِيثُ عَيْثًا. ﴿وَالْجِبِلَّةَ﴾ [١٨٤]: اَلْخَلْقُ؛ جُبِلَ: خُلِقَ؛ وَمِنْهُ: جُبُلًا وَّجِبِلًا وَّجُبْلًا يَعْنِي الْخَلْقَ، قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ.

امام مجاہد نے کہا: تَعْبَثُوْنَ بمعنی تَبْنُونَ ہے، یعنی بلا ضرورت اونچے اونچے محلات بناتے ہو۔ هَضِيْمٌ کے معنی ہیں: وہ چیز جو چھونے سے ریزہ ریزہ ہو جائے۔ مُسَحَّرِيْنَ مسحورین کے معنی میں ہے، یعنی جس پر جادو کر دیا گیا ہو اَللَّيْكَة اور اَلْاَيْكَة دونوں اَيْكَه کی جمع ہیں اور ایکہ درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ يَوْمِ الظُّلَّةِ سے مراد ان لوگوں پر عذاب کا سایہ کرنا ہے۔ مَوْزُوْنٍ، وزن سے اسم مفعول ہے اس کے معنی ہیں: معلوم و معین چیز۔ كَالطَّوْدِ کے معنی پہاڑ کے ہیں، یعنی ہر حصہ پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ امام مجاہد کے علاوہ کسی اور نے کہا: لَشِرْذِمَةٌ کے معنی ہیں: چھوٹا گروہ۔ فِي السّٰجِدِيْنَ، مُصَلِّين کے معنی میں ہے، یعنی نماز پڑھنے والے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ کے معنی ہیں: گویا تم ہمیشہ رہو گے۔ اَلرِّيْعَ کے معنی بلند زمین ہیں۔ اس کی جمع رِيَعَةٌ اور أَرْيَاع آتی ہے، اس کا مفرد اَلرِّيْعَةُ ہے۔ مَصَانِعَ: ہر طرح کی عمارت کو مصنع کہتے ہیں، اس کی جمع مَصَانِع ہے۔ فَرِهِينَ کے معنی ہیں: مَرِحِين، یعنی اترانے اور غرور کرنے والے اور فٰرِهِيْنَ کے معنی بھی یہی ہیں۔ بعض کے نزدیک فَارِهِين کے معنی ماہر تجربہ کار کے ہیں۔ تَعْثَوْا کے معنی ہیں: سخت فساد پھیلانا اور عَاثَ، يَعِيثُ عَيْثًا کے بھی یہی معنی ہیں۔ وَالْجِبِلَّةَ کے معنی خلق، یعنی مخلوق ہیں۔ جُبِلَ کے معنی خُلِقَ ہیں، یعنی پیدا کیا گیا۔

جُبُلًا، جِبِلًا اور جُبْلًا بھی اسی سے ماخوذ ہیں۔ ان کے معنی مخلوق کے ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے یہی کہا ہے۔

(١) بَابٌ: ﴿وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ﴾ [٨٧]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اے اللہ! جس دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے مجھے اس دن رسوا اور ذلیل نہ کرنا'' کا بیان

٤٧٦٨ - وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَرٰى أَبَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَيْهِ الْغَبَرَةُ وَالْقَتَرَةُ». وَالْغَبَرَةُ: هِيَ الْقَتَرَةُ. [راجع: ٣٣٥٠]

[4768] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم ؑ قیامت کے دن اپنے والد کو دیکھیں گے کہ اس پر گرد وغبار اور سیاہی ہو گی۔'' امام بخاری فرماتے ہیں: غَبَرَةٌ اور قَتَرَةٌ کے ایک ہی معنی ہیں۔

٤٧٦٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا أَخِي عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَلْقٰى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ: ﴿لَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ﴾ فَيَقُولُ اللهُ: إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِينَ». [راجع: ٣٣٥٠]

[4769] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''حضرت ابراہیم ؑ جب قیامت کے دن اپنے باپ سے ملیں گے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: اے میرے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے اس دن تو مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ انھیں جواب دے گا: میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔''

فائدہ: قیامت کے دن حضرت ابراہیم ؑ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے کہ اے باری تعالیٰ! قیامت کے دن مجھے تمام اولین اور آخرین کے سامنے یوں رسوا نہ کرنا کہ باپ سزا پا رہا ہو اور بیٹا کھڑا دیکھ رہا ہو۔ قیامت کے دن حضرت ابراہیم ؑ اپنے باپ کو دیکھیں گے کہ اس کے منہ پر سیاہی اور گرد وغبار چڑھ رہا ہوگا۔ اس وقت اپنے والد سے کہیں گے: میں نے تمھیں نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو۔ باپ کہے گا: آج کے بعد میں تمھاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر حضرت ابراہیم ؑ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: اے میرے رب! اس سے بڑھ کر ذلت اور کیا ہوسکتی ہے کہ میرا باپ ذلیل ہو رہا ہے اور تیری رحمت سے محروم ہے، پھر اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم سے کہیں گے: ذرا اپنے پاؤں تو دیکھو۔ وہ دیکھیں گے تو گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بجو نظر آئے گا،

پھر اس کے پاؤں سے پکڑ کر اس بجو کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔[1] یعنی ان کا باپ جہنم میں داخل ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رسوائی سے بچانے کے لیے ان کے باپ کی صورت مسخ کر کے بجو کی شکل میں اسے جہنم رسید کرے گا تا کہ دوسرے لوگوں کے سامنے اس کی شناخت ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسوائی اور شرمندگی کا سبب نہ بنے۔ واللّٰه المستعان.

(٢) بَابٌ: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ٱلْأَقْرَبِينَ ۝ وَٱخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ [٢١٤، ٢١٥]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اپنے خاندان کے سب سے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں اور تواضع سے پیش آئیں......'' کا بیان

أَلِنْ جَانِبَكَ.

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ کے معنی ہیں: اپنے بازو کو نرم رکھیں۔

وضاحت: رسول اللہ ﷺ نے بعثت کے تین سال بعد تک انتہائی خفیہ طریقے سے فریضۂ تبلیغ سرانجام دیا۔ اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ اب آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو بھی کھل کر شرک سے بچنے کی دعوت دیں اور اس کے انجام سے انھیں خبردار کریں تو اس حکم پر عمل کرنے کے لیے درج ذیل پروگرام بنایا جس کی وضاحت آئندہ حدیث میں ہے۔

٤٧٧٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي عَمْرُو ابْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ٱلْأَقْرَبِينَ﴾ صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِي: «يَا بَنِي فِهْرٍ! يَا بَنِي عَدِيٍّ!»، لِبُطُونِ قُرَيْشٍ، حَتَّى اجْتَمَعُوا، فَجَعَلَ الرَّجُلُ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَخْرُجَ أَرْسَلَ رَسُولًا لِيَنْظُرَ مَا هُوَ، فَجَاءَ أَبُو لَهَبٍ وَقُرَيْشٌ فَقَالَ: «أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟» قَالُوا: نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا، قَالَ: «فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ»، فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ: تَبًّا لَكَ

[4770] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''اپنے قریب ترین رشتے داروں کو ڈرائیں۔'' تو نبی ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور آواز دینے لگے: ''اے بنو فہر! اے بنو عدی!'' اور دیگر قبائل قریش کو پکارنے لگے حتی کہ وہ سب جمع ہو گئے۔ اگر کوئی خود نہیں آسکتا تھا تو اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تا کہ وہ معلوم کرے کہ کیا بات ہے؟ ابولہب خود آیا اور قریش کے دوسرے لوگ بھی آئے، پھر آپ نے فرمایا: ''تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر میں تمھیں خبردار کروں کہ اس گھاٹی میں ایک لشکر ہے اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے؟'' انھوں نے کہا: ہاں، ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''پھر سنو! میں تمھیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمھارے سامنے ہے۔'' یہ سن کر

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3350.

سَائِرَ الْيَوْمِ، أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ فَنَزَلَتْ: ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾. [راجع: ١٣٩٤]

ابولہب بولا: تجھ پر سارا دن تباہی نازل ہو، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی: ''ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔ اس کا مال اس کے کام نہ آیا اور نہ اس کی کمائی ہی نے اسے کوئی فائدہ دیا۔''

٤٧٧١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ أَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ ٱلْأَقْرَبِينَ﴾ قَالَ: «يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! - أَوْ كَلِمَةً نَّحْوَهَا - اِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا. يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا، وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللهِ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا. وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ﷺ، سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا».

[4771] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ﴾ تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر فرمانے لگے: ''اے جماعت قریش! - یا اس جیسا کوئی اور کلمہ کہا - تم اپنی جانوں کو (اللہ کے عذاب سے) خرید لو۔ میں اللہ کی بارگاہ میں تمھارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے بنو عبد مناف! میں اللہ کے ہاں تمھیں کوئی نفع نہیں دوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کی بارگاہ میں تمھارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اے صفیہ! جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی ہیں، میں اللہ کے ہاں تمھیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے طلب کر لو۔ میں اللہ کے ہاں تمھیں کوئی نفع نہیں دوں گا۔''

تَابَعَهُ أَصْبَغُ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ. [راجع: ٢٧٥٣]

اصبغ نے ابن وہب سے، انھوں نے یونس سے اور انھوں نے ابن شہاب سے روایت کرتے ہوئے ابو یمان کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اِنْذَار کی چار صورتیں ہیں: اِنْذَار عشیرہ، اِنْذَار قوم، اِنْذَار عرب اور اِنْذَار جمیع بنی آدم۔ رسول اللہ ﷺ کی نبوت عام تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے چار صورتوں کو اختیار فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے قریش کے گروہ! تم اپنی جانوں کو دوزخ سے بچالو۔''[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو کانوں میں دے کر بآواز بلند کہا: ''اے بنی عبد مناف! تم پر صبح کے وقت کوئی لشکر حملہ

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 501 (204).

کرنے والا ہے۔''[1] ② اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اگر خاتمہ کفر پر ہو تو خاندانی تعلق قیامت کے دن کوئی فائدہ نہیں دے گا یہاں تک کہ پیغمبر کی اولاد اور بیوی بھی اگر مومن نہیں تو بھی رسول انھیں قیامت کے دن کوئی نفع نہیں دے سکے گا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے، حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا معاملہ ہے۔ ③ یہاں ایک اشکال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے کچھ کام نہیں آؤں گا'' حالانکہ قیامت کے دن آپ کی سفارش سے گناہوں کی معافی اور عذاب سے نجات ملے گی؟ اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں: ○ ابھی تک آپ کو اپنی شفاعت کبریٰ اور صغریٰ کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ آغاز اسلام کا واقعہ ہے۔ ○ سفارش کرنے والا فائدہ نہیں دے سکتا وہ تو التجا کر سکتا ہے، اگر قبول ہو جائے تو ٹھیک بصورت دیگر وہ کسی کو مجبور نہیں کر سکتا تو آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ میں چھڑا تو نہیں سکتا، البتہ سفارش ضرور کروں گا۔ ○ رسول اللہ ﷺ کی سفارش بھی اللہ کی اجازت سے ہوگی، گویا آپ نے فرمایا ہے کہ میں ذاتی طور پر کچھ نہیں کر سکوں گا، ہاں اللہ کے اذن سے تمھاری سفارش ضرور کروں گا، گویا آپ کی سفارش اللہ کے اذن سے مقید ہے۔ واللہ أعلم. ④ اس حدیث سے ان نام نہاد مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے جو زندہ اور مردہ پیروں، فقیروں کا دامن اس لیے پکڑے ہوئے ہیں کہ وہ قیامت کے دن انھیں بخشوا لیں گے۔ بہت سے کم عقل لوگ نذر و نیاز کے اسی چکر میں گرفتار ہیں۔ بہر حال اللہ کے حضور کسی نبی، ولی، فرشتے اور مقرب شخص کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوگی ہاں سفارش کا دروازہ کھلا ہے اور وہ بھی اللہ کی اجازت سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن سرخرو فرمائے۔ آمین.

(٢٧) سُورَةُ النَّمْلِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 27- تفسیر سورۂ نمل

﴿ٱلْخَبْءَ﴾ [٢٥]: مَا خَبَّأْتَ. ﴿لَا قِبَلَ﴾ [٣٧]: لَا طَاقَةَ. ﴿ٱلصَّرْحَ﴾ [٤٤]: كُلُّ مِلَاطٍ اتُّخِذَ مِنَ الْقَوَارِيرِ. وَ(الصَّرْحُ): اَلْقَصْرُ، وَجَمَاعَتُهُ صُرُوحٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿وَلَهَا عَرْشٌ﴾ [٢٣]: سَرِيرٌ كَرِيمٌ، حُسْنُ الصَّنْعَةِ وَغَلَاءُ الثَّمَنِ. ﴿يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ﴾ [٣٨]: طَائِعِينَ. ﴿رَدِفَ﴾ [٧٢]: اِقْتَرَبَ. ﴿جَامِدَةً﴾ [٨٨]: قَائِمَةً. ﴿أَوْزِعْنِيٓ﴾ [١٩]: اِجْعَلْنِي. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿نَكِّرُوا﴾ [٤١]: غَيِّرُوا. وَ (الْقَبَسُ): مَا

اَلْخَبْءَ کے معنی ہیں: جسے آپ نے پوشیدہ رکھا ہو۔ لَاقِبَلَ کے معنی ہیں: کوئی طاقت نہیں۔ اَلصَّرْحَ: وہ گارا جو شیشے سے بنایا جائے۔ اور صَرْحٌ کے معنی ''محل'' بھی ہیں۔ اس کی جمع صُرُوحٌ آتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وَلَهَا عَرْشٌ کے معنی ہیں: نہایت عمدہ تخت جس کی بناوٹ اور قیمت گرانقدر تھی۔ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ کے معنی ہیں: فرمانبردار ہو کر۔ رَدِفَ کے معنی ہیں: اِقْتَرَبَ، یعنی قریب آ پہنچا۔ جَامِدَةً کے معنی ہیں: ہمیشہ قائم رہیں گے۔ اَوْزِعْنِي کے معنی ہیں: مجھے بنا دے، کر دے۔ امام مجاہد نے کہا: نَكِّرُوا کے معنی ہیں: اسے تبدیل کر

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3186.

اقْتَبَسْتَ مِنْهُ النَّارَ. ﴿وَأُوتِينَا ٱلْعِلْمَ﴾ [٤٢]: يَقُولُهُ سُلَيْمَانُ. ﴿ٱلصَّرْحَ﴾ [٤٤]: بِرْكَةُ مَاءٍ ضَرَبَ عَلَيْهَا سُلَيْمَانُ قَوَارِيرَ أَلْبَسَهَا إِيَّاهُ.

دو۔ قَبَس کے معنیٰ ہیں: سلگتی ہوئی لکڑی جس سے آپ آگ حاصل کریں۔ وَاُوْتِينَا الْعِلْمَ کے معنی ہیں: ہمیں پہلے ہی علم تھا۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ ہے۔ الصَّرْح سے مراد پانی کا وہ حوض ہے جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیشے سے ڈھانپ دیا تھا، یعنی بلوری شیشہ اتنا صاف کہ نظر نہیں آتا تھا بلکہ پانی ہی پانی معلوم ہوتا تھا۔

(٢٨) سُورَةُ الْقَصَصِ بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ 28-تفسیر سورۂ قصص

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [٨٨]: إِلَّا مُلْكَهُ؛ وَيُقَالُ: إِلَّا مَا أُرِيدَ بِهِ وَجْهُ اللهِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ ٱلْأَنۢبَآءُ﴾ [٦٦]: الْحُجَجُ.

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ: اس کی ذات کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَجْهَهٗ سے مراد اس کی سلطنت ہے۔ کچھ لوگوں نے اس سے مراد وہ اعمال لیے ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیے گئے ہوں، یعنی ثواب کے اعتبار سے وہ فنا نہیں ہوں گے۔ امام مجاہد نے فرمایا: فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْبَاءُ میں الْاَنْبَاءُ سے مراد دلیلیں اور براہین ہیں۔

وضاحت: "وَجْهَهٗ" اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی صفت ہے جس کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ بلا تاویل اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تاویل سلطنت یا حکومت سے کی ہے، یہ مفہوم کے اعتبار سے ہے ورنہ وَجْهَهٗ سے مراد ذات باری تعالیٰ کا چہرہ ہی ہے۔ اب وہ چہرہ جیسا بھی ہے اس پر ہمارا ایمان و یقین ہے۔ اس کی مزید تفصیل کتاب التوحید میں آئے گی۔ بإذن اللّٰه تعالى.

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ﴾ [٥٦]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: "آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے" کا بیان

وضاحت: قرآن کریم میں لفظ ہدایت دو معنوں میں استعمال ہوا ہے: ایک یہ ہے کہ سیدھے راستے کی رہنمائی کرنا۔ اس طرح کی رہنمائی کرنا حضرات انبیاء علیہم السلام کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یقیناً آپ سیدھی راہ کی طرف

رہنمائی کرتے ہیں۔"[1] ہدایت کے دوسرے معنی سیدھے راستے پر گامزن کرنا۔ یہ کام رسول اللہ ﷺ کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے جیسا کہ عنوان میں پیش کردہ آیت کریمہ میں ہے: "آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے۔"[2] جیسا کہ درج ذیل واقعے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

٤٧٧٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَوَجَدَ عِنْدَهُ أَبَا جَهْلٍ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، فَقَالَ: «أَيْ عَمِّ! قُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ». فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: أَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ؟ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعْرِضُهَا عَلَيْهِ وَيُعِيدَانِهِ بِتِلْكَ الْمَقَالَةِ، حَتَّى قَالَ أَبُو طَالِبٍ آخِرَ مَا كَلَّمَهُمْ: عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَبَى أَنْ يَقُولَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَاللهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ»، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ﴾ وَأَنْزَلَ اللهُ فِي أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يَشَآءُ﴾. [راجع: ١٣٦٠]

[4772] حضرت سعید بن مسیب کے والد حضرت مسیب بن حزن سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بھی پہلے ہی وہاں بیٹھے ہیں۔ آپ نے ابوطالب سے فرمایا: "چچا جان! آپ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں تو میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بطور دلیل پیش کر سکوں گا۔" ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ کہنے لگے: ابوطالب کیا عبدالمطلب کا دین چھوڑ دو گے؟ رسول اللہ ﷺ اسے بار بار یہی کہتے رہے اور یہ دونوں بھی بار بار اپنی بات دہراتے رہے اور وہی بات پیش کرتے رہے۔ آخر ابوطالب کی زبان سے جو آخری کلمہ نکلا وہ یہی تھا کہ وہ عبدالمطلب کے مذہب ہی پر قائم ہے اور اس نے لا الہ الا اللہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں تمھارے لیے ضرور مغفرت طلب کرتا رہوں گا تاآنکہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے۔" پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "نبی اور اہل ایمان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں۔" اور اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے متعلق یہ آیت نازل کی اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: "آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أُو۟لِى ٱلْقُوَّةِ﴾ [٧٦]: لَا

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: أُولِی الْقُوَّةِ کا مطلب

[1] الشورٰی 42 : 52. [2] القصص 28 : 56.

يَرْفَعُهَا الْعُصْبَةُ مِنَ الرِّجَالِ. ﴿لَتَنُوٓأُ﴾: لَتُثْقِلُ. ﴿فَٰرِغًا﴾ [١٠]: إِلَّا مِنْ ذِكْرِ مُوسَى. ﴿ٱلْفَرِحِينَ﴾ [٧٦]: الْمَرِحِينَ. ﴿قُصِّيهِ﴾ [١١]: اِتَّبِعِي أَثَرَهُ؛ وَقَدْ يَكُونُ: أَنْ يَقُصَّ الْكَلَامَ. ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾ [يوسف: ٣]. ﴿عَن جُنُبٍ﴾ [١١]: عَنْ بُعْدٍ، وَعَنْ جَنَابَةٍ وَاحِدٌ، وَعَنِ اجْتِنَابٍ أَيْضًا. نَبْطِشُ وَنَبْطُشُ. ﴿يَأْتَمِرُونَ﴾ [٢٠]: يَتَشَاوَرُونَ. الْعُدْوَانُ وَالْعَدَاءُ وَالتَّعَدِّي وَاحِدٌ. ﴿ءَانَسَ﴾ [٢٩]: أَبْصَرَ. اَلْجِذْوَةَ: قِطْعَةٌ غَلِيظَةٌ مِنَ الْخَشَبِ لَيْسَ فِيهَا لَهَبٌ؛ وَالشِّهَابُ فِيهِ لَهَبٌ. وَالْحَيَّاتُ أَجْنَاسٌ: اَلْجَانُّ، وَالْأَفَاعِي، وَالْأَسَاوِدُ. ﴿رِدْءًا﴾ [٣٤]: مُعِينًا. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: [لِكَيْ] ﴿يُصَدِّقُنِي﴾. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿سَنَشُدُّ﴾ [٣٥]: سَنُعِينُكَ؛ كُلَّمَا عَزَّزْتَ شَيْئًا فَقَدْ جَعَلْتَ لَهُ عَضُدًا. مَقْبُوحِينَ: مُهْلَكِينَ. ﴿وَصَّلْنَا﴾ [٥١]: بَيَّنَّاهُ وَأَتْمَمْنَاهُ. ﴿يُجْبَىٰٓ﴾ [٥٧]: يُجْلَبُ. ﴿بَطِرَتْ﴾ [٥٨]: أَشِرَتْ. ﴿فِىٓ أُمِّهَا رَسُولًا﴾ [٥٩]: أُمُّ الْقُرَى مَكَّةُ وَمَا حَوْلَهَا. ﴿تُكِنُّ﴾ [٦٩]: تُخْفِي؛ أَكْنَنْتُ الشَّيْءَ: أَخْفَيْتُهُ، وَكَنَنْتُهُ: أَخْفَيْتُهُ وَأَظْهَرْتُهُ. ﴿وَيْكَأَنَّ ٱللَّهَ﴾ [٨٢]: مِثْلُ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ. يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ: يُوَسِّعُ عَلَيْهِ وَيُضَيِّقُ عَلَيْهِ.

ہے کہ قارون کے خزانوں کی چابیوں کو طاقت ور مردوں کی ایک جماعت بھی نہیں اٹھا پاتی تھی۔ لَتَنُوٓأُ: بوجھل کر دیتی تھی، بوجھ سے جھکا دیتی تھی۔ فَارِغًا کے معنی ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی خیال نہیں رہا تھا۔ اَلْفَرِحِينَ: اترانے والے، مارے خوشی کے پھول جانے والے۔ قُصِّيهِ کے معنی ہیں: اس کے پیچھے پیچھے چلی جا۔ اور کبھی یہ لفظ قصہ اور کلام بیان کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ میں ہے، یعنی ہم تجھے بیان سناتے ہیں۔ عَنْ جُنُبٍ کے معنی بُعد کے ہیں، یعنی دور سے اور عَنْ جَنَابَةٍ کے بھی یہی معنی ہیں کہ وہ پاکی سے دور ہو گیا، اسی طرح عَنِ اجْتِنَابٍ کے معنی ہیں: وہ پرہیز کر گیا۔ نَبْطِشُ از باب ضرب اور نَبْطُشُ از باب نصر دونوں کے معنی گرفت کرنا ہیں۔ يَأْتَمِرُونَ کے معنی ہیں: باہم مشورہ کر رہے ہیں۔ اَلْعُدْوَانُ، اَلْعَدَاءُ اور اَلتَّعَدِّي کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی زیادتی کرنا اور حد سے تجاوز کرنا۔ آنَسَ کے معنی ہیں: اس نے دیکھا۔ اَلْجِذْوَةَ: لکڑی کا وہ موٹا ٹکڑا جس کے سرے پر آگ لگی ہو لیکن اس میں شعلہ نہ ہو اور شہاب شعلے دار کو کہتے ہیں۔ اَلْحَيَّاتُ، یعنی سانپوں کی مختلف اقسام: اَلْجَانُّ: چھوٹا اور سفید سانپ۔ اَلْأَفَاعِي: بڑا سانپ اور اَلْأَسَاوِدُ: سیاہ ناگ کو کہتے ہیں۔ رِدْءًا کے معنی ہیں: مددگار اور پشت پناہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے يُصَدِّقُنِي کے معنی کیے ہیں: وہ میری تصدیق کرے، یعنی میری بات کو کھول کر بیان کر دے۔ اس کے غیر نے کہا: سَنَشُدُّ کے معنی ہیں: ہم تیری مدد کریں گے۔ جب تم کسی کی مدد کرتے ہو تو گویا اس کا بازو بن جاتے ہو۔ مَقْبُوحِينَ کے معنی ہیں: ہلاک شدہ۔ وَصَّلْنَا کے معنی ہیں: ہم نے اس کو بیان کیا اور پورا کیا۔ يُجْبَىٰ کے معنی ہیں: کھچے چلے آتے ہیں۔ بَطِرَتْ کے

معنی ہیں: تکبر کیا اور شرارت کی۔ فِی أُمِّهَا رَسُوْلًا سے مراد ام القریٰ، یعنی مکہ اور اس کے اطراف ہیں۔ تُكِنُّ کے معنی ہیں: تُخْفِي، یعنی پوشیدہ رکھتے ہیں۔ عرب لوگ کہتے ہیں: اَكْنَنْتُ ''میں نے اس کو چھپا لیا'' اور كَنَنْتُ کے بھی یہی معنی ہیں۔ اس کے معنی ظاہر کرنا بھی ہیں، یعنی یہ لفظ اضداد سے ہے۔ وَيْكَأَنَّ اللّٰهَ بمعنیٰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ ہے۔ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ کے معنی ہیں: جس کو چاہتا ہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگ روزی دیتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو یہ جواب دیا: اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلائیں کہ موت کی گھبراہٹ نے اسے کلمۂ توحید کہنے پر مجبور کر دیا تو میرے بھتیجے! میں یہ کلمہ پڑھ کر تیری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔[1] ② اس میں کوئی شک نہیں کہ ابو طالب نے مکی دور میں اپنے آخری دم تک رسول اللہ ﷺ کی حمایت اور سرپرستی کی، نیز ہر مشکل وقت میں آپ کا ساتھ دیا لیکن وہ ہدایت سے محروم رہا، تاہم حمایت کی وجہ سے اسے عذاب میں ضرور تخفیف ہو گی جیسا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! ابو طالب آپ کی حفاظت کرتا تھا اور اس نے آپ کی خاطر سب کی ناراضی مول لی تھی، کیا آپ کی ذات سے اسے کوئی فائدہ پہنچے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔''[2] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن شاید انھیں میری سفارش سے کچھ فائدہ پہنچے اور وہ ہلکی آگ میں رکھے جائیں جو ان کے ٹخنوں تک ہو جس کی وجہ سے اس کا بھیجا ابلتا رہے گا۔''[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کو ہوگا۔ وہ آگ کی دو جوتیاں پہنے ہوگا جس سے اس کا بھیجا کھول رہا ہوگا۔''[4]

(٢) بَابٌ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِى فَرَضَ عَلَيْكَ ٱلْقُرْءَانَ﴾ [٨٥]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جس اللہ نے آپ پر قرآن فرض، یعنی نازل کیا ہے'' کا بیان

وضاحت: مُعَاد کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ کچھ مفسرین نے اس سے مراد قیامت لی ہے اور کچھ موت اور کچھ اہل علم کے ہاں اس کے معنی جنت ہیں۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے معنی ہیں: مکہ مکرمہ جیسا کہ درج ذیل روایت

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث : 3188. ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث : 3883. ③ صحيح البخاري، الرقاق، حديث : 6564. ④ صحيح مسلم، الإيمان، حديث : 515 (212).

سے ظاہر ہوتا ہے۔

٤٧٧٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا يَعْلَى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الْعُصْفُرِيُّ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﴿لَرَآدُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ قَالَ: إِلَى مَكَّةَ.

[4773] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ کی طرف واپسی ہے۔

فائدہ: معاد آدمی کے شہر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ سفر کر کے واپس اسی جگہ آتا ہے۔ یہ آیت مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے ہجرت کے دوران میں نازل ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو اسی وقت خوشخبری سنا دی گئی تھی کہ آپ اپنے شہر مکہ مکرمہ آنے والے ہیں۔ اور ﴿وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَد﴾ سے بھی یہی مفہوم متبادر ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے آٹھ سال بعد اپنا وعدہ پورا فرما دیا اور آپ 8 ہجری میں فاتحانہ طور پر مکہ مکرمہ دوبارہ تشریف لائے۔

(٢٩) سُورَةُ الْعَنكَبُوتِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 29-تفسیر سورۂ عنکبوت

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مُسْتَبْصِرِينَ﴾ [٣٨]: ضَلَلَةً. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿الْحَيَوَانُ﴾ [٦٤] وَالْحَيُّ وَاحِدٌ. ﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ﴾ [١١]: عَلِمَ اللهُ ذٰلِكَ، إِنَّمَا هِيَ بِمَنْزِلَةِ فَلِيَمِيزَ اللهُ كَقَوْلِهِ: ﴿لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ﴾ [الأنفال: ٣٧]. ﴿وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ﴾ [١٣]: أَوْزَارًا مَّعَ أَوْزَارِهِمْ.

امام مجاہد فرماتے ہیں: مُسْتَبْصِرِيْنَ کے معنی گمراہ کے ہیں، یعنی وہ گمراہ تھے لیکن خود کو ہدایت پر سمجھتے تھے۔ ان کے علاوہ کسی اور کا قول ہے کہ اَلْحَيَوَانُ اور اَلْحَيُّ کے ایک ہی معنی ہیں۔ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ کے معنی عَلِمَ اللّٰهُ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر دو فریق کا علم ہے۔ اور یہاں علم سے علم تمیز مراد ہے، یعنی اللہ کھول کر بتا دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ "تاکہ اللہ ناپاک کو (پاک سے) الگ کر دے۔" وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ کے معنی اَوْزَارًا مَّعَ اَوْزَارِهِمْ ہیں، یعنی اپنے گناہ اپنے اوپر لادیں گے اور ان گناہوں کے ساتھ کچھ گناہ اور بھی ہوں گے۔

وضاحت: ایک بوجھ خود گمراہ ہونے کا اور دوسرے بوجھ دوسروں کو گمراہ کرنے کا، ایک تو ان کے ذاتی گناہ ہوں گے دوسرے وہ گناہ جن کے لیے یہ سبب بنے تھے دونوں قسم کے گناہوں کو اٹھائیں گے۔

(٣٠) سُورَةُ الرُّومِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 30-تفسیر سورۂ روم

﴿فَلَا يَرْبُوا﴾ [٣٩] مَنْ أَعْطَى عَطِيَّةً يَبْتَغِي أَفْضَلَ، فَلَا أَجْرَ لَهُ فِيهَا. قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿يُحْبَرُونَ﴾ [١٥]: يُنَعَّمُونَ. ﴿يَمْهَدُونَ﴾ [٤٤]: يُسَوُّونَ الْمَضَاجِعَ. ﴿الْوَدْقَ﴾ [٤٨]: الْمَطَرَ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَنُكُم﴾ [٢٨]: فِي الْآلِهَةِ. وَفِيهِ: ﴿تَخَافُونَهُمْ﴾: أَنْ يَرِثُوكُمْ كَمَا يَرِثُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. ﴿يَصَّدَّعُونَ﴾ [٤٣]: يَتَفَرَّقُونَ؛ ﴿فَاصْدَعْ﴾ [الحجر: ٩٤]. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿ضُعْفٌ﴾ وَ (ضَعْفٌ) لُغَتَانِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿السُّوأَى﴾ [١٠] الْإِسَاءَةُ، جَزَاءُ الْمُسِيئِينَ.

فَلَا يَرْبُوْا کا مطلب ہے کہ جو شخص زیادہ لینے کی غرض سے کسی کو کچھ دے تو اسے اس کے دینے میں کچھ ثواب نہیں ہو گا۔ امام مجاہد نے فرمایا: يُحْبَرُوْنَ کے معنی ہیں: انھیں نعمتیں دی جائیں گی۔ يَمْهَدُوْنَ کے معنی ہیں: وہ بستر بچھاتے ہیں۔ اَلْوَدْقُ: بارش۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّامَلَكَتْ اَيْمٰنُكُمْ یہ آیت اللہ تعالیٰ اور معبودان باطلہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے: تَخَافُوْنَهُمْ: کیا تمھیں اپنے غلاموں سے اندیشہ ہے کہ وہ تمھارے وارث بن جائیں گے جس طرح تم ایک دوسرے کے وارث بن جاتے ہو۔ يَصَّدَّعُوْنَ کے معنی ہیں: سب متفرق و منتشر ہو جائیں گے جیسا کہ فَاصْدَعْ ہے، یعنی حق کو باطل سے الگ کر کے خوب کھول کر اللہ کا حکم پہنچا دیں۔ ان کے علاوہ دوسرے نے کہا: ضُعْف اور ضَعْف، یعنی ضاد کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ دو لغات ہیں۔ امام مجاہد نے کہا: اَلسُّوْآى کے معنی ہیں: برائی، یعنی برا کرنے والوں کو برا ہی بدلہ ملے گا۔

٤٧٧٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ وَّالْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَّسْرُوقٍ قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يُحَدِّثُ فِي كِنْدَةَ فَقَالَ: يَجِيءُ دُخَانٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَأْخُذُ بِأَسْمَاعِ الْمُنَافِقِينَ وَأَبْصَارِهِمْ، يَأْخُذُ الْمُؤْمِنَ كَهَيْئَةِ الزُّكَامِ، فَفَزِعْنَا، فَأَتَيْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ وَّكَانَ مُتَّكِئًا فَغَضِبَ، فَجَلَسَ

[4774] حضرت مسروق سے روایت ہے کہ ایک شخص نے قبیلۂ کندہ میں حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ قیامت کے دن ایک دھواں اٹھے گا جو منافقین کی قوت سماعت و بصارت کو ختم کر دے گا لیکن مومن پر اس کا اثر صرف زکام جیسا ہو گا۔ ہم اس کی بات سن کر بہت گھبرائے۔ میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ اس وقت وہ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ (یہ سن کر) وہ

فَقَالَ: مَنْ عَلِمَ فَلْيَقُلْ وَمَنْ لَّمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلْ: اَللهُ أَعْلَمُ، فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يَّقُولَ لِمَا لَا يَعْلَمُ: لَا أَعْلَمُ. فَإِنَّ اللهَ قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿قُلْ مَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَاْ مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ [ص:٨٦] وَإِنَّ قُرَيْشًا أَبْطَؤُوا عَنِ الْإِسْلَامِ فَدَعَا عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ»، فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَتّٰى هَلَكُوا فِيهَا وَأَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْعِظَامَ، وَيَرَى الرَّجُلُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ، فَجَاءَهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! جِئْتَ تَأْمُرُنَا بِصِلَةِ الرَّحِمِ وَإِنَّ قَوْمَكَ قَدْ هَلَكُوا فَادْعُ اللهَ، فَقَرَأَ: ﴿فَٱرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِى ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿عَآئِدُونَ﴾. [الدخان:١٠-١٥] أَفَيُكْشَفُ عَنْهُمْ عَذَابُ الْآخِرَةِ إِذَا جَاءَ، ثُمَّ عَادُوا إِلٰى كُفْرِهِمْ؟ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ ٱلْبَطْشَةَ ٱلْكُبْرَىٰٓ﴾ [١٦] يَوْمَ بَدْرٍ، وَ﴿لِزَامًا﴾ [٧٧] يَوْمَ بَدْرٍ، ﴿الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ ٱلرُّومُ﴾ إِلٰى ﴿سَيَغْلِبُونَ﴾ [١-٣] وَالرُّومُ قَدْ مَضٰى. [راجع: ١٠٠٧]

بہت ناراض ہوئے اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: جو شخص علم رکھتا ہو وہ تو بیان کرے اور جو علم نہیں رکھتا وہ کہے کہ اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ اور یہ بھی علم ہے کہ انسان اپنی لاعلمی کا اعتراف کرے اور صاف کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے: ''کہہ دیجیے! میں اپنی تبلیغ و دعوت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں ہی سے ہوں۔'' اصل واقعہ یہ ہے کہ قریش نے جب اسلام لانے میں تاخیر کی تو نبی ﷺ نے ان کے خلاف بددعا فرمائی: ''اے اللہ! ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دور والے قحط جیسا قحط بھیج کر میری مدد فرما۔'' پھر ایسا قحط پڑا کہ اس میں لوگ تباہ ہوئے اور کچھ مردار اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوئے۔ اس دوران میں اگر کوئی آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں دیکھتا تو اسے دھواں نظر آتا، پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے: اے محمد! آپ ہمیں صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں لیکن آپ کی قوم تباہ ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا فرمائیں۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: ''آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان واضح دھواں لائے گا ...... اپنی اسی حالت میں آجاؤ گے۔'' کیا آخرت کا عذاب بھی ان سے ٹل جائے گا جب وہ آجائے گا؟ چنانچہ قحط کے ختم ہونے کے بعد پھر وہ کفر سے باز نہ آئے۔ اللہ کے درج ذیل ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے: يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى یہ بطشہ، کفار قریش پر غزوۂ بدر کے دن واقع ہوا۔ اور لِزَامًا میں بھی اشارہ معرکۂ بدر کی طرف ہے۔ اسی طرح الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ سے سَيَغْلِبُوْنَ تک، یہ واقعہ بھی گزر چکا ہے۔

فوائدومسائل: ① عہد رسالت میں دو بڑی طاقتیں تھیں: ایک فارس (ایران) کی اور دوسری روم کی۔ اول الذکر حکومت آتش پرست اور دوسری عیسائی اہل کتاب کی تھی۔ مشرکین مکہ کی ہمدردیاں فارس کے ساتھ تھیں کیونکہ وہ غیر اللہ کے پجاری تھے جبکہ مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کی عیسائی حکومت کے ساتھ تھیں کیونکہ عیسائی بھی مسلمانوں کی طرح اہل کتاب تھے اور وحی و رسالت پر ایمان رکھتے تھے۔ ان دونوں حکومتوں کی آپس میں ٹھنی رہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے چند سال بعد ایسا ہوا کہ فارس کی حکومت عیسائی حکومت پر غالب آگئی جس پر مشرکین کو خوشی اور مسلمانوں کو غم ہوا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ......﴾ ② ان آیات میں پیش گوئی کی گئی کہ چند سال کے اندر رومی پھر غالب آجائیں گے۔ بظاہر یہ پیشین گوئی ناممکن العمل معلوم ہوتی تھی لیکن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوکر رہے گا، چنانچہ رومی نو سال کی مدت کے اندر اندر، یعنی ساتویں سال غالب آگئے، جس سے مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔[1] ③ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رومیوں کے غلبے کا واقعہ بھی وقوع پذیر ہو چکا ہے۔ واللّٰه أعلم.

بَابٌ: ﴿لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ [٣٠]

باب: - ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ کی خلقت (فطرت) میں کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا'' کا بیان

لِدِينِ اللهِ. ﴿خُلُقُ الْأَوَّلِينَ﴾ [الشعراء: ١٣٧]: دِينُ الْأَوَّلِينَ، وَالْفِطْرَةُ: اَلْإِسْلَامُ.

خَلْق اللّٰه سے مراد اللہ کا دین ہے۔ خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ میں بھی دین ہی مراد ہے، یعنی پہلے لوگوں کا دین۔ آیت کریمہ میں فطرت سے مراد بھی اللہ کا دین ہے۔

٤٧٧٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟ ثُمَّ يَقُولُ: ﴿فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾». [راجع: ١٣٥٨]

[4775] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم نے کبھی پیدائشی طور پر ناک یا کان کٹا ہوا کوئی بچہ دیکھا ہے؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3193.

ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے تو وہ بڑا ہو کر اسلام پر کار بند ہوگا لیکن انسان کی اس فطرت اصلی پر والدین یا ماحول کا گہرا اثر ہوتا ہے اور غلط ماحول میں وہ فطرت اصلیہ دب جاتی ہے۔ اس دبی ہوئی فطرت سے ماحول کے دباؤ کا اثر ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ انبیاء بھیجتا اور آسمان سے کتابیں نازل کرتا ہے۔ ② بہرحال ہر انسان کی فطرت میں قبول حق کی قوت رکھ دی گئی ہے اور اسی لیے اسے حق قبول کرنے کا پابند ٹھہرایا گیا، مثلاً: اگر فرعون اور ابوجہل میں قبول حق کی یہ صلاحیت نہ ہوتی تو انھیں حق کی طرف دعوت دینا ہی فضول ہوتا، اس لیے انسان کو ایسے اسباب ووسائل سے پرہیز کرنا چاہیے جو اس کی قبول حق کی استعداد ختم یا کمزور کر دے اور وہ اسباب اکثر غلط ماحول اور بری صحبت ہیں، اسی طرح اہل باطل کی کتابیں پڑھنا جبکہ خود اپنے مذہب اسلام کا پورا عالم نہ ہو۔ و اللہ أعلم.

(٣١) سُورَةُ لُقْمَانَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 31- تفسیر سورۂ لقمان

(١) [بَابٌ]: ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [١٣]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت کر، بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے“ کا بیان

وضاحت: اور جب حضرت لقمان نے وعظ کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے فرمایا: ”میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی سب سے پہلی وصیت یہ نقل فرمائی ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو شرک سے منع فرمایا جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ والدین اپنی اولاد کو شرک سے بچانے کی سرتوڑ کوشش کریں۔

٤٧٧٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿الَّذِينَ ءَامَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَٰنَهُم بِظُلْمٍ﴾ [الأنعام: ٨٢] شَقَّ ذٰلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: أَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ إِيمَانَهُ بِظُلْمٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّهُ لَيْسَ بِذَاكَ، أَلَا تَسْمَعُ إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ لِابْنِهِ: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ

[4776] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا۔“ اس آیت سے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام ؓ بہت گھبرائے اور عرض کرنے لگے: ہم میں سے کون ایسا ہوگا جس نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آیت میں ظلم سے مراد وہ نہیں جو تم نے سمجھا ہے۔ کیا تم نے حضرت لقمان کی وہ نصیحت نہیں سنی

عَظِيمٌ﴾». [راجع: ٣٢]

جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی کہ بلاشبہ شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔"

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ خالص اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اگر وہ اس حق کو ادا نہیں کریں گے تو وہ ظلم کے مرتکب ہوں گے۔ یہ ایک ایسا جرم ہے جو نا قابل معافی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تجھے معلوم ہے کہ اللہ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے؟ اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟" حضرت معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: "اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ جو بندہ شرک نہ کرتا ہو اللہ اسے عذاب نہ دے۔"[1]

(٢) بَابُ قَوْلِهِ ﴿إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ﴾ [٣٤]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: "بلاشبہ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے" کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا مفہوم حسب ذیل ہے: "قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے۔ اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ ہی سب کچھ جاننے والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔"[2] کفار مکہ اکثر رسول اللہ ﷺ سے پوچھتے رہتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ کتاب وسنت میں اس سوال کے متعدد جوابات بیان ہوئے ہیں، لیکن اس سوال کا بالکل ٹھیک جواب یہی ہے کہ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی قیامت کا علم نہیں تھا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

٤٧٧٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي حَيَّانَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ، إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ يَمْشِي فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: «اَلْإِيمَانُ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ، وَلِقَائِهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ». قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْإِسْلَامُ؟

[4777] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ایک دن ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی پیدل چلتا ہوا آیا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور اس کی ملاقات پر ایمان لاؤ اور قیامت کے دن پر یقین رکھو۔" پھر وہ کہنے لگا: اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟

1 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2856. 2 لقمان 31: 34.

قَالَ: «اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ». قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: «اَلْإِحْسَانُ: أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: «مَا الْمَسْؤُلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ؛ وَلٰكِنْ سَأُحَدِّثُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا: إِذَا وَلَدَتِ الْمَرْأَةُ رَبَّتَهَا، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا: وَإِذَا كَانَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رُؤُسَ النَّاسِ، فَذَاكَ مِنْ أَشْرَاطِهَا، فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللهُ: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى ٱلْأَرْحَامِ﴾ ثُمَّ انْصَرَفَ الرَّجُلُ، فَقَالَ: «رُدُّوا عَلَيَّ»، فَأَخَذُوا لِيَرُدُّوا فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ: «هٰذَا جِبْرِيلُ جَاءَ لِيُعَلِّمَ النَّاسَ دِينَهُمْ». [راجع: ٥٠]

آپ نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، فرض زکاۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔'' اس نے پوچھا: اللہ کے رسول! احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہ کر سکو تو کم از کم یہ خیال کرو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔'' پھر اس نے پوچھا: اللہ کے رسول! قیامت کب قائم ہو گی؟ آپ نے فرمایا: ''جس سے تم سوال کر رہے ہو وہ بھی سائل سے زیادہ نہیں جانتا، البتہ میں تمھیں اس کی چند نشانیوں سے آگاہ کرتا ہوں۔ ایک یہ ہے کہ عورت اپنے آقا کو جنم دے گی، دوسری یہ کہ جب ننگے پاؤں، ننگے جسم والے لوگ دوسروں کے سردار بن جائیں تو یہ بھی قیامت کی نشانی ہے، (آگاہ رہو!) ان پانچ باتوں میں سے ایک قیامت بھی ہے جسے اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ''وہی جانتا ہے قیامت کب آئے گی اور بارش کب برسے گی اور ماؤں کے پیٹ میں کیا کچھ ہے۔'' پھر وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس واپس لاؤ۔'' لوگ اسے بلانے گئے تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو آپ لوگوں کو آپ کا دین سکھانے آئے تھے۔''

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث، حدیث جبریل کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں وضاحت ہے کہ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کہ اس نے کب آنا ہے۔ اس کے متعلق نہ تو جبرئیل علیہ السلام کچھ جانتے ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ ہی کو اس کے متعلق کوئی خبر ہے۔ اور اس کا وقت معین نہ بتانے میں حکمت یہ ہے کہ اگر بتا دیا جائے تو دنیا کے دارالامتحان ہونے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ ② قیامت کے علاوہ چار باتیں اور بھی ہیں جنھیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا: ان میں پہلی بات یہ ہے کہ نفع دینے والی بارش کب ہو گی، دوسری یہ کہ مادر رحم میں کیا ہے کہ وہ نر ہے یا مادہ، تنگ دست ہو گا یا خوشحال، نیک بخت یا بد بخت، گورا ہے یا کالا یہ سب باتیں رحم مادر کے مراحل میں شامل ہیں۔ تیسری بات یہ کہ وہ کل کیا کرے گا، اسے توبہ کی توفیق نصیب ہو گی یا نہیں۔ بلکہ اسے کل تک زندہ بھی رہنا ہے یا نہیں۔ چوتھی یہ کہ وہ کب اور کہاں مرے گا؟ ③ یہ چار باتیں ایسی ہیں جن سے ہر انسان کو دلچسپی

ہوتی ہے، اس لیے خاص طور پر ان باتوں کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ اس طرح دیگر کئی امور ایسے ہیں جو غیب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تک انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ واللہ أعلم.

٤٧٧٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي [عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ]: أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ﴾». [راجع: ١٠٣٩]

[4778] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے......۔''

فائدہ: ان پانچ باتوں کو غیب کی چابیاں کہا گیا ہے، جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اس کے سوا کسی نبی، فرشتے، ولی یا نیک بندے کو کوئی علم نہیں۔ اگر کوئی ان کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ جھوٹا، مکار اور دغا باز ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں اس قسم کا عقیدہ رکھے تو وہ شرک فی العلم کا مرتکب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اہل اسلام کو محفوظ رکھے۔ آمین.

(٣٢) سُورَةُ السَّجْدَةِ — بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ — 32- تفسیر سورۂ سجدہ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مَهِينٍ﴾ [٨]: ضَعِيفٍ؛ نُطْفَةِ الرَّجُلِ. ﴿ضَلَلْنَا﴾ [١٠]: هَلَكْنَا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ٱلْجُرُزِ﴾ [٢٧]: اَلَّتِي لَا تُمْطَرُ إِلَّا مَطَرًا لَّا يُغْنِي عَنْهَا شَيْئًا. ﴿يَهْدِ﴾ [٢٦]: يُبَيِّنْ.

امام مجاہد نے کہا: مَهِيْنٍ سے مراد کمزور و ناتواں ہے اور یہ مرد کے نطفے کی صفت ہے۔ ضَلَلْنَا کے معنی ہیں: ہم تباہ ہوئے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اَلْجُرُزِ سے مراد وہ زمین ہے جہاں بارش کم ہوتی ہو جو کوئی فائدہ نہ دے۔ يَهْدِ کے معنی ہیں: وہ بیان کرتے ہیں۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِىَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ [١٧]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان ان کے لیے چھپایا گیا ہے'' کا بیان

وضاحت: ایسے لوگ جو رات کی تاریکی میں اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں اور ریا کاری سے بچتے ہوئے

اللہ کو یاد کرتے ہیں، ان کا بدلہ بھی ایسی چیزیں ہوں گی جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے چھپا رکھی ہیں۔ جنت کی نعمتوں کا تو یہ حال ہے کہ نہ کبھی کسی نے دیکھیں نہ سنیں، نہ چکھیں حتی کہ کسی کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہ آیا ہو گا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧٧٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَعْدَدْتُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ». قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: اِقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾.

[4779] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں نے اپنے صالح اور نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا بلکہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی ہوں گی۔“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ”کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان ان کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے۔“

وَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «قَالَ اللهُ». مِثْلَهُ. قِيلَ لِسُفْيَانَ: رِوَايَةً؟ قَالَ: فَأَيُّ شَيْءٍ؟ وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، قَرَأَ أَبُو هُرَيْرَةَ: (قُرَّاتِ أَعْيُنٍ). [راجع: ٣٢٤٤]

علی بن مدینی نے کہا: ہم سے سفیان نے بیان کیا، ان سے ابو الزناد نے، ان سے اعرج نے اور ان سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پھر پہلی حدیث کی طرح بیان کیا۔ سفیان سے پوچھا گیا: (کیا آپ یہ رسول اللہ ﷺ کی) حدیث روایت کر رہے ہیں (یا اپنے اجتہاد سے فرما رہے ہیں؟) انھوں نے کہا: (اگر یہ حدیث نہیں) تو پھر اور کیا ہے؟ ابو معاویہ نے کہا کہ انھیں اعمش نے بتایا، ان سے ابو صالح نے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے (اس آیت میں قُرَّةَ اَعْيُنٍ کو قُرَّاتِ اَعْيُنْ (جمع کے ساتھ) پڑھا ہے۔

٤٧٨٠ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا

[4780] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان

عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ. ذُخْرًا مِّنْ بَلْهِ مَا أُطْلِعْتُمْ عَلَيْهِ». ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِىَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾. [راجع: ٣٢٤٤]

نے سنا اور نہ کسی کے دل ہی میں ان کا خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں ذخیرہ کی ہیں اور یہ ان کے علاوہ ہیں جن پر تمھیں اطلاع ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''آنکھوں کی ٹھنڈک کا جو سامان ان کے لیے چھپا کر رکھا گیا ہے، کسی نفس کو معلوم نہیں، ان اعمال کا بدلہ (دینے کے لیے) جو وہ دنیا میں کرتے رہے۔''

فوائد ومسائل: ① جنت کی وہ نعمتیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے، ان کا ذکر نہ کرو، وہ جو اس کے ہاں ذخیرہ ہیں وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جنت کی تعمیر کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے، آپ نے فرمایا: ''جنت کی تعمیر میں ایک اینٹ سونے کی، ایک اینٹ چاندی کی اور اس کا گارا تیز خوشبو والی کستوری کا ہے۔ اس کی چپس ہیرے، جواہرات اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ خوشحال رہے گا۔ وہ کبھی بدحال نہیں ہوگا۔ وہاں ہمیشہ رہے گا، فوت نہیں ہوگا۔ اس کے کپڑے بوسیدہ ہوں گے نہ اس کی جوانی ختم ہوگی۔''[1] ② جنت کا ایک پہلو مندرجہ ذیل بھی ہے اسے بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا: جاؤ اسے دیکھو، چنانچہ وہ گئے اور انھوں نے اسے، اس کے رہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیار کر رکھا تھا، اسے دیکھا، پھر واپس آئے تو عرض کی: رب جی! تیری عزت کی قسم! اس کے متعلق جو بھی سنے گا وہ اس میں داخل ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے گرد ناگوار چیزوں کی باڑ لگا دی، پھر فرمایا: جبرئیل! اب جا کر اسے دیکھو۔ وہ گئے اور اسے دیکھا، پھر آئے اور عرض کی: رب جی! تیری عزت کی قسم! مجھے اندیشہ ہے کہ اس میں کوئی ایک بھی داخل نہیں ہوگا۔[2]

(٣٣) سُورَةُ الْأَحْزَابِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 33- تفسیر سورۂ احزاب

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿صَيَاصِيهِمْ﴾ [٢٦]: قُصُورِهِمْ. ﴿مَعْرُوفًا﴾ [٦] فِي الْكِتَابِ.

امام مجاہد نے کہا: صَيَاصِيهِمْ سے مراد بنوقریظہ کے قلعے اور محلات ہیں۔ مَعْرُوفاً: وہ اچھا کام جس کا ذکر کتاب میں موجود ہے۔

﴿ٱلنَّبِىُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ﴾ [٦]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''نبیٔ کریم، اہل ایمان پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں'' کا بیان

---

① مسند أحمد: 305/2. ② سنن أبي داود، السنة، حديث: 4744.

وضاحت: اس آیت کا مفہوم حسب ذیل ہے: تم خود بھی اپنے اتنے خیر خواہ نہیں ہو سکتے جس قدر تمھارے خیر خواہ نبی اکرم ہیں۔ پھر یہ خیر خواہی اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہے: دینی اور دنیوی۔ دنیوی اعتبار سے آپ کی سب سے زیادہ خیر خواہی درج ذیل حدیث سے واضح ہے۔

٤٧٨١ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اِقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿ٱلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ تَرَكَ مَالًا فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوا، فَإِنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي، وَأَنَا مَوْلَاهُ». [راجع: ٢٢٩٨]

[4781] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جتنے بھی مومن ہیں، میں ان سب کا دنیا و آخرت کے کاموں میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں، اگر تمھارا دل چاہے تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ اس لیے جو مومن مرتے وقت مال و دولت چھوڑ جائے تو اس کے وارث اس کے عزیز و اقارب ہوں گے جو بھی ہوں، لیکن اگر کسی مومن نے قرض چھوڑا ہے یا اولاد چھوڑی ہے تو وہ میرے پاس آجائیں میں ان کا ذمہ دار ہوں۔''

فائدہ: دینی اعتبار سے بھی رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ اہل ایمان کے خیر خواہ ہیں کیونکہ انھیں آپ ﷺ ہی کے ذریعے سے ہدایت کا راستہ ملا ہے جس میں ہماری دنیوی اور اخروی کامیابی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس حد درجہ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مسلمان بھی آپ کا دوسرے سب لوگوں سے بڑھ کر احترام کریں اور آپ کی اطاعت کو بجا لائیں تاکہ آپ کی تعلیم و تربیت سے پوری طرح فیض یاب ہوا جا سکے جیسا کہ سیدنا انس ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے میرے ساتھ، اپنی اولاد، اپنے والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو۔''[1]

(٢) بَابٌ: ﴿ٱدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ﴾ [٥]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ اللہ کے ہاں یہی انصاف کی بات ہے'' کا بیان

وضاحت: آیت کا تکملہ یہ ہے: ''اور اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں۔''[2] دور جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں یہ رواج تھا کہ جسے منہ بولا بیٹا بنا لیا جاتا تو اس کے لیے حقیقی بیٹے یا بیٹی جیسے

1 صحیح البخاري، الإیمان، حدیث: 15. 2 الأحزاب 33:5.

فرائض وحقوق بھی اپنے اوپر لازم کر لیے جاتے حتی کہ ان کی نسبت بھی اپنی طرف کی جاتی۔ گھر میں بیوی یا بیٹیاں اس سے پردہ نہ کرتیں۔ بعض اوقات اس سے اخلاقی برائیاں جنم لیتیں، اس بنا پر اس رسم کی اصلاح کرنا ضروری تھا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید ؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا اور اسے اپنی طرف منسوب کر کے آواز دیتے تھے اور دوسرے لوگ بھی انھیں زید بن محمد ہی کہا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٧٨٢ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ - مَوْلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ - مَا كُنَّا نَدْعُوهُ إِلَّا زَيْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ، حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ: ﴿ٱدْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ﴾.

[4782] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت زید بن حارثہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (جب آپ نے انھیں متبنیٰ بنا لیا تو) ہم لوگ انھیں زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''ان منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ اللہ کے ہاں یہی انصاف کی بات ہے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت زید بن حارثہ ؓ نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے اور آپ کو ان سے انتہائی محبت تھی، اسی طرح حضرت زید ؓ کو بھی آپ سے بہت تعلق خاطر تھا۔ ان کے بھائی حضرت جبلہ بن حارثہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میرے بھائی زید کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ حاضر ہے، اگر وہ تمھارے ساتھ (یمن) جانا چاہے تو میں اسے منع نہیں کروں گا۔'' حضرت زید بن حارثہ ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا، چنانچہ حضرت جبلہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کی رائے کو اپنی رائے سے افضل اور وزنی پایا۔[1] ② اللہ تعالیٰ نے جب دور جاہلیت کی رسم کو ختم کرنا چاہا تو اس کے لیے خود رسول اللہ ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید ؓ کا انتخاب کیا، چنانچہ آیت کے نزول کے بعد انھیں زید بن محمد کے بجائے زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ بہر حال اسلامی قانون میں لے پالک کی ایسی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ اسے حقیقی اولاد جیسے حقوق ملیں۔ والله أعلم.

(٣) بَابٌ: ﴿فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُۥ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا۟ تَبْدِيلًا﴾ [٢٣]

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''ان میں سے کوئی تو اپنا عہد اور اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور کوئی موقع کا انتظار کر رہا ہے اور انھوں نے (اپنے عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی'' کا بیان

1 جامع الترمذي، المناقب، حديث: 3815.

﴿نَحْبَهُ﴾: عَهْدَهُ. ﴿أَقْطَارِهَا﴾ [١٤]: جَوَانِبِهَا. ﴿ٱلْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا﴾: لَأَعْطَوْهَا.

نَحْبَهُ سے مراد اپنا عہد وقرار ہے۔ اَقْطَارِهَا کے معنی ہیں: اس (مدینہ) کے کناروں (اطراف) سے۔ اَلْفِتْنَةَ لَاتَوْهَا کے معنی ہیں: وہ قبول کرلیں گے اور شریک ہو جائیں گے۔

وضاحت: آیت کریمہ میں عہد سے مراد وہ عہد و پیمان ہے جو لیلہ عقبہ میں انصار کے بہتر (72) افراد نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا کہ ہم مرتے دم تک آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کا پورا پورا دفاع کریں گے۔

٤٧٨٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نُرٰى هٰذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي أَنَسِ بْنِ النَّضْرِ: ﴿مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا۟ مَا عَٰهَدُوا۟ ٱللَّهَ عَلَيْهِ﴾. [راجع: ٢٨٠٥]

[4783] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میرے خیال کے مطابق درج ذیل آیت حضرت انس بن نضر ؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی: ''اہل ایمان میں سے کچھ مرد ایسے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا......۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت انس بن نضر ؓ نے جو کہا اسے کر کے دکھایا کہ میدان جہاد میں بصد شوق اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا جیسا کہ درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں: میرے چچا حضرت انس بن نضر ؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میں پہلی لڑائی میں غائب رہا جو آپ نے مشرکین کے خلاف لڑی تھی۔ اگر اب اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین کے خلاف کسی لڑائی میں حاضر ہونے کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں، پھر جب غزوۂ احد کا موقع آیا اور مسلمان بھاگ نکلے تو حضرت انس بن نضر ؓ نے کہا: اے اللہ! جو کچھ مسلمانوں نے کیا میں اس سے معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ مشرکین نے کیا میں اس سے بے زار ہوں، پھر وہ آگے بڑھے تو حضرت سعد بن معاذ ؓ ملے، ان سے حضرت انس بن نضر ؓ نے کہا: اے سعد بن معاذ! میں تو جنت میں جانا چاہتا ہوں اور نضر کے رب کی قسم! میں جنت کی خوشبو احد پہاڑ کے قریب پاتا ہوں۔ حضرت سعد ؓ کہتے ہیں: اللہ کے رسول! جو انھوں نے کر دکھایا اس کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب ہم نے حضرت انس بن نضر ؓ کو تلاش کیا تو تلواروں، نیزوں اور تیروں کے تقریباً اسی نشانات ان کے جسم پر تھے۔ جب وہ شہید ہوئے تو مشرکین نے ان کے اعضاء کاٹ دیے تھے۔ کوئی شخص بھی انھیں پہچان نہیں سکتا تھا۔ صرف ان کی بہن نے انھیں انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ ② حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں: ہمارے خیال کے مطابق درج ذیل آیت کریمہ ان کے اور ان جیسے اہل ایمان کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ اہل ایمان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اس عہد کو پورا کر دکھایا جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا......۔[1] حضرت

---

1 الأحزاب 23:33، وصحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث :2805، وصحيح مسلم، الإمارة، حديث:4918 (1903).

انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میرا نام میرے چچا حضرت زید بن نضر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھا گیا تھا۔[1]

٤٧٨٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ: لَمَّا نَسَخْنَا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ فَقَدْتُ آيَةً مِّنْ سُورَةِ الْأَحْزَابِ، كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَؤُهَا لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ إِلَّا مَعَ خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ، الَّذِي جَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَهَادَتَهُ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ: ﴿مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا۟ مَا عَٰهَدُوا۟ ٱللَّهَ عَلَيْهِ﴾. [راجع: ٢٨٠٧]

[4784] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب ہم نے قرآن مجید کو مصحف کی صورت میں جمع کیا تو مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی، حالانکہ میں وہ آیت رسول اللہ ﷺ سے بارہا سن چکا تھا۔ آخر وہ مجھے حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی، جن کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔ وہ آیت یہ تھی: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دیہاتی سے گھوڑا خریدا اور آپ نے اس سے کہا: تم میرے ساتھ آؤ تاکہ میں تمھارے گھوڑے کی قیمت ادا کروں۔ رسول اللہ ﷺ جلدی جلدی چلے جبکہ وہ دیہاتی آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ اس دوران میں لوگ اس دیہاتی کے پاس آئے اور گھوڑے کا سودا کرنے لگے۔ انھیں علم نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے خرید لیا ہے۔ اس دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اگر گھوڑا خریدنا ہے تو خرید لو ورنہ میں اسے فروخت کر دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی آواز سن کر رک گئے اور فرمایا: ''کیا میں نے اسے تم سے خرید نہیں لیا۔'' دیہاتی نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہے۔ میں نے یہ تم کو بیچا ہی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، میں نے تم سے خرید لیا ہے۔'' دیہاتی نے کہا: کوئی گواہ لاؤ۔ حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ بولے: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے فروخت کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خزیمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''تم کس طرح گواہی دیتے ہو؟'' انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کی تصدیق کی بنا پر۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا۔[2] لیکن اس واقعے کو عام قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ [٢٨]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں'' کا بیان

(1) جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3200. (2) سنن أبي داود، القضاء، حديث: 3607.

وَقَالَ مَعْمَرٌ: اَلتَّبَرُّجُ: أَنْ تُخْرِجَ مَحَاسِنَهَا. ﴿سُنَّةَ اللهِ﴾ [٣٨]: اِسْتَنَّهَا: جَعَلَهَا.

حضرت معمر نے کہا: التبرج کے معنی ہیں کہ عورت اپنے حسن کا اظہار کرے۔ سُنَّةَ اللهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ ومعمول ہے جو اس نے مقرر کیا ہے۔

وضاحت: فتوحات اور اموال غنیمت کے نتیجے میں مسلمانوں میں جب کچھ خوشحالی آگئی تو ازواج مطہرات ﷢ نے بھی کچھ زائد اخراجات کا مطالبہ کر دیا۔ حالات کے مطابق یہ مطالبہ کچھ ایسا ناجائز بھی نہیں تھا کیونکہ دوسرے مسلمان سب خوشحال ہو رہے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی فقر پسند طبیعت پر بیویوں کا یہ مطالبہ سخت گراں گزرا اور آپ نے اسی رنجیدگی کی وجہ سے اپنی بیویوں سے کنارہ کش رہنے کا ارادہ کر لیا، چنانچہ آپ بالاخانے میں ایک ماہ کے لیے الگ ہو گئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی، پھر آپ نے اس آیت کے مطابق اپنی تمام بیویوں کو اختیار دیا جس کی تفصیل درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔

٤٧٨٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ جَاءَهَا، حِينَ أَمَرَ اللهُ أَنْ يُخَيِّرَ أَزْوَاجَهُ، فَبَدَأَ بِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنِّي ذَاكِرٌ لَّكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ تَسْتَعْجِلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ»، وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، قَالَتْ: ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ اللهَ قَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ﴾» إِلَى تَمَامِ الْآيَتَيْنِ. فَقُلْتُ لَهُ: فَفِي أَيِّ هٰذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ؟ فَإِنِّي أُرِيدُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ. [انظر: ٤٧٨٦]

[4785] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنی بیویوں کو اختیار دیں کہ وہ آپ کے پاس رہیں یا علیحدگی کو پسند کریں تو رسول اللہ ﷺ پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تم سے ایک معاملے کے متعلق کچھ کہنے آیا ہوں۔ ضروری نہیں کہ تم اس میں جلد بازی سے کام لو بلکہ تم اپنے والدین سے مشورہ بھی کر سکتی ہو۔'' آپ ﷺ تو جانتے ہی تھے کہ میرے والدین کبھی آپ سے علیحدگی کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''اے نبی! تم اپنے بیویوں سے کہہ دو......'' دو آیات کے اختتام تک۔ میں نے آپ ﷺ سے کہا: میں کس چیز کے متعلق اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ کھلی بات ہے کہ میں اللہ، اس کے رسول اور عالم آخرت کو چاہتی ہوں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عائشہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی عرض کی کہ میرا یہ جواب دوسری ازواج مطہرات ﷢ کو نہ بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کسی نے پوچھ لیا تو اس جواب کو چھپاؤں گا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سخت گیر اور ترش

مزاج بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے سہل پسند اور معلم بنا کر بھیجا ہے۔''[1] چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت دوسری ازواج مطہرات کے سامنے پڑھی تو ہر ایک نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور معیت سے ہر ایک دل نور ایمان سے منور تھا وہ دنیا اور اس کی زیب و زینت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں کیسے ترجیح دے سکتی تھیں، چنانچہ کسی نے بھی دنیا کو ترجیح نہ دی بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا۔ ② واضح رہے کہ بیوی کو محض اختیار دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک وہ طلاق کا انتخاب نہ کر لے، چنانچہ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے آپ کا انتخاب کر لیا تو صرف اختیار دینے کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔[2]

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلْآخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [٢٩]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اگر تم اللہ، اس کا رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکوکار خواتین کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے'' کا بیان

وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿وَٱذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِى بُيُوتِكُنَّ مِنْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱلْحِكْمَةِ﴾ [٣٤]: اَلْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ.

حضرت قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''تم اللہ کی ان آیات اور حکمت بھری باتوں کو یاد رکھو جو تمھارے گھروں میں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔'' میں أٰيٰتِ اللّٰهِ سے مراد قرآن مجید اور الحكمة سے مراد سنت نبوی ہے۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات ؓ کو حکم دیا کہ اپنے گھروں میں قرآن و حدیث کا مطالعہ ضرور جاری رکھیں اور علم دین حاصل کرنا اپنے لیے ضروری قرار دیں۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے گھروں میں دینی تعلیم سیکھنے سکھانے کا سلسلہ جاری رکھنا ضروری ہے۔ اگر ہر گھر میں یہ مبارک سلسلہ جاری ہو جائے تو اس کے بہت دور رس نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ آج کے حالات میں خواتین کے لیے دینی تعلیم بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

٤٧٨٦ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: لَمَّا أُمِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِتَخْيِيرِ أَزْوَاجِهِ بَدَأَ بِي فَقَالَ: «إِنِّي ذَاكِرٌ لَّكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ لَا

[4786] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ وہ اپنی بیویوں کو اختیار دے دیں تو (سب سے) پہلے آپ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تم سے ایک معاملے کے متعلق کہنے آیا ہوں، اس معاملے میں جلد بازی

① صحیح مسلم، الطلاق، حدیث: 3690 (1478). ② صحیح مسلم، الطلاق، حدیث: 3687 (1477).

تَعْجَلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ»، قَالَتْ: وَقَدْ عَلِمَ أَنَّ أَبَوَيَّ لَمْ يَكُونَا يَأْمُرَانِي بِفِرَاقِهِ، قَالَتْ: ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ اللهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ قَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا﴾ إِلٰى ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾» قَالَتْ: فَقُلْتُ: فَفِي أَيِّ هٰذَا أَسْتَأْمِرُ أَبَوَيَّ؟ فَإِنِّي أُرِيدُ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ، قَالَتْ: ثُمَّ فَعَلَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَ مَا فَعَلْتُ.

نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔'' اور آپ یہ بات خوب جانتے تھے کہ میرے والدین آپ سے علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ کبھی نہیں دیں گے، چنانچہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیں، اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو...... بہت بڑا اجر ہے۔'' میں نے کہا: میں اس معاملے میں اپنے والدین سے کیا مشورہ کروں گی؟ میں تو اللہ، اس کے رسول اور عالم آخرت کی خواہاں ہوں۔ (حضرت عائشہ ؓ) فرماتی ہیں کہ پھر نبی ﷺ کی دوسری بیویوں نے بھی وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا۔

تَابَعَهُ مُوسَى بْنُ أَعْيَنَ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ. وَقَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَأَبُو سُفْيَانَ الْمَعْمَرِيُّ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ. [راجع: ٤٧٨٥]

اس کی متابعت موسیٰ بن اعین نے معمر سے کی ہے، انھوں نے زہری سے، انھوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی ہے۔ عبدالرزاق اور ابوسفیان معمری نے معمر سے، انھوں نے امام زہری سے، انھوں نے حضرت عروہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں اس وقت نو بیویاں تھیں: حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ ؓ قریش سے تھیں اور باقی چار، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ، حضرت زینب اور حضرت جویریہ ؓ ان کے علاوہ تھیں۔ ② فتوحات کے نتیجہ میں جب مسلمانوں کی حالت پہلے سے بہتر ہوگئی تو انصار اور مہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر ازواج مطہرات نے بھی نان و نفقے میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ چونکہ سادگی پسند تھے، اس لیے ازواج مطہرات کے اس مطالبے سے سخت رنجیدہ ہوئے اور آپ نے بیویوں سے ایک ماہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لی جیسا کہ حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں: سیدنا عمر ؓ رسول اللہ ﷺ کے ہاں تشریف لائے اور اجازت چاہی۔ آپ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ سیدنا عمر ؓ نے دیکھا کہ آپ کے پاس آپ کی بیویاں غمگین اور خاموش بیٹھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ میرے گرد بیٹھی خرچ کا مطالبہ کر رہی ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔'' پھر آپ نے ان سے ایک مہینے کے لیے علیحدگی اختیار کر لی۔[1] ③ رسول اللہ ﷺ ایک ماہ کے بعد بالا خانے سے نیچے اترے تو حضرت ام سلمہ ؓ نے عرض کی: آپ نے ایک ماہ کا کہا تھا آج انتیس دن ہوئے ہیں؟ آپ نے اپنی انگلیوں کے اشارے سے بتایا کہ مہینہ تیس (30) دن کا بھی ہوتا اور انتیس (29)

1 صحیح مسلم، الطلاق، حدیث: 3690 (1478).

دن کا بھی۔ گویا وہ مہینہ انتیس (29) دن کا تھا۔ [1] ④ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرد اگر بیوی کو اختیار دیتا ہے تو اسے طلاق قرار دیا جائے گا لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ اگر عورت علیحدگی اختیار نہیں کرتی تو کسی صورت میں طلاق نہیں ہوگی جیسا کہ ازواج مطہرات نے علیحدگی کے بجائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا تو اس اختیار کو طلاق شمار نہیں کیا گیا۔ [2]

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا ٱللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى ٱلنَّاسَ وَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَىٰهُ﴾ [٣٧]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ”آپ ایک ایسی بات دل میں چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں“ کا بیان

وضاحت: اس آیت کا پہلا حصہ یہ ہے: ”اور جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا تھا اور آپ نے بھی انعام کیا یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو اس وقت آپ ایسی بات اپنے دل میں چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔“ [3] حضرت زید بن حارثہ قبیلۂ کلب کے ایک شخص حارثہ بن شرحبیل کے بیٹے تھے۔ آٹھ سال کے تھے کہ ایک قبائلی جنگ میں گرفتار ہوئے۔ ان حملہ آوروں نے انھیں عکاظ کے میلے میں فروخت کر ڈالا۔ انھیں خریدنے والے سیدہ خدیجہ ؓ کے بھتیجے حضرت حکیم بن حزام تھے۔ انھوں نے مکہ میں آ کر انھیں اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کو ہبہ کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ ؓ سے ہوا تو اس وقت زید بن حارثہ کی عمر 15 برس تھی۔ حضرت خدیجہ ؓ نے خدمت گزاری کے لیے وہ رسول اللہ ﷺ کو دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ میں لے جا کر سب حاضرین کے سامنے اعلان کر دیا کہ میں نے زید کو آزاد کر دیا ہے اور اسے اپنا متبنی (منہ بولا بیٹا) بنا لیا ہے۔ اس کے بعد لوگ انھیں زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد کہنے لگے۔ لیکن اس کے باوجود معاشرتی طور پر انھیں اپنے برابر کا درجہ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب ؓ کا رشتہ طلب کیا تو ان کے عزیز و اقارب کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور انھوں نے رشتے سے انکار کر دیا مگر اللہ کو منظور تھا کہ یہ کام ضرور ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں یہ آیت نازل ہوئی: ”کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو ان کے لیے ان کے معاملے میں کچھ اختیار باقی رہ جائے۔“ [4] چنانچہ جب رسول ﷺ نے یہ آیت سیدہ زینب بنت جحش کو پڑھ کر سنائی تو انھوں نے اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس طرح حضرت زید ؓ کا نکاح سیدہ زینب ؓ سے ہو گیا۔ اس کے بعد کیا ہوا وہ ہم درج ذیل حدیث کے فوائد میں بیان کریں گے۔

---

① صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1910. ② صحيح البخاري، الطلاق، حديث: 5262. ③ الأحزاب 33: 37.

④ الأحزاب 33: 37.

٤٧٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ﴾: نَزَلَتْ فِي شَأْنِ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ. [انظر: ٧٤٢٠]

[4787] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: بلاشبہ یہ آیت حضرت زینب بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی: ''آپ ایک ایسی بات دل میں چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا......۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی خاندانی حیثیت بہت بلند تھی جبکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بظاہر غلامی کا داغ اٹھا کر آزاد ہوئے تھے، اس لیے مزاج کی موافقت نہ ہو سکی اور نہ معاشرتی تفاوت ہی ذہنوں سے اتنی جلدی دور ہو سکا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا وہ احترام نہ کر سکیں جو انھیں کرنا چاہیے تھا۔ جب ان میں ناچاقی کا سلسلہ شروع ہوا تو سیدنا زید رضی اللہ عنہ اس بات کا شکوہ رسول اللہ ﷺ سے کرتے اور کہتے کہ میں اسے طلاق دے کر فارغ کرنا چاہتا ہوں لیکن رسول اللہ ﷺ انھیں ہر بار یہی سمجھاتے کہ جب اس عورت نے اپنی خواہش قربان کر کے تم سے نکاح کر لیا ہے تو تمھیں بھی کچھ برداشت سے کام لینا چاہیے۔ اب اسے طلاق دینے کو وہ اور اس کے عزیز و اقارب اپنی ذلت خیال کریں گے۔ تم اللہ سے ڈرو اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ کی صورت نہ پیدا کرو۔ لیکن جب بار بار شکایات کا سلسلہ شروع ہوا تو ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ اگر زید نے حضرت زینب کو چھوڑ دیا تو زینب کی دلجوئی نکاح کرنے ہی سے ہو سکے گی۔ لیکن منافقین کی بدگوئی کا بھی اندیشہ تھا کہ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو اپنے حرم میں رکھ لیا ہے۔ یہ تھی وہ بات جسے نبی ﷺ دل میں چھپائے ہوئے تھے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر حضرت محمد ﷺ قرآن میں سے کوئی چیز چھپانے والے ہوتے تو یہ آیت ضرور چھپاتے۔[1] ② اگرچہ دلوں کے خیالات پر اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں فرماتا لیکن آپ ﷺ کی عظمت شان کے لحاظ سے دل میں ایسا خیال آنا بھی آپ کے شایانِ شان نہ تھا، اس لیے ایسے خیال پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو تنبیہ کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کو مطلع کر دیا کہ میں سیدہ زینب کو آپ کے نکاح میں دینے والا ہوں تاکہ جاہلیت کی اس رسمِ بد کا خاتمہ کیا جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے، چنانچہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی تو عدت گزر جانے کے بعد ایجاب وقبول کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بطور اعزاز کہا کرتی تھیں کہ دوسری بیویوں کی شادی تو ان کے سرپرستوں نے کی تھی لیکن میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔[2] ③ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جاؤ زینب سے میرا ذکر کرو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: تعمیل حکم کے لیے جب میں ان کے پاس آیا تو وہ اپنے آٹے کا خمیر بنا رہی تھیں۔ میں ان کی عظمت شان کی وجہ سے انھیں نظر بھر کر نہ دیکھ سکا کیونکہ رسول اللہ ﷺ

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 440 (177). 2 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7420.

نے انھیں یاد کیا تھا۔ پھر میں نے ان سے کہا: زینب! مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے، وہ آپ کو یاد کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: میں اس وقت تک کوئی بات نہیں کرتی جب تک اپنے پروردگار سے مشورہ (استخارہ) نہ کرلوں، پھر وہ اپنی جائے نماز پر کھڑی ہوئیں۔ ادھر قرآن اترا اور رسول اللہ ﷺ حکم کے بغیر ان کے پاس چلے گئے۔[1] بہرحال اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا کہ متبنیٰ (منہ بولا بیٹا)، اصل بیٹے کا مقام نہیں رکھتا کہ اس کی مطلقہ بیوی حرام ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس غلط رسم کو ختم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے خود رسول اللہ ﷺ کا انتخاب کیا گیا۔

(٧) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿تُرْجِي مَن تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيٓ إِلَيْكَ مَن تَشَآءُ ۖ وَمَنِ ٱبْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ [٥١]

باب: 7- ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ جس بیوی کو چاہیں علیحدہ رکھیں اور جسے چاہیں اپنے پاس رکھیں اور علیحدہ رکھنے کے بعد جسے چاہیں اپنے پاس بلالیں، آپ پر کوئی مضائقہ نہیں'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿تُرْجِي﴾: تُؤَخِّرُ، ﴿أَرْجِهْ﴾ [الأعراف: ١١١، والشعراء: ٣٦]: أَخِّرْهُ.

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ تُرْجِی کے معنی ہیں: پیچھے ڈال دینا۔ اسی طرح اَرْجِهْ کے معنی ہیں: مؤخر کرنا۔

وضاحت: اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو دی گئی ایک رعایت کا بیان ہے کہ آپ سے اپنی بیویوں کے پاس باری باری رہنے کی پابندی اٹھائی گئی تھی۔ آپ کی بیویوں کا آپ پر یہ حق ساقط کر دیا گیا کہ فلاں رات آپ باری کے حساب سے فلاں بیوی کے پاس رہیں گے لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کی اس رعایت سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ زندگی بھر اپنی بیویوں کی باری کو ملحوظ رکھا جیسا کہ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کی باری کے متعلق آپ کو صوابدیدی اختیار دیا تھا لیکن آپ نے عدل و انصاف قائم کرتے ہوئے باری کا اہتمام کیا۔[2]

٤٧٨٨ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيٰى: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: هِشَامٌ حَدَّثَنَا عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَغَارُ عَلَى اللَّاتِي وَهَبْنَ أَنْفُسَهُنَّ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَقُولُ: أَتَهَبُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا؟ فَلَمَّا أَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿تُرْجِي مَن تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيٓ إِلَيْكَ مَن تَشَآءُ ۖ وَمَنِ ٱبْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ قُلْتُ: مَا أُرٰى رَبَّكَ

[4788] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو خود کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہبہ کر دیتی تھیں۔ میں کہتی تھی: بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ عورت خود کو کسی کے لیے ہبہ کر دے؟ پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''آپ جس بیوی کو چاہیں علیحدہ رکھیں اور جسے چاہیں اپنے پاس بلالیں اور علیحدہ رکھنے کے بعد جسے چاہیں اپنے پاس بلالیں، آپ پر کوئی

---

(1) صحيح مسلم، النكاح، حديث: 3502 (1428). 2 فتح الباري: 668/8.

إِلَّا يُسَارِعُ فِي هَوَاكَ. [انظر: ٥١١٣]

مضائقہ نہیں۔'' میں نے دل میں کہا: (اللہ کے رسول!) میں تو یہ دیکھ رہی ہوں کہ آپ کی جیسی خواہش ہو، آپ کا رب اسے بلا تاخیر فوراً پوری کر دیتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① ﴿تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ﴾ کی تفسیر میں تین اقوال بیان کیے جاتے ہیں: * آپ جس بیوی کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور جسے چاہیں طلاق دے دیں۔ * آپ جس بیوی کو چاہیں طلاق کے بغیر اسے الگ کر دیں اور اس کی باری کسی دوسری بیوی کو دے دیں۔ * جو عورت خود کو ہبہ کر دے، اس کے متعلق آپ کو اختیار ہے اسے قبول کریں یا اسے رد کر دیں۔ آیت کے الفاظ سے ان تینوں احتمالات کی تائید ہوتی ہے۔ ② اس حدیث کے مطابق حضرت عائشہ ؓ نے آخری معنی بیان کیے ہیں کہ آیت کا پس منظر ہبہ کرنے والی خواتین ہیں اور یہ اجازت صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھی کہ اگر کوئی مومنہ عورت بغیر حق مہر اپنے آپ کو نکاح میں دینا چاہے تو یہ صرف آپ کے لیے جائز تھا، دوسرے مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں۔ حضرت عائشہ ؓ سے دوسرا احتمال بھی بیان ہوا ہے کہ مذکورہ آیت بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنے سے متعلق ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

٤٧٨٩ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنْ مُعَاذَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسْتَأْذِنُ فِي يَوْمِ الْمَرْأَةِ مِنَّا، بَعْدَ أَنْ أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿تُرْجِي مَن تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيٓ إِلَيْكَ مَن تَشَآءُ ۖ وَمَنِ ٱبْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ فَقُلْتُ لَهَا: مَا كُنْتِ تَقُولِينَ؟ قَالَتْ: كُنْتُ أَقُولُ لَهُ: إِنْ كَانَ ذَاكَ إِلَيَّ فَإِنِّي لَا أُرِيدُ يَا رَسُولَ اللهِ! أَنْ أُوثِرَ عَلَيْكَ أَحَدًا.

[4789] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''ان (بیویوں) میں سے آپ جسے چاہیں دور کر دیں اور جسے چاہیں اپنے پاس رکھ لیں۔ اور اگر آپ ان میں سے بھی کسی کو اپنے پاس بلا لیں جنھیں آپ نے الگ کر دیا ہے تو بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں۔'' اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی رسول ﷺ اگر ہم میں سے کسی کی باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس جانا چاہتے تو جس کی باری ہوتی اس سے اجازت لیتے تھے۔ (راویۂ حدیث حضرت معاذہ کہتی ہیں کہ) میں نے حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا: ایسی صورت میں آپ رسول اللہ ﷺ کو کیا کہتی تھیں؟ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: میں تو آپ سے عرض کر دیتی تھی کہ اللہ کے رسول! اگر یہ اجازت آپ مجھ سے لے رہے ہیں تو میں اپنی باری کا ایثار کسی دوسرے پر نہیں کر سکتی۔

تَابَعَهُ عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ: سَمِعَ عَاصِمًا.

اس حدیث کی متابعت عباد بن عباد نے کی، انھوں نے حضرت عاصم سے یہ حدیث سنی۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کو اس امر کی اجازت تھی کہ آپ جس بیوی کے پاس چاہیں قیام کر سکتے ہیں۔ آپ پر باری مقرر کرنا لازم نہیں تھا لیکن اس کے باوجود آپ نے اس کا اہتمام کیا۔ جب سفر میں جاتے تو قرعہ اندازی کر کے اپنے ہمراہ کسی بیوی کو لے جاتے۔[1] جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری سنگین ہو گئی تو آپ نے دوسری بیویوں سے میرے گھر رہنے کی اجازت چاہی، تمام ازواج مطہرات نے دلی رضامندی سے آپ کو اجازت دے دی۔[2] آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کو بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنے میں اختیار دیا گیا تھا، آپ جس کی باری چاہیں موقوف کر دیں، یعنی اس سے مباشرت نہ کریں اور جس سے چاہیں یہ تعلق قائم رکھیں۔

(٨) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ [٥٣]

باب: 8- ارشاد باری تعالیٰ: ”اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو، الا یہ کہ تمھیں کھانے کے لیے بلایا جائے...... بلاشبہ اللہ کے ہاں یہ بڑے گناہ کی بات ہے“ کا بیان

يُقَالُ: ﴿إِنَاهُ﴾ [٥٣]: إِدْرَاكُهُ، أَنَى يَأْنِي أَنَاةً فَهُوَ آنٍ ﴿لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا﴾ [٦٣]: إِذَا وَصَفْتَ صِفَةَ الْمُؤَنَّثِ قُلْتَ: قَرِيبَةً، وَإِذَا جَعَلْتَهُ ظَرْفًا وَبَدَلًا، وَلَمْ تُرِدِ الصِّفَةَ نَزَعْتَ الْهَاءَ مِنَ الْمُؤَنَّثِ، وَكَذٰلِكَ لَفْظُهَا فِي الْوَاحِدِ وَالِاثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ لِلذَّكَرِ وَالْأُنْثَى.

اِنَاهُ کے معنی ہیں: اس کا پکنا اور تیار ہونا۔ یہ لفظ أنىٰ يَأْنِي أَنَاةً سے ماخوذ ہے۔ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا (لفظ قریب) جب مؤنث کی صفت کے طور پر آئے تو قريبة (تا کے ساتھ) آتا ہے لیکن جب بدل یا ظرف ہو، صفت مراد نہ ہو تو تائے تانیث کے بغیر قریبًا استعمال کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں جب یہ لفظ صفت نہ ہو تو واحد، تثنیہ، جمع اور مذکر و مؤنث سب کے لیے یکساں آتا ہے۔

وضاحت: یہی وہ آیت ہے جسے آیت حجاب کہا جاتا ہے۔ حجاب کے معنی کپڑے وغیرہ سے دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دینا ہے، جس سے دونوں چیزیں ایک دوسرے سے اوجھل ہو جائیں۔ اس آیت کی رو سے تمام ازواج مطہرات کے گھروں کے باہر پردہ لٹکا دیا گیا، پھر دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے گھروں کے سامنے پردے لٹکا لیے حتی کہ یہ دستور اسلامی طرز معاشرت کا ایک حصہ بن گیا۔ اس سے پہلے لوگ گھروں میں بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں ہر طرح کے لوگ بلا روک ٹوک داخل ہوا کریں، گویا آپ محرک اول تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کے مطابق اس آیت کا نزول فرمایا جیسا کہ درج

---

① صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتعريض عليها، حديث: 2593. 2 صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتعريض عليها، حديث: 2588.

ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

٤٧٩٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! يَدْخُلُ عَلَيْكَ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، فَلَوْ أَمَرْتَ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِالْحِجَابِ، فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ الْحِجَابِ. [راجع: ٤٠٢]

[4790] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ سیدنا عمر ؓ نے فرمایا: میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کے ہاں اچھے اور برے ہر طرح کے لوگ آتے رہتے ہیں (کیا اچھا ہو) اگر آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں، تب اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اپنی ازواج مطہرات ؓ کو حکم دیں کہ وہ پردے میں رہا کریں کیونکہ ان سے نیک اور بد سب ہی بلا حجاب ہم کلام ہوتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔[1] ② اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ بہت غیرت مند تھے۔ انھیں حرم نبوی پر اجنبی لوگوں کی اطلاع پانے اور ازواج مطہرات ؓ سے بلا روک ٹوک ہم کلام ہونے سے سخت نفرت تھی، انھوں نے صراحت کے ساتھ عرض کر دیا کہ اللہ کے رسول! اپنی بیویوں کو پردے میں رکھیں، بلکہ انھیں تو یہ بھی ناگوار تھا کہ ان کی شخصیت بھی نظر آئے، خواہ وہ باہر ہی کیوں نہ ہوں جس کی صراحت آئندہ کی جائے گی۔ إن شاء الله.

٤٧٩١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الرَّقَاشِيُّ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: حَدَّثَنَا أَبُو مِجْلَزٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَيْنَبَ ابْنَةَ جَحْشٍ دَعَا الْقَوْمَ فَطَعِمُوا، ثُمَّ جَلَسُوا يَتَحَدَّثُونَ، وَإِذَا هُوَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ قَامَ، فَلَمَّا قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ وَقَعَدَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ لِيَدْخُلَ فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ، ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا، فَانْطَلَقْتُ فَجِئْتُ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنَّهُمْ قَدِ انْطَلَقُوا، فَجَاءَ حَتَّى دَخَلَ، فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ،

[4791] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش ؓ سے نکاح کیا تو لوگوں کو آپ نے دعوت ولیمہ دی، کھانے کے بعد لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے، رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا گویا آپ اٹھنا چاہتے ہیں لیکن لوگ پھر بھی نہ اٹھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ کوئی نہیں اٹھتا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ اٹھے تو دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو گئے لیکن تین آدمی پھر بھی بیٹھے رہے۔ پھر نبی ﷺ جب باہر سے اندر جانے کے لیے تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ اب بھی بیٹھے ہوئے ہیں، پھر وہ لوگ اٹھے اور اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں

1 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 402.

فَأَلْقَى الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ﴾ الْآيَةَ. [انظر: ٤٧٩٢، ٤٧٩٣، ٤٧٩٤، ٥١٥٤، ٥١٦٣، ٥١٦٦، ٥١٦٨، ٥١٧٠، ٥١٧١، ٥٤٦٦، ٦٢٣٨، ٦٢٣٩، ٦٢٧١، ٧٤٢١]

حاضر ہوکر بتایا کہ وہ لوگ بھی چلے گئے ہیں تو آپ اندر تشریف لے گئے۔ میں نے بھی اندر داخل ہونا چاہا لیکن آپ ﷺ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ گرا لیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: ''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو......''

٤٧٩٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِهٰذِهِ الْآيَةِ آيَةِ الْحِجَابِ، لَمَّا أُهْدِيَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ كَانَتْ مَعَهُ فِي الْبَيْتِ، صَنَعَ طَعَامًا وَدَعَا الْقَوْمَ، فَقَعَدُوا يَتَحَدَّثُونَ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ ثُمَّ يَرْجِعُ وَهُمْ قُعُودٌ يَتَحَدَّثُونَ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَٰظِرِينَ إِنَىٰهُ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿مِن وَرَآءِ حِجَابٍ﴾ فَضُرِبَ الْحِجَابُ وَقَامَ الْقَوْمُ. [راجع: ٤٧٩١]

[4792] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اس آیت، یعنی آیت حجاب کے متعلق سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ جب حضرت زینب بنت جحش کو دلہن بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا اور وہ آپ کے ساتھ آپ کے گھر ہی میں تھیں تو آپ نے کھانا تیار کروایا اور لوگوں کو دعوت (ولیمہ) دی۔ لوگ فراغت کے بعد بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ نبی ﷺ یہ صورت حال دیکھ کر باہر جاتے، پھر اندر آتے لیکن لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں مت جایا کرو الا یہ کہ تمھیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے، اس حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو......'' اس کے بعد پردہ ڈال دیا گیا اور لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

٤٧٩٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بُنِيَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِزَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ، فَأُرْسِلْتُ عَلَى الطَّعَامِ دَاعِيًا فَيَجِيءُ قَوْمٌ فَيَأْكُلُونَ وَيَخْرُجُونَ، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ فَيَأْكُلُونَ وَيَخْرُجُونَ، فَدَعَوْتُ حَتّٰى مَا أَجِدُ أَحَدًا أَدْعُو، فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ! مَا أَجِدُ أَحَدًا

[4793] حضرت انس ؓ سے ایک دوسری روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش ؓ سے نکاح کے بعد گوشت اور روٹی پر مشتمل کھانا تیار کیا تو مجھے لوگوں کو بلانے کے لیے بھیجا گیا۔ لوگ آتے، کھانا کھا کر واپس چلے جاتے، پھر دوسرے لوگ آتے وہ بھی کھا کر واپس چلے جاتے۔ میں نے سب کو بلایا حتی کہ کوئی شخص ایسا نہ رہ گیا جسے میں نے نہ بلایا ہو۔ میں نے عرض کی: اللہ کے نبی! اب کوئی شخص بلانے کے لیے باقی نہیں رہا تو آپ نے

أَدْعوهُ، قَالَ: «اِرْفَعُوا طَعَامَكُمْ» وَبَقِيَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ يَتَحَدَّثُونَ فِي الْبَيْتِ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَانْطَلَقَ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ، فَقَالَ: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللهِ»، فَقَالَتْ: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ، كَيْفَ وَجَدْتَّ أَهْلَكَ؟ بَارَكَ اللهُ لَكَ، فَتَقَرّٰى حُجَرَ نِسَائِهِ كُلِّهِنَّ، يَقُولُ لَهُنَّ كَمَا يَقُولُ لِعَائِشَةَ، وَيَقُلْنَ لَهُ كَمَا قَالَتْ عَائِشَةُ، ثُمَّ رَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ، فَإِذَا ثَلَاثَةُ رَهْطٍ فِي الْبَيْتِ يَتَحَدَّثُونَ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ شَدِيدَ الْحَيَاءِ، فَخَرَجَ مُنْطَلِقًا نَّحْوَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ، فَمَا أَدْرِي آخْبَرْتُهُ أَوْ أُخْبِرَ أَنَّ الْقَوْمَ خَرَجُوا، فَرَجَعَ حَتّٰى إِذَا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي أُسْكُفَّةِ الْبَابِ دَاخِلَةً وَّأُخْرٰى خَارِجَةً أَرْخَى السِّتْرَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَأُنْزِلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ.

[راجع: ٤٧٩١]

فرمایا: ''اب دسترخوان اٹھا لو۔'' تین شخص گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ نبی ﷺ گھر سے اٹھ کر سیدہ عائشہ ؓ کے حجرہ کی طرف گئے اور فرمایا: ''گھر والو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔'' سیدہ عائشہ ؓ نے جواب میں کہا: وعلیک السلام ورحمۃ اللہ! آپ نے اپنے اہل کو کیسے پایا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے۔ پھر آپ نے تمام ازواج مطہرات کے حجروں کا دورہ فرمایا اور جس طرح حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا تھا اسی طرح سب سے فرمایا اور انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ ؓ نے دیا تھا۔ اس کے بعد نبی ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ تین حضرات ابھی گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ نبی ﷺ کے مزاج میں بہت شرم و حیا تھی، اس لیے پھر سیدہ عائشہ ؓ کے حجرے کی طرف چلے گئے۔ مجھے یاد نہیں کہ خود میں نے آپ ﷺ کو اطلاع دی یا کسی اور نے آپ کو بتایا کہ اب وہ تینوں حضرات چلے گئے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ واپس آئے اور دروازے کی چوکھٹ میں آپ کا ایک پاؤں اندر اور ایک باہر تھا کہ آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ گرا لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پردے کی آیت نازل فرمائی۔

٤٧٩٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَكْرٍ السَّهْمِيُّ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَوْلَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ بَنٰى بِزَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ، فَأَشْبَعَ النَّاسَ خُبْزًا وَّلَحْمًا، ثُمَّ خَرَجَ إِلٰى حُجَرِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ، كَمَا كَانَ يَصْنَعُ صَبِيحَةَ بِنَائِهِ، فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِنَّ وَيَدْعُو لَهُنَّ، وَيُسَلِّمْنَ عَلَيْهِ وَيَدْعُونَ لَهُ، فَلَمَّا رَجَعَ إِلٰى بَيْتِهِ رَأٰى رَجُلَيْنِ

[4794] حضرت انس ؓ سے ایک مزید روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش ؓ سے نکاح پر دعوت ولیمہ کی اور لوگوں کو روٹی اور گوشت کھلایا۔ پھر آپ امہات المومنین ؓ کے حجروں کی طرف گئے جیسا کہ آپ کا معمول تھا کہ نکاح کی صبح آپ جایا کرتے تھے۔ آپ انھیں سلام کرتے اور انھیں دعائیں دیتے۔ امہات المومنین بھی آپ کو سلام کرتیں اور آپ کے لیے دعائیں کرتیں۔ امہات المومنین کے حجروں سے جب آپ اپنے حجرے کی طرف

جَرٰى بِهِمَا الْحَدِيثُ، فَلَمَّا رَآهُمَا رَجَعَ عَنْ بَيْتِهِ، فَلَمَّا رَأَى الرَّجُلَانِ نَبِيَّ اللهِ ﷺ رَجَعَ عَنْ بَيْتِهِ وَثَبَا مُسْرِعَيْنِ، فَمَا أَدْرِي أَنَا أَخْبَرْتُهُ بِخُرُوجِهِمَا أَمْ أُخْبِرَ، فَرَجَعَ حَتّٰى دَخَلَ الْبَيْتَ، وَأَرْخَى السِّتْرَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَأُنْزِلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ. [راجع: ٤٧٩١]

تشریف لائے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں۔ جب آپ نے انھیں بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ حجرے سے باہر نکل آئے۔ ان دونوں حضرات نے جب دیکھا کہ اللہ کے نبی ﷺ اپنے حجرے سے واپس تشریف لے گئے ہیں تو وہ بڑی جلدی سے اٹھ کر باہر نکل گئے۔ مجھے یاد نہیں کہ ان کے چلے جانے کی اطلاع میں نے آپ کو دی یا کسی اور نے، پھر آپ ﷺ واپس آئے اور گھر میں آتے ہی دروازے کا پردہ نیچے گرا دیا اور آیت حجاب نازل ہوئی۔

وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ: سَمِعَ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

سعید بن مریم نے بیان کیا، انھیں یحییٰ نے خبر دی، ان سے حمید نے حدیث بیان کی، انھوں نے حضرت انس سے سنا، انھوں نے نبی ﷺ سے نقل کیا۔

فوائد ومسائل: ① آیت حجاب کے بعد سورۂ نور کی آیات نازل ہوئیں تو آیت: 27 کی رو سے حجاب سے متعلق یہ حکم تمام مسلم گھرانوں میں نافذ کر دیا گیا کہ کوئی شخص بھی کسی دوسرے کے گھر بلا اجازت داخل نہ ہوا کرے۔ ② آیت حجاب میں ضمناً کھانے کے متعلق کچھ ہدایات دی گئیں: ایک یہ کہ صاحب خانہ جب کھانے پر بلائے تو تمھیں اس کے ہاں جانا چاہیے، اس کا بلانا ہی اجازت ہے۔ دوسری یہ کہ جس وقت بلایا جائے اسی وقت آؤ، پہلے آنے کی زحمت نہ کرو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ پہلے آ کر دھرنا مار کر بیٹھ جاؤ اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے رہو۔ یہ بات بھی صاحب خانہ کے لیے پریشانی کا باعث بن جاتی ہے، تیسری ہدایت یہ ہے کہ جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو وہاں بیٹھ کر گپیں نہ لگاؤ کیونکہ دعوت کے بعد صاحب خانہ کو بھی کئی طرح کے کام ہوتے ہیں، اسے وہ کام کرنے کا موقع دو۔ ③ بہر حال معاشرے سے بے حیائی اور فحاشی کے خاتمے کے لیے پردہ نہایت ضروری چیز ہے۔ اب جو لوگ مسلمان ہونے کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ اصل پردہ تو دل کا پردہ ہے کیونکہ شرم و حیا اور برے خیالات کا تعلق دل سے ہے، یہ ظاہری پردہ کچھ ضروری نہیں، وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے احکام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ واللّٰه المستعان.

٤٧٩٥ - حَدَّثَنِي زَكَرِيَّا بْنُ يَحْيٰى: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: خَرَجَتْ سَوْدَةُ بَعْدَ مَا ضُرِبَ الْحِجَابُ لِحَاجَتِهَا وَكَانَتِ امْرَأَةً جَسِيمَةً لَّا تَخْفٰى عَلٰى مَنْ يَعْرِفُهَا. فَرَآهَا عُمَرُ بْنُ

[4795] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ام المومنین حضرت سودہ ؓ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد قضائے حاجت کے لیے باہر نکلیں اور وہ بھاری بھر کم خاتون تھیں جو انھیں پہچانتا تھا اس سے وہ پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ نے انھیں دیکھ لیا تو

الْخَطَّابِ فَقَالَ: يَا سَوْدَةُ! أَمَا وَاللهِ مَا تَخْفَيْنَ عَلَيْنَا فَانْظُرِي كَيْفَ تَخْرُجِينَ؟ قَالَتْ: فَانْكَفَأَتْ رَاجِعَةً وَّرَسُولُ اللهِ ﷺ فِي بَيْتِي، وَإِنَّهُ لَيَتَعَشّٰى وَفِي يَدِهِ عَرْقٌ، فَدَخَلَتْ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي خَرَجْتُ لِبَعْضِ حَاجَتِي، فَقَالَ لِي عُمَرُ كَذَا وَكَذَا، قَالَتْ: فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ، ثُمَّ رُفِعَ عَنْهُ وَإِنَّ الْعَرْقَ فِي يَدِهِ مَا وَضَعَهُ، فَقَالَ: «إِنَّهُ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِكُنَّ». [راجع: ١٤٦]

کہا: اے سودہ! اللہ کی قسم! آپ ہم سے اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتیں۔ دیکھیں آپ کس طرح باہر نکلتی ہیں؟ حضرت سودہ ؓ یہ سن کر الٹے پاؤں وہاں سے چلی آئیں جبکہ رسول اللہ ﷺ اس وقت میرے حجرے میں تشریف فرما رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں اس وقت گوشت کی ایک ہڈی تھی۔ حضرت سودہ ؓ نے داخل ہوتے ہی کہا: اللہ کے رسول! میں قضائے حاجت کے لیے باہر نکلی تھی تو حضرت عمر ؓ نے مجھ سے ایسی ایسی باتیں کی ہیں، چنانچہ (اسی وقت) اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کا نزول شروع فرما دیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت ختم ہوئی تو اس وقت ابھی ہڈی آپ کے ہاتھ میں تھی، اسے آپ نے رکھا نہیں تھا کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھیں قضائے حاجت کے لیے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت عمر ؓ بہت غیرت مند تھے۔ وہ ازواج مطہرات ؓ کے متعلق اجنبی لوگوں کے اطلاع پانے سے نفرت کرتے تھے۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ انھیں پردے میں رکھا جائے حتی کہ انھوں نے صراحت کے ساتھ کہا: اللہ کے رسول! آپ اپنی ازواج کو پردے میں رکھیں یہاں تک کہ پردے کی آیات نازل ہوئیں۔ ② اس پردے کو حجب ابدان کہا جاتا ہے کہ جسم کا کوئی حصہ بھی ظاہر نہ ہو، لیکن اس پردے سے حضرت عمر ؓ کی تسلی نہ ہوئی، آپ کی خواہش تھی کہ ازواج مطہرات کی شخصیت بھی چھپی ہو۔ اسے حجب اشخاص کہتے ہیں، اسی لیے انھوں نے حضرت سودہ ؓ کے متعلق فرمایا کہ سودہ! ہم نے تجھے پہچان لیا ہے! لیکن اس مرتبہ آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ ازواج مطہرات کو پردے میں رہتے ہوئے قضائے حاجت کے لیے باہر نکلنے کی اجازت ہے تاکہ انھیں مشقت نہ ہو۔ واللہ أعلم.

(٩) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِن تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿شَهِيدًا﴾ [٥٤-٥٥]

باب: 9- ارشاد باری تعالیٰ: ''کسی چیز کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو، بے شک اللہ ہمیشہ سے ...... پوری طرح شاہد ہے'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کے آخر میں عورتوں کو تقوے کا حکم دے کر یہ واضح فرمایا ہے کہ اگر تمھارے دلوں میں تقویٰ ہوگا تو پردے کا جو اصل مقصد ہے، یعنی قلب ونظر کی طہارت اور عزت و ناموس کی حفاظت وہ یقیناً تمھیں حاصل ہوگی ورنہ حجاب کی

ظاہری پابندیاں تمھیں گناہ میں ملوث ہونے سے نہیں بچا سکیں گی۔ قبل ازیں جب عورتوں کو پردے کا حکم ملا تو گھر میں موجود عزیز و اقارب یا ہر وقت آتے جاتے رشتے داروں کی بابت سوال ہوا کہ ان سے پردہ کیا جائے یا نہیں؟ تو اس آیت میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ فلاں فلاں قرابت دار سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی تفصیل سورۂ نور آیت :31 میں گزر چکی ہے، مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

٤٧٩٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اِسْتَأْذَنَ عَلَيَّ أَفْلَحُ أَخُو أَبِي الْقُعَيْسِ بَعْدَمَا أُنْزِلَ الْحِجَابُ فَقُلْتُ: لَا آذَنُ لَهُ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ فِيهِ النَّبِيَّ ﷺ، فَإِنَّ أَخَاهُ أَبَا الْقُعَيْسِ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي، وَلٰكِنْ أَرْضَعَتْنِي امْرَأَةُ أَبِي الْقُعَيْسِ، فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ اسْتَأْذَنَ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَمَا مَنَعَكِ أَنْ تَأْذَنِينَ؟ عَمُّكِ». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ الرَّجُلَ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي وَلٰكِنْ أَرْضَعَتْنِي امْرَأَةُ أَبِي الْقُعَيْسِ، فَقَالَ: «اِئْذَنِي لَهُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ، تَرِبَتْ يَمِينُكِ». قَالَ عُرْوَةُ: فَلِذٰلِكَ كَانَتْ عَائِشَةُ تَقُولُ: حَرِّمُوا مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا تُحَرِّمُونَ مِنَ النَّسَبِ. [راجع: ٢٦٤٤]

[4796] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد ابوقعیس کے بھائی حضرت افلح ؓ نے مجھ سے ملنے کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: جب تک میں اس سلسلے میں نبی ﷺ سے اجازت نہ حاصل کر لوں، ان سے نہیں مل سکتی کیونکہ اس کے بھائی ابوقعیس ؓ نے مجھے کون سا دودھ پلایا ہے۔ مجھے تو ابوقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ پھر نبی ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے عرض کی: اللہ کے رسول! ابوقعیس ؓ کے بھائی افلح ؓ نے مجھ سے ملنے کی اجازت مانگی تھی تو میں نے اسے کہہ دیا کہ جب تک آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لوں، ان سے ملاقات نہیں کر سکتی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنے چچا کو ملنے سے تمھیں کیوں انکار ہے؟'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے ابوقعیس نے دودھ نہیں پلایا بلکہ دودھ پلانے والی تو اس کی بیوی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہیں، انھیں اندر آنے کی اجازت دو۔ وہ تمھارے چچا ہیں۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں!'' حضرت عروہ نے بیان کیا کہ اسی وجہ سے حضرت عائشہ ؓ فرماتی تھیں کہ رضاعت سے بھی ان چیزوں کو حرام سمجھو جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں۔

فوائد ومسائل: ① کسی بچے کو ماں کے علاوہ اگر کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے تو وہ شرعی طور پر دودھ کی، یعنی رضاعی ماں بن جاتی ہے، اس کے احکام حقیقی ماں جیسے ہو جاتے ہیں۔ اس کا خاوند باپ کے درجے میں اور اس کے بیٹے، بھائیوں کے درجے میں آ جاتے ہیں، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رضاعی باپ، رضاعی چچے اور رضاعی ماموں کے سامنے آنا جائز

ہے کیونکہ ان کا حکم حقیقی باپ، حقیقی چچے اور حقیقی ماموں کا ہے۔ ② یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے محارم سے بھی پردہ نہیں ہے اگرچہ آیت کریمہ میں ان کا ذکر نہیں، مثلاً: دادا، نانا، چچا اور ماموں وغیرہ۔ ③ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت اس طور پر ہے کہ آیت میں خونی محارم کا ذکر ہے اور حدیث میں رضاعی محارم کا بیان ہے، یعنی جس طرح خونی محارم سے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں اسی طرح رضاعی محارم بھی گھر آ سکتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(۱۰) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ﴾ ٱلْآيَةَ [٥٦]

باب: 10- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر رحمت بھیجتے ہیں.....'' کا بیان

قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: صَلَاةُ اللهِ ثَنَاؤُهُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ. وَصَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ الدُّعَاءُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿يُصَلُّونَ﴾ [٥٦]: يُبَرِّكُونَ. ﴿لَنُغْرِيَنَّكَ﴾ [٦٠]: لَنُسَلِّطَنَّكَ.

ابو العالیہ نے کہا: صلاۃ کی نسبت اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو فرشتوں کے سامنے اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی مدح وثنا ہے۔ اور اگر صلاۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس سے مراد دعا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: آیت مبارکہ میں يُصَلُّونَ کے معنی ہیں: يُبَرِّكُونَ، یعنی برکت کی دعا کرنا۔ لَنُغْرِيَنَّكَ کے معنی ہیں: ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔

وضاحت: اس آیتِ کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس مقام ومرتبے کا بیان ہے جو ملاءاعلی میں آپ کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپ کی مدح وثنا کرتا ہے اور آپ پر رحمتیں بھیجتا ہے اور فرشتے بھی آپ کے لیے بلندیٔ درجات کی دعائیں کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ بھی آپ پر صلاۃ وسلام بھیجیں تاکہ آپ کی تعریف اور مدح وثنا میں آسمانی اور زمینی، یعنی عرشی اور فرشی دونوں عالم متحد ہو جائیں، پھر اس درود وسلام کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ہر مومن کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے ایمان کی نعمت ملی ہے اور یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ دین ودنیا کی کوئی نعمت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس نعمت کا احسان بھی اتارا نہیں جا سکتا، تاہم ایمان واروں کو اتنا ضرور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے اس محسن اعظم کی محبت سے سرشار ہوں اور اس کے حق میں رحمت وبرکت کی دعا کیا کریں۔ اس سے ان کے اپنے درجات بلند ہوں گے اور ہر بار درود پڑھنے کے عوض اللہ تعالیٰ ان پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، پھر اس درود کے کئی ایک مسنون الفاظ احادیث میں منقول ہیں۔ امام بخاری ؒ نے چند ایک کا ذکر کیا ہے، جسے ہم بیان کرتے ہیں۔

٤٧٩٧ - حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قِيلَ: يَا

[4797] حضرت کعب بن عجرہ ؓ سے روایت ہے کہ عرض کی گئی: اللہ کے رسول! آپ پر سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا لیکن آپ پر ''صلاۃ'' کا کیا طریقہ ہے؟ آپ

رَسُولَ اللهِ! أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ، فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ؟ قَالَ: «قُولُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ».

[راجع: ٣٣٧٠]

نے فرمایا: ''یوں پڑھا کرو: اے اللہ! تو حضرت محمد ﷺ پر اپنی رحمتیں نازل فرما اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر بھی، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمتیں نازل کی ہیں۔ بے شک تو قابل تعریف ہے، بزرگ ہے۔ اے اللہ! تو حضرت محمد ﷺ پر برکتیں نازل فرما اور حضرت محمد ﷺ کی اولاد پر بھی، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر نازل فرمائی ہیں۔ بے شک تو قابل تعریف ہے، بزرگ ہے۔''

٤٧٩٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذَا التَّسْلِيمُ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: «قُولُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ».

[4798] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے لیکن صلاۃ بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یوں کہا کرو: ''اے اللہ! تو اپنے بندے اور اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر رحمتیں نازل فرما، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم کی آل پر رحمتیں نازل فرمائیں۔ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور حضرت محمد ﷺ کی اولاد پر برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکتیں نازل فرمائیں۔''

قَالَ أَبُو صَالِحٍ عَنِ اللَّيْثِ: «عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ».

ابوصالح نے حضرت لیث سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں: ''محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکات نازل فرمائی ہیں۔''

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَّالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ، وَقَالَ: «كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ». [انظر: ٦٣٥٨]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر رحمتیں نازل کی ہیں اور حضرت محمد ﷺ اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر برکتیں نازل فرما، جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر برکات نازل کی ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج اور آپ کی ذریت کے الفاظ بھی ہیں جیسا کہ حدیث:

6360 میں ہے، بہرحال درود کے مختلف الفاظ کتب حدیث میں آئے ہیں، اس لیے درود ضرور پڑھنا چاہیے،لیکن مسنون الفاظ کے ساتھ پڑھا جائے۔ ہمارے ہاں جو مسنون درود پڑھا جاتا ہے، اس کے الفاظ صحیح بخاری (حدیث: 3370) میں ہیں۔
② مسنون درود پڑھنے کے بہت فضائل ہیں جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے: ○ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔''[1] ○ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے، اس کے دس گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اس کے دس درجات بلند ہو جاتے ہیں۔''[2] ○ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا شخص قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا۔''[3] ○ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو میں اس پر رحمتیں نازل کرتا ہوں اور جو آپ پر سلام بھیجتا ہے تو میں اس پر سلامتی بھیجتا ہوں۔[4] ○ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو وہ انتہائی کنجوس اور بخیل ہے۔''[5] ○ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب تک تم اپنے نبی ﷺ پر درود نہ بھیجو تو تمھاری دعا آسمان و زمین کے درمیان موقوف رہتی ہے، وہ اوپر نہیں چڑھتی۔[6]

(١١) بَابٌ: ﴿لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ ءَاذَوْا مُوسَىٰ﴾ [٦٩]

باب: 11- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی'' کا بیان

وضاحت: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے اہل ایمان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرح ایذا مت پہنچاؤ اور آپ کے متعلق ایسی بات مت کہو جو آپ کے لیے پریشانی کا باعث ہو۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو غنیمت کے مال کے متعلق مورد الزام ٹھہرایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں! انھیں اس سے کہیں زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں لیکن انھوں نے صبر سے کام لیا۔''[7] حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح تکلیف پہنچائی گئی اس کی تفصیل درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

٤٧٩٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ وَمُحَمَّدٍ وَخِلَاسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ

[4799] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام بڑے باحیا انسان تھے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

① صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 912 (408). ② سنن النسائي، السهو، حديث: 1298. ③ جامع الترمذي، الوتر، حديث: 484. ④ مسند أحمد: 191/1. ⑤ جامع الترمذي، الدعوات، حديث: 3546. ⑥ جامع الترمذي، الوتر، حديث: 486.
7 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3405.

عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مُوسَى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا. وَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ ءَاذَوْا۟ مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ ٱللَّهُ مِمَّا قَالُوا۟ وَكَانَ عِندَ ٱللَّهِ وَجِيهًا﴾». [راجع: ٢٧٨]

''اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہنچائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو (باعزت) بری کر دیا اس (الزام) سے جو انھوں نے لگایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بڑے معزز تھے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں اس واقعے کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''بنی اسرائیل ننگے نہاتے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھا کرتے تھے جبکہ موسیٰ علیہ السلام اکیلے غسل کرتے تھے۔ وہ نہایت ہی با حیا تھے۔ انھوں نے اپنا جسم کبھی لوگوں کے سامنے ننگا نہیں کیا تھا۔ بنی اسرائیل کہنے لگے: شاید موسیٰ علیہ السلام کے جسم پر برص کے داغ ہیں یا کوئی اور عیب ہے جس کی وجہ سے یہ ہر وقت لباس میں ڈھکا چھپا رہتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرنے لگے اور کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے پتھر (اللہ کے حکم سے) کپڑے لے کر بھاگ نکلا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے دوڑے حتی کہ بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں پہنچ گئے۔ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ننگا دیکھا تو ان کے تمام شکوک وشبہات دور ہوگئے۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت حسین وجمیل اور ہر قسم کے داغ اور عیب سے پاک تھے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر پتھر کے ذریعے سے اس الزام کو ختم کر دیا جو بنی اسرائیل کی طرف سے ان پر لگایا جاتا تھا۔''[1] ② بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح تکلیف دینا اس لحاظ سے مزید سنگین جرم بن جاتا ہے کہ آپ ہی کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات ملی تھی اور وہ مصر میں بڑی بدترین زندگی گزار رہے تھے، بہر حال اس آیت کا روئے سخن منافقین کی طرف ہے جو مسلمانوں میں ملے جلے رہتے تھے۔ مخلص اہل ایمان سے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ اپنے محبوب اور محسن اعظم ﷺ کو دکھ یا تکلیف پہنچائیں۔

(٣٤) سُورَةُ سَبَإٍ بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ 34- تفسیر سورۂ سبا

يُقَالُ: ﴿مُعَـٰجِزِينَ﴾ [٣٨،٥]: مُسَابِقِينَ؛ ﴿بِمُعْجِزِينَ﴾ [الأنعام: ١٣٤]: بِفَائِتِينَ - مُعَاجِزِيَّ: مُسَابِقِيَّ - ﴿سَبَقُوٓا۟﴾ [الأنفال: ٥٩]: فَاتُوا؛ ﴿لَا يُعْجِزُونَ﴾: لَا يَفُوتُونَ؛ ﴿يَسْبِقُونَا﴾ [العنكبوت: ٤]: يُعْجِزُونَا؛ قَوْلُهُ: ﴿بِمُعْجِزِينَ﴾: بِفَائِتِينَ، وَمَعْنٰى ﴿مُعَـٰجِزِينَ﴾:

کہا جاتا ہے: مُعٰجِزِیْنَ: آگے بڑھنے والے اور مد مقابل کو ہرا دینے والے۔ بِمُعْجِزِیْنَ کے معنی ہیں: ہاتھ سے نکل جانے والے۔ مُعَاجِزِیَّ کے معنی ہیں: مجھ سے آگے بڑھ جائیں اور مجھے عاجز کر دیں۔ سَبَقُوْا کے معنی ہیں: آگے بڑھ گئے اور ہاتھ سے نکل گئے۔ لَا یُعْجِزُوْنَ: وہ عاجز نہیں کر سکیں گے۔ یَسْبِقُوْنَا: وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے۔

① صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3404.

مُغَالِبِينَ: يُرِيدُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا أَنْ يُظْهِرَ عَجْزَ صَاحِبِهِ. ﴿مِعْشَارَ﴾ [٤٥]: عُشْرَ. يُقَالُ: اَلْأُكُلُ: اَلثَّمَرُ. ﴿بَاعِدْ﴾ [١٩] وَبَعِّدْ وَاحِدٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿لَا يَعْزُبُ﴾ [٣]: لَا يَغِيبُ. ﴿سَيْلَ الْعَرِمِ﴾ [١٦]: اَلسُّدُّ؛ مَاءٌ أَحْمَرُ أَرْسَلَهُ [اللهُ] فِي السُّدِّ، فَشَقَّهُ وَهَدَمَهُ، وَحَفَرَ الْوَادِيَ، فَارْتَفَعَتَا عَنِ الْجَنْبَتَيْنِ، وَغَابَ عَنْهُمَا الْمَاءُ فَيَبِسَتَا، وَلَمْ يَكُنِ الْمَاءُ الْأَحْمَرُ مِنَ السُّدِّ، وَلٰكِنْ كَانَ عَذَابًا أَرْسَلَهُ اللهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ حَيْثُ شَاءَ، وَقَالَ عَمْرُو بْنُ شُرَحْبِيلَ: ﴿الْعَرِمِ﴾: اَلْمُسَنَّاةُ بِلَحْنِ أَهْلِ الْيَمَنِ؛ وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿الْعَرِمِ﴾: اَلْوَادِي. (اَلسَّابِغَاتُ) اَلدُّرُوعُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: (يُجَازٰى): يُعَاقَبُ. ﴿أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ﴾ [٤٦]: بِطَاعَةِ اللهِ. ﴿مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ﴾: وَاحِدٌ وَّاثْنَيْنِ. ﴿التَّنَاوُشُ﴾ [٥٢]: اَلرَّدُّ مِنَ الْآخِرَةِ إِلَى الدُّنْيَا. ﴿وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ﴾ [٥٤]: مِنْ مَّالٍ أَوْ وَلَدٍ أَوْ زَهْرَةٍ. ﴿بِأَشْيَاعِهِم﴾: بِأَمْثَالِهِمْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: (كَالْجَوَابِي): كَالْجَوْبَةِ مِنَ الْأَرْضِ. اَلْخَمْطُ: اَلْأَرَاكُ. وَالْأَثْلُ: اَلطَّرْفَاءُ. ﴿الْعَرِمِ﴾: اَلشَّدِيدُ.

ہمیں عاجز کر دیں گے۔ بِمُعْجِزِيْنَ کے معنی ہیں: بِفَائِتِين۔ اور مُعَاجِزِينَ کے معنی مُغَالِبِينَ ہیں (یہ مکرر ہے)، یعنی ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ وہ دوسرے کو عاجز کر دے۔ مِعْشَارَ کے معنی ہیں: عشر، یعنی دسواں حصہ۔ اَلْأُکُلُ: پھل۔ بٰعِدْ اور بَعِّدْ، یعنی باب افعال اور تفعیل دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی دوری پیدا کرنا۔ امام مجاہد نے کہا: لَا يَعْزُبُ کے معنی ہیں: اس سے غائب نہیں ہوتا۔ سَيْلَ الْعَرِمِ کے معنی بند کے ہیں۔ ایک سرخ پانی تھا جسے بند میں چھوڑ دیا گیا تھا جس نے بند کو پھاڑ کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وادی کو کھود کر رکھ دیا، چنانچہ دونوں طرف سے باغ اکھڑ گئے اور پانی غائب ہوا تو سوکھ گئے۔ یہ سرخ پانی ڈیم کا نہیں تھا بلکہ یہ اللہ کا عذاب تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے جہاں سے چاہا بھیج دیا۔ عمرو بن شرحبیل نے کہا: اہل یمن کی زبان میں العرم ہیڈ کو کہتے ہیں۔ اہل یمن کے علاوہ دوسروں نے کہا کہ العرم کے معنی وادی اور نالے کے ہیں۔ سٰبِغٰتٍ کے معنی ہیں: زرہیں۔ امام مجاہد نے کہا: يُجَازٰى کے معنی ہیں: سزا دیے جاتے ہیں۔ اَعِظُكُمْ بِوٰحِدَةٍ کے معنی ہیں: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ مَثْنٰى وَ فُرٰدٰى کے معنی ہیں: دو دو اور ایک ایک۔ اَلتَّنَاوُشُ کے معنی ہیں: آخرت سے لوٹ کر دنیا میں آنا۔ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ: یعنی جو کچھ وہ مال، اولاد اور زینت چاہیں گے۔ بِاَشْيَاعِهِمْ ان جیسے دوسرے کافر، یعنی ہم مشرب لوگ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: كَالْجَوَابِي، یعنی زمین کے گڑھوں اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر پیالے بناتے تھے۔ اَلْخَمْطُ کے معنی ہیں: پیلو کا درخت۔ اَلْاَثْل کے معنی ہیں: جھاؤ کا درخت۔ اَلْعَرِمُ کے لغوی معنی ہیں: سخت اور شدید۔

(١) بَابٌ: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا۟ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا۟ ٱلْحَقَّ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِيُّ ٱلْكَبِيرُ﴾ [٢٣]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''یہاں تک کہ جب گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور کر دی جاتی ہے تو پوچھتے ہیں: تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ کہتے ہیں: حق فرمایا اور وہی سب سے بلند، بہت بڑا ہے'' کا بیان

وضاحت: اہل عرب میں سے کچھ لوگ فرشتوں کو کائنات میں تصرف کا اختیار رکھنے والے خیال کر کے ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اگر قیامت کے دن باز پرس ہوئی تو فرشتے اللہ کے ہاں سفارش کر کے ہمیں چھڑا لیں گے۔ ان کے متعلق اس آیت کریمہ میں کہا جا رہا ہے کہ تم اللہ کے ہاں فرشتوں کی سفارش کی امید لگائے بیٹھے ہو، اللہ تعالیٰ کی جلالت اور عظمت کا یہ حال ہے کہ جب اس کی طرف سے کوئی حکم نازل ہوتا ہے تو اس کے پاس رہنے والے فرشتے تھر تھر کانپنے لگتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں بلکہ ان پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ہوش میں آنے پر وہ پوچھتے ہیں تو عرش والے فرشتے دوسرے فرشتوں کو اور وہ اپنے سے نیچے والوں کو، اس طرح یہ حکم پہلے آسمان کے فرشتوں تک پہنچ جاتا ہے، اس کی تفصیل درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٨٠٠ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: إِنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ، ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ، فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ - قَالُوا لِلَّذِي قَالَ -: الْحَقَّ، وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ، فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُ السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُو السَّمْعِ هٰكَذَا بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ - وَصَفَهُ سُفْيَانُ بِكَفِّهِ فَحَرَّفَهَا وَبَدَّدَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ - فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا إِلَى مَنْ تَحْتَهُ، ثُمَّ يُلْقِيهَا الْآخَرُ إِلَى مَنْ تَحْتَهُ، حَتَّى يُلْقِيَهَا عَلَى لِسَانِ السَّاحِرِ أَوِ الْكَاهِنِ، فَرُبَّمَا أَدْرَكَ الشِّهَابُ قَبْلَ أَنْ يُلْقِيَهَا، وَرُبَّمَا أَلْقَاهَا

[4800] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی معاملے کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے جھکاؤ کے لیے عاجزی کے طور پر اپنے پروں کو اس طرح مارتے ہیں گویا صاف پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچی جا رہی ہو۔ پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں: تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ جو کچھ اللہ نے فرمایا ہوتا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بالکل برحق ہے اور وہی سب سے بلند و برتر ہے، تو سنی ہوئی بات چوری کرنے والے شیاطین بھی اسے سن لیتے ہیں۔ اور چوری کرنے والے شیاطین اس طرح ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوتے ہیں...... سفیان نے اپنی ہتھیلی سے اس کی کیفیت بیان فرمائی: ہتھیلی کو ایک طرف کیا اور انگلیوں کے درمیان فرق کیا...... بہرحال وہ

قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُ، فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَيُقَالُ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَنَا يَوْمَ كَذَا وَكَذَا: كَذَا وَكَذَا؟ فَيُصَدَّقُ بِتِلْكَ الْكَلِمَةِ الَّتِي سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ». [راجع: ٤٧٠١]

اس کلمۂ حق کو سن کر اپنے نیچے والے تک پہنچاتا ہے اور وہ دوسرا اپنے نیچے والے تک پہنچاتا ہے یہاں تک کہ وہ کسی جادوگر یا نجومی کے کان میں ڈالتا ہے، پھر کبھی تو اس کے پہنچانے سے پہلے ہی شہاب ثاقب اسے پا لیتا ہے اور کبھی اس کے پانے سے پہلے وہ کلمہ پہنچا لیتا ہے، پھر وہ ساحر یا نجومی اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا لیتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: کیا فلاں دن اس نے ہمیں اس اس طرح نہیں کہا تھا؟ تو وہ کلمہ جو آسمان سے سنا گیا تھا اس کی وجہ سے اس کے جھوٹ کو بھی سچا سمجھا جاتا ہے۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا سبب ورود ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ صحابۂ کرام ؓ ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک ستارہ ٹوٹا جس کی وجہ سے ماحول روشن ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ سے پوچھا: "دور جاہلیت میں جب ستارہ ٹوٹتا تو تم کیا خیال کرتے تھے؟" انھوں نے عرض کی: ویسے تو اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں لیکن ہمارے خیال کے مطابق جس رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوتا یا مر جاتا تو یہ کیفیت پیدا ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسا نہیں ہے کہ کسی کی موت وحیات کی وجہ سے ستارہ ٹوٹتا ہو، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا فیصلہ آسمانوں میں کرتا ہے......"[1] ② بہر حال آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت شفاعت کے سلسلے میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اس کے ہاں سفارش اسے فائدہ دے سکتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ خود اجازت دے۔"[2] سفارش اللہ کی بارگاہ میں اتنی عالی مرتبہ اور بڑی چیز ہے کہ وہاں اللہ کی اجازت کے بغیر مقرب فرشتوں کو دم مارنے کی ہمت ہوتی ہے اور نہ کسی اور بڑی شخصیت ہی کو۔ وہاں تو یہ عالم ہے کہ فرشتے اللہ کا حکم سن کر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابٌ: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ [٤٦]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) "وہ تو ایک شدید عذاب سے پہلے محض تمھیں ڈرانے والا ہے" کا بیان

وضاحت: ان الفاظ سے پہلے آیت کا حصہ اس طرح ہے: "آپ ان سے کہہ دیں میں تمھیں ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے تم دو، دو اور ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاؤ، پھر خوب غور کرو کہ تمھارے ساتھی میں جنون اور دیوانگی کی کوئی بات ہے۔ وہ تو ایک سخت عذاب سے پہلے محض تمھیں ڈرانے والا ہی ہے۔"[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو صرف ہدایت کے لیے تشریف لائے ہیں تاکہ تم اس عذاب شدید سے بچ جاؤ جو ہدایت کا راستہ نہ اپنانے کی وجہ سے تمھیں بھگتنا پڑے گا

---

1 صحیح مسلم، السّلام، حدیث: 5819 (2229). 2 سبا 34: 23. 3 سبا 34: 46.

جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

٤٨٠١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو ابْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ الصَّفَا ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ: «يَا صَبَاحَاهُ»، فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ، قَالُوا: مَا لَكَ؟ قَالَ: «رَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ يُصَبِّحُكُمْ أَوْ يُمَسِّيكُمْ أَمَا كُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي؟» قَالُوا: بَلَى، قَالَ: «فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ». فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ: تَبًّا لَّكَ! أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ﴾. [راجع: ١٣٩٤]

[4801] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور فرمایا: ''یا صباحاہ، یعنی صبح کے وقت تم پر دشمن حملہ آور ہونے والا ہے۔'' یہ سن کر قریش جمع ہو گئے اور آپ سے کہا: تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے بتاؤ اگر میں تمھیں بتاؤں کہ دشمن تم پر صبح یا شام کے وقت حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا خیال کرو گے؟'' انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر سن لو کہ میں شدید عذاب آنے سے پہلے پہلے تمھیں ڈرانے والا ہوں۔'' یہ سن کر ابولہب (تنک کر) بولا: تیرے لیے ہلاکت ہو! کیا تو نے اسی لیے ہمیں یہاں جمع کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورۂ لہب نازل فرمائی۔

فائدہ: قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھارے خیال کے مطابق میں اس لیے دیوانہ ہوں کہ میں تمھیں اس بات سے آگاہ کر رہا ہوں کہ جو طریق زندگی تم نے اختیار کیا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کے برے انجام سے میں تمھیں ڈرا رہا ہوں اور اگر میں اس کے برعکس یہ کہہ دیتا کہ تم لوگ بہت ٹھیک جا رہے ہو تب تم مجھے فرزانہ قرار دیتے اور اگر میں تمھیں چند ٹھوس حقائق کی اطلاع دیتا ہوں تو تم مجھے دیوانہ کہنے لگے ہو۔ خدارا! کچھ غور و فکر کرو اور عقل کے ناخن لو۔ واللہ المستعان.

(٣٥) سُورَةُ الْمَلَائِكَةِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 35-تفسیر سورۂ ملائکہ (فاطر)

اَلْقِطْمِيرُ: لِفَافَةُ النَّوَاةِ. ﴿مُثْقَلَةٌ﴾ [١٨]: مُثَقَّلَةٌ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿الْحَرُورُ﴾ [٢١] بِالنَّهَارِ مَعَ الشَّمْسِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَلْحَرُورُ بِاللَّيْلِ، وَالسَّمُومُ بِالنَّهَارِ. ﴿وَغَرَابِيبُ سُودٌ﴾ [٢٧]: أَشَدُّ

امام مجاہد نے کہا: اَلْقِطْمِيرُ کے معنی ہیں: کھجور کی گٹھلی کی جھلی۔ مُثْقَلَةٌ کے معنی ہیں: بوجھ سے لدا ہوا۔ مجاہد کے علاوہ نے کہا: اَلْحَرُوْرُ کے معنی ہیں: دن کے وقت چلنے والی لو، جبکہ سورج نکلا ہوا ہو۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا:

سَوَادًا، اَلْغِرْبِيبُ : [اَلشَّدِيدُ السَّوَادِ].

اَلْحَرُورُ: وہ لو جو رات کو چلتی ہے اور اَلسَّمُوم اس گرم ہوا کو کہتے ہیں جو دن کے وقت چلے۔ وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ کے معنی ہیں: سخت کالے۔ یہ غِرْبِيبٌ کی جمع ہے اور اس کے معنی سخت سیاہ کے ہیں۔

وضاحت: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فضا میں دوسرے تمام سیارے اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں، اسی طرح سورج بھی اپنے مدار یا اپنی گزرگاہ پر چل رہا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز پر خوب غالب اور اپنی مخلوقات کے تمام تر حالات سے واقف ہے جب تک چاہے گا یہ سورج اسی طرح اپنی مقررہ گزرگاہ پر چلتا رہے گا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے۔

(٣٦) سُورَةُ يٰسٓ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 36- تفسیر سورہ یٰسٓ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿فَعَزَّزْنَا﴾ [١٤]: شَدَّدْنَا. ﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾ [٣٠]: وَكَانَ حَسْرَةً عَلَيْهِمُ اسْتِهْزَاؤُهُمْ بِالرُّسُلِ. ﴿أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ﴾ [٤٠]: لَا يَسْتُرُ ضَوْءُ أَحَدِهِمَا ضَوْءَ الْآخَرِ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُمَا ذٰلِكَ. ﴿سَابِقُ النَّهَارِ﴾: يَتَطَالَبَانِ حَثِيثَيْنِ. ﴿نَسْلَخُ﴾ [٣٧]: نُخْرِجُ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ وَيَجْرِي كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا. ﴿مِنْ مِّثْلِهِ﴾ [٤٢]: مِنَ الْأَنْعَامِ. ﴿فَكِهُونَ﴾ [٥٥]: مُعْجَبُونَ. ﴿جُنْدٌ مُّحْضَرُونَ﴾ [٧٥]: عِنْدَ الْحِسَابِ. وَيُذْكَرُ عَنْ عِكْرِمَةَ: ﴿الْمَشْحُونِ﴾ [٤١]: الْمُوقَرُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿طَائِرُكُمْ﴾ [١٩]: مَصَائِبُكُمْ. ﴿يَنْسِلُونَ﴾ [٥١]: يَخْرُجُونَ. ﴿مَرْقَدِنَا﴾ [٥٢]: مَخْرَجِنَا. ﴿أَحْصَيْنٰهُ﴾ [١٢]: حَفِظْنَاهُ. ﴿مَكَانَتِهِمْ﴾ [٦٧] وَمَكَانِهِمْ وَاحِدٌ.

امام مجاہد نے کہا ہے: فَعَزَّزْنَا کے معنی ہیں: ہم نے اس کی تائید کی اور اسے قوت پہنچائی۔ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ: قیامت کے دن کفار اپنے آپ پر افسوس کریں گے کہ انھوں نے انبیاء کی ہنسی اڑائی تھی۔ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کسی کی روشنی دوسرے کی روشنی کو چھپا نہیں سکتی اور نہ یہ ان کی شان کے لائق ہی ہے۔ سَابِقُ النَّهَارِ: اور نہ رات دن پر غالب آ سکتی ہے بلکہ دونوں چاند اور سورج تیزی کے ساتھ ایک دوسرے کی تلاش میں ہیں۔ نَسْلَخُ: ان میں سے ایک کو دوسرے سے نکالتے ہیں اور دونوں چل رہے ہیں۔ مِنْ مِّثْلِهِ سے مراد چوپائے ہیں۔ فَكِهُوْنَ کے معنی ہیں: خوش وخرم ہوں گے۔ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ: وہ اصنام لشکر کی صورت میں حساب کے وقت حاضر کیے جائیں گے۔ حضرت عکرمہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ اَلْمَشْحُوْنَ کے معنی ہیں: بھری ہوئی کشتی۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: طٰئِرُكُمْ کے معنی ہیں: تمھاری مصیبتیں۔ يَنْسِلُوْنَ سے مراد

ہے: قبروں سے نکل پڑیں گے۔ مَرْقَدِنَا کے معنی ہیں: ہمارے نکلنے کی جگہ، یعنی قبر۔ اَحْصَيْنٰهُ: ہم نے اس کو محفوظ کرلیا ہے۔ مَكَانَتِهِمْ اور مَكَانِهِمْ کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی ان کے گھروں میں انھیں مسخ کر دیں۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَٱلشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَاۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ ٱلْعَزِيزِ ٱلْعَلِيمِ﴾ [٣٨]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور سورج اپنی مقررہ گزرگاہ پر چل رہا ہے۔ یہ سب پر غالب، سب کچھ جاننے والے (اللہ) کا اندازہ ہے'' کا بیان

٤٨٠٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَقَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ! أَتَدْرِي أَيْنَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ؟» قُلْتُ: اَللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «فَإِنَّهَا تَذْهَبُ حَتَّى تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَٱلشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَاۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ ٱلْعَزِيزِ ٱلْعَلِيمِ﴾». [راجع: ٣١٩٩]

[4802] حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں آفتاب غروب ہونے کے وقت مسجد کے اندر نبی ﷺ کی خدمت میں موجود تھا، آپ نے فرمایا: ''اے ابوذر! تمھیں پتہ ہے کہ یہ آفتاب کہاں غروب ہوتا ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ سورج چلتا رہتا ہے حتی کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔'' درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کا یہی مطلب ہے: ''سورج اپنی مقررہ گزرگاہ پر چل رہا ہے۔ اس کا یہ راستہ (اللہ) سب کچھ غالب، سب کچھ جاننے والے کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔''

٤٨٠٣ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَٱلشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ قَالَ: «مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ». [راجع: ٣١٩٩]

[4803] حضرت ابوذر ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے ارشاد باری تعالیٰ: ''سورج اپنی مقررہ گزرگاہ پر چل رہا ہے۔'' کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سورج، عرش کے نیچے سجدہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے، پھر مشرق سے طلوع ہوتا ہے، قریب ہے کہ اسے مشرق سے طلوع ہونے کی

اجازت نہ ملے اور اسے کہا جائے کہ تو واپس لوٹ جا، پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔‘‘[1] ② مستقر کے دو معنی ہیں: مستقر زمانی، یعنی وقت قرار، مستقر مکانی، یعنی جائے قرار۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں مستقر زمانی مراد لیا جائے، یعنی وہ وقت جب آفتاب مقررہ مدت پوری کر کے اپنی حرکت ختم کر دے گا۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ آفتاب اپنے مدار میں ایسے محکم اور مضبوط نظام کے ساتھ حرکت کر رہا ہے جس میں کبھی ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا۔ ہزاروں سال اس کی حرکت پر گزر چکے ہیں، پھر یہ حرکت دائمی نہیں بلکہ اس کے لیے ایک خاص مستقر (وقت مقرر) ہے جہاں پہنچ کر یہ حرکت بند اور ختم ہو جائے گی اور وہ قیامت کا دن ہے۔ اس معنی کی تائید ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’ان میں سے ہر ایک (چاند اور سورج) مقررہ وقت تک چلتا رہے گا۔‘‘[2] اس مقام پر اجل مسمی کے الفاظ ہیں جس کے معنی میعاد معین کے ہیں، لہٰذا اس کے معنی یہ ہیں کہ سورج اور چاند دونوں کی حرکت دائمی نہیں، ان کی حرکت کا ایک وقت مقرر ہے، وہاں پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جائے گی۔ اس پر تقریباً اہل علم کا اتفاق ہے کہ زمین کروی (گیند نما) ہے اور اللہ کا عرش سب طرف سے اس زمین کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے تو اس سے اللہ کے عرش کا کروی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے سورج باعتبار اختلاف آفاق ہر آن کہیں نہ کہیں طلوع اور غروب ہو رہا ہے، گویا وہ ہر وقت عرش کے تلے سجدے میں ہے اور پروردگار سے، آگے بڑھنے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ قیامت کے قریب اسے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور حکم ہوگا تو جدھر سے آیا ہے ادھر لوٹ جا، پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا اور قیامت آجائے گی۔ ③ یاد رہے کہ سورج کے سجدہ کرنے سے مراد اس کا انقیاد و خضوع ہے، اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب اپنے پورے دورے میں زیر عرش اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہے، یعنی اس کی اجازت اور اذن سے حرکت کرتا ہے، اس سجدے اور اجازت کے لیے اسے کسی وقفے یا سکون کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے مدار میں حرکت کے دوران ہر لحہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ بھی کرتا ہے اور آگے چلنے کی اجازت بھی مانگتا ہے اور یہ سلسلہ قرب قیامت تک یونہی چلتا رہے گا۔ ④ بہرحال آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت عالم دنیا میں ایک نیا انقلاب آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس انقلابی وقت کو انسانی تنبیہ کے لیے موزوں سمجھ کر یہ تلقین فرمائی کہ آفتاب کو خود مختار اور اپنی مرضی سے حرکت کرنے والا خیال نہ کرو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کی مشیت کے تابع ہے۔ اس کا ہر طلوع و غروب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے۔ اس کے تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو سجدہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ ہر چیز کا سجدہ اس کے حال کے مطابق ہوتا ہے جیسا کہ خود قرآن کریم نے اس کی تصریح کی ہے۔ اس لیے آفتاب کے سجدہ کرنے کے یہ معنی سمجھنا کہ وہ انسان کے سجدے کی طرح زمین پر پیشانی رکھنے سے ہی ہوگا صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں غروب آفتاب کے قریب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ایک سوال و جواب کے ذریعے سے اس حقیقت پر متنبہ ہونے کی ہدایت فرمائی جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ واللہ أعلم.

---

1 صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3199. 2 الرعد 13: 2.

(۳۷) سُورَةُ وَالصَّافَّاتِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 37- تفسیر سورۂ والصافات

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ﴾ [سبا: ٥٣]: مِنْ كُلِّ مَكَانٍ؛ ﴿وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ○ دُحُورًا﴾ [٨، ٩] يُرْمَوْنَ. ﴿وَاصِبٌ﴾ [٩]: دَائِمٌ. ﴿لَازِبٍ﴾ [١١]: لَازِمٌ. ﴿تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ﴾ [٢٨]: يَعْنِي الْحَقَّ؛ اَلْكُفَّارُ تَقُولُهُ لِلشَّيْطَانِ. ﴿غَوْلٌ﴾ [٤٧]: وَجَعُ بَطْنٍ. ﴿يُنزَفُونَ﴾: لَا تَذْهَبُ عُقُولُهُمْ. ﴿قَرِينٌ﴾ [٥١]: شَيْطَانٌ. ﴿يُهْرَعُونَ﴾ [٧٠]: كَهَيْئَةِ الْهَرْوَلَةِ. ﴿يَزِفُّونَ﴾ [٩٤]: اَلنَّسَلَانُ فِي الْمَشْيِ. ﴿وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا﴾ [١٥٨]: قَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ: اَلْمَلَائِكَةُ بَنَاتُ اللهِ، وَأُمَّهَاتُهُمْ بَنَاتُ سَرَوَاتِ الْجِنِّ. وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾: سَتُحْضَرُونَ لِلْحِسَابِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَنَحْنُ الصَّافُّونَ﴾ [١٦٥]: اَلْمَلَائِكَةُ. ﴿صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾ [٢٣]، ﴿سَوَاءِ الْجَحِيمِ﴾ [٥٥]: وَوَسَطِ الْجَحِيمِ. ﴿لَشَوْبًا﴾ [٦٧]: يُخْلَطُ طَعَامُهُمْ، وَيُسَاطُ بِالْحَمِيمِ. ﴿مَدْحُورًا﴾ [الأعراف: ١٨]: مَطْرُودًا. ﴿بَيْضٌ مَّكْنُونٌ﴾ [٤٩]: اَللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُونُ. ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ﴾ [٧٨، ١٠٨، ١٢٩]: يُذْكَرُ بِخَيْرٍ. وَيُقَالُ ﴿يَسْتَسْخِرُونَ﴾ [١٤]: يَسْخَرُونَ. ﴿بَعْلًا﴾ [١٢٥]: رَبًّا. ﴿الْأَسْبَابُ﴾ [ص: ١٠]: اَلسَّمَاءُ.

امام مجاہد نے کہا: وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ کے معنی یہ ہیں کہ وہ بے تحقیق ہر جگہ سے تیر پھینکتے رہے، یعنی وہ پیغمبر کو کبھی شاعر، کبھی ساحر اور کبھی کاہن کہتے رہے۔ وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا: شیاطین کو ہر طرف سے تیروں سے مارا جاتا ہے۔ انھیں ہر جانب سے مار پڑتی ہے۔ یہ شیاطین کو بھگانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ وَاصِبٌ کے معنی ہمیشہ کے ہیں، یعنی آخرت میں ان کے لیے دائمی عذاب ہوگا۔ لَازِبٍ کے معنی لازم کے ہیں، یعنی چپکتی اور لیس دار تھی۔ تَأْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ میں یمین کے معنی حق کے ہیں، یعنی میدان محشر میں کفار، شیاطین سے کہیں گے: تم ہمارے پاس حق بات کی طرف سے آتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا مذہب حق اور رسول کی تعلیم غلط ہے۔ غَوْلٌ کے معنی ہیں: پیٹ کا درد۔ يُنْزَفُوْنَ کے معنی ہیں: ان کی عقلوں میں فتور نہیں آئے گا۔ قَرِيْنٌ کے معنی ہیں: شیطان۔ يُهْرَعُوْنَ سے مراد دوڑنے کی طرح تیز چلتے ہیں۔ يَزِفُّوْنَ کے معنی ہیں: چلنے میں تیزی کرنا، یعنی نزدیک نزدیک قدم رکھ کر دوڑنا۔ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا کا مطلب یہ ہے کہ کفار قریش کہتے تھے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور ان کی مائیں سردار جنوں کی بیٹیاں ہیں۔ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ: جنوں کو معلوم تھا کہ انھیں قیامت کے دن حساب کے لیے حاضر ہونا پڑے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ: یہ فرشتوں کا قول ہے۔ صِرَاطِ الْجَحِيْمِ اور سَوَآءِ الْجَحِيْمِ سے مراد جہنم کا وسط ہے۔

لَشَوْبًا: ان کا کھانا مخلوط ہو گا، یعنی اس میں کھولتا ہوا پانی ملایا جائے گا۔ مَدْحُوْرًا کے معنی ہیں: نکالا ہوا، دور کیا ہوا۔ بَیْضٌ مَّکْنُوْنٌ سے مراد چھپے ہوئے موتی ہیں۔ وَتَرَکْنَا عَلَیْهِ فِی الْآخِرِیْنَ: اس کا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں باقی رکھا، یعنی ان کا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔ یَسْتَسْخِرُوْنَ کے معنی ہیں: یَسْخَرُوْن، یعنی وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ بَعْلًا: رب۔ اَلْاَسْبَابُ سے مراد آسمان ہے۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ [١٣٩]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''بلاشبہ حضرت یونس علیہ السلام بھی پیغمبروں میں سے تھے'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کے بعد والی آیت میں حضرت یونس علیہ السلام کے لیے لفظ اَبَقَ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں کہ ایک غلام اپنے آقا کے ہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت یونس علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہجرت کے بغیر ہی اپنی قوم کے لوگوں سے بھاگ آئے تھے، اس لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ اس میں لطیف اشارہ ہے کہ ہر شخص حتی کہ نبی بھی اپنے پروردگار کا ہر وقت غلام اور بندہ ہوتا ہے۔ چونکہ اس لفظ سے حضرت یونس علیہ السلام کے ایک کمزور پہلو کی نشاندہی ہوتی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل احادیث میں وضاحت کرتے ہوئے اس کی تلافی فرمائی ہے۔

٤٨٠٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَكُونَ خَيْرًا مِّنِ ابْنِ مَتَّى».

[راجع: ٣٤١٢]

[4804] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ابن متی، یعنی حضرت یونس علیہ السلام سے بہتر ہونے کا دعوی کرے۔''

٤٨٠٥ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ [مِّنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ]، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَالَ: أَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ

[4805] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں وہ جھوٹا ہے۔''

مَتّٰى ؛ فَقَدْ كَذَبَ» . [راجع : ٣٤١٥]

فوائدومسائل: ① ''میں یونس بن متی سے بہتر ہوں''اس میں دواحتمال ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد خود رسول اللہ ﷺ ہیں، دوسرا یہ کہ اس سے مراد خود متکلم ہے۔ دیگر احادیث سے دوسرے احتمال کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی یونس بن متی سے افضل ہے۔''[1] ② ایک حدیث قدسی کے الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''میرے کسی بندے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ یوں کہے: میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔''[2] دراصل یہ حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی غلطی تھی اور یہ ہر انسان بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی ممکن ہے لیکن مقربین کی چھوٹی سی غلطی اور لغزش بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی اور قابل مؤاخذہ ہوتی ہے، اس بنا پر ان کی گرفت ہوگئی، تاہم ایسی لغزشوں کو سامنے رکھ کر کسی کے لیے کردار کشی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ واللّٰه أعلم.

(٣٨) سُورَةُ صٓ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ — 38- تفسیر سورۂ صٓ

٤٨٠٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْعَوَّامِ قَالَ : سَأَلْتُ مُجَاهِدًا عَنِ السَّجْدَةِ فِي صٓ قَالَ : سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ : ﴿أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ هَدَى ٱللَّهُ فَبِهُدَىٰهُمُ ٱقْتَدِهْ﴾ [الأنعام: ٩٠] وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَسْجُدُ فِيهَا . [راجع : ٣٤٢١]

[4806] عوام بن حوشب سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت مجاہد سے سورۂ صٓ میں سجدہ کرنے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: یہ سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی کیا گیا تھا، انھوں نے جواب میں یہ آیت تلاوت کی: ''یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی، لہٰذا آپ بھی ان کی ہدایت کی اتباع کریں۔'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سورت میں سجدہ کیا کرتے تھے۔

٤٨٠٧ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ عَنِ الْعَوَّامِ قَالَ : سَأَلْتُ مُجَاهِدًا عَنْ سَجْدَةِ صٓ فَقَالَ : سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ : مِنْ أَيْنَ سَجَدْتَ؟ فَقَالَ : أَوَ مَا تَقْرَأُ : ﴿وَمِن ذُرِّيَّتِهِۦ دَاوُۥدَ وَسُلَيْمَٰنَ﴾ ﴿أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ هَدَى ٱللَّهُ فَبِهُدَىٰهُمُ ٱقْتَدِهْ﴾ فَكَانَ دَاوُدُ

[4807] حضرت عوام بن حوشب ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت مجاہد سے سورۂ صٓ میں سجدہ کرنے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا: میں نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی سوال کیا تھا کہ اس سورت میں سجدہ کرنے کی دلیل کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: آیا تم یہ نہیں پڑھتے: ''ان کی نسل سے داود اور سلیمان ہیں...... یہی

---

① صحیح مسلم، الفضائل، حدیث: 6151 (2373). 2 صحیح مسلم، الفضائل، حدیث: 6159 (2376).

مِمَّنْ أُمِرَ نَبِيُّكُمْ ﷺ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِ، فَسَجَدَهَا دَاوُدُ فَسَجَدَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ. [راجع: ٣٤٢١]

وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی، لہٰذا آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلیں۔'' حضرت داود علیہ السلام بھی انھی انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں جن کی اتباع کا تمھارے نبی ﷺ کو حکم تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر یہ سجدہ کیا ہے۔

﴿عُجَابٌ﴾ [٥]: عَجِيبٌ. اَلْقِطُّ: اَلصَّحِيفَةُ، هُوَ هَاهُنَا صَحِيفَةُ الْحَسَنَاتِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿فِي عِزَّةٍ﴾ [٢]: مُعَازِّينَ. ﴿الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ﴾ [٧]: مِلَّةُ قُرَيْشٍ. اَلْاِخْتِلَاقُ: اَلْكَذِبُ. ﴿الْأَسْبَابُ﴾ [١٠]: طُرُقُ السَّمَاءِ فِي أَبْوَابِهَا. ﴿جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ﴾ [١١]: يَعْنِي قُرَيْشًا. ﴿أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ﴾ [١٣]: اَلْقُرُونُ الْمَاضِيَةُ. ﴿فَوَاقٍ﴾ [١٥]: رُجُوعٍ. ﴿قِطَّنَا﴾ [١٦]: عَذَابَنَا. ﴿أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا﴾ [٦٣]: أَحَطْنَا بِهِمْ. ﴿أَتْرَابٌ﴾ [٥٢]: أَمْثَالٌ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿الْأَيْدِ﴾ [١٧]: اَلْقُوَّةِ فِي الْعِبَادَةِ. ﴿الْأَبْصَارِ﴾ [٤٥]: اَلْبَصَرُ فِي أَمْرِ اللهِ. ﴿حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّي﴾ [٣٢]: مِنْ ذِكْرِ. ﴿فَطَفِقَ مَسْحًا﴾ [٣٣]: يَمْسَحُ أَعْرَافَ الْخَيْلِ وَعَرَاقِيبَهَا. ﴿الْأَصْفَادِ﴾ [٣٨]: اَلْوَثَاقِ.

عُجَابٌ کے معنی ہیں: عجیب۔ اَلْقِطُّ کے معنی ہیں: صحیفہ، یعنی کاغذ کا پرچہ۔ یہاں نیکیوں کا صحیفہ مراد ہے۔ امام مجاہد نے کہا: فِی عِزَّۃٍ کے معنی ہیں: تکبر اور سرکشی کرنے والے۔ اَلْمِلَّةِ الْآخِرَةِ سے مراد قریش کا دین ہے۔ اَلْاِخْتِلَاق سے مراد جھوٹ ہے۔ اَلْاَسْبَابُ سے مراد آسمان کے دروازوں میں ان کے راستے ہیں۔ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ - مهزوم، جند کی صفت ہے۔ اس سے مراد قریش کے لوگ ہیں۔ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ سے مراد گزشتہ امتیں ہیں جن پر عذاب اترا تھا۔ فَوَاقٍ: پھرنا، لوٹنا۔ قِطَّنَا: ہمارا عذاب۔ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا: ہم نے ان کو ہنسی مذاق میں گھیر لیا تھا۔ اَتْرَابٌ: اَمْثَال، یعنی ہم عمر، جوڑ والے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلْاَیْدِ سے مراد عبادت کی قوت ہے۔ اَلْاَبْصَارِ کے معنی ہیں: اللہ کے معاملات میں غور سے دیکھنے والے۔ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ میں عَنْ، مِنْ کے معنی میں ہے، یعنی مِنْ ذِكْرِ رَبِّي۔ فَطَفِقَ مَسْحًا: گھوڑوں کے پاؤں اور پیشانیوں پر محبت سے ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ (کچھ حضرات نے یہ معنی بھی کیے ہیں کہ تلوار سے ان کو ذبح کرنے لگے) اَلْاَصْفَادِ کے معنی زنجیریں اور بیڑیاں ہیں۔

فوائد ومسائل: ① اس سورت میں حضرت داود علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور وہ سمجھ گئے کہ ہم نے انھیں آزمایا ہے، پھر تو وہ اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے اور رجوع کیا۔''[1] عاجزی کرتے ہوئے گر

1 صٓ 38 : 24.

پڑنے سے مراد ان کا سجدہ کرنا ہے۔ جب انھوں نے اس مقام پر سجدہ کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی اتباع میں سجدہ کیا، لہٰذا ہمیں بھی سجدہ کرنا چاہیے۔ ② ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سورۂ ص کا سجدہ کچھ تاکیدی سجدوں میں سے نہیں، البتہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔[1]

(۱) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِيٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ﴾ [۳۵]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو، بے شک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے'' کا بیان

وضاحت: حضرت سلیمان علیہ السلام دین کی سربلندی کے لیے بہت ہی بے تاب رہتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ کہنے لگے کہ میری نوے بیویاں ہیں، میں آج رات ان کے پاس جاؤں گا اور ان میں سے ہر ایک، ایک سوار جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔[2] لیکن یہ خواہش ان شاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے پوری نہ ہو سکی تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اگر تو مجھے بااختیار بادشاہت عطا کر دے جو میرے بعد کسی کے لیے نہ ہو تو پھر اولاد کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ یہ دعا بھی اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٠٨ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ عِفْرِيتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ - أَوْ كَلِمَةً نَّحْوَهَا - لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلَاةَ، فَأَمْكَنَنِيَ اللهُ مِنْهُ وَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلَى سَارِيَةٍ مِّنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تُصْبِحُوا، وَتَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ، فَذَكَرْتُ قَوْلَ أَخِي سُلَيْمَانَ: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي﴾ قَالَ رَوْحٌ: فَرَدَّهُ خَاسِئًا. [راجع: ٤٦١]

[4808] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''گزشتہ رات ایک دیوہیکل جن مجھ سے بھڑ پڑا۔ یا اس طرح کا کوئی اور کلمہ ارشاد فرمایا، تاکہ میری نماز خراب کرے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غالب کر دیا۔ میں نے چاہا کہ مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ اسے باندھ دوں تاکہ صبح کے وقت تم سب اسے دیکھ سکو لیکن مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی کہ ''اے میرے رب! مجھے ایسی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو۔'' روح راوی نے کہا: آپ ﷺ نے اس جن کو ذلیل ورسوا کر کے بھگا دیا۔

فوائد ومسائل: ① چونکہ عہد نبوی میں باضابطہ کوئی جیل خانہ نہیں تھا، اس لیے ملزم، مجرم یا قیدی کو مسجد ہی میں بٹھا دیا جاتا

1 صحيح البخاري، سجود القرآن، حديث: 1069. 2 صحيح البخاري، الأيمان والنذور، حديث: 6639.

تھا اور وہاں سے کہیں جانے نہیں دیتے تھے۔ سب سے پہلا جیل خانہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں مکان خرید کر بنایا تھا۔ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن ہو یا شیطان، یہ انسان کی طرح خاکی مخلوق تو نہیں کہ اسے کسی ستون کے ساتھ باندھ دیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن یا شیطان جب کسی انسان یا حیوان کی شکل میں آتا ہے تو اس مخلوق کے لوازمات اس میں آجاتے ہیں جس کا اس نے روپ دھارا ہو۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عفریت بلی کی شکل میں آیا تھا، لہٰذا اسے باندھنے میں کوئی اشکال نہیں۔ ② حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ ایک فضیلت تھی جو آپ کے بعد نہ کسی نبی کو حاصل ہوئی اور نہ کوئی بادشاہ ہی اس طرح کا ہوا ہے لیکن ان کی یہ عظیم سلطنت عبادت گزاری میں آڑے نہ آسکی۔ شاہی میں فقیرانہ زندگی بسر کرنا بھی اللہ والوں کا کام ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انھیں مقربین میں شامل کر لیا اور بلند درجات عطا فرمائے۔

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَمَآ أَنَاْ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ﴾ [٨٦]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور نہ میں تکلف کرنے والوں ہی میں سے ہوں'' کا بیان

وضاحت: مقصد یہ ہے کہ میں بالکل بے لوث ہو کر تمھیں اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں، میری کوئی ذاتی غرض اس سے وابستہ نہیں اور نہ میں ان لوگوں میں سے ہوں کہ اپنی بڑائی قائم کرنے کے لیے جھوٹے دعوے لے کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، یعنی تکلف کو میں اپنے پاس نہیں آنے دیتا۔ متکلفین کے معنی درج ذیل حدیث سے بھی واضح ہوتے ہیں۔

٤٨٠٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَّسْرُوقٍ قَالَ: دَخَلْنَا عَلٰى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ بِهِ، وَمَنْ لَّمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلْ: اَللهُ أَعْلَمُ، فَإِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يَّقُولَ لِمَا لَا يَعْلَمُ: اَللهُ أَعْلَمُ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَاْ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ﴾ وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنِ الدُّخَانِ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَعَا قُرَيْشًا إِلَى الْإِسْلَامِ فَأَبْطَؤُوا عَلَيْهِ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ»، فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ فَحَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ، حَتّٰى أَكَلُوا الْمَيْتَةَ وَالْجُلُودَ، حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ يَرٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ دُخَانًا مِّنَ الْجُوعِ، قَالَ

[4809] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے فرمایا: لوگو! جس شخص کو کسی چیز کا علم ہو تو وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو، اسے اللّٰه أعلم کہہ دینا چاہیے کیونکہ یہ بھی علم ہی ہے کہ جو چیز نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے بھی کہہ دیا تھا: ''آپ کہہ دیں! میں اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والا ہی ہوں۔'' اب میں تمھیں دھوئیں کے متعلق بتاتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے اسے قبول کرنے میں تاخیر کی۔ تب آپ ﷺ نے ان کے خلاف بددعا کی: ''اے اللہ! تو ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے کے سات سالوں کی طرح سات سالوں کا قحط بھیج کر

اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَٱرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِى ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ○ يَغْشَى ٱلنَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ قَالَ: فَدَعَوْا: ﴿رَّبَّنَا ٱكْشِفْ عَنَّا ٱلْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ○ أَنَّىٰ لَهُمُ ٱلذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ○ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ○ إِنَّا كَاشِفُوا ٱلْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَآئِدُونَ﴾ [الدخان: ١٢-١٥] أَفَيُكْشَفُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: فَكُشِفَ ثُمَّ عَادُوا فِي كُفْرِهِمْ، فَأَخَذَهُمُ اللهُ يَوْمَ بَدْرٍ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ ٱلْبَطْشَةَ ٱلْكُبْرَىٰٓ إِنَّا مُنتَقِمُونَ﴾ [الدخان: ١٦].

[راجع: ١٠٠٧]

میری مدد فرما۔'' چنانچہ قحط نے ان کو پکڑا اور اتنا زبردست پکڑا کہ ہر چیز کو اس نے ختم کر دیا۔ لوگ مردار اور چمڑے تک کھا گئے۔ شدت بھوک کی وجہ سے ان کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو اسے دھواں ہی دھواں نظر آتا۔ اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ انتظار کریں، اس دن کا جب آسمان کھلا ہوا دھواں لائے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا، یہ دردناک عذاب ہے۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: پھر قریش دعا کرنے لگے: ''اے ہمارے رب! اس عذاب کو ہم سے دور کر دے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے، لیکن ان لوگوں کو نصیحت کب ہوتی ہے، حالانکہ ان کے پاس (حق) واضح کرنے والا رسول آ چکا، پھر بھی یہ لوگ سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ یہ سکھایا ہوا اور دیوانہ ہے۔ بے شک ہم تھوڑے دنوں کے لیے ان سے عذاب ہٹا لیں گے۔ بلاشبہ تم دوبارہ وہی کرنے والے ہو۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا: کیا قیامت کا عذاب بھی ان سے دور کر دیا جائے گا؟ پھر جب یہ عذاب ان سے دور کر دیا گیا تو وہ دوبارہ کفر میں مزید بڑھ گئے، پھر غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے انھیں پکڑا۔ درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں اسی طرف اشارہ ہے: ''جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے۔ یقیناً اس روز ہم پورا پورا بدلہ لے لیں گے۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی وضاحت کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ ایک شخص نے قبیلۂ کندہ میں حدیث بیان کرتے ہوئے کہا: قیامت کے دن ایک دھواں اٹھے گا جو منافقین کی قوت بصارت و سماعت کو ختم کر دے گا لیکن مومن پر اس کا اثر صرف زکام جیسا ہو گا۔ مسروق کہتے ہیں کہ ہم اس کی یہ بات سن کر بہت گھبرائے اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے یہ وضاحت فرمائی۔[1] ② کیا قیامت کا عذاب بھی ان سے دور کیا جائے گا؟

---

① صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4774.

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا قول ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کا عذاب نہیں بلکہ دنیا میں سزا کا بیان ہے۔ قیامت کے عذاب میں تخفیف ممکن نہیں بلکہ وہاں تو ان کی بڑی سخت پکڑ ہوگی اور کوئی چیز بھی انھیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ ③ امام بخاری ؒ کا اس حدیث سے مقصد یہ ہے کہ عام معاملات زندگی میں بھی رسول اللہ ﷺ نے تکلف سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمر ؓ کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا: ہمیں تکلفات سے منع کیا گیا ہے۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ لباس، خوراک، رہائش اور دیگر معاملات زندگی میں تکلف اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسلام میں سادگی اور بے تکلفی اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔ لیکن آج کل معیار زندگی بلند کرنے کے لیے تکلف اصحاب حیثیت لوگوں کا شعار اور وتیرہ بن چکا ہے۔ واللہ المستعان.

(٣٩) سُورَةُ الزُّمَرِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 39- تفسیر سورۂ زمر

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿يَتَّقِي بِوَجْهِهِۦ﴾ [٢٤] يُجَرُّ عَلٰى وَجْهِهِ فِي النَّارِ؛ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالٰى: ﴿أَفَمَن يُلْقَىٰ فِى ٱلنَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِىٓ ءَامِنًا يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ﴾. [فصلت: ٤٠] ﴿ذِى عِوَجٍ﴾ [٢٨]: لَبْسٍ. ﴿وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ﴾ [٢٩]: صَالِحًا. ﴿وَيُخَوِّفُونَكَ بِٱلَّذِينَ مِن دُونِهِۦ﴾ [٣٦]: بِالْأَوْثَانِ، ﴿خَوَّلْنَا﴾ [الزمر: ٤٩] أَعْطَيْنَا. ﴿وَٱلَّذِى جَآءَ بِٱلصِّدْقِ﴾ [٣٣]: اَلْقُرْآنِ ﴿وَصَدَّقَ بِهِۦٓ﴾: اَلْمُؤْمِنُ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿مُتَشَٰكِسُونَ﴾ [٢٩]: اَلرَّجُلُ الشَّكِسُ: اَلْعَسِرُ، لَا يَرْضٰى بِالْإِنْصَافِ. ﴿وَرَجُلًا سَلَمًا﴾؛ وَيُقَالُ: سَالِمًا: صَالِحًا. ﴿ٱشْمَأَزَّتْ﴾ [٤٥]: نَفَرَتْ. ﴿بِمَفَازَتِهِمْ﴾ [٦١]: مِنَ الْفَوْزِ. ﴿حَآفِّينَ﴾ [٧٥]: أَطَافُوا بِهِ، مُطِيفِينَ بِحِفَافَيْهِ: بِجَوَانِبِهِ. ﴿مُّتَشَٰبِهًا﴾ [٢٣]: لَيْسَ مِنَ

امام مجاہد نے کہا: يَتَّقِیْ بِوَجْهِهِ سے مراد یہ ہے کہ منہ کے بل دوزخ میں گھسیٹا جائے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے: ''بھلا وہ شخص جو دوزخ میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن و امان سے آئے گا۔'' ذِیْ عِوَجٍ کے معنی ہیں: شبہے والا۔ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ: یہ مشرکین کے معبودان باطلہ اور معبود برحق کی مثال ہے۔ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ میں دونہ سے مراد بت ہیں، یعنی مشرکین اپنے جھوٹے معبودوں سے تجھے خوفزدہ کرتے ہیں۔ خَوَّلْنَا کے معنی ہیں: ہم نے دیا۔ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد قرآن اور صَدَّقَ بِهٖ سے مراد مومن ہے جو قیامت کے دن اللہ کے سامنے آ کر عرض کرے گا کہ یہی وہ قرآن ہے جو دنیا میں تو نے ہمیں دیا تو میں نے اس پر عمل کیا تھا۔ مُتَشٰكِسُوْنَ شکس سے نکلا ہے۔ شکس اس بدمزاج آدمی کو کہتے ہیں جو انصاف کی بات پسند نہ کرے۔ وَرَجُلًا سَلَمًا: سلمًا اور سالِمًا اچھے آدمی کو کہتے ہیں۔ اِشْمَاَزَّتْ کے معنی ہیں:

---

1 صحيح البخاري، الاعتصام، بالكتاب والسنة، حديث: 7293.

الْاشْتِبَاهِ وَلٰكِنْ يُشْبِهُ بَعْضُهُ بَعْضًا فِي التَّصْدِيقِ.

نفرت کرتے ہیں، چڑتے ہیں۔ بِمَفَازَتِهِمْ فوز سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: کامیابی۔ حَآفِّيْنَ کے معنی ہیں: اردگرد، یعنی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ مُتَشَٰبِهًا اشتباہ سے نہیں جس کے معنی التباس کے ہیں بلکہ تشابہ سے ہے جس کے معنی ہیں: تصدیق کرنے میں (اس کی آیات) ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ﴾ اَلْآيَةَ [٥٣]

باب:1- ارشاد باری تعالیٰ: ''(میری جانب سے) کہہ دو: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوجاؤ'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی وسعت کا بیان ہے۔ انسان نے ایمان لانے سے پہلے یا احساس توبہ سے پہلے جتنے بھی گناہ کیے ہوں، انسان یہ خیال نہ کرے کہ میں تو بہت گناہ گار ہوں، مجھے اللہ کیونکر معاف کرے گا بلکہ سچے دل سے اگر ایمان قبول کرے گا یا توبہ کا نذرانہ پیش کرے گا تو اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف کر دے گا۔ اس آیت کے انداز بیان سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کسی سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے اور ان لوگوں کے لیے پیغام امید لے کر آئی ہے جو دور جاہلیت میں قتل، زنا، چوری، ڈاکے اور ایسے ہی سخت جرائم میں مبتلا رہ چکے تھے اور اس بات سے مایوس تھے کہ یہ قصور کبھی معاف نہیں ہوسکیں گے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨١٠ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ: قَالَ يَعْلٰى: إِنَّ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ نَاسًا مِّنْ أَهْلِ الشِّرْكِ كَانُوا قَدْ قَتَلُوا وَأَكْثَرُوا، وَزَنَوْا وَأَكْثَرُوا فَأَتَوْا مُحَمَّدًا ﷺ فَقَالُوا: إِنَّ الَّذِي تَقُولُ وَتَدْعُو إِلَيْهِ لَحَسَنٌ لَّوْ تُخْبِرُنَا أَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً، فَنَزَلَ: ﴿وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِي حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ

[4810] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے بہت خون ناحق بہائے تھے اور بکثرت زنا کرتے رہے تھے، وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اور جس کی دعوت دیتے ہیں وہ یقیناً اچھی چیز ہے لیکن اگر آپ ہمیں اس بات سے آگاہ کر دیں کہ اب تک ہم نے جو گناہ کیے ہیں کیا وہ معافی کے قابل ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو ناحق قتل بھی نہیں کرتے، جس کا قتل اللہ نے

وَلَا يَزْنُونَ﴾ [الفرقان:٦٨] وَنَزَلَ: ﴿قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ﴾ [الزمر: ٥٣].

حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ وہ زنا کرتے ہیں۔" اور یہ آیت بھی نازل ہوئی: "کہہ دیجیے: اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔"

فوائد ومسائل: ① اس آیت کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی امید پر خوب گناہ کیے جاؤ، اس کے احکام وفرائض کی مطلق کوئی پروا نہ کرو اور اس کی حدود کو بے دردی سے پامال کرو۔ اس طرح اس کے غضب و انتقام کو دعوت دے کر اس کی رحمت و مغفرت کی امید رکھنا نہایت بے وقوفی اور خام خیالی ہے۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ جہاں اپنے بندوں کے لیے غفور رحیم ہے وہاں وہ نافرمانوں کے لیے عزیز ذوانتقام بھی ہے۔ ② بہر حال اللہ تعالیٰ کی معافی کے لیے دو شرطیں ہیں: ایک تو اس کی طرف رجوع کیا جائے اور دوسری اس کے احکام کی بجا آوری ہو، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی کا اعلان عام ہے، لہٰذا جلد از جلد اللہ تعالیٰ کے اس اعلان سے فائدہ اٹھانا چاہیے، نیز یہ خطاب صرف مشرکین مکہ ہی کے لیے نہیں بلکہ اس کا حکم عام ہر غیر مسلم اور گناہ گار کے لیے ہے۔

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَمَا قَدَرُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦ﴾ [٦٧]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: "ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کرنے کا حق ہے" کا بیان

وضاحت: اس آیت کا تکملہ یہ ہے: "قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ ان باتوں سے پاک اور اس شرک سے بالاتر ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔" اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور پوری کائنات پر کلی تصرف کا یہ حال ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز اس کے ہاتھ میں بالکل بے بس ہے، چنانچہ اس مضمون کی مزید تفسیر درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

٤٨١١ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ حَبْرٌ مِّنَ الْأَحْبَارِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّا نَجِدُ أَنَّ اللهَ يَجْعَلُ السَّمٰوَاتِ عَلٰى إِصْبَعٍ، وَالْأَرَضِينَ عَلٰى إِصْبَعٍ، وَّالشَّجَرَ عَلٰى إِصْبَعٍ، وَالْمَاءَ وَالثَّرٰى عَلٰى إِصْبَعٍ، وَّسَائِرَ الْخَلَائِقِ

[4811] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: علمائے یہود میں سے ایک عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اے محمد! ہم (تورات میں) پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھ لے گا، اسی طرح تمام زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، دریاؤں اور سمندروں کو ایک انگلی پر، گیلی مٹی کو ایک انگلی پر اور دیگر تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر، پھر فرمائے گا:

عَلَى إِصْبَعٍ، فَيَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ تَصْدِيقًا لِقَوْلِ الْحَبْرِ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾. [انظر: ٧٤١٤، ٧٤١٥، ٧٤٥١، ٧٥١٣]

میں ہی بادشاہ ہوں۔ نبی ﷺ یہ سن کر ہنس دیے حتی کہ آپ کے سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے۔ آپ کا یہ ہنسنا اس یہودی عالم کی تصدیق کے لیے تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ''اور ان لوگوں کو جیسی قدر اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے تھی نہیں کی۔''

فوائدومسائل: ① محدثین اور سلف کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جن صفات کا ذکر قرآن وحدیث میں ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہاتھ اور حدیث میں انگلیوں کا اثبات ہے، ان پر بلا کیف وتشبیہ اور بغیر تاویل وتحریف، ایمان رکھنا ضروری ہے، اس لیے یہاں بیان کردہ حقیقت کو محض غلبہ وقوت میں لینا صحیح نہیں۔ ② رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر اس یہودی عالم کی بیان کردہ حقیقت پر مہر تصدیق ثبت فرمائی، اس لیے اس بیان کو حقیقت پر محمول کرنا چاہیے۔ اس کی مزید تفصیل کتاب التوحید، حدیث: 7415،7414 کے فوائد میں بیان ہوگی۔ بإذن الله تعالىٰ.

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ﴾ [٦٧]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔'' کا بیان

٤٨١٢ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ مُسَافِرٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَقْبِضُ اللهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمَاوَاتِ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟». [انظر: ٦٥١٩، ٧٣٨٢، ٧٤١٣]

[4812] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں۔ دنیا کے بادشاہ (آج) کہاں ہیں؟''

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں ''يوم القيامة'' کے الفاظ ہیں، یعنی قیامت کے دن ایسا ہوگا۔[1] قیامت کے دن کی تخصیص اس لیے ہے کہ جیسے دنیا کی آبادی اور تخلیق کے وقت اس کی ایجاد میں کمال قدرت کا اظہار ہوا تھا اسی طرح اس کے خراب ہونے کے وقت اس کے ختم اور نیست ونابود کرنے میں بھی اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوگا۔ ② اس حدیث میں بھی

① صحيح البخاري، التفسير، حديث: 7382.

اللہ تعالیٰ کے لیے ''یمین'' کا اثبات ہے، اس کے معنی قدرت لینا سلف صالحین کے موقف کے خلاف ہے، لہٰذا اسے اپنے حقیقی معنی میں سمجھنا چاہیے۔ اس کی تاویل نہ کی جائے بلکہ مبنی برحقیقت معنی پر محمول کرنا چاہیے۔ والله أعلم.

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَنُفِخَ فِي ٱلصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَن فِي ٱلْأَرْضِ إِلَّا مَن شَآءَ ٱللَّهُ﴾ ٱلْآيَةَ [٦٨]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جب صور میں پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں اور زمین میں موجود مخلوق ہے سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے......'' کا بیان

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صور دو بار پھونکا جائے گا لیکن سورۂ نمل کی آیت: 87 سے پتا چلتا ہے کہ ایک اور نفخہ بھی ہے جسے سن کر زمین و آسمان کی تمام مخلوق دہشت زدہ ہو جائے گی، اس لیے بعض علماء کا خیال ہے کہ صور میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا: پہلے نفخے پر صرف گھبراہٹ ہوگی، دوسرے نفخے پر لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے اور تیسرے نفخے پر سب دوبارہ زندہ ہو کر اپنے پروردگار کے حضور پیش ہوں گے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی مخلوق بھی ہوگی جو بے ہوش نہیں ہوگی لیکن درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں میں سے کوئی بھی اس بے ہوشی سے محفوظ نہیں ہوگا، البتہ موسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٨١٣ - حَدَّثَنِي الْحَسَنُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ خَلِيلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنِّي مِنْ أَوَّلِ مَنْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ بَعْدَ النَّفْخَةِ الْآخِرَةِ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى مُتَعَلِّقٌ بِالْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَكَذٰلِكَ كَانَ، أَمْ بَعْدَ النَّفْخَةِ؟». [راجع: ٢٤١١]

[4813] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''آخری مرتبہ صور پھونکے جانے کے بعد سب سے پہلے اپنا سر اٹھانے والا میں ہوں گا، لیکن اس وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کے ساتھ لپٹے ہوئے ہیں۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ پہلے ہی اس طرح تھے یا آخری نفخے کے بعد (مجھ سے پہلے عرش الٰہی کو تھام لیں گے)؟''

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اب مجھے معلوم نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش ہونے والوں میں ہوں گے اور مجھ سے پہلے انھیں ہوش آجائے گا یا اللہ تعالیٰ نے انھیں ان لوگوں میں رکھا ہے جو بے ہوشی سے مستثنیٰ ہیں۔''[1] بعض روایات میں یہ بھی صراحت ہے کہ ان کے لیے کوہ طور کی بے ہوشی کو کافی سمجھ لیا جائے گا، اس لیے وہ نفخۂ صور کے وقت بے ہوش نہیں ہوں گے۔[2]

---

1 صحيح البخاري، الخصومات، حديث: 2411. 2 صحيح البخاري، الخصومات، حديث: 2412.

٤٨١٤ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ». قَالُوا: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أَرْبَعُونَ يَوْمًا؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالَ: أَرْبَعُونَ سَنَةً؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالَ: أَرْبَعُونَ شَهْرًا؟ قَالَ: أَبَيْتُ «وَيَبْلَى كُلُّ شَيْءٍ مِّنَ الْإِنْسَانِ إِلَّا عَجْبَ ذَنَبِهِ، فِيهِ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ». [انظر: ٤٩٣٥]

[4814] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''دونوں نفخوں میں چالیس کا فاصلہ ہوگا۔'' لوگوں نے پوچھا: ابوہریرہ! کیا چالیس دن کا؟ انھوں نے فرمایا: میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ پھر لوگوں نے پوچھا: چالیس سال کا؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ لوگوں نے عرض کی: چالیس ماہ کا؟ فرمایا: میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا، البتہ اتنا کہوں گا کہ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی، سوائے ریڑھ کی ہڈی کے سرے کے، اسی سے ترکیب خلق ہوگی۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے عَجْبُ الذَّنَب کے متعلق سوال کیا کہ وہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''وہ رائی کے دانے کے برابر ہوتا ہے۔''[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کا ایک راز ہے جسے اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا کیونکہ قادر مطلق نے محض عدم سے انسان کو پیدا کیا ہے، دوبارہ پیدا کرنے کی صورت میں اس ہڈی کو باقی رکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ اس سے ترکیب خلق کی جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فرشتوں کی پہچان کے لیے اسے بطور علامت باقی رکھا جائے تاکہ وہ انسان کو اس کے جوہر سے معلوم کر کے روح کو دوبارہ اس میں لوٹا سکیں۔ ② حضرات انبیاء علیہم السلام کے پاکیزہ جسم اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے جسموں کو زمین نہیں کھائے گی۔[2]

(٤٠) سُورَةُ الْمُؤْمِنِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 40- تفسیر سورۂ مومن

قَالَ مُجَاهِدٌ: [﴿حمٓ﴾] مَجَازُهَا مَجَازُ أَوَائِلِ السُّوَرِ، وَيُقَالُ: بَلْ هُوَ اسْمٌ؛ لِقَوْلِ شُرَيْحِ بْنِ أَبِي أَوْفَى الْعَبْسِيِّ:

امام مجاہد نے کہا: حمٓ اس کا حکم وہی ہے جو سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف مقطعات کا حکم ہے، یعنی اللہ ہی اس کی مراد کو جانتا ہے۔ بعض نے کہا: یہ سورتوں کے نام ہیں جیسا کہ شریح بن ابی اوفی عبسی کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے:

يُذَكِّرُنِي حَامِيمَ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ
فَهَلَّا تَلَا حَامِيمَ قَبْلَ التَّقَدُّمِ؟

وہ مجھ کو حامیم یاد دلاتا ہے جبکہ نیزہ چلنے لگا ہے
لڑائی میں آنے سے پہلے ہی اس نے حامیم کیوں نہ پڑھی

① مسند أحمد: 28/3. ② فتح الباري: 702/8.

﴿ٱلطَّوْلِ﴾ [٣]: اَلتَّفَضُّلِ. ﴿دَاخِرِينَ﴾ [٨٧]: خَاضِعِينَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿إِلَى ٱلنَّجَوٰةِ﴾ [٤١]: الْإِيمَانِ. ﴿لَيْسَ لَهُۥ دَعْوَةٌ﴾ [٤٣]: يَعْنِي الْوَثَنَ ﴿يُسْجَرُونَ﴾ [٧٢]: تُوقَدُ بِهِمُ النَّارُ. ﴿تَمْرَحُونَ﴾ [٧٥]: تَبْطَرُونَ. وَكَانَ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ يُذَكِّرُ النَّارَ، فَقَالَ رَجُلٌ: لِمَ تُقَنِّطُ النَّاسَ؟ قَالَ: وَأَنَا أَقْدِرُ أَنْ أُقَنِّطَ النَّاسَ! وَاللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ: ﴿يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ﴾ [الزمر:٥٣] وَيَقُولُ: ﴿وَأَنَّ ٱلْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ﴾ [٤٣] وَلٰكِنَّكُمْ تُحِبُّونَ أَنْ تُبَشَّرُوا بِالْجَنَّةِ عَلٰى مَسَاوِي أَعْمَالِكُمْ، وَإِنَّمَا بَعَثَ اللهُ مُحَمَّدًا ﷺ مُبَشِّرًا بِالْجَنَّةِ لِمَنْ أَطَاعَهُ، وَمُنْذِرًا بِالنَّارِ لِمَنْ عَصَاهُ.

الطَّوْلِ کے معنی ہیں: احسان کرنا اور انعام دینا۔ دَاخِرِيْنَ سے مراد ذلیل وخوار ہونا ہے۔ مجاہد نے کہا: إِلَى النَّجْوةِ کے معنی إِلَى الْإِيمَان ہیں، یعنی میں تمھیں ایمان کی دعوت دیتا ہوں۔ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ، یعنی بت کسی کی دعا قبول نہیں کر سکتا۔ يُسْجَرُوْنَ کے معنی ہیں: وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ تَمْرَحُوْنَ کے معنی ہیں: تم اتراتے تھے۔ حضرت علاء بن زیاد لوگوں کو آگ یاد دلاتے تھے تو ایک شخص نے کہا: تم لوگوں کو کیوں مایوس کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: میری کیا طاقت ہے کہ میں لوگوں کو مایوس کروں جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے میرے بندو جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔'' اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ یوں بھی فرماتا ہے: ''بلاشبہ حد سے بڑھنے والے دوزخی ہیں۔'' لیکن تم یہ چاہتے ہو کہ برے کام کرتے رہو اور جنت کی خوشخبری بھی تمھیں ملتی رہے، اللہ تعالیٰ نے تو حضرت محمد ﷺ کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اطاعت گزار کو جنت کی بشارت دیں اور نافرمان کو جہنم سے ڈرائیں۔

٤٨١٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ قَالَ: قُلْتُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: أَخْبِرْنِي بِأَشَدِّ مَا صَنَعَ الْمُشْرِكُونَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ إِذْ أَقْبَلَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ فَأَخَذَ بِمَنْكِبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَوٰى ثَوْبَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ خَنْقًا شَدِيدًا، فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ، فَأَخَذَ بِمَنْكِبِهِ، وَدَفَعَ

[4815] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ سخت معاملہ مشرکین نے کیا کیا تھا؟ حضرت عبداللہ ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کعبے کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ اس دوران میں عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کا شانہ مبارک پکڑ کر آپ کی گردن میں اپنا کپڑا لپیٹ دیا۔ پھر اس کپڑے سے بڑی سختی کے ساتھ آپ کا گلا گھونٹنے لگا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر ؓ بھی آگئے۔ انھوں نے عقبہ کا کندھا پکڑ کر رسول اللہ ﷺ سے ہٹایا اور کہا: ''کیا

عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، وَقَالَ: ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ ٱللَّهُ وَقَدْ جَآءَكُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ مِن رَّبِّكُمْ﴾ [٢٨]. [راجع: ٣٦٧٨]

تم ایسے آدمی کو قتل کر دینا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے جبکہ وہ تمھارے رب کے پاس سے اپنی سچائی کے لیے روشن دلائل بھی لے کر آیا ہے۔"

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی عنوان قائم نہیں کیا، صرف چند مشکل الفاظ کی لغوی تشریح کے بعد یہ حدیث بیان کر دی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اس سورۂ مبارکہ میں ایک مرد مومن کا ذکر ہے، اس مرد مومن کے نام سے یہ سورت موسوم ہے۔ اس نے فرعون کے دربار میں اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا تھا اور وہ خود اس خاندان سے تعلق رکھتا تھا لیکن جب فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ تم مجھے اجازت دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں، تو اس مرد مومن نے کہا: کیا تم اسے صرف اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے، حالانکہ وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔ ② قرآن کریم کے اس واقعے پر غور کرنے سے حدیث کی مناسبت کا بھی پتا چل گیا کہ اس واقعے کی سورۂ مومن کے واقعے سے پوری پوری مماثلت ہے۔ واللہ أعلم. ③ واضح رہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آل فرعون کے مرد مومن سے افضل ہیں کیونکہ وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھلم کھلا اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے، پھر آل فرعون کے مرد مومن نے صرف زبانی بات پر اکتفا کیا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کو زبان کے تابع کیا اور قول وفعل دونوں سے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی۔

(٤١) سُورَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ — بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ — 3- تفسیر سورۂ حٰم سجدہ

وَقَالَ طَاوُسٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿ٱئْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا﴾ [١١]: أَعْطِيَا ﴿قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِينَ﴾: أَعْطَيْنَا.

حضرت طاؤس نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا: اِئْتِيَا طَوْعاً اَوْ كَرْهًا کے معنی ہیں: اَعْطِيَا، یعنی تم دونوں (آسمان وزمین) اطاعت قبول کرلو۔ قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ کے معنی ہیں: اَعْطَيْنَا، یعنی ہم نے بخوشی اطاعت قبول کرلی۔

وَقَالَ الْمِنْهَالُ عَنْ سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِّابْنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي أَجِدُ فِي الْقُرْآنِ أَشْيَاءَ تَخْتَلِفُ عَلَيَّ.

منہال نے سعید بن جبیر سے روایت کیا، انھوں نے کہا: ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی: میں قرآن میں بہت سی آیات ایک دوسرے کے خلاف پاتا ہوں، یعنی بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، مثلاً:

قَالَ: ﴿فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا

ارشاد باری تعالیٰ: "(جب صور میں پھونک دیا جائے گا)

يَتَسَآءَلُونَ﴾ [المؤمنون: ١٠١]، ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَآءَلُونَ﴾ [الصفات: ٢٧].

تو اس دن نہ تو ان کے درمیان رشتے رہیں گے اور نہ وہ باہم ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔" دوسری جگہ پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے۔" (ان دونوں آیات میں بظاہر تعارض ہے کیونکہ پہلی آیت میں سوال نہ کرنے جبکہ دوسری میں باہم سوال کرنے کا ذکر ہے۔)

﴿وَلَا يَكْتُمُونَ ٱللَّهَ حَدِيثًا﴾ [النساء: ٤٢]، ﴿رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ [الأنعام: ٢٣] فَقَدْ كَتَمُوا فِي هٰذِهِ الْآيَةِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے۔" جبکہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ہمیں اپنے رب کی قسم! ہم کبھی مشرک نہ تھے۔" (پہلی آیت میں عدم کتمان کا ذکر ہے جبکہ) دوسری آیت میں کتمان ہے کہ وہ (اپنا مشرک ہونا) چھپائیں گے۔

وَقَالَ: ﴿أَمِ ٱلسَّمَآءُ بَنَىٰهَا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿دَحَىٰهَآ﴾ [النازعات ٢٧-٣٠] فَذَكَرَ خَلْقَ السَّمَاءِ قَبْلَ خَلْقِ الْأَرْضِ، ثُمَّ قَالَ: ﴿أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِٱلَّذِى خَلَقَ ٱلْأَرْضَ فِى يَوْمَيْنِ﴾ إِلَى ﴿طَآئِعِينَ﴾ [٩-١١] فَذَكَرَ فِي هٰذِهِ خَلْقَ الْأَرْضِ قَبْلَ السَّمَاءِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "(کیا تمھارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے) یا آسمان کا؟ اس (اللہ تعالیٰ) نے اسے بنایا (اس کی چھت کو اونچا کیا، پھر اس کی نوک پلک کو درست کیا، اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو نکالا اور اس کے بعد) زمین کو بچھا دیا۔" ان آیات میں آسمان کا پیدا کرنا زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ذکر فرمایا ہے، پھر (حمٓ سجدہ میں) ارشاد باری تعالیٰ ہے: "کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا ہے...... (پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں سا تھا) فرماں بردار بن کر آتے ہیں۔" ان آیات میں زمین کا پیدا کرنا آسمان کے پیدا کرنے سے پہلے ذکر فرمایا ہے، ان میں بظاہر تعارض ہے۔

وَقَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ [النساء: ٩٦] ﴿عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ [٥٦] ﴿سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [٥٨] فَكَأَنَّهُ كَانَ ثُمَّ مَضَى.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا نہایت مہربان تھا" اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا تھا۔" "اللہ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، سب

کچھ دیکھنے والا تھا۔'' ان آیات کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمانۂ ماضی میں ان صفات سے متصف تھا، اب نہیں ہے۔

فَقَالَ: ﴿فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ فِي النَّفْخَةِ الْأُولٰى، ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ ﴿فَصَعِقَ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ إِلَّا مَن شَآءَ ٱللَّهُ﴾ [الزمر: ٦٨] ﴿فَلَآ أَنسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ عِنْدَ ذٰلِكَ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ، ثُمَّ فِي النَّفْخَةِ الْآخِرَةِ ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَآءَلُونَ﴾.

حضرت ابن عباس نے اس کے جواب میں فرمایا: ''اس دن کوئی رشتہ ناتا نہیں رہے گا ......'' یہ اس وقت کا ذکر ہے جب پہلی دفعہ صور میں پھونکا جائے گا '' تو زمین و آسمان والے سب بے ہوش ہو جائیں گے سوائے اس کے جسے اللہ چاہے گا۔'' ''اس وقت ان میں کوئی رشتہ ناتا باقی نہیں رہے گا'' اور وہ اس وقت ایک دوسرے سے کچھ بھی نہیں پوچھیں گے۔ اور جو دوسری آیت ہے ''وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے'' یہ دوسری دفعہ صور میں پھونکے جانے کے بعد کا حال ہے (اس لیے ان آیات میں کوئی تعارض نہیں، یعنی باہم پوچھنا، نفخۂ ثانیہ کے بعد اور نہ پوچھنا نفخۂ اول کے بعد ہے۔)

وَأَمَّا قَوْلُهُ: ﴿مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ ﴿وَلَا يَكْتُمُونَ ٱللَّهَ﴾ فَإِنَّ اللهَ يَغْفِرُ لِأَهْلِ الْإِخْلَاصِ ذُنُوبَهُمْ، وَقَالَ الْمُشْرِكُونَ: تَعَالَوْا نَقُولُ: لَمْ نَكُنْ مُشْرِكِينَ، فَخُتِمَ عَلٰى أَفْوَاهِهِمْ فَتَنْطِقُ أَيْدِيهِمْ، فَعِنْدَ ذٰلِكَ عُرِفَ أَنَّ اللهَ لَا يُكْتَمُ حَدِيثًا، وَعِنْدَهُ ﴿يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ الْآيَةَ [الحجر: ٢].

مشرکین کا یہ کہنا کہ ''ہم مشرک نہ تھے'' اور دوسری آیت میں ہے کہ '' وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے'' تو بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خالص اہل توحید کے گناہ معاف کردے گا تو مشرکین آپس میں کہیں گے: آؤ، ہم بھی دربار الٰہی میں یہ کہیں کہ ہم مشرک نہیں تھے (تاکہ ہمارے گناہ بھی معاف ہو جائیں)۔ پھر اللہ تعالیٰ اس وقت ان کے منہ پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں بولنا شروع کر دیں گے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپائی جاسکتی اور اس وقت کافر تمنا کریں گے (کاش وہ دنیا میں مسلمان ہوتے، یعنی منہ پر مہر لگنے سے پہلے کتمان اور ہاتھ پاؤں کی گواہی کے بعد عدم کتمان، لہٰذا ان آیات میں کوئی تعارض نہیں۔)

وَخَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمَاءَ، ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ فِي يَوْمَيْنِ آخَرَيْنِ، ثُمَّ دَحَا الْأَرْضَ، وَدَحْوُهَا أَنْ أَخْرَجَ مِنْهَا الْمَاءَ وَالْمَرْعٰى، وَخَلَقَ الْجِبَالَ وَالْجِمَالَ وَالْآكَامَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي يَوْمَيْنِ آخَرَيْنِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿دَحٰهَآ﴾.

(ارشاد باری تعالیٰ کہ) اس (اللہ تعالیٰ) نے زمین کو دو دن (کی مقدار) میں پیدا کیا (اس میں صرف پیدائش کا ذکر ہے، اس کے پھیلانے کا ذکر نہیں ہے) پھر آسمان کی طرف توجہ دی اور دوسرے دو دن (کی مقدار) میں اسے درست کیا۔ اس کے بعد زمین کو پھیلایا اور اس کا پھیلانا یہ ہے کہ اس سے پانی اور گھاس نکالا۔ پہاڑوں، اونٹوں اور ٹیلوں کو پیدا کیا، اور جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان میں ہے اسے دوسرے دو دنوں میں پیدا کیا۔ زمین کو پھیلانے سے یہی مراد ہے۔

وَقَوْلُهُ: ﴿خَلَقَ ٱلْأَرْضَ فِى يَوْمَيْنِ﴾ فَجُعِلَتِ الْأَرْضُ وَمَا فِيهَا مِنْ شَيْءٍ فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ، وَخُلِقَتِ السَّمٰوَاتُ فِي يَوْمَيْنِ.

اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور زمین کی دیگر چیزیں اس کے بعد دو دن میں پیدا کی گئیں۔ گویا یہ سب کچھ چار دنوں میں تیار ہوا اور آسمانوں کو دو دنوں میں پیدا کیا۔ نفس زمین کی تخلیق آسمانوں کی تخلیق سے پہلے ہے اور دحو الأرض، یعنی زمین کا پھیلانا، آسمان کی پیدائش بعد کے واقع ہوا ہے، لہٰذا ان آیات میں کوئی اشکال نہیں۔

﴿وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا ....﴾ سَمّٰى نَفْسَهُ ذٰلِكَ، وَذٰلِكَ قَوْلُهُ، أَيْ: لَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ، فَإِنَّ اللهَ لَمْ يُرِدْ شَيْئًا إِلَّا أَصَابَ بِهِ الَّذِي أَرَادَ، فَلَا يَخْتَلِفْ عَلَيْكَ الْقُرْآنُ، فَإِنَّ كُلًّا مِنْ عِنْدِ اللهِ.

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا...... ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کو بیان کیا ہے اور اللہ کی صفات ازل سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسے حاصل کر لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں مگر ان کا مخلوق کے ساتھ تعلق حادث ہوتا ہے۔ اس وضاحت کے بعد اب تو قرآن میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ سب آیات اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، ایسے حالات میں اختلاف کیونکر ہوسکتا ہے۔

حَدَّثَنِيهِ يُوسُفُ بْنُ عَدِيٍّ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ عَمْرٍو عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ، عَنِ الْمِنْهَالِ، بِهٰذَا.

(امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں:) مجھ سے یوسف بن عدی نے بیان کیا، ان سے عبیداللہ بن عمرو نے، ان سے زید بن ابی اُنیسہ نے، ان سے منہال نے (ان سے سعید بن

جبیر نے اور ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ روایت بیان کی۔)

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ﴿لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ [٨]: مَحْسُوبٍ. ﴿أَقْوَاتَهَا﴾ [١٠]: أَرْزَاقَهَا. ﴿فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا﴾ [١٢]: مِمَّا أَمَرَ بِهِ. ﴿نَحِسَاتٍ﴾ [١٦]: مَشَايِيمَ. ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ﴾ [٢٥]: قَرَنَّاهُمْ بِهِمْ: ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ﴾ [٣٠]: عِنْدَ الْمَوْتِ. ﴿اهْتَزَّتْ﴾ [٣٩]: بِالنَّبَاتِ ﴿وَرَبَتْ﴾: ارْتَفَعَتْ. ﴿مِنْ أَكْمَامِهَا﴾ [٤٧]: حِينَ تَطْلُعُ. ﴿لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي﴾ [٥٠]: أَيْ: بِعَمَلِي أَنَا مَحْقُوقٌ بِهٰذَا. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ﴾ [١٠]: قَدَّرَهَا سَوَاءً ﴿فَهَدَيْنَٰهُمْ﴾ [١٧]: دَلَلْنَاهُمْ عَلَى الْخَيْرِ وَالشَّرِّ، كَقَوْلِهِ: ﴿وَهَدَيْنَٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ [البلد: ١٠] وَكَقَوْلِهِ: ﴿هَدَيْنَٰهُ السَّبِيلَ﴾ [الإنسان: ٣]؛ وَالْهُدَى الَّذِي هُوَ الْإِرْشَادُ بِمَنْزِلَةِ أَسْعَدْنَاهُ؛ مِنْ ذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَىٰهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [الأنعام: ٩٠]. ﴿يُوزَعُونَ﴾ [١٩]: يُكَفُّونَ، ﴿مِنْ أَكْمَامِهَا﴾ [٤٧]: قِشْرُ الْكُفُرَّى هِيَ الْكُمُّ. وَقَالَ غَيْرُهُ: وَيُقَالُ لِلْعِنَبِ - إِذَا خَرَجَ - أَيْضًا كَافُورٌ وَكُفُرَّى. ﴿وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾ [٣٤]: اَلْقَرِيبُ. ﴿مِن مَّحِيصٍ﴾ [٤٨]: حَاصَ عَنْهُ: حَادَ عَنْهُ. ﴿مِرْيَةٍ﴾ [٥٤]: وَمُرْيَةٌ وَاحِدٌ: أَيْ: اِمْتِرَاءٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ﴾ [٤٠]: اَلْوَعِيدُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [٣٤]: اَلصَّبْرُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْإِسَاءَةِ؛ فَإِذَا فَعَلُوهُ عَصَمَهُمُ اللهُ

امام مجاہد نے کہا: لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ میں ممنون کے معنی محسوب کے ہیں، یعنی بے حساب اجر۔ اَقْوَاتَهَا کے معنی ہیں: اس کی غذائیں۔ فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا میں اَمْرَهَا سے مراد جس چیز کا بھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا۔ نَحِسَاتٍ کے معنی ہیں: منحوس اور نامبارک۔ وَقَيَّضْنَالَهُمْ قُرَنَآءَ: ہم نے ان ساتھیوں (شیاطین) کو ان (کفار) کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ: فرشتوں کا نزول موت کے وقت ہوتا ہے۔ اِهْتَزَّتْ کے معنی ہیں: وہ زمین سبزے سے جھومنے لگتی ہے اور لہلہا اٹھتی ہے۔ وَرَبَتْ کے معنی ہیں: پھول جاتی ہے اور ابھر آتی ہے۔ مِنْ اَكْمَامِهَا: جب پھل شگوفوں سے نکلتے ہیں۔ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ: یعنی میرے نیک کاموں کا بدلہ ہے اور یہ میرا حق ہے۔ مجاہد کے علاوہ نے کہا: سَوَاءً لِّلسَّآئِلِيْنَ اس زمین کو سب مانگنے والوں کے لیے یکساں رکھا ہے، یعنی سب اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا سب اس سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ فَهَدَيْنٰهُمْ کے معنی ہیں: ہم نے ان کی خیر و شر کے لیے رہنمائی کر دی جیسا کہ دوسری جگہ ہے: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ، یعنی اس کو خیر اور شر کے دونوں راستے بتا دیے اور جیسا کہ هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ میں ہے ''ہم نے اسے خیر و شر کا راستہ بتا دیا'' لیکن ہدایت کے وہ معنی جو مطلوب و منزل تک رہنمائی کے لیے ہیں اس کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی کی، پس آپ بھی ان کی رہنمائی کی اقتدا کریں۔ يُوْزَعُوْنَ کے معنی ہیں: وہ روکے جائیں گے۔ مِنْ اَكْمَامِهَا میں كُمّ کے معنی

وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوُّهُمْ: ﴿كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ﴾.

ہیں: خوشے کا چھلکا۔ انگور جب نکلے تو اس کو بھی کافور اور خوشہ کہتے ہیں۔ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ: قریبی دوست جو اپنے دوست کی حمایت میں گرم ہو جاتا ہے۔ مِنْ مَّحِيْصٍ یہ حَاصَ عَنْهُ سے ماخوذ ہے اور حَاصَ عَنْهُ کے معنی ہیں: جانا، الگ ہونا۔ مِرْيَةٍ (میم کے کسرہ کے ساتھ) اور مُرْيَةٍ (میم کے ضمہ کے ساتھ) دونوں کے ایک ہی معنی ہیں: شک وشبہ میں پڑنا۔ امام مجاہد نے کہا: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ یہ وعید ہے، یعنی امر تہدید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ سے مراد یہ ہے کہ غصے کے وقت صبر کرو اور ناگواری کے وقت معاف کر دو۔ جب لوگ صبر وعفو سے کام لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ رکھے گا اور دشمن بھی ان کے ساتھ عاجز ہو کر ان کے دلی دوست بن جائیں گے۔

(۱) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَـٰرُكُمْ﴾ اَلْآيَةَ [۲۲]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور تم (اپنی بداعمالیاں) اس وجہ سے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے کہ تمھارے خلاف تمھارے کان تمھاری آنکھیں اور تمھارے چمڑے گواہی دیں گے......“ کا بیان

وضاحت: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم گناہ کا کام کرتے وقت لوگوں سے تو چھپنے کی کوشش کرتے تھے لیکن اس بات کا تمھیں کوئی خوف نہ تھا کہ تمھارے خلاف خود تمھارے اپنے اعضاء بھی گواہی دیں گے، بلکہ تم اللہ کے علم کے بھی منکر تھے۔ تمھارا اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسا یقین انتہائی کمزور تھا کہ وہ تمھارے حالات سے پوری طرح باخبر ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں قریش کے کفار کا کردار بیان ہوا ہے۔

٤٨١٦ - حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ

[4816] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کریمہ: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ﴾ کی شان نزول کے متعلق فرمایا کہ قریش کے دو آدمی تھے اور قبیلۂ ثقیف سے ان کا

سَمْعُكُمْ﴾ اَلْآيَةَ، كَانَ رَجُلَانِ مِنْ قُرَيْشٍ وَخَتَنٌ لَهُمَا مِنْ ثَقِيفٍ، أَوْ رَجُلَانِ مِنْ ثَقِيفٍ وَّخَتَنٌ لَهُمَا مِنْ قُرَيْشٍ فِي بَيْتٍ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَتَرَوْنَ أَنَّ اللهَ يَسْمَعُ حَدِيثَنَا؟ قَالَ بَعْضُهُمْ: يَسْمَعُ بَعْضَهُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَئِنْ كَانَ يَسْمَعُ بَعْضَهُ لَقَدْ يَسْمَعُ كُلَّهُ، فَأُنْزِلَتْ: ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَٰرُكُمْ﴾ اَلْآيَةَ. [انظر: ٤٨١٧، ٧٥٢١]

برادرِ نسبتی تھا یا دو آدمی قبیلۂ ثقیف کے تھے اور ان کا برادر نسبتی قریش میں سے تھا، یہ سب ایک گھر میں جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: تم کیا خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سنتا ہے؟ ایک نے کہا: وہ ہماری کچھ باتیں سنتا ہے۔ دوسرے نے کہا: اگر کچھ باتیں سن لیتا ہے تو سب کی سب بھی سنتا ہوگا۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ﴾

فوائد ومسائل: ① انسان اگر چھپ کر کوئی گناہ کرنا چاہے تو دوسرے لوگوں سے تو چھپا سکتا ہے مگر وہ اپنے اعضاء سے کیسے چھپائے، وہ تو اس کے آلۂ کار ہیں۔ جب کسی کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں حتی کہ بدن کی کھال اور بال سب ہمارے نہیں بلکہ سرکاری گواہ ہیں کہ جب ان اعضاء سے ہمارے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا تو ساری باتیں بتا دیں گے تو پھر چھپ چھپا کر گناہ کرنے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہتا۔ اس رسوائی سے بچنے کا اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہ گناہ کو ہی چھوڑ دیا جائے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قبیلۂ ثقیف سے تعلق رکھنے والا عبد یا لیل بن عمرو تھا اور دو قریشی امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان اور ربیعہ تھے۔ ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ قریش سے صفوان بن امیہ تھا اور قبیلۂ ثقیف سے تعلق رکھنے والے دو شخص عمرو کے بیٹے ربیعہ اور حبیب تھے۔[1]

(٢) بَابٌ: ﴿وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ ٱلَّذِى ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَىٰكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ ٱلْخَٰسِرِينَ﴾ [٢٣]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور تمھارا یہی گمان جو تم نے اپنے رب کے متعلق رکھا تھا تمھیں لے ڈوبا اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے“ کا بیان

٤٨١٧ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اِجْتَمَعَ عِنْدَ الْبَيْتِ قُرَشِيَّانِ وَثَقَفِيٌّ - أَوْ ثَقَفِيَّانِ وَقُرَشِيٌّ - كَثِيرَةٌ شَحْمُ بُطُونِهِمْ، قَلِيلَةٌ فِقْهُ قُلُوبِهِمْ، فَقَالَ

[4817] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ایک دفعہ حرم کعبہ میں بیت اللہ کے پاس تین آدمی اکٹھے ہوئے۔ ان تینوں میں سے دو تو قریشی تھے اور ایک ثقفی تھا یا ایک قریشی اور دو ثقفی تھے۔ یہ تینوں خوب موٹے تازے اور ان کی توندیں نکلی ہوئی تھیں مگر عقل کے

① فتح الباري: 714/8.

أَحَدُهُمْ: أَتُرَوْنَ أَنَّ اللهَ يَسْمَعُ مَا نَقُولُ؟. قَالَ الْآخَرُ: يَسْمَعُ إِنْ جَهَرْنَا وَلَا يَسْمَعُ إِنْ أَخْفَيْنَا. وَقَالَ الْآخَرُ: إِنْ كَانَ يَسْمَعُ إِذَا جَهَرْنَا فَإِنَّهُ يَسْمَعُ إِذَا أَخْفَيْنَا، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَٰرُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ﴾ اَلْآيَةَ.

سب ہی پورے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا: تمھارا کیا خیال ہے کہ اللہ ہماری باتیں سن رہا ہے؟ دوسرے نے کہا: اگر ہم زور سے بولیں تو سنتا ہے لیکن آہستہ بولیں تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا: اگر اللہ زور سے بولنے پر سن سکتا ہے تو آہستہ بولنے پر بھی ضرور سنتا ہوگا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾

وَكَانَ سُفْيَانُ يُحَدِّثُنَا بِهٰذَا فَيَقُولُ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ، أَوِ ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ، أَوْ حُمَيْدٌ - أَحَدُهُمْ أَوِ اثْنَانِ مِنْهُمْ - ثُمَّ ثَبَتَ عَلٰى مَنْصُورٍ وَتَرَكَ ذٰلِكَ مِرَارًا غَيْرَ وَاحِدَةٍ. [راجع: ٤٨١٦]

سفیان نے ہم سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہا: ہم سے منصور نے، یا ابن ابی نجیح نے یا حمید نے، ان میں سے کسی ایک نے یا کسی دو نے یہ حدیث بیان کی۔ پھر آپ منصور ہی کا ذکر کرتے تھے، دوسروں کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں کیا۔

فوائد ومسائل: ① حرم کعبہ میں اکٹھے ہونے والے یہ تینوں کم عقل تھے لیکن ان میں سے تیسرے نے کچھ عقل مندی کا ثبوت دیا اور کہا کہ اگر اللہ اونچی آواز کو سن سکتا ہے تو آہستہ آواز والی بات بھی سن سکتا ہے۔ ② اللہ کے ہاں تمام مسموعات برابر ہیں، اس کے لیے اونچی یا آہستہ آواز میں فرق کرنا سینہ زوری ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ تو سینے کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔''[1] ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موٹاپا عقل کا دشمن ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسن کے علاوہ کسی موٹے شخص کو عقل مند نہیں پایا۔[2]

قَوْلُهُ: ﴿فَإِن يَصْبِرُوا۟ فَٱلنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ اَلْآيَةَ [٢٤]

باب: ارشاد باری تعالیٰ: ''اب اگر وہ صبر کریں تو ان کا ٹھکانا آگ ہے'' کا بیان

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، بِنَحْوِهِ.

عمرو بن علی نے اسی سند کے ساتھ مذکورہ حدیث کی مثل حدیث بیان کی ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ تینوں آیات اسی واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں جو حضرت

1 الملك 67: 13. 2 فتح الباري: 715/8.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، بہرحال اس واقعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان جس قسم کی معرفت اپنے پروردگار کی نسبت رکھتا ہے اسی طرز اور اسی سانچے میں اس کی پوری زندگی ڈھل جاتی ہے۔ اگر اللہ کی معرفت درست ہوگی تو اس کا طرز عمل پورے کا پورا درست ہوگا اور اس کے نتائج بھی درست نکلیں گے اور اگر معرفت ہی غلط یا مشکوک ہے تو اس کے دنیاوی اور اُخروی نتائج بھی ویسے ہی نکلیں گے۔ اس کی وضاحت ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرا بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے ویسا ہی اس کا میرے بارے میں معاملہ ہوگا اور میں اسی گمان کے مطابق اس سے سلوک کروں گا۔''[1]

(٤٢) سُورَةُ حٰمٓ عٓسٓقٓ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 42-تفسیر سورۂ حٰمٓ عٓسٓقٓ

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿عَقِيمًا﴾ [٥٠]: اَلَّتِي لَا تَلِدُ. ﴿رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ [٥٢]: اَلْقُرْآنَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ﴾ [١١]: نَسْلٌ بَعْدَ نَسْلٍ. ﴿لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا﴾ [١٥]: لَا خُصُومَةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ. ﴿مِن طَرْفٍ خَفِيٍّ﴾ [٤٥]: ذَلِيلٍ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ﴾ [٣٣]: يَتَحَرَّكْنَ وَلَا يَجْرِينَ فِي الْبَحْرِ. ﴿شَرَعُوا﴾ [٢١]: اِبْتَدَعُوا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ عَقِيمًا سے مراد وہ عورت ہے جو بچہ جنم نہ دے۔ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا میں روح سے مراد قرآن کریم ہے۔ امام مجاہد نے کہا: يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ کے معنی ہیں کہ وہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل پھیلاتا رہے گا۔ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا کے معنی ہیں: اب ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں رہا۔ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ میں طرف خفی سے مراد ذلت کی وجہ سے نظر چرانا ہے۔ مجاہد کے علاوہ نے کہا: فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ سے مراد یہ ہے کہ وہ کشتیاں (موجوں کے تھپیڑوں سے) سطح سمندر پر حرکت کرتی رہیں لیکن وہ سمندر میں چل نہ سکیں۔ شَرَعُوْا کے معنی ہیں: انھوں نے نیا دین نکالا۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ [٢٣]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''مگر قرابت داری کی وجہ سے محبت'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا، البتہ رشتے داری کی محبت کا ضرور طالب ہوں۔''[2] قبائل قریش اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان رشتے داری کا تعلق تھا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تم سے

---

① صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7405. ② الشورٰى 42: 23.

وعظ وتبلیغ اور دعوت ونصیحت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، البتہ ایک چیز کا سوال ضرور ہے کہ میرے اور تمھارے درمیان جو رشتے داری ہے اس کا ضرور لحاظ کرو۔ تم میری دعوت نہیں مانتے تو نہ مانو، تمھاری مرضی لیکن مجھے نقصان پہنچانے سے باز رہو۔ تم میرے دست بازو نہیں بن سکتے تو رشتے داری کے ناتے سے مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨١٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ طَاوُسًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ قَوْلِهِ: ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ فَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: قُرْبٰى آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ. فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: عَجِلْتَ، إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ بَطْنٌ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا كَانَ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ، فَقَالَ: «إِلَّا أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ». [راجع: ٣٤٩٧]

[4818] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، ان سے کسی نے پوچھا کہ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کا مطلب کیا ہے؟ حضرت سعید بن جبیر نے (جھٹ سے) کہہ دیا: اس سے آل محمد ﷺ کی قرابت مراد ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: تم جلد بازی کرتے ہو۔ بات یہ ہے کہ قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے نبی ﷺ کی کچھ نہ کچھ قرابت نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کی وجہ سے صلہ رحمی کا معاملہ کرو جو میرے اور تمھارے درمیان موجود ہے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی والدہ اور آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ ؓ کی وجہ سے آپ کی رشتے داری صرف بنوعبدالمطلب ہی سے نہیں بلکہ قریش کے سب قبیلوں سے تھی اور بنوعبدالمطلب میں سے بھی کچھ لوگ آپ کے حق میں تھے اور کچھ سخت دشمن بھی تھے۔ ابولہب لعین کی دشمنی تو سب جانتے ہیں۔ یہی حال قریش کے باقی قبیلوں کا تھا۔ ایسے حالات میں آپ نے فرمایا: ''تم کم از کم میری قرابتداری کا تو خیال رکھو۔'' ② بعض حضرات نے قربٰی سے مراد قرب یا تقرب لیا ہے۔ اس اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ میں تم سے اس کام پر اس بات کے سوا اور کوئی جزا نہیں چاہتا کہ تمھارے اندر اللہ کے قرب کی محبت پیدا ہو جائے، یعنی تم ٹھیک ہو جاؤ اور اللہ سے محبت کرنے لگو۔ بس یہی میرا اجر ہے، لیکن ہم نے پہلے معنی جو بیان کیے ہیں وہ اس تفسیر کے مقابلے میں زیادہ وزنی ہیں۔ ③ حضرت ابن عباس ؓ کا مطلب یہ تھا کہ آیت کریمہ میں اقارب سے مراد تمام قریش ہیں، صرف بنوہاشم مراد لینا صحیح نہیں۔ واللہ أعلم.

(٤٣) سُورَةُ حٰمٓ الزُّخْرُفُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 43- تفسیر سورۂ حم الزخرف

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿عَلَىٰٓ أُمَّةٍ﴾ [٢٢، ٢٣]: عَلٰى إِمَامٍ. ﴿وَقِيلِهِۦ يَـٰرَبِّ﴾ [٨٨] تَفْسِيرُهُ: أَيَحْسَبُونَ

امام مجاہد نے کہا: عَلٰى أُمَّةٍ کے معنی ہیں: ایک امام پر۔ وَقِيلِهٖ يَارَبِّ کے معنی ہیں: کیا وہ (کفار) یہ سمجھتے ہیں کہ ہم

أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَلَا نَسْمَعُ قِيلَهُمْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿وَلَوْلَآ أَن يَكُونَ ٱلنَّاسُ أُمَّةً وَٰحِدَةً﴾ [٣٣]: لَوْلَا أَنْ جَعَلَ النَّاسَ كُلَّهُمْ كُفَّارًا لَجَعَلْتُ لِبُيُوتِ الْكُفَّارِ ﴿سُقُفًا مِّن فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ﴾ مِنْ فِضَّةٍ - وَهِيَ دَرَجٌ - وَسُرُرَ فِضَّةٍ. ﴿مُقْرِنِينَ﴾ [١٣]: مُطِيقِينَ. ﴿ءَاسَفُونَا﴾ [٥٥]: أَسْخَطُونَا. ﴿يَعْشُ﴾ [٣٦]: يَعْمَى. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ ٱلذِّكْرَ﴾ [٥] أَيْ: تُكَذِّبُونَ بِالْقُرْآنِ ثُمَّ لَا تُعَاقَبُونَ عَلَيْهِ؟! ﴿وَمَضَىٰ مَثَلُ ٱلْأَوَّلِينَ﴾: سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ [٨]. ﴿مُقْرِنِينَ﴾: يَعْنِي الْإِبِلَ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ. ﴿يُنَشَّؤُا۟ فِى ٱلْحِلْيَةِ﴾ [١٨]: اَلْجَوَارِي، جَعَلْتُمُوهُنَّ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا، فَكَيْفَ تَحْكُمُونَ؟. ﴿لَوْ شَآءَ ٱلرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَٰهُم﴾ [٢٠]: يَعْنُونَ الْأَوْثَانَ، يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: ﴿مَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾: اَلْأَوْثَانُ؛ إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. ﴿فِى عَقِبِهِۦ﴾ [٢٨]: وَلَدِهِ. ﴿مُقْتَرِنِينَ﴾ [٥٣]: يَمْشُونَ مَعًا. ﴿سَلَفًا﴾ [٥٦]: قَوْمَ فِرْعَوْنَ سَلَفًا لِكُفَّارِ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ. ﴿وَمَثَلًا﴾ [٧٩]: عِبْرَةً. ﴿يَصِدُّونَ﴾ [٥٧]: يَضِجُّونَ. ﴿مُبْرِمُونَ﴾ [٧٩]: مُجْمِعُونَ. ﴿أَوَّلُ ٱلْعَٰبِدِينَ﴾ [٨١]: أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ﴾ [٢٦] اَلْعَرَبُ تَقُولُ: نَحْنُ مِنْكَ الْبَرَاءُ وَالْخَلَاءُ، اَلْوَاحِدُ وَالِاثْنَانِ وَالْجَمِيعُ، مِنَ الْمُذَكَّرِ وَالْمُؤَنَّثِ، يُقَالُ فِيهِ: بَرَاءٌ، لِأَنَّهُ مَصْدَرٌ؛ وَلَوْ قَالَ: بَرِيءٌ، لَقِيلَ فِي الِاثْنَيْنِ: بَرِيئَانِ، وَفِي الْجَمِيعِ: بَرِيئُونَ؛ وَقَرَأَ

ان کی آہستہ باتیں، سرگوشیاں اور گفتگو نہیں سنتے؟ (یہ معنی قیلہ کو منصوب پڑھنے کی بنا پر ہیں) حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: وَلَوْ لَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے معنی ہیں: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ کافر بن جائیں گے تو میں کافروں کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتا اور زینے بھی چاندی کے کر دیتا۔ مَعَارِج سے مراد زینے اور سیڑھیاں ہیں۔ اور ان کے تخت بھی چاندی کے ہوتے۔ مُقْرِنِیْنَ کے معنی ہیں: طاقتور، قابو میں لانے والے۔ اٰسَفُوْنَا کے معنی ہیں: انھوں نے ہم کو غصہ دلایا۔ یَعْشُ کے معنی ہیں: اندھا بن جائے اور تغافل برتے۔ امام مجاہد نے کہا: اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکْرَ کے معنی ہیں: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم قرآن کو جھٹلاتے رہو گے، پھر بھی تمھیں سزا نہیں دی جائے گی؟! وَمَضٰی مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ کے معنی ہیں: سُنَّةُ الْاَوَّلِینَ، یعنی اگلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔ مُقْرِنِیْنَ سے مراد اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے ہیں۔ یُنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ سے مراد لڑکیاں ہیں کہ انھیں تم نے اللہ کی بیٹیاں قرار دیا ہے، تم کس طرح کے فیصلے کرتے ہو؟ لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ میں هُمْ سے مراد اوثان، یعنی بت ہیں کیونکہ آگے فرمایا: ”جن بتوں کو یہ پکارتے ہیں، انھیں کچھ بھی علم نہیں، وہ تو بالکل بے جان ہیں کچھ بھی نہیں جانتے۔ فِیْ عَقِبِهٖ سے مراد اس کی اولاد میں۔ مُقْتَرِنِیْنَ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ سَلَفًا سے مراد قوم فرعون ہے۔ وہ حضرت محمد ﷺ کی امت سے جو کافر ہیں ان کے لیے نمونہ اور پیشوا ہیں۔ وَمَثَلًا کے معنی ہیں: عبرت۔ یَصِدُّوْنَ کے معنی ہیں: وہ چلانے لگے۔ مُبْرِمُوْنَ سے مراد پختہ قصد کرنے والے یا متفقہ قرار دینے والے۔ اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ کے معنی ہیں: پہلے پہلے ماننے والے، ایمان لانے والے۔ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ، بَرَاء کے

عَبْدُ اللهِ: (إِنَّنِي بَرِيءٌ) بِالْيَاءِ. وَالزُّخْرُفُ: اَلذَّهَبُ. ﴿مَّلَٰٓئِكَةً فِي ٱلْأَرْضِ يَخْلُفُونَ﴾ [٦٠]: يَخْلُفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا.

معنی ہیں: بیزار۔ عرب کہتے ہیں: نَحْنُ مِنْكَ الْبَرَاءُ وَالْخَلَاءُ، یعنی ہم آپ سے بے زار اور الگ ہیں۔ یہ لفظ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر و مؤنث سب کے لیے بولا جاتا ہے کیونکہ بَرَاء مصدر ہے۔ اگر بَرِيءٌ پڑھا جائے جیسا کہ حضرت ابن مسعود ؓ کی قراءت ہے تو تثنیہ میں بَرِيئَانِ اور جمع بَرِيئُونَ کہا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اِنَّنِیْ بَرَآءٌ کی بجائے اِنَّنِیْ بَرِيءٌ پڑھا ہے، یعنی یاء کے ساتھ۔ اَلزُّخْرُفُ کے معنی ہیں: سونا۔ مَلَائِكَةً ... يَخْلُفُونَ کے معنی ہیں: فرشتے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَنَادَوْا يَٰمَٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُم مَّٰكِثُونَ﴾ [٧٧]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”(اہل جہنم) پکاریں گے: اے مالک! تمھارا رب ہمارا کام تمام ہی کر دے وہ کہے گا: بے شک تم ہمیشہ (اسی عذاب میں) رہو گے“ کا بیان

وضاحت: اس آیت کا تکملہ یہ ہے: ”مالک فرشتہ ان سے کہے گا: تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔ ہم تمھارے پاس حق لے کر آئے تھے لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرتے تھے۔“[1] رسول اللہ ﷺ اکثر وعظ کے دوران میں اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨١٩ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ: ﴿وَنَادَوْا يَٰمَٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾. [راجع: ٣٢٣٠]

[4819] حضرت یعلی بن امیہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو منبر پر یہ آیت پڑھتے سنا: ”اہل جہنم پکاریں گے: اے مالک! تمھارا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے۔“

وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ﴾ [٥٦]: عِظَةً لِمَنْ بَعْدَهُمْ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿مُقْرِنِينَ﴾ [١٣]: ضَابِطِينَ، يُقَالُ: فُلَانٌ مُقْرِنٌ لِفُلَانٍ ضَابِطٌ لَهُ.

حضرت قتادہ نے کہا: وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ، یعنی بعد میں آنے والوں کے لیے نصیحت۔ قتادہ کے علاوہ نے کہا: مُقْرِنِيْنَ کے معنی ہیں: قابو میں رکھنے والے۔ کہا جاتا ہے:

---

1 الزخرف 43: 77، 78.

وَالْأَكْوَابُ: اَلْأَبَارِيقُ الَّتِي لَا خَرَاطِيمَ لَهَا. وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿فِىٓ أُمِّ ٱلْكِتَٰبِ﴾ [٤] جُمْلَةِ الْكِتَابِ أَصْلِ الْكِتَابِ. ﴿أَوَّلُ ٱلْعَٰبِدِينَ﴾ [٨١]: أَيْ: مَا كَانَ، فَأَنَا أَوَّلُ الْآنِفِينَ وَهُمَا لُغَتَانِ، رَجُلٌ عَابِدٌ وَعَبِدٌ. وَقَرَأَ عَبْدُ اللهِ: (وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ). وَيُقَالُ: ﴿أَوَّلُ ٱلْعَٰبِدِينَ﴾: اَلْجَاحِدِينَ، مِنْ عَبِدَ يَعْبَدُ.

فُلَانٌ مُقْرِنٌ لِفُلَانٍ: وہ دوسرے پر اختیار رکھتا ہے۔ وَالْأَكْوَابُ سے مراد وہ کوزے ہیں جن کی ٹونٹی نہ ہو، یعنی ان کا منہ کھلا ہو۔ قتادہ نے کہا: فِيْ أُمِّ الْكِتَابِ کے معنی ہیں: جملہ کتاب اور اصل کتاب۔ اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہو سب سے پہلے میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔ عابد میں دو لغت ہیں: رَجُلٌ عَابِدٌ اور رَجُلٌ عَبِدٌ - حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وَقِيلِهٖ يَا رَبِّ کو وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ پڑھا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ، یعنی میں سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوں، اس صورت میں عابدین کا لفظ عَبِدَ يَعْبَدُ سے آئے گا۔

فوائد ومسائل: ① اہل دوزخ عذاب کی شدت میں کمی یا وقفے سے سخت مایوس ہو کر دوزخ کے مالک نامی فرشتے کو پکار کر کہیں گے: مالک! نہ ہمارے عذاب میں کمی واقع ہوئی ہے اور نہ کبھی اس کا وقفہ ہی بڑھتا ہے، تو اپنے پروردگار سے کہہ وہ ہمیں ایک ہی بار میں مار ڈالے اور یہ عذاب کا قصہ ہی ختم ہو۔ مالک کہے گا: تمھارے جرائم کی سزا کے لیے بہت طویل مدت درکار ہے، لہٰذا مر جانے کا تصور ذہن سے نکال دو۔ تمھیں زندہ رکھ کر سزا دی جا سکتی ہے، لہٰذا تمھیں یہیں رہنا ہو گا اور زندہ رہ کر ہی عذاب برداشت کرنا ہو گا۔ ② جامع ترمذی میں امام اعمش کا قول نقل ہوا ہے کہ اہل جہنم کی پکار دعا اور مالک کے جواب دینے میں ایک ہزار سال کا وقفہ ہو گا۔[1]

(٢) [بَابٌ]: ﴿أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ ٱلذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ﴾ [٥]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”کیا پھر ہم تم سے اس بنا پر منہ موڑ کر ذکر و نصیحت روک لیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو“ کا بیان

مُشْرِكِينَ.

اس آیت میں مسرفین سے مراد مشرکین ہیں۔

وَاللهِ لَوْ أَنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ رُفِعَ حَيْثُ رَدَّهُ أَوَائِلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ لَهَلَكُوا. ﴿فَأَهْلَكْنَآ أَشَدَّ مِنْهُم بَطْشًا وَمَضَىٰ مَثَلُ ٱلْأَوَّلِينَ﴾: عُقُوبَةُ الْأَوَّلِينَ. ﴿جُزْءًا﴾ [١٥]: عِدْلًا.

اللہ کی قسم! اگر یہ قرآن اٹھا لیا جاتا جبکہ شروع ہی میں اس امت کے پہلوں نے اسے رد کر دیا تھا تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ میں مثل الاولین سے مراد پہلے لوگوں کی سزا ہے۔

---

[1] جامع الترمذي، صفة جهنم، حديث: 2586.

جُزْءًا کے معنی ہیں: عِدْلًا، یعنی شریک۔

(٤٤) سُورَةُ حٰمٓ الدُّخَانِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 44-تفسیر سورۂ حم الدخان

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿رَهْوًا﴾ [٢٤]: طَرِيقًا يَابِسًا؛ وَيُقَالُ: رَهْوًا سَاكِنًا. ﴿عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ [٣٢]: عَلَى مَنْ بَيْنَ ظَهْرَيْهِ. ﴿فَاعْتِلُوهُ﴾ [٤٧]: ادْفَعُوهُ. ﴿وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ﴾ [٥٤]: أَنْكَحْنَاهُمْ حُورًا عِينًا يَحَارُ فِيهَا الطَّرْفُ. وَيُقَالُ ﴿أَن تَرْجُمُونِ﴾ [٢٠]: الْقَتْلَ. وَ﴿رَهْوًا﴾ [١٤]: سَاكِنًا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿كَالْمُهْلِ﴾ [٤٥]: أَسْوَدَ كَمُهْلِ الزَّيْتِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿تُبَّعٍ﴾ [٣٧]: مُلُوكِ الْيَمَنِ، كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يُسَمَّى تُبَّعًا، لِأَنَّهُ يَتْبَعُ صَاحِبَهُ؛ وَالظِّلُّ يُسَمَّى تُبَّعًا لِأَنَّهُ يَتْبَعُ الشَّمْسَ.

امام مجاہد نے کہا: رَهْوًا کے معنی ہیں: خشک راستہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں: تھما ہوا راستہ۔ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ سے مراد اس وقت میں موجود لوگ ہیں، یعنی بنی اسرائیل کو ان کے زمانے کے لوگوں پر برتری دی۔ فَاعْتِلُوْهُ کے معنی ہیں: اس کو دھکیل دو۔ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ کے معنی ہیں: ہم ان کا نکاح بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیں گے جن (کے حسن و جمال) کو دیکھ کر آنکھیں حیرت زدہ رہ جاتی ہوں۔ اَنْ تَرْجُمُوْنِ کے معنی ہیں: مجھے قتل کرو۔ رَهْوًا کے معنی ہیں: تھما ہوا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: كَالْمُهْلِ کے معنی ہیں: سیاہ تیل کی تلچھٹ کی طرح۔ ابن عباس ؓ کے علاوہ دوسروں نے کہا: تُبَّعٍ سے مراد یمن کے بادشاہ ہیں۔ انھیں تبع اس لیے کہا جاتا تھا کہ ایک کے بعد دوسرا بادشاہ ہوتا تھا۔ اور سائے کو بھی تبع کہتے ہیں کیونکہ وہ سورج کے تابع ہوتا ہے۔

(١) بَابٌ: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ [١٠]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان نمایاں دھواں لائے گا“ کا بیان

﴿فَارْتَقِبْ﴾ [١٠]: فَانْتَظِرْ.

فَارْتَقِبْ کے معنی ہیں: آپ انتظار کریں۔

وضاحت: سیاق و سباق کے اعتبار سے دھویں کے متعلق آیات حسب ذیل ہیں: ”پس آپ اس دن کا انتظار کیجیے جب آسمان صاف دھواں لائے گا۔ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا، (کہا جائے گا:) یہ ہے دردناک عذاب۔ (کافر کہیں گے:) اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب ہٹا دے، بلاشبہ ہم ایمان لانے والے ہیں۔ ان کے لیے نصیحت کیونکر ہوگی جبکہ ان کے پاس ایک

بیان کرنے والا رسول آ گیا۔"[1] بہت سے اہل علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ الدخان سے مراد وہ دھواں ہے جو ان علامات قیامت سے ہے جن کا ابھی انتظار ہے، تا حال وہ ظاہر نہیں ہوئیں۔ یہ قول علی بن ابو طالب، عبداللہ بن عباس اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسی موقف کو ترجیح دی ہے۔ اس کے برعکس کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ اس دھویں سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش کو شدت بھوک کی شکل میں اس وقت پہنچا جب رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعوت کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے بددعا فرمائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلف کی ایک جماعت نے اس قول کو اختیار کیا ہے، نیز امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس موقف کو راجح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

٤٨٢٠ - **حَدَّثَنَا** عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: مَضَى خَمْسٌ: اَلدُّخَانُ، وَالرُّومُ، وَالْقَمَرُ، وَالْبَطْشَةُ، وَاللِّزَامُ. [راجع: ١٠٠٧]

[4820] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: پانچ واقعات گزر چکے ہیں: دھواں، غلبۂ روم، چاند کا دولخت ہونا، سخت گرفت اور سزا و قید۔

فائدہ: دھویں سے مراد عذاب ہے جو درج ذیل آیت کریمہ میں ہے: "آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان نمایاں دھواں لائے گا۔"[2] ○ غلبۂ روم کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے: "رومی مغلوب ہو گئے، قریب ترین سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے۔"[3] ○ چاند کا دو ٹکڑے ہونا درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: "قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔"[4] ○ البطشہ یعنی سخت پکڑ کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے: "جس دن ہم بڑی سخت پکڑ سے دوچار کریں گے، یقیناً ہم انتقام لینے والے ہیں۔"[5] ○ سزا و قید (اللزام) اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہے: "پھر تحقیق تم نے جھٹلایا، لہٰذا عنقریب ہوگی اس کی سزا لازمی۔"[6]

(٢) [بَابٌ]: ﴿يَغْشَى النَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [١١]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) "وہ (دھواں) لوگوں کو ڈھانپ لے گا، یہ دردناک عذاب ہے" کا بیان

٤٨٢١ - **حَدَّثَنَا** يَحْيَى: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّمَا كَانَ هٰذَا لِأَنَّ قُرَيْشًا لَمَّا

[4821] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واقعہ یہ ہے کہ جب قریش نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے ان پر

---

1 الدخان 44:10-13. 2 الدخان 44:10. 3 الروم 30:2، 3. 4 القمر 54:1. 5 الدخان 44:16. 6 الفرقان 25:77.

اسْتَعْصَوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دَعَا عَلَيْهِمْ بِسِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ، فَأَصَابَهُمْ قَحْطٌ وَجَهْدٌ حَتّٰى أَكَلُوا الْعِظَامَ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ، فَيَرٰى مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجَهْدِ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿فَٱرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِى ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ○ يَغْشَى ٱلنَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ قَالَ: فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اِسْتَسْقِ اللهَ لِمُضَرَ، فَإِنَّهَا قَدْ هَلَكَتْ، قَالَ: «لِمُضَرَ؟ إِنَّكَ لَجَرِيءٌ»، فَاسْتَسْقٰى فَسُقُوا، فَنَزَلَتْ: ﴿إِنَّكُمْ عَآئِدُونَ﴾ [١٥] فَلَمَّا أَصَابَهُمُ الرَّفَاهِيَةُ عَادُوا إِلٰى حَالِهِمْ - حِينَ أَصَابَتْهُمُ الرَّفَاهِيَةُ - فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ ٱلْبَطْشَةَ ٱلْكُبْرَىٰٓ إِنَّا مُنتَقِمُونَ﴾ [١٦] قَالَ: يَعْنِي يَوْمَ بَدْرٍ. [راجع: ١٠٠٧]

قحط سالی کی بد دعا کی، جیسے حضرت یوسف ؑ کے زمانے میں قحط سالی آئی تھی۔ لوگوں کو قحط سالی اور مشقت نے اس طرح پکڑا کہ وہ ہڈیاں کھانے لگے۔ اس دوران میں جب آدمی آسمان کی طرف دیکھتا تو اس مشقت کی وجہ سے اسے اپنے اور آسمان کے درمیان دھواں سا نظر آتا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان نمایاں دھواں لائے گا۔ وہ دھواں لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ درد ناک عذاب ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک وفد آیا اور انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے قبیلۂ مضر کے لیے بارش کی دعا فرمائیں وہ تو ہلاک و برباد ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم بڑے جرأت مند ہو کر مضر قبیلے کے لیے دعا کی سفارش کرتے ہو۔'' بہر حال آپ نے ان کے لیے بارش کی دعا کی تو ان پر خوب مینہ برسا، پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''تم تو پھر لوٹنے والے ہو۔'' چنانچہ جب ان کو راحت اور وسعت نصیب ہوئی تو وہ پھر اسی حالت کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''جس دن ہم بڑی سخت پکڑ سے انھیں دوچار کریں گے، یقیناً ہم بدلہ لینے والے ہیں۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا: اس سے مراد بدر کی لڑائی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا موقف ہے کہ ''دخان'' کا واقعہ گزر چکا ہے، لیکن ہمارے رجحان کے مطابق ''دخان'' دو ہیں: ان میں سے ایک تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ظاہر ہو چکا ہے اور دوسرا قرب قیامت کے وقت ظاہر ہوگا جیسا کہ حضرت حذیفہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم کیا گفتگو کر رہے ہو؟'' ہم نے کہا: قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ وہ قیامت ہرگز قائم نہیں ہوگی حتی کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں دیکھ لو۔ آپ نے دھویں اور دجال کا ذکر کیا۔''[1] ② حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ دخان دو ہیں: ایک تو گزر چکا ہے اور دوسرا وہ ہوگا جس سے زمین و آسمان کا خلا بھر

1 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7285 (2901).

جائے گا، مومن پر تو اس کا اثر زکام جیسا ہو گا مگر کافروں کے کان اس سے پھٹ جائیں گے۔[1]

(٣) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿رَبَّنَا ٱكْشِفْ عَنَّا ٱلْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾ [١٢]

باب:3- ارشاد باری تعالیٰ: ''اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے'' کا بیان

وضاحت: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے موقف کے مطابق یہ دعا کفار مکہ نے مانگی تھی اور دوسرے حضرات کے موقف کی رو سے یہ گزارش قیامت کے دن کفار و مشرکین کی طرف سے ہوگی۔

٤٨٢٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللهِ فَقَالَ: إِنَّ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ تَقُولَ لِمَا لَا تَعْلَمُ: اَللهُ أَعْلَمُ، إِنَّ اللهَ قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ﴾ [ص: ٨٦] إِنَّ قُرَيْشًا لَمَّا غَلَبُوا النَّبِيَّ ﷺ وَاسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ»، فَأَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ أَكَلُوا فِيهَا الْعِظَامَ وَالْمَيْتَةَ مِنَ الْجَهْدِ، حَتَّى جَعَلَ أَحَدُهُمْ يَرَى مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجُوعِ، قَالُوا: ﴿رَبَّنَا ٱكْشِفْ عَنَّا ٱلْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾ فَقِيلَ لَهُ: إِنْ كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَادُوا، فَدَعَا رَبَّهُ فَكَشَفَ عَنْهُمْ، فَعَادُوا فَانْتَقَمَ اللهُ مِنْهُمْ يَوْمَ بَدْرٍ. فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿يَوْمَ تَأْتِى ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ - جَلَّ ذِكْرُهُ -: ﴿إِنَّا مُنتَقِمُونَ﴾. [١٠-١٦] [راجع: ١٠٠٧]

[4822] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے پاس آیا تو انھوں نے فرمایا: بلاشبہ یہ بھی علم (دانشمندی) ہے کہ جس چیز کو تو نہ جانتا ہو تو کہہ دے: اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ''کہہ دیں! میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹی باتیں کرتا ہوں۔'' ہوا یوں کہ جب قریش نے نبی ﷺ پر غلبہ حاصل کر لیا اور آپ کی نافرمانی کی تو آپ نے بد دعا کی: ''اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد ایسے قحط کے ذریعے سے فرما جیسا کہ یوسف ؑ کے زمانے میں قحط پڑا تھا۔'' اس بد دعا کے نتیجے میں انھیں خشک سالی نے پکڑ لیا اور ایسا قحط پڑا کہ بھوک کی وجہ سے لوگ ہڈیاں اور مردار تک کھانے لگے۔ لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک اور فاقے کی وجہ سے دھویں کے سوا انھیں اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آخر انھوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! ہم سے اس عذاب کو دور کر دے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔'' آپ سے کہا گیا: اگر ہم نے یہ عذاب ان سے دور کر دیا تو وہ پھر اپنی پہلی حالت پر لوٹ

---

[1] التذكرة للقرطبي، ص: 655.

آئیں گے۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں اپنے رب سے دعا فرمائی تو یہ عذاب ان سے ٹل گیا، لیکن وہ پھر کفر وشرک کرنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن ان سے انتقام لیا۔ درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے یہی مراد ہے: ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ …… اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ایک قصہ خواں پر تعریض ہے۔ وہ شخص قبیلۂ کندہ میں وعظ ونصیحت کر رہا تھا۔ دوران تقریر میں اس نے کہا: قیامت کے دن دھواں آئے گا جو منافقین کی سماعت و بصارت کو سلب کر لے گا اور مومن کو صرف زکام کا عارضہ لاحق ہوگا۔ ہم گھبرا کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو وہ غصے سے بھر گئے اور تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور یہ حدیث بیان کی۔[1] ② رسول اللہ ﷺ پر کافروں کے غلبے کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بات نہ مانی اور کفر وشرک پر جمے رہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر متعدد عنوان قائم کیے ہیں، مقصد یہ ہے کہ مذکورہ آیات کا پس منظر یہی واقعہ ہے۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابٌ: ﴿أَنَّىٰ لَهُمُ ٱلذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ﴾ [١٣]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اس وقت نصیحت کیونکر کارگر ہوگی، حالانکہ ان کے پاس کھول کر بیان کرنے والا رسول آچکا'' کا بیان

اَلذِّكْرُ وَالذِّكْرٰى وَاحِدٌ .

اَلذِّكْرُ اور اَلذِّكْرٰى دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی نصیحت اور یاد دہانی وغیرہ۔

٤٨٢٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلٰى عَبدِ اللهِ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمَّا دَعَا قُرَيْشًا كَذَّبُوهُ وَاسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ، فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ». فَأَصَابَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ، حَتّٰى كَانُوا يَأْكُلُونَ الْمَيْتَةَ،

[4823] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کے ساتھ سرکشی کی روش اختیار کی، آپ نے ان کے لیے بددعا کی: اے اللہ! میری ان کے خلاف یوسف علیہ السلام کے دور جیسے قحط کے ذریعے سے مدد فرما۔'' چنانچہ قحط پڑا اور ہر چیز ختم

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4774.

وَكَانَ يَقُومُ أَحَدُهُمْ، فَكَانَ يَرٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ مِثْلَ الدُّخَانِ مِنَ الْجَهْدِ وَالْجُوعِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَٱرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ حَتّٰى بَلَغَ ﴿إِنَّا كَاشِفُوا۟ ٱلْعَذَابِ قَلِيلًا ۚ إِنَّكُمْ عَآئِدُونَ﴾ [١٠-١٥].

ہوگئی حتی کہ لوگ مردار کھانے لگے۔ اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر آسمان کی طرف دیکھتا تو بھوک اور فاقے کی وجہ سے آسمان اور اس کے درمیان دھواں ہی دھواں نظر آتا، پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی: ''آپ اس دن کا انتظار کریں جب آسمان سے ایک نمایاں دھواں نمودار ہوگا...... بے شک ہم تھوڑی دیر کے لیے عذاب دور کرنے والے ہیں، بلاشبہ تم دوبارہ وہی کرنے والے ہو۔''

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَفَيُكْشَفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: وَ﴿ٱلْبَطْشَةَ ٱلْكُبْرَىٰ﴾ [١٦]: يَوْمَ بَدْرٍ. [راجع: ١٠٠٧]

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا: کیا قیامت کا عذاب بھی ان سے دور کر دیا جائے گا؟ نیز فرمایا: سخت پکڑ (اَلْبَطْشَةُ الْكُبْرٰى) سے مراد بدر کے دن کی لڑائی ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے متعلق ہماری گزارشات پہلے گزر چکی ہیں کہ عبداللہ بن مسعود ؓ کے کہنے کے مطابق ''الدخان'' کا واقعہ گزر چکا ہے لیکن قریش کو جو آسمان کے نیچے دھواں نظر آتا تھا وہ ان کا وہم تھا وہ حقیقی دھواں نہیں تھا۔ لیکن آیت میں جس دھویں کا ذکر ہے اس سے مراد حقیقی دھواں ہے جو لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور ارشاد الٰہی: ''یہ دردناک عذاب ہے'' کے معنی یہ ہیں کہ جب دھواں انھیں پریشان کرے گا تو لوگوں سے کہا جائے گا کہ یہ دردناک عذاب ہے۔ اس کے متعلق ہم اپنا موقف پہلے بیان کر چکے ہیں۔

(٥) بَابٌ: ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا۟ عَنْهُ وَقَالُوا۟ مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ﴾ [١٤]

باب: 5- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''پھر لوگوں نے اس (رسول) سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے: یہ تو سکھایا پڑھایا ہوا دیوانہ ہے'' کا بیان

وضاحت: کفار مکہ کبھی تو رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہتے تھے کہ کوئی عجمی اسے قرآن سکھا جاتا ہے، پھر وہ اپنی طرف سے ہم پر پیش کر کے کہتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ دعویٰ کرتے تھے کہ اگر تم لوگ اللہ کی دعوت پر ایمان لے آؤ تو تم عرب وعجم کے مالک بن جاؤ گے تو وہ آپ کو دیوانہ کہنے لگتے تھے، گویا یہ دونوں معلم اور مجنون الگ الگ مواقع پر کافروں کے الزامات ہیں جو اس آیت کریمہ میں اکٹھے کر دیے گئے ہیں۔ امام بخاری ؒ کے نزدیک یہ آیت اسی واقعے سے متعلق ہے جس کا پہلے کئی مرتبہ ذکر ہوا ہے۔ آئندہ حدیث میں ایک اور طریق سے اسے بیان کیا گیا ہے۔

٤٨٢٤ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ وَقَالَ: ﴿قُلْ مَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ﴾ [ص: ٨٦] فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمَّا رَأَى قُرَيْشًا اسْتَعْصَوْا عَلَيْهِ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ» فَأَخَذَتْهُمُ السَّنَةُ حَتّٰى حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ، حَتّٰى أَكَلُوا الْعِظَامَ وَالْجُلُودَ - فَقَالَ أَحَدُهُمْ: حَتّٰى أَكَلُوا الْجُلُودَ وَالْمَيْتَةَ - وَجَعَلَ يَخْرُجُ مِنَ الْأَرْضِ كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ، فَأَتَاهُ أَبُو سُفْيَانَ فَقَالَ: أَيْ مُحَمَّدُ! إِنَّ قَوْمَكَ [قَدْ] هَلَكُوا، فَادْعُ اللهَ أَنْ يَكْشِفَ عَنْهُمْ، فَدَعَا ثُمَّ قَالَ: «[تَعُودُونَ] بَعْدَ هٰذَا».

[4824] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور فرمایا ہے: ''آپ کہہ دیں: میں تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف سے باتیں بناتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے جب قریش کو دیکھا کہ انھوں نے نافرمانی کی ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی: ''اے اللہ! ان پر سات برس کا قحط مسلط فرما جس طرح حضرت یوسف ؑ کی قوم پر بھیجا تھا، اس طرح میری ان کے خلاف مدد فرما۔'' چنانچہ انھیں ایسی قحط سالی نے پکڑا کہ جس نے ہر چیز ختم کر دی حتی کہ وہ ہڈیاں اور چمڑے کھانے لگے۔ ان (راویانِ حدیث: سلیمان اور منصور) میں سے ایک نے کہا: حتی کہ وہ (مشرکین مکہ) چمڑے اور مردار بھی کھا گئے۔ زمین سے دھوئیں کی طرح کچھ برآمد ہوتا تھا، آپ کے پاس ابوسفیان آئے اور عرض کیا: اے محمد! آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، اللہ سے دعا کریں کہ وہ لوگوں سے عذاب دور کر دے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی (تو خشک سالی دور ہو گئی) پھر فرمایا: ''تم لوگ اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جاؤ گے۔''

فِي حَدِيثِ مَنْصُورٍ: ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَٱرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِى ٱلسَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ إِلٰى ﴿عَآئِدُونَ﴾ [١٠-١٥] أَيُكْشَفُ عَذَابُ الْآخِرَةِ؟ فَقَدْ مَضَى الدُّخَانُ وَالْبَطْشَةُ وَاللِّزَامُ، - وَقَالَ أَحَدُهُمْ: اَلْقَمَرُ. وَقَالَ الْآخَرُ: اَلرُّومُ -. [راجع: ١٠٠٧]

منصور کی بیان کردہ حدیث میں ہے: پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِى السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ .... عَائِدُوْنَ﴾ کیا آخرت کا عذاب بھی ان سے دور کر دیا جائے گا؟ اس لیے دھواں، بطشہ اور لزام تو گزر چکے ہیں۔ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک نے کہا ہے: شق قمر بھی ہو چکا ہے۔ دوسرے راوی نے کہا: اہل روم کا غلبہ بھی ہو چکا ہے۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ دھواں زمین سے نکلتا تھا جبکہ دوسری روایات میں ہے کہ یہ دھواں دیکھنے والے اور آسمان کے درمیان تھا؟ ان روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ یہ بھی کفار کا گمان تھا کہ دھواں زمین سے نکلتا ہے جیسے وہ گمان تھا کہ ان کے اور آسمان کے درمیان دھواں ہے، لہٰذا دونوں احادیث میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ② اس کی ایک توجیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ مسلسل بارش کے بند رہنے کی وجہ سے فضا بالکل گرم ہوگئی تھی تو زمین سے بخارات اوپر کو اٹھنے لگے پھر فضا میں چھاگئے، اس لیے ان روایات میں کوئی تضاد نہیں کہ شروع میں دھواں زمین سے نکلتا نظر آتا، پھر آخر میں آسمان تک نظر آنے لگا۔ واللہ المستعان.

(٦) [بَابٌ]: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ ٱلْبَطْشَةَ ٱلْكُبْرَىٰٓ إِنَّا مُنتَقِمُونَ﴾ [١٦]

باب: 6- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے، یقیناً ہم بدلہ لینے والے ہیں“ کا بیان

وضاحت: بطشه کبری سے مراد ہے جنگ بدر کی گرفت جس میں ستر (70) بڑے بڑے کافر مارے گئے اور ستر (70) قیدی بنا لیے گئے۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق ہے۔ دوسری تفسیر کے مطابق یہ سخت گرفت قیامت والے دن ہوگی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھی سخت گرفت فرمائے گا لیکن آیت میں ایک خاص گرفت کا ذکر ہے جو جنگ بدر میں ہوئی جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٢٥ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: خَمْسٌ قَدْ مَضَيْنَ: اَللِّزَامُ، وَالرُّومُ، وَالْبَطْشَةُ، وَالْقَمَرُ، وَالدُّخَانُ. [راجع: ١٠٠٧]

[4825] حضرت مسروق سے روایت ہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: پانچ نشانیاں گزر چکی ہیں: لزام، غلبۂ روم، البطشه (سخت پکڑ) چاند کا دوٹکڑے ہونا اور دھواں۔

فائدہ: لزام سے مراد غزوۂ بدر میں کفار قریش کی ہلاکت ہے۔ الروم سے مراد فارس پر اہل روم کا غلبہ اور الدخان سے مراد شدت فاقہ کی وجہ سے فضا میں نظر آنے والا دھواں۔ اگرچہ دھویں کا واقعہ گزر چکا ہے، تاہم قرب قیامت کے وقت بھی دھواں نمودار ہوگا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چھ چیزوں کے واقع ہونے سے پہلے پہلے نیک اعمال کرنے میں جلدی کرلو: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا یا دھویں کا ظاہر ہونا یا دجال کا خروج کرنا یا دابۃ الارض کا نکلنا یا تم میں کسی کا خاص وقت (مدت) آجانا یا سب کے لیے واقع ہونے والا معاملہ (قیامت کا) قائم ہوجانا۔“[1]

[1] صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 3797 (2947).

(٤٥) سُورَةُ [حم] الْجَاثِيَةِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 45- تفسیر سورۂ حم الجاثیہ

﴿جَاثِيَةً﴾ [٢٨]: مُسْتَوْفِزِينَ عَلَى الرُّكَبِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ ﴿نَسْتَنسِخُ﴾ [٢٩]: نَكْتُبُ. ﴿نَنسَاكُمْ﴾ [٣٤]: نَتْرُكُكُمْ.

جَاثِيَة کے معنی ہیں: گھٹنوں کے بل بے اطمینان بیٹھنے والا۔ امام مجاہد کہتے ہیں: نَسْتَنْسِخ کے معنی ہیں: ہم لکھ لیتے ہیں۔ نَنْسٰكُم سے مراد ہم تمھیں (عذاب میں) چھوڑ دیں گے۔

وضاحت: مکمل آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''انھوں نے کہا: ہماری زندگی تو صرف دنیا کی زندگی ہے۔ ہم یہاں مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں تو صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے۔'' دراصل انھیں اس کا کچھ علم ہی نہیں یہ تو صرف اٹکل ہی سے کام لے رہے ہیں۔[1] ''ہمیں تو صرف زمانہ ہی مارتا ہے'' یہ قول دہریہ اور ان کے ہم نوا مشرکین مکہ کا ہے جو آخرت کے منکر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بس یہ دنیا کی زندگی ہی پہلی اور آخری زندگی ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں اور اس میں موت و حیات کا سلسلہ محض زمانے کی گردش کا نتیجہ ہے اور دنیا کا یہ سلسلہ بغیر کسی صانع اور مدبر کے از خود یوں ہی چل رہا ہے، اور چلتا رہے گا، نہ اس کی کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ یہ نظریہ عقل بھی قبول نہیں کرتی اور نقل کے بھی خلاف ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

بَابٌ: ﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ الْآيَةَ [٢٤]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہمیں تو صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے'' کا بیان

٤٨٢٦ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الْأَمْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ». [انظر: ٦١٨١، ٧٤٩١]

[4826] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے۔ وہ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ میرے ہی ہاتھ میں تمام معاملات ہیں۔ رات اور دن کو میں ہی پھیرتا ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ لیل ونہار کا مقلِّب (بکسر لام) اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے لیل ونہار جو دہر ہے وہ مقلَّب (بفتحہ لام) ہوا۔ ظاہر ہے کہ مقلِّب اور مقلَّب ایک نہیں ہو سکتے تو لازمی طور پر أنا الدهر کے معنی یہ ہوں گے کہ

[1] الجاثیہ 45: 24.

تعالیٰ دہر کا خالق اور مالک ہے۔ ② جو لوگ زمانے کو مؤثر حقیقی مانتے ہیں اور خالق دہر پر اعتقاد نہیں رکھتے انھیں دہریہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ جملہ مصائب و حوادث کو دہر کی طرف منسوب کر کے زمانے کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اس حدیث کے ذریعے سے یہ بتایا گیا ہے کہ زمانہ خود مختار نہیں، اس میں جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم اور امر سے ہوتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ.

(٤٦) سُورَةُ الْأَحْقَافِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 46-تفسیر سورۂ احقاف

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿تُفِيضُونَ﴾ [٨]: تَقُولُونَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: أَثَرَةٍ وَأُثْرَةٍ وَ﴿أَثَارَةٍ﴾ [٤]: بَقِيَّةِ عِلْمٍ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ [٩]: مَاكُنْتُ بِأَوَّلِ الرُّسُلِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿أَرَءَيْتُمْ﴾ هٰذِهِ الْأَلِفُ إِنَّمَا هِيَ تَوَعُّدٌ: إِنْ صَحَّ مَا تَدَّعُونَ لَا يَسْتَحِقُّ أَنْ يُعْبَدَ؛ وَلَيْسَ قَوْلُهُ: ﴿أَرَءَيْتُمْ﴾ بِرُؤْيَةِ الْعَيْنِ، إِنَّمَا هُوَ: أَتَعْلَمُونَ، أَبَلَغَكُمْ، أَنَّ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ خَلَقُوا شَيْئًا؟

امام مجاہد نے کہا: تُفِيْضُوْنَ کے معنی ہیں: تَقُولُوْنَ، یعنی تم کہتے ہو۔ بعض نے کہا: أَثَرَةٍ (ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ) اور أُثْرَةٍ (ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ) اور أَثَارَةٍ ان تینوں کے معنی باقی ماندہ علم کے ہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کے معنی ہیں: میں کوئی پہلا رسول دنیا میں نہیں آیا ہوں۔ دوسرے اہل علم نے کہا: أَرَءَ يْتُمْ میں ہمزہ محض زجر و توبیخ کے لیے ہے، یعنی اگر تمھارا دعویٰ صحیح ہے تو وہ اس قابل نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ اَرَءَ يْتُمْ میں رؤیت عین (آنکھ سے دیکھنا) مراد نہیں بلکہ رؤیت قلبی مراد ہے۔ معنی یہ ہیں: کیا تم جانتے ہو یا تمھیں یہ بات پہنچی ہے کہ جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو انھوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے؟

(١) بَابٌ: ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ [١٧]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور جس نے اپنے والدین سے کہا: تف ہو تم پر تم مجھے اس بات سے ڈراتے ہو کہ میں دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا ...... پہلے لوگوں کی داستانیں ہیں“ کا بیان

وضاحت: اس سے پہلے والی آیات میں سعادت مند اولاد کا تذکرہ تھا جو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک بھی کرتی ہے اور

ان کے حق میں دعائے خیر کو نظر انداز نہیں کرتی، اب اس کے مقابلے میں بدبخت اور نافرمان اولاد کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ماں باپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آتی ہے اور ان کی ناصحانہ باتوں پر ناگواری اور شدید غضب کا اظہار کرتی ہے۔ یہ کوئی مخصوص کردار نہیں بلکہ ہر نافرمان اور گستاخ اولاد اس کی مصداق ہے۔ مکہ میں بکثرت ایسے گھرانے موجود تھے جن کے والدین مسلمان ہو چکے تھے مگر ان کی نوجوان اور متکبر اولاد شرک میں گرفتار اور آخرت کی منکر تھی۔ اس آیت میں ''گفتہ آید در حدیث دیگراں'' کے مصداق ایسے ہی گھرانوں کا مکالمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ان آیات کا کوئی مخصوص پس منظر نہیں ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں حضرت عائشہ ؓ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

٤٨٢٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ قَالَ : كَانَ مَرْوَانُ عَلَى الْحِجَازِ - اِسْتَعْمَلَهُ مُعَاوِيَةُ - فَخَطَبَ، فَجَعَلَ يَذْكُرُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ لِكَيْ يُبَايَعَ لَهُ بَعْدَ أَبِيهِ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ شَيْئًا، فَقَالَ : خُذُوهُ، فَدَخَلَ بَيْتَ عَائِشَةَ فَلَمْ يَقْدِرُوا، فَقَالَ مَرْوَانُ : إِنَّ هٰذَا الَّذِي أَنْزَلَ اللهُ فِيهِ : ﴿وَالَّذِى قَالَ لِوَٰلِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِىٓ﴾ فَقَالَتْ عَائِشَةُ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ : مَا أَنْزَلَ اللهُ فِينَا شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ عُذْرِي.

[4827] حضرت یوسف بن ماھك سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مروان بن حکم کو حضرت امیر معاویہ ؓ نے حجاز کا گورنر بنایا تھا۔ انھوں نے ایک موقع پر خطبہ دیا اور خطبے میں یزید بن معاویہ کا بار بار ذکر کیا تاکہ اس کے والد (حضرت معاویہ ؓ) کے بعد اس کی بیعت کا راستہ ہموار کیا جائے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر ؓ نے اعتراض کے طور پر کچھ کہا تو مروان نے کہا: اسے پکڑ لو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر ؓ اپنی ہمشیر حضرت عائشہ ؓ کے گھر میں چلے گئے جس کی وجہ سے لوگ انھیں پکڑ نہ سکے۔ مروان نے کہا: یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی تھی: ''اور جس شخص نے اپنے والدین سے کہا: تف ہے تم پر۔ تم مجھے اس بات سے ڈراتے ہو......'' اس پر حضرت عائشہ ؓ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا: ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی آیت نازل نہیں فرمائی، ہاں مجھ پر لگی تہمت سے براءت کی آیات ضرور نازل کی تھیں۔

فوائد ومسائل: ① رافضیوں نے حضرت عائشہ ؓ کی وضاحت کو غلط معنوں میں استعمال کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ثَانِیَ اثْنَیْنِ سے مراد حضرت ابوبکر ؓ نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے انتہائی جہالت و حماقت کا ثبوت دیا ہے کیونکہ حضرت عائشہ ؓ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت ابوبکر ؓ کی اولاد کے بارے میں میری براءت کے علاوہ اور کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، ویسے تو شان صدیق ؓ کے متعلق متعدد آیات نازل ہوئی ہیں۔ ② مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس حدیث کا پس منظر کھول کر بیان کر دیں

تاکہ روافضیوں کی طرف سے پھیلائے گئے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا وہ قول نقل کیا ہے جو گورنر مدینہ مروان بن حکم کی برہمی کا باعث بنا۔ انھوں نے کہا: کیا تم شاہ روم ہرقل کی سنت کو زندہ کرنا چاہتے ہو کہ کوئی بادشاہ قبل از وقت اپنے بیٹوں کے لیے سربراہی کی بیعت لے؟[1] ③ دراصل واقعات کچھ اس طرح ہیں کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ عرصۂ دراز سے کوفہ جیسے سبائی مرکز کے گورنر چلے آ رہے تھے۔ انھوں نے وہاں رہ کر اہل کوفہ کی نفسیات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا کہ یہ لوگ آئے دن اسلامی حکومت کے خلاف خطرناک سازشیں کرنے میں بڑے ماہر ہیں۔ سادہ لوح مسلمانوں کو سبز باغ دکھا کر اپنے بچھائے ہوئے دام ہم رنگ زمین میں پھانسنا پھر ان کے ذریعے سے ملک میں خانہ جنگی کرانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ان پرفتن حالات میں انھوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ آپ اپنی زندگی میں کسی شخص کو ولی عہد اور جانشین بنا کر فتنہ و فساد کے دروازے کو شروع ہی میں بند کر دیں تاکہ اسلامی حکومت کے لیے اجتماعیت کا مضبوط سہارا موجود رہے، اس طرح حصول اقتدار کی خاطر ممکنہ رسہ کشی کا سد باب بھی ہو سکے گا اور انتشار پسندی کے لیے کسی شر انگیز کو موقع بھی نہیں مل سکے گا۔ اگرچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چھ افراد پر مشتمل ایک انتخابی کمیٹی تشکیل دے چکے تھے اس کے باوجود حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہدی کے لیے ان کے بیٹے یزید کا نام پیش کیا، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی ایسا اقدام کرنے پر تیار نہ تھے جس کے متعلق ارباب حل و عقد اور رائے عامہ کا واضح فیصلہ ان کے سامنے موجود نہ ہو، اس لیے انھوں نے ولی عہدی کے معاملے کو استصواب رائے، یعنی مشورہ کرنے پر موقوف رکھا، چنانچہ حسب پروگرام دمشق میں اس کے متعلق ایک نمائندہ اجلاس ہوا، جس میں اسلامی مملکت کے صوبوں کے معززین اور اصحاب رائے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں عراقی وفد نے ولی عہدی کی تحریک پیش کی، پھر اجلاس میں موجود اکثریت نے اس تحریک کی تائید و حمایت کی، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ میرے بیٹے یزید کی ولی عہدی پر خوش نہیں ہیں، اس لیے آپ نے فرمایا: جب تک اہل مدینہ اس تحریک ولی عہدی سے متفق نہ ہوں میں بطور ولی عہد یزید کے نام کا اعلان نہیں کر سکتا۔ آپ نے گورنر مدینہ مروان بن حکم کو لکھا: ''اب مجھے کمزوری نے آلیا ہے۔ مجھے پتا نہیں کہ دنیا سے کب رخصت ہو جاؤں۔ مجھے یہ اندیشہ دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں میرے بعد یہ امت اسلامیہ پھر فتنہ و فساد کا شکار نہ ہو جائے، لہٰذا میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں ارباب حل و عقد سے مشورے کے بعد کسی کو اپنا ولی عہد مقرر کر جاؤں۔ اس سلسلے میں آپ کا مشورہ چاہتا ہوں۔ آپ اس بات کو مدینہ طیبہ کے معززین کے سامنے پیش کریں اور اتفاق سے جو رائے سامنے آئے، اس کے متعلق مجھے آگاہ کریں۔''[2] چنانچہ گورنر مدینہ مروان بن حکم نے اکابر مدینہ کو جمع کر کے حالات سے آگاہ کیا اور موجودہ حالات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارادے کا تذکرہ کرتے ہوئے یزید کی ولی عہدی کے متعلق گفتگو کی جو اس حدیث میں موجود ہے۔ اس اجلاس میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی بھی قابل ذکر شخصیت نے یزید کی ولی عہدی کے متعلق کوئی اختلاف نہ کیا حتی کہ صدیقۂ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی پردے کے پیچھے سے اس بات کی وضاحت تو فرمائی کہ مذکورہ آیت کریمہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما

---

① فتح الباري: 8/733. ② محاضرات التاريخ الإسلامي: 2/117.

کے متعلق نازل نہیں ہوئی لیکن انھوں نے یزید کی ولی عہدی کے متعلق کوئی اختلاف نہ کیا۔ بہر حال مروان بن حکم نے اس اجلاس کی مکمل رپورٹ حضرت امیر معاویہ ؓ کو پیش کر دی۔ امیر معاویہ ؓ نے از راہ احتیاط اس ایک اختلافی آواز کو بھی محسوس کیا۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ اس طرح کی اکائیاں بھی کسی خطرناک اقدام کا پیش خیمہ ہو سکتی ہیں، چنانچہ آپ نے حجاز مقدس کا سفر اختیار فرمایا تا کہ مناسک حج کی ادائیگی کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچ کر یزید کی ولی عہدی کا معاملہ وہاں کے معززین اور اصحاب الرائے کے سامنے پیش کیا جائے۔ وہاں پہنچ کر ایک بھرپور اجلاس ہوا، بالآخر کسی اختلاف کے بغیر تمام اہل مدینہ نے یزید کی ولی عہدی کو منظور کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اس اجلاس کے متعلق فرماتے ہیں: میں اپنی بہن حضرت حفصہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ میں نے عرض کی: آپ لوگوں کا حال دیکھ رہی ہیں کہ اس معاملے (حکومت) میں میری کوئی حیثیت نہیں رکھی گئی۔ حضرت حفصہ ؓ نے فرمایا: جاؤ، لوگ تمھارے انتظار میں ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تمھارے اس اجلاس سے باہر رہنے کی صورت میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔ حضرت حفصہ ؓ نے اس وقت تک آپ کو نہ چھوڑا جب تک انھوں نے اجلاس میں شرکت نہ کر لی۔ جب (اجلاس سے) لوگ منتشر ہو گئے تو امیر معاویہ ؓ نے خطاب فرمایا کہ اب بھی اگر کوئی شخص اس معاملے میں کچھ بولنا چاہتا ہے تو وہ اپنا سر اونچا کرے، ہم اس سے اور اس کے والد سے اس امر (امارت) کے زیادہ حق دار ہیں۔[1] ④ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسین ؓ بھی وہاں اجلاس میں موجود تھے۔ حضرت امیر معاویہ ؓ اپنے خطاب کے آخری جملے سے ان کا ذہن صاف کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت ابن عمر ؓ نے اس آخری جملے کو اپنے متعلق تعریض خیال کیا لیکن قائم شدہ اتفاق میں رخنہ پڑ جانے کے خوف سے آپ وہاں خاموش رہے۔ اس واقعے کے بعد جب آپ نے حضرت حبیب بن مسلمہ ؓ کو اس اجلاس کی تفصیلات سے آگاہ کیا تو انھوں نے پوچھا کہ آپ نے اس موقع پر جواب کیوں نہ دیا؟ اس وقت حضرت ابن عمر ؓ نے فرمایا: میں نے اپنی نشست چھوڑ کر یہ کہنا چاہا تھا کہ آپ سے زیادہ حق اس کا ہے جس نے آپ سے اور آپ کے والد سے اسلام کے لیے جنگ لڑی، لیکن مجھے ڈر لگا کہ کہیں میرے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو اختلاف و انتشار اور خون ناحق کا ذریعہ بن جائے، پھر ایسا نہ ہو کہ میری بات کو غلط رنگ دے دیا جائے، اس لیے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت میں انعام و اکرام کے پیش نظر خاموش رہا۔ یہ وضاحت سن کر حضرت حبیب بن مسلمہ ؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اور نامناسب اقدام سے بچا لیا۔[2] اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے دل میں ابتدائی طور پر کچھ تحفظات تھے لیکن بعد میں آپ نے یزید کی بیعت کر کے ان الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کیا: ہم نے اس شخص (یزید) کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کی ہے اور میرے علم میں کوئی عذر اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ ایک شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے پھر اس سے جنگ کی جائے۔ اے اہل مدینہ! تم میں سے جو کوئی اس کی بیعت کو توڑ کر کسی دوسرے سے بیعت کرے گا تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو گا بلکہ میں اس سے الگ رہوں گا۔[3] ⑤ بہر حال حضرت امیر معاویہ ؓ نے اپنی وفات سے دس سال پہلے یزید کے لیے لوگوں سے بیعت ولی عہدی لی اور یہ بیعت مکمل ہونے کے بعد ان الفاظ میں دعا فرمائی:

---

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4108. 2 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4108. 3 صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7111.

''اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کے فضل و کمال کی وجہ سے اپنا ولی عہد بنایا ہے تو اسے اس بلند مقام پر پہنچا جس کی میں نے اس کے لیے امید کی ہے اور اس معاملے میں اس کی مدد فرما، اور اگر اس بات پر مجھے اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے جبکہ وہ اس منصب کا اہل نہیں تو اس منصب تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے موت دے دے۔''[1] حافظ ابن کثیر ؒ نے حضرت امیر معاویہ ؓ کی دعا ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یزید کو اس کی اہلیت و قابلیت کی وجہ سے ولی عہد بنایا ہے تو اس ولی عہدی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے اور اگر میں نے صرف پدری محبت سے ایسا کیا ہے تو اسے پورا نہ ہونے دے۔''[2] ⑥ ہم اس مقام پر یہ وضاحت بھی کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ صحیح بخاری کے فوائد میں تاریخی حقائق بیان کرنا ہمارے منہج کے خلاف ہے۔ اگر عہد حاضر کی ایک نامور شخصیت نے اس تحریک ولی عہدی کی آڑ میں صحابہ دشمنی کا ثبوت نہ دیا ہوتا تو ہمیں اتنا طویل تاریخی نوٹ لکھنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ وہ لکھتے ہیں: ''یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا.....''[3] اللہ تعالیٰ ان کی لغزش معاف فرمائے اور اپنے ہاں اسے رحمت سے نوازے کیونکہ وہ بزرگ شخصیت اب اللہ کے پاس پہنچ چکی ہے۔ واللہ المستعان.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ﴾ اَلْآيَةَ [٢٤]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''پھر جب انھوں نے عذاب کو بصورت بادل اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا......'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: عَارِضٌ: اَلسَّحَابُ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: آیت میں عارض سے مراد بادل ہے۔

وضاحت: یہ آیت حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے متعلق نازل ہوئی۔ عرصۂ دراز سے ان کے ہاں بارش نہ ہوئی تھی۔ امنڈتے بادل دیکھ کر خوش ہوئے کہ اب بارش ہوگی لیکن یہ بادل نہیں تھا بلکہ وہ عذاب تھا جو وہ جلدی مانگ رہے تھے۔ چونکہ جس ہوا سے اس قوم کی ہلاکت ہوئی تھی وہ ان بادلوں ہی سے اٹھی تھی جو ان کی ہر چیز کو تباہ کر گئی، اس لیے رسول اللہ ﷺ جب بادل دیکھتے تو آپ کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آتے جس کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

٤٨٢٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنَا عَمْرٌو: أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ

[4828] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اس طرح ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا سرخ گوشت نظر آ جائے بلکہ

---

① تاريخ الإسلام للذهبي: 267/2. ② البداية والنهاية: 80/8. ③ خلافت و ملوکیت، ص: 150.

النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ضَاحِكًا حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ. [انظر: ٦٠٩٢]

آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔

٤٨٢٩ - قَالَتْ: وَكَانَ إِذَا رَأٰى غَيْمًا أَوْ رِيحًا عُرِفَ فِي وَجْهِهِ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! اَلنَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْغَيْمَ فَرِحُوا رَجَاءَ أَنْ يَكُونَ فِيهِ الْمَطَرُ، وَأَرَاكَ إِذَا رَأَيْتَهُ عُرِفَ فِي وَجْهِكَ الْكَرَاهِيَةُ، فَقَالَ: «يَا عَائِشَةُ! مَا يُؤْمِنِّي أَنْ يَكُونَ فِيهِ عَذَابٌ، عُذِّبَ قَوْمٌ بِالرِّيحِ. وَقَدْ رَأٰى قَوْمٌ الْعَذَابَ فَقَالُوا: هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا». [راجع: ٣٢٠٦]

[4829] ام المومنین حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب بادل یا ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرۂ انور پر پریشانی کے اثرات نظر آتے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو اس امید پر خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہو گی لیکن اس کے برعکس میں دیکھتی ہوں کہ جب آپ کو بادل نظر آتے ہیں تو ناگواری کے اثرات آپ کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ ان میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم کو ہوا کا عذاب دیا گیا تھا۔ انھوں نے جب عذاب دیکھا تو کہنے لگے: یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔''

فوائدومسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ جب تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے: [اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيهَا وَ شَرِّمَا أُرْسِلَتْ بِهِ] جب آسمان پر بادل گھرے ہو جاتے تو آپ کے چہرۂ انور کا رنگ بدل جاتا اور آپ پر خوف کی سی کیفیت طاری ہو جاتی جس سے آپ بے چین رہتے، کبھی باہر نکلتے، کبھی اندر آتے، کبھی آگے ہوتے اور کبھی پیچھے جاتے۔ جب بارش ہو جاتی تو اطمینان کا سانس لیتے۔[1] ② قوم عاد پر جب ہوا کا عذاب آیا تو اس کی تیزی کا یہ عالم تھا کہ وہ درختوں اور پودوں کو بیخ جڑ سے اکھاڑ کر پرے پھینک دیتی تھی۔ یہی آندھی ان کے زمین دوز مکانوں میں گھس گئی، اس دوران میں وہ اپنے گھروں سے نکل بھی نہ سکتے تھے۔ سردی کی شدت سے وہ ٹھٹھر ٹھٹھر کر مرگئے۔ وہاں کھنڈرات کے علاوہ کوئی چیز نظر نہ آتی تھی، وہ تیز اور سخت ٹھنڈی ہوا قوم عاد پر آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی، اس واقعے سے ہمیں جو سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی ظاہری شکل وصورت سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے اور نہ اس پر تکیہ ہی کر لینا چاہیے بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ واللہ المستعان.

1 صحیح مسلم، صلاۃ الاستسقاء، حدیث: 2085 (899).

(٤٧) سُورَةُ مُحَمَّدٍ ﷺ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 47- تفسیر سورۂ محمد ﷺ

﴿أَوْزَارَهَا﴾ [٤]: آثَامَهَا، حَتَّى لَا يَبْقَى إِلَّا مُسْلِمٌ. ﴿عَرَّفَهَا﴾ [٦]: بَيَّنَهَا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا﴾ [١١]: وَلِيُّهُمْ. ﴿فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ﴾ [٢١]: أَيْ: جَدَّ الْأَمْرُ. ﴿فَلَا تَهِنُوا﴾ [٣٥]: لَا تَضْعُفُوا.

اَوْزَارَهَا کے معنی ہیں: اپنے گناہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک لوگ کفر وشرک سے باز نہ آجائیں اور مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسرا باقی نہ بچے۔ عَرَّفَهَا اس کو بیان کر دے، یعنی ہر بہشتی اپنا گھر پہچان لے گا۔ امام مجاہد نے کہا: مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں ولی کے معنی کارساز کے ہیں۔ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ کے معنی ہیں: جَدَّ الْاَمْرُ، یعنی معاملہ پختہ ہوگیا۔ فَلَا تَهِنُوْا کے معنی ہیں: تم کمزور اور سست نہ ہو جاؤ۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أَضْغَانَهُمْ﴾ [٢٩]: حَسَدَهُمْ. ﴿آسِنٍ﴾ [١٥]: مُتَغَيِّرٍ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اَضْغَانَهُمْ سے مراد حسد وکینہ ہے۔ اٰسِنٍ یعنی پانی متغیر نہیں ہوگا۔ رنگ، بو اور ذائقہ نہیں بدلے گا۔

(١) بَابٌ: ﴿وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ [٢٢]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) "اور تم رشتہ ناتا توڑ ڈالو گے" کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: "اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ تمھیں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کردو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔"[1] اس آیت کریمہ میں قطع رحمی کی ممانعت اور صلہ رحمی کی تاکید ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ رشتے داروں کے ساتھ زبان سے عمل سے اور مال کے ذریعے سے اچھا برتاؤ کرو۔ احادیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

٤٨٣٠ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ: حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي مُزَرِّدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

[4830] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ جب وہ ان کی پیدائش سے فارغ ہوا تو

---

① محمد 47:22.

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَأَخَذَتْ، فَقَالَ لَهُ: مَهْ. قَالَتْ: هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ، قَالَ: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلٰى يَا رَبِّ. قَالَ فَذَاكِ»

رحم نے کھڑے ہو کر رحم کرنے والے اللہ کے دامن میں پناہ لی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: کیا ہے؟ اس نے عرض کی: یہی تو پناہ لینے کا مقام ہے۔ میں قطع رحمی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ جو تجھ سے جوڑے میں بھی اس سے اپنا تعلق جوڑوں اور جو تجھ سے توڑے میں بھی اس سے توڑ لوں؟ رحم نے عرض کی: اے میرے رب! کیوں نہیں، میں اس پر راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ایسا ہی ہوگا۔''

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: اِقْرَؤُا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾. [انظر: ٤٨٣١، ٤٨٣٢، ٥٩٨٧، ٧٥٠٢]

حضرت ابوہریرہ ؓ نے کہا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ''اور تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تمھیں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتے ناتے توڑ ڈالو۔''

٤٨٣١ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمِّي أَبُو الْحُبَابِ سَعِيدُ بْنُ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، بِهٰذَا. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِقْرَؤُا إِنْ شِئْتُمْ ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾». [راجع: ٤٨٣٠]

[4831] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے پہلی حدیث کی طرح بیان کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو: ''اور تم سے یہ بعید نہیں......۔''

٤٨٣٢ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي الْمُزَرِّدِ، بِهٰذَا. قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِقْرَؤُا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾» ﴿ءَاسِنٍ﴾ [١٥]: مُتَغَيِّرٍ. [راجع: ٤٨٣٠]

[4832] حضرت ابوہریرہ ؓ سے ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو: ''اور تم سے یہ بعید نہیں......'' اٰسِنٍ کے معنی ہیں: مُتَغَيِّرٍ، یعنی بدل جانے والا۔

فوائد و مسائل: ① آیت کریمہ میں إِنْ تَوَلَّيْتُمْ کے متعدد مفہوم حسب ذیل ہیں: ○ حکومت مل جائے، عام طور پر حکومت واقتدار کے نشے میں عدل وانصاف اور اعتدال قائم نہیں رہتا، دنیا کی حرص اور لالچ بڑھ جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام فتنہ وفساد اور دوسروں سے قطع تعلقی کر لی جاتی ہے۔ ○ اعراض کرنا، یعنی اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو دنیا میں امن وامان قائم نہیں رہے گا۔ جب انصاف نہیں ہوگا تو فساد، بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہوگا۔ ○ ایمان لانے سے

روگردانی، یعنی جب ایمان کے تقاضوں سے اعراض کرو گے تو زمانۂ جاہلیت کی کیفیت واپس آ جائے گی، وہ اس طرح کہ معمولی معمولی بات پر رشتے ناتے قطع کر لیے جائیں گے۔ ② یہ آیت منافقین کے متعلق بھی ہو سکتی ہے کہ تم سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں خرابی مچاؤ گے، جن مسلمانوں سے تمھاری قرابتیں ہیں ان کی مطلق پروا نہیں کرو گے۔ بہر حال ان احادیث میں صلہ رحمی کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٤٨) سُورَةُ الْفَتْحِ ۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۔ 48- تفسیر سورۂ فتح

قَالَ مُجَاهِدٌ ﴿بُورًا﴾ [١٢]: هَالِكِينَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم﴾ [٢٩]: اَلسَّحْنَةُ؛ وَقَالَ مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ: اَلتَّوَاضُعُ. وَقَالَ ﴿شَطْأَهُ﴾: فِرَاخَهُ. ﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾: غَلُظَ. ﴿سُوقِهِ﴾: اَلسَّاقُ حَامِلَةُ الشَّجَرَةِ. وَيُقَالُ: ﴿دَائِرَةُ السَّوْءِ﴾ [٦]: كَقَوْلِكَ: رَجُلُ السَّوْءِ، وَدَائِرَةُ السَّوْءِ: اَلْعَذَابُ. يُعَزِّرُوهُ: يَنْصُرُوهُ. ﴿شَطْأَهُ﴾: شَطْءَ السُّنْبُلِ، تُنْبِتُ الْحَبَّةُ عَشْرًا، أَوْ ثَمَانِيًا وَسَبْعًا فَيَقْوَى بَعْضُهُ بِبَعْضٍ، فَذَاكَ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَآزَرَهُ﴾: قَوَّاهُ، وَلَوْ كَانَتْ وَاحِدَةً لَمْ تَقُمْ عَلَى سَاقٍ؛ وَهُوَ مَثَلٌ ضَرَبَهُ اللهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ، إِذْ خَرَجَ وَحْدَهُ، ثُمَّ قَوَّاهُ بِأَصْحَابِهِ كَمَا قَوَّى الْحَبَّةَ بِمَا يَنْبُتُ مِنْهَا.

امام مجاہد نے کہا: بُوْرًا کے معنی ہیں: ہلاک ہونے والے، نیز امام مجاہد نے کہا: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ میں سیما سے مراد چہرے کی نرمی اور تازگی ہے۔ منصور نے امام مجاہد سے اس کے معنی تواضع نقل کیے ہیں، یعنی سجود کے اثر سے ان کے چہروں سے عجز و انکسار اور تواضع نمایاں ہوتی ہے، شَطْئَہٗ سے مراد پودے کی کونپل ہے۔ فَاسْتَغْلَظَ کے معنی ہیں: موٹا ہوا۔ سُوْقِهٖ میں سوق سے مراد وہ تنا ہے جو پودے کو اٹھائے رکھتا ہے۔ دَائِرَةُ السَّوْءِ سے مراد برا وقت ہے، جیسے کہتے ہیں: رَجُلُ السَّوْءِ: برا انسان، آیت میں دَائِرَةُ السَّوْءِ سے مراد عذاب ہے۔ يُعَزِّرُوْهُ کے معنی ہیں: وہ اس کی مدد کریں۔ شَطْئَہٗ سے مراد بالی کی کونپل ہے۔ ایک دانہ کبھی دس کبھی آٹھ اور کبھی سات بالیاں اور شاخیں اگاتا ہے، پھر ہر ایک سے دوسرے کو تقویت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فَاٰزَرَهٗ کا یہی مطلب ہے کہ اس کو قوی کیا۔ اگر صرف ایک ہی بالی ہوتی تو وہ تنے پر قائم نہ رہ سکتی۔ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے بیان کی ہے۔ آپ تنہا نکلے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کے ذریعے سے آپ کو مضبوط کیا جیسے دانے کو ان چیزوں سے قوت دی جو اس سے اگتی ہیں۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ [١]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''یقیناً ہم نے آپ کو فتح مبین دی'' کا بیان

وضاحت: حدیبیہ سے مدینہ طیبہ آتے ہوئے راستے میں سورۃ الفتح نازل ہوئی۔ اس میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا گیا ہے، چونکہ یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس کے دو سال بعد ہی مسلمان مکے میں فاتحانہ طور پر داخل ہوئے، اس لیے بعض صحابہ کہتے تھے کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو لیکن ہم صلح حدیبیہ کو فتح شمار کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کی بابت فرمایا: ''آج رات مجھ پر وہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیھا سے زیادہ محبوب ہے۔''[1] اس کی مزید وضاحت درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

٤٨٣٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسِيرُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسِيرُ مَعَهُ لَيْلًا، فَسَأَلَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: ثَكِلَتْ أُمُّ عُمَرَ، نَزَرْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ لَا يُجِيبُكَ. قَالَ عُمَرُ: فَحَرَّكْتُ بَعِيرِي ثُمَّ تَقَدَّمْتُ أَمَامَ النَّاسِ، وَخَشِيتُ أَنْ يُنْزَلَ فِيَّ الْقُرْآنُ، فَمَا نَشِبْتُ أَنْ سَمِعْتُ صَارِخًا يَصْرُخُ بِي، فَقُلْتُ: لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ فِيَّ قُرْآنٌ، فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: «لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ»، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾. [راجع: ٤١٧٧]

[4833] حضرت اسلم عدوی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں جا رہے تھے۔ حضرت عمر ؓ بھی رات کے وقت آپ کے ساتھ چل رہے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب نے آپ ﷺ سے کچھ پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، پھر انھوں نے سوال کیا لیکن آپ ﷺ نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہ دیا۔ (تیسری مرتبہ) پھر انھوں نے پوچھا لیکن آپ نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ تب حضرت عمر فاروق ؓ نے (اپنے دل میں) کہا: عمر کی ماں اسے روئے! رسول اللہ ﷺ سے تم نے تین مرتبہ سوال میں اصرار کیا لیکن آپ ﷺ نے تمھیں کسی مرتبہ بھی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر ؓ کا بیان ہے کہ پھر میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی اور لوگوں سے آگے بڑھ گیا۔ مجھے ڈر تھا کہ مبادا میرے بارے میں قرآن کی کوئی آیت نازل ہو۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک پکارنے والا مجھے آواز دے رہا تھا۔ میں نے (دل میں) کہا: مجھے تو پہلے ہی خوف تھا مبادا میرے بارے میں کوئی آیت نازل ہو جائے۔ میں

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4177.

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے فرمایا: ''مجھ پر آج رات ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے اس تمام کائنات سے زیادہ عزیز ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾.

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ تو خاموشی ہی اس کا جواب ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار سوال کرنے پر اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ② واضح رہے کہ یہ سفر عمرۂ حدیبیہ سے واپس آنے کا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم حدیبیہ سے واپس ہوئے تو ہم پر غم اور پریشانی کے آثار نمایاں تھے کیونکہ کفار مکہ ہمارے عمرے اور قربانیوں کے درمیان حائل ہوئے تھے، تو ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو دنیا و مافیھا سے عزیز قرار دیا کیونکہ یہ نصرت اسلام، اتمام نعمت، اصحاب شجرہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کے علاوہ بے شمار ایسے امور پر مشتمل ہے جو اہل اسلام کے لیے بشارت کا باعث ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں رسول اللہ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا ذکر کیا ہے۔

٤٨٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ قَالَ: الْحُدَيْبِيَةُ. [راجع: ٤١٧٢]

[4834] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ سورۂ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

فائدہ: اس صلح میں چند ایسی باتوں پر صلح ہوئی جنھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت ناپسند کرتی تھی لیکن نگاہ رسالت نے اس کے دور رس اثرات کا اندازہ لگاتے ہوئے کفار کی شرائط پر ہی صلح کو بہتر خیال کیا، چنانچہ حدیبیہ سے واپسی پر یہ سورت نازل ہوئی جس میں اس صلح کو فتح مبین سے تعبیر کیا گیا کیونکہ یہ صلح فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

٤٨٣٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ سُورَةَ الْفَتْحِ فَرَجَّعَ فِيهَا، قَالَ مُعَاوِيَةُ: لَوْ شِئْتُ أَنْ أَحْكِيَ لَكُمْ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ ﷺ لَفَعَلْتُ. [راجع: ٤٢٨١]

[4835] حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن سورۂ فتح کی تلاوت فرمائی۔ تلاوت کرتے وقت خوش الحانی کو ملحوظ رکھا۔ حضرت معاویہ بن قرہ نے کہا: اگر میں چاہوں کہ تمھارے سامنے نبی ﷺ کی اس موقع پر طرز قراءت کی نقل کروں تو کر سکتا ہوں۔

فوائد ومسائل: ① ترجیع گلے میں آواز پھیرنے کو کہتے ہیں جیسے خوش الحان لوگ کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا اس انداز سے قرآن پڑھنا اونٹنی پر بیٹھنے کی وجہ سے اضطراری نہیں تھا بلکہ آپ نے ارادہ اور اختیار سے خوش الحانی کے طور پر اس انداز کو اختیار کیا تھا کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ بڑی نرمی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔[1] ② آپ نے اس موقع کے علاوہ بھی قرآن مجید کی تلاوت اس انداز سے فرمائی ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ کسی نے پوچھا: آپ ترجیع کیسے کرتے تھے؟ تو بتایا گیا کہ آ آ آ تین بار مد کے ساتھ آواز کو دہراتے تھے۔[2] اس انداز سے تلاوت کرنے میں خوشی کے جذبات بھی شامل تھے کیونکہ آپ فاتحانہ طور پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ ٱللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ [٢]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دے، آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو سیدھی راہ پر چلائے'' کا بیان

وضاحت: اس کے بعد تتمہ کے طور پر یہ آیت ہے: ''اور آپ کو زبردست نصرت عطا فرمائے۔''[3] اس فتح مبین کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار چیزیں عطا فرمائیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ تدبیری امور میں بعض اجتہادی غلطیوں اور آئندہ لغزشوں کی معافی، دیدہ دانستہ کسی گناہ کا صدور آپ سے ممکن نہیں تھا۔ ○ اتمام نعمت، اس سے مراد یہ ہے کہ آئندہ اب مسلمانوں پر کسی قسم کی ہنگامی فضا مسلط نہیں رہے گی بلکہ یہ اسلامی قوانین کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کر سکیں گے اور اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ ○ سیدھے راستے کی رہنمائی، اس سے مراد فتح و کامرانی کی راہ دکھانا ہے جس کے نتیجے میں تمام اسلام دشمن قوتیں مغلوب ہوتی جائیں گی۔ ○ نصر عزیز، اس سے مراد ایسی مدد ہے جو بظاہر دشمن کو اپنی فتح نظر آرہی ہو مگر وہی اس کی جڑ کاٹ دینے والی اور اسے مغلوب کر دینے والی ہو۔ ان آیات کے اترنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شکرانے کے طور پر عبادت میں اضافہ کر دیا تھا جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٣٦ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنَا زِيَادٌ: أَنَّهُ سَمِعَ الْمُغِيرَةَ يَقُولُ: قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ: غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، قَالَ: «أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟». [راجع:

[4836] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نماز میں رات بھر کھڑے رہے یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں سوج گئے۔ آپ سے عرض کی گئی: اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی ہیں (تو پھر اس قدر مشقت کیوں؟) اللہ کے

---

1 صحیح البخاري، فضائل القرآن، حدیث: 5047. 2 صحیح البخاري، التوحید، حدیث: 7540. 3 الفتح 48:3.

[١١٣٠

رسول ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

٤٨٣٧ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَحْيٰى: أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ: سَمِعَ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيْلِ حَتّٰى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ! وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: «أَفَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا؟» فَلَمَّا كَثُرَ لَحْمُهُ صَلّٰى جَالِسًا، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ، قَامَ فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ. [راجع: ١١١٨]

[4837] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ رات کی نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں مبارک پھٹ جاتے۔ حضرت عائشہ ؓ نے (ایک مرتبہ) عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ اتنی زیادہ مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کر دی ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ''تو کیا پھر میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننا پسند نہ کروں؟'' آخری عمر میں جب آپ کا جسم فربہ ہو گیا تو آپ یہ نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ جب رکوع کا وقت آتا تو کھڑے ہو کر کچھ قراءت فرماتے، پھر رکوع کرتے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کے نازل ہونے سے بہت خوشی ہوئی، چنانچہ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ حدیبیہ سے واپس مدینے جا رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''مجھ پر یہ آیت اتری ہے جو مجھے زمین کی ساری دولت سے زیادہ پیاری ہے۔'' صحابۂ کرام ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! مبارک ہو، مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے تو وضاحت فرما دی جو آپ کے ساتھ وہ معاملہ کرے گا، مگر ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہو گا تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں: ''تا کہ مومن مرد اور مومن عورتوں کو ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کی برائیاں دور کرے اور یہ اللہ کے نزدیک عظیم کامیابی ہے۔''[1] ② فتح مکہ ایک دنیوی نعمت ہے اور اس کے ساتھ اخروی نعمت مغفرت کا ذکر فرمایا کیونکہ فتح مکہ حج کا سبب بنی اور حج، گناہوں کی مغفرت کے لیے ایک عظیم سبب ہے، پھر فتح مبین کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کی دعوت کا کام عام ہوا۔ اس سے آپ کی زندگی کا مقصد پورا ہوا۔ واللّٰہ المستعان.

(٣) بَابٌ: ﴿إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ [٨]

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''بلاشبہ ہم نے آپ کو شہادت دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' کا بیان

[1] الفتح 48:5، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3263.

وضاحت: نبی کی گواہی یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک اور معبود برحق صرف ایک اللہ ہے، دوسرا کوئی بھی اس کی الوہیت و حاکمیت میں شریک نہیں۔ اور یہ گواہی تین طرح سے ہوتی ہے: * نظام کائنات کے مطالعے، یعنی غور وفکر سے وہ خود اس نتیجے پر پہنچا ہے تاکہ جس شہادت کی اس نے دعوت دینی ہے، اس کا پہلے یقینی علم حاصل ہو۔ * اس کی عملی زندگی اس بات پر گواہ ہوتی ہے کہ اس کی گواہی درست اور صحیح ہے۔ * قیامت کے دن ہر نبی اپنی امت کے حق میں اور منکرین کے خلاف گواہی دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کی گواہی دینے کی صفت قرآن میں بھی ہے اور پہلی آسمانی کتابوں میں بھی اس صفت کا ذکر موجود ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے پتا چلتا ہے۔

٤٨٣٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ هِلَالِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ الَّتِي فِي الْقُرْآنِ ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنَـٰكَ شَـٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَـذِيرًا﴾ قَالَ: فِي التَّوْرَاةِ: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ، أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي، سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ بِالْأَسْوَاقِ، وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ، وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ، وَلَنْ يَقْبِضَهُ حَتّٰى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَيَفْتَحُ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا، وَآذَانًا صُمًّا، وَقُلُوبًا غُلْفًا. [راجع: ٢١٢٥]

[4838] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت جو قرآن کریم میں ہے: اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے تورات میں بھی یہی فرمایا: اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور عربوں کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ نہ تو بدخو اور نہ سنگ دل ہیں، اور نہ بازار میں شور وشغب کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرے گا جب تک اس ٹیڑھی ملت کو آپ کے ذریعے سے سیدھا نہ کر دیا جائے اس طرح کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلیں اور وہ اس کے ذریعے سے اندھی آنکھوں کو، بہرے کانوں کو اور پردے میں پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت کعب ؓ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں: اس کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ میں اور ہجرت گاہ مدینہ طیبہ ہوگا اور اس کا ملک شام ہوگا۔ دوسری سطر میں یہ ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اس کی امت کا لقب "الحمادون" ہے جو خوشی اور پریشانی میں اللہ کی حمد کرنے والے بلکہ ہر جگہ میں اس کی تعریف کے گیت گانے والے ہوں گے۔ [1] اس کی بادشاہت شام تک ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا جائے گا۔

1 سنن الدارمي: 5/1.

(٤) بَابٌ: ﴿هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ فِى قُلُوبِ ٱلْمُؤْمِنِينَ﴾ [٤]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) "وہی (اللہ) ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکون و اطمینان ڈال دیا" کا بیان

وضاحت: صلح حدیبیہ کی شرائط طے کرتے وقت مسلمانوں میں بہت بے چینی اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت ڈال دی جس سے ان کے دلوں کو اطمینان، سکون اور ایمان مزید حاصل ہوا۔ سکینت کیا چیز ہے؟ مشہور قول یہ ہے کہ سکینت ایک معنوی چیز ہے جو سکون و اطمینان کی کیفیت لیے ہوئے انسان پر نازل ہوتی ہے۔ بعض اہل علم کا موقف ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت کا نام سکینہ ہے جو مومن دل کو سکون و اطمینان پہنچاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اس طرح معلوم ہوتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٣٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يَقْرَأُ وَفَرَسٌ لَهُ مَرْبُوطٌ فِي الدَّارِ فَجَعَلَ يَنْفِرُ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ فَنَظَرَ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا، وَجَعَلَ يَنْفِرُ، فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ». [راجع: ٣٦١٤]

[4839] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کا ایک صحابی قرآن پڑھ رہا تھا جبکہ اس کا گھوڑا بھی وہاں حویلی میں بندھا ہوا تھا۔ اچانک وہ (گھوڑا) بدکنے لگا۔ اس آدمی نے باہر نکل کر دیکھا تو اسے کچھ نظر نہ آیا لیکن گھوڑا مسلسل بدکتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے نبی ﷺ کے سامنے تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا: "یہ تو سکینت تھی جو قرآن کی بدولت نازل ہوئی تھی۔"

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ قرآن پڑھنے کے دوران میں اس آدمی کو ایک بادل نے ڈھانپ لیا جو اس کے قریب ہوتا گیا۔ اس وقت اس کا گھوڑا بدکنے لگا۔[1] ② حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس بادل میں جو تجھے چراغ نظر آئے تھے وہ فرشتوں کی ایک جماعت تھی جو قرآن سننے کے لیے آئے تھے اور اگر تو اپنی تلاوت کو جاری رکھتا تو وہ صبح کے وقت لوگوں سے چھپ نہ سکتے بلکہ لوگ انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ان الفاظ سے عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ نُزُلِ السَّكِينَةِ وَالْمَلَائِكَةِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ] "تلاوت قرآن کے وقت سکینت اور فرشتوں کا نازل ہونا۔"[3] رسول اللہ ﷺ کے دور میں اس طرح کے کئی واقعات رونما ہوئے تھے۔ واللہ أعلم.

---

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5011. ② صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5018. ③ صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب: 15.

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [١٨]

باب:5- ارشاد باری تعالیٰ: ''جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کا آغاز ''لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ'' سے ہوا ہے، اسی وجہ سے اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے، یعنی ایسی مخلصانہ اور سرفروشانہ بیعت جس پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی رضامندی کا پروانہ دے دیا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بیعت میں حصہ لینے والے سب جنتی ہیں۔ درج ذیل احادیث میں اسی بیعت رضوان کا تذکرہ ہے۔

٤٨٤٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَلْفًا وَأَرْبَعَمِائَةٍ. [راجع: ٣٥٧٦]

[4840] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم حدیبیہ کے دن چودہ سو صحابہ تھے۔

فائدہ: امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو دوسرے مقام پر تفصیل سے بیان کیا ہے، حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ لوگ سخت پیاس میں مبتلا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ پانی کی چھاگل میں رکھ دیا۔ آپ کی انگلیوں سے پانی چشموں کی طرح بہنے لگا۔ تمام صحابۂ کرام ؓ نے پانی پیا اور اس سے وضو بھی کیا۔ کسی نے حضرت جابر سے پوچھا: اس دن تم کتنے آدمی تھے تو انھوں نے بتایا کہ اگر ہم لاکھ کی تعداد میں ہوتے تو بھی وہ پانی ہمیں کفایت کر جاتا۔[1]

٤٨٤١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ صُهْبَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ: مِمَّنْ شَهِدَ الشَّجَرَةَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْخَذْفِ. [انظر: ٥٤٧٩، ٦٢٢٠]

[4841] حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ؓ سے روایت ہے، (یہ) ان لوگوں میں سے ہیں جو بیعت شجرہ (بیعتِ رضوان) میں موجود تھے۔ نبی ﷺ نے کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا تھا۔

٤٨٤٢ - وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ صُهْبَانَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْمُغَفَّلِ الْمُزَنِيَّ: فِي الْبَوْلِ فِي الْمُغْتَسَلِ.

[4842] حضرت عقبہ بن صہبان سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ؓ سے غسل خانے میں پیشاب کرنے (سے ممانعت) والی روایت سنی۔

فائدہ: پہلی حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ؓ ان لوگوں سے ہیں جنھوں نے بیعت رضوان کی تھی۔ امام بخاری ؒ کا اس حدیث کو بیان کرنے سے یہی مقصود ہے۔ دوسری حدیث پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ حضرت

---

[1] صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3576.

عقبہ بن صہبان کا حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت کیا جائے، چنانچہ اس میں اس کی صراحت ہے۔

٤٨٤٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ. [راجع: ١٣٦٣]

[4843] حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ اصحابِ شجرہ (درخت کے نیچے بیعت کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) میں سے تھے۔

فائدہ: اس مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کا متن بیان نہیں کیا کیونکہ آپ کا مقصد صرف یہ تھا کہ انھیں اصحابِ شجرہ (درخت کے نیچے بیعت کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) میں سے ثابت کیا جائے، چنانچہ ایک روایت میں صراحت ہے، حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ سے بیعت رضوان کی تھی۔[1]

٤٨٤٤ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّلَمِيُّ: حَدَّثَنَا يَعْلَى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ سِيَاهٍ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ: أَتَيْتُ أَبَا وَائِلٍ أَسْأَلُهُ فَقَالَ: كُنَّا بِصِفِّينَ، فَقَالَ رَجُلٌ: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللهِ تَعَالَى؟ فَقَالَ عَلِيٌّ: نَعَمْ، فَقَالَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ: اتَّهِمُوا أَنْفُسَكُمْ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنَا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ - يَعْنِي الصُّلْحَ الَّذِي كَانَ بَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ وَالْمُشْرِكِينَ - وَلَوْ نَرَى قِتَالًا لَقَاتَلْنَا، فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ: أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ، وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ؟ أَلَيْسَ قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ؟ قَالَ: «بَلَى»، قَالَ: فَفِيمَ أُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا وَنَرْجِعُ، وَلَمَّا يَحْكُمِ اللهُ بَيْنَنَا؟ فَقَالَ: «يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! إِنِّي رَسُولُ اللهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللهُ أَبَدًا»، فَرَجَعَ مُتَغَيِّظًا فَلَمْ يَصْبِرْ، حَتَّى جَاءَ أَبَا بَكْرٍ فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ! أَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ وَهُمْ

[4844] حضرت حبیب بن ابی ثابت سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت ابو وائل کی خدمت میں ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا، انھوں نے کہا: ہم مقام صفین میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اس دوران میں ایک شخص نے کہا: آپ کا ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو کتاب اللہ کی طرف صلح کے لیے بلائے جاتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ہم قرآنی فیصلے کے لیے تیار ہیں، (لیکن خوارج اس کے خلاف تھے۔) اس پر حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اپنی رائے پر نظر ثانی کرو۔ ہم لوگ حدیبیہ کے مقام پر تھے...... ان کی مراد صلح حدیبیہ تھی جو نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان طے پائی تھی...... اگر ہم مناسب سمجھتے تو ضرور جنگ کرتے۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ (رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے اور عرض کی: کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا کفار باطل پر نہیں ہیں؟ کیا ہمارے شہداء جنت میں نہیں جائیں گے اور کیا کفار کے مقتولین جہنم کا ایندھن نہیں بنیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4171.

عَلَى الْبَاطِلِ؟ قَالَ: يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! إِنَّهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَنْ يُضَيِّعَهُ اللهُ أَبَدًا، فَنَزَلَتْ سُورَةُ الْفَتْحِ. [راجع: ٣١٨١]

فرمایا: ''کیوں نہیں، یہ سب کچھ صحیح ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: پھر میں اپنے دین کے معاملے میں اس قدر ذلت کا مظاہر کیوں کروں اور ہم کیوں واپس جائیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ہمارے درمیان کوئی فیصلہ نہیں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔'' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ (رسول اللہ ﷺ کے پاس سے) غصے کی حالت میں واپس آگئے اور انھوں نے صبر وثبات کا مظاہرہ نہ کیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: کیا ہم حق پر اور وہ (کفار مکہ) باطل پر نہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے ابن خطاب! یقیناً آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ پھر سورۂ فتح نازل ہوئی۔

فوائد ومسائل: ① واقعات یہ ہیں کہ جنگ صفین میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپاہی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں پر غالب ہونے لگے تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ تم قرآن کریم کو بلند کرواور کہو کہ اس قرآن پر دونوں فیصلہ کرلیں۔ جب قرآن کریم سامنے آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو تم لوگوں سے بڑھ کر اس پر عمل کرنے والا ہوں۔ اتنے میں خوارج درمیان میں بھڑک اٹھے اور کہنے لگے کہ ہمیں یہ فیصلہ منظور نہیں کیونکہ فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کا ہونا چاہیے، ہم اس فیصلے کا انتظار نہیں کرتے۔ ہم تو ضرور جنگ کریں گے۔ اس صورت حال کے پیش نظر حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے تقریر کی جو خوارج کے خلاف تھی۔ آپ نے کہا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہمارے سامنے ایسی شرائط آئیں کہ ہم انھیں قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے بلکہ مرنے اور مارنے کے لیے آمادہ تھے لیکن ہم نے اپنے جذبات پر کنٹرول کیا اور اپنی رائے پر نظر ثانی کی تو اس میں اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت فرمائی۔ ② بہر حال صلح حدیبیہ جسے مسلمان بظاہر اپنی توہین اور شکست سمجھ رہے تھے وہ درحقیقت ان کی معجزانہ فتح تھی جس کے متعلق کفار تو درکنار مسلمانوں کو بھی سمجھ نہیں آرہی تھی حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں کر پائے تھے، پھر جوں جوں اس کے نتائج سامنے آتے گئے، مسلمانوں کو یقین ہوتا چلا گیا کہ واقعی یہ صلح اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو احساس ہوا وہ خود فرماتے ہیں کہ اس موقع پر مجھ سے جو بے ادبی پر مشتمل گفتگو ہوئی اس کی تلافی کے لیے میں نے اس کے بعد کئی نیک عمل کیے۔[1]

1 صحيح البخاري، الشروط، حديث: 2731.

(٤٩) سُورَةُ الْحُجُرَاتِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 49-تفسیر سورۂ حجرات

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿لَا تُقَدِّمُوا﴾ [١]: لَا تَفْتَاتُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ حَتَّى يَقْضِيَ اللهُ عَلَى لِسَانِهِ. ﴿امْتَحَنَ﴾ [٣]: أَخْلَصَ. ﴿وَلَا تَنَابَزُوا﴾ [١١]: يُدْعَى بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ. ﴿يَلِتْكُمْ﴾ [١٤]: يَنْقُصْكُمْ. أَلَتْنَا: نَقَصْنَا.

امام مجاہد نے کہا: لَا تُقَدِّمُوْا کے معنی ہیں: تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے سبقت نہ کیا کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان پر فیصلہ کر دے۔ اِمْتَحَنَ بمعنی اَخْلَصَ، یعنی خالص کر لیا، چن لیا۔ وَلَا تَنَابَزُوْا کا مطلب ہے: مسلمان ہونے کے بعد کفر کے ساتھ پکارنا۔ یَلِتْکُمْ کے معنی ہیں: کمی کرنا اور اَلَتْنَا کے معنی ہیں: ہم نے کمی کی۔

(١) بَابٌ: ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ الْآيَةَ [٢]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز پر اونچی نہ کرو'' کا بیان

﴿تَشْعُرُونَ﴾: تَعْلَمُونَ؛ وَمِنْهُ الشَّاعِرُ.

تَشْعُرُوْنَ کے معنی ہیں: تم جانتے ہو۔ اسی سے لفظ شاعر ماخوذ ہے، یعنی جاننے والا۔

وضاحت: اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اس ادب واحترام کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے: پہلا ادب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمھاری آواز رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو اور دوسرا ادب یہ ہے کہ جب خود رسول اللہ ﷺ سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سکون سے کرو، اس طرح اونچی اونچی آواز میں بات نہ کرو جس طرح تم آپس میں بے تکلفی سے گفتگو کرتے ہو جیسا کہ درج ذیل شان نزول سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

٤٨٤٥ - حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ بْنِ جَمِيلٍ اللَّخْمِيُّ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: كَادَ الْخَيِّرَانِ أَنْ يَهْلِكَا: أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، رَفَعَا أَصْوَاتَهُمَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَدِمَ عَلَيْهِ رَكْبُ بَنِي تَمِيمٍ، فَأَشَارَ أَحَدُهُمَا بِالْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ أَخِي بَنِي مُجَاشِعٍ. وَأَشَارَ الْآخَرُ بِرَجُلٍ آخَرَ - قَالَ

[4845] حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے سامنے آوازیں بلند کرنے کی بنا پر دو نیک ترین آدمی تباہ ہونے کو تھے، یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ قصہ یوں ہے کہ بنو تمیم کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا، ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس کی سرداری کا مشورہ دیا جو بنو مجاشع سے تھا اور دوسرے نے کسی دوسرے کا مشورہ دیا۔ نافع نے کہا کہ ان کا نام مجھے یاد نہیں

نَافِعٌ: لَا أَحْفَظُ اسْمَهُ - فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ: مَا أَرَدْتَّ إِلَّا خِلَافِي، قَالَ: مَا أَرَدْتُّ خِلَافَكَ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا فِي ذٰلِكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَرْفَعُوٓا۟ أَصْوَٰتَكُمْ﴾ اَلْآيَةَ.

رہا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تمھارا مقصد صرف میری مخالفت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا ارادہ آپ سے اختلاف کرنا نہیں ہے۔ اس معاملے میں دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ...﴾

قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: فَمَا كَانَ عُمَرُ يُسْمِعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ حَتّٰى يَسْتَفْهِمَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ ذٰلِكَ عَنْ أَبِيهِ - يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ -. [راجع: ٤٣٦٧]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنی آہستہ بات کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان سے پوچھنے کی ضرورت پیش آتی، لیکن انھوں نے یہ بات اپنے نانا، یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل نہیں کی۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے پاس 9 ہجری میں بنوتمیم کا ایک وفد آیا اور آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کا کوئی سردار مقرر فرمادیں۔ ابھی آپ خاموش تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن معبد کے امیر بنانے کا مشورہ دیا۔ اس دوران میں دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہوگئیں تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ ② ایک روایت میں ہے کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرتے تو گویا ایک راز داں کی طرح بات کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان سے پوچھنے کی ضرورت پڑتی۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ کے رسول! میں نے قسم اٹھائی ہے کہ آئندہ ایک راز داں کی طرح آپ سے گفتگو کروں گا۔[2]

٤٨٤٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا أَزْهَرُ ابْنُ سَعْدٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ قَالَ: أَنْبَأَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ افْتَقَدَ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنَا أَعْلَمُ لَكَ عِلْمَهُ، فَأَتَاهُ فَوَجَدَهُ جَالِسًا فِي بَيْتِهِ مُنَكِّسًا رَأْسَهُ، فَقَالَ لَهُ: مَا شَأْنُكَ؟ فَقَالَ: شَرٌّ، كَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ

[4846] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنی مجلس میں گم پایا تو ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں اس کا حال معلوم کر کے آپ کو بتاؤں گا، چنانچہ وہ گیا تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے دیکھا، پوچھا: کیا حال ہے؟ کہنے لگے: برا حال ہے، میری تو آواز ہی نبی ﷺ کی آواز سے بلند ہوتی تھی، میرے تو اعمال ضائع ہوگئے اور میں اہل دوزخ سے قرار دیا گیا ہوں۔ وہ آدمی

1 صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، حديث: 7302. 2 فتح الباري: 752/8.

وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَأَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ ﷺ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ مُوسَى: فَرَجَعَ إِلَيْهِ الْمَرَّةَ الْآخِرَةَ، بِبِشَارَةٍ عَظِيمَةٍ، فَقَالَ: «اِذْهَبْ إِلَيْهِ فَقُلْ لَهُ: إِنَّكَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَلٰكِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ». [راجع: ٣٦١٣]

نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو حالات سے آگاہ کیا کہ انھوں نے یہ یہ کہا ہے، چنانچہ وہ دوبارہ ان کے لیے ایک عظیم بشارت لے کر ان کے پاس آیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''ان کے پاس جاؤ اور انھیں بتاؤ کہ تم اہل دوزخ سے نہیں ہو بلکہ تم اہل جنت سے ہو۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت ثابت بن قیس ؓ خطیب الانصار تھے۔ مسیلمہ کذاب جب مدینہ طیبہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھی کو اس سے گفتگو کرنے کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ ان کی آواز قدرتی طور پر بھاری اور بلند تھی، اس لیے آپ آیت میں مذکور حکم سے ڈر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا کہ تم بے ادبی اور عدم احترام کی وجہ سے آواز بلند نہیں کرتے بلکہ قدرتی طور پر تمھاری آواز بلند ہے، اس لیے قابل مؤاخذہ نہیں۔ ② یہ حکم صرف صحابۂ کرام ؓ ہی کے لیے مخصوص نہیں تھا بلکہ اس کا اطلاق ایسے مواقع پر بھی ہوتا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہو رہا ہو، آپ کی احادیث بتائی جا رہی ہوں بلکہ حضرت عمر ؓ تو مسجد نبوی میں اونچی آواز سے بولنے والوں کا محاسبہ کرتے تھے، چنانچہ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ مجھے ایک آدمی نے کنکری ماری میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب ؓ تھے۔ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ ان دو آدمیوں کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ میں انھیں پکڑ کر آپ کے پاس لایا تو آپ نے ان سے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم طائف سے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تمھیں سزا دیتا۔ تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اونچی آواز میں گفتگو کرتے ہو۔[1]

(٢) بَابٌ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [٤]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں'' کا بیان

وضاحت: مدینہ طیبہ کے آس پاس سے کچھ دیہاتی، غیر مہذب لوگ آتے، جنھیں نہ گھر سے بلانے کا سلیقہ آتا تھا اور نہ وہ آداب گفتگو ہی سے آگاہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی طبعی شرم وحیا کی وجہ سے انھیں کچھ نہیں کہتے تھے۔ ایسے ناشائستہ اور بے وقوف قسم کے لوگوں کو اس آیت کے ذریعے سے تنبیہ کی گئی ہے۔

٤٨٤٧ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا

[4847] حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے روایت ہے

① صحیح البخاري، الصلاة، حدیث: 470.

الْحَجَّاجُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُمْ أَنَّهُ قَدِمَ رَكْبٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَمِّرِ الْقَعْقَاعَ بْنَ مَعْبَدٍ، وَقَالَ عُمَرُ: أَمِّرِ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا أَرَدْتَّ إِلَى - أَوْ: إِلَّا - خِلَافِي، فَقَالَ عُمَرُ: مَا أَرَدْتُّ خِلَافَكَ، فَتَمَارَيَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، فَنَزَلَ فِي ذٰلِكَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُقَدِّمُوا۟ بَيْنَ يَدَىِ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ﴾ حَتَّى انْقَضَتِ الْآيَةُ. [راجع: ٤٣٦٧]

کہ قبیلۂ بنوتمیم کا ایک قافلہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ، قعقاع بن معبد کو ان کا امیر مقرر کر دیں، جبکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا بلکہ آپ اقرع بن حابس کو ان کا سردار بنا دیں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمر! تم نے تو میری مخالفت کا ارادہ کر رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ کی مخالفت کا ارادہ نہیں کیا۔ بہرحال دونوں حضرات جھگڑ پڑے حتی کہ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ أٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ......﴾

فائدہ: مذکورہ ادب اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس کے لیے سکھایا گیا ہے اور اس کے مخاطب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں یا وہ لوگ جو آپ کے زمانے میں موجود تھے اور یہ ادب اس لیے سکھایا گیا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کو ایک عام اور معمولی آدمی خیال نہ کریں بلکہ وہ یہ سمجھیں کہ اللہ کے رسول کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کے رسول اور اس کے مستند نمائندے ہیں جن کی شان دنیا کے افسروں اور بادشاہوں سے بہت ارفع اور اعلیٰ ہے، تاہم اس حکم کا اطلاق ایسے مواقع پر بھی ہوتا ہے جہاں آپ کے ارشادات، معمولات اور آپ کا اخلاق و کردار بیان ہو رہا ہو، یا آپ کی احادیث پڑھی، پڑھائی جا رہی ہوں۔ واللہ أعلم.

بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا۟ حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ [٥]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ (خود ہی) ان کی طرف آتے تو یہ (صبر کرنا) ان کے لیے بہتر ہوتا'' کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں فرمائی، تاہم قبیلۂ بنوتمیم کے بعض گنوار قسم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے آرام کے وقت آئے اور حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عام انداز میں آوازیں دینا شروع کر دیں تاکہ آپ باہر تشریف لے آئیں جبکہ آپ اس وقت قیلولہ فرما رہے تھے۔ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی کہ انھیں انتظار کرنا چاہیے تھا اور اس طرح آواز دینے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے تھا۔[1]

[1] مسند أحمد: 3/488.

(٥٠) سُورَةُ قٓ — بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — 50- تفسیر سورۂ قٓ

﴿رَجْعٌۢ بَعِيدٌ﴾ [٣]: رَدٌّ. ﴿فُرُوجٍ﴾ [٦]: فُتُوقٍ، وَاحِدُهَا فَرْجٌ. ﴿مِنْ حَبْلِ ٱلْوَرِيدِ﴾ [١١]: وَرِيدَاهُ فِي حَلْقِهِ؛ وَالْحَبْلُ حَبْلُ الْعَاتِقِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مَا تَنقُصُ ٱلْأَرْضُ﴾ [٤] مِنْ عِظَامِهِمْ. ﴿تَبْصِرَةً﴾ [٨]: بَصِيرَةً. ﴿وَحَبَّ ٱلْحَصِيدِ﴾ [٩]: اَلْحِنْطَةُ. ﴿بَاسِقَٰتٍ﴾ [١٠]: اَلطِّوَالُ. ﴿أَفَعَيِينَا﴾ [١٥]: أَفَأَعْيِيٰ عَلَيْنَا [حِينَ أَنْشَأَكُمْ وَأَنْشَأَ خَلْقَكُمْ]. ﴿وَقَالَ قَرِينُهُۥ﴾ [٢٣]: اَلشَّيْطَانُ الَّذِي قُيِّضَ لَهُ. ﴿فَنَقَّبُوا۟﴾ [٣٦]: ضَرَبُوا. ﴿أَوْ أَلْقَى ٱلسَّمْعَ﴾ [٣٧]: لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِغَيْرِهِ. ﴿رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [١٨]: رَصَدٌ. ﴿سَآئِقٌ وَشَهِيدٌ﴾ [٢١]: اَلْمَلَكَانِ؛ كَاتِبٌ وَشَهِيدٌ. ﴿شَهِيدٌ﴾: شَاهِدٌ بِالْغَيْبِ. ﴿لُغُوبٍ﴾ [٣٨]: اَلنَّصَبِ، وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿نَّضِيدٌ﴾ [١٠]: اَلْكُفُرَّى مَا دَامَ فِي أَكْمَامِهِ، وَمَعْنَاهُ: مَنْضُودٌ بَعْضُهُ عَلٰى بَعْضٍ، فَإِذَا خَرَجَ مِنْ أَكْمَامِهِ فَلَيْسَ بِنَضِيدٍ. فِي ﴿وَإِدْبَٰرَ ٱلنُّجُومِ﴾ [الطور: ٤٩] ﴿وَأَدْبَٰرَ ٱلسُّجُودِ﴾ [٤٠] كَانَ عَاصِمٌ يَفْتَحُ الَّتِي فِي قٓ وَيَكْسِرُ الَّتِي فِي الطُّورِ، وَيُكْسَرَانِ جَمِيعًا وَيُنْصَبَانِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿يَوْمُ ٱلْخُرُوجِ﴾ [٤٢]: يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْقُبُورِ.

رَجْعٌ بَعِيْدٌ کے معنی ہیں: دنیا کی طرف دوبارہ لوٹنا بعید از امکان ہے۔ فُرُوْجٍ کے معنی شگاف کے ہیں۔ اس کا مفرد فرج ہے۔ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کے معنی ہیں: شہ رگ۔ یہ حلق میں دو ہوتی ہیں اور حبل گردن کی رگ کو کہتے ہیں۔ امام مجاہد نے کہا: مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ سے مراد ہڈیاں ہیں جنھیں زمین کھاتی اور کم کرتی ہے۔ تَبْصِرَةً کے معنی ہیں: بصیرت، یعنی راہ دکھانا۔ وَحَبَّ الْحَصِيْدِ کے معنی ہیں: گیہوں کے دانے۔ بٰسِقٰتٍ کے معنی ہیں: لمبے لمبے۔ اَفَعَيِيْنَا: کیا ہم اس سے عاجز ہو گئے ہیں (جبکہ اس سے پہلے ہم تمھیں وجود بخش چکے)۔ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ میں قرین سے مراد وہ ہمزاد (شیطان) ہے جو ہر آدمی کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ فَنَقَّبُوْا کے معنی ہیں: وہ چلے پھرے۔ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ کا مطلب ہے کہ اپنے دل میں دوسرا کوئی خیال نہ لائے، یعنی کان لگا کر سنے۔ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ: ایسا نگران جو مستعد اور تیار ہو۔ سَائِقٌ وَ شَهِيْدٌ: اس سے مراد دو فرشتے ہیں: ایک لکھنے والا اور دوسرا گواہ۔ شہید سے مراد جو غیب کی گواہی دینے والا ہو۔ لُغُوْبٍ کے معنی ہیں: تھکاوٹ۔ مجاہد کے علاوہ نے کہا: نَضِيْدٌ سے مراد وہ خوشہ ہے جو پتوں کے غلاف میں چھپا رہے اور تہ بہ تہ ہو۔ جب وہ غلاف سے باہر آجائے تو اسے نضید نہیں کہتے۔ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ جو سورۂ طور میں ہے۔ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ (جو سورۂ قٓ میں ہے) امام عاصم سورۂ قٓ میں فتحہ کے ساتھ اور سورۂ طور میں کسرہ سے پڑھتے ہیں۔ کچھ حضرات نے دونوں جگہ کسرہ اور کچھ

حضرات نے دونوں جگہ فتحہ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: يَوْمُ الْخُرُوْجِ سے مراد وہ دن جب وہ قبروں سے نکلیں گے۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ﴾ [٣٠]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور وہ (جہنم) کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہے'' کی تفسیر

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اس دن ہم جہنم سے پوچھیں گے: کیا تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہے۔''[1] اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ جہنم اس قدر وسیع ہوگی کہ تمام مستحقین جہنم کے اس میں داخل ہونے کے بعد بھی اس میں جگہ بچ رہے گی، خواہ یہ دوزخی انسانوں سے ہوں یا جنوں سے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يُلْقَى فِي النَّارِ وَتَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ، حَتَّى يَضَعَ قَدَمَهُ فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ». [انظر: ٦٦٦١، ٧٣٨٤]

[4848] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جہنمی، دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو دوزخ یہی کہتی رہے گی: کچھ اور بھی ہے، یہاں تک کہ اللہ رب العزت اپنا قدم اس پر رکھ دے گا۔ اس وقت وہ کہے گی: بس بس (میں بھر گئی)۔''

٤٨٤٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْقَطَّانُ: حَدَّثَنَا أَبُو سُفْيَانَ الْحِمْيَرِيُّ سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ - وَأَكْثَرُ مَا كَانَ يُوقِفُهُ أَبُو سُفْيَانَ -: «يُقَالُ لِجَهَنَّمَ: هَلِ امْتَلَأْتِ، وَتَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ؟ فَيَضَعُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدَمَهُ عَلَيْهَا فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ». [انظر: ٤٨٥٠، ٧٤٤٩]

[4849] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ اسے مرفوع (رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے) بیان کرتے تھے۔ راویٔ حدیث ابوسفیان حمیری اسے موقوف، یعنی حضرت ابو ہریرہ ؓ کا قول بیان کرتے ہیں: ''جہنم سے پوچھا جائے گا: کیا تو بھر گئی ہے؟ وہ جواب دے گی: کچھ اور بھی ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھ دے گا تو وہ کہے گی: بس بس۔''

فوائد ومسائل: ① قرآن کریم میں ہے: ''یقیناً میں جہنم کو جنوں اور انسانوں، سب سے ضرور بھروں گا۔''[2] جب اس وعدے کا ایفا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کافر جنوں اور انسانوں کو جہنم میں ڈال دے گا تو جہنم سے پوچھے گا: کیا تو بھر گئی ہے؟ وہ

---

[1] قٓ 50:30. [2] السجدة 32:13.

جواب دے گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟ یعنی تیرے دشمنوں کے لیے میرے دامن میں اب بھی گنجائش ہے۔ جہنم سے اللہ تعالیٰ کی گفتگو اور جہنم کا جواب دینا، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے قطعاً بعید نہیں۔ اس سوال و جواب سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: ایک یہ کہ جہنم بہت بڑی اور وسیع ہوگی کہ تمام جہنمی اس میں ڈال دیے جائیں لیکن اس میں مزید گنجائش ہوگی، دوسرے یہ کہ جہنم اس دن اس قدر غیظ و غضب میں بھڑک رہی ہوگی کہ وہ جواب میں کہے گی: جتنے مجھ میں داخل ہونے کے مستحق ہیں سب کو لے آؤ، میں آج کسی کو نہیں چھوڑوں گی۔ ② کچھ لوگ اس مقام پر قدم کی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد اس کا ذلیل کرنا ہے یا کسی مخلوق کا قدم ہے لیکن ہم اہل سنت اس کی کوئی تاویل نہیں کرتے بلکہ قدم اور رِجل کو اس طرح تسلیم کرتے ہیں جیسے سمع، بصر، عین اور وجہ کو مانتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل کتاب التوحید حدیث: 7449 میں آئے گی۔ بإذن الله تعالىٰ.

٤٨٥٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالْمُتَجَبِّرِينَ، وَقَالَتِ الْجَنَّةُ: مَا لِي لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ؟ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي، وَقَالَ لِلنَّارِ: إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابٌ أُعَذِّبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِي، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مِلْؤُهَا، فَأَمَّا النَّارُ: فَلَا تَمْتَلِئُ حَتَّى يَضَعَ رِجْلَهُ فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ، فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيُزْوَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ، وَلَا يَظْلِمُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا. وَأَمَّا الْجَنَّةُ: فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا». [راجع: ٤٨٤٩]

[4850] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ نے باہمی تکرار کی۔ دوزخ نے کہا: میں تو متکبروں اور ظالموں کے لیے خاص کی گئی ہوں۔ جنت نے کہا: میرے اندر تو صرف کمزور اور ناتواں اور کم مرتبے والے لوگ داخل ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے۔ میں تیرے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں گا رحم کروں گا۔ اور دوزخ سے کہا کہ تو میرا عذاب ہے، میں تیرے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا سزا دوں گا۔ بہرحال ان دونوں کو بھرنا ضرور ہے۔ دوزخ تو اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک اللہ رب العزت اپنا قدم اس پر نہیں رکھے گا۔ جب وہ قدم رکھے گا تو اس وقت دوزخ بولے گی کہ بس، بس اور بس۔ پھر اس وقت یہ بھر جائے گی اور اس کا ایک حصہ دوسرے حصے سے لپٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ لیکن جنت! تو بلاشبہ اس (کو بھرنے) کے لیے اللہ تعالیٰ وہاں ایک مخلوق پیدا کرے گا۔''

فوائد و مسائل: ① اس سوال و جواب میں دوزخ نے متکبرین کا انداز اختیار کیا جبکہ جنت عاجزی اور انکسار کا اظہار کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ان دونوں کو بھرنا ضرور ہے۔ اہل جنت جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو جنت میں ابھی بہت

سی جگہ خالی ہوگی، اسے بھرنے کے لیے اللہ تعالیٰ موقع پر کوئی مخلوق پیدا کرے گا اور اسے وہاں بسا دے گا لیکن دوزخ کو بھرنے کے لیے اپنا قدم اس پر رکھ دے گا جس کی وجہ سے وہ بس، بس کہنے لگے گی۔ ② اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا کہ جہنم کو بھرنے کے لیے وہاں کسی مخلوق کو پیدا کر کے اس میں جھونک دے لیکن بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھرنے کے لیے موقع پر کوئی مخلوق پیدا کرے گا۔[1] اس مقام پر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بہت خوبصورت بات کہی ہے، فرماتے ہیں: جنت میں فالتو جگہ بھرنے کے لیے تو اللہ تعالیٰ موقع پر کوئی مخلوق پیدا کر کے وہاں انھیں بسا دے گا، لیکن جہنم میں بھی فالتو جگہ ہوگی۔ صحیح بخاری میں ایک جگہ پر ہے کہ اسے بھرنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ موقع پر کوئی مخلوق پیدا کرے گا جبکہ صحیح بخاری کی دیگر روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھ دے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے راوی کی غلطی کو واضح کرنے کے لیے جان بوجھ کر یہ انداز اختیار کیا ہے کہ ایک مقام پر اس کی غلطی کی نشاندہی کی ہے جبکہ دوسرے مقامات پر صحیح بات ذکر کی ہے۔[2] ③ ہمارے رجحان کے مطابق جہنم کو بھرنے کے لیے کسی مخلوق کو پیدا نہیں کرے گا، بلکہ اپنا قدم رکھ دے گا پھر وہ جہنم بس، بس کہہ اٹھے گی۔ واللّٰه أعلم.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ ٱلشَّمْسِ وَقَبْلَ ٱلْغُرُوبِ﴾ [٣٩]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے تسبیح کیجیے'' کا بیان

وضاحت: طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے پروردگار کی حمد سے مراد فرض نمازیں ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٥١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَقَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا، لَا تُضَامُونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَنْ صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا»، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ ٱلشَّمْسِ وَقَبْلَ ٱلْغُرُوبِ﴾. [راجع: ٥٥٤]

[4851] حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک رات نبی ﷺ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا تو فرمایا: ''یقیناً تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اسے دیکھنے میں تمھیں دھکم پیل نہیں کرنی پڑے گی، اس لیے اگر تمھارے لیے ممکن ہو تو طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے نماز نہ چھوڑو۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''آفتاب نکلنے اور غروب ہوتے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں۔''

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7449. 2 منهاج السنة: 25/3.

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ اگر ممکن ہو تو یہ نمازیں تم سے فوت نہیں ہونی چاہئیں۔[1] ایک حدیث میں نماز فجر اور نماز عصر کی صراحت ہے۔[2] ② اس حدیث میں نماز عصر اور نماز فجر کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ قیامت کے دن ان نمازوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے دیدار کا باعث ہوگی۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھے گا وہ دوزخ کی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔''[3]

٤٨٥٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَرَهُ أَنْ يُسَبِّحَ فِي أَدْبَارِ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا، يَعْنِي قَوْلَهُ: ﴿وَأَدْبَٰرَ ٱلسُّجُودِ﴾ [٤٠].

[4852] حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ انھیں حضرت ابن عباس ؓ نے تمام نمازوں کے بعد تسبیح پڑھنے کا حکم دیا۔ آپ کا مقصد درج ذیل آیت کریمہ کی تشریح کرنا تھا...... ''اور نماز کے بعد بھی۔''

فائدہ: ان تسبیحات سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق اہل علم کے تین اقوال ہیں: ○ فرض نمازوں کے بعد تسبیحات پڑھنا ہے۔ ○ مغرب کی نماز کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا ہے۔ ○ فرض نماز کے بعد نوافل کی ادائیگی ہے۔ مذکورہ حدیث سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٥١) سُورَةُ ﴿وَٱلذَّٰرِيَٰتِ﴾ بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ 51- تفسیر سورۂ ذاریات

قَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اَلذَّارِيَاتُ: اَلرِّيَاحُ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿تَذْرُوهُ﴾ [الكهف: ٤٥]: تُفَرِّقُهُ. ﴿وَفِىٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ [٢١]: تَأْكُلُ وَتَشْرَبُ فِي مَدْخَلٍ وَاحِدٍ، وَيَخْرُجُ مِنْ مَوْضِعَيْنِ. ﴿فَرَاغَ﴾ [٢٦]: فَرَجَعَ. ﴿فَصَكَّتْ﴾ [٢٩]: فَجَمَعَتْ أَصَابِعَهَا، فَضَرَبَتْ بِهِ جَبْهَتَهَا. وَالرَّمِيمُ: نَبَاتُ الْأَرْضِ إِذَا يَبِسَ وَدِيسَ. ﴿لَمُوسِعُونَ﴾ [٤٧]: أَيْ: لَذُو سَعَةٍ؛ وَكَذٰلِكَ ﴿عَلَى ٱلْمُوسِعِ قَدَرُهُۥ﴾ [البقرة: ٢٣٦] يَعْنِي: الْقَوِيَّ.

حضرت علی ؓ نے فرمایا: اَلذَّارِيَاتُ سے مراد ہوائیں ہیں۔ ان کے علاوہ نے کہا: تَذْرُوْهُ کے معنی ہیں: اسے بکھیر دے اور منتشر کر دے۔ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ یعنی خود تمھاری ذات میں نشانیاں ہیں: تمھارا کھانا، پینا ایک راستے منہ سے ہوتا ہے اور اس کے اخراج کے لیے دو راستے ہیں۔ فَرَاغَ کے معنی ہیں: لوٹ کر آیا۔ فَصَكَّتْ کے معنی ہیں: مٹھی باندھ کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ الرَّمِيْم: زمین کی وہ گھاس جو خشک ہو جائے اور اسے روندا جائے۔ لَمُوْسِعُوْنَ کا مطلب ہے کہ ہم یقیناً وسعت

---

① صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 554. ② صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1434 (633). ③ صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1436 (634).

﴿زَوْجَيْنِ﴾ [٤٩]: اَلذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى؛ وَاخْتِلَافَ الْأَلْوَانِ: حُلْوٍ وَحَامِضٍ، فَهُمَا زَوْجَانِ ﴿فَفِرُّوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ﴾ [٥٠]: مِنَ اللهِ إِلَيْهِ. ﴿إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [٥٦]: مَا خَلَقْتُ أَهْلَ السَّعَادَةِ مِنْ أَهْلِ الْفَرِيقَيْنِ إِلَّا لِيُوَحِّدُونِ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: خَلَقَهُمْ لِيَفْعَلُوا، فَفَعَلَ بَعْضٌ وَتَرَكَ بَعْضٌ وَلَيْسَ فِيهِ حُجَّةٌ لِأَهْلِ الْقَدَرِ. وَالذَّنُوبُ: اَلدَّلْوُ الْعَظِيمُ.

والے ہیں۔ اسی طرح عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ میں موسع سے صاحبِ وسعت، قدرت والا مراد ہے۔ زَوْجَیْنِ سے مراد ہیں: نر مادہ، یا الگ الگ رنگ یا الگ الگ ذائقے، مثلاً: میٹھی اور ترش چیزیں، یہ بھی زوجین میں شامل ہیں۔ فَفِرُّوْآ اِلَی اللّٰہِ، یعنی اللہ کی معصیت سے اس کی اطاعت کی طرف بھاگ آؤ۔ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کے معنی ہیں کہ جن و انس میں جتنی بھی نیک روحیں ہیں، انھیں میں نے صرف اپنی توحید کے لیے پیدا کیا ہے۔ بعض حضرات نے یہ معنی بھی کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو پیدا تو اسی مقصد کے لیے کیا تھا کہ وہ اللہ کی توحید کو اختیار کریں لیکن کچھ نے مانا اور کچھ نے نہیں مانا۔ قدریہ کے لیے اس آیت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اَلذَّنُوْبُ بڑے ڈول کو کہتے ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ذَنُوبًا﴾ [٥٩]: سَبِيلًا. ﴿صَرَّةٍ﴾ [٢٩]: صَيْحَةٍ. ﴿ٱلْعَقِيمَ﴾: اَلَّتِي لَا تَلِدُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَالْحُبُكُ: اِسْتِوَاؤُهَا وَحُسْنُهَا. ﴿فِي غَمْرَةٍ﴾ [١١]: فِي ضَلَالَتِهِمْ يَتَمَادَوْنَ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿وَتَوَاصَوْاْ﴾ [٥٣]: تَوَاطَؤُوا. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ [٣٤]: مُعَلَّمَةً، مِنَ السِّيمَا. ﴿قُتِلَ ٱلْإِنسَٰنُ﴾ [عبس: ١٧]: لُعِنَ.

امام مجاہد نے کہا: ذَنُوْباً کے معنی ہیں: راستہ۔ صَرَّةٍ کے معنی ہیں: چیخ پکار کرنا۔ اَلْعَقِیم سے مراد وہ عورت ہے جو بچہ نہ جنے، یعنی بانجھ۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: والْحُبُك سے مراد آسمان کا خوبصورت اور ہموار ہونا ہے۔ فِیْ غَمْرَةٍ سے مراد وہ گمراہی میں پڑے اپنے اوقات گزارتے ہیں۔ دوسروں نے کہا: تَوَاصَوْا کے معنی ہیں: انھوں نے اتفاق کر لیا۔ مُسَوَّمَةً کا لفظ سِیمَا سے ماخوذ ہے جس کے معنی نشان زدہ کے ہیں۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ سے مراد لعنت زدہ ہیں۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس سورت کی تفسیر میں کسی مرفوع حدیث کا حوالہ نہیں دیا صرف چند الفاظ کی لغوی تشریح پر اکتفا کیا ہے، البتہ درج ذیل حدیث ان کی شرط کے مطابق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے سورۂ ذاریات کی یہ آیت اس طرح پڑھائی تھی: ﴿إِنِّي أَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ﴾۔[1] حافظ ابن حجر ؒ نے بھی اسی طرح

[1] سنن أبي داود، الحروف، حديث : 3993.

بیان کیا ہے۔[1]

(٥٢) سُورَةُ ﴿وَالطُّورِ﴾ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 52- تفسیر سورۂ طور

وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿مَسْطُورٍ﴾ [٢]: مَكْتُوبٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: اَلطُّورُ: اَلْجَبَلُ بِالسُّرْيَانِيَّةِ. ﴿رَقٍّ مَنْشُورٍ﴾ [٣]: صَحِيفَةٍ. ﴿وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ﴾ [٥]: سَمَاءٌ. وَ﴿الْمَسْجُورِ﴾ [٦]: اَلْمُوقَدِ؛ وَقَالَ الْحَسَنُ: تُسْجَرُ حَتَّى يَذْهَبَ مَاؤُهَا، فَلَا يَبْقَى فِيهَا قَطْرَةٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أَلَتْنَاهُم﴾ [٢١]: نَقَصْنَاهُمْ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿تَمُورُ﴾ [٩] تَدُورُ. ﴿أَحْلَامُهُم﴾ [٣٢]: اَلْعُقُولُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿الْبَرُّ﴾ [٢٨]: اَللَّطِيفُ. ﴿كِسْفًا﴾ [٤٤]: قِطْعًا. ﴿الْمَنُونِ﴾ [٣٠]: اَلْمَوْتَ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿يَتَنَازَعُونَ﴾ [٢٣]: يَتَعَاطَوْنَ.

حضرت قتادہ نے کہا: مَسْطُوْرِ کے معنی ہیں: مکتوب، یعنی لکھی ہوئی۔ امام مجاہد نے کہا: طور سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ رَقٌّ مَّنْشُوْر سے مراد کھلا ہوا صحیفہ ہے۔ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْع سے مراد آسمان ہے۔ اَلْمَسْجُوْر کے معنی ہیں: گرم کیا ہوا۔ امام حسن بصری نے کہا: مسجور سے مراد یہ ہے کہ سمندر اتنا بھڑکایا جائے گا کہ اس کا تمام پانی ختم ہو جائے گا اور اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ امام مجاہد نے کہا: اَلَتْنٰھُمْ سے مراد یہ ہے کہ ہم ان کے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کریں گے۔ امام مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: تَمُوْرُ کے معنی ہیں: آسمان تھرتھرانے لگے گا، لرزے گا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: اَلْبَرُّ کے معنی ہیں: مہربان۔ اَحْلَامُھُمْ کے معنی ہیں: ان کی عقلیں۔ کِسْفًا کے معنی ہیں: ٹکڑا۔ اَلْمَنُوْنِ سے مراد موت ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ کے علاوہ دوسروں نے کہا: یَتَنَازَعُوْنَ کے معنی ہیں کہ اہل جنت تفریح طبع کے طور پر چھینا جھپٹی کریں گے۔

(١) [بَابٌ]:

باب: 1- بلاعنوان

٤٨٥٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ

[4853] حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: میں بیمار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سواری پر بیٹھ کر لوگوں کے

---

[1] فتح الباري: 8/765.

سَلَمَةَ قَالَتْ: شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنِّي أَشْتَكِي، فَقَالَ: «طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ»، فَطُفْتُ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ. [راجع: ٤٦٤]

پیچھے سے طواف کرلو۔" چنانچہ میں نے طواف کیا تو رسول اللہ ﷺ اس وقت خانہ کعبہ کے پہلو میں نماز پڑھتے ہوئے سورۂ والطور و کتاب مسطور کی تلاوت کررہے تھے۔

فائدہ: حضرت ام سلمہ ؓ بیماری کی وجہ سے لوگوں کے ہمراہ طواف نہیں کرسکتی تھیں، اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق مسئلہ پوچھا تھا، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ کے لیے روانہ ہونے کا ارادہ کررہے تھے جبکہ حضرت ام سلمہ ؓ بیماری کی وجہ سے طواف وداع نہیں کرسکی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب صبح کی نماز کھڑی ہوجائے تو اونٹ پر سوار ہوکر لوگوں کے پیچھے سے اپنا طواف مکمل کرلے۔" چنانچہ انھوں نے لوگوں کے نماز پڑھنے کے دوران اپنا طواف مکمل کیا اور طواف کی دو رکعتیں باہر جاکر ادا کیں۔[1] اس تفصیلی روایت سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت طواف کی دو رکعت کو مؤخر کیا جاسکتا ہے اور انھیں بیت اللہ سے باہر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٤٨٥٤ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثُونِي عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ، فَلَمَّا بَلَغَ هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ○ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ ○ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ﴾ كَادَ قَلْبِي أَنْ يَطِيرَ.

[4854] حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نماز مغرب میں سورۂ والطور پڑھ رہے تھے۔ جب آپ درج ذیل آیات پر پہنچے: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ ...... الْمُصَيْطِرُونَ﴾ "کیا وہ بغیر کسی چیز کے خود ہی پیدا ہوگئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں یا آسمانوں اور زمین کو انھوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ وہ یقین ہی نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس آپ کے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ ان خزانوں پر حکم چلانے والے ہیں؟" تو یہ آیات سن کر میرا دل اڑنے لگا۔

قَالَ سُفْيَانُ: فَأَمَّا أَنَا فَإِنَّمَا سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ، لَمْ أَسْمَعْهُ زَادَ الَّذِي قَالُوا لِي. [راجع:

حضرت سفیان نے بیان کیا: میں نے زہری سے سنا ہے، وہ محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کرتے تھے، ان سے ان کے والد جبیر بن مطعم ؓ نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ والطور پڑھتے سنا۔ میرے

1 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1626.

[٧٦٥

ساتھیوں نے اس کے بعد جو اضافہ کیا وہ میں نے زہری سے نہیں سنا۔

فائدہ: واقعہ یہ ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بدر کے قیدیوں میں تھے اور انھیں مسجد میں ٹھہرایا گیا تھا جیسا کہ ایک روایت میں صراحت ہے۔[1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمانۂ کفر میں سنی ہوئی بات یا دیکھا ہوا واقعہ ایمان لانے کے بعد بیان کیا جا سکتا ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے ان آیات کو سنا تو اسلام قبول کرنے کے لیے میرے اندر شوق پیدا ہوا۔ آئندہ چل کر یہ مسلمان ہوئے اور اسلام کی سربلندی کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔[2]

(٥٣) سُورَةُ وَالنَّجْمِ — بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ — 53- تفسیر سورۂ نجم

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ذُو مِرَّةٍ﴾ [٦]: ذُو قُوَّةٍ. ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ [٩]: حَيْثُ الْوَتَرُ مِنَ الْقَوْسِ. ﴿ضِيزَىٰ﴾ [٢٢]: عَوْجَاءُ. ﴿وَأَكْدَىٰ﴾ [٣٤]: قَطَعَ عَطَاءَهُ. ﴿رَبُّ الشِّعْرَىٰ﴾ [٤٩]: هُوَ مِرْزَمُ الْجَوْزَاءِ. ﴿الَّذِي وَفَّىٰ﴾ [٣٧]: وَفَّى مَا فُرِضَ عَلَيْهِ. ﴿أَزِفَتِ الْآزِفَةُ﴾ [٥٧]: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ. ﴿سَامِدُونَ﴾ [٦١]: اَلْبَرْطَمَةُ؛ وَقَالَ عِكْرِمَةُ: يَتَغَنَّوْنَ بِالْحِمْيَرِيَّةِ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: ﴿أَفَتُمَارُونَهُ﴾ [١٢]: أَفَتُجَادِلُونَهُ: وَمَنْ قَرَأَ: (أَفَتَمْرُونَهُ): يَعْنِي أَفَتَجْحَدُونَهُ. ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ﴾ [١٧]: بَصَرُ مُحَمَّدٍ ﷺ. ﴿وَمَا طَغَىٰ﴾: وَمَا جَاوَزَ مَا رَأَى. ﴿فَتَمَارَوْا﴾: [القمر:٣٦]. كَذَّبُوا. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿إِذَا هَوَىٰ﴾ [١]: غَابَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ﴾ [٤٨]: أَعْطَى فَأَرْضَى.

امام مجاہد نے کہا: ذُوْمِرَّةٍ کے معنی ہیں: زور آور، زبردست۔ قَابَ قَوْسَيْنِ: جہاں کمان کی تندی ہوتی ہے۔ ضِيْزٰى کے معنی ہیں: ٹیڑھی، غلط۔ وَاَكْدٰى: اس نے عطیہ دینا موقوف کر دیا۔ رَبُّ الشِّعْرٰى: ایک ستارہ جسے مرزم الجوزاء بھی کہتے ہیں۔ اَلَّذِيْ وَفّٰى کے معنی ہیں: جو ان پر فرض تھا اسے پورا کیا۔ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ: قیامت قریب آ گئی۔ سَامِدُوْنَ سے مراد برطمہ ہے جو ایک قسم کا کھیل ہے۔ حضرت عکرمہ نے کہا: حمیری زبان میں سامدون گانے کو کہتے ہیں۔ ابراہیم نخعی نے کہا: اَفَتُمٰرُوْنَهٗ: کیا تم اس سے جھگڑتے ہو۔ اور جن حضرات نے اسے اَفَتَمْرُوْنَهٗ پڑھا ہے تو اس کے معنی ہیں: کیا تم انکار کرتے ہو۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ: اس سے حضرت محمد ﷺ کی چشم مبارک مراد ہے۔ وَمَا طَغٰى: اور تجاوز نہیں کیا، یعنی جتنا حکم تھا اتنا ہی دیکھا۔ فَتَمَارَوْا کے معنی ہیں: انھوں نے تکذیب کی۔ امام حسن بصری نے کہا: اِذَا هَوٰى کے معنی ہیں: غائب ہوا، ڈوب گیا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وَاَغْنٰى وَاَقْنٰى کے معنی

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 3050. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4023.

ہیں: دیا اور خوش کر دیا۔

(١) [بَابٌ]:

باب:1- بلاعنوان

٤٨٥٥ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: يَا أُمَّتَاهْ! هَلْ رَأٰى مُحَمَّدٌ ﷺ رَبَّهُ؟ فَقَالَتْ: لَقَدْ قَفَّ شَعْرِي مِمَّا قُلْتَ، أَيْنَ أَنْتَ مِنْ ثَلَاثٍ، مَنْ حَدَّثَكَهُنَّ فَقَدْ كَذَبَ؟ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأٰى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ، ثُمَّ قَرَأَتْ: ﴿لَا تُدْرِكُهُ ٱلْأَبْصَـٰرُ وَهُوَ يُدْرِكُ ٱلْأَبْصَـٰرَ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلْخَبِيرُ﴾ [الأنعام: ١٠٣] ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآئِ حِجَابٍ﴾ [الشورى: ٥١]. وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَدْ كَذَبَ، ثُمَّ قَرَأَتْ: ﴿وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ [لقمان: ٣٤] وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ كَتَمَ فَقَدْ كَذَبَ، ثُمَّ قَرَأَتْ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ﴾ ٱلْآيَةَ [المائدة: ٦٧]، وَلٰكِنْ رَأٰى جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صُورَتِهِ مَرَّتَيْنِ.

[راجع: ٣٢٣٤]

[4855] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ ؓ سے عرض کی: اے امی جان! کیا حضرت محمد ﷺ نے (شب معراج میں) اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: تم نے ایسی بات کہہ دی ہے جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیا تم ان تین باتوں سے بے خبر ہو؟ جو شخص بھی تم سے یہ باتیں بیان کرے وہ جھوٹا ہے؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے (شب معراج میں) اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اسے نگاہیں نہیں پا سکتیں لیکن وہ نگاہوں کا احاطہ کرتا ہے اور وہ نہایت باریک بین، باخبر ہے۔'' نیز یہ آیت بھی تلاوت کی: ''کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی یا پردے کے پیچھے سے......'' اور جو شخص تم سے یہ بات کہے کہ حضرت محمد ﷺ کل کی بات جانتے تھے، وہ بھی جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔'' اور جو شخص یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے تبلیغ دین میں کوئی بات چھپائی تھی، وہ بھی جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے (آگے) پہنچا دیں۔'' ہاں، آپ ﷺ نے حضرت جبریل ؑ کو اپنی اصل شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا۔

فوائد و مسائل: ① احادیث میں اس حدیث کا سبب بیان ہوا ہے کہ کعب احبار نے حضرت ابن عباس ؓ سے عرفہ میں ملاقات کی اور ان سے کچھ سوالات کیے، پھر اتنے زور سے اللہ اکبر کہا کہ پہاڑ گونج اٹھا، پھر اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی

رؤیت اور گفتگو کو تقسیم کر دیا ہے کیونکہ اپنے کلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف یاب کیا جبکہ دیدار سے حضرت محمد ﷺ مشرف ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ اپنے رب سے کلام کیا اور حضرت محمد ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور اس گفتگو کا ذکر کیا اور پوچھا: کیا حضرت محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہی جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہے۔[1] ② بہرحال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی پرزور تردید کی کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا۔ اس انکار کی بنیاد صرف آیات سے استنباط ہی پر نہیں بلکہ مرفوع حدیث ہے، چنانچہ جب مسروق نے اس سلسلے میں حسب ذیل دو آیات کا حوالہ دیا: ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾[2] اور ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾[3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے اس امت میں سب سے پہلے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے انھیں اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔ میں نے انھیں آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا جبکہ ان کی جسامت نے زمین و آسمان کے کناروں کو ڈھانپ رکھا تھا۔'' اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دو آیات کا حوالہ دیا جو حدیث بخاری میں موجود ہیں۔[4] ایک روایت میں صراحت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پروردگار کو اپنے دل سے دیکھا تھا۔[5] اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رؤیت بصری، یعنی آنکھ سے دیکھنے کا انکار کرتی ہیں جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اقرار رؤیت قلبی، یعنی دل سے دیکھنے سے متعلق ہے۔ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ③ یاد رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس عالم رنگ و بو میں رؤیت باری تعالیٰ کا انکار کرتی ہیں، البتہ آخرت میں اہل ایمان دیدار الٰہی سے ضرور شرف یاب ہوں گے جیسا کہ قرآنی آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ واللہ أعلم.

بَابٌ: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ [٩]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ''پس دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا تھا بلکہ اس سے بھی کم'' کا بیان

حَيْثُ الْوَتَرُ مِنَ الْقَوْسِ.

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اتنا فاصلہ رہ گیا تھا جتنا کمان سے چلہ (تانت) تک ہوتا ہے۔

وضاحت: عربوں کے ہاں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب دو آدمی باہمی یگانگت کا معاہدہ کرتے تو دونوں اپنی کمان اٹھاتے۔ ایک، دوسرے کی کمان کے ساتھ اس طرح ملاتا کہ کمانوں کی لکڑی اپنی طرف اور تانت دوسری طرف۔ جب دونوں کی تانت آپس میں مل جاتی اور دونوں کے درمیان دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ جاتا، تو اس باہمی اتحاد، ہم آہنگی اور فاصلے کی کمی کو ''قاب قوسین'' سے تعبیر کیا جاتا۔ اس مقام پر بھی رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی باہمی قربت کو بیان کیا گیا ہے، یعنی یہ دونوں

---

1 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث : 3278. 2 التكوير 81:23. 3 النجم 53:13. 4 صحيح مسلم، الإيمان، حديث : 439 (177). 5 صحيح مسلم، الإيمان، حديث : 436 (176).

آپس میں اتنے قریب آگئے کہ ان کے درمیان دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا اظہار مقصود نہیں جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں، چنانچہ درج ذیل حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

٤٨٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ زِرًّا، عَنْ عَبْدِ اللهِ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ○ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَآ أَوْحَىٰ﴾ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ: أَنَّهُ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ. [راجع: ٣٢٣٢]

[4856] حضرت زر بن حبیش سے روایت ہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے درج ذیل آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں: ”صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا تھا بلکہ اس سے بھی کم، پھر اس نے وحی پہنچائی اس (اللہ) کے بندے کی طرف جو وحی پہنچائی۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا: بے شک آپ ﷺ نے حضرت جبریل ؑ کو (ان کی اصل شکل میں) دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل ؑ کو ان کی اصل شکل وصورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے: ایک مرتبہ بعثت کے ابتدائی دور میں جس کا ذکر ان آیات میں ہے اور دوسری مرتبہ انھیں اصل شکل میں معراج کی رات دیکھا تھا۔ ② حضرت جبرئیل ؑ کے چھ سو پر تھے اور ایک پر مشرق ومغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے ایک بار راستے میں چلتے چلتے آسمان سے ایک آواز سنی، نگاہ اٹھائی تو آسمان کی طرف اسی فرشتے کو دیکھا جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا، وہ زمین وآسمان کے درمیان ایک کرسی پر تھا۔ میں اسے دیکھ کر بہت خوف زدہ ہوا۔“[1]

بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَآ أَوْحَىٰ﴾ [١٠]

باب: ارشاد باری تعالیٰ: ”چنانچہ اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی پہنچائی“ کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ میں اَوْحٰی کی ضمیر حضرت جبرئیل ؑ کی طرف اور عبدہٖ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کلام کا سیاق وسباق بھی اسی امر کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ قبل ازیں شَدِیْدُ الْقُوٰی اور ذُوْمِرَّۃٍ حضرت جبرئیل ؑ کی صفات ہیں۔ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

٤٨٥٧ - حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ زِرًّا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ○ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ

[4857] حضرت سلیمان شیبانی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے زر بن حبیش سے ان آیات کے متعلق پوچھا: صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم، پھر

1 صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 4.

عَبْدِهِۦ مَآ أَوْحَىٰ﴾ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأَى جِبْرِيلَ لَهُ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ. [راجع: ٣٢٣٢]

اس نے اس (اللہ) کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔" انھوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خبر دی تھی کہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت جبرئیل کو دیکھا تھا جن کے چھ سو پر تھے۔

فوائد ومسائل: ① یہ وحی غالباً وہی تھی جو سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات پر مشتمل ہے۔ یہ وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے بندے حضرت محمد ﷺ پر کی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود علیہ السلام کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک ہے، لہٰذا ان کے مذہب کے مطابق آیت کریمہ کے یہ معنی ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے بندے کی طرف وحی کی۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے ہاں اس آیت کے یہ معنی ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی طرف وحی کی۔[1] اس صورت میں اَوْحٰی اور عَبْدِهٖ دونوں کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گی۔ واللّٰه أعلم.

بَابٌ: ﴿لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ ءَايَٰتِ رَبِّهِ ٱلْكُبْرَىٰٓ﴾ [١٨]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ) "بلاشبہ اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں" کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں کیونکہ اگر آپ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہوتا تو یہ اتنی اہم بات تھی کہ اس کا ذکر صراحت کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ درج ذیل حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بڑی نشانی حضرت جبریل علیہ السلام تھے جنھیں آپ نے دیکھا تھا۔

٤٨٥٨ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ﴿لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ ءَايَٰتِ رَبِّهِ ٱلْكُبْرَىٰٓ﴾ قَالَ: رَأَى رَفْرَفًا أَخْضَرَ قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ. [راجع: ٣٢٣٣]

[4858] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے درج ذیل آیت کے متعلق فرمایا: "آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔" آپ نے بتایا کہ آپ ﷺ نے سبز فرش دیکھا جس نے آسمان کے کناروں کو ڈھانپ رکھا تھا۔

فوائد ومسائل: ① پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا جبکہ اس حدیث میں ہے کہ آپ نے سبز فرش دیکھا تھا، ان میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی کو دیکھا تھا لیکن وہ سبز فرش پر سبز رنگ کا ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے: "رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جنھوں

[1] فتح الباري: 777/8.

نے سبز رنگ کا ریشمی لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور زمین و آسمان کا درمیانی حصہ ڈھانپ رکھا تھا۔"[1] ② حضرت جبریل علیہ السلام کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کو جنت اور دوزخ کے بعض مناظر بھی دکھائے گئے تھے۔ باقی بڑی بڑی نشانیوں کی تفصیل تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

(٢) بَابٌ: ﴿أَفَرَءَيْتُمُ ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ﴾ [١٩]

باب:2- (ارشاد باری تعالیٰ:) "کیا تم نے لات و عُزّیٰ پر بھی غور کیا ہے" کا بیان

وضاحت: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ لامحدود عظمت وجلال والے پروردگار کے مقابلے میں ان دیویوں کا ذکر بھی سن لو جن کی اہل عرب پوجا کرتے ہیں۔ لات کا آستانہ طائف میں تھا۔ بنو ثقیف اس کے معتقد تھے۔ عُزّیٰ، یہ قریش کی خاص دیوی تھی۔ اس کا آستانہ مکے اور طائف کے درمیان وادیٔ نخلہ میں تھا۔ اسی طرح منات کا آستانہ مکے اور مدینے کے درمیان بحر احمر کے کنارے قدید کے مقام پر واقع تھا۔ اوس اور خزرج اس کی عبادت کرتے تھے۔ ان کی خدمات کی بنا پر لوگ ان کی پوجا پاٹ کرتے اور ان کے حضور نذر و نیاز پیش کرتے تھے۔ درج ذیل حدیث میں ان کی "خدمات" کا ذکر ہے۔

٤٨٥٩ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ: حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوْزَاءِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ: ﴿ٱللَّٰتَ وَٱلْعُزَّىٰ﴾ كَانَ اللَّاتُ رَجُلًا يَلُتُّ سَوِيقَ الْحَاجِّ.

[4859] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے لات اور عُزّیٰ کے متعلق فرمایا کہ لات وہ شخص تھا جو حاجیوں کو ستو تیار کر کے پلاتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① لات کے متعلق مختلف توجیہات ہیں: ایک یہ ہے کہ اسے لفظ "اللہ" سے ماخوذ مانا جائے۔ بعض اہل علم کے نزدیک لات یلیت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں: گردن موڑنا۔ چونکہ اس کی پوجا کرنے والے اس کی طرف اپنی گردنیں موڑتے اور اس کی عبادت کرتے تھے اس بنا پر اس کا نام لات رکھ دیا گیا۔ ② حضرت ابن عباس کہتے ہیں: یہ ایک نیک سیرت انسان تھا جو حج کے موسم میں حجاج کرام کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر کو عبادت گاہ بنا لیا، پھر اس کے مجسمے بنا کر مختلف مقامات پر نصب کر دیے گئے۔ واللہ أعلم.

٤٨٦٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ: وَاللَّاتِ وَالْعُزَّى،

[4860] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص قسم اٹھائے اور اپنی قسم میں لات و عُزّیٰ کا نام لے تو اسے لا الٰہ الا اللہ پڑھنا چاہیے اور جو شخص اپنے ساتھی سے کہے آؤ جوا کھیلیں تو اسے صدقہ کرنا چاہیے۔"

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3283.

فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ، فَلْيَتَصَدَّقْ». [انظر: ٦١٠٧، ٦٣٠١، ٦٦٥٠]

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی شخص لات ومنات کی قسم اٹھائے اور قسم اٹھانے میں ان کی تعظیم مقصود ہو تو وہ ایمان سے خالی ہو جاتا ہے، اس لیے اسے تجدید ایمان کے لیے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا چاہیے۔ اگر ان کی قسم اٹھاتے وقت ان کی تعظیم مقصود نہ تھی بلکہ سہواً یا غفلت کے طور پر زبان پر جاری ہو گیا تو بھی چونکہ بت کا نام لیا ہے، اس لیے دل میں کچھ نہ کچھ ظلمت تو ضرور آئے گی، اس کے ازالے کے لیے بھی کلمۂ توحید پڑھ لینا چاہیے۔ ② بہرحال معبودان باطلہ کا نام دانستہ یا سہواً زبان پر آجانا خطرے سے خالی نہیں ہے، اس لیے کلمۂ اخلاص سے اس کی تلافی کر لی جائے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابٌ: ﴿وَمَنَوٰةَ ٱلثَّالِثَةَ ٱلْأُخْرَىٰٓ﴾ [٢٠]

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ) ''اور ایک تیسرے بت منات پر بھی غور کرو'' کا بیان

وضاحت: مشرکین عرب جن بتوں کی پرستش کرتے تھے ان میں سے ایک منات بھی تھا۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سب بتوں کو منہدم کر دینے کا حکم دیا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے زمین بوس کر دیا تھا۔ درج ذیل حدیث میں اسی منات کا ذکر ہے۔

٤٨٦١ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَقَالَتْ: إِنَّمَا كَانَ مَنْ أَهَلَّ لِمَنَاةَ الطَّاغِيَةِ الَّتِي بِالْمُشَلَّلِ لَا يَطُوفُونَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ ٱلصَّفَا وَٱلْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ ٱللَّهِ﴾ [البقرة: ١٥٨] فَطَافَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُونَ. قَالَ سُفْيَانُ: مَنَاةُ بِالْمُشَلَّلِ مِنْ قُدَيْدٍ.

[4861] حضرت عروہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: کچھ منات بت کے نام پر احرام باندھتے تھے۔ وہ بت مقام مشلل میں نصب تھا۔ وہ لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھی نہیں کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ''بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی اور آپ کے بعد مسلمانوں نے بھی اس عمل کو جاری رکھا۔ سفیان نے کہا کہ منات، مشلل میں مقام قدید پر نصب تھا۔

وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: نَزَلَتْ فِي

عبدالرحمٰن بن خالد نے بیان کیا، وہ ابن شہاب سے بیان کرتے ہیں، ان سے عروہ نے کہا، ان سے حضرت

الْأَنْصَارِ، كَانُوا هُمْ وَغَسَّانُ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمُوا يُهِلُّونَ لِمَنَاةَ، مِثْلَهُ.

عائشہ ؓ نے بیان کیا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اسلام لانے سے پہلے انصار اور قبیلۂ غسان کے لوگ منات کے نام پر احرام باندھتے تھے، پھر اسے پہلی حدیث کی طرح بیان کیا۔

وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مِمَّنْ كَانَ يُهِلُّ لِمَنَاةَ، - وَمَنَاةُ صَنَمٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ - قَالُوا: يَا نَبِيَّ اللهِ! كُنَّا لَا نَطُوفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تَعْظِيمًا لِمَنَاةَ. نَحْوَهُ. [راجع: ١٦٤٣]

معمر نے زہری سے بیان کیا، انھوں نے حضرت عروہ سے، وہ حضرت عائشہ ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: انصار کے کچھ لوگ منات کے نام پر احرام باندھتے تھے۔ منات ایک بت تھا جو مکے اور مدینے کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ (اسلام لانے کے بعد) لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم منات کی تعظیم کے پیش نظر صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کیا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کی وضاحت ہم نے سورۂ بقرہ آیت: 158 باب: 21 حدیث: 4495 کے فوائد میں کر دی ہے، قارئین کرام اسے ایک نظر دیکھ لیں۔ ② امام بخاری ؒ نے منات کے تعارف کے پیش نظر اس حدیث کو یہاں ذکر کیا ہے۔ مُشَلَّلْ قُدید میں منات کا آستانہ تھا۔ اساف اور نائلہ نامی دو بت صفا اور مروہ پر نصب تھے۔ مسلمانوں نے انھیں نیست و نابود کر کے وہاں توحید کا پرچم لہرا دیا۔ ③ قرون اولیٰ کے بعد ایک مرتبہ پھر عرب کی سرزمین میں شرکیہ مظاہر عام ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد الدعوہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کو توفیق دی، انھوں نے درعیہ کے حاکم کو ساتھ ملا کر ان مظاہر شرک کو ختم کیا اور اسی دعوت کی تجدید ایک مرتبہ پھر والی نجد و حجاز سلطان عبدالعزیز ؒ نے کی اور تمام پختہ قبروں اور آستانوں کا خاتمہ کیا۔ الحمدللہ! اب سعودی عرب میں اسلامی احکام کے مطابق، نہ کوئی پختہ قبر ہے اور نہ کوئی مزار ہی نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ موجودہ سعودی حکومت کو تادیر قائم رکھے اور اس کے بدخواہوں کا خود محاسبہ کرے جو دن رات اس کے خلاف خبث باطن کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

(٤) بَابٌ: ﴿فَٱسْجُدُوا لِلَّهِ وَٱعْبُدُوا﴾ [٦٢]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”تم اللہ کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی بندگی بجا لاؤ“ کا بیان

وضاحت: یہ پہلی سورت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کافروں اور مسلمانوں کے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ قرآن کریم کے اثر کا یہ عالم تھا کہ جب آپ نے یہ آیت پڑھی تو مسلمانوں کے ساتھ کافر بھی بے اختیار سجدے میں گر گئے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٦٢ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ. [راجع: ١٠٧١]

[4862] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں سب نے سجدہ کیا۔

تَابَعَهُ ابْنُ طَهْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ، وَلَمْ يَذْكُرِ ابْنُ عُلَيَّةَ ابْنَ عَبَّاسٍ.

ابراہیم بن طہمان نے ایوب سے روایت کرتے ہوئے عبدالوارث کی متابعت کی ہے۔ اور ابن علیہ نے اپنی روایت میں حضرت ابن عباس ؓ کا ذکر نہیں کیا۔

فائدہ: کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کے وقت آپ کی زبان اطہر پر شیطان نے یہ کلمات جاری کر دیے تھے: ان بلند مرتبہ دیویوں کی سفارش کی امید کی جاسکتی ہے۔ یہ سن کر مشرکین بھی سجدے میں گر گئے۔ یہ بات عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قرآن کی تاثیر سے کافروں اور مشرکوں سب نے سجدہ کیا۔ مشرکین کو غیبی تصرف کی وجہ سے طوعًا و کرهًا سربسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بدبخت نے سجدہ نہ کیا کیونکہ اس کے دل پر مہر لگی ہوئی تھی جیسا کہ درج ذیل آیت میں اس کی صراحت ہے۔

٤٨٦٣ - حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ: أَخْبَرَنِي أَبُو أَحْمَدَ - يَعْنِي الزُّبَيْرِيَّ -: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَوَّلُ سُورَةٍ أُنْزِلَتْ فِيهَا سَجْدَةٌ ﴿وَالنَّجْمِ﴾. قَالَ فَسَجَدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَسَجَدَ مَنْ خَلْفَهُ إِلَّا رَجُلًا رَأَيْتُهُ أَخَذَ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ فَسَجَدَ عَلَيْهِ، فَرَأَيْتُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ قُتِلَ كَافِرًا، وَهُوَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ. [راجع: ١٠٦٧]

[4863] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: سب سے پہلے جو سجدے والی سورت نازل ہوئی وہ سورۂ نجم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سجدہ کیا تو جتنے لوگ آپ کے پیچھے تھے سب نے سجدہ کیا مگر ایک آدمی کو میں نے دیکھا کہ اس نے مٹھی بھر مٹی لی اور اس پر سجدہ کیا۔ اس کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل ہوا اور وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ امیہ بن خلف نے سجدہ کرنے کے بجائے کنکریاں یا مٹی اپنی مٹھی میں لی پھر انھیں پیشانی سے لگا کر کہنے لگا: مجھے اتنا ہی کافی ہے۔[1] چنانچہ وہ غزوۂ بدر میں بحالت کفر قتل ہوا۔ اگر وہ بدبخت سجدہ کر لیتا تو ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان قبول کرنے کی توفیق عطا فرماتا۔

---

(1) صحيح البخاري، سجود القرآن وسنتها، حديث: 1067.

(٥٤) سُورَةُ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 54-تفسیر سورۂ اقتربت الساعۃ

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مُسْتَمِرٌّ﴾ [٢]: ذَاهِبٌ. ﴿مُزْدَجَرٌ﴾ [٤]: مُتَنَاهٍ. ﴿وَازْدُجِرَ﴾ [٩]: اُسْتُطِيرَ جُنُونًا. ﴿وَدُسُرٍ﴾ [١٣]: أَضْلَاعُ السَّفِينَةِ. ﴿لِمَن كَانَ كُفِرَ﴾ [١٤]: يَقُولُ: كُفِرَ لَهُ جَزَاءً مِنَ اللهِ. ﴿مُحْتَضَرٌ﴾ [٢٨]: يَحْضُرُونَ الْمَاءَ. وَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ: ﴿مُهْطِعِينَ﴾ [٨]: اَلنَّسَلَانُ؛ اَلْخَبَبُ: اَلسِّرَاعُ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿فَتَعَاطَىٰ﴾ [٢٩]: فَعَاطَى بِيَدِهِ فَعَقَرَهَا. ﴿الْمُحْتَظِرِ﴾ [٣١]: كَحِظَارٍ مِّنَ الشَّجَرِ مُحْتَرِقٍ. ﴿وَازْدُجِرَ﴾ [٩]: اُفْتُعِلَ مِنْ زَجَرْتُ. ﴿كُفِرَ﴾ [١٤]: فَعَلْنَا بِهِ وَبِهِمْ مَا فَعَلْنَا جَزَاءً لِمَا صُنِعَ بِنُوحٍ وَأَصْحَابِهِ. ﴿مُسْتَقِرٌّ﴾ [٣،٣٨]: عَذَابٌ حَقٌّ. يُقَالُ: اَلْأَشِرُ: اَلْمَرَحُ وَالتَّجَبُّرُ.

امام مجاہد نے کہا: مُسْتَمِرٌّ کے معنی ہیں: جانے والا، ختم ہونے والا۔ مُزْدَجَرٌ: بے انتہا دھمکانے اور جھڑکنے والا، انتہا درجے کی تنبیہ کرنے والا۔ وَازْدُجِرَ: اس کا جنون دراز ہو گیا۔ وَدُسُرٍ: اطراف کشتی۔ لِمَنْ كَانَ كُفِر: بدلہ تھا اللہ کی طرف سے اس شخص کا جس کی بے قدری کی گئی۔ مُحْتَضَرٌ: باری والے سب پانی پر حاضر ہوتے۔ حضرت ابن جبیر نے کہا: مُهْطِعِيْنَ: سر جھکائے تیزی سے دوڑنے والے۔ اَلْخَبَبُ کے معنی ہیں: تیز۔ ان کے علاوہ نے کہا: فَتَعَاطٰى: اس (اونٹنی) کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اور مار ڈالا۔ اَلْمُحْتَظِرِ: لکڑیوں کی جلی ہوئی باڑ۔ وَازْدُجِرَ، زَجَرْتُ سے باب افتعال ہے (تائے افتعال کو دال سے بدل دیا) كُفِرَ: ہم نے ان کے ساتھ جو کچھ بھی کیا وہ بدلہ تھا اس مذاق کا جو نوح (علیہ السلام) اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا گیا۔ مُسْتَقِرٌّ: دائمی عذاب۔ کہا جاتا ہے: اَلْاَشِرُ کے معنی ہیں: اترانا، غرور کرنا، یعنی شیخی بگھارنے والا، خود پسند، متکبر۔

(١) بَابٌ: ﴿وَانشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا﴾ [٢،١]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں“ کا بیان

وضاحت: رسول اللہ ﷺ سے اہل مکہ نے کسی حسی معجزے کا مطالبہ کیا تو شق القمر (چاند کا دو ٹکڑے ہونا) دکھایا گیا۔ تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ چاند کا دو ٹکڑے ہونا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں واقع ہوا اور یہ آپ کے واضح معجزات میں سے ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہے۔

٤٨٦٤ - **حَدَّثَنَا** مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ وَسُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِرْقَتَيْنِ: فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ، وَفِرْقَةٌ دُونَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِشْهَدُوا». [راجع: ٣٦٣٦]

[4864] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا: ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور دوسرا اس کے پیچھے چلا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے (اس موقع پر) فرمایا: ''گواہ رہو۔''

٤٨٦٥ - **حَدَّثَنَا** عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَصَارَ فِرْقَتَيْنِ، فَقَالَ لَنَا: «اِشْهَدُوا، اِشْهَدُوا». [راجع: ٣٦٣٦]

[4865] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: چاند پھٹ گیا، جبکہ (اس وقت) ہم نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، چنانچہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''گواہ رہنا، گواہ رہنا۔''

٤٨٦٦ - **حَدَّثَنَا** يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنِي بَكْرٌ عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: اِنْشَقَّ الْقَمَرُ فِي زَمَانِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٣٦٣٨]

[4866] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا تھا۔

٤٨٦٧ - **حَدَّثَنَا** عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلَ أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ. [راجع: ٣٦٣٧]

[4867] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اہل مکہ نے آپ ﷺ سے کوئی نشانی دکھانے کی فرمائش کی تو آپ ﷺ نے انھیں چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا معجزہ دکھایا۔

٤٨٦٨ - **حَدَّثَنَا** مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: اِنْشَقَّ الْقَمَرُ فِرْقَتَيْنِ. [راجع: ٣٦٣٧]

[4868] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ چاند دو ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① شق القمر، یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے پانچ احادیث پیش کی ہیں جو تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت انس۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت

مدینہ طیبہ میں تھے اور حضرت ابن عباس ؓ اس وقت ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہی عینی شاہد ہیں۔ بہر حال ان کے علاوہ کئی صحابۂ کرام ؓ نے شق القمر کا واقعہ نقل کیا ہے۔ ② چاند کا پھٹ جانا بالکل حق الیقین ہے۔ اس کی بے جا تاویل کرنا عقل کے خلاف ہے۔ اگر شق القمر کا واقعہ پیش نہ آیا ہوتا اور قرآن اس کا ذکر کرتا تو سب لوگ قرآن کو غلط کہتے اور اسلام سے پھر جاتے۔ یہی ایک دلیل اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے، اس لیے یہ تاویل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے کہ یہ قرب قیامت کے وقت ہوگا اور ماضی، مستقبل کے معنی میں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل مکہ کو جادو کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ مشرکین کے مطالبے پر شق القمر ہوا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے تمام حاضرین سے فرمایا: ''دیکھو اور گواہ رہو۔'' جب سب لوگوں نے صاف طور پر اس معجزے کو دیکھ لیا تو یہ دونوں ٹکڑے پھر آپس میں مل گئے۔ ③ واضح رہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں رات کے وقت پیش آیا۔ اس وقت بہت سے ممالک میں تو دن ہوگا، وہاں اس واقعے کے ظاہر ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور کچھ ممالک میں نصف یا آخر شب ہوگی، جس وقت عام دنیا سوئی ہوتی ہے۔ جاگنے والے بھی ہر وقت چاند کو نہیں دیکھتے رہتے کہ چند لمحات کے واقعے کو وہ دیکھ سکتے، پھر زمین پر پھیلی ہوئی روشنی میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جس کی وجہ سے کسی کو اس طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہوتی، اس لیے دنیا کی عام تاریخوں میں اس کا ذکر نہ ہونے سے اس واقعے کی تکذیب نہیں کی جاسکتی۔ اس کے علاوہ برصغیر کی مستند تاریخ ''تاریخ فرشتہ'' میں اس واقعے کا ذکر موجود ہے کہ ہندوستان میں مہاراجہ مالیبار نے یہ واقعہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسے اپنے روزنامچے میں لکھوایا، پھر یہی واقعہ اس کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔ ④ بعض روایات میں ہے کہ خود مشرکین مکہ نے بھی باہر سے آنے والے لوگوں سے اس کی تصدیق کی۔ اس وقت مختلف اطراف سے آنے والے لوگوں نے یہ واقعہ دیکھنے کی شہادت دی تھی۔ ⑤ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ مستند اور معتبر تاریخ کتب حدیث ہیں، جب ان میں یہ واقعہ موجود ہے تو دوسری کتب تاریخ میں اسے تلاش کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہتی، پھر اس دور میں جیسی اور جتنی توجہ تاریخ نویسی پر دی جاتی تھی وہ سب کو معلوم ہے، نیز جب دنیا کی اکثریت اور ایسے تاریخ نویسوں نے اسے دیکھا ہی نہ ہو تو لکھیں کیا؟ بہر حال شق القمر، یعنی چاند پھٹنے کا واقعہ ہو چکا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابٌ: ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَن كَانَ كُفِرَ﴾ [١٤]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی اس شخص کے بدلے کی خاطر جس کا انکار کیا گیا تھا'' کا بیان

قَالَ قَتَادَةُ: أَبْقَى اللهُ سَفِينَةَ نُوحٍ حَتَّى أَدْرَكَهَا أَوَائِلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ.

حضرت قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو باقی رکھا یہاں تک کہ اس امت کے پہلے بزرگوں نے اسے دیکھا۔

وضاحت: قرآن کریم میں ہے کہ ہم نے اس کشتی کو ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا۔ یہ کشتی بالآخر جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، پھر جب آسمان سے بارش رکی اور زمین نے اپنا پانی جذب کیا، باقی ماندہ پانی ہواؤں اور سورج نے خشک کر دیا تو کشتی پر سوار لوگ اس قابل ہو گئے کہ کشتی سے اتر آئیں، چنانچہ وہ نیچے اتر آئے اور وہ کشتی وہاں مدت دراز تک آنے والی نسلوں کے لیے نشان عبرت بنی رہی۔ حضرت قتادہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو جزیرہ کی سرزمین میں بطور عبرت اور نشانی باقی رکھا یہاں تک کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اسے بچشم خود دیکھا وگرنہ بہت سی کشتیاں اتنی مدت کے بعد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر مٹی میں شامل ہو جاتی ہیں۔[1]

٤٨٦٩ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ: ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾.

[راجع: ٣٣٤١]

[4869] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پڑھا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① روایات میں یہی ہے کہ نبی ﷺ عام قراءت کی طرح مُدَّكِرٍ پڑھا کرتے تھے۔[2] یعنی ہم نے اس کشتی کو نشان عبرت بنا دیا، اس سے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ ② اس کا ایک بلند و بالا پہاڑ پر موجود ہونا سیکڑوں، ہزاروں برس تک لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے خبردار کرتا رہا اور انھیں یاد دلاتا رہا کہ اس سرزمین پر اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کی کیسی شامت آئی اور ایمان لانے والوں کو کس طرح اس شامت سے بچا لیا گیا؟ موجودہ زمانے میں بھی ہوائی جہازوں سے، پرواز کرتے ہوئے، بعض لوگوں نے اس علاقے کی ایک چوٹی پر کشتی نما چیز پڑی دیکھی ہے جس پر شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ سفینۂ نوح ہے۔ والله أعلم.

[بَابٌ]: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ [١٧]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟'' کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: يَسَّرْنَا: هَوَّنَّا قِرَاءَتَهُ.

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ يَسَّرْنَا کے معنی ہیں: ہم نے اس کی قراءت کو آسان کر دیا ہے۔

وضاحت: قرآن کریم کو پڑھنا، اس کے مطالب و معانی کو سمجھنا، اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا اور اسے زبانی یاد کرنا ہم نے آسان بنا دیا ہے جیسا کہ درج ذیل روایت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

---

(1) فتح الباري: 786/8. (2) صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3341.

٤٨٧٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ: ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾. [راجع: ٣٣٤١]

[4870] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: انسان اگر اپنے قلب و ذہن کے دریچے کھول کر اسے عبرت کی نگاہ سے پڑھے، نصیحت کے کانوں سے سنے اور سمجھنے والے دل سے اس پر غور کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں اور یہ اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر کر کفر و معصیت کی تمام آلودگی کو صاف کر دیتی ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ انسان میں طلب صادق ہو اور اس سے نصیحت حاصل کرنے کی تڑپ ہو۔

[بَابٌ]: ﴿أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ○ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ [٢٠، ٢١]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ”(جیسے وہ) جڑ سے اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہوں، پھر (دیکھو) کیسا تھا میرا عذاب اور میرا ڈرانا“ کا بیان

وضاحت: اس آیت کا سیاق اس طرح ہے کہ ہم نے قوم عاد پر ایک دائمی نحوست کے دن سخت طوفانی ہوا بھیج دی جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر اس طرح پھینک رہی تھی گویا وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔

٤٨٧١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا سَأَلَ الْأَسْوَدَ: فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ أَوْ مُذَّكِرٍ؟ فَقَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ يَقْرَؤُهَا: ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ قَالَ: وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَؤُهَا ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ دَالًا. [راجع: ٣٣٤١]

[4871] حضرت ابواسحاق سے روایت ہے، انھوں نے ایک شخص کو اسود سے پوچھتے ہوئے سنا کہ سورۂ قمر میں آیت فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ہے یا مُذَّكِرٍ ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پڑھتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے نبی ﷺ کو فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پڑھتے سنا ہے، یعنی دال کے ساتھ۔

فوائد و مسائل: ① قوم عاد پر جو عذاب آیا یہ بہت ہی عبرت انگیز اور نصیحت آموز تھا کہ مسلسل سات دن اور آٹھ راتیں تیز، یخ بستہ اور شاں شاں کرتی ہوئی ہوا چلتی رہی۔ یہ ہوا گھروں اور بند قلعوں سے انسانوں کو اٹھاتی اور اس طرح زور سے انھیں زمین پر پٹختی کہ ان کے سر ان کے دھڑوں سے الگ ہو جاتے۔ یہ عذاب اس وقت تک جاری رہا جب تک وہ سب ہلاک نہیں ہو گئے۔ ② اس آیت میں ان کے دراز قد کے ساتھ ان کی بے بسی اور بے چارگی کا بھی اظہار ہے کہ عذاب الٰہی کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکے، حالانکہ انھیں اپنی طاقت و قوت پر بہت گھمنڈ تھا۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابٌ: ﴿فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ○ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ [٣١، ٣٢]

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''تو وہ باڑ لگانے والے کی روندی اور کچلی ہوئی باڑ کی طرح ہو گئے، اور بلاشبہ یقیناً ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان بنا دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟'' کا بیان

وضاحت: ان آیات میں قوم ثمود اور ان کی عبرت ناک تباہی کا بیان ہے۔ جس طرح ایک باڑ بنانے والے کی خشک لکڑیاں اور جھاڑیاں مسلسل روندے جانے کی وجہ سے چورا چورا ہو جاتی ہیں، وہ بھی اس باڑ کی مانند ہمارے عذاب سے چورا چورا ہو گئے۔ واللہ المستعان.

٤٨٧٢ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَرَأَ: ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ الْآيَةَ. [راجع: ٣٣٤١]

[4872] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پڑھا تھا۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کے اس طرح پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس طرح کے عذاب کو تماشے کی نظر سے نہ دیکھیں بلکہ عبرت و نصیحت کی نگاہ سے اس پر غور کریں کہ جانوروں کی حفاظت کے لیے جو جھاڑیوں کی باڑ بنائی جاتی ہے بالآخر جانوروں کی آمد و رفت سے اس کا برادہ بن جاتا ہے۔ قوم ثمود کی کچلی ہوئی بوسیدہ لاشوں کو اسی برادے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قرآن کریم اس طرح کے واقعات کو نصیحت پکڑنے کے لیے پیش کرتا ہے۔ واللہ المستعان.

(٤) [بَابٌ]: ﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ○ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ [٣٨، ٣٩]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور بلاشبہ یقیناً صبح سویرے ہی ان پر ایک دائمی عذاب نے حملہ کر دیا سو تم چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا'' کا بیان

وضاحت: ان آیات میں قوم لوط پر آنے والے عذاب کی روئیداد بیان ہوئی ہے کہ پہلے تو اس پورے خطے کو حضرت جبریل نے اپنے پروں پر اٹھا لیا اور بلندی پر لے جا کر اسے زمین پر پٹخ دیا۔ جس کی وجہ سے یہ خطہ زمین میں دھنس گیا۔ اوپر سے پتھروں کی بارش برسی، پھر اس دھنسے ہوئے خطۂ زمین پر سمندر کا پانی چڑھ آیا جو ان مرداروں کی وجہ سے متعفن اور بدبودار ہو گیا۔ اس طرح اس قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا گیا اور انھیں نشان عبرت بنا دیا گیا۔

٤٨٧٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَرَأَ: ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾. [راجع: ٣٣٤١]

[4873] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پڑھا تھا۔

فوائدومسائل: ① یہ الفاظ ہر قوم کی سرگزشت کے بعد ٹیپ کے بند کی طرح بار بار آتے ہیں۔ یاد رہے کہ لفظ ذکر ان مقامات پر بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے، یعنی تعلیم وتذکیر، تنبیہ ونصیحت، حصول عبرت اور اتمام حجت سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ② سیاق وسباق کے اعتبار سے اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ ہمارے پیغمبر تمھیں جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں وہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ زمین کا چپہ چپہ اس کی صداقت پر گواہ ہے لیکن تم لوگ غفلت میں پڑے ہو۔ جب اس عذاب کی نشانی دیکھ لو گے، تب مانو گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم وتذکیر کے لیے یہ قرآن اتارا ہے جو تمھارے لیے ایک ضابطۂ حیات اور اس کے جملہ لوازمات سے آراستہ ہے۔ آخر تم اس عظیم نعمت سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟ عذاب کے تازیانے کے لیے کیوں بے قرار ہو؟ واللّٰہ المستعان.

[بَابٌ]: ﴿وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ [٥١]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور بلاشبہ یقیناً ہم تمھارے جیسی بہت سی اقوام کو ہلاک کر چکے ہیں، تو کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا؟“ کا بیان

وضاحت: خطاب اہل مکہ کو ہے کہ گزشتہ امتوں کے کافروں کو، جو کفر میں تمھارے جیسے تھے، ہم نے دنیا سے نیست ونابود کر دیا۔ اب تم اس تباہی کا انتظار کر رہے ہو، اس سے عبرت حاصل کرو اور قرآن کی حقانیت پر ایمان لے آؤ۔

٤٨٧٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ (فَهَلْ مِن مُّذَّكِرٍ) فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾». [راجع: ٣٣٤١]

[4874] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے سامنے فَهَلْ مِنْ مُّذَّكِرٍ پڑھا تو آپ نے فرمایا: ”فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پڑھو۔“

فوائدومسائل: ① فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ میں قریش کو پہلی قوموں کے انجام سے سبق سیکھنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ انھوں نے بھی تمھاری طرح اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب وغضب کا شکار ہوئے۔ اب دیکھ لو جو انجام ان کا

ہوا وہی انجام تمھارا ہوگا۔ تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے خطرے کے ظاہر ہونے سے پہلے پہلے ہوشیار کردینے کے لیے قرآن اتارا ہے جو عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لیے ہر پہلو سے آراستہ ہے لیکن افسوس کہ تم اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے عذاب کے طالب ہو اور اس کے لیے جلدی مچا رہے ہو۔ واللّٰہ المستعان. ② واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے چھ عنوانات کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک ہی حدیث بیان کی ہے، آپ کا دو باتوں پر تنبیہ کرنا مقصود ہے: ○ لفظ مُدَّکِر کو دال کے ساتھ پڑھا جائے یہ لفظ ذال کے ساتھ نہیں ہے، چنانچہ آخری حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ذال کے ساتھ پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصحیح کر دی۔ ○ قرآن کریم میں جو قصص و واقعات بیان ہوئے ہیں، انھیں سن کر فضا میں تحلیل نہ کر دیا جائے بلکہ ان سے عبرت حاصل کی جائے بصورت دیگر تمھارا انجام بھی پہلی قوموں جیسا ہوگا۔ واللّٰہ أعلم.

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ﴾ اَلْآيَةَ [٤٥]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ”عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی“ کا بیان

وضاحت: جب یہ آیت اتری تو اس وقت مسلمان بھوک اور افلاس کا شکار تھے اور کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر کچھ مسلمان حبشہ کی طرف چلے گئے اور باقی ماندہ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ ان کا معاشرتی اور معاشی بائیکاٹ کر دیا گیا۔ کفار قریش کو اپنی جمعیت پر بڑا ناز تھا کہ اسلام لانے کے جرم میں مسلمانوں سے ہم پوری طرح انتقام لے سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ پیش گوئی فرمائی جو ظاہری اعتبار سے ناممکن نظر آ رہی تھی لیکن سات سال بعد جنگ بدر میں یہ پیش گوئی ایک حقیقت بن کر سامنے آ گئی جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٧٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ [بْنُ عَبْدِاللهِ] بْنِ حَوْشَبٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ وُهَيْبٍ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ - وَهُوَ فِي قُبَّةٍ يَوْمَ بَدْرٍ -: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ». فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ بِيَدِهِ فَقَالَ: حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللهِ! أَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ، وَهُوَ يَثِبُ فِي الدِّرْعِ،

[4875] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیمے میں تھے۔ آپ نے یوں دعا فرمائی: ”اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور تیرے وعدے کی قسم دیتا ہوں، یا اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں رہے گا۔“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی: اللہ کے رسول! اب بس کیجیے! آپ نے اپنے رب سے التجا کرنے میں حد کر دی ہے۔ آپ اس دن زرہ پہن کر چل پھر رہے تھے۔ جب آپ (خیمے سے) باہر نکلے تو یہ آیت پڑھ رہے تھے: ”عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ

فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ: «﴿سَيُهْزَمُ ٱلْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ ٱلدُّبُرَ﴾». [راجع: ٢٩١٥]

پھیر کر بھاگیں گے۔"

فوائدومسائل: ① مسلمانوں سے انتقام لینے والے کفار قریش خود بدر کے دن اللہ تعالیٰ کے انتقام اور غضب کا شکار ہو گئے۔ سات سال قبل کی گئی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس جنگ میں ستر بڑے بڑے کافر موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اس امت کے فرعون ابوجہل کو انصار کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں نے جہنم واصل کیا اور ستر کی تعداد میں ہی کافر بھاگتے بھاگتے گرفتار ہوئے۔ ② یہ سزا تو انھیں دنیا میں ملی اور جو اصل سزا انھیں قیامت کے دن ملنے والی ہے، وہ اس دنیوی سزا سے زیادہ دہشت ناک ہوگی اور دردناک بھی اس سے بڑھ کر ہوگی۔ واللہ المستعان.

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿بَلِ ٱلسَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَٱلسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾ [٤٦]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: "بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بہت بڑی آفت اور انتہائی کڑوی ہے" کا بیان

يَعْنِي: مِنَ الْمَرَارَةِ.

أَمَرّ کا لفظ مَرَارَة سے ہے جس کے معنی تلخی کے ہیں۔

وضاحت: غزوۂ بدر میں جو کفار قریش رسوا کن موت سے دوچار ہوئے اور انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور کچھ قیدی بنا کر مدینہ منورہ لائے گئے، یہ ان کی آخری سزا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت سزائیں انھیں قیامت کے دن دی جائیں گی جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

٤٨٧٦ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ مَاهَكَ قَالَ: إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَتْ: لَقَدْ أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ بِمَكَّةَ، وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ: ﴿بَلِ ٱلسَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَٱلسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾. [انظر: ٤٩٩٣]

[4876] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جس وقت یہ آیت نازل ہوئی: "بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بہت بڑی آفت اور انتہائی تلخ چیز ہے۔" تو حضرت محمد ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے جبکہ میں اس وقت بچی تھی اور کھیلا کرتی تھی۔

٤٨٧٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ

[4877] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بدر کے دن ایک خیمے میں تھے۔ آپ نے بایں الفاظ

ﷺ قَالَ - وَهُوَ فِي قُبَّةٍ لَهُ يَوْمَ بَدْرٍ -: «أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ، إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا»، فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ بِيَدِهِ وَقَالَ: حَسْبُكَ يَا رَسُولَ اللهِ! فَقَدْ أَلْحَحْتَ عَلٰى رَبِّكَ، وَهُوَ فِي الدِّرْعِ، فَخَرَجَ وَهُوَ يَقُولُ: «﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾». [راجع: ٢٩١٥]

دعا کی: ''اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد اور تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں، اے اللہ! اگر تو چاہے (تو مسلمانوں کو فنا کر دے) تو آج کے بعد پھر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔'' اس پر حضرت ابوبکر ؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اپنے رب سے خوب گریہ وزاری سے دعا کر چکے ہیں، اب بس کیجیے۔ اس وقت آپ ﷺ زرہ پہنے ہوئے تھے۔ آپ باہر تشریف لائے تو آپ کی زبان پر یہ آیت تھی: ''عنقریب اس جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے گی، بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بہت بڑی آفت اور انتہائی کڑوی چیز ہے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت دو احادیث پیش کی ہیں: پہلی حدیث میں پیش گوئی کا وقت اور دوسری حدیث میں اس کا مصداق سامنے آنے کا وقت بیان ہوا ہے۔ ② سرداران قریش کو دنیا و آخرت میں کس قدر ذلت سے دوچار ہونا پڑا اس کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے، حضرت ابوطلحہ ؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قریش کے چوبیس (24) مقتول سردار بدر کے ایک بہت ہی تاریک اور گندے کنویں میں پھینک دیے گئے، پھر آپ اس کے کنارے کھڑے ہوئے اور کفار قریش کے مقتول سرداروں کے نام لے کر انھیں آواز دینے لگے: ''اے فلاں! اے فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا آج تمھارے لیے یہ بات بہتر نہیں تھی کہ تم نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ بے شک ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ ہمیں پوری طرح حاصل ہو گیا، تو کیا تمھارے رب کا تمھارے متعلق جو وعدہ (عذاب) تھا وہ بھی تمھیں پوری طرح مل گیا؟''[1]

(٥٥) سُورَةُ الرَّحْمٰنِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 55- تفسیر سورۃ الرحمٰن

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿بِحُسْبَانٍ﴾ [٥] كَحُسْبَانِ الرَّحٰى. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ﴾ [٩]

امام مجاہد نے کہا: بِحُسْبَانٍ، یعنی سورج اور چاند دونوں چکی کی طرح گھوم رہے ہیں۔ ان کے علاوہ نے کہا:

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 3976.

يُرِيدُ لِسَانَ الْمِيزَانِ. وَالْعَصْفُ: بَقْلُ الزَّرْعِ إِذَا قُطِعَ مِنْهُ شَيْءٌ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَ فَذٰلِكَ الْعَصْفُ؛ وَالرَّيْحَانُ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ: اَلرِّزْقُ. ﴿وَالرَّيْحَانُ﴾ [١٢] رِزْقُهُ، وَالْحَبُّ الَّذِي يُؤْكَلُ مِنْهُ؛ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: وَالْعَصْفُ، يُرِيدُ: الْمَأْكُولَ مِنَ الْحَبِّ. ﴿وَالرَّيْحَانُ﴾: اَلنَّضِيجُ الَّذِي لَمْ يُؤْكَلْ، وَقَالَ غَيْرُهُ: اَلْعَصْفُ وَرَقُ الْحِنْطَةِ؛ وَقَالَ الضَّحَّاكُ: اَلْعَصْفُ: اَلتِّبْنُ؛ وَقَالَ أَبُو مَالِكٍ: اَلْعَصْفُ: أَوَّلُ مَا يَنْبُتُ، تُسَمِّيهِ النَّبَطُ هَبُورًا؛ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْعَصْفُ وَرَقُ الْحِنْطَةِ، ﴿وَالرَّيْحَانُ﴾: اَلرِّزْقُ. وَالْمَارِجُ: اَللَّهَبُ الْأَصْفَرُ وَالْأَخْضَرُ الَّذِي يَعْلُو النَّارَ إِذَا أُوقِدَتْ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ مُجَاهِدٍ: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ﴾ [١٧]: لِلشَّمْسِ فِي الشِّتَاءِ مَشْرِقٌ، وَمَشْرِقٌ فِي الصَّيْفِ. ﴿وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾: مَغْرِبُهَا فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ. ﴿لَا يَبْغِيَانِ﴾ [٢٠]: لَا يَخْتَلِطَانِ. ﴿الْمُنْشَآتُ﴾ [٢٤]: مَا رُفِعَ قِلْعُهُ مِنَ السُّفُنِ، فَأَمَّا مَا لَمْ يُرْفَعْ قِلْعُهُ فَلَيْسَ بِمُنْشَآتٍ.

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ کے معنی ہیں: ترازو کی ڈنڈی سیدھی رکھو۔ اور اَلْعَصْفُ: کھیتی کی وہ پیداوار جسے پکنے سے پہلے کاٹ لیا جائے۔ عربی زبان میں اَلرَّیْحَانُ کے معنی ہیں: روزی اور وہ دانے جو کھائے جاتے ہیں، جیسے گیہوں اور چاول وغیرہ۔ بعض نے کہا ہے: عصف سے مراد وہ دانے جن کو لوگ کھاتے ہیں اور ریحان سے مراد وہ پختہ غلہ جسے کچا استعمال نہیں کیا جاتا۔ دوسروں نے کہا ہے: عصف کے معنی ہیں: گیہوں کے پتے۔ امام ضحاک نے کہا: عصف خشک بھوسے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو مالک نے کہا کہ عصف سے مراد کھیتی کا وہ سبزہ جو پہلے پہل اگتا ہے جسے کسان لوگ ہبور کہتے ہیں۔ امام مجاہد نے کہا: عصف کے معنی ہیں: گندم کے پتے اور ریحان کے معنی ہیں: روزی۔ اَلْمَارِج سے مراد آگ کے وہ زرد اور سبز شعلے ہیں جو آگ سے اس وقت نکلتے ہیں جب اسے جلایا جاتا ہے۔ بعض اہل علم نے امام مجاہد سے نقل کیا ہے کہ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ سے مراد سردی اور گرمی کی مشرق اور رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ سے مراد سردی اور گرمی کی مغرب ہے۔ لَا يَبْغِيَانِ کے معنی ہیں: دونوں آپس میں ملتے نہیں۔ اَلْمُنْشَئٰتُ سے مراد وہ کشتیاں جن کا بادبان اوپر اٹھایا گیا ہو۔ اور جن کشتیوں کا بادبان اوپر نہ اٹھایا گیا ہو انھیں مُنْشَئٰت نہیں کہتے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿كَالْفَخَّارِ﴾ [١٤] كَمَا يُصْنَعُ الْفَخَّارُ. اَلشُّوَاظُ: لَهَبٌ مِنْ نَارٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَنُحَاسٌ﴾ [٣٥]: اَلنُّحَاسُ: اَلصُّفْرُ يُصَبُّ عَلٰى رُؤُسِهِمْ، يُعَذَّبُونَ بِهِ. ﴿خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ﴾ [٤٦]: يَهُمُّ بِالْمَعْصِيَةِ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَيَتْرُكُهَا. ﴿مُدْهَامَّتَانِ﴾ [٦٤]: سَوْدَاوَانِ مِنَ

امام مجاہد نے کہا: كَالْفَخَّارِ: جیسے ٹھیکرے بنائے جاتے ہیں۔ اَلشُّوَاظُ سے مراد آگ کا وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔ امام مجاہد نے کہا: وَنُحَاسٌ سے مراد وہ پیتل جو پگھلا کر دوزخیوں کے سروں پر ڈالا جائے گا، ان کو اس سے سزا دی جائے گی۔ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کا ارادہ کرے، پھر اپنے اللہ عزوجل کو یاد کر کے اس سے

الرِّيِّ. ﴿صَلْصَـٰلٍ﴾ [١٤]: طِينٌ خُلِطَ بِرَمْلٍ فَصَلْصَلَ كَمَا يُصَلْصِلُ الْفَخَّارُ، وَيُقَالُ: مُنْتِنٌ، يُرِيدُونَ بِهِ: صَلَّ؛ يُقَالُ: صَلْصَالٌ، كَمَا يُقَالُ: صَرَّ الْبَابُ - عِنْدَ الْإِغْلَاقِ - وَصَرْصَرَ، مِثْلُ: كَبْكَبْتُهُ، يَعْنِي: كَبَبْتُهُ. ﴿فِيهِمَا فَٰكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ﴾ [٦٨]: قَالَ بَعْضُهُمْ: لَيْسَ الرُّمَّانُ وَالنَّخْلُ بِالْفَاكِهَةِ، وَأَمَّا الْعَرَبُ فَإِنَّهَا تَعُدُّهُمَا فَاكِهَةً كَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿حَٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلْوُسْطَىٰ﴾ [البقرة: ٢٣٨] فَأَمَرَهُمْ بِالْمُحَافَظَةِ عَلَى كُلِّ الصَّلَوَاتِ، ثُمَّ أَعَادَ الْعَصْرَ تَشْدِيدًا لَهَا كَمَا أُعِيدَ النَّخْلُ وَالرُّمَّانُ؛ وَمِثْلُهَا: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يَسْجُدُ لَهُۥ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَن فِي ٱلْأَرْضِ﴾ ثُمَّ قَالَ: ﴿وَكَثِيرٌ مِّنَ ٱلنَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ ٱلْعَذَابُ﴾ [الحج:١٨] وَقَدْ ذَكَرَهُمْ فِي أَوَّلِ قَوْلِهِ: ﴿مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَن فِي ٱلْأَرْضِ﴾.

باز آجائے۔ مُدْهَآمَّتَانِ کے معنی ہیں: زیادہ شادابی کی وجہ سے سیاہ نظر آنے والے ہیں۔ صَلْصَالٍ: وہ گارا جس میں ریت ملائی جائے تو وہ ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے لگے۔ بعض اہل علم نے کہا: صلصال سے مراد بدبودار کیچڑ ہے۔ صَلَّ کے معنی بدبودار کے ہیں، یعنی صل اور صَلْصَال کے معنی ہیں: سڑ جانا، جیسے صر الباب دروازہ بند کرنے کی آواز کو کہتے ہیں اور صَرْ صَرَ کے معنی بھی یہی ہیں جیسے کَبْکَبْتُهٗ اور کَبَبْتُهٗ کے معنی ایک ہیں۔ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ: بعض اہل علم نے کہا ہے: کھجور اور انار فاکھہ میں سے نہیں ہیں لیکن عرب لوگ انھیں فاکھہ میں شمار کرتے ہیں جیسا کہ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى میں ہے۔ اس میں پہلے تمام نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے، جس میں صلاۃ وسطیٰ بھی شامل ہے، پھر صلاۃ وسطیٰ کو تاکید کے لیے دوبارہ بیان کیا گیا ہے، اسی طرح نخل اور رمان کو دوبارہ بیان کردیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن میں ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِى الْأَرْضِ﴾ پھر فرمایا: ﴿وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ﴾ حالانکہ ان کا ذکر ﴿مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ﴾ میں آ گیا تھا۔

وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿أَفْنَانٍ﴾ [٤٨]: أَغْصَانٍ. ﴿وَجَنَى ٱلْجَنَّتَيْنِ دَانٍ﴾ [٥٤]: مَا يُجْتَنَى قَرِيبٌ. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿فَبِأَيِّ ءَالَآءِ﴾ [١٣]: نِعَمِهِ. وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾: يَعْنِي الْجِنَّ وَالْإِنْسَ. وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ [٢٩]: يَغْفِرُ ذَنْبًا وَيَكْشِفُ كَرْبًا، وَيَرْفَعُ قَوْمًا وَيَضَعُ آخَرِينَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿بَرْزَخٌ﴾ [٢٠]:

امام مجاہد کے علاوہ نے کہا: اَفْنَانٍ سے مراد شاخیں ہیں۔ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ کا مطلب ہے کہ دونوں باغوں کے پھل جو توڑے جائیں گے وہ بہت قریب ہوں گے۔ امام حسن بصری نے فرمایا: فَبِاَيِّ اٰلَاءِ میں آلاء سے مراد نعمتیں ہیں۔ حضرت قتادہ نے فرمایا: رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ میں خطاب جن وانس سے ہے۔ حضرت ابو الدرداء ؓ نے فرمایا: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ: وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے،

حَاجِزٌ. اَلْأَنَامُ: اَلْخَلْقُ. ﴿نَضَّاخَتَانِ﴾ [٦٦]: فَيَّاضَتَانِ. ﴿ذُو الْجَلٰلِ﴾ [٧٨]: اَلْعَظَمَةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿مَارِجٍ﴾ [١٥]: خَالِصٍ مِنَ النَّارِ، يُقَالُ: مَرَجَ الْأَمِيرُ رَعِيَّتَهُ: إِذَا خَلَّاهُمْ يَعْدُو بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ؛ مَرَجَ أَمْرُ النَّاسِ. ﴿مَرِيجٍ﴾ [ق: ٥]: مُلْتَبِسٌ. ﴿مَرَجَ﴾ [١٩]: اِخْتَلَطَ، مِنْ مَرَجْتَ دَابَّتَكَ: تَرَكْتَهَا. ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ﴾ [٣١]: سَنُحَاسِبُكُمْ، لَا يَشْغَلُهُ شَيْءٌ عَنْ شَيْءٍ وَهُوَ مَعْرُوفٌ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ، يُقَالُ: لَأَتَفَرَّغَنَّ لَكَ، وَمَا بِهِ شُغْلٌ، يَقُولُ: لَآخُذَنَّكَ عَلٰى غِرَّتِكَ.

یعنی کسی کا گناہ معاف کرتا ہے، کسی کی تکلیف دور کرتا ہے، کسی قوم کو ترقی دیتا ہے تو کسی قوم کو ذلت کی گھاٹی میں پھینک دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: بَرْزَخٌ کے معنی ہیں: آڑ اور روک۔ اَلْاَنَام کے معنی ہیں: مخلوق۔ نَضَّاخَتَانِ سے مراد یہ ہے کہ اہل جنت پر وہ دونوں باغ خیروبرکت برسانے والے ہوں گے۔ ذِی الْجَلٰلِ کے معنی ہیں: عزت و بزرگی والا۔ حضرت ابن عباس ؓ کے علاوہ دوسروں نے کہا: مَارِجٍ سے مراد خالص آگ جس میں دھواں نہ ہو۔ اہل عرب کہتے ہیں: مَرَجَ الْاَمِيْرُ رَعِيَّتَهُ، حاکم نے اپنی رعایا کو آزاد چھوڑ دیا، یعنی وہ ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں، نیز مَرَجَ اَمْرُ النَّاسِ: لوگوں کا معاملہ گڑ بڑ ہو گیا۔ (یعنی مرج کے معنی متعدد آتے ہیں۔) مَرِيْجٍ کے معنی ہیں: گڈمڈ، باہم ملا ہوا۔ مَرَجَ کے معنی ہیں: دونوں (دریا) مل گئے، یہ لفظ مَرَجْتَ دَابَّتَكَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: تو نے اپنا جانور چھوڑ دیا ہے۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ ہم عنقریب تمھارا حساب لیں گے۔ یہاں فراغت اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز دوسری چیز سے غافل نہیں کر سکتی۔ عربی زبان میں یہ محاورہ مشہور ہے: لَأَتَفَرَّغَنَّ لَكَ: میں تیرے لیے فارغ ہوں گا، حالانکہ اسے کوئی مشغولیت نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں تیری غفلت پر اچانک تجھے پکڑوں گا۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَمِن دُونِهِمَا جَنَّتَانِ﴾ [٦٢]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”ان دو (باغوں) کے علاوہ اور دو باغ ہیں“ کا بیان

وضاحت: اہل جنت کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں: ایک قسم السابقون یا مقربین کی، انھیں جو دو باغ ملیں گے وہ اعلیٰ قسم کے ہوں گے۔ دوسری قسم اصحاب الیمین، عام اہل جنت کی، انھیں جو دو باغ ملیں گے وہ پہلی قسم سے کچھ کم درجہ ہوں گے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ہر جنتی کو دو باغ اعلیٰ قسم کے ملیں گے دو باغ اس سے کم درجے کے ہوں گے۔

٤٨٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ الْعَمِّيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ، آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِ، عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ». [انظر: ٤٨٨٠، ٧٤٤٤]

[4878] حضرت عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری) ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو باغ چاندی کے ہیں۔ ان دونوں کے برتن اور ان کا دیگر ساز و سامان چاندی کا ہو گا۔ اور دوسرے دو باغ سونے کے ہیں۔ ان کے برتن اور دیگر ساز و سامان بھی سونے کا ہو گا۔ اور جنت عدن میں اہل جنت اور ان کے رب کے دیدار میں کوئی چیز حائل نہیں ہو گی، ہاں! رب کبریاء کے چہرے پر کبریائی کی چادر ضرور ہو گی۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں باغات کی اقسام بیان کی گئی ہیں کہ دو باغ تو اعلیٰ قسم کے ہوں گے اور دو باغ ان سے کچھ کم درجے کے ہوں گے۔ یہ اقسام اہل جنت کے درجات کے فرق کی بنیاد پر ہیں۔ مقربین اور سابقین کے لیے سونے کے دو باغ اور عام اہل ایمان کے لیے چاندی کے دو باغ ہوں گے۔ ② رؤیت باری، یعنی اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق بحث کتاب التوحید میں آئے گی، ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن جنت میں اپنا دیدار نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.

(٢) بَابٌ: ﴿حُورٌ مَّقْصُورَٰتٌ فِي ٱلْخِيَامِ﴾ [٧٢]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”حوریں خیموں میں محفوظ ہوں گی“ کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿حُورٌ﴾: سُودُ الْحَدَقِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مَّقْصُورَٰتٌ﴾: مَحْبُوسَاتٌ، قَصَرْنَ طَرْفَهُنَّ وَأَنْفُسَهُنَّ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ. ﴿قَٰصِرَٰتُ﴾ [٥٦]: لَا يَبْغِينَ غَيْرَ أَزْوَاجِهِنَّ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: حور کے معنی ہیں: سیاہ پتلی والی۔ امام مجاہد نے کہا: مَقْصُورَاتٌ کے معنی ہیں: ان کی نگاہ اور ذات اپنے شوہروں پر رکی ہوئی ہو گی۔ قاصرات کے معنی ہیں: وہ اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی دوسرے کی خواہش مند نہیں ہوں گی۔

وضاحت: اس آیت میں اہل جنت کی عورتوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ بہت خوبصورت ہوں گی۔ خوبصورتی میں آنکھوں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ آنکھ کی پتلی جس قدر زیادہ سیاہ ہو اور سفیدی جتنی زیادہ سفید ہو آنکھ اتنی ہی خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ حُورٌ کے لفظ میں ان کی خوبصورتی بیان ہوئی ہے اور کردار کی پاکیزگی یہ ہو گی کہ وہ صرف اپنے خاوندوں کے لیے ہوں گی، اپنے خیموں سے باہر نکل کر ہرجائی نہیں بنیں گی۔ واضح رہے کہ خیموں سے مراد اہل ثروت کے وہ خیمے ہیں جو سیر و تفریح کی غرض سے دوران سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اسی طرح کے خیموں کی صفت درج ذیل حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

٤٨٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ خَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ مُجَوَّفَةٍ، عَرْضُهَا سِتُّونَ مِيلًا فِي كُلِّ زَاوِيَةٍ مِنْهَا أَهْلٌ مَا يَرَوْنَ الْآخَرِينَ، يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُونَ». [راجع: ٣٢٤٣]

[4879] حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ (ابوموسیٰ اشعری) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں ایک خولدار موتی کا خیمہ ہوگا جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہو گی۔ اس کے ہر کونے میں اہل جنت کے اہل خانہ ہوں گے وہ دوسروں کو نہیں دیکھیں گے۔ اہل جنت، ان کے پاس جائیں گے۔“

٤٨٨٠ - «وَجَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ كَذَا آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ». [راجع: ٤٨٧٨]

[4880] ”اس میں دو باغ ہیں: ان کے برتن اور ان کے علاوہ جو کچھ ان میں ہے سب چاندی کا ہے۔ ان کے علاوہ اور دو باغ ہیں: ان دونوں کے برتن اور ان کے علاوہ جو کچھ ان میں ہوگا وہ سب سونے کا ہے۔ وہاں سدا بہار جنت میں اہل جنت اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان صرف کبریائی کی چادر ہے جو اس کے چہرے پر ہے۔“

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ اس خولدار موتی کا طول ساٹھ میل ہوگا۔[1] اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت اللہ کا دیدار نہیں کر پائیں گے کیونکہ اس کے چہرے پر کبریائی کی چادر ہوگی۔ لیکن دیگر احادیث میں اہل جنت کے لیے دیدار باری تعالیٰ کی صراحت آئی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: اہل جنت، جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمھیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو میں تمھیں مزید عطا فرماؤں؟ وہ عرض کریں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے سفید نہیں کر دیے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ کیا تو نے ہمیں جہنم کی آگ سے نہیں بچا لیا؟ فرمایا: پھر حجاب اٹھا دیا جائے گا تو وہ اللہ کے چہرے کا دیدار کریں گے۔ انھیں جنت میں جو کچھ عطا کیا گیا ہوگا، ان میں سے اپنے رب کا دیدار انھیں سب سے زیادہ محبوب ہوگا، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اچھے اعمال کیے اچھا ثواب ہے اور اس کے علاوہ بھی ہوگا۔“[2]

(٥٦) سُورَةُ الْوَاقِعَةِ — بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ — 56-تفسیر سورۂ واقعہ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿رُجَّتِ﴾ [٤]: زُلْزِلَتْ.

امام مجاہد نے کہا: رُجَّتِ کے معنی ہیں: جنبش دی جائے

1 صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3243. 2 يونس 10:26، وصحيح مسلم، الإيمان، حديث: 449، 450(181).

﴿وَبُسَّتِ﴾ [٥]: فُتَّتْ، وَلُتَّتْ كَمَا يُلَتُّ السَّوِيقُ. اَلْمَخْضُودُ: لَا شَوْكَ لَهُ. ﴿مَنضُودٍ﴾ [٢٩]: اَلْمَوْزُ، وَالْعُرُبُ: اَلْمُحَبَّبَاتُ إِلَى أَزْوَاجِهِنَّ. ﴿ثُلَّةٌ﴾ [٣٩، ٤٠]: أُمَّةٌ. ﴿يَحْمُومٍ﴾ [٤٣]: دُخَانٍ أَسْوَدَ. ﴿يُصِرُّونَ﴾ [٤٦]: يُدِيمُونَ. ﴿الْهِيمِ﴾ [٥٥]: اَلْإِبِلُ الظِّمَاءُ. ﴿لَمُغْرَمُونَ﴾ [٦٦]: لَمُلْزَمُونَ. رَوْحٌ: جَنَّةٌ وَرَخَاءٌ. ﴿وَرَيْحَانٌ﴾ [٨٩]: اَلرِّزْقُ. ﴿وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [٦١]: أَيْ فِي أَيِّ خَلْقٍ نَشَاءُ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿تَفَكَّهُونَ﴾ [٦٥]: تَعْجَبُونَ. ﴿عُرُبًا﴾ [٣٧]: مُثَقَّلَةً وَاحِدُهَا عَرُوبٌ مِثْلُ: صَبُورٍ وَصُبُرٍ، يُسَمِّيهَا أَهْلُ مَكَّةَ: اَلْعَرِبَةَ، وَأَهْلُ الْمَدِينَةِ: اَلْغَنِجَةَ، وَأَهْلُ الْعِرَاقِ: اَلشَّكِلَةَ، وَقَالَ فِي: ﴿خَافِضَةٌ﴾ [٣]: لِقَوْمٍ إِلَى النَّارِ، وَ﴿رَافِعَةٌ﴾: إِلَى الْجَنَّةِ. ﴿مَوْضُونَةٍ﴾ [١٥]: مَنْسُوجَةٍ؛ وَمِنْهُ: وَضِينُ النَّاقَةِ. وَالْكُوبُ: لَا آذَانَ لَهُ وَلَا عُرْوَةَ. وَالْأَبَارِيقُ: ذَوَاتُ الْآذَانِ وَالْعُرَى. ﴿مَسْكُوبٍ﴾ [٣١]: جَارٍ. ﴿وَفُرُشٍ مَرْفُوعَةٍ﴾ [٣٤]: بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ. ﴿مُتْرَفِينَ﴾ [٤٥]: مُتَمَتِّعِينَ. ﴿مَدِينِينَ﴾ [٨٦]: مُحَاسَبِينَ ﴿مَا تُمْنُونَ﴾ [٥٨]: هِيَ النُّطْفَةُ فِي أَرْحَامِ النِّسَاءِ. ﴿لِلْمُقْوِينَ﴾ [٧٣]: لِلْمُسَافِرِينَ؛ وَالْقِيُّ: اَلْقَفْرُ. ﴿بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ﴾ [٧٥]: بِمُحْكَمِ الْقُرْآنِ، وَيُقَالُ: بِمَسْقِطِ النُّجُومِ: إِذَا سَقَطْنَ؛ وَمَوَاقِعُ وَمَوْقِعٌ وَاحِدٌ. ﴿مُدْهِنُونَ﴾ [٨١]: مُكَذِّبُونَ؛ مِثْلُ: ﴿لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ [القلم: ٩]. ﴿فَسَلَامٌ لَكَ﴾ [٩١]: أَيْ: مُسَلَّمٌ لَكَ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ

گی، یعنی ہلائی جائے گی۔ وَبُسَّتِ کے معنی ہیں: (اور پہاڑ) ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے اور انھیں اس طرح پیس کر باریک کردیا جائے گا جیسا کہ ستو پیس کر باریک کیے جاتے ہیں۔ اَلْمَخْضُوْدُ سے مراد وہ بیری کے درخت ہیں جو بے خار ہوں گے، جن کے کانٹے نہیں ہوں گے۔ مَنضُوْدٍ سے مراد کیلے ہیں (جو تہ بہ تہ رکھے ہوں گے)۔ اَلْعُرُبُ سے مراد خاوندوں کی پیاری بیویاں اور محبوبائیں، یعنی ناز و ادا میں اپنے شوہر کی محبوبہ اور فراست میں اس کی مزاج شناس ہو۔ ثُلَّةٌ کے معنی ہیں: بڑا گروہ۔ يَحْمُومٍ کے معنی ہیں: سیاہ دھواں۔ يُصِرُّوْنَ: وہ گناہ ہمیشہ اصرار کے ساتھ کرتے ہیں۔ اَلْهِيمِ کے معنی ہیں: پیاسے اونٹ جو پانی سے سیراب نہ ہوں۔ لَمُغْرَمُوْنَ کے معنی ہیں: ہم پر چٹی پڑی ہے۔ رَوْحٌ کے معنی ہیں: جنت اور آرام۔ وَرَيْحَانٌ سے مراد روزی اور رزق ہے۔ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے معنی ہیں: ہم جس صورت میں چاہیں تمھیں پیدا کر دیں۔ مجاہد کے علاوہ نے کہا: تَفَكَّهُوْنَ کے معنی ہیں: تم تعجب کرتے رہ جاؤ۔ عُرُبًا را کے ضمہ کے ساتھ جو پڑھنے میں ذرا مشکل ہے۔ اس کا واحد عَرُوبٌ ہے، جیسے صَبُورٍ کی جمع صُبُر آتی ہے۔ عروب کے معنی ہیں: خوبصورت محبوبہ۔ اہل مکہ اسے عَرِبَه، اہل مدینہ اسے غَنِجَه اور اہل عراق اسے شَكِلَه کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ نے خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ کے متعلق کہا ہے کہ وہ (قیامت) کچھ لوگوں کو ذلیل کر کے جہنم کی طرف دھکیل دے گی اور کچھ کو اعزاز کے ساتھ جنت کی طرف روانہ کر دے گی۔ مَوْضُوْنَةٍ: سونے کے تاروں سے بنے ہوئے۔ وَضِيْنُ النَّاقَة بھی اسی سے ماخوذ ہے جس کے معنی اونٹنی کا زیر بند ہیں۔ اَلْكُوبُ جس کی جمع اَكْوَاب ہے اس آبخورے کو کہتے ہیں جس کی نہ ٹونٹی ہو اور نہ اس کا دستہ

الْيَمِينِ، وَأُلْغِيَتْ إِنَّ وَهُوَ مَعْنَاهَا ؛ كَمَا تَقُولُ : أَنْتَ مُصَدَّقٌ، مُسَافِرٌ عَنْ قَلِيلٍ، إِذَا كَانَ قَدْ قَالَ: إِنِّي مُسَافِرٌ عَنْ قَلِيلٍ، وَقَدْ يَكُونُ كَالدُّعَاءِ لَهُ كَقَوْلِكَ : فَسَقْيًا مِنَ الرِّجَالِ. إِنْ رَفَعْتَ - السَّلَامُ - فَهُوَ مِنَ الدُّعَاءِ. ﴿تُورُونَ﴾ [٧١]: تَسْتَخْرِجُونَ، أَوْرَيْتُ : أَوْقَدْتُ. ﴿لَغْوًا﴾ [٢٥]: بَاطِلًا. ﴿تَأْثِيمًا﴾ : كَذِبًا.

ہو، جبکہ اَلْاَبَارِيقُ: پانی پینے کے وہ برتن جن کی ٹونٹی اور دستہ ہو۔ مَسْكُوْب کے معنی ہیں: بہتا ہوا پانی۔ وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ کے معنی ہیں: اوپر تلے بچھائے گئے بستر تاکہ وہ نرم اور دبیز ہو جائیں۔ مُتْرَفِيْنَ کے معنی ہیں: آسودہ حال اور آرام پرور لوگ، یعنی مزے سے زندگی گزارنے والے۔ مَدِيْنِيْنَ کے معنی ہیں: محاسبہ کیے گئے، کسی کے محکوم۔ مَاتُمْنُوْنَ کے معنی ہیں: وہ نطفہ جو تم عورتوں کے رحم میں ڈالتے ہو۔ لِلْمُقْوِيْنَ: مسافروں (کے فائدے) کے لیے۔ یہ لفظ قِيٌّ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں: بے آب و گیاہ میدان۔ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ سے مراد قرآن کریم کی محکم آیات ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد ستاروں کے غروب ہونے کی جگہ ہے۔ مَوَاقِع (جمع) اور مَوْقِع (مفرد) مضاف ہونے کی صورت میں دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ مُدْهِنُوْنَ کے معنی ہیں: تم جھٹلانے والے ہو جیسا کہ اس آیت میں ہے: لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ: یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے پڑ جاؤ تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں گے۔ فَسَلٰمٌ لَّكَ کے معنی ہیں: تیرے لیے یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ تو اصحاب الیمین سے ہے۔ اس میں لفظ اِنَّ حذف کر کے اس کے معنی قائم رکھے گئے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے: میں اب تھوڑی دیر میں سفر کرنے والا ہوں تو تو اس سے کہے: اَنْتَ مُصَدَّقٌ مسافر عن قليلَ یہاں بھی اِنَّ کا لفظ محذوف ہے۔ کبھی سلام کا لفظ بطور دعا بھی استعمال ہوتا ہے اگر مرفوع ہو جیسا کہ فَسَقْيًا مِّنَ الرِّجَالِ نصب کے ساتھ ہو تو دعا کے معنی میں آتا ہے، لوگوں کو پانی ملے، یعنی اللہ تمھیں سیراب کرے۔ تُوْرُوْنَ، یعنی تم نکالتے ہو۔ یہ لفظ أَوْرَيْتُ سے ماخوذ ہے، یعنی میں نے سلگایا۔ لَغْوًا کے معنی ہیں: باطل اور جھوٹ۔

تَأْثِيمًا کے معنی ہیں: جھوٹ۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ﴾ [٣٠]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور لمبے لمبے سائے'' کا بیان

وضاحت: اصحاب الیمین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ بے خار بیریوں، تہ بہ تہ کیلوں، دور تک پھیلی ہوئی چھاؤں، پانی کی آبشاروں اور وافر پھلوں میں ہوں گے۔''[1] لمبے لمبے سایوں کے متعلق درج ذیل حدیث میں وضاحت ہے۔

٤٨٨١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً، يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ، لَا يَقْطَعُهَا، وَاقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ﴾». [راجع: ٣٢٥٢]

[4881] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ تک اس حدیث کو پہنچاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جنت میں ایک اتنا بڑا درخت ہے جس کے سائے میں اگر سوار سو برس تک چلتا رہے تو بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ اور لمبے لمبے سائے۔''

فائدہ: ایک روایت میں ہے: ''بہترین عمدہ، تیار شدہ تیز رفتار گھوڑا بھی سو سال تک اسے طے نہیں کر سکے گا۔''[2] ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سدرۃ المنتہی کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''سوار اس کی شاخوں کے سائے میں سو سال چلتا رہے گا...... یا فرمایا...... اس کے سائے میں سو سوار آسکیں گے۔ اس پر پتنگے سونے کے ہوں گے اور اس کا پھل بڑے مٹکوں کی طرح ہوگا۔''[3]

(٥٧) سُورَةُ الْحَدِيدِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 57- تفسیر سورۂ حدید

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِينَ﴾ [٧]: مُعَمَّرِينَ فِيهِ. ﴿مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ [٩]: مِنَ الضَّلَالَةِ إِلَى الْهُدَى. ﴿فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ

امام مجاہد نے کہا: جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِينَ کے معنی ہیں: اس نے تمھیں زمین میں آباد کیا۔ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّورِ کے معنی ہیں: گمراہی سے ہدایت کی طرف۔ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ،

---

(1) الواقعة 56:28-30. (2) صحيح مسلم، الجنة و نعيمها، حديث: 7139 (2828). (3) جامع الترمذي، صفة الجنة، حديث: 2541.

لِلنَّاسِ﴾ [٢٥]: جُنَّةٌ وَسِلَاحٌ. ﴿مَوْلَىٰكُمْ﴾ [١٥]: أَوْلَى بِكُمْ. ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَٰبِ﴾ [٢٩]: لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ. يُقَالُ: ﴿وَالظَّٰهِرُ﴾ [٣] عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا. ﴿وَالْبَاطِنُ﴾ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا. ﴿انظُرُونَا﴾ [١٣]: اِنْتَظِرُونَا.

یعنی لوگ اس لوہے سے ڈھالیں اور ہتھیار بناتے ہیں۔ مَوْلٰكُمْ کے معنی ہیں: (یہ آگ) تمھارے لیے زیادہ سزا وار ہے۔ لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتٰبِ کے معنی ہیں: تاکہ اہل کتاب معلوم کرلیں، یعنی لا زائدہ ہے۔ وَالظَّاهِرُ کے معنی ہیں: ہر چیز پر اس کا ظہور علم کے اعتبار سے ہے۔ وَالْبَاطِنُ کے معنی ہیں: وہ ہر چیز سے مخفی ہے علم کے اعتبار سے، یعنی کسی عقل و خیال کی اس کی ذات تک رسائی نہیں ہے۔ اُنْظُرُوْنَا کے معنی ہیں: ذرا ہمارا انتظار کرلو۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ الحدید کی تفسیر میں کوئی حدیث بیان نہیں کی ہے، صرف چند الفاظ کی تشریح پر اکتفا کیا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے تحت ذکر کی جا سکے۔ وہ فرماتے ہیں: ہمارے اسلام لانے اور درج ذیل آیات کے ذریعے سے عتاب کرنے میں صرف چار سال کا وقفہ تھا وہ آیت یہ ہے: ”جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا ان کے لیے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور جو حق نازل ہوا ہے، اس کے لیے ان کے دل جھک جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر ایک لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔“[1]

(٥٨) سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 58-تفسیر سورۂ مجادلۃ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿يُحَآدُّونَ﴾ [٢٠]: يُشَاقُّونَ اللهَ. ﴿كُبِتُوا﴾ [٥]: أُخْزُوا مِنَ الْخِزْيِ. ﴿اسْتَحْوَذَ﴾ [١٩]: غَلَبَ.

امام مجاہد نے فرمایا: يُحَادُّوْنَ کے معنی ہیں: اللہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ كُبِتُوْا کے معنی أُخْزُوا ہیں جو خِزْيٌ سے ماخوذ ہے، یعنی ذلیل و رسوا کیے گئے۔ اِسْتَحْوَذَ کے معنی ہیں: غَلَبَ، یعنی شیطان ان پر غالب آ گیا۔

وضاحت: اس سورت کے تحت بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی، صرف تین الفاظ کے معنی بتائے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس سورت میں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ذکر کرنا مناسب ہے جن کے خاوند نے ان سے ظہار کیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التوحید میں اس حدیث کا کچھ حصہ تعلیق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[2] امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت

1 الحديد 57:16. صحيح مسلم، التفسير، حديث: 7550 (3027). 2 فتح الباري: 8/801.

خولہ ﷺ سے ظہار کا واقعہ متصل سند سے بیان کیا ہے۔ [1]

(٥٩) سُورَةُ الْحَشْرِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 59- تفسیر سورۂ حشر

﴿ٱلْجَلَآءَ﴾ [٣] اَلْإِخْرَاجَ مِنْ أَرْضٍ إِلَى أَرْضٍ.

اَلْجَلَاءَ کے معنی ہیں: ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکالنا جسے جلا وطن کہا جاتا ہے۔

(١) [بَابٌ]:

باب: 1- بلا عنوان

٤٨٨٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: سُورَةُ التَّوْبَةِ؟ قَالَ: اَلتَّوْبَةُ هِيَ الْفَاضِحَةُ مَا زَالَتْ تَنْزِلُ: ﴿وَمِنْهُمْ﴾ ﴿وَمِنْهُمْ﴾ حَتَّى ظَنُّوا أَنَّهَا لَمْ تُبْقِ أَحَدًا مِنْهُمْ إِلَّا ذُكِرَ فِيهَا. قَالَ: قُلْتُ: سُورَةُ الْأَنْفَالِ؟ قَالَ: نَزَلَتْ فِي بَدْرٍ. قَالَ: قُلْتُ: سُورَةُ الْحَشْرِ؟ قَالَ: نَزَلَتْ فِي بَنِي النَّضِيرِ. [راجع: ٤٠٢٩]

[4882] حضرت سعید بن جبیر ﷫ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس ﷠ سے پوچھا: آپ سورۂ توبہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہ سورۂ توبہ تو رسوا کرنے والی ہے۔ اس سورت میں تو مسلسل یہی نازل ہوتا رہا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں حتی کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ یہ سورت کسی کا کچھ بھی نہیں چھوڑے گی بلکہ سب کے بھید کھول دے گی۔ میں نے سورۂ انفال کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ جنگ بدر کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ میں نے سورۂ حشر کے متعلق عرض کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ یہود کے قبیلۂ بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

٤٨٨٣ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُدْرِكٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: سُورَةُ الْحَشْرِ؟ قَالَ: قُلْ: سُورَةُ النَّضِيرِ. [راجع: ٤٠٢٩]

[4883] حضرت سعید بن جبیر ﷫ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس ﷠ سے سورۂ حشر کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس سورت کو سورۃ النضیر کہا کرو۔

---

① سنن النسائي، الطلاق، حديث: 3490.

فائدہ: سورۂ توبہ میں منافقین کے رسوا کن کردار کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ ہے کہ اس سورت نے تو بہت سارے بدکردار لوگوں کو ذلیل کیا اور ان کی حقیقت حال سے پردہ اٹھایا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو انتہائی ورع اور تقویٰ کی وجہ سے خیال گزرا کہ شاید یہ سورت اب کسی کو نہیں چھوڑے گی اور سب کے حالات بیان کر دے گی لیکن اس میں تو منافقین اور اللہ کے حکم پر عمل نہ کرنے والوں کا ذکرِ شر کیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۂ حشر کو حشر کہنا اس لیے اچھا خیال نہ کیا کہ شاید لوگوں کا ذہن قیامت کی طرف منتقل ہو جائے، حالانکہ حشر سے مراد قیامت کا حشر نہیں بلکہ اس میں بنونضیر کی جلاوطنی کا ذکر ہے۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ﴾ [٥]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''جو بھی کھجور کا درخت تم نے کاٹ دیا......'' کا بیان

نَخْلَةٍ مَا لَمْ تَكُنْ عَجْوَةً أَوْ بَرْنِيَّةً

اس آیت کریمہ میں لینة کے معنی نخلة ہیں، یعنی کھجور کا وہ درخت جو عجوہ یا برنی نہ ہو۔

٤٨٨٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰٓ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ ٱللَّهِ وَلِيُخْزِىَ ٱلْفَٰسِقِينَ﴾. [راجع: ٢٣٢٦]

[4884] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر کی کھجوروں کے درخت جلا دیے تھے اور کچھ کاٹ ڈالے تھے۔ یہ درخت مقام بُویرہ میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ''جو بھی کھجور کا درخت تم نے کاٹ دیا یا اسے اس کی جڑوں پر قائم رہنے دیا یہ دونوں کام اللہ کے حکم کے مطابق تھے تاکہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے موقع پر درخت کاٹنے سے منع کیا تھا، مگر بنونضیر کی مسلسل بدعہدیوں کی وجہ سے ان کا استیصال ضروری تھا، لہٰذا اس خاص موقع پر اللہ تعالیٰ نے درخت کاٹنے کی اجازت دی۔ ② واقعہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے گرد بنونضیر کا ایک نہایت خوبصورت باغ تھا جسے بویرہ کہتے تھے۔ اس میں بہت سے کھجوروں کے درخت تھے۔ جب مسلمانوں نے بنونضیر کا محاصرہ کرنا چاہا تو انھوں نے باغ کو بطور ڈھال استعمال کیا، اس لیے جو درخت اس کام کے لیے رکاوٹ بن رہے تھے مسلمانوں نے انھیں کاٹ ڈالا اور جہاں زیادہ گنجان تھے وہاں انھیں آگ لگا کر محاصرے کے لیے راہ صاف کر لی۔ جب آگ کے شعلوں نے اس باغ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو اس وقت حضرت حسان نے یہ شعر پڑھا: ''بنولوی کے سرداروں (مشرکینِ مکہ) پر یہ بات بہت گراں گزری کہ بویرہ کا باغ پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آ کر جل رہا ہے۔'' ③ جب راستہ صاف کرنے کے لیے مسلمانوں نے یہ درخت کاٹے اور انھیں آگ لگائی تو مخالفین نے ایک شور برپا کر دیا کہ دیکھو مسلمان ان

درختوں کو کاٹ کر فساد فی الارض کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے مذکورہ آیت نازل فرمائی کہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ یہ حکم قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی جسے عموماً وحی خفی کہا جاتا ہے۔ ④ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی تخریبی کارروائی جنگ کے لیے ناگزیر ہو تو وہ فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آئے گی۔

(٣) بَابٌ: ﴿مَآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ﴾ [٧]

باب:3- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اللہ تعالیٰ جو مال بھی اپنے رسول کو مفت میں دلا دے'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کا تکملہ یہ ہے: ''وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت والوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ مال تمھارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔''[1] اس آیت میں ایک عام اصول بیان کیا گیا ہے کہ جو اموال بھی جنگی کارروائیوں کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں وہ قومی ملکیت سمجھے جائیں گے۔ ان میں سے مجاہدین کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ یہ ان کی محنت کا نتیجہ نہیں ہیں۔ ان اموال پر مسلمانوں کا امیر اپنے صوابدیدی اختیارات رکھتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٨٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ - غَيْرَ مَرَّةٍ - عَنْ عَمْرٍو، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِمَّا لَمْ يُوجِفِ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ، فَكَانَتْ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ خَاصَّةً، يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ مِنْهَا نَفَقَةَ سَنَتِهِ، ثُمَّ يَجْعَلُ مَا بَقِيَ فِي السِّلَاحِ وَالْكُرَاعِ عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللهِ. [راجع: ٢٩٠٤]

[4885] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ بنو نضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے لڑائی کے بغیر اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمائے تھے۔ مسلمانوں نے ان کے لیے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ ان اموال کا خرچ کرنا خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے صوابدیدی اختیارات پر موقوف تھا، چنانچہ آپ ان میں سے ازواج مطہرات کو سالانہ خرچ دیتے تھے اور جو باقی بچتا اس سے سامان جنگ خریدتے اور گھوڑوں پر خرچ کرتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے موقع پر کام آئیں۔

فوائد ومسائل: ① جو مال دوران جنگ میں مسلمانوں کی لڑائی اور محنت ومشقت کے نتیجے میں حاصل ہو اسے مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق تفصیلی احکام سورۂ انفال میں بیان ہوئے ہیں اور جو مال جنگ کے بغیر ہاتھ آجائے اسے مال فے کہتے ہیں۔ چونکہ یہ مال اس اجتماعی قوت کا نتیجہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول، اس کی امت اور اس کے قائم کردہ نظام کو

[1] الحشر 59:7.

عطا فرمائی ہے، اس لیے یہ مال، مال غنیمت سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس مال پر مسلمانوں کے امیر کا تصرف حاکمانہ ہوتا ہے۔ وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اناج کا ایک سال تک کے لیے ذخیرہ کرنا جائز ہے لیکن اگر ذخیرہ اندوزی سے عام لوگوں کو نقصان پہنچتا ہو تو جائز نہیں، نیز خوراک کا ذخیرہ کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٤) بَابٌ: ﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾ [٧]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لے لو'' کا بیان

وضاحت: آیت میں مذکورہ حکم اگرچہ اموال فے کی تقسیم کے بارے میں ہے لیکن اس کا اطلاق دنیوی زندگی کے ہر کام پر ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو قابل حجت تسلیم کرنے پر قطعی دلیل مہیا کرتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: لَعَنَ اللهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُوتَشِمَاتِ، وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ، الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللهِ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ امْرَأَةً مِنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهَا: أُمُّ يَعْقُوبَ، فَجَاءَتْ فَقَالَتْ: إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ، فَقَالَ: وَمَا لِي لَا أَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَنْ هُوَ فِي كِتَابِ اللهِ؟ فَقَالَتْ: لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِيهِ مَا تَقُولُ، فَقَالَ: لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ، أَمَا قَرَأْتِ: ﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟﴾ قَالَتْ: بَلٰى، قَالَ: فَإِنَّهُ قَدْ نَهٰى عَنْهُ، قَالَتْ: فَإِنِّي أَرٰى أَهْلَكَ يَفْعَلُونَهُ، قَالَ: فَاذْهَبِي فَانْظُرِي، فَذَهَبَتْ فَنَظَرَتْ فَلَمْ تَرَ مِنْ

[4886] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے گودنے والی، گدوانے والی، خوبصورتی کے لیے چہرے کے بال اکھاڑنے والی اور دانتوں میں کشادگی کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے جو اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں۔ یہ بات بنو اسد کی ایک عورت کو پہنچی جس کی کنیت ام یعقوب تھی، وہ (حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے پاس) آ کر کہنے لگی: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا: میں ایسی عورتوں پر لعنت کیوں نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو اللہ کی کتاب کے حکم کے مطابق بھی ملعون ہے؟ اس عورت نے کہا: میں نے تو سارا قرآن جو دو تختیوں کے درمیان ہے پڑھ ڈالا ہے، اس میں تو کہیں ان عورتوں پر لعنت نہیں آئی۔ انھوں نے فرمایا: اگر تم نے قرآن کو (بغور) پڑھا ہوتا تو تمھیں یہ مسئلہ ضرور مل جاتا۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: ''رسول، تمھیں جو کچھ دیں اسے

حَاجَتِهَا شَيْئًا، فَقَالَ: لَوْ كَانَتْ كَذٰلِكَ مَا جَامَعْتُهَا. [انظر: ٤٨٨٧، ٥٩٣١، ٥٩٣٩، ٥٩٤٣، ٥٩٤٨]

لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔'' اس عورت نے کہا: میں نے یہ آیت تو پڑھی ہے۔ (حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے) فرمایا: آپ ﷺ نے ان تمام کاموں سے منع فرمایا ہے۔ اس عورت نے کہا: میرے خیال کے مطابق آپ کی بیوی بھی یہ کام کرتی ہوگی۔ انھوں نے فرمایا: جاؤ میرے گھر جا کر دیکھ لو، چنانچہ وہ عورت گئی اور گھر میں دیکھا لیکن اس طرح کی (معیوب) چیز نہ مل سکی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا: اگر میری بیوی ایسے کام کرتی تو بھلا میرے ساتھ کیسے رہ سکتی تھی۔

٤٨٨٧ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: ذَكَرْتُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ حَدِيثَ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَلْوَاصِلَةَ فَقَالَ: سَمِعْتُهُ مِنِ امْرَأَةٍ يُقَالُ لَهَا: أُمُّ يَعْقُوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ مِثْلَ حَدِيثِ مَنْصُورٍ. [راجع: ٤٨٨٦]

[4887] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے سر کے قدرتی بالوں کے ساتھ مصنوعی بال لگانے والی عورت پر لعنت کی ہے۔ راویٔ حدیث عبدالرحمٰن بن عابس نے کہا: میں نے بھی ام یعقوب نامی ایک عورت سے سنا تھا وہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے اس طرح بیان کرتی تھی جیسا کہ منصور کی حدیث میں ہے۔

فوائد ومسائل: ① ام یعقوب نامی عورت نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا استدلال سن کر اس بات کا اقرار کیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور رسول اللہ ﷺ کی منع کردہ چیز اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیز ہے۔ تمام صحابۂ کرام ؓ کا یہی فہم تھا جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا تھا، یعنی سنت رسول ﷺ بھی شریعت کا حصہ ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو کتاب اللہ ہی کا حصہ شمار کرتے تھے، اس بنا پر جو کوئی سنت یا حدیث کی حجیت کا منکر ہے وہ دراصل قرآن کا منکر ہے۔ اس مقام پر حافظ ابن قیم ؒ نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے، فرماتے ہیں: ''ہمارے اسلاف جب کوئی حدیث سنتے اور اس کی تصدیق کتاب اللہ میں بھی مل جاتی تو یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ تو کتاب اللہ پر اضافہ ہے، اس لیے ہم اسے قبول نہیں کرتے اور نہ اس پر عمل کے روادار ہی ہیں بلکہ ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ارشادات کی بہت زیادہ قدر و قیمت تھی۔ حدیث سننے کے بعد اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔''[1]

① إعلام الموقعين : 294/2.

(٥) بَابٌ: ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيمَانَ﴾ [٩]

باب:5- (ارشاد باری تعالیٰ:) "اور (مالِ فے) ان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنا لیا تھا اور ایمان (قبول کر لیا تھا)" کا بیان

وضاحت: اس آیت سے انصار مدینہ مراد ہیں جو مہاجرین کے مدینہ آنے سے پہلے مدینے میں آباد تھے اور مہاجرین کے ہجرت کر کے آنے سے پہلے ایمان بھی ان کے دلوں میں قرار پکڑ چکا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انصار کی کمال فضیلت بیان کی ہے۔ انھوں نے مہاجر مسلمانوں کو آتے ہی اپنے گلے لگالیا اور مہاجرین کی آباد کاری کے لیے وہ مثال پیش کی جس کی مثال پیش کرنے سے پوری دنیا کی تاریخ قاصر ہے۔ ان اولین انصار نے مہاجرین کو اپنی جائیداد، گھر بار اور کھجوروں کے باغات میں شریک کر لیا۔ اس ایثار اور ہمدردی نے مہاجرین کے دل میں انصار کا جو مقام پیدا کیا وہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

٤٨٨٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ - يَعْنِي ابْنَ عَيَّاشٍ - عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أُوصِي الْخَلِيفَةَ بِالْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ أَنْ يَعْرِفَ لَهُمْ حَقَّهُمْ، وَأُوصِي الْخَلِيفَةَ بِالْأَنْصَارِ الَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُهَاجِرَ النَّبِيُّ ﷺ: أَنْ يَقْبَلَ مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَيَعْفُوَ عَنْ مُسِيئِهِمْ. [راجع: ١٣٩٢]

[4888] حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اولین مہاجرین کا حق پہچانے اور اس خلیفہ کو انصار کے متعلق بھی وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے حق کو پہچانے جنھوں نے نبی ﷺ کی ہجرت سے پہلے مدینہ طیبہ میں جگہ پکڑی اور ایمان کو سنبھالا۔ اس (خلیفے) پر لازم ہے کہ وہ انصار میں سے جو نیک ہوں ان کی قدر کرے اور جو گناہ گار ہیں ان کی برائی سے درگزر کرے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے تو شہادت سے پہلے انھوں نے یہ وصیت فرمائی: میرے بعد جو خلیفہ ہو اسے چاہیے کہ پہلے پہلے ہجرت کرنے والے حضرات کا خیال رکھے کیونکہ انھوں نے دین اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا وطن، مال و دولت اور گھر بار سب کو چھوڑ دیا۔ مہاجرین اولین وہ صحابہ ہیں جو تحویل قبلہ (قبلے کی تبدیلی) سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آگئے تھے۔ اسی طرح انھوں نے انصار کے متعلق بھی وصیت فرمائی کہ انھوں نے بے یارو مددگار مہاجرین کو مشکل وقت میں سنبھالا اور ان کا تعاون کیا، ان سے بھی خصوصی رعایت کی جائے۔ ② اس وصیت کا بقیہ حصہ مندرجہ ذیل ہے: میں آنے والے خلیفے کو شہری آبادی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ اسلام کی مدد کرنے والے، مال جمع کرنے

والے اور دشمنان اسلام کے لیے ایک مصیبت ہیں، نیز ان سے وہی کچھ وصول کیا جائے جو ان کے پاس ان کی ضرورت سے زائد ہو اور ان کی خوشی سے لیا جائے۔ میں آنے والے خلیفہ کو دیہی آبادی کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ وہ اصل عرب ہیں اور اسلام کی جڑ ہیں۔ ان سے بچا کھچا مال وصول کیا جائے اور ان کے ضرورت مند لوگوں پر خرچ کیا جائے۔[1]

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ﴾ اَلْآيَةَ [٩]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ”وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں“ کا بیان

اَلْخَصَاصَةُ: فَاقَةٌ. ﴿الْمُفْلِحُونَ﴾: اَلْفَائِزُونَ بِالْخُلُودِ؛ وَالْفَلَاحُ: اَلْبَقَاءُ؛ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ: عَجِّلْ. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿حَاجَةً﴾: حَسَدًا.

اَلْخَصَاصَةُ کے معنی ہیں: فاقہ۔ اَلْمُفْلِحُوْنَ کے معنی ہیں: ہمیشہ کامیاب رہنے والے۔ اَلْفَلَاح کے معنی ہیں: باقی رہنا۔ حَيَّ عَلَى الفَلَاحِ کامیابی کی طرف جلدی آؤ۔ امام حسن بصری نے کہا حَاجَةً سے مراد حسد ہے۔

٤٨٨٩ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَصَابَنِي الْجَهْدُ، فَأَرْسَلَ إِلَى نِسَائِهِ فَلَمْ يَجِدْ عِنْدَهُنَّ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا رَجُلٌ يُضَيِّفُهُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ، يَرْحَمُهُ اللهُ؟» فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ، فَذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: ضَيْفُ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَا تَدَّخِرِيهِ شَيْئًا، قَالَتْ: وَاللهِ مَا عِنْدِي إِلَّا قُوتُ الصِّبْيَةِ، قَالَ: فَإِذَا أَرَادَ الصِّبْيَةُ الْعَشَاءَ فَنَوِّمِيهِمْ وَتَعَالَيْ فَأَطْفِئِي السِّرَاجَ، وَنَطْوِي بُطُونَنَا اللَّيْلَةَ، فَفَعَلَتْ، ثُمَّ غَدَا الرَّجُلُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «لَقَدْ

[4889] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! میں فاقہ زدہ ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے ازواج مطہرات کے پاس بھیج دیا لیکن ان کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا کوئی شخص ایسا ہے جو آج رات اس مہمان کی میزبانی کرے، اللہ اس پر رحم کرے گا؟“ یہ سن کر ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! یہ آج میرے مہمان ہیں۔ پھر وہ انھیں اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں۔ ان سے کوئی چیز بچا اور چھپا کر نہ رکھنا۔ وہ کہنے لگی: میرے پاس تو صرف بچوں کی خوراک پڑی ہے۔ انصاری صحابی نے کہا: جب بچے کھانا مانگنے لگیں تو انھیں (بہلا پھسلا کر) سلا دینا اور چراغ بھی گل کر دینا۔ آج رات ہم بھوکے ہی

١- صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3700.

عَجِبَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، أَوْ ضَحِكَ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةَ»، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾. [راجع: ٣٧٩٨]

رہ لیں گے۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ شخص صبح کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فلاں مرد اور فلاں عورت پر اللہ بہت خوش ہوا ہے یا - آپ نے فرمایا کہ - اللہ تعالیٰ فلاں فلاں پر مسکرایا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾.

فائدہ: انصار کی مہاجرین کے بارے میں ایثار اور ہمدردی لازوال، باکمال اور بے مثال تھی۔ اس کے متعلق درج ذیل خوبصورت واقعہ بھی درج کیا جاتا ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارا کرا دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بہت دولت مند تھے۔ انھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: انصار کو معلوم ہے کہ میں ان میں سب سے زیادہ مال دار ہوں، اب میں اپنا آدھا مال اپنے اور آپ کے درمیان بانٹ دینا چاہتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو آپ کو پسند ہو میں اسے طلاق دے دوں گا۔ اس کی عدت گزر جانے کے بعد آپ اس سے نکاح کر لیں۔[1] کیا اس قسم کا ایثار دنیا کی تاریخ میں ملتا ہے؟!

(٦٠) سُورَةُ الْمُمْتَحِنَةِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 60- تفسیر سورۂ ممتحنہ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً﴾ [٥]: لَا تُعَذِّبْنَا بِأَيْدِيهِمْ فَيَقُولُونَ: لَوْ كَانَ هٰؤُلَاءِ عَلَى الْحَقِّ مَا أَصَابَهُمْ هٰذَا. ﴿بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ [١٠]: أُمِرَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ بِفِرَاقِ نِسَائِهِمْ كُنَّ كَوَافِرَ بِمَكَّةَ.

امام مجاہد نے کہا: لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً کے معنی ہیں: (اے اللہ!) ہمیں ان (کافروں) کے ہاتھوں تکلیف نہ پہنچا کہ وہ یوں کہنے لگیں: اگر یہ (مسلمان) حق پر ہوتے تو ہمارے ہاتھوں تکلیف کیوں اٹھاتے۔ بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب کو حکم دیا گیا کہ ان کافر عورتوں کو چھوڑ دیں جو مکہ میں بحالت کفر رہ گئی ہیں۔

وضاحت: مکہ میں رہنے والی بیویاں مشرک تھیں، اور مسلمان مرد کا مشرک عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا، اس لیے حکم ہوا کہ ان بیویوں کو فارغ کر دو کیونکہ وہ تمھارے نکاح میں رہنے کے قابل نہیں ہیں۔

1 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3781.

(١) بَابٌ: ﴿لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ [١]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ'' کا بیان

وضاحت: قریش نے صلح حدیبیہ کے سلسلے میں بدعہدی کا ارتکاب کیا تھا، اس لیے آپ نہایت راز داری کے ساتھ مکے پر چڑھائی کرنا چاہتے تھے تاکہ کفار مکہ مرعوب ہو کر مقابلے کی جرأت ہی نہ کر سکیں۔ اس راز داری کے دو فائدے پیش نظر تھے: مکہ فتح ہو جائے اور دوسرا وہاں کوئی خون خرابہ بھی نہ ہو۔ لیکن ان دنوں ایک مخلص مسلمان کی طرف سے اہل مکہ کو اس راز سے مطلع کرنے کی کوشش ہوئی، جس کا بروقت علاج کر لیا گیا۔ اس کی تفصیل درج ذیل حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

٤٨٩٠ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ: أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ أَبِي رَافِعٍ كَاتِبَ عَلِيٍّ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ فَقَالَ: «اِنْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ، فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوهُ مِنْهَا»، فَذَهَبْنَا تَعَادَى بِنَا خَيْلُنَا، حَتَّى أَتَيْنَا الرَّوْضَةَ، فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِينَةِ، فَقُلْنَا: أَخْرِجِي الْكِتَابَ، فَقَالَتْ: مَا مَعِيَ مِنْ كِتَابٍ، فَقُلْنَا: لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ، فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا، فَأَتَيْنَا بِهِ النَّبِيَّ ﷺ، فَإِذَا فِيهِ: مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلٰى أُنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِمَّنْ بِمَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا هٰذَا يَا حَاطِبُ؟» قَالَ: لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مِنْ قُرَيْشٍ وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ يَحْمُونَ

[4890] حضرت علی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے روانہ کیا اور فرمایا: ''جاؤ، جب تم روضۂ خاخ پر پہنچو تو وہاں تمھیں ہودج میں سوار ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہو گا۔ تم نے وہ خط اس سے حاصل کرنا ہے۔'' چنانچہ ہم روانہ ہوئے اور ہمارے گھوڑے تیزی کے ساتھ ہمیں منزل مقصود کی طرف لے جا رہے تھے۔ آخر جب ہم روضۂ خاخ پہنچے تو واقعی وہاں ہم نے ہودج میں سوار ایک عورت کو پایا۔ ہم نے اس سے کہا: خط نکال دو۔ اس نے کہا: میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: خط نکال دو بصورت دیگر ہم تیرے کپڑے اتار (کر تیری تلاشی) لیں گے۔ آخر اس نے اپنی چوٹی سے خط نکال کر ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم وہ خط لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس خط میں لکھا تھا: حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین کے چند افراد کے نام جو مکہ میں تھے۔ اس خط میں انھوں نے نبی ﷺ کی کچھ (جنگی) تیاری کا ذکر کیا تھا۔ نبی ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: ''اے حاطب! یہ کیا ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے معاملے

بِهَا أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِمَكَّةَ، فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي مِنَ النَّسَبِ فِيهِمْ أَنْ أَصْطَنِعَ إِلَيْهِمْ يَدًا يَحْمُونَ قَرَابَتِي، وَمَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ كُفْرًا وَلَا ارْتِدَادًا عَنْ دِينِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ»، فَقَالَ عُمَرُ: دَعْنِي يَا رَسُولَ اللهِ! فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، فَقَالَ: «إِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ».

میں جلدی نہ فرمائیں! اصل بات یہ ہے کہ میں مکہ میں قریش کے ساتھ بطور حلیف رہا کرتا تھا۔ ان کے خاندان اور قبیلے سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے برعکس آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی قریش میں رشتے داریاں ہیں، اس وجہ سے قریش، مکہ میں رہ جانے والے ان کے اہل و عیال اوران کے مال ومتاع کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ جب میرا ان سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تو اس موقع پر ان پر ایک احسان کردوں تاکہ اس کی وجہ سے وہ مکہ میں مقیم میرے رشتے داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ کام کفریا اپنے دین سے برگشتہ ہوجانے کی وجہ سے نہیں کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اس نے تم سے سچی بات کہہ دی ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ بدر کی جنگ میں ہمارے ساتھ شریک تھے۔ تمھیں کیا معلوم اللہ تعالیٰ تو اہل بدر کے حالات سے مطلع تھا اس کے باوجود اس نے ان کے متعلق فرما دیا: جو جی چاہے کرو میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔''

قَالَ عَمْرٌو: وَنَزَلَتْ فِيهِ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ﴾ قَالَ: لَا أَدْرِي الْآيَةُ فِي الْحَدِيثِ، أَوْ قَوْلُ عَمْرٍو. [راجع: ۳۰۰۷]

(راویِ حدیث) عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ سفیان بن عیینہ نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں کہ اس آیت کا ذکر حدیث کا حصہ ہے یا عمرو بن دینار کا اپنا قول ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: قِيلَ لِسُفْيَانَ فِي هٰذَا، فَنَزَلَتْ: ﴿لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ﴾ الْآيَةَ. قَالَ سُفْيَانُ: هٰذَا فِي حَدِيثِ النَّاسِ حَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو، مَا تَرَكْتُ مِنْهُ حَرْفًا وَمَا أُرٰى أَحَدًا

سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا: کیا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی؟ سفیان نے جواب دیا: لوگوں کی روایت میں تو اسی طرح ہے لیکن میں نے عمرو

حَفِظَهُ غَيْرِي.

بن دینار سے جو حدیث یاد کی ہے، اس میں سے ایک حرف بھی میں نے نہیں چھوڑا اور میں نہیں سمجھتا کہ میرے سوا کسی اور نے عمرو کی حدیث کو زیادہ یاد رکھا ہو۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ سچ بتا دیا ہے، اب اس کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ نہ کہو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان سے خیانت کا ارتکاب کیا ہے، آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن ماردوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا وہ اہل بدر میں سے نہیں ہے؟ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم جو چاہو کرو میں نے تمھارے لیے جنت واجب کر دی ہے۔'' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور عرض کرنے لگے: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔[1] ② صحیح بخاری کی روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا عذر سن کر انھیں معاف کر دیا ہو اور کسی ذریعے سے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ انھیں اس جرم کی کوئی سزا دی گئی ہو، اس بناء پر علمائے امت نے یہی سمجھا ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا عذر سن کر انھیں چھوڑ دیا گیا تھا، البتہ اس میں یہ درس ضرور ہے کہ جہاں کفر و اسلام کا مقابلہ ہو اور جہاں اہل ایمان سے صرف ایمان کی وجہ سے لوگ دشمنی کرتے ہوں وہاں کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اپنی ذاتی غرض یا مصلحت کی خاطر کوئی ایسا کام کرے جس سے اسلام اور اہل اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہو اور کفر اور اہل کفر کے مفادات کو تحفظ ملتا ہو۔ ایسی حرکت ایمان کے منافی ہے۔ کوئی شخص اگر اسلام کی بدخواہی کے جذبے سے بالکل خالی ہو اور بدنیتی سے نہیں بلکہ محض اپنی کسی ذاتی مصلحت کی خاطر ہی یہ کام کرے، پھر بھی یہ فعل کسی مومن کے شایان شان نہیں۔ قرآن کریم نے تصریح کی ہے کہ جس نے بھی یہ کام کیا وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔[2] ③ بہر حال حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے محض اپنے اہل وعیال کو بچانے کی خاطر رسول اللہ ﷺ کے ایک نہایت اہم جنگی راز سے دشمنان اسلام کو خبردار کرنے کی کوشش کی تھی جسے اگر بروقت ناکام نہ کر دیا گیا ہوتا تو فتح مکہ کے موقع پر شاید بہت زیادہ خون خرابہ ہوتا، مسلمانوں کی بہت قیمتی جانیں ضائع ہو جاتیں اور قریش کے بھی بہت سے وہ لوگ مارے جاتے جو بعد میں اسلام کی عظیم خدمات سرانجام دینے والے تھے اور وہ تمام فوائد بھی ضائع ہو جاتے جو مکہ کو پرامن طریقے سے فتح کرنے کی صورت میں حاصل ہو سکتے تھے۔ واللّٰه أعلم.

(٢) بَابٌ: ﴿إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ﴾ [١٠]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جب تمھارے پاس اہل ایمان خواتین (ہجرت کر کے) آئیں'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''اے ایمان والو! جب تمھارے پاس اہل ایمان خواتین ہجرت کر کے آئیں تو ان کی جانچ پڑتال کر لیا کرو۔ ویسے تو اللہ ہی ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی مومن ہیں تو انھیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، ایسی عورتیں ان کے لیے حلال نہیں اور نہ وہ (کافر) ان عورتوں کے لیے حلال

---

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 3983. ② الممتحنة 60: 1.

ہیں۔ اور کافروں نے جو کچھ ان پر خرچ کیا ہے وہ انھیں واپس دے دو۔ اور ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں جب تم انھیں ان کے حق مہر ادا کر دو۔ اور تم خود بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔ اور جو کچھ تم نے ان پر خرچ کیا ہے وہ ان کافروں سے مانگ لو اور جو مہر کافروں نے اپنی بیویوں کو دیے تھے وہ ان مسلمانوں سے مانگ لیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا خوب صاحب حکمت ہے۔''

٤٨٩١ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَنْبَأَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ بِهٰذِهِ الْآيَةِ، بِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾، قَالَ عُرْوَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَنْ أَقَرَّ بِهٰذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ بَايَعْتُكِ» كَلَامًا، وَلَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ، مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ: «قَدْ بَايَعْتُكِ عَلَى ذٰلِكَ».

[4891] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد ان مومن خواتین کا امتحان لیا کرتے تھے جو ہجرت کر کے آپ ﷺ کے پاس (مدینہ طیبہ) آتی تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے نبی! جب آپ کے پاس مومن خواتین بیعت کرنے کے لیے آئیں..... غفور رحیم تک۔ حضرت عروہ نے کہا: حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: جو مسلمان عورت ان شرائط کا اقرار کر لیتی تو رسول اللہ ﷺ زبانی طور پر اس سے فرماتے: ''میں نے تمھاری بیعت قبول کر لی ہے۔'' اللہ کی قسم! ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ کے ہاتھ نے بیعت لیتے وقت کسی عورت کا ہاتھ چھوا ہو۔ آپ ان سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے: ''تم ان مذکورہ باتوں پر قائم رہنا۔''

تَابَعَهُ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

یونس، معمر اور عبدالرحمٰن بن اسحاق نے زہری سے روایت کرنے میں ان کے بھتیجے کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ. [راجع: ٢٧١٣]

اسحاق بن راشد نے کہا: وہ زہری سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے عروہ اور عمرہ دونوں سے روایت کی ہے۔

فائدہ: جب صلح حدیبیہ ہوئی تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مکے سے مدینے آئے گا، مسلمان اسے کافروں کو لوٹانے کے پابند ہوں گے اور اس شرط کے تحت مسلمانوں نے کافروں کے مطالبے پر کچھ مسلمان لوٹا بھی دیے، اسی دوران میں جب ام کلثوم بنت عقبہ ؓ ہجرت کر کے مدینے آ گئیں تو کافروں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کر دیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے کافروں کے اس مطالبے کو درست تسلیم نہ کیا کیونکہ شرط کے الفاظ کی رو سے عورتیں اس شرط سے مستثنیٰ تھیں لیکن مسلمانوں کو پابند کیا گیا کہ

وہ ہجرت کر کے آنے والی عورتوں سے پوچھ گچھ کریں کہ آیا وہ واقعی مسلمان ہیں؟ محض اسلام کی خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں؟ کوئی دنیوی یا نفسانی خواہش تو اس ہجرت کا باعث نہیں تھی؟ کہیں خاوندوں سے لڑ کر یا گھریلو جھگڑوں سے بے زار ہو کر یا محض سیر و سیاحت یا کوئی دوسری غرض تو ہجرت کا باعث نہیں تھی۔ جب عورتیں پوچھ گچھ میں کامیاب ہو جائیں تو انھیں کسی صورت میں بھی کافروں کی طرف واپس نہیں کیا جائے گا، چنانچہ حدیث میں صراحت ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ ان مہاجر عورتوں سے پوچھ گچھ کرتے تھے۔

(٣) بَابٌ: ﴿إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ﴾ [١٢]

باب:3- (ارشاد باری تعالیٰ:''اے نبی!) جب آپ کے پاس مومن خواتین بیعت کرنے کے لیے آئیں'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:''اے پیغمبر! جب مسلمان خواتین آپ سے ان باتوں پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا کاری نہ کریں گی، اپنی اولاد کو نہ مار ڈالیں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے گھڑ لیں، نیز کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو آپ ان سے بیعت کر لیا کریں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''[1] پوچھ گچھ کے بعد ان مہاجر عورتوں کو، نیز عام مسلمان خواتین کو بیعت کا حکم ہوا، اس وقت بیعت لینے کے مجاز صرف رسول اللہ ﷺ تھے اور جن گناہوں کے اجتناب پر بیعت لی جائے گی وہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔ یہ سب ایسے جرائم تھے جن کا عرب معاشرے میں عام رواج تھا، ان گناہوں سے اجتناب کے لیے مردوں اور عورتوں تمام سے بیعت لی جاتی تھی جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٨٩٢ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَرَأَ عَلَيْنَا: ﴿أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا﴾. وَنَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ، فَقَبَضَتِ امْرَأَةٌ يَدَهَا فَقَالَتْ: أَسْعَدَتْنِي فُلَانَةُ، فَأُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا، فَمَا قَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا، فَانْطَلَقَتْ وَرَجَعَتْ فَبَايَعَهَا.

[4892] حضرت ام عطیہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے ہمارے سامنے اس آیت کی تلاوت فرمائی ''کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی.....'' اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ (آپ کی اس ممانعت پر) ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلاں عورت نے (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی، اب میں چاہتی ہوں کہ اس کا بدلہ چکا آؤں۔ نبی ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، چنانچہ وہ گئی

[1] الممتحنة 60:12.

[راجع: ١٣٠٦] اور پھر واپس لوٹ آئی تو آپ ﷺ نے اسے بیعت کر لیا۔

فوائد و مسائل: ① عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان کا ہاتھ پکڑنا یا ان سے مصافحہ کرنا جائز نہیں، البتہ مردوں سے بیعت لیتے وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا درست ہے۔ پہلے ایک حدیث میں اس امر کی وضاحت تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعت کرتے وقت کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا، آپ ان سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے۔[1] ② ویسے تو عورت کا میت پر رونا دھونا اور اس کے محاسن بیان کرنا نوحہ کہلاتا ہے لیکن اسلام میں دو مزید چیزیں بھی نوحے میں شامل ہیں: ایک یہ کہ کسی خاص گھر یا مسجد میں تعزیت کے لیے جمع ہونا، دوسرا یہ کہ میت کے گھر والوں کی طرف سے تعزیت کے لیے آنے والوں کا کھانا تیار کرنا، چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی فرماتے ہیں: اہل میت کے گھر جمع ہونے اور دفن کے بعد ان کے ہاں کھانا تیار کرنے کو ہم نوحہ شمار کرتے تھے۔[2] ③ رسول اللہ ﷺ نے نوحہ خوانی کو دور جاہلیت کی یادقرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ''نوحہ کرنے والی اگر توبہ کرنے سے پہلے مر جائے تو قیامت کے دن اسے گندھک کی قمیص اور خارش کی اوڑھنی پہنائی جائے گی۔''[3]

٤٨٩٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ: قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ الزُّبَيْرَ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ: ﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ قَالَ: إِنَّمَا هُوَ شَرْطٌ شَرَطَهُ اللهُ لِلنِّسَاءِ.

[4893] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے آیت کریمہ ''مشروع باتوں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔'' کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ ایک شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر عائد کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ شرط عورتوں سے خاص نہیں بلکہ مرد حضرات بھی اس شرط میں داخل ہیں جیسا کہ اکثر احکام شریعت مردوں کے اعتبار سے مشروع ہیں لیکن اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط بیعت عقبہ میں انصار پر بھی لگائی تھی جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ اس شرط کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔ باذن اللّٰہ تعالیٰ. ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: معروف معاملات میں آپ کی نافرمانی نہ کریں، اس سے مراد یہ ہے کہ خواتین نوحہ نہ کریں یا غیر مرد سے علیحدگی میں نہ ملیں یا اپنے شوہروں کی نافرمانی نہ کریں، یہ تمام باتیں عورتوں کے ساتھ خاص ہیں، اس میں مرد شامل نہیں۔[4] لیکن ہمارے رجحان کے مطابق پہلا مفہوم زیادہ واضح ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٤٨٩٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَاهُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِدْرِيسَ: سَمِعَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ

[4894] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا: ''کیا تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو گے

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4891. 2 مسند أحمد: 204/2. 3 صحيح مسلم، الجنائز، حديث: 2160 (934).

4 فتح الباري: 815/8.

عَنْهُ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «أَتُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَسْرِقُوا؟» وَقَرَأَ آيَةَ النِّسَاءِ - وَأَكْثَرُ لَفْظِ سُفْيَانَ قَرَأَ الْآيَةَ - «فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَسَتَرَهُ اللهُ، فَهُوَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ».

کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، نہ زنا کرو گے، نہ چوری کرو گے؟'' پھر آپ نے عورتوں سے (بیعت کے) متعلق آیت پڑھی...... سفیان اکثر طور پر اس حدیث میں یوں کہا کرتے تھے...... پھر آپ نے آیت پڑھی: ''پھر تم میں سے جو شخص اس شرط کو پورا کرے گا تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کر بیٹھا اور اس پر اسے سزا مل گئی تو وہ سزا اس کے لیے کفارہ بن جائے گی۔ لیکن اگر کسی نے اس عہد کی خلاف ورزی کی اور اللہ نے اسے چھپا لیا تو یہ معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اللہ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو اسے معاف کر دے۔''

تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ. [راجع: ١٨]

(سفیان کے ساتھ) اس حدیث کو عبدالرزاق نے بھی معمر سے روایت کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① بیعت عمل کا سلسلہ چونکہ رسول اللہ ﷺ تک محدود نہیں بلکہ امت کا امیر یا خلیفہ وغیرہ بھی بیعت لے سکتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اطاعت کے ساتھ معروف کی شرط لگا دی ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ بات ناممکن تھی کہ آپ معصیت یا غیر معروف کام پر بیعت لیں۔ ② اس سلسلے میں آپ نے ایک واضح ہدایت دی ہے: ''اطاعت صرف بھلائی کے کاموں میں ہے۔''[1] نیز فرمایا: ''امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا برحق ہے جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔ جب کسی کو معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ بات سنی جائے اور نہ اس کا کہا ہی مانا جائے۔''[2]

٤٨٩٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ - قَالَ: - وَأَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ: أَنَّ الْحَسَنَ ابْنَ مُسْلِمٍ أَخْبَرَهُ عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: شَهِدْتُ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْفِطْرِ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ

[4895] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے عید الفطر کی نماز رسول اللہ ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سب کے ساتھ پڑھی ہے۔ وہ سب خطبہ سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر اس کے بعد خطبہ سناتے تھے۔ نبی ﷺ ایک مرتبہ خطبہ کے بعد منبر سے اترے گویا میں آپ کو دیکھ رہا ہوں جبکہ آپ ہاتھ کے

---

[1] صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7145. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2955.

وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ، فَكُلُّهُمْ يُصَلِّيهَا قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدُ، فَنَزَلَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ حِينَ يُجَلِّسُ الرِّجَالَ بِيَدِهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ يَشُقُّهُمْ حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ مَعَ بِلَالٍ فَقَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ﴾ حَتَّى فَرَغَ مِنَ الْآيَةِ كُلِّهَا، ثُمَّ قَالَ حِينَ فَرَغَ: «أَنْتُنَّ عَلَى ذٰلِكَ؟» وَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ، لَا يَدْرِي الْحَسَنُ مَنْ هِيَ، قَالَ: «فَتَصَدَّقْنَ» وَبَسَطَ بِلَالٌ ثَوْبَهُ، فَجَعَلْنَ يُلْقِينَ الْفَتَخَ وَالْخَوَاتِيمَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ. [راجع: ٩٨]

اشارے سے لوگوں کو بٹھا رہے تھے، پھر ان کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور عورتوں کے پاس آئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی: ''اے نبی! جب آپ کے پاس اہل ایمان خواتین ان امور پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی ......'' اس آیت سے فراغت کے بعد آپ نے عورتوں سے پوچھا: ''کیا تم ان شرائط پر قائم ہوتی ہو؟'' ایک عورت کے سوا کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ اس عورت نے کہا: ہاں اللہ کے رسول! (راویٔ حدیث) حسن کو معلوم نہیں کہ وہ کون تھیں! اس کے بعد آپ نے ان سے فرمایا: ''تم صدقہ کیا کرو۔'' پھر بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا بچھا دیا اور عورتیں اس میں چھلے اور انگوٹھیاں ڈالنے لگیں۔

فوائد ومسائل: ① جن جرائم کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے، ان کے ارتکاب کا عرب معاشرے میں عام رواج تھا، چنانچہ اولاد کے قتل کی عربوں میں کئی صورتیں تھیں، ننگ و عار کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، اسی طرح فقر و فاقے کی وجہ سے بھی وہ اپنی اولاد کو موت کی نیند سلا دیتے تھے۔ ② واضح رہے کہ اس میں اسقاط حمل بھی شامل ہے، خواہ وہ جائز حمل کا اسقاط ہو یا ناجائز حمل کا گرا دینا ہو۔ ③ اسی طرح بہتان گھڑنے کی بھی کئی صورتیں تھیں، مثلاً: کوئی عورت دوسری پر کسی غیر مرد سے آشنائی کا الزام لگا دے جسے تہمت کہا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ بچہ تو کسی دوسرے مرد کا جنے لیکن شوہر کو یہ یقین دلائے کہ یہ تیرا ہی ہے۔ تیسرے یہ کہ کسی عورت کی اولاد لے کر مکر وفریب کے ساتھ اسے اپنی طرف منسوب کرے۔ روایات میں ہے کہ اس عہد و پیمان کے بعد آپ فرماتے: ''جہاں تک تمھارے بس میں ہو اور تمھارے لیے ممکن ہو۔'' عورتوں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہمارے لیے خود ہم سے بڑھ کر مہربان ہیں۔[1]

(٦١) سُورَةُ الصَّفِّ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 61- تفسیر سورۂ صف

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى ٱللَّهِ﴾

امام مجاہد نے کہا: مَنْ اَنصَارِی اِلَی اللّٰہِ سے مراد یہ

1 مسند أحمد: 357/6.

[١٤]: مَنْ يَتَّبِعُنِي إِلَى اللهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿مَرْصُوصٌ﴾ [٤]: مُلْصَقٌ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ؛ وَقَالَ يَحْيٰى: بِالرَّصَاصِ.

ہے کہ اللہ کے راستے میں کون میری پیروی کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مَرْصُوْصٌ کے معنی ہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسرے سے جڑا ہوا ہو۔ یحییٰ (بن زیاد) نے کہا کہ سیسہ پلایا ہوا مراد ہے۔

(١) [بَابٌ]: ﴿مِنْ بَعْدِى اسْمُهُۥٓ أَحْمَدُ﴾ [٦]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''میرے بعد (آئے گا) جس کا نام احمد ہوگا'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ''جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں یقیناً تمھاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی۔ اور ایک رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا، پھر جب وہ رسول واضح دلائل لے کر ان کے پاس آ گیا تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔''[1]

٤٨٩٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ لِي أَسْمَاءً: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِي، وَأَنَا الْعَاقِبُ». [راجع: ٣٥٣٢]

[4896] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''بلاشبہ میرے کئی ایک نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں۔ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ میں حاشر ہوں، سب لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① لفظ احمد کے دو معنی ہیں: ○ اپنے پروردگار کی بہت زیادہ حمد کرنے والا۔ ○ جس کی بندوں میں سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔ رسول اللہ ﷺ ان دونوں معنوں کا مصداق ہیں، اور یہ دونوں صفات آپ کی ذات اقدس میں پائی جاتی ہیں، لیکن موجودہ تورات و انجیل میں یہ نام نہیں ہیں کیونکہ ان میں تحریف کر دی گئی ہے۔ تحریف کے باوجود اس میں رسول اللہ ﷺ کی ایسی واضح صفات اب بھی مذکور ہیں جن کے پیش نظر آپ کو پہچانا جا سکتا ہے۔ ② اہل کتاب میں بعض منصف مزاج لوگ انھی صفات کی بنا پر ایمان بھی لے آئے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے۔ شاہ حبشہ حضرت

---

[1] الصف 6:61.

نجاشی رضی اللہ عنہ نے بھی ان صفات کی تصدیق کی تھی۔ واللہ أعلم.

(٦٢) سُورَةُ الْجُمُعَةِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 62-تفسیر سورۂ جمعہ

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ [٣]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور انھی سے کچھ دوسرے لوگوں کی طرف بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے'' کا بیان

وَقَرَأَ عُمَرُ: (فَامْضُوا إِلَى ذِكْرِ اللهِ).

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کو فَامْضُوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ پڑھا ہے، یعنی اللہ کے ذکر کی طرف چلے آؤ۔

وضاحت: یہ اُمِّیّٖنَ پر عطف ہے، اس سے مراد عرب ہیں۔ ان کی اکثریت اَن پڑھ تھی، اس لیے انھیں اُمِّیّٖن کہا گیا ہے اور آخَرِین سے مراد فارس اور غیر عرب لوگ ہیں جو قیامت تک رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے ہوں گے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

٤٨٩٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْجُمُعَةِ: ﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ حَتَّى سَأَلَ ثَلَاثًا وَفِينَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ، وَضَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ عَلَى سَلْمَانَ، ثُمَّ قَالَ: «لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ». [انظر: ٤٨٩٨]

[4897] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: سورۂ جمعہ نازل ہوئی تو ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اور انھی میں سے کچھ دوسرے لوگ ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس آیت کا مصداق کون لوگ ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے تین مرتبہ یہی سوال کیا، اس وقت ہم لوگوں میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان پر رکھ کر فرمایا: ''اگر ایمان ثریا ستارے کی بلندی پر بھی ہوتا تو (ان میں سے) کئی لوگ وہاں تک پہنچ جاتے اور ایمان کو

وہاں سے حاصل کرتے یا (فرمایا:) ان میں سے ایک آدمی وہاں تک پہنچ جاتا۔"

٤٨٩٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ: أَخْبَرَنِي ثَوْرٌ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ». [راجع: ٤٨٩٧]

[4898] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ان لوگوں میں سے کئی آدمی وہاں تک پہنچ کر ایمان کو حاصل کرتے۔"

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے پہلے دوبار سوال کرنے پر اس کا کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اس سے مراد کوئی خاص لوگ نہیں تھے، پھر جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو آپ نے اس کا مصداق اہل فارس کو ٹھہرایا کہ یہ لوگ دوسروں سے بڑھ کر دین اسلام کی خدمت کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد اسلام کی نشرو اشاعت کا جتنا کام اہل فارس نے سرانجام دیا، یہ سعادت دوسرے لوگوں کو نصیب نہ ہوسکی۔ بڑے بڑے محدثین کرام اور فقہائے عظام کی اکثریت اسی علاقے سے تعلق رکھتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے کیونکہ اس وقت بخارا شہر ملک فارس کا حصہ تھا۔ امام بخاری نے دین اسلام کی سربلندی کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ان کا سرسری ذکر ہم نے مقدمے میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے ہاں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین.

(٢) بَابٌ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَـٰرَةً أَوْ لَهْوًا﴾ [١١]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: "جب انھوں نے دیکھا (سامانِ) تجارت یا کوئی تماشا" کا بیان

وضاحت: مدنی زندگی کا ابتدائی دور مسلمانوں کے لیے انتہائی پریشان کن تھا، مہاجرین کی آباد کاری کے علاوہ کفار مکہ نے بھی اہل مدینہ کا معاشی بائیکاٹ کر رکھا تھا جس کی وجہ سے غلہ کم یاب اور انتہائی مہنگا ملتا تھا، انھی دنوں عین خطبہ جمعہ کے وقت ایک تجارتی قافلہ آیا تو مسلمان آپ کو دوران خطبہ میں چھوڑ کر چلے گئے کہ کہیں سارا غلہ فروخت ہی نہ ہوجائے اور انھیں کچھ نہ ملے، اس واقعہ کی تفصیل درج ذیل حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

٤٨٩٩ - حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ وَعَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَقْبَلَتْ عِيرٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَثَارَ النَّاسُ إِلَّا اثْنَا عَشَرَ

[4899] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن ایک تجارتی قافلہ سامان لے کر آیا جبکہ ہم اس وقت نبی ﷺ کے ہمراہ (خطبہ جمعہ میں) تھے۔ انھیں دیکھ کر بارہ آدمیوں کے علاوہ سب لوگ ادھر دوڑ پڑے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "جب لوگوں نے سامان

رَجُلًا فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَإِذَا رَأَوْاْ تِجَـٰرَةً أَوْ لَهْوًا ٱنفَضُّوٓاْ إِلَيْهَا﴾. [راجع: ٩٣٦]

تجارت یا کھیل تماشا دیکھا تو سب اسی طرف دوڑ پڑے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز میں مصروف تھے کہ شام کے علاقے سے ایک تجارتی قافلہ غلہ لے کر آیا۔[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان بارہ آدمیوں میں سے تھے جو آپ کا خطبہ سننے میں مصروف رہے۔[2] ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی خطبہ سننے والوں میں باقی رہے۔[3] ② ان آیات میں مسلمانوں پر اظہار ناراضی کیا گیا ہے کہ یہ قافلے والے کوئی تمھارے رازق تو نہیں تھے کہ تم خطبہ چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگ نکلے۔ رزق کے اسباب مہیا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا آئندہ تمھیں ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ③ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا زندگی بھر یہی معمول رہا، چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، پھر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے جو تمھیں یہ بتائے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر خطبہ دیا، اس نے جھوٹ بولا۔[4]

(٦٣) سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 63- تفسیر سورۂ منافقون

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُنَـٰفِقُونَ قَالُواْ نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ ٱللَّهِ﴾ اَلْآيَةَ [١].

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں'' کا بیان

وضاحت: آیت کا تکملہ یہ ہے: ''اور اللہ جانتا ہے کہ بلاشبہ آپ یقیناً اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ منافق سراسر جھوٹے ہیں۔''[5] اللہ تعالیٰ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اس کے باوجود اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کیونکہ ان کی شہادت، دل سے نہیں بلکہ محض فریب کاری کے طور پر اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے زبانی طور پر ہے۔ اس کے علاوہ ان کے اعمال اس زبانی دعوے کی تائید نہیں کرتے جیسا کہ درج ذیل واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٩٠٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا

[4900] حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

---

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2058. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3311. ③ صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 1999 (863). ④ صحيح مسلم، الجمعة، حديث: 1996 (862). ⑤ المنافقون 63: 1.

إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ: كُنْتُ فِي غَزَاةٍ فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ يَقُولُ: لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ حَتَّى يَنْفَضُّوا مِنْ حَوْلِهِ، وَلَئِنْ رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِهِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ. فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمِّي أَوْ لِعُمَرَ فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَدَعَانِي فَحَدَّثْتُهُ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ فَحَلَفُوا مَا قَالُوا، فَكَذَّبَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَصَدَّقَهُ، فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ، فَجَلَسْتُ فِي الْبَيْتِ فَقَالَ لِي عَمِّي: مَا أَرَدْتَ إِلَى أَنْ كَذَّبَكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَقَتَكَ؟ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُنَـٰفِقُونَ﴾ فَبَعَثَ إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَقَرَأَ فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ يَا زَيْدُ». [انظر: ٤٩٠١، ٤٩٠٢، ٤٩٠٣، ٤٩٠٤]

انھوں نے کہا: میں نے ایک لڑائی کے موقع پر عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہیں، ان پر تم خرچ نہ کرو تا کہ وہ خود ہی آپ ﷺ کو چھوڑ کر تتر بتر ہو جائیں۔ (اس نے یہ بھی کہا کہ) اب ہم جب مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والوں کو نکال باہر کرے گا۔ میں نے ان باتوں کا ذکر اپنے چچا یا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ ان حضرات نے یہ باتیں نبی ﷺ کو بتا دیں۔ آپ نے مجھے بلایا تو میں نے یہ باتیں آپ سے کہہ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا، انھوں نے قسم اٹھائی کہ ہم نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھوٹا سمجھا اور اسے سچا خیال کیا۔ مجھے اس بات سے اتنا دکھ ہوا کہ اتنا کسی اور بات سے نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے گھر میں بیٹھ گیا۔ مجھے میرے چچا نے کہا: تو نے یہ کیا کیا کہ رسول اللہ ﷺ تجھے جھوٹا کہیں گے اور تم پر ناراض ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی: ”جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں“ تو نبی ﷺ نے مجھے بلایا اور اس سورت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا: ”اے زید! اللہ تعالیٰ نے تجھے سچا کر دیا ہے۔“

فوائد ومسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نسائی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر پیش آیا[1] لیکن اہل مغازی کا رجحان ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بنی مصطلق میں ہوا، اس کی تائید آئندہ آنے والی حدیث جابر سے بھی ہوتی ہے۔[2] ② واضح رہے کہ شہادت دو چیزوں سے مرکب ہوتی ہے: ایک وہ اصل بات جس کی شہادت دی جائے، دوسرے اس بات کے متعلق شہادت دینے کا عقیدہ ہے۔ اب اگر بات بجائے خود بھی سچی ہو اور شہادت دینے والے کا عقیدہ بھی وہی ہو جسے زبان سے بیان کر رہا ہے تو ہر لحاظ سے وہ سچا ہو گا جیسا کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی عبداللہ بن ابی کے متعلق شہادت تھی اور اگر بات اپنی جگہ جھوٹی ہو لیکن شہادت دینے والا اس کے حق ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو ہم ایک لحاظ سے اسے سچا کہیں گے کیونکہ وہ اپنا عقیدہ بیان کرنے

① السنن الكبرى للنسائي: 492/6/8، رقم: 11597. ② فتح الباري: 821/8.

میں صادق ہے اور دوسرے لحاظ سے اسے جھوٹا کہیں گے کیونکہ جس بات کی وہ شہادت دے رہا ہے وہ بجائے خود غلط ہے۔ اس کے برعکس اگر بات اپنی جگہ سچی ہو لیکن شہادت دینے والے کا اپنا عقیدہ اس کے خلاف ہو جیسا کہ منافقین کی شہادت رسول اللہ ﷺ کے متعلق بیان ہوئی ہے تو اس لحاظ سے اسے جھوٹا کہیں گے کہ اس کا اپنا عقیدہ وہ نہیں جس کا وہ زبان سے اظہار کر رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو جھوٹا قرار دیا ہے۔

(٢) بَابٌ: ﴿ٱتَّخَذُوٓا۟ أَيْمَـٰنَهُمْ جُنَّةً﴾ [٢]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے'' کا بیان

يَجْتَنُّونَ بِهَا.

(یعنی ان کے ذریعے سے وہ اپنے کفر ونفاق کی) پردہ پوشی کرتے ہیں۔

وضاحت: منافقین اپنی قسموں کو بطور ڈھال استعمال کرتے ہیں۔ وہ ان کے ذریعے سے مسلمانوں کو اپنے ایمان کا یقین دلا کر اپنی جان و عزت اور مال و متاع محفوظ کر لیتے ہیں، نیز جب ان کی کوئی ناشائستہ حرکت پکڑی جاتی ہے تو جھوٹی قسم اٹھا کر مسلمانوں کی گرفت سے بچ جاتے ہیں جیسا کہ انھوں نے مندرجہ ذیل واقعے میں اس طرح کی کوشش کی تھی۔

٤٩٠١ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَمِّي فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ ابْنَ سَلُولَ يَقُولُ: لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ حَتَّى يَنْفَضُّوا. وَقَالَ أَيْضًا: لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ. فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمِّي، فَذَكَرَ عَمِّي لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ فَحَلَفُوا مَا قَالُوا فَصَدَّقَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَكَذَّبَنِي، فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ فَجَلَسْتُ فِي بَيْتِي، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُنَـٰفِقُونَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿هُمُ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا۟ عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ ٱللَّهِ﴾

[4901] حضرت زید بن ارقم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اپنے چچا کے ہمراہ تھا، میں نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے سنا کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہیں ان پر تم خرچ مت کرو تاکہ وہ ان کے پاس سے بھاگ جائیں۔ اور یہ بھی کہا: یقیناً اگر ہم مدینہ واپس جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلیل لوگوں کو نکال کر باہر کر دے گا۔ میں نے اپنے چچا سے ان باتوں کا ذکر کیا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ باتیں کہہ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا تو انھوں نے قسم اٹھا کر کہہ دیا کہ ہم نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سچا سمجھا اور مجھے جھوٹا خیال کیا۔ مجھے اس کا اتنا صدمہ پہنچا کہ ایسا کبھی نہیں پہنچا ہو گا۔ میں تو اپنے گھر میں بیٹھ گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات

إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿لَيُخْرِجَنَّ ٱلْأَعَزُّ مِنْهَا ٱلْأَذَلَّ﴾، فَأَرْسَلَ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَرَأَهَا عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ». [راجع: ٤٩٠٠]

نازل فرمائیں: ﴿اذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ .... لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور انھیں میرے سامنے تلاوت کیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے بیان کو سچا کر دیا ہے۔''

فوائدومسائل: ① جن قسموں کو منافقین بطور ڈھال استعمال کرتے تھے وہ کئی طرح کی ہوسکتی ہیں، مثلاً: ○ وہ قسمیں جو عام طور پر منافق اپنے ایمان کا یقین دلانے کے لیے کھایا کرتے تھے۔ ○ وہ قسمیں جو منافق اپنی منافقانہ حرکت کے پکڑے جانے پر کھایا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کو یقین دلائیں کہ وہ حرکت انھوں نے منافقت کی بنا پر نہیں کی تھی۔ ○ وہ قسمیں بھی ہوسکتی ہیں جو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ملعون نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی دی ہوئی خبر کو جھٹلانے کے لیے کھائی تھیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت یہ واقعہ بیان کر کے اپنا رجحان بیان کیا ہے کہ ان قسموں سے مراد قسمیں وہ ہیں جو منافقوں نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دینے کے لیے اٹھائی تھیں۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ ءَامَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ﴾ [٣]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ اب وہ کچھ نہیں سمجھتے'' کا بیان

وضاحت: منافق اسلام تو لے آئے اور ایمان کا دعویٰ بھی کیا مگر دل سے یہ کافر کے کافر ہی رہے۔ ان کی ہمدردیاں، سرگوشیاں اور رازداریاں سب کافروں سے وابستہ رہیں اور یہ عادات ان میں اس قدر پختہ ہوگئیں کہ اب مسلمانوں کی کوئی بھلائی انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی راہ ہدایت پر نہیں لایا کرتا۔ درج ذیل واقعے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں مسلمانوں کے ساتھ کس قدر ہمدردیاں تھیں اور ان کے وہ کتنے خیر خواہ تھے۔

٤٩٠٢ - **حَدَّثَنَا** آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ كَعْبٍ الْقُرَظِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ: لَا تُنْفِقُوا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ، وَقَالَ أَيْضًا: لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ، أَخْبَرْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَلَامَنِي الْأَنْصَارُ، وَحَلَفَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ مَا قَالَ

[4902] حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب عبداللہ بن ابی نے کہا: جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس ہیں، ان پر خرچ نہ کرو۔ اور یہ بھی کہا: اب اگر ہم مدینے واپس گئے (تو ہم میں سے عزت والا ذلیل لوگوں کو نکال باہر کرے گا۔) میں نے یہ باتیں نبی ﷺ کو پہنچا دیں، اس پر انصار نے مجھے ملامت کی اور عبداللہ بن ابی نے تو قسم کھائی کہ اس نے یہ بات نہیں کہی تھی، تاہم میں

ذٰلِكَ، فَرَجَعْتُ إِلَى الْمَنْزِلِ فَنِمْتُ، فَدَعَانِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ، فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ» وَنَزَلَ: ﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا﴾ الْآيَةَ.

گھر واپس آ گیا اور سو گیا۔ اس کے بعد مجھے رسول اللہ ﷺ نے طلب فرمایا، میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تمھاری تصدیق کر دی ہے۔“ اور یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا ......﴾

وَقَالَ ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٤٩٠٠]

ابن ابی زائدہ نے اعمش سے بیان کیا، انھوں نے عمرو سے انھوں نے ابن ابی لیلیٰ سے، انھوں نے حضرت زید بن ارقم سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں ہے کہ انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی تھی جبکہ پہلی روایات میں ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا کو بتایا انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔ ان روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ پہلے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا سے واقعہ بیان کیا، پھر جب منافقوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انھوں نے آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ غیب داں نہیں تھے۔ دلوں کا حال صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ عبداللہ بن ابی ملعون نے قسمیں اٹھا کر اپنی براءت کو ظاہر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی باتوں کا یقین کر لیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے اس کے جھوٹ کا پول کھول دیا اور سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی۔ واللہ أعلم.

بَابٌ: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ﴾ الْآيَةَ [٤]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور جب آپ انھیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر وہ بات کرتے ہیں تو آپ ان کی باتوں پر کان لگائیں“ کا بیان

وضاحت: حسن و جمال اور رونق و شادابی کی وجہ سے منافق بڑے دراز قامت اور موٹے تازے ہیں۔ زبان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے بات بنانا جانتے ہیں، لیکن عدم فہم اور قلت خیر میں ایسے ہیں جیسے دیوار پر لگائی ہوئی لکڑیاں ہوں۔ وہ دیکھنے والوں کو تو بھلی معلوم ہوتی ہیں لیکن کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں اور بزدل اس قدر ہیں کہ اگر کوئی زوردار آواز سن لیں تو فوراً گھبرا اٹھتے ہیں کہ ہمارے خلاف کسی کارروائی کا آغاز تو نہیں ہو رہا، جیسے چور اور خائن کا دل اندر سے دھک دھک کر رہا ہوتا ہے۔ درج ذیل واقعہ بھی اسی قسم کے منافقین سے متعلق ہے۔

٤٩٠٣ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ

[4903] حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

ابْنُ مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ أَصَابَ النَّاسَ فِيهِ شِدَّةٌ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ لِأَصْحَابِهِ: لَا تُنْفِقُوا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوا مِنْ حَوْلِهِ، وَقَالَ: لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَأَرْسَلَ إِلٰى عَبْدِ اللهِ ابْنِ أُبَيٍّ فَسَأَلَهُ، فَاجْتَهَدَ يَمِينَهُ مَا فَعَلَ، قَالُوا: كَذَبَ زَيْدٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَوَقَعَ فِي نَفْسِي - مِمَّا قَالُوا - شِدَّةٌ، حَتّٰى أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَصْدِيقِي فِي: ﴿إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُنَٰفِقُونَ﴾ فَدَعَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُمْ، فَلَوَّوْا رُءُوسَهُمْ.

انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے جس میں لوگوں کو بہت شدت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سفر میں عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہیں، ان پر خرچ مت کیا کرو تاکہ وہ خود ان کے پاس سے منتشر ہو جائیں اور اس نے یہ بھی کہا: یقیناً اگر ہم مدینے لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا ان ذلیل لوگوں کو نکال باہر کرے گا۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اس گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہا: میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ لوگوں نے کہا: زید بن ارقم نے رسول اللہ ﷺ سے غلط بیانی کی ہے۔ مجھے ان کی اس بات سے بہت تکلیف پہنچی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق اتار دی اور یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ﴾ آخر تک۔ پھر نبی ﷺ نے انھیں بلایا تاکہ (ان کے اعتراف جرم کے بعد) ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں لیکن انھوں نے اپنے سر پھیر لیے۔

وَقَوْلُهُ: ﴿خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ﴾، قَالَ: كَانُوا رِجَالًا أَجْمَلَ شَيْءٍ. [راجع: ٤٩٠٠]

ارشاد باری تعالیٰ: ''سہارے سے لگائی ہوئی لکڑیاں'' اس کے معنی ہیں: وہ خوبصورت اور اچھے قد و قامت کے تھے۔

فوائد و مسائل: ① رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ملعون بہت ہٹا کٹا، تندرست، خوش شکل اور چرب زبان آدمی تھا۔ اس کے بہت سے ساتھی اسی شان و شوکت کے مالک تھے۔ یہ سب مدینہ طیبہ میں صاحب حیثیت قسم کے لوگ تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے تو دیواروں سے تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے اور بڑی لچھے دار باتیں کرتے۔ ان کے چہرے مہرے دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر کوئی شخص یہ گمان تک نہ کر سکتا تھا کہ بستی کے معززین اپنے کردار و اخلاق کے لحاظ سے اتنے ذلیل، گھٹیا اور گندے ہوں گے جیسا کہ اس سورت اور حدیث میں تصویر کشی کی گئی ہے۔ ② انھیں لکڑی سے تشبیہ دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اخلاق کی روح سے بالکل خالی ہیں جو انسانیت کا اصل جوہر ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿مُسْتَكْبِرُونَ﴾ [٥]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جب انھیں کہا جائے کہ آؤ! اللہ کے رسول تمھارے لیے مغفرت طلب کریں تو وہ اپنے سر جھٹک دیتے ہیں..... از راہ تکبر'' کا بیان

حَرَّكُوا: اِسْتَهْزَؤُا بِالنَّبِيِّ ﷺ، وَيُقْرَأُ بِالتَّخْفِيفِ، مِنْ لَوَيْتُ.

اپنے سر ہنسی اور مذاق کے طور پر ہلانے لگتے ہیں، یعنی نبی ﷺ سے استہزا کرتے ہیں۔ لَوَوْا کو واو کی تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے جو لَوَيْتُ سے ماخوذ ہے، یعنی سر جوڑ لیتے ہیں۔

وضاحت: سب منافقوں کا یہی حال تھا جو اس آیت میں بتایا گیا ہے لیکن ان میں عبداللہ بن ابی ملعون کا ایک انوکھا انداز تھا، جب اس کی کوئی منافقانہ حرکت پکڑی جاتی تو مسلمان اسے کہتے کہ چلو، رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر معافی مانگ لو، وہ تجھے بھی معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سے بھی تمھاری مغفرت کی دعا کریں گے۔ وہ اکڑ کر جواب دیتا کہ اب میں اسے جا کر سجدہ کروں؟ اس جواب میں کس قدر تکبر اور غرور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی متکبرانہ کیفیت کا نقشہ اس آیت میں کھینچا ہے۔ اس کی گھٹیا اور کمینی حرکات کا پتا درج ذیل واقعے سے چلتا ہے۔

٤٩٠٤ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَمِّي، فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ أُبَيٍّ ابْنَ سَلُولَ يَقُولُ: لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَضُّوا، وَلَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمِّي فَذَكَرَهُ عَمِّي لِلنَّبِيِّ ﷺ وَصَدَّقَهُمْ، فَدَعَانِي فَحَدَّثْتُهُ فَأَرْسَلَ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُبَيٍّ وَأَصْحَابِهِ، فَحَلَفُوا مَا قَالُوا، وَكَذَّبَنِي النَّبِيُّ ﷺ فَأَصَابَنِي هَمٌّ لَمْ يُصِبْنِي مِثْلُهُ قَطُّ، فَجَلَسْتُ فِي بَيْتِي، وَقَالَ عَمِّي: مَا أَرَدْتَ إِلَى أَنْ كَذَّبَكَ

[4904] حضرت زید بن ارقم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اپنے چچا کے ہمراہ تھا، اچانک میں نے عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ان لوگوں پر خرچ نہ کرو جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں حتی کہ وہ آپ سے منتشر ہو جائیں اور یقیناً اگر ہم مدینے لوٹ کر گئے تو جو عزت والا ہو گا وہ ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔ میں نے اپنے چچا سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے نبی ﷺ سے یہ باتیں کہہ دیں۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا اور پوچھا تو انھوں نے حلفاً کہا: ہم نے ایسی باتیں نہیں کہی ہیں، نبی ﷺ نے مجھے جھوٹا خیال کیا اور انھیں سچا کہا۔ اس سے مجھے سخت غم لاحق ہوا، اس جیسا غم

النَّبِيُّ ﷺ وَمَقَتَكَ؟ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُنَٰفِقُونَ قَالُواْ نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ ٱللَّهِ﴾، وَأَرْسَلَ إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَقَرَأَهَا وَقَالَ: «إِنَّ اللهَ قَدْ صَدَّقَكَ». [راجع: ٤٩٠٠]

مجھے پہلے کبھی لاحق نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے گھر بیٹھ گیا۔ میرے چچا نے مجھ سے کہا: تو نے کیا کردار انجام دیا ہے کہ نبی ﷺ نے تجھے جھٹلا دیا ہے اور تجھ سے ناراض ہو گئے ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ ......﴾ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کر دی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی اعتقادی نفاق کا شکار تھے جس کی درج ذیل چھ قسمیں ہیں: ○ رسول اللہ ﷺ سے انھیں انتہائی بغض تھا۔ ○ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے بھی وہ خوش نہیں تھے۔ ○ وہ دن رات رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے۔ ○ ان تعلیمات کی بھی تکذیب کرتے تھے جو نبی ﷺ لے کر آئے تھے۔ ○ دین اسلام کی مدد کو انتہائی ناپسند خیال کرتے تھے۔ ○ دین اسلام کو نیچا دیکھنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ ② ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: ''اور جب تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی واپس چلے گئے۔ اور جو کچھ یہ چھپا رہے ہیں اسے اللہ خوب جانتا ہے۔''[1] ان لوگوں پر رسول اللہ ﷺ کے وعظ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کا مقصد حصول ہدایت نہیں بلکہ دھوکا دہی ہوتا تھا ایسی حاضری سے انھیں فائدہ بھی کیا ہو سکتا تھا۔ واللّٰہ أعلم.

(٥) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ﴾ اَلْآيَةَ [٦]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں (یا نہ کریں) ان کے حق میں برابر ہے'' کا بیان

وضاحت: ان منافقوں کا اپنے کفر ونفاق پر اصرار اس قدر سنگین جرم ہے کہ اب ان کے لیے استغفار یا عدم استغفار برابر ہے، بشرطیکہ اسی حالت پر مر گئے ہوں، ہاں اگر وہ زندگی میں اپنے کفر ونفاق سے توبہ کر لیں تو ان کے لیے مغفرت کی دعا کی جا سکتی ہے۔ یہی بات سورۂ توبہ میں زیادہ تاکید کے ساتھ بیان کی گئی ہے جو اس سورت کے تین سال بعد نازل ہوئی تھی، فرمایا: ''چاہے تم ان کے لیے استغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ستر مرتبہ بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرو گے تو بھی اللہ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[2] سورۂ توبہ میں تو ان منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنے سے بھی منع کر دیا گیا۔

[1] المآئدة 5:61. [2] التوبة 9:80.

٤٩٠٥ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا فِي غَزَاةٍ - قَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: فِي جَيْشٍ - فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ! وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ! فَسَمِعَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَا بَالُ دَعْوَى جَاهِلِيَّةٍ؟» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: «دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ». فَسَمِعَ بِذٰلِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ فَقَالَ: فَعَلُوهَا؟ أَمَا وَاللهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ. فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ»، وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ أَكْثَرَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ، ثُمَّ إِنَّ الْمُهَاجِرِينَ كَثُرُوا بَعْدُ.

[4905] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم ایک لڑائی پر گئے ہوئے تھے، وہاں ایک مہاجر نے ایک انصاری کی دبر پر لات مار دی، انصاری نے فریاد کی: اے انصار! دوڑو۔ ادھر سے مہاجر نے فریاد کی: اے مہاجرین! تم بھی دوڑو! جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آوازیں سنیں تو فرمایا: ''یہ دور جاہلیت کی سی پکار کیسی ہے؟'' لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! ایک مہاجر نے ایک انصاری کے سرین پر لات ماری ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ایسی باتیں چھوڑ دو، یہ گندی اور بدبودار ہیں۔'' جب عبداللہ بن ابی نے یہ بات سنی تو کہنے لگا: کیا ان لوگوں نے یہ حرکت کی ہے؟ اللہ کی قسم! یقیناً اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے تو عزت والا ضرور ذلت والے کو وہاں سے باہر نکال دے گا۔ نبی ﷺ تک یہ بات پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! مجھے اس منافق کی گردن اڑانے کی اجازت دیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو، لوگ کہیں گے: دیکھو محمد اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔'' مہاجر لوگ جب ہجرت کر کے مدینے آئے تو اس وقت تعداد میں تھوڑے تھے اور انصار زیادہ تھے، مگر بعد میں مہاجرین بھی بہت ہو گئے۔

قَالَ سُفْيَانُ: فَحَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو، قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرًا: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ.

[راجع: ٣٥١٨]

سفیان نے کہا: میں نے یہ حدیث عمرو بن دینار سے یاد کی، حضرت عمرو نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔

فوائد ومسائل: ① اس موقع پر عبداللہ بن ابی نے انصار کو خوب اشتعال دلایا، کہنے لگا: یہ مہاجر لوگ مدینے میں آ کر ہمارے ہی حریف بن گئے ہیں۔ پھر اس نے انصار سے کہا: یہ مصیبت تمھاری ہی پیدا کی ہوئی ہے۔ تم نے انھیں اپنے ہاں جگہ دی اور اپنے مال میں انھیں شریک کیا۔ اب بھی اس کا یہی علاج ہے کہ ان کا دانہ پانی بند کر دو۔ یہ خود ہی یہاں سے چلتے بنیں گے۔ ② ہم اس مقام پر جاہلیت کے نعروں کی وضاحت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ اسلام کا یہ طریقہ ہے کہ اگر دو آدمی اپنے کسی

جھگڑے میں لوگوں کو مدد کے لیے پکارنا چاہیں تو وہ کہیں کہ مسلمانو! آؤ ہماری مدد کرو، یا لوگو! ہماری مدد کے لیے آؤ، لیکن اگر ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے قبیلے، برادری یا علاقے کے نام پر لوگوں کو پکارتا ہے تو یہ جاہلیت کا نعرہ ہے۔ اس قسم کی پکار پر لبیک کہنے والا یہ نہیں دیکھتا کہ ظالم کون ہے، مظلوم کون ہے؟ وہ حق و انصاف کی بنا پر مظلوم کی مدد کرنے کے بجائے اپنے گروہ کے افراد کی مدد کرے گا، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ یہ جاہلیت کا فعل ہے جس سے دنیا میں فساد برپا ہوتا ہے۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے گندی اور گھناؤنی چیز قرار دیا ہے اور فرمایا: تم اسلام کی بنیاد پر ایک ملت بنے تھے، اب یہ انصار اور مہاجرین کے نام پر ایک دوسرے کو آواز کیوں دی جا رہی ہے؟ مسلمانوں کو اس قسم کے نعروں سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے حق و انصاف کا خون ہوتا ہے۔ واللہ المستعان.

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿هُمُ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا۟ عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ ٱللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا۟﴾ [٧]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تا کہ یہ منتشر ہو جائیں'' کا بیان

يَنفَضُّوا: يَتَفَرَّقُوا.

يَنْفَضُّوْا کے معنی ہیں: متفرق ہونا۔

وضاحت: منافق یہ سمجھتے تھے کہ اگر انصار، مہاجرین کی طرف دست تعاون نہ بڑھائیں تو وہ بھوکے مر جائیں گے۔ وہ اس حقیقت سے قطعاً نا آشنا تھے کہ مہاجرین کا رازق اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے کہ رزق کے خزانے اس کے پاس ہیں وہ جسے جتنا چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے۔

[بَابٌ ﴿وَلِلَّهِ خَزَآئِنُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ﴾]

باب: ''اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے لیے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے'' کا بیان

٤٩٠٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الْفَضْلِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: حَزِنْتُ عَلَى مَنْ أُصِيبَ بِالْحَرَّةِ، فَكَتَبَ إِلَيَّ زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ - وَبَلَغَهُ شِدَّةُ حُزْنِي - يَذْكُرُ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ

[4906] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: حرہ کے روز جو لوگ شہید کر دیے گئے، ان کے متعلق مجھے بہت غم ہوا۔ حضرت زید بن ارقم ؓ کو جب میرے غمزدہ ہونے کی اطلاع پہنچی تو انھوں نے تعزیت و تسلی کے طور پر مجھے ایک خط لکھا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے: ''اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما اور انصار کے بیٹوں کی بھی مغفرت

لِلْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ»، وَشَكَّ ابْنُ الْفَضْلِ فِي أَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ، فَسَأَلَ أَنَسًا بَعْضُ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ فَقَالَ: هُوَ الَّذِي يَقُولُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هٰذَا الَّذِي أَوْفَى اللهُ لَهُ بِأُذُنِهِ».

فرما۔'' (راویِ حدیث) حضرت عبداللہ بن فضل کو شک تھا کہ آپ ﷺ نے انصار کے پوتوں کا بھی ذکر کیا تھا یا نہیں۔ اس مجلس کے حاضرین میں سے کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا (حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کون ہیں؟) تو انھوں نے جواب دیا: یہ وہی ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے: ''یہ وہی صاحب ہیں جن کے کان سے سنی ہوئی خبر کی اللہ تعالیٰ نے تصدیق کی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① حرّہ، مدینہ طیبہ کے آس پاس کے ایک علاقے کا نام ہے۔ اس کے میدان میں سیاہ پتھر پڑے ہیں۔ جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو وہاں قتل و غارت کا بازار گرم ہوا۔ یہ تاریخ کا سیاہ ترین واقعہ ہے لیکن اس کے متعلق مؤرخین نے بہت مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔ ② حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت بصرے میں تھے۔ انھیں اس واقعے کا بہت دکھ ہوا تو انھیں تسلی دینے کے لیے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کوفے سے خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے: جو لوگ اللہ کی طرف سے مغفرت یافتہ ہیں، ان پر زیادہ غم نہیں کرنا چاہیے۔ ایک روایت میں انصار کے پوتوں کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کی دعائے مغفرت کا ذکر ہے۔[1] ③ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس کے آخر میں منافقین اور مذکورہ آیت کے نزول واقعہ کی طرف واضح اشارہ ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی واقعہ پچھلے صفحات میں تفصیل سے بیان ہوا ہے جس میں منافقین اور ان کے کردار کا واضح تذکرہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کسی مصلحت کے پیش نظر کوئی سزا نہ دی، حالانکہ یہ لوگ قتل کے حقدار تھے۔ اس کی وضاحت ہم آئندہ حدیث کے فوائد میں کریں گے۔ باذن اللّٰہ تعالیٰ.

(٧) [بَابٌ]: ﴿يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَآ إِلَى ٱلْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ ٱلْأَعَزُّ مِنْهَا ٱلْأَذَلَّ﴾ الْآيَةَ [٨]

باب: 7- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''وہ (منافق) کہتے ہیں: یقیناً اگر ہم مدینے واپس گئے تو وہاں کا عزیز تر آدمی ذلیل تر کو باہر نکال دے گا'' کا بیان

وضاحت: یہ بات رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ملعون نے کہی تھی۔ عزت والے سے مراد اس بدبخت کے نزدیک وہ خود اور اس کی جماعت اور ذلت والے سے مراد (خاکم بدہن) رسول اللہ ﷺ آپ کے رفقاء اہل اسلام تھے جیسا کہ درج ذیل واقعے سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

٤٩٠٧ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ

[4907] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہم ایک غزوے میں تھے کہ مہاجرین میں

① مسند أحمد: 139/3.

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: كُنَّا فِي غَزَاةٍ فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ، وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ! فَسَمَّعَهَا اللهُ رَسُولَهُ ﷺ، قَالَ: «مَا هٰذَا؟» فَقَالُوا: كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ، وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ»، قَالَ جَابِرٌ: وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ حِينَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ أَكْثَرَ، ثُمَّ كَثُرَ الْمُهَاجِرُونَ بَعْدُ. فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ: أَوَ قَدْ فَعَلُوا؟ وَاللهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: دَعْنِي يَا رَسُولَ اللهِ! أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ». [راجع: ٣٥١٨]

سے ایک شخص نے ایک انصاری کی دبر پر لات ماردی۔ انصاری نے کہا: اے انصار! میری مدد کے لیے دوڑو۔ مہاجر نے مہاجرین کو پکارا: اے مہاجرو! میری مدد کے لیے دوڑو۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول ﷺ کو یہ بات سنائی تو آپ نے فرمایا: ”یہ کیا ہے؟“ لوگوں نے کہا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کی پیٹھ پر لات ماری ہے تو انصاری نے کہا: اے انصار! میری مدد کے لیے دوڑو اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرو! میری مدد کے لیے آؤ۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے چھوڑو، یہ بدبودار نعرہ ہے۔“ حضرت جابر ؓ نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تھے تو انصار کی تعداد زیادہ تھی، پھر بعد میں مہاجرین زیادہ ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: کیا انھوں نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! اگر ہم مدینے واپس گئے تو عزت والا، ذلیل تر کو باہر نکال دے گا۔ اس پر حضرت عمر ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو، لوگ چرچا نہ کریں کہ محمد نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔“

فائدہ: امام بخاری ؒ نے سورۂ منافقون پر آٹھ عنوان قائم کیے ہیں، ہر عنوان کے تحت اسی واقعے کو مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ آپ کا مقصود یہ ہے کہ ان تمام آیات کی شان نزول ایک ہی واقعہ ہے، تاہم اس واقعے کی مناسبت سے دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے: پہلی بات یہ ہے کہ ایک شخص کی بری بات دوسرے شخص تک پہنچانا اگر کسی دینی مصلحت کے لیے ہو تو یہ چغلی نہیں ہے۔ شریعت میں جس چغل خوری کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ فساد کی غرض سے اور لوگوں کو آپس میں لڑانے کی غرض سے چغلی کھانا ہے۔ دوسری بات یہ کہ جو طرز عمل عبداللہ بن ابی ملعون نے اختیار کیا تھا اگر کوئی شخص مسلم معاشرے میں رہتے ہوئے اس طرح کا رویہ اختیار کرے تو واقعی قابل گرفت ہے لیکن اس قسم کے فیصلے سے پہلے دیکھ لینا چاہیے کہ اس قسم کا قتل کسی بہت بڑے فتنے کا باعث تو نہیں بن جائے گا۔ آنکھیں بند کر کے قانون کا اندھا دھند استعمال بعض دفعہ اس مقصد کے خلاف بالکل الٹ نتیجہ پیدا کر دیتا ہے جس کے لیے قانون استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ایک منافق یا مفسد آدمی کے پیچھے کوئی قابل لحاظ سیاسی طاقت موجود ہو تو اسے سزا دے کر مزید فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع دینے سے بہتر یہ ہے کہ حکمت اور تدبر کے ساتھ اس

اصل سیاسی طاقت کو ختم کر دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ شرارت کر رہا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے متعلق اختیار کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ دو تین سال کے اندر مدینہ طیبہ میں منافقوں کا زور ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا بلکہ بچہ بچہ ان سے نفرت کرنے لگا۔ والله المستعان.

(٦٤) سُورَةُ التَّغَابُنِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 64- تفسیر سورۂ تغابن

وَقَالَ عَلْقَمَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ: ﴿وَمَن يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾ [١١]: هُوَ الَّذِي إِذَا أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ رَضِيَ بِهَا وَعَرَفَ أَنَّهَا مِنَ اللهِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿التَّغَابُنِ﴾: غَبْنُ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَهْلَ النَّارِ.

حضرت علقمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق بیان کیا ہے: ''جو شخص اللہ پر ایمان لائے تو اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔'' فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے کہ اگر اس پر کوئی مصیبت آپڑے تو وہ اس پر بھی راضی رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ امام مجاہد نے فرمایا: اَلتَّغَابُنِ سے مراد اہل جنت کا اہل نار سے غبن کرنا ہے۔

وضاحت: جو شخص مصائب میں ثابت قدم رہتا ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان مزید بڑھ جاتا ہے۔ اور اسی نسبت سے اللہ تعالیٰ اسے مزید رہنمائی سے ہمکنار کرتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کو ان مصائب کا پورا پورا علم ہے۔ وہ اپنے بندوں کو خواہ مخواہ تکلیفوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر کے پریشان نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ کسی عظیم مقصد کے لیے انھیں تیار کرتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث پیش نہیں کی۔ لفظ تَغَابُن کے پیش نظر درج ذیل حدیث اس کے مناسب معلوم ہوتی ہے جسے یہاں درج کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص بھی جنت میں جائے گا اسے وہ مقام دکھایا جائے گا جو برے اعمال کرنے کی صورت میں اسے دوزخ میں ملنا تھا، تاکہ وہ اور زیادہ شکر گزار ہو، اور جو شخص دوزخ میں جائے گا اسے وہ مقام دکھایا جائے گا جو اسے جنت میں ملنا تھا اگر وہ نیک عمل کرتا تاکہ اسے اور زیادہ حسرت ہو۔''[1] اس حدیث میں اہل جنت اور اہل دوزخ کے تغابن (باہمی غبن) کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن اہل جنت اہل دوزخ کا وہ حصہ مار لے جائیں گے جو انھیں جنت میں ملتا اگر وہ اہل جنت کے سے عمل کرتے اور اہل دوزخ اہل جنت کا وہ حصہ لیں گے جو انھیں دوزخ میں ملنا تھا اگر وہ اہل دوزخ کے سے عمل کرتے۔ والله أعلم. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔[2]

---

1 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6569. 2 فتح الباري: 832/8.

(٦٥) سُورَةُ الطَّلَاقِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 65-تفسیر سورۂ طلاق

﴿إِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ [٤]: إِنْ لَمْ تَعْلَمُوا أَتَحِيضُ أَمْ لَا تَحِيضُ؛ فَاللَّائِي قَعَدْنَ عَنِ الْمَحِيضِ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ بَعْدُ: فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ.

اِنِ ارْتَبْتُمْ کے معنی ہیں: جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمھیں ان کے حیض کا علم نہ ہو کہ انھیں حیض آیا ہے یا نہیں، یعنی جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اور جن عورتوں کو ابھی تک حیض آنا شروع نہیں ہوا تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَبَالَ أَمْرِهَا﴾ [٩]: جَزَاءَ أَمْرِهَا.

امام مجاہد نے فرمایا: وَبَالَ اَمْرِهَا سے مراد اپنے کام کی سزا ہے۔

وضاحت: مطلقہ عورتوں کی عدت ان کی کیفیت کے اعتبار سے مختلف ہے۔ اگر کوئی عورت غیر مدخولہ ہے، یعنی نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے ہی اسے طلاق مل گئی ہو تو اس کی عدت نہیں ہے اور مدخولہ کو اگر حیض آتا ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ اگر حیض نہیں آتا تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر حمل کی وجہ سے حیض نہیں آتا تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر بڑھاپے، بیماری یا صغر سنی کی وجہ سے حیض نہیں آتا تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اسی طرح اگر کسی کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بھی وضع حمل ہے، اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

(١) [بَابٌ]:

باب: 1- بلاعنوان

٤٩٠٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: «لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ، فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا، فَتِلْكَ

[4908] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو حضرت عمر ؓ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے، پھر آپ نے فرمایا: ''اسے چاہیے کہ اپنی بیوی سے رجوع کرے، پھر اسے اپنے پاس روکے رکھے حتی کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر اسے حیض آئے اور پھر اس سے پاک ہو جائے، پھر اگر طلاق دینا چاہے تو اس سے جماع کیے بغیر اسے طلاق

الْعِدَّةُ كَمَا أَمَرَهُ اللهُ». [انظر: ٥٢٥١، ٥٢٥٢، ٥٢٥٣، ٥٢٥٨، ٥٢٦٤، ٥٣٣٢، ٥٣٣٣، ٧١٦٠]

دے دے۔ یہی وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔"

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ وہ حالت طہر یا حالت حمل میں طلاق دے۔[1] دوران حیض میں اگر بیوی کو طلاق دی جائے تو وہ شمار ہوگی یا نہیں، اس کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے۔ ہمارا رجحان یہ ہے کہ اس طرح کی طلاق شمار کی جائے گی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [إِذَا طُلِّقَتِ الْحَائِضُ تَعْتَدُّ بِذٰلِكَ الطَّلَاقِ] "جب حائضہ عورت کو طلاق دی جائے تو وہ اس طلاق کی وجہ سے عدت گزارے گی۔"[2] اس قسم کی طلاق کو شمار کرنے کے متعلق کچھ آثار وقرائن حسب ذیل ہیں: ○ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رجوع کا حکم دیا اور رجوع ہمیشہ طلاق کے بعد ہوتا ہے۔ ○ اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نے جو طلاق دی ہے وہ ایک ہے۔"[3] ○ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ طلاق جو اس نے دی ہے شمار کی جائے گی۔"[4] ○ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود کہتے ہیں کہ یہ طلاق مجھ پر شمار کی گئی۔[5] ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: جو آپ نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی تھی وہ شمار کی گئی؟ انھوں نے جواب دیا میں اسے شمار کیوں نہ کرتا اگرچہ میں نے عجز اور حماقت کا ثبوت دیا تھا۔[6] علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مختلف طرق ذکر کرنے کے بعد اس بات کو ثابت کیا ہے کہ دوران حیض میں دی گئی طلاق کو شمار کیا جائے گا۔[7] اس موضوع پر ہمارے فتاویٰ "فتاویٰ اصحاب الحدیث" کا مطالعہ کریں۔

(٢) [بَابٌ]: ﴿وَأُولَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا﴾ [٤]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) "اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا" کا بیان

﴿وَأُولَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ﴾ وَاحِدُهَا ذَاتُ حَمْلٍ.

أُولَاتُ الْأَحْمَالِ کا مفرد ذَاتُ حَمْلٍ ہے، یعنی حمل والی۔

وضاحت: اس آیت میں حاملہ عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے، خواہ انھیں طلاق ملی ہو یا ان کے شوہر فوت ہو چکے ہوں دونوں صورتوں میں ان کی عدت وضع حمل ہے خواہ ایک ماہ ہو یا آٹھ ماہ کے بعد بچہ جنم دے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے

---

① صحيح مسلم، الطلاق، حديث: 3659(1471). ② صحيح البخاري، الطلاق، باب: 2. ③ سنن الدارقطني: 9/4. ④ السنن الكبرى للبيهقي: 236/7. ⑤ صحيح البخاري، الطلاق، حديث: 5253. ⑥ صحيح مسلم، الطلاق، حديث: 3666 (1471). 7 إرواء الغليل: 133/7.

معلوم ہوتا ہے۔

٤٩٠٩ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ - وَأَبُو هُرَيْرَةَ جَالِسٌ عِنْدَهُ - فَقَالَ: أَفْتِنِي فِي امْرَأَةٍ وَلَدَتْ بَعْدَ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: آخِرُ الْأَجَلَيْنِ. قُلْتُ أَنَا: ﴿وَأُوْلَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي - يَعْنِي أَبَا سَلَمَةَ - فَأَرْسَلَ ابْنُ عَبَّاسٍ غُلَامَهُ كُرَيْبًا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ يَسْأَلُهَا فَقَالَتْ: قُتِلَ زَوْجُ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةِ وَهِيَ حُبْلَى، فَوَضَعَتْ بَعْدَ مَوْتِهِ بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً، فَخُطِبَتْ فَأَنْكَحَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَكَانَ أَبُو السَّنَابِلِ فِيمَنْ خَطَبَهَا. [انظر: ٥٣١٨]

[4909] حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک شخص حضرت ابن عباس ؓ کے پاس آیا جبکہ اس وقت حضرت ابوہریرہ ؓ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آنے والے نے مسئلہ پوچھا کہ آپ مجھے اس عورت کے متعلق بتایئے جس نے اپنے شوہر کی وفات کے چالیس راتیں بعد بچہ جنم دیا ہو؟ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اس کی عدت دونوں عدتوں میں سے دورتر، یعنی طویل تر عدت ہے۔ میں نے کہا: ''حمل والی عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل تک ہے۔'' حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا: میں اپنے بھتیجے، (ابوسلمہ) کے ساتھ ہوں۔ آخر حضرت ابن عباس ؓ نے اپنے غلام کریب کو ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ کی خدمت میں یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا، ام المومنین نے بتایا کہ سبیعہ اسلمیہ ؓ کے شوہر شہید کر دیے گئے تھے جبکہ وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ شوہر کی وفات کے چالیس راتیں بعد اس نے بچہ جنم دیا، پھر ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت ابوسنابل ؓ بھی انھیں پیغام نکاح بھیجنے والوں میں سے تھے۔

فوائد ومسائل: ① عورت مطلقہ ہو یا بیوہ اگر وہ حمل سے ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ ہمارے ہاں جہالت کی وجہ سے یہ مسئلہ مشہور ہے کہ حاملہ کی طلاق نافذ نہیں ہوتی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حاملہ عورت کی عدت بیان کی ہے۔ اگر اسے طلاق دینا ناجائز ہے یا اس کی طلاق نافذ نہیں ہوتی تو عدت بیان کرنے کا کیا مطلب، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عمر ؓ کو جب طلاق دینے کا طریقہ بتایا تو اس میں صراحت ہے کہ بیوی کو طلاق حالت طہر میں دو یا حالت حمل میں اسے فارغ کرو۔[1] ② بہرحال دوران حمل میں دی گئی طلاق بھی نافذ العمل ہے اور اس کی عدت وضع حمل ہے۔ واللہ أعلم.

---

① صحیح مسلم، الطلاق، حدیث: 3659 (1471).

٤٩١٠ - وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ: كُنْتُ فِي حَلْقَةٍ فِيهَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ أَبِي لَيْلٰى - وَكَانَ أَصْحَابُهُ يُعَظِّمُونَهُ - فَذَكَرَ آخِرَ الْأَجَلَيْنِ فَحَدَّثْتُ بِحَدِيثِ سُبَيْعَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، قَالَ: فَضَمَّزَ لِي بَعْضُ أَصْحَابِهِ، قَالَ مُحَمَّدٌ: فَفَطِنْتُ لَهُ فَقُلْتُ: إِنِّي إِذًا لَجَرِيءٌ إِنْ كَذَبْتُ عَلٰى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ وَهُوَ فِي نَاحِيَةِ الْكُوفَةِ، فَاسْتَحْيَا وَقَالَ: لٰكِنَّ عَمَّهُ لَمْ يَقُلْ ذَاكَ، فَلَقِيتُ أَبَا عَطِيَّةَ مَالِكَ بْنَ عَامِرٍ فَسَأَلْتُهُ فَذَهَبَ يُحَدِّثُنِي حَدِيثَ سُبَيْعَةَ، فَقُلْتُ: هَلْ سَمِعْتَ عَنْ عَبْدِ اللهِ فِيهَا شَيْئًا؟ فَقَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللهِ فَقَالَ: أَتَجْعَلُونَ عَلَيْهَا التَّغْلِيظَ وَلَا تَجْعَلُونَ عَلَيْهَا الرُّخْصَةَ؟ لَنَزَلَتْ سُورَةُ النِّسَاءِ الْقُصْرٰى بَعْدَ الطُّولٰى ﴿وَأُوْلَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾. [راجع: ٤٥٣٢]

[4910] حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک ایسی مجلس میں حاضر تھا جہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی تھے۔ ان کے شاگردان کی بہت عزت کرتے تھے۔ انھوں نے حاملہ کی عدت وفات ابعد الاجلین (طویل تر) بیان کی تو میں نے وہاں سبیعہ بنت حارث ؓ کی حدیث عبداللہ بن عتبہ کے حوالے سے بیان کر دی۔ ان کے شاگردوں میں سے کسی نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں بات سمجھ گیا اور کہا کہ عبداللہ بن عتبہ ابھی کوفہ میں بقید حیات ہیں۔ اگر میں ان کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرتا ہوں تو بڑی جرأت کی بات ہوگی۔ اس پر مجھے تنبیہ کرنے والے صاحب شرمندہ ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہنے لگے: لیکن ان کے چچا (عبداللہ بن مسعود) نے تو یہ بات نہیں کہی۔ پھر میں ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا اور ان سے میں نے یہی مسئلہ پوچھا تو وہ بھی سبیعہ اسلمیہ والی حدیث بیان کرنے لگے۔ میں نے ان سے کہا: آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے اس سلسلے میں کچھ سنا ہے؟ انھوں نے کہا: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی خدمت میں حاضر تھے تو انھوں نے فرمایا: تم اس پر سختی کرنا چاہتے ہو اور اسے رخصت و سہولت دینے کے لیے تیار نہیں ہو؟ حالانکہ چھوٹی سورۂ نساء (سورۂ طلاق) بڑی سورۂ نساء (سورۂ بقرہ) کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (اس میں ہے کہ) ''اور حمل والی خواتین کی عدت ان کے حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① لمبی مدت سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حمل سے ہو تو اگر چار ماہ دس دن کے اندر اندر بچہ پیدا نہ ہو تو اسے وضع حمل تک انتظار کرنا ہوگا اور اس سے پہلے بچہ پیدا ہو جائے تو اسے چارہ ماہ دس دن

پورے کرنے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما أبعد الأجلين کے قائل تھے۔ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے تھے کہ میرے موقف کے حامی ہیں لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں تھا جیسا کہ ابوعطیہ مالک بن عامر نے اس کی صراحت کی ہے۔ ② بہرحال جس حاملہ عورت کا شوہر فوت ہو جائے، اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اس کے بعد اسے عقد ثانی کرنے کی اجازت ہے۔ جمہور اہل علم کا یہی موقف ہے۔ وضع حمل، خواہ دیر سے ہو یا جلدی، اسے بچہ پیدا ہونے تک انتظار کرنا ہوگا۔ اس مسئلے کی مزید تفصیل کتاب الطلاق میں پیش کی جائے گی۔ بإذن الله تعالىٰ.

(٦٦) سُورَةُ التَّحْرِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 66-تفسیر سورۂ تحریم

(١) بَابٌ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾ الْآيَةَ [١]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اے نبی! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، اسے آپ حرام کیوں کرتے ہیں“ کا بیان

وضاحت: کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کسی نبی کو نہیں حتی کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ اختیار نہ تھا کو وہ اپنی مرضی سے کسی حلال چیز کو حرام یا کسی حرام چیز کو حلال قرار دے دیں۔ اگر کوئی شخص حلال چیز اپنے آپ پر حرام قرار دیتا ہے تو اسے قسم کا کفارہ دینا چاہیے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

٤٩١١ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى، عَنِ ابْنِ حَكِيمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ فِي الْحَرَامِ: يُكَفِّرُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾. [انظر: ٥٢٦٦]

[4911] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اگر کسی نے اپنے اوپر کوئی حلال چیز حرام کر لی تو اس کا کفارہ دینا ہوگا۔ پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”بے شک تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔“

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو خوش کرنے کے لیے خود پر شہد کو حرام کر لیا تھا، جس کی تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے، اس طرح کا کام اگر کسی ضرورت و مصلحت کے لیے ہو تو جائز ہے گناہ نہیں مگر رسول اللہ ﷺ کو ایسی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ نے یہ کام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو راضی کرنے کے لیے کیا تھا جبکہ ایسے معاملات میں ان کا راضی کرنا آپ پر لازم نہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ اس قسم کا کفارہ دیں اور قسم کا کفارہ ہے: دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلایا جائے یا انھیں لباس دیا جائے یا ایک غلام لونڈی کو آزاد کیا جائے۔ اگر ان میں سے کسی چیز کی طاقت نہ ہو تو تین دن کے

روزے رکھے جائیں۔

٤٩١٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى : أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ وَيَمْكُثُ عِنْدَهَا، فَوَاطَأْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ عَنْ: أَيَّتُنَا دَخَلَ عَلَيْهَا فَلْتَقُلْ لَهُ: أَكَلْتَ مَغَافِيرَ، إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ. قَالَ: «لَا، وَلٰكِنِّي كُنْتُ أَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ فَلَنْ أَعُودَ لَهُ، وَقَدْ حَلَفْتُ، لَا تُخْبِرِي بِذٰلِكَ أَحَدًا». [انظر: ٥٢١٦، ٥٢٦٧، ٥٢٦٨، ٥٤٣١، ٥٥٩٩، ٥٦١٤، ٥٦٨٢، ٦٦٩١، ٦٩٧٢]

[4912] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ حضرت زینب بنت جحش ؓ کے ہاں شہد پیتے اور ان کے پاس ٹھہرتے تھے، چنانچہ میں نے اور حضرت حفصہ ؓ نے باہمی اتفاق سے طے کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں سے جس کے پاس بھی آئیں تو وہ کہے کہ آپ نے مغافیر کھائی ہے کیونکہ میں آپ سے مغافیر کی بو محسوس کرتی ہوں۔ (چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو منصوبے کے مطابق یہی کہا گیا۔) آپ نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہے، لیکن میں نے زینب بنت جحش کے ہاں سے شہد پیا تھا، اب نہیں پیوں گا۔ میں نے اس کی قسم اٹھالی ہے لیکن تم نے اس کا کسی سے ذکر نہیں کرنا۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ بڑے لطیف مزاج اور نفاست پسند تھے۔ آپ کو یہ بات انتہائی ناپسند تھی کہ آپ کے جسم یا کپڑوں سے کوئی ناگوار بو آئے۔ آپ ہمیشہ خوشبو کو پسند کرتے اور خوشبو لگایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ نے یہ پروگرام اس لیے تشکیل دیا تھا تاکہ آپ حضرت زینب ؓ کے ہاں جانا اور وہاں قیام کرنا کچھ کم کر دیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لیے شہد نہ کھانے کی قسم اٹھالی، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنبہ فرمایا۔ ② چونکہ بیویوں کو خوش کرنے کے لیے ایک حلال چیز کو حرام کر لینے کا جو فعل آپ سے صادر ہوا وہ اگرچہ آپ کے اہم ترین ذمہ دارانہ منصب کے لحاظ سے مناسب نہ تھا لیکن یہ کوئی گناہ بھی نہ تھا کہ اس پر مؤاخذہ کیا جاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف ٹوک کر اس کی اصلاح کر دینے پر اکتفا فرمایا اور آپ کی اس لغزش کو معاف کر دیا۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابٌ: ﴿تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾ [١] ﴿قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ﴾ [٢]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں۔'' ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے'' کا بیان

وضاحت: کسی انسان کا کسی مصلحت کی خاطر کسی حلال چیز کو اپنے لیے حرام قرار دے لینا یا اسے کچھ وقت تک کے لیے چھوڑ دینا یا اسے چھوڑنے کی قسم اٹھا لینا بذات خود کوئی بڑا جرم نہیں، مگر رسول اللہ ﷺ کا معاملہ کچھ دوسری نوعیت کا تھا۔ آپ کا ہر کام

امت کے لیے نمونہ اور واجب الاتباع ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس کام پر گرفت فرمائی کہ کہیں آپ کی امت بھی شہد کو حرام یا کم از کم مکروہ ہی نہ خیال کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ قسم کا کفارہ دے کر اس عہد اور قسم کو توڑ دیں جو آپ نے ایک حلال چیز کو اپنے آپ پر حرام کر لینے سے متعلق کیا ہے۔

٤٩١٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ عُبَيْدِ ابْنِ حُنَيْنٍ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ أَنَّهُ قَالَ: مَكَثْتُ سَنَةً أُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنْ آيَةٍ، فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَسْأَلَهُ هَيْبَةً لَهُ، حَتّٰى خَرَجَ حَاجًّا فَخَرَجْتُ مَعَهُ، فَلَمَّا رَجَعْتُ وَكُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ عَدَلَ إِلَى الْأَرَاكِ لِحَاجَةٍ لَهُ، قَالَ: فَوَقَفْتُ لَهُ حَتّٰى فَرَغَ، ثُمَّ سِرْتُ مَعَهُ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، مَنِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَزْوَاجِهِ؟ فَقَالَ: تِلْكَ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ. قَالَ: فَقُلْتُ: وَاللهِ إِنْ كُنْتُ لَأُرِيدُ أَنْ أَسْأَلَكَ عَنْ هٰذَا مُنْذُ سَنَةٍ فَمَا أَسْتَطِيعُ هَيْبَةً لَكَ، قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، مَا ظَنَنْتَ أَنَّ عِنْدِي مِنْ عِلْمٍ فَاسْأَلْنِي، فَإِنْ كَانَ لِي عِلْمٌ خَبَّرْتُكَ بِهِ.

[4913] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک آیت کے متعلق حضرت عمر ؓ سے پوچھنے کے لیے ایک سال تک ٹھہرا رہا لیکن ان کی ہیبت کی وجہ سے میری ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر وہ ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ واپسی کے وقت جب ہم راستے میں تھے تو آپ رفع حاجت کے لیے ایک پیلو کے درخت کے پاس گئے۔ میں ان کے انتظار میں کھڑا رہا۔ جب آپ فارغ ہو کر آئے تو میں بھی آپ کے ساتھ چلا۔ اس وقت میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! امہات المومنین میں سے وہ کون دو عورتیں تھیں جنھوں نے نبی ﷺ کے متعلق ایک منصوبہ تشکیل دیا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ وہ سیدہ حفصہ اور حضرت عائشہ ؓ تھیں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ سے یہ سوال کرنے کے لیے ایک سال سے ارادہ کر رہا تھا، لیکن آپ کے رعب کی وجہ سے پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ایسا نہ کیا کرو، جس مسئلے کی بابت تمھارا خیال ہو کہ میرے پاس اس کے متعلق معلومات ہیں تو وہ پوچھ لیا کرو۔ اگر میرے پاس اس کے متعلق کچھ علم ہو گا تو میں تمھیں ضرور بتا دیا کروں گا۔

قَالَ: ثُمَّ قَالَ عُمَرُ: وَاللهِ إِنْ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَا نَعُدُّ لِلنِّسَاءِ أَمْرًا حَتّٰى أَنْزَلَ اللهُ فِيهِنَّ مَا أَنْزَلَ، وَقَسَمَ لَهُنَّ مَا قَسَمَ، قَالَ: فَبَيْنَا أَنَا فِي أَمْرٍ أَتَأَمَّرُهُ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتِي لَوْ صَنَعْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَقُلْتُ لَهَا: مَا لَكِ وَلِمَا

پھر حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! دور جاہلیت کے وقت ہماری نظر میں عورتوں کی کوئی حیثیت نہ تھی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق وہ احکام نازل فرمائے جو نازل کرنے تھے۔ اور ان کے حقوق مقرر کیے جو کرنے تھے۔ ایک دن یوں ہوا کہ میں کچھ سوچ بچار میں تھا کہ میری بیوی

هَاهُنَا؟ فِيمَا تَكَلُّفُكِ فِي أَمْرٍ أُرِيدُهُ؟ فَقَالَتْ لِي: عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! مَا تُرِيدُ أَنْ تُرَاجَعَ أَنْتَ، وَإِنَّ ابْنَتَكَ لَتُرَاجِعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَتَّى يَظَلَّ يَوْمَهُ غَضْبَانَ. فَقَامَ عُمَرُ فَأَخَذَ رِدَاءَهُ مَكَانَهُ، حَتَّى دَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَقَالَ لَهَا: يَا بُنَيَّةُ! إِنَّكِ لَتُرَاجِعِينَ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَتَّى يَظَلَّ يَوْمَهُ غَضْبَانَ؟ فَقَالَتْ حَفْصَةُ: وَاللهِ إِنَّا لَنُرَاجِعُهُ، فَقُلْتُ: تَعْلَمِينَ أَنِّي أُحَذِّرُكِ عُقُوبَةَ اللهِ وَغَضَبَ رَسُولِهِ ﷺ، يَا بُنَيَّةُ! لَا يَغُرَّنَّكِ هٰذِهِ الَّتِي أَعْجَبَهَا حُسْنُهَا حُبُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِيَّاهَا - يُرِيدُ عَائِشَةَ - قَالَ: ثُمَّ خَرَجْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ لِقَرَابَتِي مِنْهَا فَكَلَّمْتُهَا، فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: عَجَبًا لَكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! دَخَلْتَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى تَبْتَغِيَ أَنْ تَدْخُلَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَزْوَاجِهِ! فَأَخَذَتْنِي وَاللهِ أَخْذًا كَسَرَتْنِي عَنْ بَعْضِ مَا كُنْتُ أَجِدُ، فَخَرَجْتُ مِنْ عِنْدِهَا وَكَانَ لِي صَاحِبٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِذَا غِبْتُ أَتَانِي بِالْخَبَرِ، وَإِذَا غَابَ كُنْتُ أَنَا آتِيهِ بِالْخَبَرِ، وَنَحْنُ نَتَخَوَّفُ مَلِكًا مِنْ مُلُوكِ غَسَّانَ ذُكِرَ لَنَا أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَسِيرَ إِلَيْنَا فَقَدِ امْتَلَأَتْ صُدُورُنَا مِنْهُ، فَإِذَا صَاحِبِي الْأَنْصَارِيُّ يَدُقُّ الْبَابَ، فَقَالَ: اِفْتَحْ اِفْتَحْ. فَقُلْتُ: جَاءَ الْغَسَّانِيُّ؟ فَقَالَ: بَلْ أَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ، اِعْتَزَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَزْوَاجَهُ. فَقُلْتُ: رَغِمَ أَنْفُ حَفْصَةَ وَعَائِشَةَ، فَأَخَذْتُ ثَوْبِي فَأَخْرُجُ حَتَّى جِئْتُ، فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ يَرْقٰى عَلَيْهَا

نے مجھ سے کہا: بہتر ہے تم یہ معاملہ فلاں فلاں طرح حل کرو۔ میں نے اس سے کہا: تمھارا اس کام میں کیا دخل؟ یہ معاملہ مجھ سے متعلق ہے، تمھیں دخل اندازی کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ میری بیوی نے کہا: اے خطاب کے بیٹے! تمھارے اس طرز عمل پر مجھے حیرت ہے کہ تم اپنی باتوں کا جواب برداشت نہیں کرتے جبکہ تمھاری بیٹی تو رسول اللہ ﷺ کو بھی جواب دے دیتی ہیں، یہاں تک کہ وہ سارا سارا دن اس سے ناراض رہتے ہیں۔ یہ سن کر عمر کھڑا ہو گیا اور اپنی چادر اوڑھ کر حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا اور کہا: بیٹی! تم رسول اللہ ﷺ سے تکرار کرتی ہو یہاں تک کہ وہ سارا سارا دن تم سے ناراض رہتے ہیں؟ حفصہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ہاں، اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ ﷺ سے بعض اوقات تکرار کرتی ہیں۔ میں نے کہا: تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضی سے خبردار کرتا ہوں۔ اے بیٹی! تم اس عورت کی وجہ سے دھوکے میں نہ آ جانا جسے اپنے حسن پر بڑا ناز ہے اور رسول اللہ ﷺ کو بھی وہ پیاری ہے۔ ان کا اشارہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔ پھر میں وہاں سے نکل کر ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا جو میری رشتے دار تھیں۔ میں نے اس معاملے میں ان سے بات کی تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اے ابن خطاب! تم عجیب آدمی ہو! ہر معاملے میں دخل اندازی کرتے ہو، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات کے متعلق بھی دخل دینے چلے ہو۔ اللہ کی قسم! ان کی اس بات نے میری ہمت پست کر دی، چنانچہ میں ان کے گھر سے باہر نکل آیا۔ میرے ایک انصاری دوست تھے، جب میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر نہ ہوتا تو وہ مجلس کی تمام باتیں آ کر مجھے بتاتے اور جب وہ حاضر نہ ہوتے تو میں

بِعَجَلَةٍ، وَغُلَامٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَسْوَدُ عَلٰى رَأْسِ الدَّرَجَةِ. فَقُلْتُ لَهُ: قُلْ: هٰذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَأَذِنَ لِي - قَالَ عُمَرُ - فَقَصَصْتُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ هٰذَا الْحَدِيثَ، فَلَمَّا بَلَغْتُ حَدِيثَ أُمِّ سَلَمَةَ تَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَإِنَّهُ لَعَلٰى حَصِيرٍ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ شَيْءٌ، وَتَحْتَ رَأْسِهِ وِسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ، وَإِنَّ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَرَظًا مَصْبُورًا، وَعِنْدَ رَأْسِهِ أَهَبٌ مُعَلَّقَةٌ، فَرَأَيْتُ أَثَرَ الْحَصِيرِ فِي جَنْبِهِ فَبَكَيْتُ، فَقَالَ: «مَا يُبْكِيكَ؟» فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ كِسْرٰى وَقَيْصَرَ فِيمَا هُمَا فِيهِ، وَأَنْتَ رَسُولُ اللهِ، فَقَالَ: «أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ؟». [راجع: ٨٩]

انھیں مجلس کی باتوں سے آگاہ کرتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہمیں غسان کے ایک بادشاہ کے حملے کا خطرہ لگا ہوا تھا کیونکہ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ رکھے ہوئے ہے۔ اس کے خوف سے ہمارے سینے بھرے ہوئے تھے۔ ایک دن اچانک میرے دوست نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ دروازہ کھولو، دروازہ کھولو۔ میں نے کہا: کیا غسانی چڑھ آئے؟ اس نے کہا: اس سے بھی اہم معاملہ پیش آ گیا ہے، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ میں نے کہا: حفصہ اور عائشہ کی ناک خاک آلود ہو، چنانچہ میں نے اپنا لباس پہنا اور باہر نکل آیا۔ جب میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ اپنے بالا خانہ میں تشریف فرما تھے جس پر آپ سیڑھی سے چڑھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک حبشی غلام سیڑھی کے کنارے پر موجود تھا۔ میں نے اسے کہا: رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو کہ عمر بن خطاب آیا ہے اور اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے، چنانچہ آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ جب میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو پر پہنچا تو آپ مسکرانے لگے۔ اس وقت آپ کھجور کی ایک چٹائی پر تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے جسم مبارک اور چٹائی کے درمیان کوئی اور چیز نہ تھی۔ آپ کے سر کے نیچے ایک چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، پاؤں کی طرف کیکر کے پتوں کا ڈھیر تھا اور سر کی طرف ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ میں نے جب آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات دیکھے تو آبدیدہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''تم کس بات پر رونے لگے ہو؟'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ کو دنیا کی تمام سہولیات میسر ہیں اور آپ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: ''کیا

تم اس پر خوش نہیں ہو کہ ان کے حصے میں دنیا ہے اور ہمارے حصے میں آخرت ہے؟"

فوائد ومسائل: ① رسول اکرم ﷺ نہایت نرم مزاج اور حوصلہ مند تھے۔ آپ معمولی باتوں کو خاطر میں نہ لاتے لیکن ازواج مطہرات سے ناراضی اس بات کی دلیل تھی کہ یقیناً یہ بات قابل برداشت نہیں ہے۔ ان دونوں ازواج مطہرات ؓ کا رویہ واقعی ایسا ہی قابل اعتراض تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان پر ناراض ہو جانے اور بالا خانہ میں خلوت نشین ہونے پر حق بجانب تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر خود اللہ تعالیٰ اس بات میں حق بجانب تھا کہ ان ازواج کو ان کے رویے پر شدت کے ساتھ تنبیہ فرمائے۔ ② یہ بھی یاد رہے کہ اس معاملے میں صرف حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ ؓ ہی کا قصور نہیں تھا بلکہ دوسری ازواج مطہرات ؓ بھی کچھ نہ کچھ اس میں حصے دار تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئندہ آیات میں تمام ازواج مطہرات کو تنبیہ کی گئی ہے۔ اور یہ بات بھی تاریخ پر ثبت ہے کہ ازواج مطہرات ؓ کی دو پارٹیاں بن گئی تھیں: ایک میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ اور حضرت صفیہ تھیں جبکہ دوسری پارٹی میں حضرت زینب، حضرت ام سلمہ، حضرت ام حبیبہ اور باقی ازواج ؓ شامل تھیں۔ حدیث میں اس امر کی بھی صراحت ہے کہ ایک دفعہ تمام ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف غیرت کا رعب جمانے کے لیے باہمی اتفاق کرلیا تھا جو عورتوں کی طبیعت کے مطابق اور رسول اللہ ﷺ کے مزاج کے خلاف تھا۔[1]

(٣) بَابٌ: ﴿وَإِذْ أَسَرَّ ٱلنَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَٰجِهِۦ حَدِيثًا﴾ إِلَى ﴿ٱلْخَبِيرُ﴾ [٣]

باب: 3- (ارشاد باری تعالیٰ:) "اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے پوشیدہ طور پر ایک بات کہی ..... ہر چیز سے باخبر نے مجھے بتا دیا ہے" کا بیان

فِيهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس باب میں حضرت عائشہ ؓ کی نبی ﷺ سے مروی حدیث ہے۔

وضاحت: وہ پوشیدہ بات یہ تھی کہ میں آئندہ زینب ؓ کے گھر سے شہد نہیں پیوں گا اور ساتھ تاکید بھی کر دی تھی کہ آگے کسی کو میری بات نہ بتانا آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس سے زینب غمگین اور خفا ہوں گی لیکن حضرت حفصہ ؓ نے اس رازداری کے عہد کو پورا نہ کیا۔ انھوں نے زینب ؓ کو تو نہ بتایا لیکن حضرت عائشہ ؓ کے سامنے راز ظاہر کر دیا اور راز کی بات جب ایک سے دوسرے تک چلی جائے تو پھیل ہی جاتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی اپنے نبی کو اس راز کے ظاہر ہونے کی اطلاع دے دی۔

٤٩١٤ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ حُنَيْنٍ

[4914] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عمر ؓ سے ایک بات پوچھنے کا

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4916.

قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: أَرَدْتُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! مَنِ الْمَرْأَتَانِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَمَا أَتْمَمْتُ كَلَامِي حَتَّى قَالَ: عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ. [راجع: ۸۹]

ارادہ کیا اور عرض کی: اے امیر المومنین! وہ دو عورتیں کون تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ستانے کے لیے منصوبہ بنایا تھا؟ ابھی میں نے اپنی بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ انھوں نے فرمایا: وہ عائشہ اور حفصہ ؓ تھیں۔

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ نے جو ان دونوں پر عتاب فرمایا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اس عتاب کی دو وجہیں ہیں: * انھوں نے باہمی رقابت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کو ایک ایسی بات پر مجبور کر دیا جو آپ کے شایان شان نہ تھی۔ * انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا راز ظاہر کر کے انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس لیے انھیں متنبہ فرمایا تاکہ انھیں بلکہ معاشرے کی تمام ذمہ دار خواتین کو راز کی حفاظت کی تربیت دی جائے کیونکہ زوجین کے گھریلو معاملات بعض دفعہ ابتدائی طور پر بالکل معمولی معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کا نوٹس نہ لیا جائے تو آئندہ چل کر نہایت خطرناک اور تباہ کن صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ② ایک اور حقیقت کی طرف ہم اشارہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ جب بیوی نے پوچھا کہ میری یہ غلطی آپ کو کس نے بتائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے علیم و خبیر نے اس کی خبر دی ہے۔“ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پورے قرآن میں وہ آیت کہاں ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو: اے نبی! تم نے اپنی بیویوں سے جو راز کی بات کہی تھی، اس نے اسے ظاہر کر دیا ہے؟ اگر کوئی ایسی آیت نہیں ہے تو یہ اس بات کا واضح اور کھلا ثبوت ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی نبی ﷺ پر وحی آتی تھی جو آج احادیث کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ ③ نبی ﷺ کے اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ آپ اپنی بیوی سے ذکر ہی نہ کرتے اور پھر یہ نہ فرماتے کہ مجھے علیم و خبیر رب نے بتایا ہے۔

(٤) بَابٌ: ﴿إِن تَتُوبَآ إِلَى ٱللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ [٤]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو تو (یہ بہتر ہے) یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں......“ کا بیان

صَغَوْتُ وَأَصْغَيْتُ: مِلْتُ. ﴿لِتَصْغَىٰ﴾ [الأنعام: ۱۱۳]: لِتَمِيلَ. ﴿وَإِن تَظَٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ ٱللَّهَ هُوَ مَوْلَىٰهُ وَجِبْرِيلُ وَصَٰلِحُ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾ [٤] عَوْنٌ. تَظَاهَرُونَ: تَعَاوَنُونَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿قُوٓاْ أَنفُسَكُمْ﴾:

صَغَوْتُ اور أَصْغَيْتُ کے معنی ہیں: مائل ہو گیا۔ لِتَصْغَىٰ کے معنی ہیں: تاکہ جھک جائیں۔ وَإِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ ...... بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيرٌ میں ظَهِيرٌ کے معنی ہیں: مددگار۔ تَظٰهَرُونَ کے معنی ہیں: تم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو۔ امام مجاہد نے فرمایا: قُوٓا أَنْفُسَكُمْ کے معنی

أَوْصُوا [أَنْفُسَكُمْ وَ] أَهْلِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَأَدِّبُوهُمْ.

ہیں: تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو اللہ کا ڈر اختیار کرنے کی نصیحت کرو اور انھیں ادب سکھاؤ۔

وضاحت: آیت کریمہ میں تم دونوں سے مراد حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں جیسا کہ آئندہ روایات میں اس کی صراحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: اگر تم جتھے کی صورت میں اس طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں تو اس سے اللہ اور اس کے رسول کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود، اس کے فرشتے خصوصاً حضرت جبرئیل علیہ السلام اور نیک بخت اہل ایمان سب درجہ بدرجہ اس کے مددگار ہیں۔ ان کے سامنے تمھاری کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہو سکتی، لہٰذا تمھیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کرو۔

٤٩١٥ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ حُنَيْنٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: أَرَدْتُّ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ اللَّتَيْنِ تَظَاهَرَتَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَمَكَثْتُ سَنَةً فَلَمْ أَجِدْ لَهُ مَوْضِعًا حَتَّى خَرَجْتُ مَعَهُ حَاجًّا، فَلَمَّا كُنَّا بِظَهْرَانَ ذَهَبَ عُمَرُ لِحَاجَتِهِ، فَقَالَ: أَدْرِكْنِي بِالْوَضُوءِ، فَأَدْرَكْتُهُ بِالْإِدَاوَةِ، فَجَعَلْتُ أَسْكُبُ عَلَيْهِ، وَرَأَيْتُ مَوْضِعًا فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! مَنِ الْمَرْأَتَانِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا؟ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَمَا أَتْمَمْتُ كَلَامِي حَتَّى قَالَ: عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ. [راجع: ٨٩]

[4915] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان دو عورتوں کے متعلق سوال کرنا چاہا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایکا کیا تھا۔ میں ایک سال اسی فکر میں رہا اور مجھے کوئی موقع نہیں ملتا تھا۔ آخر میں ان کے ساتھ ایک مرتبہ حج کے لیے نکلا، واپسی پر جب ہم مقام ظہران میں تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رفع حاجت کے لیے باہر گئے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: میرے لیے وضو کا پانی لاؤ۔ میں ایک برتن میں پانی لایا اور آپ کو وضو کرانے لگا۔ اس وقت مجھے موقع ملا تو میں نے عرض کی: امیر المومنین! وہ عورتیں کون تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف منصوبہ سازی کی تھی؟ ابھی میں نے اپنی بات پوری نہ کی تھی کہ انھوں نے فرمایا: ''وہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔''

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کی دونوں بیویوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ معاملہ کرنے میں اس عظیم فرق کو ملحوظ رکھیں جو ایک عام شوہر اور پیغمبر میں ہوتا ہے۔ یہ شوہر نامدار ﷺ اپنی عظیم مصروفیات سے جو لمحات بچا کر انھیں بخش دیں وہ ان کی قدر کریں وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ ہمارے پیغمبر ان کی محبت اور رفاقت کے محتاج ہیں کہ اس وجہ سے لازمی طور پر ان کی دلداری اور ناز برداری ملحوظ رکھیں گے۔ وہ اس حد تک دل داری کریں گے جہاں تک اللہ نے گنجائش رکھی ہے۔ اگر کسی معاملے میں ذرا بھی حدود سے تجاوز ہوا تو اس پر احتساب بھی ان کے فرائض میں شامل ہے، جس میں کوتاہی نہیں ہوگی۔

(٥) بَابٌ: ﴿عَسَىٰ رَبُّهُۥٓ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُۥٓ أَزْوَٰجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ﴾ الْآيَةَ [٥]

باب:5- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی تمھیں طلاق دے دے تو اس کا رب اسے تم سے بہتر بیویاں عطا کر دے'' کا بیان

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو تمام دنیا کی عورتوں پر فضیلت حاصل ہے لیکن جب ان سے رسول اللہ ﷺ کی ایک تربیت قبول کرنے کے معاملے میں ذرا سی کوتاہی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں طلاق تک کی دھمکی دے دی کہ تمھیں یہ گمان نہیں ہونا چاہیے کہ اگر تم ہمارے پیغمبر ﷺ سے روٹھ گئیں تو پھر اس کی وابستگی کا کوئی سہارا باقی نہیں رہے گا۔ آج اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی رفاقت کے لیے تمھارا انتخاب کیا ہے تو وہ تم سے بہتر بیویاں دینے پر بھی قادر ہے، اس لیے تمھیں اپنے رویے پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دنوں حالات کا جائزہ لے کر اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٩١٦ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: اِجْتَمَعَ نِسَاءُ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْغَيْرَةِ عَلَيْهِ فَقُلْتُ لَهُنَّ: عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ. [راجع: ٤٠٢]

[4916] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ازواج مطہرات نے نبی ﷺ کے خلاف غیرت کا رعب جمانے کے لیے باہمی اتفاق کر لیا تو میں نے ان سے کہا: اگر نبی تم کو طلاق دے دے تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھارے بدلے میں انھیں تم سے بہتر بیویاں عطا کر دے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی (جو باب میں مذکور ہے۔)

فوائد و مسائل: ① عائلی زندگی میں خانگی معاملات کے لیے بے لاگ احتساب کی یہ آخری صورت ہے جو ان آیات میں بیان کی گئی ہے۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا! ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کوئی عام عورتیں نہ تھیں اور ان کے شوہر بھی کوئی عام انسان نہ تھے بلکہ وہ اس عظیم ہستی کی بیویاں تھیں جسے اللہ تعالیٰ نے انتہائی اہم ذمہ داری کے منصب پر مامور فرمایا تھا، جسے ہر وقت کفار و مشرکین اور آستین کے سانپوں منافقین کے ساتھ مسلسل جہاد سے سابقہ درپیش تھا۔ ایسے حالات میں ان کے خلاف باہمی اتفاق سے منصوبہ سازی کی قطعاً گنجائش نہ تھی کہ ہمارے شوہر نامدار فلاں بیوی کو زیادہ وقت دیتے ہیں اور اس کے پاس شہد نوش کرتے ہیں، پھر انھیں اللہ تعالیٰ کی ایک حلال کردہ چیز کو اپنے آپ پر حرام قرار دینے کے لیے مجبور کر دیا جائے۔ ان کے گرد گھیرا اس قدر تنگ کر دیا جائے کہ وہ ہستی ان سب سے الگ ہو کر ایک بالا خانہ میں خلوت گزینی پر مجبور ہو جائے۔ ② اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا کہ تمھیں اس گمان میں نہیں رہنا چاہیے کہ آخر مرد کو بیویوں کی ضرورت تو ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں، اس لیے اگر ہم دباؤ ڈالیں گی تو سب باتیں منظور کر لی جائیں گی، اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم سے

بہتر بیویاں انھیں عنایت کر دے، پھر بہتر بیویوں کے انتخاب کے لیے عالمہ، فاضلہ، حافظہ اور قاریہ نہیں بلکہ ان کے اخلاق و کردار کو سامنے رکھا ہے۔

(٦٧) سُورَةُ ﴿تَبَارَكَ ٱلَّذِى بِيَدِهِ ٱلْمُلْكُ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 67-تفسیر سورۂ ملک

اَلتَّفَاوُتُ: اَلِاخْتِلَافُ. وَالتَّفَاوُتُ وَالتَّفَوُّتُ وَاحِدٌ. ﴿تَمَيَّزُ﴾ [٨]: تَقَطَّعُ. ﴿مَنَاكِبِهَا﴾ [١٥]: جَوَانِبِهَا. ﴿تَدَّعُونَ﴾[٢٧]، وَتَدْعُونَ وَاحِدٌ، مِثْلُ: تَذَكَّرُونَ وَتَذْكُرُونَ. ﴿وَيَقْبِضْنَ﴾ [١٩]: يَضْرِبْنَ بِأَجْنِحَتِهِنَّ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿صَٰٓفَّٰتٍ﴾: بَسْطُ أَجْنِحَتِهِنَّ. ﴿وَنُفُورٍ﴾ [٢١]: اَلْكُفُورِ.

اَلتَّفَاوُتُ کے معنی ہیں: اختلاف اور فرق۔ تفاوت اور تفوّت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ تَمَيَّزُ سے مراد ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ مَنَاكِبِهَا سے مراد زمین کے اطراف و اکناف ہیں۔ تَدَّعُوْنَ (دال کی شد) اور تَدْعُونَ (دال کی جزم) دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی جس کا تم مطالبہ کرتے تھے جیسا کہ تَذَكَّرُونَ (ذال کی شد) اور تَذْكُرُونَ (ذال کی جزم) دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ وَيَقْبِضْنَ کے معنی ہیں: وہ اپنے پروں کو سمیٹ لیتے ہیں۔ امام مجاہد نے کہا: صَٰٓفَّٰتٍ کے معنی ہیں: اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں۔ وَنُفُوْرٍ سے مراد کفر ہے، یعنی حق سے بھاگنا اور نفرت کرنا۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس کی تفسیر کے متعلق کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی، صرف چند الفاظ کے لغوی معانی بتانے پر اکتفا کیا ہے۔ ممکن ہے کہ درج ذیل حدیث سے اس کی تلافی ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن مجید میں ایک ایسی سورت ہے جس کی تیس آیات ہیں، وہ اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرے گی حتی کہ اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ وہ سورت ''تبارك الذی بیده الملك ہے۔''[1] قرآن مجید کی تلاوت ایمان کے ساتھ خلوص نیت سے ہو تو مغفرت کا باعث ہے۔ واللّٰه أعلم.

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿يَتَخَٰفَتُونَ﴾ [٢٣]:

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: يَتَخَافَتُوْنَ کے معنی

1 سنن أبي داود، شهر رمضان، حديث: 1400.

يَتَنَاجَوْنَ السِّرَارَ وَالْكَلَامَ الْخَفِيَّ. وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿حَرْدٍ﴾ [٢٥]: جِدٌّ فِي أَنْفُسِهِمْ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿إِنَّا لَضَالُّونَ﴾ [٢٦]: أَضْلَلْنَا مَكَانَ جَنَّتِنَا. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿كَالصَّرِيمِ﴾ [٢٠]: كَالصُّبْحِ انْصَرَمَ مِنَ اللَّيْلِ، وَاللَّيْلِ انْصَرَمَ مِنَ النَّهَارِ، وَهُوَ أَيْضًا كُلُّ رَمْلَةٍ انْصَرَمَتْ مِنْ مُعْظَمِ الرَّمْلِ، وَالصَّرِيمُ أَيْضًا اَلْمَصْرُومُ مِثْلُ قَتِيلٍ وَمَقْتُولٍ.

ہیں: وہ آہستہ آہستہ سرگوشیاں کرتے ہوئے چلے۔ حضرت قتادہ نے کہا: حَرْدٍ کے معنی ہیں: دل سے کوشش کرنا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اِنَّا لَضَالُّوْنَ کے معنی ہیں: ہم اپنے باغ کا راستہ بھول گئے۔ ابن عباس ؓ کے علاوہ دوسروں نے کہا: کَالصَّرِيْمِ کے معنی ہیں: وہ صبح جو رات سے کٹ کر الگ ہو جاتی ہے یا رات جو دن سے کٹ کر الگ ہو جاتی ہے۔ صریم ریت کے اس چھوٹے ٹیلے کو بھی کہتے ہیں جو بڑے ٹیلے سے کٹ کر الگ ہو جائے۔ صریم کا لفظ مصروم کے معنی میں ہے، یعنی کٹا ہوا جیسا کہ قتیل کا لفظ مقتول کے معنی میں آتا ہے۔

(١) بَابٌ: ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ﴾ [١٣]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اکھڑ مزاج، اس کے علاوہ حرام زادہ ہے“ کا بیان

وضاحت: یہ کافروں کی اخلاقی پستیوں کا ذکر ہے جن کی خاطر رسول اللہ ﷺ کو دین کے معاملے میں مداخلت کرنے سے روکا جا رہا ہے۔ عام مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جو ابوجہل سے پہلے قریش مکہ کا سردار تھا اور اس کے نسب کے متعلق اٹھارہ سال بعد پتا چلا تھا۔

٤٩١٧ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ﴾: قَالَ: رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ لَهُ زَنَمَةٌ مِثْلُ زَنَمَةِ الشَّاةِ.

[4917] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت: ”وہ اکھڑ مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ بداصل بھی ہے۔“ کے متعلق فرمایا: یہ قریش کے ایک آدمی کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ اس کی گردن پر ایک علامت تھی جس طرح بکری کے نشانی ہوتی ہے۔

فائدہ: بعض اوقات بکری یا آدمی کے کان کے ساتھ گوشت کا ایک زائد ٹکڑا لگا ہوا ہوتا ہے، اسے عربی زبان میں ”زنمہ“ کہتے ہیں۔ بعض اہل علم زنیم اس آدمی کو کہتے ہیں جو کسی قوم کے ساتھ ملحق ہو، ان کا فرد نہ ہو۔ جس طرح گلے یا کان میں زائد ٹکڑا بے مقصد ہوتا ہے اسی طرح وہ آدمی بھی اپنی قوم میں کسی اہمیت کا مالک نہیں ہوتا۔ جس کافر کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی تھیں وہ واقعی انھی صفات کا حامل تھا۔

٤٩١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ الْخُزَاعِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ». [انظر: ٦٠٧١، ٦٦٥٧]

[4918] حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''کیا میں تمھیں اہل جنت کی خبر نہ دوں؟ وہ دیکھنے میں کمزور و ناتواں لیکن اگر کسی بات پر قسم اٹھا لے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کر دیتا ہے۔ اور کیا میں تمھیں اہل جہنم کی خبر نہ دوں؟ وہ سخت مزاج، بدخو اور تکبر کرنے والا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل جنت زیادہ تر مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ وہ اگرچہ بظاہر ناتواں، کمزور اور غیر معروف ہوتے ہیں اور لوگوں کے ہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی مگر ان کے دل محبت الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں یا کسی کام کی قسم اٹھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی لاج رکھتے ہوئے وہ کام ضرور کر دیتا ہے اور ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے، اس کے برعکس جو جہنمی ہیں وہ متکبر، تند مزاج اور سخت گیر ہوتے ہیں، دنیا میں دوسروں کے ناک میں دم کیے رکھتے ہیں۔

(٢) بَابٌ: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقٍ﴾ [٤٢]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی'' کا بیان

وضاحت: مکمل آیت کا مفہوم یہ ہے: ''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور انھیں سجدہ کرنے کو بلایا جائے گا تو یہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔'' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی پنڈلی کو کھولنا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٩١٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ ابْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ زَيْدِ ابْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ سَاقِهِ، فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ، وَيَبْقَى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِيَاءً وَسُمْعَةً، فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ، فَيَعُودُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَاحِدًا». [راجع: ٢٢]

[4919] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کو کھولے گا تو ہر مومن مرد اور مومن عورت اس کو سجدہ کریں گے اور جو دنیا میں ریاکاری اور شہرت کے لیے سجدے کرتے تھے وہ باقی رہ جائیں گے۔ یہ (ریاکار) سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے تو ان کی کمر ایک تختہ بن جائے گی۔''

فوائدومسائل: ① امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے سو سے زیادہ کتب تفسیر کا مطالعہ کیا ہے، میں نے کسی صحابی کے متعلق نہیں پڑھا کہ انھوں نے صفات باری تعالیٰ کی کوئی تاویل کی ہو، ہاں ''يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ'' کے متعلق اختلاف ہے۔ کچھ حضرات اس کے معنی شدت کو دور کرنا لیتے ہیں، لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے پیش نظر اس سے مراد پروردگار کا اپنی پنڈلی کو کھولنا ہے۔ اگرچہ لفظ ساق نکرہ ہے جسے کسی کی طرف مضاف نہیں کیا گیا، تاہم دوسرے دلائل سے اس کے معنی متعین کیے جاسکتے ہیں۔[1] ② بہرحال اس جگہ شدت کو دور کرنا مراد نہیں بلکہ اللہ رب العزت کا اپنی پنڈلی کھولنا مراد ہے جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٦٩) سُورَةُ الْحَاقَّةِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ 69- تفسیر سورۃ الحاقہ

﴿عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ﴾ [٢١] يُرِيدُ فِيهَا الرِّضَا. ﴿الْقَاضِيَةَ﴾ [٢٧]: الْمَوْتَةَ الْأُولَى الَّتِي مُتُّهَا، لَمْ [أُحْيَا] بَعْدَهَا. ﴿مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ [٤٧] أَحَدٌ يَكُونُ لِلْجَمِيعِ وَلِلْوَاحِدِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿الْوَتِينَ﴾ [٤٦]: نِيَاطُ الْقَلْبِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿طَغَى﴾ [١١]: كَثُرَ؛ وَيُقَالُ: ﴿بِالطَّاغِيَةِ﴾ [٥] طُغْيَانِهِمْ؛ وَيُقَالُ: طَغَتْ عَلَى الْخُزَّانِ كَمَا طَغَى الْمَاءُ عَلَى قَوْمِ نُوحٍ.

عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ سے مراد رضا ہے، یعنی وہ اس زندگی میں راضی ہوگا۔ الْقَاضِيَةَ سے مراد پہلی موت جو آئی تھی، اس کے بعد زندہ نہ ہوا ہوتا۔ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ: احد کا لفظ مفرد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْوَتِيْنَ سے مراد دل کی (وہ) رگ ہے (جس کے کٹنے سے آدمی مرجاتا ہے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی نے فرمایا: طَغٰى کے معنی ہیں: پانی بہت چڑھ گیا۔ بِالطَّاغِيَةِ: وہ اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کیے گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طاغیہ سے مراد آندھی ہے۔ اس آندھی نے اتنا زور لگایا کہ (فرشتوں کے اختیار سے باہر ہوگئی) جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں پانی نے زور لگایا تھا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کی تفسیر میں کسی مرفوع حدیث کا حوالہ نہیں دیا مندرجہ ذیل حدیث کو ذکر کیا جاسکتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمھیں حاملین عرش میں سے ایک فرشتے کے متعلق بتاؤں، بلاشبہ اس کے کانوں کی لو سے اس کے کندھے تک کا فاصلہ سات سو سال کے سفر کے برابر ہے۔''[2] جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک فرشتے کی جسامت کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور بڑائی کا کیا مقام ہوگا جو

---

① مجموعة الفتاوى: 394/6. ② سنن أبي داود، السنة، حديث: 4727.

بلاشبہ ہمارے لیے نا قابل تصور ہے اور وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔ واللہ أعلم.

(۷۰) سُورَةُ ﴿سَأَلَ سَائِلٌ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 70-تفسیر سورۂ سَأَلَ سَائِلٌ

اَلْفَصِيلَةُ: أَصْغَرُ آبَائِهِ الْقُرْبٰى: إِلَيْهِ يَنْتَمِي مَنِ انْتَمٰى. ﴿لِلشَّوٰى﴾ [١٦]: اَلْيَدَانِ وَالرِّجْلَانِ وَالْأَطْرَافُ وَجِلْدَةُ الرَّأْسِ يُقَالُ لَهَا: شَوَاةٌ، وَمَا كَانَ غَيْرَ مَقْتَلٍ فَهُوَ شَوًى. ﴿عِزِينَ﴾ [٣٧] وَالْعِزُونَ: اَلْحِلَقُ وَالْجَمَاعَاتُ، وَاحِدُهَا عِزَةٌ.

اَلْفَصِيلَۃُ سے مراد آدمی کے قریبی باپ دادا جن کی طرف وہ منسوب ہو۔ لِلشَّوٰی سے مراد دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں، بدن کے اطراف اور سر کی کھال ہے۔ ان سب کو شواۃ کہتے ہیں۔ اور جس عضو کے کاٹنے سے آدمی مرتا نہیں وہ بھی شوٰی ہے۔ عِزِينَ اور عِزُونَ سے مراد حلقے اور جماعتیں ہیں، اس کا مفرد عِزَّۃٌ ہے۔

(۷۱) سُورَةُ نُوحٍ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 71-تفسیر سورۂ نوح

﴿أَطْوَارًا﴾ [١٤]: طَوْرًا كَذَا وَطَوْرًا كَذَا، يُقَالُ: عَدَا طَوْرَهُ، أَيْ: قَدْرَهُ. وَالْكُبَّارُ: أَشَدُّ مِنَ الْكِبَارِ، وَكَذٰلِكَ: جُمَّالٌ وَجَمِيلٌ لِأَنَّهَا أَشَدُّ مُبَالَغَةً، وَكَذٰلِكَ: كُبَّارٌ: اَلْكَبِيرُ، وَكُبَارٌ أَيْضًا بِالتَّخْفِيفِ، وَالْعَرَبُ تَقُولُ: رَجُلٌ حُسَّانٌ وَجُمَّالٌ وَحُسَانٌ مُخَفَّفٌ، وَجُمَالٌ مُخَفَّفٌ. ﴿دَيَّارًا﴾ [٢٦] مِنْ دَوْرٍ وَّلٰكِنَّهُ فَيْعَالٌ مِنَ الدَّوَرَانِ، كَمَا قَرَأَ عُمَرُ: (اَلْحَيُّ الْقَيَّامُ) وَهِيَ: مِنْ قُمْتُ؛ وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿دَيَّارًا﴾ [٢٦]: أَحَدًا. ﴿تَبَارًا﴾ [٢٨]: هَلَاكًا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿مِدْرَارًا﴾ [١١]: يَتْبَعُ بَعْضُهَا بَعْضًا. ﴿وَقَارًا﴾ [١٣]: عَظَمَةً.

اَطْوَارًا یہ طور کی جمع ہے، یعنی تم کو کبھی ایسے طور پر پیدا کیا اور کبھی ایسے طور پر۔ مطلب یہ ہے کہ انسان پہلے نطفے کی شکل میں تھا، پھر وہ خون بنا، پھر دم بستہ ہو گیا، پھر مضغہ ہوا، آخر انسان بن گیا۔ کہا جاتا ہے: عَدَا طَوْرَہٗ: وہ اپنے اندازے سے بڑھ گیا۔ اَلْکُبَّارُ اسے تشدید اور تخفیف سے دونوں طرح پڑھا گیا ہے لیکن تشدید کی صورت میں مبالغہ زیادہ ہے، یعنی بہت ہی بڑا۔ اسی طرح جُمَّال اور جمیل ہیں۔ جمیل کے معنی ہیں: خوبصورت اور جمال بہت ہی خوبصورت، یعنی اس میں مبالغہ زیادہ ہے۔ عرب لوگ کہتے ہیں: رَجُلٌ حُسَّانٌ وَ جُمَّالٌ اور حُسَانٌ وَجُمَالٌ، یعنی مشدد اور مخفف دونوں طرح ہے۔ دَیَّارًا، دور سے نکلا ہے۔ اس کا وزن فیعال ہے، یعنی اصل میں دَیْوَار تھا جو

دوران سے مشتق ہے (اس کا وزن فَعَّال نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یہ دَوَّار ہوتا) جیسا کہ حضرت عمر ؓ نے اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ کو اَلْحَيُّ الْقَيَّامُ پڑھا ہے جو اصل میں قَيْوَام تھا۔ ان کے علاوہ نے کہا: دَيَّارًا، اَحَدًا کے معنی میں ہے، یعنی کسی کو نہ چھوڑا۔ تَبَارًا کے معنی ہیں: ہلاکت۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: مِدْرَارًا کے معنی ہیں: ایک کے بعد دوسرا، یعنی لگاتار بارش۔ وَقَارًا سے عظمت اور بڑائی مراد ہے۔

(١) بَابٌ: ﴿وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ﴾ [٢٣]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''ود، سواع، یغوث، یعوق (اور نسر)'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا مفہوم اس طرح ہے: ''انھوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔''[1] یہ سب معبودان باطلہ، نیک لوگ تھے۔ ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے ان کی مورتیاں بنالیں، پھر ان کی عبادت ہونے لگی اور لوگ ان سے حاجتیں طلب کرنے لگے جیسا کہ درج ذیل روایت سے پتا چلتا ہے۔

٤٩٢٠ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ. وَقَالَ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: صَارَتِ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَتْ فِي قَوْمِ نُوحٍ فِي الْعَرَبِ بَعْدُ، أَمَّا وَدٌّ: فَكَانَتْ لِكَلْبٍ بِدَوْمَةِ الْجَنْدَلِ، وَأَمَّا سُوَاعٌ: فَكَانَتْ لِهُذَيْلٍ، وَأَمَّا يَغُوثُ: فَكَانَتْ لِمُرَادٍ ثُمَّ لِبَنِي غُطَيْفٍ، بِالْجُرُفِ عِنْدَ سَبَإٍ، وَأَمَّا يَعُوقُ: فَكَانَتْ لِهَمْدَانَ، وَأَمَّا نَسْرٌ: فَكَانَتْ لِحِمْيَرَ، لِآلِ ذِي الْكَلَاعِ، أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلٰى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوا إِلٰى

[4920] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ جو بت حضرت نوح ؑ کی قوم میں پوجے جاتے تھے، بعد میں انھی کی عرب کے ہاں عبادت ہونے لگی، چنانچہ ود، دومۃ الجندل میں بنوکلب کا بت تھا۔ سواع، بنو ہذیل کا اور یغوث مراد قبیلے کی شاخ بنوغطیف کا بت تھا جو وادئ جرف میں قوم سبا کے پاس رہتے تھے۔ یعوق، بنو ہمدان کا بت تھا اور نسر کی قوم حمیر عبادت کرتی تھی جو ذوالکلاع کی اولاد سے تھے۔ یہ پانچوں حضرت نوح ؑ کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب ان پر موت آئی تو شیطان نے ان کے دل میں ڈالا کہ جن مقامات پر یہ بزرگ تشریف فرمایا کرتے تھے وہاں ان کی مورتیاں بنالو اور ان کا نام انھی بزرگوں کے

---

[1] نوح 71:23.

مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوا، فَلَمْ تُعْبَدْ، حَتّٰى إِذَا هَلَكَ أُولٰئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ.

نام پر رکھو، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت ان کی پوجا پاٹ نہیں ہوتی تھی لیکن جب وہ لوگ بھی مر گئے جنھوں نے بت قائم کیے تھے اور لوگوں میں علم نہ رہا تو ان کی پوجا پاٹ ہونے لگی۔

فوائد ومسائل: ① بت پرست اقوام میں بت پرستی کا آغاز اسی طرح ہوا کہ قوم میں جو نیک لوگ ہوا کرتے تھے جب وہ فوت ہو گئے تو شیطان نے دوسرے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ جن مقامات پر یہ بزرگ حضرات بیٹھا کرتے تھے تم وہاں ان کی مورتیاں بنا کر رکھ دو تا کہ ان کے کارنامے تمھیں یاد آئیں اور تم ان کی پیروی میں سستی نہ کرو۔ اگر تم نے ان کی مورتیاں بنا کر نہ رکھیں تو تم انھیں بھلا بیٹھو گے اور صراط مستقیم پر چلنے کے لیے تمھارے سامنے کوئی نمونہ نہیں ہوگا، چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت مورتیاں بنانے والوں کے عقائد درست تھے۔ جب ان کی وفات ہو گئی اور ان کی اولاد میں علم باقی نہ رہا تو ان مورتیوں کی عبادت ہونے لگی، اس لیے ہماری شریعت میں بت اور تصویر کشی منع ہے، بلکہ یہ حکم ہے کہ جہاں بت یا تصویر نظر آئے اسے توڑ دیا جائے کیونکہ یہ چیزیں آخر کار شرک کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اس دین میں یادگار کے طور پر بھی بت یا تصویر بنانا منع ہے۔ ② اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان بتوں کے پجاری مشرک تو طوفان نوح میں غرق ہو گئے تھے اور جو باقی بچے تھے وہ سب موحد اور مومن تھے، پھر اس کے بعد ان کی پوجا کیسے شروع ہو گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح شیطان نے پہلے لوگوں کو دھوکے اور فریب سے نیک لوگوں کی پرستش پر لگا دیا تھا، شیطان کی وہی چال بعد میں بھی کامیاب رہی۔ موحدین نے اپنی اولاد کو طوفان نوح کا قصہ بتایا، چند پشتیں گزرنے کے بعد پھر ان بتوں سے لوگوں کی عقیدت پیدا ہو گئی، پھر ان کی عبادت ہونے لگی۔ واللہ أعلم.

(٧٢) سُورَةُ ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 72- تفسیر سورۂ جن

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لِبَدًا﴾ [١٩]: أَعْوَانًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لِبَدًا کے معنی ہیں: اعوان و مددگار۔

(١) [بَابٌ]:

باب: 1- بلا عنوان

٤٩٢١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اِنْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي

[4921] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام کے ہمراہ سوق عکاظ کا قصد کیا۔ ان دنوں شیطانوں کو آسمان کی خبریں

طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، عَامِدِينَ إِلٰى سُوقِ عُكَاظٍ، وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ، فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ، فَقَالُوا: مَا لَكُمْ؟ فَقَالُوا: حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ. قَالَ: مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا مَا حَدَثَ، فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا فَانْظُرُوا مَا هٰذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَدَثَ، فَانْطَلَقُوا فَضَرَبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا يَنْظُرُونَ مَا هٰذَا الْأَمْرُ الَّذِي حَالَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ. قَالَ: فَانْطَلَقَ الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ بِنَخْلَةَ، وَهُوَ عَامِدٌ إِلٰى سُوقِ عُكَاظٍ، وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ تَسَمَّعُوا لَهُ، فَقَالُوا: هٰذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ. فَهُنَالِكَ رَجَعُوا إِلٰى قَوْمِهِمْ فَقَالُوا: يَا قَوْمَنَا ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْءَانًا عَجَبًا ۝ يَهْدِيٓ إِلَى ٱلرُّشْدِ فَـَٔامَنَّا بِهِۦ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ أَحَدًا﴾ وَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى نَبِيِّهِ ﷺ ﴿قُلْ أُوحِىَ إِلَىَّ أَنَّهُ ٱسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ ٱلْجِنِّ﴾ وَإِنَّمَا أُوحِيَ إِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ. [راجع: ۷۷۳]

ملنا بند ہو گئی تھیں اور ان پر آسمان سے آگ کے انگارے چھوڑے جاتے تھے۔ جب شیطان لوٹ کر آئے تو انھوں نے اپنی قوم سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی؟ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے اور ہم پر آسمان سے انگارے برسائے گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آسمانی خبروں اور تمھارے درمیان رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی نئی بات واقع ہوئی ہے۔ اب یوں کرو کہ مشرق و مغرب میں ساری زمین پر پھیل جاؤ اور تلاش کرو کہ کون سی بات پیش آ گئی ہے، چنانچہ شیاطین مشرق و مغرب میں پھیل گئے تاکہ اس بات کی ٹوہ لگائیں کہ آسمانی خبروں تک ان کی رسائی کس وجہ سے ناممکن ہو گئی ہے۔ جو شیاطین اس کھوج میں نکلے تھے، ان کا ایک گروہ وادی تہامہ کی طرف بھی نکلا جہاں رسول اللہ ﷺ منڈی عکاظ جاتے ہوئے کھجور کے ایک باغ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور اس وقت آپ اپنے صحابہ کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے قرآن سنا تو ادھر کان لگا دیے۔ پھر کہنے لگے: یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمھارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے اور ان سے کہا: اے ہماری قوم! ”بلاشبہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کی راہ دکھاتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور اب ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ سورت نازل فرمائی: ﴿قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جنوں کی یہ گفتگو آپ کو بذریعۂ وحی معلوم ہوئی تھی۔

فوائد ومسائل: ① اس موقع پر قرآن سننے والے جن مشرک تھے اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو عیسائیوں کے عقیدۂ

تثلیث سے متاثر تھے، قرآن کا بیان سن کر انھیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بیوی کی ضرورت سے پاک ہے اور اس کے متعلق ایسا تصور رکھنا گمراہ کن عقیدہ ہے، لہٰذا ہم ایسے عقیدے سے توبہ کر کے اکیلے اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ ② سورۃ الاحقاف آیت نمبر 32،29 میں بھی جنوں کے قرآن سننے کا ذکر ہے لیکن وہ ایک الگ واقعہ ہے۔ وہاں قرآن سننے والے مشرک نہیں تھے بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان رکھتے تھے۔ قرآن سننے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے جبکہ اس سورت میں جن جنوں کا ذکر آیا ہے یہ مشرک تھے۔ واللہ أعلم. ③ جنوں کے قرآن سننے کا ایک اور واقعہ بھی کتب حدیث میں مروی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، اچانک آپ لاپتہ ہو گئے۔ ہم نے آپ کو پہاڑ کی گھاٹیوں اور وادیوں میں تلاش کیا مگر آپ نہ مل سکے۔ ہم نے خیال کیا کہ آپ کو جن اڑا کر لے گئے ہیں یا آپ کو کسی نے اچانک شہید کر دیا ہے۔ ہم نے وہ رات بہت تکلیف اور پریشانی میں بسر کی۔ جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ آپ حراء کی طرف سے آ رہے ہیں۔ ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو رات بھر تلاش کیا لیکن آپ نہ مل سکے، ہم نے بڑے کرب اور تکلیف میں رات گزاری ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میرے پاس جنوں کی طرف سے ایک بلانے والا آیا تھا، چنانچہ میں اس کے ساتھ گیا اور انھیں قرآن سنا کر آیا ہوں۔“[1] یہ ایک دوسرا واقعہ ہے۔ واللہ أعلم.

(۷۳) سُورَةُ الْمُزَّمِّلِ ‏ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ‏ 73-تفسیر سورۂ مزمل

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَتَبَتَّلْ﴾ [٨]: أَخْلِصْ. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿أَنكَالًا﴾ [١٢]: قُيُودًا. ﴿مُنفَطِرٌ بِهِ﴾ [١٨]: مُثْقَلَةٌ بِهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿كَثِيبًا مَّهِيلًا﴾ [١٤]: اَلرَّمْلُ السَّائِلُ. ﴿وَبِيلًا﴾ [١٦]: شَدِيدًا.

امام مجاہد نے کہا: وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ کے معنی ہیں: خالص اسی کا ہو جا۔ امام حسن بصری نے کہا: اَنْكَالًا کے معنی ہیں: بیڑیاں۔ مُنْفَطِرٌ بِهٖ: آسمان اس کی وجہ سے بھاری ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: كَثِيبًا مَّهِيلًا سے مراد یہ ہے کہ پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلے بن جائیں گے۔ وَبِيْلًا کے معنی ہیں: سخت۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کے تحت بھی کوئی مرفوع حدیث بیان نہیں کی۔ ممکن ہے کہ درج ذیل آیت: ”تم اس دن کی سختی سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا۔“ کے تحت درج ذیل حدیث بیان کر دی جائے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی روایت کیا ہے: ”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے کہے گا: اے آدم! اپنی اولاد میں سے جہنم میں جانے والے الگ کر دو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے اللہ! دوزخ کے لیے کتنا حصہ نکالوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ہزار

---

[1] صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1007 (450).

میں سے نو سو ننانوے۔ یہ ایسا سخت وقت ہو گا کہ پیٹ والی، یعنی حمل والی اپنا بچہ جنم دے دے گی اور بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔"[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دو احادیث کا مزید حوالہ دیا ہے۔[2]

(٧٤) سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ 74- تفسیر سورۂ مدثر

(١) [بَابٌ]:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿عَسِيرٌ﴾ [٩]: شَدِيدٌ. ﴿قَسْوَرَةٍ﴾ [٥١]: رِكْزُ النَّاسِ وَأَصْوَاتُهُمْ وَكُلُّ شَدِيدٍ قَسْوَرَةٌ. وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: اَلْقَسْوَرَةُ قَسْوَرٌ: اَلْأَسَدُ. اَلرِّكْزُ: الصَّوْتُ ﴿مُسْتَنفِرَةٌ﴾ [٥٠]: نَافِرَةٌ مَذْعُورَةٌ.

٤٩٢٢ - حَدَّثَنِي يَحْيَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ: سَأَلْتُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَوَّلِ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ: ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ قُلْتُ: يَقُولُونَ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ فَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ: سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ ذٰلِكَ وَقُلْتُ لَهُ مِثْلَ الَّذِي قُلْتَ، فَقَالَ جَابِرٌ: لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، قَالَ: «جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ، فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِي هَبَطْتُ، فَنُودِيتُ، فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَنَظَرْتُ عَنْ شِمَالِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَنَظَرْتُ أَمَامِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَنَظَرْتُ خَلْفِي

باب: 1- بلاعنوان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عَسِيرٌ کے معنی ہیں: مشکل اور گراں۔ قَسْوَرَةٍ کے معنی ہیں: لوگوں کا شور و غل۔ اور ہر زوردار اور سخت چیز کو بھی قسورہ کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قَسْوَرَہ شیر کو کہتے ہیں۔ الرِّكْزُ کے معنیٰ ہیں: آواز مُسْتَنفِرَةٌ کے معنی ہیں: خوفزدہ ہو کر بھاگنے والے۔

[4922] حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے مروی ہے کہ میں نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی؟ انھوں نے کہا: يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ سب سے پہلے نازل ہوئی۔ حضرت ابوسلمہ نے فرمایا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا اور جو بات ابھی تم نے مجھ سے کہی ہے وہی میں نے ان سے کہی تھی، لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے وہی حدیث بیان کرتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا: "میں غار حراء میں ایک مدت کے لیے خلوت نشین تھا۔ جب میں وہ دن پورے کر کے پہاڑ سے اترا تو مجھے آواز دی گئی۔ میں نے اس آواز پر اپنی دائیں

---

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4041. 2 فتح الباري: 8/862.

فَلَمْ أَرَ شَيْئًا. فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ شَيْئًا، فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ: دَثِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا. قَالَ: «فَدَثَّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا، فَنَزَلَتْ: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾». [راجع: ٤]

طرف دیکھا تو کوئی چیز دکھائی نہ دی، پھر بائیں طرف دیکھا تو بھی کوئی چیز نظر نہ آئی۔ سامنے دیکھا، ادھر بھی کوئی چیز دکھائی نہ دی۔ پیچھے کی طرف دیکھا تو ادھر بھی کوئی چیز نظر نہ آئی، اب میں نے اپنا سر اوپر کی طرف اٹھایا تو مجھے ایک چیز دکھائی دی، پھر میں خدیجہ ؓ کے پاس آیا تو ان سے کہا: مجھے کپڑا اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ انھوں نے مجھے کپڑا اوڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہا دیا، پھر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَأَنْذِرْ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ○ ......﴾

فائدہ: قرآن مجید کی سب سے پہلے کون سی آیات نازل ہوئیں اس کے متعلق دو مشہور قول حسب ذیل ہیں: ○ جمہور اہل علم کا قول ہے کہ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ ○ سب سے پہلے سورۂ مدثر کا نزول ہوا جیسا کہ حضرت جابر ؓ کا موقف ہے۔ ان دونوں اقوال میں تطبیق کی حسب ذیل صورتیں بیان کی گئی ہیں: * علی الاطلاق پہلے سورۂ علق کی آیات نازل ہوئیں لیکن پوری کامل سورت پہلے مدثر نازل ہوئی۔ * زمانۂ فترت سے پہلے سورۂ علق کی آیات نازل ہوئیں اور زمانۂ فترت کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ * مطلق طور پر سورۂ علق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، لیکن انداز کے ساتھ مقید پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ * سورۂ علق کی آیات کے نزول کے لیے کوئی سبب پیش نہیں آیا جبکہ سبب کے پیش آنے کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ ویسے ترجیح پہلے موقف کو ہے کیونکہ حدیث جابر میں ہے کہ جب میں نے سر اٹھایا تو وہی فرشتہ دیکھا جو مجھے حراء میں نظر آیا تھا جو زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے فرشتۂ وحی کو دیکھ چکے تھے اور اس کی آپ سے ملاقات ہو چکی تھی۔ واللہ أعلم.

(٢) [بَابُ] قَوْلِهِ ﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ [٢]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اٹھ کھڑے ہوں اور (لوگوں کو برے انجام سے) ڈرائیں'' کا بیان

وضاحت: ابتدا ہی سے رسول اللہ ﷺ کو اپنی ذمے داری سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ غفلت میں سو رہے ہیں انھیں بیدار کریں اور انھیں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے خبردار کریں کہ آخر انھیں اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونا ہے۔

٤٩٢٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَغَيْرُهُ قَالَا: حَدَّثَنَا حَرْبُ

[4923] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں

ابْنُ شَدَّادٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «جَاوَرْتُ بِحِرَاءٍ». مِثْلَ حَدِيثِ عُثْمَانَ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ.

[راجع: ٤]

غار حراء میں تنہائی اختیار کیے ہوئے تھا۔'' یہ روایت بھی عثمان بن عمر کی حدیث کی طرح ہے جو انھوں نے علی بن مبارک سے بیان کی ہے۔

فائدہ: امام بخاری ؒ نے عثمان بن عمر کی حدیث کو صحیح بخاری میں بیان نہیں کیا، البتہ امام مسلم ؒ نے اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ اس میں ہے کہ جب میں نے اوپر سر اٹھایا تو فرشتۂ وحی کو دیکھا جو ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور وہ تخت زمین و آسمان کے درمیان تھا۔ میں نے اسے دیکھا تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میں حضرت خدیجہ ؓ کے پاس آیا۔ آگے وہی قصہ بیان ہوا ہے جو پہلی حدیث میں ہے۔[1] اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیغام دیا کہ اب سونے کا وقت گزر چکا ہے، انھیں اور اہل مکہ کو ان کے برے انجام سے ڈرائیں جب وہ ایمان نہ لائیں۔ واللہ المستعان.

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ [٣]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اپنے رب کی کبریائی (بزرگی و عظمت) بیان کریں'' کا بیان

وضاحت: اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سبق ملا کہ وہ اللہ کی کبریائی بیان کریں۔ دنیا میں جتنے لوگ بڑے بنے بیٹھے ہیں، ان سب کی بڑائیاں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے مقابلے میں کچھ نہیں ہیں۔ اہل دنیا کو اللہ تعالیٰ کی بزرگی و عظمت اور جلال سے آگاہ کریں۔

٤٩٢٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا حَرْبٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَلَمَةَ: أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ أَوَّلُ؟ فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فَقُلْتُ: أُنْبِئْتُ أَنَّهُ: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾. فَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ: سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ: أَيُّ الْقُرْآنِ أُنْزِلَ أَوَّلُ؟ فَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ فَقُلْتُ: نُبِّئْتُ أَنَّهُ: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾، فَقَالَ: لَا أُخْبِرُكَ إِلَّا بِمَا

[4924] حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے مروی ہے کہ میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے پوچھا: قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی؟ انھوں نے فرمایا: يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ میں نے عرض کی: مجھے بتایا گیا ہے کہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ ابوسلمہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے پوچھا تھا کہ قرآن کی کون سی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی تو انھوں نے فرمایا تھا: يَاأَيُّهَا

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 410 (161).

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، قَالَ رَسُولُ الله ﷺ: «جَاوَرْتُ فِي حِرَاءٍ فَلَمَّا قَضَيْتُ جِوَارِي هَبَطْتُ، فَاسْتَبْطَنْتُ الْوَادِيَ، فَنُودِيتُ، فَنَظَرْتُ أَمَامِي وَخَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شِمَالِي، فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلَى عَرْشٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ فَقُلْتُ: دَثِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا. وَأُنْزِلَ عَلَيَّ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ [١-٣]».

[راجع: ٤]

الْمُدَّثِّرْ۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ مجھے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ کے پہلے نازل ہونے کی خبر ملی ہے۔ تو انھوں نے فرمایا: میں تمھیں اس کی خبر دے رہا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے خود بیان فرمایا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے غار حراء میں خلوت گزینی اختیار کی، جب وہ مدت پوری کر چکا تو نیچے اترا اور وادی کے درمیان میں پہنچا تو مجھے آواز دی گئی۔ میں نے اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا۔ مجھے دکھائی دیا کہ وہ (فرشتۂ وحی) آسمان اور زمین کے درمیان تخت پر بیٹھا ہوا ہے، پھر میں خدیجہ ؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا: مجھے کپڑا اوڑھا دو اور میرے اوپر ٹھنڈا پانی ڈالو، پھر مجھ پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَانْذِرْ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ○ ......﴾

فوائد و مسائل: ① دنیا میں بڑے بڑے حکمران اور ان کی بڑی بڑی حکومتیں ہیں لیکن اللہ کی کبریائی کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو پہلے دن سے یہ پیغام دیا گیا کہ آپ کے کام میں بڑی بڑی طاقتیں حائل ہو سکتی ہیں، ان کی ذرا پروا نہ کریں بلکہ صاف صاف کہہ دیں کہ میرا رب ان سب سے بڑا ہے جو میری دعوت کا راستہ روکنے کے لیے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ ② بہرحال اللہ کی کبریائی کا نقش جس آدمی کے دل پر جما ہو وہ اللہ کی خاطر اکیلا ہی ساری دنیا سے لڑ جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں کلمۂ تکبیر، یعنی اللہ اکبر کی بڑی اہمیت ہے، ہر اذان میں چھ بار یہ کلمہ دہرایا جاتا ہے اور ہر نماز کا افتتاح اسی کلمہ سے ہوتا ہے، پھر نماز کی ہر رکعت میں متعدد مرتبہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے، یہ اس لیے ہے کہ ایک مسلمان کے سامنے ہر وقت اللہ کی کبریائی کا تصور موجود رہے۔

وضاحت: قبل از اسلام راہبانہ تصور یہ تھا کہ انسان جتنا زیادہ میلا کچیلا اور گندا ہوتا اتنا ہی زیادہ مقدس ہوتا ہے، لیکن اسلام میں جسم اور لباس کی صفائی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ہر صاحب عقل صاف ستھرے انسان ہی سے مانوس ہوتا ہے، اس لیے اللہ کے راستے کی طرف دعوت دینے والے کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ اس کی ظاہری حالت بڑی نفیس اور پاکیزہ ہونی چاہیے تاکہ لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔

٤٩٢٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ. وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ ابْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، فَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ - وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ - فَقَالَ فِي حَدِيثِهِ: «فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلٰى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَجُئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا، فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَدَثَّرُونِي، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ﴾ إِلٰى ﴿وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ﴾» قَبْلَ أَنْ تُفْرَضَ الصَّلَاةُ وَهِيَ الْأَوْثَانُ. [راجع: ٤]

[4925] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا...... جبکہ آپ درمیان میں وحی کا سلسلہ رک جانے کا حال بیان فرما رہے تھے...... آپ نے فرمایا: ''میں چل رہا تھا کہ اچانک آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی۔ میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو وہی فرشتہ نظر آیا جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کے ڈر سے گھبرا گیا۔ پھر میں گھر واپس آیا تو میں نے (خدیجہ ؓ سے) کہا: مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ انھوں نے مجھے کپڑا اوڑھا دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی: ﴿يَآأَيُّهَا الْمُدَّثِّر .... وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾۔'' یہ وحی نماز فرض کیے جانے سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ وَالرُّجْزَ سے مراد بت ہیں۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ جس معاشرے میں اسلام کی دعوت لے کر آئے تھے وہ صرف عقائد و اخلاق کی نجاستوں ہی میں مبتلا نہیں تھا بلکہ طہارت و نظافت (پاکیزگی اور صفائی) کے ابتدائی تصور سے بھی ناآشنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو ہر لحاظ سے پاکیزگی کا سبق سکھانا تھا، اس لیے ہدایت فرمائی گئی کہ آپ اپنی ظاہری زندگی میں بھی طہارت و نظافت (پاکیزگی اور صفائی) کا ایک اعلیٰ معیار قائم کریں۔ اس کے علاوہ روح کی پاکیزگی کے لیے بھی جسم اور لباس کی صفائی انتہائی ضروری ہے۔ ② اس ابتدائی سبق کا ہی ثمرہ ہے کہ ہماری حدیث اور فقہ کی ہر کتاب ''کتاب الطہارت'' سے شروع ہوتی ہے جس میں پاکی اور ناپاکی کے فرق اور طہارت کے طریقوں کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٥) بَابٌ: ﴿وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ﴾ [٥]

باب: 5- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور (بتوں کی) گندگی سے دور رہو'' کا بیان

يُقَالُ: اَلرُّجْزُ وَالرِّجْسُ: اَلْعَذَابُ.

کہا گیا ہے کہ اَلرُّجْزُ اور الرِّجْسُ عذاب کے ہم معنی ہیں۔

وضاحت: اس آیت کریمہ میں باطنی صفائی کا سبق دیا جا رہا ہے۔ ویسے تو رجز سے مراد ظاہری میل کچیل، گندگی اور

نجاست بھی ہے اور دل کی گندگی اور نجاست پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لفظ کا اطلاق ان تمام شیطانی وسوسوں پر ہوتا ہے جو دل میں موجود ہوں۔ یہ باطنی صفائی ظاہری صفائی سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

٤٩٢٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ: فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ بَصَرِي قِبَلَ السَّمَاءِ، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ قَاعِدٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَجُئِثْتُ مِنْهُ حَتَّى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ، فَجِئْتُ أَهْلِي فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَزَمَّلُونِي، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿فَٱهْجُرْ﴾ - قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: وَالرُّجْزَ: الْأَوْثَانَ - ثُمَّ حَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ». [راجع: ٤]

[4926] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ بندش وحی کا تذکرہ فرما رہے تھے، فرمایا: ”ایک دفعہ میں نے چلتے چلتے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی تو وہی فرشتہ نظر آیا جو میرے پاس غار حراء میں آیا تھا۔ وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر میں اس قدر خوفزدہ ہوا کہ مارے ڈر کے زمین پر گر پڑا، پھر میں اپنے گھر آیا تو اپنے اہل خانہ سے کہا: مجھے کمبل اوڑھا دو مجھے کمبل اوڑھا دو، چنانچہ انھوں نے مجھے کمبل اوڑھا دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ سے لے کر ﴿فَاهْجُرْ﴾ تک۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ اَلرُّجْزَ سے مراد بت ہیں۔ پھر وحی کا سلسلہ تیز ہو گیا اور مسلسل آنا شروع ہو گئی۔“

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے کبھی بت پرستی نہیں کی تھی مگر آپ کی قوم بت پرست تھی، یہ حکم دراصل لوگوں کو آپ کے ذریعے سے دیا جا رہا ہے۔ ② اوپر الرجز عذاب کے ہم معنی بتایا گیا ہے کیونکہ ان کی پوجا کرنے سے انسان عذاب تک پہنچ جاتا ہے۔ گویا یہ عذاب الٰہی کا سبب ہیں، اس لیے انھیں عذاب کے ہم معنی قرار دیا گیا ہے۔ واللہ أعلم.

(٧٥) سُورَةُ الْقِيَامَةِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 75- تفسیر سورۂ قیامہ

(١) [بَابٌ]: وَقَوْلُهُ: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ﴾ [١٦]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”آپ قرآن کو جلدی یاد کر لینے کی نیت سے زبان کو حرکت نہ دیں“ کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لِيَفْجُرَ أَمَامَهُۥ﴾ [٥]:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ سے مراد

سَوْفَ أَتُوبُ، سَوْفَ أَعْمَلُ. ﴿لَا وَزَرَ﴾ [١١]: لَا حِصْنَ. ﴿سُدًى﴾ [٣٦]: هَمَلًا.

یہ ہے کہ انسان ہمیشہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عنقریب توبہ کرلوں گا، اب اچھے اعمال کروں گا۔ لَا وَزَرَ کے معنی ہیں: وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں ہو گی۔ سُدًی کے معنی ہیں: مہمل (بے کار) اور آزاد۔

٤٩٢٧ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ - وَكَانَ ثِقَةً - عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ حَرَّكَ بِهِ لِسَانَهُ - وَوَصَفَ سُفْيَانُ - يُرِيدُ أَنْ يَحْفَظَهُ فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ﴾ [١٦]. [راجع: ٥]

[4927] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ (اس کو یاد کرنے کے لیے) اپنی زبان کو حرکت دیا کرتے تھے۔ سفیان نے بیان کیا کہ آپ کا مقصد اس وحی کو یاد کرنا ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''آپ قرآن کو جلدی یاد کر لینے کی نیت سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔''

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ پر وحی لاتے تو آپ زبان اور لب ہلاتے رہتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کوئی آیت بھول جائے۔ اس سے آپ پر بہت سختی ہو جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔ ② یہ حکم پہلے بھی دیا جا چکا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں اس سے پہلے کہ آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ پوری ہو جائے۔''[1] اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرشتے کے ساتھ اس طرح جلدی جلدی پڑھنے سے منع فرما دیا۔ آپ جلدی اس لیے کرتے تھے کہ وحی الٰہی کا کوئی لفظ بھول نہ جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ضمانت دی کہ آپ کے سینے میں اس کا جمع کر دینا اور آپ کی زبان پر اس کی قراءت کو جاری کر دینا ہماری ذمے داری ہے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ اس دوران میں آپ خاموشی سے سنا کریں۔

(2) بَابٌ: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ﴾ [١٧]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اس وحی کو (آپ کے سینے میں) جمع کرنا اور (زبان سے) پڑھا دینا ہماری ذمہ داری ہے'' کا بیان

٤٩٢٨ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ: أَنَّهُ سَأَلَ

[4928] حضرت موسیٰ بن ابو عائشہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت سعید بن جبیر سے اللہ تعالیٰ کے فرمان:

[1] طٰهٰ 114:20.

سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ﴾ قَالَ: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ، فَقِيلَ لَهُ: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ﴾ - يَخْشَى أَنْ يَتَفَلَّتَ مِنْهُ - ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ﴾: أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ ﴿وَقُرْءَانَهُۥ﴾ أَنْ تَقْرَأَهُ، ﴿فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ﴾ يَقُولُ: أُنْزِلَ عَلَيْهِ ﴿فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ ۞ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُۥ﴾ [١٦-١٩] أَنْ نُبَيِّنَهُ عَلَى لِسَانِكَ. [راجع: ٥]

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ﴾ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اپنے ہونٹ ہلایا کرتے تھے، اس لیے آپ سے کہا گیا: اسے یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں...... آپ کسی لفظ کے چھوٹ جانے کے خوف سے ایسا کرتے تھے...... اس کا جمع کر دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمے ہے، یعنی ہم خود آپ کے دل میں اس کو محفوظ کر دیں گے اور آپ کو پڑھا بھی دیں گے، لہٰذا جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس کے پیچھے پیچھے پڑھیں، پھر اس کا بیان کر دینا بھی ہمارے ذمے ہے، یعنی ہم اسے آپ کی زبان پر جاری کر دیں گے۔

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری روایت میں صراحت ہے کہ اس ہدایت کے بعد جب فرشتہ وحی لے کر آتا تو آپ غور سے اس کی پیش کردہ وحی سنتے۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لے جاتے تو آپ حسب وعدہ اسی طرح پڑھتے جس طرح اس نے پڑھا ہوتا تھا۔[1] ② اس روایت میں مزید وضاحت ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے اپنے ہونہار شاگرد حضرت سعید بن جبیر سے فرمایا: میں تمھیں اس طرح ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہلایا کرتے تھے۔ پھر حضرت سعید بن جبیر نے اپنے شاگرد موسیٰ بن ابو عائشہ سے فرمایا: میں تمھیں اس طرح ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں جس طرح میں نے حضرت ابن عباس ؓ کو ہونٹ ہلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ محدثین کی اصطلاح میں اس طرح کی حدیث کو ''حدیث مسلسل'' کہتے ہیں۔ اس سے محدثین کی احادیث کے متعلق محنت اور کوشش کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت ہم کتاب بدء الوحی میں کر آئے ہیں، ایک نظر وہاں ڈال لی جائے۔

(٢) بَابٌ: ﴿فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ﴾ [١٨]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس پڑھنے کی پیروی کریں'' کا بیان

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿قَرَأْنَٰهُ﴾: بَيَّنَّاهُ. ﴿فَٱتَّبِعْ﴾: اِعْمَلْ بِهِ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: قَرَأْنٰهُ کے معنی ہیں: ہم نے اسے بیان کیا اور فَاتَّبِعْ کے معنی ہیں: آپ اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔

1 صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 5.

٤٩٢٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ﴾ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ بِالْوَحْيِ - وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَهُ وَشَفَتَيْهِ - فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَكَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ الْآيَةَ الَّتِي فِي ﴿لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ﴾: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ﴾ [١٦، ١٧] قَالَ: عَلَيْنَا أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ، ﴿فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ﴾: فَإِذَا أَنْزَلْنَاهُ فَاسْتَمِعْ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُۥ﴾ [١٩] عَلَيْنَا أَنْ نُبَيِّنَهُ بِلِسَانِكَ. قَالَ: فَكَانَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ أَطْرَقَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَرَأَهُ كَمَا وَعَدَهُ اللهُ.

[4929] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو رسول اللہ ﷺ اسے یاد کرنے کے لیے اپنی زبان اور ہونٹوں کو ہلاتے تھے۔ اس سے آپ کو بڑی دشواری پیش آتی اور یہ دشواری، آپ سے پہچانی جاتی تھی، اس پر اللہ تعالیٰ نے وہ آیت اتاری جو لَاأُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ میں ہے کہ ''آپ جلدی کرتے ہوئے زبان کو نہ ہلایا کریں۔ اس کا آپ کے سینے میں جما دینا اور اسے پڑھا دینا ہماری ذمہ داری ہے۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ کا مطلب ہے کہ جب ہم قرآن کو اتار رہے ہوں تو آپ غور سے سنا کریں۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ کا مطلب ہے کہ ہم آپ کی زبان کے ذریعے سے اس کی وضاحت کرا دیں گے۔ اس کے بعد آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آتے تو آپ سر جھکا کر بیٹھ جاتے۔ جب وہ چلے جاتے تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق آپ اس کی قراءت کرتے۔

﴿أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾ [٣٤] تَوَعُّدٌ. [راجع: ٥]

(اس سورت کے آخر میں ہے:) اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى اس سے دھمکی اور ڈرانا مقصود ہے، یعنی تیرے لیے تباہی ہو، پھر تیرے لیے بربادی ہو۔

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا بلکہ قرآن کے بیان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اٹھائی ہے جیسا کہ اس آیت میں صراحت ہے: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ کیونکہ اگر قرآن کے بیان کی حفاظت نہ کی جائے تو الفاظ کی حفاظت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، نیز واجب الاتباع ہونے پر قرآن اور اس کے بیان، یعنی سنت رسول ﷺ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قرآن کا بیان حسب ذیل صورتوں میں ہے: مشکل مقامات کی تشریح، حلال وحرام کی وضاحت، مجملات کی تفصیل، عمومات کی تخصیص، مبہمات کی توضیح۔ یہ سب کام بیان میں شامل ہیں۔ اسے حدیث کہا جاتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی ہوئی اور ان کی بنیاد بھی وحی الٰہی پر ہے۔ اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی تالیف ''عظمت حدیث اور حجیت حدیث'' میں بیان کیا ہے جسے دار السلام نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے شائع کیا ہے۔

(٧٦) سُورَةُ ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى ٱلْإِنسَٰنِ﴾ بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ 76-تفسیر سورۂ دہر

يُقَالُ: مَعْنَاهُ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ، وَهَلْ: تَكُونُ جَحْدًا وَتَكُونُ خَبَرًا، وَهٰذَا مِنَ الْخَبَرِ، يَقُولُ: كَانَ شَيْئًا فَلَمْ يَكُنْ مَذْكُورًا، وَذٰلِكَ مِنْ حِينَ خَلَقَهُ مِنْ طِينٍ إِلَى أَنْ يُنْفَخَ فِيهِ الرُّوحُ. ﴿أَمْشَاجٍ﴾ [٢]: اَلْأَخْلَاطُ، مَاءُ الْمَرْأَةِ وَمَاءُ الرَّجُلِ، اَلدَّمُ وَالْعَلَقَةُ؛ وَيُقَالُ إِذَا خُلِطَ: مَشِيجٌ؛ كَقَوْلِكَ: خَلِيطٌ، وَمَمْشُوجٌ مِثْلُ: مَخْلُوطٍ.

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ کے معنی ہیں کہ انسان پر یہ وقت آچکا ہے۔ ہَل کا لفظ کبھی تو انکار کے لیے آتا ہے اور کبھی خبر کے معنی دیتا ہے اور یہاں خبر کے معنی دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کبھی کوئی چیز تھا لیکن قابل تذکرہ نہیں تھا اور یہ مٹی سے اس کی پیدائش کے بعد اس میں روح پھونکے جانے تک کی مدت ہے۔ اَمْشَاج کے معنی ہیں: اخلاط، یعنی ملا ہوا، مرد کا پانی اور عورت کا پانی مخلوط ہوا، پھر اس سے خون اور علقه بنا۔ جب کوئی چیز دوسری چیز سے ملا دی جائے تو اسے مشیج کہا جاتا ہے۔ مشیج فعیل کا وزن مفعول کے معنی دیتا ہے جیسا کہ خلیط بمعنی مخلوط ہے۔

﴿سَلَٰسِلَا۟ وَأَغْلَٰلًا﴾ [٤] وَلَمْ يُجْرِ بَعْضُهُمْ. ﴿مُسْتَطِيرًا﴾ [٧]: مُمْتَدًّا الْبَلَاءُ. وَالْقَمْطَرِيرُ: اَلشَّدِيدُ؛ يُقَالُ: يَوْمٌ قَمْطَرِيرٌ وَيَوْمٌ قُمَاطِرٌ، وَالْعَبُوسُ وَالْقَمْطَرِيرُ وَالْقُمَاطِرُ، وَالْعَصِيبُ أَشَدُّ مَا يَكُونُ مِنَ الْأَيَّامِ فِي الْبَلَاءِ.

سَلٰسِلَا وَ اَغْلٰلًا بعض حضرات نے سَلٰسِلَا کو تنوین کے ساتھ پڑھا ہے اور کچھ اہل علم اسے ناجائز کہتے ہیں۔ مُسْتَطِيْرًا کے معنی ہیں: اس کی برائی پھیلی ہوئی اور عام ہے۔ قَمْطَرِير کے معنی ہیں: سخت۔ کہا جاتا ہے: يَوْمٌ قَمْطَرِيْرٌ اور يَوْمٌ قُمَاطِرٌ: سخت مصیبت کا دن۔ عَبُوس، قَمْطَرِير قُمَاطِر اور عَصِيب، مصیبت کے تلخ ترین ایام کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: اَلنَّضْرَةُ فِي الْوَجْهِ، وَالسُّرُورُ فِي الْقَلْبِ.

امام حسن بصری نے کہا: اَلنَّضْرَةُ سے مراد وہ تازگی ہے جو چہرے پر ہوتی ہے اور السُّرُور سے مراد وہ فرحت ہے جو دل میں ہوتی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ٱلْأَرَآئِكِ﴾ [١٣]: اَلسُّرُرِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلْاَرَآئِكِ سے مراد تخت ہیں۔

وَقَالَ مُقَاتِلٌ: اَلسُّرُرُ: اَلْحِجَالُ مِنَ الدُّرِّ وَالْيَاقُوتِ.

امام مقاتل نے کہا: سرر سے مراد ہیرے اور جواہرات سے جڑے ہوئے تخت ہیں۔

وَقَالَ الْبَرَاءُ: ﴿وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا﴾ [١٤]: يَقْطِفُونَ كَيْفَ شَاءُوا.

حضرت براء بن عازب ؓ نے کہا: وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا سے مراد یہ ہے کہ وہ جس طرح چاہیں گے پھلوں کو توڑیں گے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿سَلْسَبِيلًا﴾ [١٨]: حَدِيدُ الْجِرْيَةِ. وَقَالَ مَعْمَرٌ: ﴿أَسْرَهُمْ﴾ [٢٨]: شِدَّةُ الْخَلْقِ، وَكُلُّ شَيْءٍ شَدَدْتَهُ مِنْ قَتَبٍ فَهُوَ مَأْسُورٌ.

امام مجاہد نے فرمایا: سَلْسَبِيْلًا کے معنی ہیں: وہ چشمہ جس کا پانی رواں دواں ہو۔ حضرت معمر نے کہا: اَسْرَهُمْ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کی خلقت خوب مضبوط کی ہے اور ہر وہ چیز جس کو تو مضبوط باندھے جیسے کجاوہ وغیرہ اسے ماسور کہا جاتا ہے۔

وضاحت: حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ اس سورت میں بھی امام بخاری ؒ نے کوئی مرفوع حدیث پیش نہیں کی صرف چند الفاظ کے لغوی معنی بیان کیے ہیں، اس کی تفسیر میں وہ حدیث بیان کی جاسکتی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس ؓ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورۂ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ پڑھا کرتے تھے۔[1]

(٧٧) سُورَةُ ﴿وَالْمُرْسَلَٰتِ﴾ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 77- تفسیر سورۂ مرسلات

﴿جِمَٰلَتٌ﴾ [٣٣]: حِبَالٌ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ارْكَعُوا﴾ [٤٨]: صَلُّوا. ﴿لَا يَرْكَعُونَ﴾: لَا يُصَلُّونَ. وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَا يَنطِقُونَ﴾ [٣٥] ﴿وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ [الأنعام: ٢٣]، ﴿الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ﴾ [يس: ٦٥] فَقَالَ: إِنَّهُ ذُو أَلْوَانٍ، مَرَّةً يَنْطِقُونَ، وَمَرَّةً يُخْتَمُ عَلَيْهِمْ.

جِمٰلَتٌ بمعنی حبال ہے، مراد ایسی موٹی رسیاں جن سے بڑی بڑی کشتیوں کو باندھا جاتا ہے۔ امام مجاہد نے فرمایا: اِرْكَعُوْا کے معنی ہیں: نماز پڑھو۔ لَا يَرْكَعُوْنَ کے معنی ہیں: وہ نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے پوچھا گیا: قرآن میں آتا ہے: لَا يَنْطِقُوْنَ وہ گفتگو نہیں کریں گے اور دوسرے مقام پر ہے (کہ ان کا قول یہ ہوگا): ''اللہ کی قسم! ہم شرک نہیں کرتے تھے۔'' تیسرے مقام پر ہے: ''ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے'' تو ان کا کیا مفہوم ہے؟ انھوں

---

[1] صحيح البخاري، الجمعة، حديث: 891، وفتح الباري: 874/8.

نے فرمایا: قیامت کے دن کافروں کے مختلف حالات ہوں گے: کبھی تو وہ بولیں گے اور کبھی ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔

(١) [بَابٌ]:

باب: 1- بلاعنوان

٤٩٣٠ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَأُنْزِلَتْ عَلَيْهِ: ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ﴾، وَإِنَّا لَنَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ، فَخَرَجَتْ حَيَّةٌ، فَابْتَدَرْنَاهَا فَسَبَقَتْنَا فَدَخَلَتْ جُحْرَهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا». [راجع: ١٨٣٠]

[4930] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ تھے تو آپ پر سورۂ والمرسلات نازل ہوئی اور ہم اسے آپ کے منہ سے سیکھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک سانپ نکل آیا۔ ہم لوگ اس کی طرف دوڑے لیکن وہ ہم سے بچ کر نکل دوڑا اور اپنے بل میں گھس گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تمھارے شر سے بچ گیا اور تم اس کے شر سے محفوظ رہے۔''

٤٩٣١ - حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ مَنْصُورٍ، بِهٰذَا. وَعَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، مِثْلُهُ. وَتَابَعَهُ أَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ. وَقَالَ حَفْصٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَسُلَيْمَانُ بْنُ قَرْمٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ. وَقَالَ يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ. وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ.

[4931] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری سند سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک غار میں تھے کہ آپ پر سورۂ ''والمرسلات'' نازل ہوئی۔ ہم نے اس کو آپ کے مبارک دہن سے یاد کر لیا۔ ابھی اس کی قراءت سے آپ کے منہ کی تازگی ختم نہیں ہوئی تھی کہ ایک سانپ نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے زندہ نہ چھوڑو۔'' ہم اسے مارنے کے لیے اس کی طرف دوڑے لیکن وہ ہم سے بچ نکلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تمھارے شر سے بچ گیا جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے۔''

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ،

عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: بَيْنَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَارٍ، إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ وَالْمُرْسَلَاتِ، فَتَلَقَّيْنَاهَا مِنْ فِيهِ وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا، إِذْ خَرَجَتْ حَيَّةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَيْكُمُ اقْتُلُوهَا»، قَالَ: فَابْتَدَرْنَاهَا فَسَبَقَتْنَا. قَالَ: فَقَالَ: «وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا». [راجع: ١٨٣٠]

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سانپ کی رات حرا پہاڑی پر سورۂ مرسلات نازل ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا: سانپ کی رات سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس رات ایک سانپ نکل آیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے مار ڈالو'' لیکن وہ ایک بل میں گھس گیا۔ آپ نے فرمایا: ''اسے نظر انداز کردو۔''[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو رسول اللہ ﷺ اس وقت حرا پہاڑی پر تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جس واقعے میں منیٰ کی صراحت ہے وہ صحیح ہے۔[2] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں احرام والے شخص کو سانپ مارنے کا حکم دیا تھا۔[3] ممکن ہے کہ یہ وہی واقعہ ہو جس کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ احادیث میں ہے، بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ ان احادیث سے اس سورت کا محل نزول بتانا چاہتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿إِنَّهَا تَرْمِى بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ [٣٢]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''بلاشبہ وہ جہنم بڑے بڑے محلات جیسے شرارے پھینکے گی'' کا بیان

وضاحت: لفظ قصر کو دو طرح پڑھا گیا ہے: ایک تو صاد کے جزم کے ساتھ، اس کے معنی محلات ہیں اور دوسرے صاد کے فتحہ کے ساتھ اس کے معنی بڑے بڑے شہتیر ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان دوسرے معنی کی طرف ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٩٣٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَابِسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: ﴿إِنَّهَا تَرْمِى بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾، قَالَ: كُنَّا نَرْفَعُ الْخَشَبَ بِقَصَرٍ ثَلَاثَةِ

[4932] حضرت عبدالرحمٰن بن عابس سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو آیت ﴿إِنَّهَا تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے سنا، انھوں نے فرمایا: ہم تین تین ہاتھ یا اس سے بھی کم مقدار کی

---

1 فتح الباري: 877/8. 2 فتح الباري: 876/8. 3 صحيح مسلم، السلام، حديث: 5837 (2235).

أَذْرُعٍ أَوْ أَقَلَّ فَنَرْفَعُهُ لِلشِّتَاءِ فَنُسَمِّيهِ الْقَصَرَ. [انظر: ٤٩٣٣]

لکڑیاں سردیوں کے دنوں میں اٹھا کر رکھ لیتے تھے اور ہم ایسی لکڑیوں کو قصر کہتے تھے۔

فائدہ: اس سے مقصود آیت کریمہ کی تفسیر کرنا ہے کہ قیامت کے دن جہنم کی چنگاریاں اتنی بڑی بڑی ہوں گی جس طرح بڑے بڑے شہتیر ہوتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے لیکن عام معنی یہ کیے جاتے ہیں کہ قیامت کے دن جہنم بڑے بڑے محلات کی طرح چنگاریاں پھینکے گی۔ یہ معنی اس صورت میں ہیں جب ''قَصر'' کو صاد کی جزم کے ساتھ پڑھا جائے، البتہ صاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں وہی معنی ہیں جنھیں امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿كَأَنَّهُ جِمَٰلَتٌ صُفْرٌ﴾ [٣٣]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''وہ چنگاریاں گویا کہ زرد اونٹ ہیں'' کا بیان

وضاحت: صفر، اصفر کی جمع ہے۔ اس کے معنی زرد اونٹ کے ہیں لیکن عربی میں سیاہی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس معنی کی بنا پر مطلب یہ ہے کہ جہنم کی ایک ایک چنگاری اتنی بڑی ہوگی جیسے محلات ہوتے ہیں، پھر ہر چنگاری جب نیچے کو پھٹے گی تو اس کے اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہو جائیں گے جیسے اونٹ ہوتے ہیں، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور معنی کو ترجیح دی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل حدیث میں ہے۔

٤٩٣٣ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ عَابِسٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصَرِ﴾ قَالَ: كُنَّا نَعْمِدُ إِلَى الْخَشَبَةِ ثَلَاثَةَ أَذْرُعٍ وَفَوْقَ ذٰلِكَ، فَنَرْفَعُهُ لِلشِّتَاءِ فَنُسَمِّيهِ الْقَصَرَ ﴿كَأَنَّهُ جِمَٰلَتٌ صُفْرٌ﴾: حِبَالُ السُّفُنِ تُجْمَعُ حَتّٰى تَكُونَ كَأَوْسَاطِ الرِّجَالِ. [راجع: ٤٩٣٢]

[4933] حضرت عبدالرحمٰن بن عابس سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو آیت: تَرْمِىْ بِشَرَرٍ كَالْقَصَرِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے سنا، انھوں نے فرمایا: ہم تین تین ہاتھ یا اس سے بھی زیادہ لمبی لکڑیاں سردی کے موسم کے لیے اٹھا کر رکھ لیتے تھے اور ہم ایسی لکڑیوں کو قصر کہتے تھے۔ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ سے مراد کشتی کی وہ رسیاں ہیں جنھیں جوڑ جوڑ کر رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ آدمی کی کمر کے برابر ہو جائیں۔

فوائد و مسائل: ① آیت کریمہ میں جمالات کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے: ایک جیم کے کسرہ (زیر) کے ساتھ جو جَمَلٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: اونٹ۔ اس صورت میں آیت کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ جب بڑی بڑی چنگاریاں اٹھ کر پھیلیں گی اور چاروں طرف اڑنے لگیں گی تو یوں محسوس ہوگا گویا زرد اور سیاہ رنگ کے اونٹ اچھل کود کر رہے ہیں۔ ② اسے جیم کے ضمہ (پیش) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے: بڑی بڑی رسیاں جن سے کشتیوں کو باندھا جاتا ہے، وہ بڑی

بڑی چنگاریاں جب پھٹیں گی تو فضا میں یوں محسوس ہوگا جیسا کہ زرد رنگ کی لمبی لمبی رسیاں اڑ رہی ہیں۔ امام بخاری ؒ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ آپ نے اس کے علاوہ دوسرے معنی کی طرف التفات ہی نہیں کیا۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابٌ: ﴿هَٰذَا يَوْمُ لَا يَنطِقُونَ﴾ [٣٥]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”یہ دن ایسا ہوگا جس میں وہ (کفار) کچھ بول نہ سکیں گے“ کا بیان

وضاحت: اس کے بعد یہ آیت ہے: ”اور نہ انھیں یہ اجازت دی جائے گی کہ وہ کوئی عذر پیش کر سکیں۔“ یعنی جب مجرموں کے خلاف فرد جرم عائد کر دی جائے گی اور ان کے اعضاء و جوارح ان کے خلاف گواہی دے کر انھیں جھوٹا قرار دے چکے ہوں گے تو پھر انھیں مزید کچھ کہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ اس وقت کوئی عذر ہی پیش کرنے کا موقع رہے گا۔

٤٩٣٤ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَارٍ إِذْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ﴾ فَإِنَّهُ لَيَتْلُوهَا وَإِنِّي لَأَتَلَقَّاهَا مِنْ فِيهِ، وَإِنَّ فَاهُ لَرَطْبٌ بِهَا، إِذْ وَثَبَتْ عَلَيْنَا حَيَّةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اُقْتُلُوهَا»، فَابْتَدَرْنَاهَا فَذَهَبَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وُقِيَتْ شَرَّكُمْ كَمَا وُقِيتُمْ شَرَّهَا». قَالَ عُمَرُ: حَفِظْتُهُ مِنْ أَبِي فِي غَارٍ بِمِنًى.

[راجع: ١٨٣٠]

[4934] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ایک غار میں تھے۔ اس دوران میں آپ پر سورۂ ”والمرسلات“ نازل ہوئی۔ آپ اس کو تلاوت کرتے جاتے تھے اور میں آپ کے منہ سے اس کو سنتا اور اسے یاد کرتا جاتا تھا۔ ابھی آپ کا دہن مبارک اس کی تلاوت سے شاداب ہی تھا کہ اچانک ایک سانپ نکل آیا۔ نبی ﷺ نے ہمیں اس کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ ہم اس کی طرف جھپٹے لیکن وہ نکل بھاگا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے وہ بھی تمھارے شر سے بچ گیا۔“ (راویٔ حدیث) عمر بن حفص نے کہا: میں نے اپنے باپ سے یہ حدیث بایں الفاظ یاد کی تھی: وہ غار، منیٰ میں تھا۔

فائدہ: آیت میں ذکر کردہ صورت حال اہل جہنم کی آخری حالت ہوگی جو جہنم میں داخل ہوتے وقت ان پر طاری ہوگی، اس سے پہلے میدان حشر میں تو یہ لوگ بہت کچھ کہیں گے۔ بہت سی معذرتیں پیش کریں گے لیکن جب عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کر کے انھیں سزا سنا دی جائے گی تو وہ دم بخود رہ جائیں گے اور ان کے لیے اپنی معذرت میں کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ میں نے اسے بولنے نہیں دیا، یا میں نے اس کی بولتی بند کر دی۔ واللہ أعلم.

(٧٨) سُورَةُ ﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ 78- تفسیر سورۂ عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ

﴿لَا يَرْجُونَ حِسَابًا﴾ [٢٧]: لَا يَخَافُونَهُ. ﴿لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا﴾ [٣٧]: لَا يُكَلِّمُونَهُ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُمْ. ﴿صَوَابًا﴾ [٣٨]: حَقًّا فِي الدُّنْيَا وَعَمِلَ بِهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿وَهَّاجًا﴾ [١٣]: مُضِيئًا. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿غَسَّاقًا﴾ [٢٥]: غَسَقَتْ عَيْنُهُ؛ وَيَغْسِقُ الْجُرْحُ: يَسِيلُ كَأَنَّ الْغَسَاقَ وَالْغَسِيقَ وَاحِدٌ. ﴿عَطَاءً حِسَابًا﴾ [٣٦]: جَزَاءً كَافِيًا. أَعْطَانِي مَا أَحْسَبَنِي: أَيْ: كَفَانِي.

(امام مجاہد نے کہا:) لَا يَرْجُونَ حِسَابًا کے معنی ہیں: وہ حساب سے نہیں ڈرتے۔ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ سے بات نہیں کر سکیں گے مگر جب ان کو اس کی اجازت دی جائے۔ صَوَابًا سے مراد جس نے دنیا میں صحیح بات کی اور اس کے مطابق عمل کیا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: وَهَّاجًا کے معنی ہیں: روشن، چمکتا ہوا۔ دوسروں نے کہا: غَسَّاقًا کا لفظ غَسَقَتْ عَيْنُهُ سے ماخوذ ہے، یعنی اس کی آنکھ بہ پڑی، نیز يَغْسِقُ الْجُرْحُ کے معنی ہیں: اس کا زخم بہنے لگا، گویا غساق اور غسیق کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والی پیپ۔ عَطَاءً حِسَابًا کے معنی ہیں: پورا پورا بدلہ۔ عرب کہتے ہیں: أَعْطَانِي مَا أَحْسَبَنِي: اس نے مجھے اتنا دیا جو مجھے کافی ہو گیا۔

(١) بَابٌ: ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا﴾ [١٨]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) "جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج آؤ گے"

زُمَرًا.

زُمَرًا کے معنی ہیں: گروہ در گروہ

وضاحت: اس آیت کا سیاق وسباق یہ ہے: "بے شک فیصلے کا دن ایک مقررہ وقت ہے۔ جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو تم فوج در فوج چلے آؤ گے۔"[1] اس سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے۔ لوگ اپنے جرائم کی بنا پر مختلف گروپوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جائیں گے۔ درج ذیل حدیث میں دوسرے نفخے کے بعد کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

٤٩٣٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ

[4935] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں

1 النبا 78:17،18.

عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ». قَالَ: أَرْبَعُونَ يَوْمًا؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالَ: أَرْبَعُونَ شَهْرًا؟ قَالَ: أَبَيْتُ، قَالَ: أَرْبَعُونَ سَنَةً؟ قَالَ: أَبَيْتُ. قَالَ: «ثُمَّ يُنْزِلُ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ، لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلَى، إِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [راجع: ٤٨١٤]

نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دونوں صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا وقفہ ہوگا۔'' (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے) کسی نے کہا: کیا چالیس دن مراد ہیں؟ انھوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ اس نے کہا: چالیس مہینے مراد ہیں؟ آپ نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔ اس نے پوچھا: پھر چالیس سال مراد ہیں؟ انھوں نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا جس سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح سبزہ اگتا ہے۔ انسان کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، سب گل سڑ جائے گا، سوائے ریڑھ کی ہڈی کے اور اسی سے قیامت کے دن تمام مخلوق دوبارہ بنائی جائے گی۔''

فوائد و مسائل: ① بعض اہل علم نے صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا لیکن صحیح مسلم میں اس طرح کی کوئی صراحت نہیں ہے، البتہ ابن مردویہ نے ایک روایت بیان کی ہے کہ ان کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا لیکن وہ روایت شاذ ہے۔ ② علماء نے کہا ہے کہ حدیث کے عموم سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسم مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے جسموں کو زمین نہیں کھائے گی جیسا کہ حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[1] واللہ أعلم.

(٧٩) سُورَةُ ﴿وَالنَّازِعَاتِ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 79-تفسیر سورۂ وَالنّٰزِعٰتِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿الْآيَةَ الْكُبْرَى﴾ [٢٠]: عَصَاهُ وَيَدُهُ. يُقَالُ: النَّاخِرَةُ وَالنَّخِرَةُ سَوَاءٌ مِثْلُ الطَّامِعِ وَالطَّمِعِ، وَالْبَاخِلِ وَالْبَخِيلِ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: النَّخِرَةُ الْبَالِيَةُ، وَالنَّاخِرَةُ: الْعَظْمُ الْمُجَوَّفُ الَّذِي تَمُرُّ فِيهِ الرِّيحُ فَيَنْخَرُ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿الْحَافِرَةِ﴾ [١٠]: إِلَى أَمْرِنَا الْأَوَّلِ: إِلَى الْحَيَاةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿أَيَّانَ

امام مجاہد نے کہا: اَلْآیَةَ الْکُبْرٰی سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کا ید بیضاء ہے۔ اَلنَّاخِرَةُ اور اَلنَّخِرَةُ کے ایک ہی معنی ہیں، جیسے اَلطَّامِع اور اَلْبَاخِل، نیز اَلْبَاخِلُ اور اَلْبَخِیْلُ سے ایک ہی مراد ہے۔ بعض اہل علم نے فرق کیا ہے: اَلنَّخِرَةُ گلی سڑی ہڈی کو کہتے ہیں جبکہ اَلنَّاخِرَةُ وہ کھوکھلی ہڈی جس کے اندر ہوا جائے تو اس سے آواز نکلے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلْحَافِرَةِ سے مراد

[1] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1047، وإرواء الغليل للألباني، رقم الحديث: 4.

﴿مُرْسٰهَا﴾ [٤٢]: مَتٰى مُنْتَهَاهَا، وَمُرْسَى السَّفِينَةِ حَيْثُ تَنْتَهِي.

ہماری وہ حالت جو دنیا کی زندگی میں ہے، ان کے علاوہ دوسروں نے کہا: اَيَّانَ مُرْسٰهَا کے معنی ہیں: قیامت کی انتہا کہاں ہے؟ یہ لفظ مُرْسَى السَّفِينَةِ سے نکلا ہے، یعنی جہاں کشتی جا کر رک جاتی ہے۔

(١) [بَابٌ]:

باب:1- بلاعنوان

٤٩٣٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ: حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ: حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ بِإِصْبَعَيْهِ هٰكَذَا بِالْوُسْطٰى وَالَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ: «بُعِثْتُ وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ».

[4936] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اپنی درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے قریب والی انگلی کے اشارے سے فرما رہے تھے: ''میں ایسے وقت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میرے اور قیامت کے درمیان صرف ان دو کے فاصلے برابر فاصلہ ہے۔''

﴿الطَّآمَّةُ﴾ [٣٤] تَطُمُّ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ. [انظر: ٥٣٠١، ٦٥٠٣]

اَلطَّامَّةُ کے معنی ہیں: جو ہر چیز پر چھا جائے اور غالب آجائے۔

فوائد ومسائل: ① درمیانی انگلی تھوڑی سی آگے ہوتی ہے اور سبابہ اس کے پیچھے ہوتی ہے، مطلب یہ کہ میں تھوڑا سا آگے ہوں اور میرے بعد جلد ہی قیامت آجائے گی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں، اسی طرح میں اور قیامت ملے ہوئے ہیں، یعنی میرے اور قیامت کے درمیان اللہ تعالیٰ کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجے گا۔ ② اس حدیث سے بعض اہل علم نے اس امت کی عمر کا تعین کرنا چاہا ہے لیکن بے سود ثابت ہوا کیونکہ قیامت کے واقع ہونے کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(٨٠) سُورَةُ ﴿عَبَسَ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 80-تفسیر سورۂ عبس

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى﴾ [١]: كَلَحَ وَأَعْرَضَ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿مُّطَهَّرَةٌ﴾ [١٤]: لَا يَمَسُّهَا إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ. وَهٰذَا مِثْلُ قَوْلِهِ:

عَبَسَ وَتَوَلّٰى: ماتھے پہ شکن ڈالے اور متوجہ نہ ہوئے۔ ان کے علاوہ نے کہا: مُطَهَّرَةٌ کا مطلب ہے کہ انھیں وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں اور اس سے مراد فرشتے ہیں۔

﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾ [النازعات: ٥] جَعَلَ الْمَلَائِكَةَ وَالصُّحُفَ مُطَهَّرَةً، لِأَنَّ الصُّحُفَ يَقَعُ عَلَيْهَا التَّطْهِيرُ فَجُعِلَ التَّطْهِيرُ لِمَنْ حَمَلَهَا أَيْضًا. ﴿سَفَرَةٍ﴾ [١٥]: اَلْمَلَائِكَةِ، وَاحِدُهُمْ سَافِرٌ؛ سَفَرْتُ: أَصْلَحْتُ بَيْنَهُمْ؛ وَجُعِلَتِ الْمَلَائِكَةُ - إِذَا نَزَلَتْ بِوَحْيِ اللهِ وَتَأْدِيَتِهِ - كَالسَّفِيرِ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ الْقَوْمِ. ﴿تَصَدَّىٰ﴾ [٦]: تَغَافَلَ عَنْهُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿لَمَّا يَقْضِ﴾ [١٣]: لَا [يَقْضِي] أَحَدٌ مَا أُمِرَ بِهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾ [٤١]: تَغْشَاهَا شِدَّةٌ. ﴿مُسْفِرَةٌ﴾ [٣٨]: مُشْرِقَةٌ. ﴿بِأَيْدِي سَفَرَةٍ﴾ [١٥]: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَتَبَةٍ، ﴿أَسْفَارًا﴾ [الجمعة: ٥]: كُتُبًا. ﴿تَلَهَّىٰ﴾ [١٠]: تَشَاغَلَ. يُقَالُ: وَاحِدُ الْأَسْفَارِ سِفْرٌ.

یہ بالکل فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا کی طرح ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور صحیفوں کو مطہر اور پاک فرمایا ہے، اس لیے کہ پاک ہونا دراصل صحیفوں کی صفت ہے تو ان کے حاملین فرشتوں کو بھی مطہر فرمایا ہے۔ سَفَرَةٍ سے مراد بھی فرشتے ہیں۔ یہ سافر کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے: سَفَرْتُ یعنی: میں نے قوم کے درمیان صلح کرا دی ۔ وحی الٰہی لانے والے فرشتے چونکہ اللہ کا پیغام انبیاء تک پہنچاتے ہیں تو گویا وہ سفیر ہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتے ہیں۔ دوسروں نے کہا ہے کہ تَصَدّٰی کے معنی ہیں: اس سے غافل ہوا۔ امام مجاہد نے کہا: لَمَّا يَقْضِ کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کو جس بات کا حکم دیا گیا تھا وہ کسی نے پورا ادا نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ: اس پر سختی برس رہی ہوگی۔ مُسْفِرَةٌ کے معنی روشن اور چمک دار کے ہیں۔ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ: اس کے متعلق حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اس سے مراد لکھنے والے ہیں جیسا کہ أَسْفَارًا سے مراد کتابیں ہیں۔ تَلَهّٰی کے معنی ہیں: بے اعتنائی کرنا اور بے رخی برتنا۔ کہا جاتا ہے: الْأَسْفَارِ کا مفرد سِفر ہے۔

وضاحت: اس سورت کی شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ قریش کے سردار، رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں تھے اور آپ ان سے اس امید پر گفتگو فرما رہے تھے کہ شاید وہ مسلمان ہو جائیں، اسی دوران میں ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم ؓ آئے، لیکن آپ نے ان کی طرف توجہ نہ دی بلکہ ان کا آنا آپ کو ناگوار گزرا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

٤٩٣٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: سَمِعْتُ زُرَارَةَ بْنَ أَوْفَى يُحَدِّثُ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ حَافِظٌ لَهُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَمَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ

[4937] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں، آپ نے فرمایا: ''اس شخص کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا حافظ بھی ہے، مکرم اور نیک لکھنے والے (فرشتوں) جیسی ہے اور جو شخص قرآن مجید بار بار پڑھتا ہے اور وہ اس کے لیے دشوار ہے تو اسے دوگنا

وَهُوَ يَتَعَاهَدُهُ وَهُوَ عَلَيْهِ شَدِيدٌ فَلَهُ أَجْرَانِ». ثواب ملے گا۔"

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ قرآن مجید کا ماہر قیامت کے دن مکرم، نیک اور لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہو گا۔[1] ② قرآن کے ماہر سے مراد وہ حافظ قرآن جو قرآن مجید کو صحیح طور پر پڑھتا ہے اور دوران تلاوت میں کوئی دشواری اور مشکل محسوس نہیں کرتا، اور جو شخص قرآن کی تلاوت کرنے میں دقت محسوس کرتا ہے، اس کے باوجود پڑھتا رہتا ہے اسے دوگنا اجر ملے گا۔ ایک اجر تلاوت کرنے کا اور دوسرا اس میں تکلیف اٹھانے کا لیکن وہ ماہر قرآن کے مرتبے اور مقام کو نہیں پہنچ سکے گا کیونکہ اس کی شان ہی الگ ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس معنی کو زیادہ واضح اور راجح قرار دیا ہے۔[2]

(٨١) سُورَةُ ﴿إِذَا ٱلشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ — بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ — 81- تفسیر سورۃ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

﴿ٱنكَدَرَتْ﴾ [٢]: اِنْتَثَرَتْ. وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿سُجِّرَتْ﴾ [٦]: يَذْهَبُ مَاؤُهَا فَلَا يَبْقٰى قَطْرَةٌ؛ وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ٱلْمَسْجُورِ﴾ [الطور:٦] اَلْمَمْلُوءِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿سُجِّرَتْ﴾: أَفْضٰى بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَاحِدًا. وَالْخُنَّسُ: تَخْنِسُ فِي مُجْرَاهَا: تَرْجِعُ. وَتَكْنِسُ: تَسْتَتِرُ فِي بُيُوتِهَا كَمَا تَكْنِسُ الظِّبَاءُ. ﴿تَنَفَّسَ﴾ [١٨]: اِرْتَفَعَ النَّهَارُ. وَالظَّنِينُ: اَلْمُتَّهَمُ. وَالضَّنِينُ: يَضَنُّ بِهِ. وَقَالَ عُمَرُ: ﴿ٱلنُّفُوسُ زُوِّجَتْ﴾ [٧]: يُزَوَّجُ نَظِيرُهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، ثُمَّ قَرَأَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: ﴿ٱحْشُرُوا ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَٰجَهُمْ﴾ [الصافات: ٢٢]. ﴿عَسْعَسَ﴾ [١٧]: أَدْبَرَ.

اِنکَدَرَتْ کے معنی ہیں: ستارے بکھر جائیں گے اور ٹوٹ جائیں گے۔ امام حسن بصری نے کہا: سُجِّرَتْ کے معنی ہیں: پانی ختم ہو جائے گا اور ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ امام مجاہد نے کہا: اَلْمَسْجُورِ کے معنی ہیں: بھرا ہوا۔ دوسروں نے کہا ہے کہ سُجِّرَتْ کے معنی ہیں: سمندر ٹوٹ کر ایک دوسرے سے مل جائیں گے، گویا ایک سمندر بن جائیں گے۔ خُنَّسُ کے معنی یہ ہیں کہ ستارے چلنے کے مقام میں پھر لوٹ آنے والے ہیں۔ تَكْنِسُ کے معنی ہیں: وہ اپنے گھروں میں ہرن کی طرح چھپ جاتے ہیں۔ تَنَفَّسَ کے معنی ہیں: دن چڑھ آئے۔ اَلظَّنِينُ (ظا کے ساتھ) اور اَلضَّنِين (ضاد کے ساتھ) دو قراءتیں ہیں: پہلی کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول ﷺ، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں متہم نہیں ہے اور اَلضَّنِينُ (ضاد کے ساتھ) کی صورت میں معنی ہوں گے: وہ رسول ﷺ، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں بخیل نہیں ہے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اَلنُّفُوسُ زُوِّجَتْ کے معنی ہیں: ہر آدمی کا جوڑ لگا دیا جائے گا، یعنی جنتی کو جنتی کے

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1862 (798). [2] فتح الباري: 885/8.

ساتھ اور دوزخی کو دوزخی کے ساتھ رکھا جائے گا، پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ﴾ عَسْعَسَ کے معنی ہیں: جب وہ پیٹھ پھیر جائے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی۔ اس کے مناسب درج ذیل حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قیامت کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ سورت اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ پڑھے۔'' [1]

(٨٢) سُورَةُ ﴿إِذَا ٱلسَّمَآءُ ٱنفَطَرَتۡ﴾

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

82- تفسیر سورۂ اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ

وَقَالَ الرَّبِيعُ بْنُ خُثَيْمٍ: ﴿فُجِّرَتْ﴾ [٣]: فَاضَتْ. وَقَرَأَ الْأَعْمَشُ وَعَاصِمٌ: ﴿فَعَدَلَكَ﴾ [٧] بِالتَّخْفِيفِ، وَقَرَأَهُ أَهْلُ الْحِجَازِ بِالتَّشْدِيدِ، وَأَرَادَ: مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ؛ وَمَنْ خَفَّفَ يَعْنِي: فِي أَيِّ صُورَةٍ شَاءَ: إِمَّا حَسَنٌ، وَإِمَّا قَبِيحٌ، أَوْ طَوِيلٌ أَوْ قَصِيرٌ.

ربیع بن خُثیم نے کہا: فُجِّرَتْ کے معنی ہیں: جب سب دریا بہ پڑیں گے۔ امام اعمش اور امام عاصم نے فَعَدَلَكَ کو تخفیف سے پڑھا ہے جبکہ اہل حجاز نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ جب تشدید کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ہیں کہ اس کی تخلیق بڑی مناسب اور معتدل تھی اور تخفیف کے ساتھ پڑھنے کے یہ معنی ہیں کہ جس صورت میں چاہا بنا دیا، خوبصورت ہو یا بدصورت، طویل قامت ہو یا پست قد۔

وضاحت: اس سورت کی تفسیر میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث یہاں مناسب ہے جس کا حوالہ ہم نے سابقہ سورت میں دیا ہے۔[2] یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنی آنکھوں سے قیامت کے مناظر دیکھنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ سورت اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ کی تلاوت کرے۔''[3]

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿بَلْ رَانَ﴾ [١٤]: ثَبْتُ

امام مجاہد نے کہا: بَلْ رَانَ کے معنی ہیں: اس کے دل پر

---

[1] مسند أحمد: 27/2. [2] فتح الباري: 888/8. [3] مسند أحمد: 27/2.

الْخَطَايَا. ﴿ثُوِّبَ﴾ [٣٦]: جُوزِيَ. اَلرَّحِيقُ: اَلْخَمْرُ. ﴿خِتَـٰمُهُۥ مِسْكٌ﴾ [٢٦]: طِينُهُ. اَلتَّسْنِيمُ: يَعْلُو شَرَابَ أَهْلِ الْجَنَّةِ. وَقَالَ غَيْرُهُ: اَلْمُطَفِّفُ لَا يُوَفِّي غَيْرَهُ.

گناہ ثبت ہو گئے۔ ثُوِّبَ کے معنی ہیں: بدلہ دیے گئے۔ اَلرَّحِيقُ کے معنی ہیں: شراب طہور۔ خِتَـٰمُهُ مِسْكٌ: اس کے نیچے بیٹھنے والے ذرات کستوری کے ہوں گے۔ تسنیم ایک لطیف عرق جو اہل جنت کی شراب پر ڈالا جائے گا۔ ان کے علاوہ دوسروں نے کہا: اَلْمُطَفِّفُ وہ ہے جو دوسروں کو پورا ماپ تول کر نہ دے۔

[بَابٌ] ﴿يَوْمَ يَقُومُ ٱلنَّاسُ لِرَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ﴾ [٦]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ”جب سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے“ کا بیان

٤٩٣٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «﴿يَوْمَ يَقُومُ ٱلنَّاسُ لِرَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ﴾: حَتَّى يَغِيبَ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ». [انظر: ٦٥٣١]

[4938] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے تو ان میں سے کئی نصف کانوں تک پسینے میں ڈوب جائیں گے۔“

فائدہ: ایک روایت میں ہے: ”قیامت کے دن سورج ایک میل کی مقدار لوگوں کے قریب آ جائے گا، پس لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے۔ یہ پسینہ کسی کے ٹخنوں تک کسی کے گھٹنوں تک، کسی کی کمر تک اور کسی کے لیے یہ لگام بنا ہوا ہوگا، یعنی اس کے منہ تک پسینہ ہوگا۔“[1]

(٨٤) سُورَةُ ﴿إِذَا ٱلسَّمَآءُ ٱنشَقَّتْ﴾

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

84- تفسیر سورۂ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿كِتَـٰبَهُۥ بِشِمَالِهِۦ﴾ [الحاقة: ٢٥]: يَأْخُذُ كِتَابَهُ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهِ. ﴿وَسَقَ﴾ [١٧]: جَمَعَ مِنْ دَابَّةٍ. ﴿ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ﴾ [١٤]: لَا

امام مجاہد نے کہا: كِتَـٰبَهُ بِشِمَالِهِ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا اعمال نامہ اپنی پیٹھ کے پیچھے سے لے گا، یعنی اس کافر کا بایاں ہاتھ اس کی پشت کی طرف نکال دیا جائے گا۔ وَسَقَ:

1 صحیح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، حديث: 7206 (2864).

يَرْجِعُ إِلَيْنَا .

رات چوپائے وغیرہ کو جمع کر لیتی ہے، یعنی سب کو سمیٹ کر ٹھکانے پر پہنچا دیتی ہے۔ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَحُوْرَ کے معنی ہیں: ہماری طرف ہرگز نہیں لوٹے گا۔

وضاحت: اس آیت کا سیاق وسباق اس طرح ہے۔ جس شخص کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا گیا تو اس سے جلد ہی آسان سا حساب لیا جائے گا۔[1] آسان حساب یہ ہے کہ جسے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا اس سے اس کی برائیوں کے متعلق یہ سوال نہیں ہوگا کہ تو نے فلاں برا کام کیوں کیا تھا بلکہ اس کی خطاؤں کا صرف ذکر کر کے چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(١) بَابٌ: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾ [٨]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اس کا جلد ہی آسان سا حساب لیا جائے گا'' کا بیان

٤٩٣٩ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ.

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ أَبِي يُونُسَ حَاتِمِ بْنِ أَبِي صَغِيرَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيْسَ أَحَدٌ يُحَاسَبُ إِلَّا هَلَكَ»، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! جَعَلَنِيَ اللهُ فِدَاءَكَ، أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا

[4939] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جس شخص سے حساب لیا گیا وہ تباہ ہوا۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے، کیا باری تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: ''جس کو اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس سے جلدی آسان سا حساب لیا جائے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے مراد یہ ہے کہ صرف اعمال کی پیشی ہوگی، انھیں صرف ان کے اعمال بتا دیے جائیں گے اور جس کے حساب کی تحقیق شروع ہوگئی وہ واقعی تباہ ہوا۔''

[1] الانشقاق 84:7,8.

يَسِيرًا﴾ [٨،٧] قَالَ: «ذَاكَ الْعَرْضُ يُعْرَضُونَ، وَمَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ». [راجع: ١٠٣]

فوائدومسائل: ① قرآن مجید میں بداعمال لوگوں سے سخت حساب لینے کے لیے سوء الحساب کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ ان کا بری طرح حساب لیا جائے گا۔ آسان حساب کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے کسی حصے میں یہ دعا پڑھتے تھے: ''اے اللہ! میرا حساب آسان فرمانا۔'' میں نے نماز سے فراغت کے بعد عرض کی آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کا اعمال نامہ دیکھے گا اور اسے معاف کردے گا۔''[1] ② ایک حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ بندے کو اپنے پردے میں لے کر اسے کہے گا: کیا تو نے فلاں گناہ کیا تھا؟ کیا تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے ان پر دنیا میں پردہ ڈالے رکھا، آج میں تجھے معاف کرتا ہوں، پھر اسے اس کی نیکیوں کا نامۂ اعمال دے دیا جائے گا۔''[2]

(٢) بَابٌ: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ﴾ [١٩]

باب:2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''تم کو ضرور درجہ بہ درجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گزرتے چلے جانا ہے'' کا بیان

وضاحت: یعنی تم نے ایک حالت پر نہیں رہنا بلکہ جوانی سے بڑھاپے، بڑھاپے سے موت، موت سے میدان حشر، پھر حساب و کتاب، پھر جزا و سزا کی بے شمار منازل تم نے عبور کرنی ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔

٤٩٤٠ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ النَّضْرِ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ جَعْفَرُ بْنُ إِيَاسٍ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ﴾: حَالًا بَعْدَ حَالٍ. قَالَ هٰذَا نَبِيُّكُمْ ﷺ.

[4940] حضرت مجاہد سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس ؓ نے اس آیت: ''یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت میں پہنچو گے۔'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: تم پر ایک حالت کے بعد دوسری حالت طاری ہوگی۔ یہ بات تمھارے نبیٔ مکرم ﷺ نے فرمائی ہے۔

فائدہ: طبق کے اصل معنی شدت کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ سختیاں ہیں جو قیامت کے دن واقع ہوں گی، یعنی اس روز تمھیں مصائب و آلام سے گزرنا ہوگا۔ دنیا میں بھی یہی نظام کارفرما ہے کہ انسان درجہ بدرجہ منزل بہ منزل اپنا سفر طے کرتا ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی انسان کئی منازل طے کرنے پر مجبور ہوگا۔ اسے عذاب قبر یا ثواب قبر سے دوچار ہونا پڑے گا، اسی طرح اس نے اپنی آخری منزل جنت یا دوزخ میں پہنچ جانا ہے۔ یہ منازل طے کرنے میں وہ مجبور ہے۔ اس میں اس کے

1 مسند أحمد: 48/6. 2 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4685.

اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ واللہ المستعان.

(٨٥) سُورَةُ الْبُرُوجِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 85- تفسیر سورۂ بروج

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿الْأُخْدُودِ﴾ [٤]: شَقٌّ فِي الْأَرْضِ. ﴿فَتَنُوا﴾ [١٠]: عَذَّبُوا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿الْوَدُودُ﴾ [١٤]: الْحَبِيبُ. ﴿الْمَجِيدُ﴾ [١٥]: الْكَرِيمُ.

امام مجاہد نے کہا: اَلْأُخْدُوْدِ کے معنی ہیں: زمین میں گڑھا کھودنا۔ فَتَنُوْا کے معنی ہیں: انھوں نے (اہل ایمان کو) تکلیف پہنچائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اَلْوَدُوْدُ کے معنی ہیں: بہت محبت کرنے والا۔ اَلْمَجِیْدُ کے معنی ہیں: اونچی شان والا، انتہائی بزرگی وعظمت والا۔

وضاحت: اس سورت کی تفسیر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی مرفوع حدیث پیش نہیں کی، حالانکہ اصحاب اخدود کا واقعہ مشہور ہے اور وہ اس کی تفسیر میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ ایک بادشاہ کے پاس جادوگر رہتا تھا۔ جب وہ بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا: میرے پاس کسی ہونہار لڑکے کو مامور کردے تاکہ میں اسے جادو سکھا دوں۔ اس نے ایک لڑکے کی ڈیوٹی لگا دی۔ وہ لڑکا آتا جاتا رہا بالآخر ایک راہب کے ہاتھوں مسلمان ہوگیا تو بادشاہ نے سزا دینا چاہی۔ لڑکے نے کہا: اگر تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو لڑکے کے رب کا نام لے کر تیر مار، اس طرح جب وہ شہید ہوا تو لوگ مسلمان ہوگئے۔ بادشاہ نے انھیں سزا دینے کے لیے زمین میں گڑھے کھدوائے، ان میں آگ بھری پھر اہل ایمان کو ان گڑھوں میں ڈال دیا۔[1] گڑھوں میں آگ جلا کر اہل ایمان کو ان میں پھینکنے کے کئی واقعات کتب تفسیر میں بیان ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کئی مرتبہ اس طرح کے ظلم کیے گئے ہیں۔ واللہ المستعان.

(٨٦) سُورَةُ الطَّارِقِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 86- تفسیر سورۂ طارق

هُوَ النَّجْمُ، وَمَا أَتَاكَ لَيْلًا فَهُوَ طَارِقٌ. ﴿النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾ [٣]: الْمُضِيءُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ذَاتِ الرَّجْعِ﴾ [١١]: سَحَابٌ يَرْجِعُ بِالْمَطَرِ.

طَارِق سے مراد ستارہ ہے اور طارق اس کو بھی کہتے ہیں جو رات کو تیرے پاس آئے۔ اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ کے معنی ہیں: روشن ستارہ۔ امام مجاہد نے کہا: ذَاتِ الرَّجْعِ سے مراد بادل

---

[1] صحیح مسلم، الزھد، حدیث: 7511 (3005).

وَ﴿ذَاتِ ٱلصَّدۡعِ﴾ [١٢]: اَلْأَرْضُ تَتَصَدَّعُ بِالنَّبَاتِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ﴾ [١٣]: لَحَقٌّ. ﴿لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ﴾ [٤]: إِلَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ.

ہے جو بارش کو لوٹاتا رہتا ہے۔ ذَاتِ الصَّدۡعِ سے مراد زمین ہے جو بیج اگنے کے وقت پھٹ جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لَقَوْلٌ فَصْلٌ سے مراد حق بات ہے۔ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ میں لَمَّا بمعنی إِلَّا ہے، یعنی کوئی نفس ایسا نہیں ہے جس پر اللہ کی طرف سے کوئی نگہبان مامور نہ ہو۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کی تفسیر میں کسی مرفوع حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ درج ذیل حدیث سے اس کی تلافی کی جاسکتی ہے۔ جسے امام ابوداود رحمہ اللہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نمازِ ظہر اور نمازِ عصر میں سورۂ طارق اور سورۂ بروج جیسی سورتیں پڑھتے تھے۔[1]

(٨٧) سُورَةُ ﴿سَبِّحِ ٱسۡمَ رَبِّكَ ٱلۡأَعۡلَى﴾

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

87- تفسیر سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿قَدَّرَ فَهَدَىٰ﴾ [٣]: قَدَّرَ لِلْإِنْسَانِ الشَّقَاءَ وَالسَّعَادَةَ، وَهَدَى الْأَنْعَامَ لِمَرَاتِعِهَا.

امام مجاہد نے کہا: قَدَّرَ فَهَدٰى کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے سعادت و شقاوت کی تقدیر مقدر کر دی اور جانوروں کو ان کی چراگاہوں کا راستہ بتا دیا۔

٤٩٤١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: أَوَّلُ مَنْ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مُصْعَبُ ابْنُ عُمَيْرٍ وَابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ فَجَعَلَا يُقْرِآنِنَا الْقُرْآنَ، ثُمَّ جَاءَ عَمَّارٌ وَبِلَالٌ وَسَعْدٌ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي عِشْرِينَ، ثُمَّ جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَمَا رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَرِحُوا بِشَيْءٍ فَرَحَهُمْ بِهِ، حَتَّى رَأَيْتُ الْوَلَائِدَ وَالصِّبْيَانَ يَقُولُونَ: هٰذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ جَاءَ، فَمَا جَاءَ

[4941] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے صحابۂ کرام میں سب سے پہلے ہمارے پاس (مدینہ طیبہ میں) حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ ان بزرگوں نے مدینہ پہنچ کر ہمیں قرآن پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم تشریف لائے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس صحابۂ کرام کو اپنے ہمراہ لے کر آئے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی۔ میں نے کبھی اہل مدینہ کو اتنا خوش نہیں دیکھا جس قدر وہ آپ ﷺ

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 805.

حَتّٰى قَرَأْتُ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ فِي سُوَرٍ مِثْلِهَا.

کی آمد پر خوش ہوئے تھے۔ بچیاں اور بچے خوشی سے کہنے لگے تھے: یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں جو ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اوراس طرح کی دیگر سورتیں پڑھ لی تھیں۔

فوائدومسائل: ① اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح کا حکم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ذات ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک ہے۔ بلا شرکت غیرے مختار کل ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء پر اسے پورا پورا کنٹرول حاصل ہے۔ تسبیح کرنے سے مراد اللہ تعالیٰ کو مذکورہ صفات کے ساتھ یاد کرنا ہے۔ ② جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس آیت کے مطابق تم سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی اور سورۂ واقعہ کی آخری آیت کے مطابق رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ پڑھا کرو۔''[1]

(۸۸) سُورَةُ ﴿هَلْ أَتَاكَ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 88-تفسیر سورۂ هَلْ اَتٰكَ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ﴾ [٣]: النَّصَارٰى. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿عَيْنٍ آنِيَةٍ﴾ [٥]: بَلَغَ إِنَاهَا وَحَانَ شُرْبُهَا؛ ﴿حَمِيمٍ آنٍ﴾ [الرحمن: ٤٤]: بَلَغَ إِنَاهُ. ﴿لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً﴾ [١١]: شَتْمًا. وَيُقَالُ: اَلضَّرِيعُ: نَبْتٌ يُقَالُ لَهُ: اَلشِّبْرِقُ، تُسَمِّيهِ أَهْلُ الْحِجَازِ الضَّرِيعَ إِذَا يَبِسَ، وَهُوَ سُمٌّ. ﴿بِمُسَيْطِرٍ﴾ [٢٢] بِمُسَلَّطٍ، وَيُقْرَأُ بِالصَّادِ وَالسِّينِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿إِيَابَهُمْ﴾ [٢٥]: مَرْجِعَهُمْ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ سے مراد عیسائی ہیں۔ امام مجاہد نے کہا: عَيْنٍ آنِيَةٍ کے معنی ہیں: اس کی گرمی انتہا کو پہنچ گئی اور اس کے پینے کا وقت آ گیا۔ حَمِيمٍ آنٍ کے بھی یہی معنی ہیں کہ اس کی گرمی انتہا کو پہنچ گئی۔ لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً: جنت میں کوئی گالی گلوچ نہیں سنیں گے۔ ضَرِيْعٌ ایک گھاس ہے جس کو شبرق کہا جاتا ہے اور جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو اہل حجاز اسے ضریع کہتے ہیں اور یہ زہر ہے۔ بِمُسَيْطِرٍ: آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔ اسے صاد اور سین دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: إِيَابَهُمْ سے مراد ان کی واپسی ہے۔

---

[1] مسند أحمد: 155/4.

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی۔ ﴿لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ کے تحت درج ذیل حدیث کو لایا جاسکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں حتی کہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھنے لگیں۔ جب وہ کلمۂ توحید پڑھ لیں گے تو انھوں نے مجھ سے اپنا مال اور خون محفوظ کر لیا، ہاں اس (اسلام) کے حق کے لیے ان کا مال لیا جاسکتا ہے اور خون بھی کیا جاسکتا ہے۔ ان کا حساب اللہ کے ذمے ہوگا، پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: بس آپ نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر محاسب نہیں ہیں۔''[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔[2]

(۸۹) سُورَةُ ﴿وَالْفَجْرِ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 89- تفسیر سورۂ وَالْفَجْرِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾ [٧]: يَعْنِي الْقَدِيمَةَ؛ وَالْعِمَادُ: يَعْنِي أَهْلَ عَمُودٍ لَا يُقِيمُونَ. ﴿سَوْطَ عَذَابٍ﴾ [١٣]: اَلَّذِي عُذِّبُوا بِهِ. ﴿أَكْلًا لَّمًّا﴾ [١٩]: اَلسَّفُّ. وَ﴿جَمًّا﴾ [٢٠]: اَلْكَثِيرُ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: كُلُّ شَيْءٍ خَلَقَهُ فَهُوَ شَفْعٌ، اَلسَّمَاءُ شَفْعٌ، وَالْوَتْرُ: اَللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿سَوْطَ عَذَابٍ﴾ [١٣]: كَلِمَةٌ تَقُولُهَا الْعَرَبُ لِكُلِّ نَوْعٍ مِنَ الْعَذَابِ يَدْخُلُ فِيهِ السَّوْطُ. ﴿لَبِالْمِرْصَادِ﴾ [١٤]: إِلَيْهِ الْمَصِيرُ. ﴿تَحَاضُّونَ﴾ [١٨]: تُحَافِظُونَ، وَ(تَحُضُّونَ) تَأْمُرُونَ بِإِطْعَامِهِ. ﴿الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ [٢٧]: اَلْمُصَدِّقَةُ بِالثَّوَابِ.

امام مجاہد نے کہا: اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ اس سے مراد پرانی قوم عاد ہے۔ العماد سے مراد خیموں والے جو ایک جگہ قیام نہیں کرتے۔ سَوْطَ عَذَابٍ سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے انھیں عذاب دیا گیا۔ اَكْلًا لَّمًّا کا مطلب ہے: سمیٹ کر کھا جانا۔ جَمًّا کے معنی ہیں: بہت زیادہ۔ امام مجاہد نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ شَفْعٌ (جوڑا) ہے۔ آسمان جوڑا ہے اور اَلْوَتْر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ ان کے علاوہ نے کہا: سَوْطَ عَذَابٍ یہ ایک کلمہ ہے جسے اہل عرب ہر قسم کے عذاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس میں کوڑے کا عذاب بھی شامل ہے۔ لَبِالْمِرْصَادِ کے معنی ہیں: اسی کی طرف سب نے لوٹ جانا ہے۔ تَحَاضُّوْنَ (الف کے ساتھ): تم حقوق کی حفاظت نہیں کرتے اور تَحُضُّونَ (الف کے بغیر) کے معنی ہیں: تم کھلانے کا حکم نہیں دیتے۔ اَلْمُطْمَئِنَّةُ: اللہ کے ثواب پر یقین رکھنے والا۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾: إِذَا أَرَادَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ قَبْضَهَا اطْمَأَنَّتْ إِلَى اللهِ

امام حسن بصری نے کہا: يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو بلانا چاہے تو وہ اس کی

1 الغاشية 88: 22,21، و جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3341. 2 فتح الباري: 8/895.

وَاطْمَأَنَّ اللهُ إِلَيْهِ، وَرَضِيَتْ عَنِ اللهِ وَرَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَأَمَرَ بِقَبْضِ رُوحِهَا وَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ، وَجَعَلَهُ مِنْ عِبَادِهِ الصَّالِحِينَ. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿جَابُوا﴾ [٩]: نَقَبُوا، مِنْ جِيبَ الْقَمِيصُ قُطِعَ لَهُ جَيْبٌ؛ يَجُوبُ الْفَلَاةَ: يَقْطَعُهَا، ﴿لَمًّا﴾ لَمَمْتُهُ أَجْمَعَ: أَتَيْتُ عَلَى آخِرِهِ.

طرف مطمئن ہو اور اللہ اس کی طرف سے مطمئن ہو۔ وہ اللہ سے راضی ہو اور اللہ اس سے خوش ہو اور اللہ اس کی روح قبض کر کے اسے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالے۔ حضرت حسن بصری کے علاوہ نے کہا: جَابُوْا کے معنی ہیں: کرید اور یہ جِيْبَ القَمِيصُ سے ماخوذ ہے جب اس کا گریبان کاٹا جائے۔ لوگ کہتے ہیں: يَجُوبُ الْفَلَاةَ: وہ جنگل قطع کر رہا ہے۔ لَمًّا: میں نے سب ختم کر دیا، یعنی اس کے آخر تک پہنچ گیا۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے سورۂ فجر کے منتخب الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے۔ ان الفاظ کی مزید تفصیل کے لیے مستند تفسیر سے ساری سورۂ فجر کا مطالعہ کیا جائے، نیز امام بخاری ؒ نے اس کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث پیش نہیں کی، ﴿وَجِاْئَ يَوْمَئِذٍم بِجَهَنَّمَ﴾ کے تحت درج ذیل حدیث کو لایا جاسکتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جہنم کو جب لایا جائے گا تو اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ کر لائیں گے۔''[1]

(۹۰) سُورَةُ ﴿لَآ أُقۡسِمُ﴾ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ 90-تفسیر سورۂ لَآ أُقۡسِمُ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَأَنتَ حِلُّۢ بِهَٰذَا ٱلۡبَلَدِ﴾ [٢]: مَكَّةَ، لَيْسَ عَلَيْكَ مَا عَلَى النَّاسِ فِيهِ مِنَ الْإِثْمِ. ﴿وَوَالِدٍ﴾ [٣]: آدَمَ، ﴿وَمَا وَلَدَ﴾. ﴿لُّبَدًا﴾ [٦]: كَثِيرًا. وَ﴿ٱلنَّجۡدَيۡنِ﴾ [١٠]: اَلْخَيْرَ وَالشَّرَّ. ﴿مَسۡغَبَةٍ﴾ [١٤]: مَجَاعَةٍ. ﴿مَتۡرَبَةٍ﴾ [١٦]: اَلسَّاقِطُ فِي التُّرَابِ. يُقَالُ: ﴿فَلَا ٱقۡتَحَمَ ٱلۡعَقَبَةَ﴾ فَلَمْ يَقْتَحِمِ الْعَقَبَةَ فِي الدُّنْيَا، ثُمَّ فَسَّرَ الْعَقَبَةَ فَقَالَ: ﴿وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا ٱلۡعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوۡ

امام مجاہد نے کہا: وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خاص آپ کے لیے یہ شہر حلال ہوا، دوسروں کو وہاں لڑنا گناہ ہے۔ وَوَالِدٍ سے مراد حضرت آدم ؑ ہیں۔ وَمَا وَلَدَ سے مراد ان کی تمام اولاد ہے۔ لُبَدًا کے معنی ہیں: بہت زیادہ۔ النَّجْدَيْنِ کے معنی ہیں: اچھے اور برے دو راستے۔ مَسْغَبَةٍ کے معنی ہیں: بھوک۔ مَتْرَبَةٍ سے مراد مٹی میں پڑا رہنا ہے۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ: اس نے دنیا میں کوئی گھاٹی عبور نہیں کی، پھر گھاٹی کی

[1] صحيح مسلم، الجنة و صفة نعيمها و أهلها، حديث :7164(2842).

﴿إِطْعَـٰمٌ فِى يَوْمٍ ذِى مَسْغَبَةٍ﴾ [١١-١٤]. ﴿فِى كَبَدٍ﴾ [٤]: [فِي] شِدَّةٍ.

وضاحت کی اور فرمایا: وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ، فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ: غلام آزاد کرنا اور بھوک والے دن غریبوں کو کھانا کھلانا۔ فِیْ كَبَدٍ سے مراد شدت اور تکلیف ہے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی، تاہم فَكُّ رَقَبَةٍ کے تحت درج ذیل حدیث پیش کی جاسکتی ہے۔ حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو جنت میں جانے کا باعث ہو۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے مختصر سی بات میں اپنا مسئلہ پیش کر دیا ہے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''غلام کو آزاد کرو یا گردن کو بوجھ سے ہلکا کرو۔'' اس نے عرض کی: کیا یہ دونوں ایک نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، عِتْقُ النَّسَمَه یہ ہے کہ تو اکیلا کسی غلام کو آزاد کرے اور...... فَكُّ الرَّقَبه کا مطلب ہے کہ کسی غلام کی آزادی میں تعاون کر۔''[1]

(٩١) سُورَةُ ﴿وَٱلشَّمْسِ وَضُحَـٰهَا﴾

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ

91- تفسیر سورهٔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ضُحَـٰهَا﴾: ضَوْءَهَا. ﴿إِذَا تَلَـٰهَا﴾ [٢]: تَبِعَهَا. وَ﴿طَحَـٰهَا﴾ [٦]: دَحَاهَا. وَ﴿دَسَّـٰهَا﴾ [١٠]: أَغْوَاهَا. ﴿فَأَلْهَمَهَا﴾ [٨]: عَرَّفَهَا الشَّقَاءَ وَالسَّعَادَةَ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿بِطَغْوَىٰهَآ﴾ [١١]: بِمَعَاصِيهَا. ﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبَـٰهَا﴾ [١٥]: عُقْبَى أَحَدٍ.

امام مجاہد نے فرمایا: ضُحٰهَا کے معنی ہیں: اس کی روشنی۔ اِذَا تَلٰهَا کے معنی ہیں: (چاند) اس کے بعد آتا ہے۔ طَحٰهَا سے مراد زمین کو ہموار کرنا ہے۔ دَسّٰهَا سے مراد نفس کو اغوا اور گمراہ کرنا ہے۔ فَاَلْهَمَهَا: نیکی اور بدی کی رہنمائی کی۔ امام مجاہد نے کہا: بِطَغْوٰهَآ: اپنے گناہوں کی وجہ سے۔ وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کسی کے بدلہ لینے سے نہیں ڈرتا۔

٤٩٤٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَمْعَةَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَخْطُبُ وَذَكَرَ النَّاقَةَ وَالَّذِي عَقَرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ

[4942] حضرت عبداللہ بن زمعہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے اپنے ایک خطبے میں حضرت صالح ؑ کی اونٹنی کا ذکر فرمایا اور اس شخص کا بھی ذکر کیا جس نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ

1 مسند أحمد: 299/4.

ﷺ: «﴿إِذِ انۢبَعَثَ أَشۡقَىٰهَا﴾: اِنْبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ عَزِيزٌ عَارِمٌ مَنِيعٌ فِي رَهْطِهِ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ». وَذَكَرَ النِّسَاءَ فَقَالَ: «يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ يَجْلِدُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهُ يُضَاجِعُهَا مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ»، ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضَحِكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ، وَقَالَ: «لِمَ يَضْحَكُ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ؟».

نے اِذِ انۢبَعَثَ اَشۡقٰهَا کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''اس اونٹنی کو مارنے کے لیے ایک بدبخت اور فسادی اٹھا جو اپنی قوم میں ابوزمعہ کی طرح غالب اور طاقتور تھا۔'' پھر آپ ﷺ نے اس مجلس میں عورتوں کا ذکر کیا تو فرمایا: ''تم میں سے کچھ لوگ اپنی بیویوں کو نوکروں اور غلاموں کی طرح پیٹتے ہیں، پھر دن کے اختتام پر اس سے ہم بستری بھی کرتے ہیں۔'' پھر آپ نے پادنے (انسانی ہوا کے خارج ہونے) پر ہنسنے سے منع کیا اور فرمایا: ''تم میں سے کوئی اس فعل پر کیوں ہنستا ہے جو وہ خود بھی کرتا ہے۔''

وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ عَمِّ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ». [راجع: ٣٣٧٧]

ابومعاویہ نے کہا: ہمیں ہشام نے بتایا: وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ عبداللہ بن زمعہ سے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ابوزمعہ کی طرح جو زبیر بن عوام ؓ کا چچا تھا۔''

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو بے جا پیٹنے سے منع فرمایا ہے، نیز پاد کی آواز کی طرف توجہ نہ دینے کی ترغیب دی ہے۔ دور جاہلیت میں لوگ پاد کی آواز سن کر ہنسا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ جب ایسی چیز واقع ہو تو اس کی طرف توجہ ہی نہ دی جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ حرکت عام تھی کہ وہ اپنی مجالس میں جان بوجھ کر پاد مارتے پھر اس پر ہنسا کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ واللہ أعلم.

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿وَكَذَّبَ بِٱلۡحُسۡنَىٰ﴾ [٩]: بِالْخَلَفِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿تَرَدَّىٰٓ﴾ [١١]: مَاتَ. وَ﴿تَلَظَّىٰ﴾ [١٤]: تَوَهَّجَ. وَقَرَأَ عُبَيْدُ بْنُ عُمَيْرٍ: (تَتَلَظَّى).

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: وَكَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰى میں حسنٰی سے مراد بدلہ ہے۔ جس نے بدلے کی تکذیب کی، یعنی اس کو یقین نہیں کہ وہ اللہ کی راہ میں جو خرچ کرے گا اللہ اس کو اس کا بدلہ دے گا۔ امام مجاہد نے کہا: تَرَدّٰى کے معنی ہیں: جب وہ مر جائے گا۔ اور تَلَظّٰى کے معنی ہیں: وہ

آگ بھڑکتی ہے اور شعلہ زن ہوتی ہے۔ عبید بن عمیر نے اس لفظ کو تَتَلَظّٰی، یعنی دو تاء سے پڑھا ہے۔

(۱) بَابٌ: ﴿وَٱلنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ﴾ [۲]

باب: 1- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”دن کی قسم جب وہ روشن ہو“ کا بیان

٤٩٤٣ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: دَخَلْتُ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللهِ الشَّامَ فَسَمِعَ بِنَا أَبُو الدَّرْدَاءِ فَأَتَانَا فَقَالَ: أَفِيكُمْ مَنْ يَقْرَأُ؟ فَقُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ: فَأَيُّكُمْ أَقْرَأُ؟ فَأَشَارُوا إِلَيَّ، فَقَالَ: اِقْرَأْ، فَقَرَأْتُ (وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى) قَالَ: آنْتَ سَمِعْتَهَا مِنْ فِي صَاحِبِكَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا سَمِعْتُهَا مِنْ فِي النَّبِيِّ ﷺ وَهٰؤُلَاءِ يَأْبَوْنَ عَلَيْنَا. [راجع: ٣٢٨٧]

[4943] حضرت علقمہ بن قیس سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے چند تلامذہ کے ہمراہ شام کے علاقے میں گیا۔ حضرت ابوالدرداء ؓ نے جب ہماری آمد کا سنا تو ہماری ملاقات کے لیے تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم میں سے کوئی قرآن مجید کے قاری بھی ہیں؟ ہم نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر فرمایا: تم میں سب سے اچھا قاری کون ہے؟ ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کیا تو انھوں نے فرمایا: پڑھو۔ میں نے تلاوت شروع کی: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى. حضرت ابوالدرداء ؓ نے پوچھا: کیا تم نے خود اپنے استاد محترم کی زبانی اسی طرح سنا ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے بھی نبی ﷺ کی زبانی یہ آیت اسی طرح سنی ہے لیکن یہ شام والے حضرات اس کا انکار کرتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① اہل شام کے ہاں مشہور قرات اس طرح ہے: ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى﴾ چونکہ حضرت ابودرداء اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ خود رسول اللہ ﷺ کی زبانی وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى سن چکے تھے، اس لیے یہ دونوں حضرات کسی دوسرے کی قراءت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس قراءت کو تواتر کا درجہ حاصل نہیں تھا، اس لیے جب حضرت عثمان ؓ نے مصاحف لکھوائے تو آپ نے متواتر قراءات کے علاوہ دیگر قراءات کو حذف کر دیا۔ ② مصحف عثمانی میں جمہور کی قراءت پر اتفاق ہو گیا، لیکن شاید حضرت ابودرداء ؓ کو جمہور کی قراءت نہیں پہنچی ہو گی، اس لیے انھوں نے دوسری قراءت کو تسلیم نہیں کیا۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابٌ: ﴿وَمَا خَلَقَ ٱلذَّكَرَ وَٱلْأُنثَىٰٓ﴾ [٣]

باب: 2- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور قسم ہے اس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا'' کا بیان

وضاحت: اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم اٹھائی ہے کیونکہ نر اور مادہ دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے ایک قراءت (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) میں ہے وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى، یعنی اللہ تعالیٰ نے نر اور مادہ کی قسم اٹھائی ہے جیسا کہ درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٩٤٤ - حَدَّثَنَا عُمَرُ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قَدِمَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ عَلٰى أَبِي الدَّرْدَاءِ فَطَلَبَهُمْ فَوَجَدَهُمْ فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَقْرَأُ: عَلٰى قِرَاءَةِ عَبْدِ اللهِ؟ قَالَ: كُلُّنَا، قَالَ: فَأَيُّكُمْ يَحْفَظُ؟ وَأَشَارُوا إِلٰى عَلْقَمَةَ، قَالَ: كَيْفَ سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ: ﴿وَٱلَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ﴾؟ [الليل:١] قَالَ عَلْقَمَةُ (وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى) قَالَ: أَشْهَدُ أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ هٰكَذَا، وَهٰؤُلَاءِ يُرِيدُونَنِي عَلٰى أَنْ أَقْرَأَ: ﴿وَمَا خَلَقَ ٱلذَّكَرَ وَٱلْأُنثَىٰٓ﴾ وَاللهِ لَا أُتَابِعُهُمْ. [راجع: ٣٢٨٧]

[4944] حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کچھ تلامذہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے ہاں (شام) آئے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے تلاش کے بعد انھیں پا لیا، پھر پوچھا کہ تم میں سے کون حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق قراءت کر سکتا ہے؟ انھوں نے کہا: ہم سب کر سکتے ہیں۔ پھر انھوں نے دریافت کیا: تم میں سے کس کو ان کی قراءت زیادہ محفوظ ہے؟ سب نے حضرت علقمہ کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سورۂ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کی قراءت کرتے کس طرح سنا ہے؟ علقمہ نے کہا: وہ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى پڑھتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بھی نبی ﷺ کو اسی طرح پڑھتے سنا ہے لیکن یہ شام کے لوگ چاہتے ہیں کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى پڑھوں۔ اللہ کی قسم! میں کسی صورت میں ان کی پیروی نہیں کروں گا۔

فوائد و مسائل: ① اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل شام ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى﴾ پڑھتے ہیں، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى سنا ہے، لہذا میں تو اسی طرح پڑھوں گا۔ ② یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی سماعت یقینی ہے تو اہل شام نے ان کی مخالفت کیوں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل شام کی قراءت بھی یقینی ہے

کیونکہ ان کی قراءت کا ثبوت تواتر پر ہے، نیز یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ مصحف عثمانی جس پر تمام صحابۂ کرام اور امت کا اجماع ہے اس میں یہ آیت اس طرح ہے ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى﴾ لہٰذا یہ واجب الاتباع ہے۔ ③ ممکن ہے کہ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہو لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔ مصاحف عثمانی کی جب اشاعت ہوئی تو ان میں ہر منسوخ قراءت کو ختم کر دیا گیا تھا لیکن شاید انھیں اس کا علم نہ ہوا ہو۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ شام میں فن قراءت کے امام حضرت ابو عمران عبداللہ بن عامر جب قراءت بیان کرتے ہیں تو ان کی سند میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان کی قراءت بھی جمہور کی قراءت کے مطابق ہے۔ اسی طرح جب کوفے کے ائمۂ قراءت حضرت عاصم، حضرت حمزہ اور امام کسائی قراءت نقل کرتے ہیں تو ان کی سند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واسطہ بھی آتا ہے۔ ان کی قراءت بھی جمہور کی قراءت کے مطابق ہے، یعنی یہ سب حضرات ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى﴾ پڑھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جب انھیں تسلی ہوگئی تو انھوں نے اپنی قراءت سے رجوع کر کے جمہور کی قراءت کے مطابق پڑھنا شروع کر دیا ہو۔ ④ بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى بھی حروف سبعہ سے تھی جسے عرض اخیرہ میں منسوخ کر دیا گیا اور ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى﴾ پر اتفاق ہوگیا۔ واللّٰہ أعلم.

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ﴾ [٥]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جس نے اللہ کی راہ میں دیا اور رب سے ڈر گیا'' کا بیان

وضاحت: جو شخص کار خیر میں خرچ کرے گا اور حرام سے بچے گا اور اس بات پر بھی یقین رکھے گا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور تقوے کا صلہ اللہ کی طرف عمدہ ملے گا تو ہم اسے نیکی و اطاعت کی توفیق دیں گے اور اس کے لیے نیکی کا راستہ آسان بنا دیں گے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٩٤٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَقِيعِ الْغَرْقَدِ فِي جَنَازَةٍ، فَقَالَ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ». فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَفَلَا نَتَّكِلُ؟ فَقَالَ: «اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ»، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿لِلْعُسْرَىٰ﴾.

[4945] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ بقیع غرقد میں ایک جنازے کے ساتھ تھے، تو آپ نے اس موقع پر فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا ٹھکانا جنت میں اور دوزخ میں رکھ دیا گیا ہے۔ صحابۂ کرام نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا پھر ہم اسی پر بھروسا نہ کر لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم عمل کرتے رہو۔ ہر انسان جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اس کے مطابق اسے توفیق دی جائے گی۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''جس نے مال دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور بھلی باتوں

[راجع: ١٣٦٢]

کی تصدیق کی (تو ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی سہولت دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور بھلائی کو جھٹلایا تو ہم اسے تنگی کے راستے پر چلنے کی سہولت دیں گے)۔''

فوائد ومسائل: ① ان آیات میں شریعت کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے کہ جو شخص یہ اور یہ کام کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے احکام شریعت پر چلنا اور جنت میں جانے کا راستہ آسان بنا دیتا ہے حتی کہ بدی کی راہ پر چلنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور جو شخص یہ اور یہ کام کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے شریعت پر چلنا مشکل کر دیتا ہے۔ اسے نیکی کا راستہ بہت گراں اور بوجھل محسوس ہوتا ہے۔ باقی رہا کسی شخص کے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا پیشگی علم تو یہ علم کسی شخص کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ وہی کام کرے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر رکھا ہے۔ ② بہر حال انسان ہر کام میں آزاد اور خود مختار ہے اور اسی آزادی اور خود مختاری پر انسان کو قیامت کے دن جزا یا سزا ملے گی۔ واللہ أعلم.

بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ [٦]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اور اچھی بات کی تصدیق کی'' کا بیان

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا قُعُودًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ.

حضرت علی ؓ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، پھر راوی نے وہی حدیث بیان کی جو پہلے گزری ہے۔

(٤) بَابٌ: ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾ [٧]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''تو ہم اس کو آسان راستے پر چلنے کی سہولت دیں گے'' کا بیان

٤٩٤٦ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ عُودًا يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ فَقَالَ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ

[4946] حضرت علی ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک جنازے میں تھے۔ آپ نے ایک لکڑی اٹھائی اور اس سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا جنت یا دوزخ میں ٹھکانا نہ لکھا جا چکا ہو۔'' صحابۂ کرام نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا پھر ہم اسی پر بھروسا نہ کرلیں؟ آپ نے

كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ، أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا نَتَّكِلُ؟ قَالَ: «اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾» اَلْآيَةَ.

فرمایا: ''تم عمل کرتے رہو ہر شخص کو (جس کے لیے وہ پیدا گیا ہے اس کی) توفیق دی گئی ہے۔'' ''جس شخص نے دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات کی تصدیق کی تو اسے ہم آسان راستے کی سہولت دیں گے۔''

قَالَ شُعْبَةُ: وَحَدَّثَنِي بِهِ مَنْصُورٌ فَلَمْ أُنْكِرْهُ مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ. [راجع: ١٣٦٢]

شعبہ نے کہا: مجھ سے یہ حدیث منصور نے بیان کی، انھوں نے بھی سلیمان اعمش سے مروی حدیث کے کوئی خلاف نہیں کہا۔

(٥) بَابُ قَوْلِهِ ﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ﴾ [٨]

باب:5- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جس نے بخل کیا اور بے پروائی برتی'' کا بیان

٤٩٤٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ»، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا نَتَّكِلُ؟ قَالَ: «لَا، اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ»، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ○ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾ إِلَىٰ قَوْلِهِ: ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ﴾ [٥-١٠]. [راجع: ١٣٦٢]

[4947] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا جہنم میں اور جنت میں ٹھکانا لکھا نہ جا چکا ہو۔'' ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! پھر ہم اسی پر بھروسا کیوں نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، تم عمل کرتے رہو کیونکہ ہر آدمی کو توفیق دی گئی ہے (جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔)'' پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ○ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ○ .... فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ○﴾۔

(٦) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ [٩]

باب:6- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جس نے اچھی بات کو جھٹلا دیا'' کا بیان

٤٩٤٨ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ

[4948] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم بقیع غرقد میں ایک جنازے کے ساتھ تھے۔ ہمارے

أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا فِي جَنَازَةٍ فِي بَقِيعِ الْغَرْقَدِ، فَأَتَانَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَعَدَ وَقَعَدْنَا حَوْلَهُ وَمَعَهُ مِخْصَرَةٌ، فَنَكَّسَ فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِمِخْصَرَتِهِ. ثُمَّ قَالَ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ، وَمَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوسَةٍ إِلَّا كُتِبَ مَكَانُهَا مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَإِلَّا قَدْ كُتِبَتْ شَقِيَّةً أَوْ سَعِيدَةً». قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ فَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيَصِيرُ إِلٰى أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَمَنْ كَانَ مِنَّا مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَسَيَصِيرُ إِلٰى عَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ. قَالَ: «أَمَّا أَهْلُ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا أَهْلُ الشَّقَاوَةِ فَيُيَسَّرُونَ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاءِ». ثُمَّ قَرَأَ: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ اَلْآيَةَ. [راجع: ١٣٦٢]

پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ آپ نے سر مبارک جھکا لیا، پھر چھڑی سے زمین کریدنے لگے اور فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں بلکہ کوئی پیدا ہونے والی جان ایسی نہیں جس کا جنت میں اور جہنم میں ٹھکانا لکھا نہ جا چکا ہو، یعنی یہ لکھا جا چکا ہے کہ کون نیک بخت ہے اور کون بدبخت ہے۔'' ایک آدمی نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر ہم اس نوشتے (لکھے ہوئے) پر بھروسا کرلیں اور عمل چھوڑ دیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ جو ہم میں سے نیک ہوگا وہ نیکوں کے ساتھ جا ملے گا اور جو برا ہوگا وہ بروں کے سے عمل کرے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ نیک ہوتے ہیں انھیں نیکیوں ہی کے عمل کی توفیق ملتی ہے اور جو برے ہوتے ہیں، انھیں بروں کے عمل کرنے کی توفیق ملتی ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: ''پھر جس نے مال دیا اور پرہیز گاری اختیار کی اور بھلی باتوں کی تصدیق کی......''

(٧) بَابٌ: ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ﴾ [١٠]

باب: 7- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''تو ہم اسے تنگی کے راستے (گناہ) کے لیے سہولت دیں گے'' کا بیان

٤٩٤٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي جَنَازَةٍ فَأَخَذَ شَيْئًا، فَجَعَلَ يَنْكُتُ بِهِ الْأَرْضَ فَقَالَ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ!

[4949] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ ایک جنازے میں تشریف رکھتے تھے۔ پھر آپ نے کوئی چیز پکڑی اور اس سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا جہنم میں ٹھکانا یا جنت میں ٹھکانا لکھا نہ جا چکا ہو۔'' صحابۂ کرام نے عرض کی: اللہ کے رسول! تو پھر اس نوشتۂ تقدیر (تقدیر کے لکھے) پر بھروسا کرلیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ قَالَ: «اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ». ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ [٥، ٦] اَلْآيَةَ. [راجع: ١٣٦٢]

''تم عمل کرتے رہو۔ ہر شخص کو ان اعمال کی توفیق دی جاتی ہے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو شخص نیک ہوگا اسے نیکوں کے عمل کی توفیق ملی ہوتی ہے اور جو بد بخت ہوگا، اسے بدبختوں کے عمل کی توفیق ملی ہوتی ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیات پڑھیں: ''جس نے دیا اور تقویٰ اختیار کیا، پھر اچھی بات کی تصدیق کی......''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو مختلف طرق کے ساتھ کئی عنوانات کے تحت ذکر کیا ہے۔ ان شاء اللہ اس حدیث کے متعلق بحث کتاب القدر میں آئے گی۔ ② رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر الٰہی کا تو کسی کو علم نہیں ہے وہ قادر مطلق ہے، وہ تقدیر کو جدھر چاہے پھیرنے پر قادر ہے، اس لیے ہمیں نیک تقدیر کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہنا چاہیے، البتہ اگر انسان نیک عمل کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ٹھکانا جنت میں لکھا ہے اور اگر برے کاموں میں مصروف ہو تو یہ گمان ہوسکتا ہے کہ اس کا ٹھکانا دوزخ میں بنایا گیا ہے، باقی اصل انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہو گا وہی جو اس نے تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ ③ چونکہ تقدیر کا علم بندے کو نہیں دیا گیا ہے، البتہ اسے اچھی اور بری دونوں راہیں بتا دی گئی ہیں، اس لیے ہمارا فرض منصبی یہ ہے کہ اچھی راہ کو اختیار کریں اور بری راہ کے پاس نہ جائیں۔ واللّٰه أعلم.

(٩٣) سُورَةُ ﴿وَالضُّحَىٰ﴾ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 93- تفسیر سورۂ وَالضُّحٰی

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿إِذَا سَجَىٰ﴾ [٢]: اِسْتَوٰى. وَقَالَ غَيْرُهُ: سَجٰى: أَظْلَمَ وَسَكَنَ. ﴿عَائِلًا﴾ [٨]: ذُو عِيَالٍ.

امام مجاہد نے کہا: اِذَا سَجٰی کے معنی ہیں: جب برابر ہو جائے، یعنی جب رات دن کے برابر ہو جائے۔ اور مجاہد کے علاوہ دوسروں نے کہا: سَجٰی کے معنی ہیں: جب تاریک ہو جائے اور قرار پکڑ لے۔ عَائِلًا کے معنی ہیں: عیال دار، بال بچوں والا۔

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ [٣]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ناراض ہوا ہے'' کا بیان

وضاحت: کافر لوگ تو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے جس سے وہ اپنے اندر کا ابال نکال سکیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

٤٩٥٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبَ بْنَ سُفْيَانَ قَالَ: اِشْتَكَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: يَا مُحَمَّدُ، إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالضُّحَى ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾. [راجع: ١١٢٤]

[4950] حضرت جندب بن سفیان ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور دو یا تین راتیں نہ اٹھ سکے تو ایک عورت آئی اور کہنے لگی: اے محمد! میرا خیال ہے کہ تجھے تیرے شیطان نے چھوڑ دیا ہے، دو یا تین راتوں سے میں اسے نہیں دیکھ سکی ہوں کہ وہ آپ کے پاس آیا ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''چاشت کے وقت کی قسم! رات کی قسم جب وہ چھا جائے! آپ کو آپ کے رب نے نہ تو چھوڑا ہے اور نہ وہ (آپ سے) ناراض ہی ہوا ہے۔''

فائدہ: حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے: اس سے مراد ابولہب کی بیوی ام جمیل ہے۔ چونکہ یہ عورت کافر تھی، اس لیے اس کا طرز گفتگو بھی کافرانہ ہے۔ اس نے بطور طعن وطنز کے کہا کہ آپ کو آپ کے شیطان نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ وہ آپ سے ناراض ہو گیا ہے۔ اس موقع پر حضرت خدیجہ ؓ نے بھی آپ کو تسلی دینے کے لیے کچھ کہا تھا جس کی وضاحت آئندہ حدیث میں ہے۔

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ [٣]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ اس نے تجھے ناپسند کیا ہے'' کا بیان

تُقْرَأُ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بِمَعْنًى وَاحِدٍ: مَا تَرَكَكَ رَبُّكَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَا تَرَكَكَ وَمَا أَبْغَضَكَ.

وَدَّعَكَ کو تشدید اور تخفیف دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں: آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا نہیں۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ تو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہی ہوا ہے۔''

٤٩٥١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ

[4951] حضرت جندب بن سفیان بجلی ؓ سے روایت

ابْنُ جَعْفَرٍ غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدُبًا الْبَجَلِيَّ: قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا أُرَى صَاحِبَكَ إِلَّا أَبْطَأَكَ، فَنَزَلَتْ: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾.

[راجع: ١١٢٤]

ہے کہ ایک عورت نے کہا: اللہ کے رسول! میں سمجھتی ہوں کہ آپ کے دوست نے آپ کے پاس آنے میں دیر لگا دی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''آپ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہی ہوا ہے۔''

فائدہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ چونکہ یہ مومن تھیں، اس لیے ان کا انداز گفتگو بھی مومنانہ تھا۔ انھوں نے آپ کو تسلی دینے کے لیے کہا تھا کہ آپ کے صاحب نے آپ کے پاس آنے میں دیر کر دی ہے، نیز پہلی حدیث میں ام جمیل نے یا محمد کہا تھا جبکہ اس حدیث میں ہے کہ انھوں نے یا رسول اللہ کہا۔ پہلی حدیث میں کافر عورت تھی جس نے جبرئیل علیہ السلام کو شیطان کے لفظ سے تعبیر کیا جبکہ اس حدیث میں ان کے لیے صاحب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بہرحال دونوں کا طرز کلام علیحدہ علیحدہ ہے۔[1]

(٩٤) سُورَةُ ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ﴾ — 94-تفسیر سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وِزْرَكَ﴾ [٢] فِي الْجَاهِلِيَّةِ. ﴿أَنقَضَ﴾ [٣]: أَثْقَلَ. ﴿مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ [٥، ٦]، قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: أَيْ: إِنَّ مَعَ ذٰلِكَ الْعُسْرِ يُسْرًا آخَرَ؛ كَقَوْلِهِ: ﴿هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ [التوبة: ٥٢] وَلَنْ يَغْلِبَ عُسْرٌ يُسْرَيْنِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿فَانصَبْ﴾ [٧] فِي حَاجَتِكَ إِلَى رَبِّكَ. وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾: شَرَحَ اللهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ.

امام مجاہد نے کہا: وِزْرَكَ سے مراد وہ امور ہیں جو (رسول اللہ ﷺ سے) زمانۂ جاہلیت میں صادر ہوئے۔ أَنْقَضَ کے معنی ہیں: بوجھل کر دیا۔ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا: ابن عیینہ نے کہا کہ مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے، یعنی ایک مصیبت کے ساتھ دو نعمتیں ملتی ہیں جیسا کہ اس آیت کریمہ: هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّا اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ میں مسلمانوں کے لیے دو اچھائیاں مراد ہیں، نیز یہ کہ ایک مصیبت دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی۔ امام مجاہد نے کہا ہے: فَانصَبْ کے معنی ہیں: اپنے رب سے اپنی حاجت طلب کرنے میں محنت کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔

[1] فتح الباري: 908/8.

وضاحت: فن بلاغت ومعانی کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی حکم معرف باللام مکرر آجائے تو دونوں کا مصداق ایک ہوتا ہے لیکن اگر نکرہ مکرر ہو تو اس صورت میں دونوں کا مصداق الگ الگ ہوتا ہے۔ اس سورت میں العُسر مکرر آیا ہے اور معرف باللام ہے، اس لیے دونوں جگہ ایک ہی مراد ہے لیکن یُسْرًا مکرر آیا ہے اور نکرہ ہے، اس لیے دونوں کا مصداق الگ الگ ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک ہی عسر کے ساتھ دو آسانیوں کا وعدہ ہے۔ امام ابن عیینہ ؒ کے ارشاد کے یہی معنی ہیں کہ ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہیں، نیز امام بخاری ؒ نے اس سورت کی تفسیر میں کسی مرفوع حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔

(٩٥) سُورَةُ ﴿وَالتِّينِ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 95- تفسیر سورۂ وَالتِّيْنِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: هُوَ التِّينُ وَالزَّيْتُونُ الَّذِي يَأْكُلُ النَّاسُ، يُقَالُ: ﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ﴾ [٧]: فَمَا الَّذِي يُكَذِّبُكَ بِأَنَّ النَّاسَ يُدَانُونَ بِأَعْمَالِهِمْ، كَأَنَّهُ قَالَ: وَمَنْ يَقْدِرُ عَلٰى تَكْذِيبِكَ بِالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ؟

امام مجاہد نے کہا: التِّينُ اور الزَّيْتُون سے مراد وہی مشہور میوے ہیں جو لوگ کھاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فَمَا يُكَذِّبُكَ کے معنی ہیں: پھر وہ کون سی چیز ہے (اے انسان!) جو تجھے اس بات کی تکذیب پر آمادہ کرتی ہے کہ لوگ اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے؟ گویا یوں کہا ہے: ثواب وعقاب کے متعلق آپ کی تکذیب کرنے کی کون قدرت رکھتا ہے؟

(١) [بَابٌ]:

باب: 1- بلاعنوان

٤٩٥٢ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَدِيٌّ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي سَفَرٍ فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ. ﴿تَقْوِيمٍ﴾ [٤]: اَلْخَلْقِ. [راجع: ٧٦٧]

[4952] حضرت براء ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک سفر میں تھے، آپ نے نماز عشاء کی ایک رکعت میں سورۂ والتین تلاوت فرمائی تھی۔ تقویم کے معنی ہیں: پیدائش اور بناوٹ۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے، حضرت براء بن عازب ؓ نے فرمایا: میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت آواز والا کوئی نہیں دیکھا۔[1] ② حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی دوسری رکعت میں سورۃ القدر کی تلاوت کی تھی۔[2]

---

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7546. 2 فتح الباري: 911/8.

(٩٦) سُورَةُ ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

96-تفسیر سورۂ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

وَقَالَ قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَتِيقٍ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: اُكْتُبْ فِي الْمُصْحَفِ فِي أَوَّلِ الْإِمَامِ: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، وَاجْعَلْ بَيْنَ السُّورَتَيْنِ خَطًّا. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿نَادِيَهُ﴾ [١٧]: عَشِيرَتَهُ. ﴿الزَّبَانِيَةَ﴾ [١٨]: اَلْمَلَائِكَةَ، وَقَالَ مَعْمَرٌ: ﴿الرُّجْعَىٰ﴾ [٨]: اَلْمَرْجِعُ. ﴿لَنَسْفَعًا﴾ [١٥]: لَنَأْخُذَنْ، وَلَنَسْفَعَنْ بِالنُّونِ وَهِيَ الْخَفِيفَةُ. سَفَعْتُ بِيَدِهِ: أَخَذْتُ.

امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے اندر فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو لیکن آگے دوسری سورتوں کے شروع میں (بسم اللہ کے ساتھ) ایک خط کھینچ دو (تاکہ سورتوں کے درمیان فاصلہ ہو جائے)۔ امام مجاہد نے کہا: نَادِيَهُ کے معنی ہیں: اپنا کنبہ اور قبیلہ۔ اَلزَّبَانِيَةَ سے مراد فرشتے ہیں۔ معمر نے کہا: اَلرُّجْعٰى سے مراد اَلْمَرْجِعُ ہے۔ اس کے معنی ہیں: لوٹنا۔ لَنَسْفَعًا کے معنی ہیں: ہم ضرور پکڑیں گے۔ اس میں نون خفیفہ ہے۔ سَفَعْتُ بِيَدِهٖ کے معنی ہیں: میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑا۔

(١) بَابٌ:

باب: 1- بلاعنوان

٤٩٥٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ. وَحَدَّثَنِي سَعِيدُ ابْنُ مَرْوَانَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رِزْمَةَ: أَخْبَرَنَا أَبُو صَالِحٍ سَلْمُوَيْهِ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ: أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: كَانَ أَوَّلَ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ فَكَانَ يَلْحَقُ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ - قَالَ: وَالتَّحَنُّثُ التَّعَبُّدُ - اللَّيَالِيَ

[4953] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کو نبوت سے پہلے سچے خواب دکھائے جاتے تھے، چنانچہ اس دور میں آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح بیداری میں نمودار ہو جاتا۔ پھر آپ کو تنہائی بھلی لگنے لگی، چنانچہ آپ غار حرا میں تنہا تشریف لے جاتے اور آپ وہاں تحنث، یعنی عبادت کرتے۔ آپ وہاں کئی کئی راتیں عبادت میں گزارتے، گھر واپس نہ آتے بلکہ اس کے لیے (اپنے گھر سے) توشہ لے جایا کرتے تھے۔ توشہ ختم ہو جاتا تو پھر سیدہ خدیجہ ؓ کے ہاں لوٹ کر تشریف لاتے اور اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے۔ اس دوران میں آپ غار ہی میں تھے کہ اچانک

ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهِ، وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ بِمِثْلِهَا، حَتَّى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ: اِقْرَأْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا أَنَا بِقَارِئٍ»، قَالَ: «فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اِقْرَأْ، قُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اِقْرَأْ، قُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: ﴿ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلَّذِى خَلَقَ ۝ خَلَقَ ٱلْإِنسَـٰنَ مِنْ عَلَقٍ ۝ ٱقْرَأْ وَرَبُّكَ ٱلْأَكْرَمُ ۝ ٱلَّذِى عَلَّمَ بِٱلْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ ٱلْإِنسَـٰنَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ اَلْآيَاتِ

آپ پر وحی نازل ہوئی، چنانچہ فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: پڑھیے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''پھر اس (فرشتے) نے مجھے پکڑ کر اس طرح بھینچا کہ میں بے طاقت ہو گیا۔ پھر مجھے چھوڑنے کے بعد کہا: پڑھیے! میں نے اس مرتبہ بھی یہی کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے دوسری مرتبہ پھر مجھے اسی طرح پکڑ کر بھینچا حتی کہ میں بے طاقت ہو گیا۔ پھر مجھے چھوڑنے کے بعد کہا: پڑھیے! میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری مرتبہ پھر مجھے اس طرح پکڑ کر بھینچا کہ میں بے طاقت ہو گیا، پھر مجھے چھوڑا اور کہا: ''پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیے، آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی۔ انسان کو ایسی چیزوں کی تعلیم دی جسے وہ نہیں جانتا تھا۔''

فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ، فَقَالَ: «زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي»، فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ، قَالَ لِخَدِيجَةَ: «أَيْ خَدِيجَةُ، مَا لِي؟ لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي»، فَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ، قَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا أَبْشِرْ، فَوَاللهِ لَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، فَوَاللهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلٍ - وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ أَخِي أَبِيهَا - وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ،

پھر رسول اللہ ﷺ ان پانچ آیات کو لے کر واپس گھر تشریف لائے اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کے کندھے اور گردن کا گوشت پھڑک رہا تھا۔ آپ نے خدیجہ ؓ کے پاس پہنچ کر فرمایا: ''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔'' چنانچہ انھوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی۔ جب آپ سے گھبراہٹ دور ہوئی تو آپ نے خدیجہ ؓ سے فرمایا: ''اے خدیجہ! مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔'' پھر آپ نے سارا واقعہ سنایا۔ حضرت خدیجہ ؓ نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہو گا! آپ کو خوشخبری ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، اللہ کی قسم! آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں؟ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ آپ کمزور و ناتواں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں، محروم

وَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعَرَبِيَّةِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَكْتُبَ، وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ، فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: يَا عَمِّ! اسمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ، قَالَ وَرَقَةُ: يَا ابْنَ أَخِي! مَاذَا تَرَى؟ فَأَخْبَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ خَبَرَ مَا رَأَى، فَقَالَ وَرَقَةُ: هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسٰى، لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا، لَيْتَنِي أَكُونُ حَيًّا - ذَكَرَ حَرْفًا - قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟» قَالَ وَرَقَةُ: نَعَمْ، لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ بِمَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا أُوذِيَ، وَ إِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ حَيًّا أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا، ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ فَتْرَةً حَتّٰى حَزِنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ.

لوگوں کو اشیاء مہیا کرتے ہیں، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں اور حق کے راستے میں پیش آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا اور آپ کے والد کے بھائی تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور وہ عربی لکھنا خوب جانتے تھے، جتنا اللہ کو منظور ہوتا انجیل مقدس کا عربی زبان میں ترجمہ لکھا کرتے تھے۔ وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: چچا! اپنے بھتیجے کا حال سنیں۔ ورقہ نے کہا: بھتیجے بتاؤ تم نے کیا دیکھا ہے؟ چنانچہ نبی ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا اسے بیان کر دیا۔ ورقہ کہنے لگے: یہ تو وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اتارا گیا تھا۔ کاش میں اس وقت جوان ہوتا! کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمھاری قوم تمھیں یہاں سے نکال دے گی! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واقعی یہ لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟'' ورقہ نے کہا: ہاں، آپ جو دعوت لے کر آئے ہیں اسے جو بھی لے کر آیا تو اسے اذیت ضرور دی گئی۔ اگر میں آپ کے زمانۂ نبوت تک زندہ رہا تو میں ضرور بھرپور طریقے سے آپ کی مدد کروں گا۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد ہی ورقہ کا انتقال ہو گیا اور کچھ دنوں تک وحی کا آنا بند ہو گیا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ غمگین رہنے لگے۔

فائدہ: یہ حدیث کتاب کے آغاز میں گزر چکی ہے، وہاں اس کے فوائد ملاحظہ کر لیے جائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر اسے اس لیے بیان کیا ہے کہ وحی اول کے متعلق بتایا جائے کہ وہ کن حالات میں نازل ہوئی تھی۔ اس پہلی وحی کا آغاز اللہ کے نام سے کیا گیا اور بتایا گیا کہ کائنات کی تخلیق کس نے کی؟ کیسے ہوئی؟ انسان کا اس کائنات میں کیا مقام ہے؟ یہ پہلی وحی تھی جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی، اس کے بعد کئی ماہ تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا، اسے فترت وحی کہا جاتا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے پتا چلتا ہے۔

٤٩٥٤ - قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ - وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ، قَالَ فِي حَدِيثِهِ -: «بَيْنَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِي، فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَفَرِقْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي»، فَدَثَّرُوهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ﴾ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: وَهِيَ الْأَوْثَانُ الَّتِي كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَعْبُدُونَ، قَالَ: ثُمَّ تَتَابَعَ الْوَحْيُ. [راجع: ٣]

[4954] حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے وحی کے رک جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''میں چل رہا تھا کہ اچانک آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ میں اس سے بہت خوفزدہ ہوا اور گھر واپس آکر کہا: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔'' چنانچہ گھر والوں نے آپ کو (یعنی مجھے) چادر اوڑھا دی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے! اٹھیں اور لوگوں کو ڈرائیں۔ اپنے رب کی عظمت و بڑائی بیان کریں۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں اور بتوں سے الگ رہیں۔'' ابوسلمہ نے کہا: الرجز سے مراد جاہلیت کے وہ بت ہیں جن کی لوگ پرستش کیا کرتے تھے۔ راوی نے بیان کیا کہ اس کے بعد مسلسل وحی آنے لگی۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں غار حرا میں ایک مدت کے لیے خلوت نشین تھا، جب میں وہ مدت پوری کر کے پہاڑ سے نیچے اترا تو مجھے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے اوپر کی طرف دیکھا تو مجھے کوئی چیز دکھائی نہیں دی، پھر بائیں طرف دیکھا تو ادھر بھی کوئی چیز دکھائی نہیں دی، سامنے دیکھا تو ادھر بھی کچھ نظر نہ آیا، پیچھے کی طرف دیکھا تو ادھر بھی کوئی چیز دکھائی نہیں دی، اب میں نے اپنا سر اوپر کی طرف اٹھایا تو وہاں مجھے ایک چیز دکھائی دی، اس کے بعد میں خدیجہ ؓ کے پاس آیا اور ان سے کہا: مجھے کپڑا اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو، چنانچہ انھوں نے مجھے کپڑا اوڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا، پھر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿يٰأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَأَنْذِرْ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ○﴾[1] ② فترت وحی کے بعد یہ پہلی وحی تھی جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ واللّٰہ أعلم.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِنْ عَلَقٍ﴾ [٢]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''انسان کو (اللہ تعالیٰ نے) جمے ہوئے خون سے پیدا کیا'' کا بیان

[1] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 409 (160).

٤٩٥٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ، فَجَاءَهُ الْمَلَكُ، فَقَالَ: ﴿ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلَّذِى خَلَقَ ○ خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِنْ عَلَقٍ ○ ٱقْرَأْ وَرَبُّكَ ٱلْأَكْرَمُ﴾ [١-٣]. [راجع: ٣]

[4955] حضرت عائشہ ﷞ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: شروع شروع میں رسول اللہ ﷺ کو سچے خواب دکھائے جانے لگے۔ پھر آپ کے پاس فرشتہ آیا اور آپ سے کہا: آپ پڑھیں اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیں، آپ کا رب بڑا کریم ہے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ﷫ نے اس حدیث کو انتہائی اختصار سے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر ﷫ فرماتے ہیں: میرے خیال کے مطابق امام بخاری ﷫ کے شیخ یحییٰ بن بکیر نے بھی آپ کو اس طرح بیان نہیں کیا ہوگا اور نہ انھوں نے اس قسم کا اختصار ہی کیا ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام بخاری ﷫ کا تصرف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ﷫ اس قسم کے اختصار کو جائز سمجھتے ہیں۔[1] ② بہر حال امام بخاری مذکورہ آیت کے متعلق بتانا چاہتے ہیں کہ وہ کس پس منظر میں نازل ہوئی تھی۔

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿ٱقْرَأْ وَرَبُّكَ ٱلْأَكْرَمُ﴾ [٣]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ پڑھیں، آپ کا رب بڑے کرم والا ہے'' کا بیان

وضاحت: پڑھنے کا دوبارہ حکم بطور تاکید کے ہے۔ اس آیت میں بڑے بلیغ انداز سے اس اعتذار کا بھی ازالہ کر دیا جو رسول اللہ ﷺ نے فرشتے کے سامنے پیش کیا تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں بہت کرم والا ہوں انسان کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا میرا خاص وصف ہے۔

٤٩٥٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ قَالَ: قَالَ مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ، جَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ: ﴿ٱقْرَأْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلَّذِى خَلَقَ ○ خَلَقَ ٱلْإِنسَٰنَ مِنْ عَلَقٍ ○ ٱقْرَأْ وَرَبُّكَ ٱلْأَكْرَمُ ○ ٱلَّذِى عَلَّمَ بِٱلْقَلَمِ﴾ [١-٤]. [راجع: ٣]

[4956] حضرت عائشہ ﷞ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔ آپ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا: ''پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیے، آپ کا رب بہت کریم ہے جس نے بذریعۂ قلم تعلیم دی۔''

---

1 فتح الباري: 923/8.

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ اکرم اس اعتبار سے ہے کہ اس نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی زندگی اور اس کی بقا کے لیے وہ تمام اسباب مہیا کر دیے جو اس کے لیے ضروری تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی انسان کی فطرت میں رکھ دیا۔ اسی اکرم کا نام لے کر آپ پڑھیں۔ ② اللہ تعالیٰ انسان کے لیے زندگی کے ہر پہلو کے اعتبار سے اکرم ہے۔ وہ اس اعتبار سے بھی اکرم ہے کہ اس نے انسان کو قلم کے استعمال کا طریقہ سکھایا، جس سے علم کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو سکتی ہے اور لکھی ہوئی چیز کسی عالم کی موت کے بعد برقرار رہتی ہے اور نسل در نسل آگے منتقل ہوتی چلی جاتی ہے۔

بَابٌ: ﴿ٱلَّذِى عَلَّمَ بِٱلْقَلَمِ﴾ [٤]

باب: (ارشاد باری تعالیٰ:) ”جس نے قلم کے ذریعے سے سکھایا“ کا بیان

٤٩٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى خَدِيجَةَ فَقَالَ: «زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي»، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ. [راجع: ٣]

[4957] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوٹ کر حضرت خدیجہ ؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ”مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔“ اس کے بعد پوری حدیث بیان کی۔

فائدہ: اس پوری حدیث میں وحی اول کے نزول کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے تعلیم دی۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو قلم اور کتابت کا طریقہ الہام نہ کرتا تو انسان کی علمی صلاحیتیں سمٹ کر انتہائی محدود رہ جاتیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عام دستور ہے لیکن حضرات انبیاء ؑ کا علم، اس قلم کا محتاج نہیں، اسی طرح انسان جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اس وقت بھی وہ لاعلم ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ قلم کے استعمال سے پہلے ہی اسے بہت سی باتیں سکھا دیتا ہے۔

﴿كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا ... كَٰذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ [١٥، ١٦]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ”خبردار! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) پیشانی کے بالوں سے (پکڑ کر) گھسیٹیں گے، وہ پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے“ کا بیان

وضاحت: اس سورت کی آیت: 6 سے آخر سورت تک چودہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ نے دار ارقم سے نکل کر بیت اللہ میں نماز ادا کرنا شروع کر دی تھی۔ ان آیات میں مخاطب کا نام نہیں لیا گیا مگر جو صفات بیان کی گئی ہیں، ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روئے سخن ابو جہل لعین کی طرف ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے پتا چلتا ہے۔

٤٩٥٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ أَبُو جَهْلٍ: لَئِنْ رَأَيْتُ مُحَمَّدًا يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ لَأَطَأَنَّ عَلَى عُنُقِهِ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «لَوْ فَعَلَهُ لَأَخَذَتْهُ الْمَلَائِكَةُ».

[4958] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ابوجہل (ملعون) نے کہا تھا: اگر میں نے محمد (ﷺ) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ لیا تو ضرور اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر اسے کچل دوں گا۔ نبی ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''اگر اس نے ایسا کیا ہوتا تو اسے فرشتے پکڑ لیتے۔''

تَابَعَهُ عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ.

عمرو بن خالد نے عبیداللہ سے روایت کرنے میں عبدالرزاق کی متابعت کی ہے، عبیداللہ نے اس حدیث کو عبدالکریم سے روایت کیا ہے۔

فائدہ: ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ کو کعبے میں نماز پڑھتے دیکھا تو برے ارادے سے آپ کی طرف بڑھا پھر اچانک پیچھے ہٹنے لگا۔ سردارانِ قریش نے جب اسے دیکھا تو انھوں نے پوچھا: ابوالحکم! کیا ہوا؟ وہ گھبرا کر کہنے لگا: میرے اور محمد (ﷺ) کے درمیان ایک خوفناک آگ حائل ہوگئی تھی۔ جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر وہ میرے پاس آتا تو فرشتے اس کا جوڑ جوڑ الگ کر دیتے۔''[1]

(٩٧) سُورَةُ ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 97- تفسیر سورۂ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ

يُقَالُ: اَلْمَطْلَعُ هُوَ الطُّلُوعُ، وَالْمَطْلِعُ: الْمَوْضِعُ الَّذِي يُطْلَعُ مِنْهُ. ﴿أَنزَلْنَٰهُ﴾: اَلْهَاءُ كِنَايَةٌ عَنِ الْقُرْآنِ. ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ﴾ خَرَجَ مَخْرَجَ الْجَمِيعِ، وَالْمُنْزِلُ هُوَ اللهُ تَعَالَى، وَالْعَرَبُ تُؤَكِّدُ فِعْلَ الرَّجُلِ الْوَاحِدِ فَتَجْعَلُهُ بِلَفْظِ الْجَمِيعِ لِيَكُونَ أَثْبَتَ وَأَوْكَدَ.

مَطْلَعْ (لام کے فتحہ کے ساتھ) یہ مصدر میمی بمعنی طلوع ہے۔ اور مطلِع (لام کے کسرہ کے ساتھ) ظرف مکان، یعنی وہ جگہ جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ اَنْزَلْنَاہُ میں ہا ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ میں صیغہ جمع کا ہے جبکہ نازل کرنے والا اللہ تعالیٰ ایک ہے، عرب لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ایک آدمی کے فعل کی تاکید کے لیے جمع کا صیغہ لاتے ہیں۔ اس سے تاکید و اثبات مقصود ہوتا ہے۔

وضاحت: اس سورت میں تصریح ہے کہ قرآن کریم لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ اس کے دو مفہوم ہیں: ○ قرآن مجید لوح

[1] مسند أحمد: 370/2.

محفوظ سے آسمان دنیا پر مکمل شب قدر میں نازل ہوا، پھر حسب ہدایت تھوڑا تھوڑا وہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام لاتے رہے۔
○ نزول قرآن اس رات میں چند آیات سے ہوگیا تھا باقی بعد میں نازل ہوتا رہا، نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث نقل نہیں کی ہے۔ بہرحال شب قدر کی فضیلت میں درج ذیل حدیث مناسب معلوم ہوتی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے شب قدر کا قیام کیا اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیتا ہے۔''[1]

(٩٨) سُورَةُ ﴿لَمْ يَكُنْ﴾ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 98-تفسیر سورۂ لَمْ يَكُنْ

﴿مُنفَكِّينَ﴾ [١]: زَائِلِينَ. ﴿قَيِّمَةٌ﴾ [٣]: اَلْقَائِمَةُ، ﴿دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ [٥]. أَضَافَ الدِّينَ إِلَى الْمُؤَنَّثِ.

مُنْفَكِّيْنَ کے معنی ہیں: جدا ہونے والے، باز رہنے والے۔ قَيِّمَةٌ کے معنی ہیں: قَائِمَةٌ، یعنی ٹھیک اور درست۔ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ اس میں دین کی اضافت مؤنث کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ دین مذکر ہے۔

وضاحت: القَيِّمه صفت ہے اور اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ الملة کا لفظ ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: ''یہ ملت قائمہ کا طریقہ ہے۔'' اصل عبارت یوں ہے۔ ذٰلك دين الملة القيمة.

(١) [بَابٌ]:

باب: 1- بلاعنوان

٤٩٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأُبَيٍّ: «إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾» قَالَ: وَسَمَّانِي؟ قَالَ: «نَعَمْ»، فَبَكَى. [راجع: ٣٨٠٩]

[4959] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں سورت لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پڑھ کر سناؤں۔'' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس پر وہ خوشی سے رونے لگے۔

1 صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، حديث: 2014.

(٢) [بَابٌ]:

باب:2- بلاعنوان

٤٩٦٠ - حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ حَسَّانَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأُبَيٍّ: «إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ»، قَالَ أُبَيٌّ: آللهُ سَمَّانِي لَكَ؟ قَالَ: «اَللهُ سَمَّاكَ»، فَجَعَلَ أُبَيٌّ يَبْكِي.

[4960] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب ؓ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں قرآن پڑھ کر سناؤں۔'' حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمھارا مجھ سے نام لیا تھا۔'' حضرت ابی بن کعب یہ سن کر رونے لگے۔

قَالَ قَتَادَةُ: فَأُنْبِئْتُ أَنَّهُ قَرَأَ عَلَيْهِ: ﴿لَمْ يَكُنِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ﴾. [راجع: ٣٨٠٩]

قتادہ نے بیان کیا: مجھے خبر دی گئی کہ آپ ﷺ نے انھیں لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ پڑھ کر سنائی تھی۔

(٣) [بَابٌ]:

باب:3- بلاعنوان

٤٩٦١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي دَاوُدَ أَبُو جَعْفَرٍ الْمُنَادِي: حَدَّثَنَا رَوْحٌ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ قَالَ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: «إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أُقْرِئَكَ الْقُرْآنَ»، قَالَ: آللهُ سَمَّانِي لَكَ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ. [راجع: ٣٨٠٩]

[4961] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے حضرت ابی بن کعب ؓ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں قرآن پاک پڑھ کر سناؤں۔'' انھوں نے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' حضرت ابی بن کعب ؓ نے پھر عرض کی: میرا ذکر رب العالمین کی بارگاہ میں ہوا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس پر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابی بن کعب ؓ قرآن کریم کے حافظ اور بہترین قاری تھے، اس بنا پر وہ رب العالمین کے ہاں اتنے مقبول ہوئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا کہ وہ آپ کو قرآن سنائیں، اس سے ان کی خوش قسمتی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ② اس بات کا احتمال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہو کہ اپنی امت میں سے کسی صحابی کو

قرآن سنائیں، کسی کے نام صراحت نہ ہو، اس لیے حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا تھا؟ جب انھیں رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہو گیا کہ اللہ رب العزت نے ان کا نام لیا تھا تو مارے خوشی کے رونے لگے کہ مالک کائنات نے اس بندۂ عاجز کو شرف بخشا ہے۔③ بعض اہل علم سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا یہ رونا خوف کی بنا پر تھا کہ اس ناچیز پر غیر معمولی عنایات و نوازشات کا شکر مجھ سے ادا نہ ہو سکے گا۔ ہمارے رجحان کے مطابق پہلے معنی زیادہ وزنی اور قرین قیاس ہیں۔ والله أعلم.

(٩٩) سُورَةُ ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 99- تفسیر سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ

(١) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ [٧]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”چنانچہ جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا“ کا بیان

يُقَالُ: ﴿أَوْحَى لَهَا﴾ [٥]، أَوْحَى إِلَيْهَا، وَوَحَى لَهَا، وَوَحَى إِلَيْهَا وَاحِدٌ.

اَوْحیٰ لَهَا کے معنی ہیں: اَوْحیٰ اِلَيْهَا ”اس کی طرف وحی کی گئی۔“ وَحیٰ لَهَا اور وَحیٰ اِلَيْهَا سب کے معنی ایک ہیں۔ اس کے معنی اشارہ کرنا، وحی بھیجنا ہیں۔

وضاحت: اس سے پہلے آیت کریمہ میں ہے کہ اس دن لوگ متفرق ہو کر واپس لوٹیں گے تا کہ انھیں ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ اس دن اعمال دکھانے کی دو صورتیں ہوں گی: * ان کے اعمال کی فلم دکھا دی جائے گی تا کہ کسی کو شک و شبہ نہ رہے جس طرح ٹریفک پولیس حد سے زیادہ تیز گاڑیاں چلانے والے کو فلم دکھاتے ہیں۔ * ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا تا کہ وہ خود اپنے اعمال نامے کو پڑھ لے اور اس کی دیکھ بھال کر لے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہوگی، یہ ممکن نہ ہوگا کہ کسی شخص نے کوئی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی ہو لیکن وہ اعمال نامے میں درج نہ ہو سکی ہو۔ اسی طرح جس شخص نے چھوٹے سے چھوٹا کوئی گناہ کیا ہو گا وہ اسے اپنے اعمال نامے میں دیکھ لے گا۔

٤٩٦٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اَلْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ: لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ، فَأَمَّا

[4962] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”گھوڑا تین طرح کے لوگ پالتے ہیں: ایک شخص کے لیے باعث اجر و ثواب ہے، دوسرے کے لیے باعث پردہ ہے اور تیسرے کے لیے وبال جان ہے۔ جس شخص کے لیے وہ باعث اجر و ثواب ہے، وہ ہے

الَّذِي لَهُ أَجْرٌ: فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ، فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ فِي الْمَرْجِ وَالرَّوْضَةِ كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَسْقِيَ بِهِ كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ، فَهِيَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا، وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ، وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَنِوَاءً فَهِيَ عَلَى ذٰلِكَ وِزْرٌ». فَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ، قَالَ: «مَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ○ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾». [راجع: ۲۳۷۱]

جس نے اسے اللہ کی راہ میں جہاد کی نیت سے باندھا ہے۔ وہ چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی کو دراز کر دیتا ہے، جس قدر وہ چراگاہ یا باغ میں چارا کھائے گا وہ اس کے لیے نیکیاں ہوں گی۔ اور اگر اس کی رسی ٹوٹ جائے اور وہ ایک یا دو بلندیاں (ٹیلے) دوڑ جائے تو اس کے نشانات قدم اور اس کی لید بھی مالک کے لیے ثواب بن جاتی ہے۔ اور اگر وہ کسی نہر کے پاس سے گزرے اور اس سے پانی پیے، حالانکہ اس کا پانی پلانے کا ارادہ نہیں تھا، یہ بھی اس کی نیکیاں ہوں گی۔ یہ گھوڑا اس کے لیے باعث اجر و ثواب ہے۔ اور جس شخص نے مالداری اور لوگوں سے سوال کرنے سے بچاؤ کے لیے اسے باندھا اور اس گھوڑے کی گردن پر جو اللہ کا حق ہے اور اس کی پیٹھ کا جو حق ہے اسے بھی وہ ادا کرتا رہا تو یہ گھوڑا اس کے لیے بچاؤ کی صورت ہوگا۔ اور جس نے یہ گھوڑا فخر و ریا اور مسلمانوں کی دشمنی کے لیے پالا اور باندھا تو وہ اس کے لیے گناہ کا باعث ہے۔'' رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کوئی آیت نازل نہیں کی، ہاں ایک اکیلی اور جامع آیت ضرور نازل ہوئی ہے: ''چنانچہ جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''

فوائد و مسائل: ① پہلا شخص جس نے فی سبیل اللہ کی نیت سے پالا وہ گھوڑا باعث اجر و ثواب ہے اور جس نے اپنی ضروریات کے لیے گھوڑا رکھا لیکن فخر اور ریاکاری مقصود نہیں وہ قابل معافی ہے اور جس نے محض نمود و نمائش، دکھلاوے اور فخر و غرور کے لیے گھوڑا رکھا وہ باعث عذاب اور وبال جان ہے۔ آج کل دیگر تمام سواریاں بھی اسی ذیل میں آ کر باعث ثواب یا موجب عذاب بن سکتی ہیں۔ ② سواری کی گردن میں اللہ کا حق یہ ہے کہ اگر وہ تجارتی کام میں استعمال ہوتی ہے تو اس کی زکاۃ ادا کی جائے اور پشت کا حق یہ ہے کہ کسی تھکے ماندے مسافر کو ساتھ بٹھا لیا جائے یا کسی کو بوقت ضرورت عاریتاً دے دی جائے۔

(٢) بَابٌ: ﴿وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ [٨]

باب:2- ارشاد باری تعالیٰ: ''جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا'' کا بیان

٤٩٦٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ فَقَالَ: «لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيهَا شَيْءٌ إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةُ الْجَامِعَةُ الْفَاذَّةُ ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ○ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾». [راجع: ٢٣٧١]

[4963] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے گدھوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس اکیلی اور جامع آیت کے سوا مجھ پر اور کوئی خاص حکم ان کے متعلق نازل نہیں ہوا، وہ آیت یہ ہے: جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''

فائدہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گدھے نیک نیتی سے پالے گا تو اسے ثواب ملے گا اور اگر بدنیتی سے پالے گا تو اسے عذاب ہوگا، بہرحال قیامت کے دن چھوٹی سے چھوٹی نیکی یا برائی انسان کے سامنے آجائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قیامت کے دن ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو کو درمیان میں لا رکھیں گے، پھر کسی پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا، ہم اسے لا حاضر کریں گے اور ہم حساب لینے کے لیے کافی ہیں۔''[1]

(١٠٠) سُورَةُ ﴿وَالْعَادِيَاتِ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ 100- تفسیر سورۂ وَالْعٰدِیٰتِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْكَنُودُ: اَلْكَفُورُ، يُقَالُ: ﴿فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا﴾ [٤]: رَفَعْنَ بِهِ غُبَارًا. ﴿لِحُبِّ الْخَيْرِ﴾ [٨]: مِنْ أَجْلِ حُبِّ الْخَيْرِ. ﴿لَشَدِيدٌ﴾: لَبَخِيلٌ؛ وَيُقَالُ لِلْبَخِيلِ: شَدِيدٌ. ﴿حُصِّلَ﴾ [١٠]: مُيِّزَ.

امام مجاہد نے کہا: اَلْكَنُودُ کے معنی ہیں: ناشکرا آدمی۔ فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا: صبح کے وقت گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ لِحُبِّ الْخَيْرِ کے معنی ہیں: مال کی محبت کی وجہ سے۔ لَشَدِيدٌ کے معنی ہیں: بخیل۔ اور بخیل کو شدید کہا جاتا ہے۔ حُصِّلَ کے معنی ہیں: جدا کر دیا جائے گا، یعنی جو کچھ سینوں میں ہوگا

---

[1] الأنبياء 47:21.

اسے ظاہر کر دیا جائے گا۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس سورت کی تفسیر میں کسی مرفوع حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ اس سورت میں ہے کہ انسان مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل حدیث مناسب معلوم ہوتی ہے: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ نے اسے مسجد کے صحن میں پھیلا دیا۔ حضرت عباس ؓ نے مال کا مطالبہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جتنا چاہو لے لو۔'' انھوں نے اتنا مال اپنے کپڑے میں ڈال لیا جسے وہ خود نہ اٹھا سکے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: آپ کسی کو حکم دیں کہ وہ مجھے تھوڑا سا آسرا کر دے۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' انھوں نے مجبوراً تھوڑے سے درہم نکالے، پھر اس مال کو اپنے کندھے پر لاد کر چل دیے۔ رسول اللہ ﷺ انھیں اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ آپ نے حضرت عباس ؓ کی حرص پر بہت تعجب کیا۔[1]

(۱۰۱) سُورَةُ ﴿ٱلْقَارِعَةُ﴾ بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ 101- تفسیر سورۃ القَارِعَةُ

﴿كَالْفَرَاشِ ٱلْمَبْثُوثِ﴾ [٤]: كَغَوْغَاءِ الْجَرَادِ يَرْكَبُ بَعْضُهُ بَعْضًا، كَذٰلِكَ النَّاسُ يَجُولُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ. ﴿كَالْعِهْنِ﴾ [٨]: كَأَلْوَانِ الْعِهْنِ، وَقَرَأَ عَبْدُ اللهِ: (كَالصُّوفِ).

كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ کے معنی ہیں: وہ پریشان ٹڈی دل کی طرح ہوں گے۔ جس طرح وہ ایسی حالت میں ایک دوسرے پر چڑھ جاتے ہیں اسی طرح انسان بھی پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے پر گر رہے ہوں گے۔ كَالْعِهْنِ: (پہاڑ) رنگی ہوئی اون کی طرح ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اسے كَالصُّوفِ پڑھا ہے، یعنی پہاڑ دُھنی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھریں گے۔

وضاحت: اس سورت کی تفسیر میں امام بخاری ؒ نے کوئی حدیث پیش نہیں کی۔ حافظ ابن حجر ؒ نے بھی کوئی اشارہ نہیں دیا، تاہم درج ذیل حدیث مناسب معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، زبان پر بہت ہلکے ہیں لیکن ترازو میں بہت وزنی ہوں گے: وہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ ہیں۔''[2]

---

1 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 421. 2 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7563.

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَلتَّكَاثُرُ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: اَلتَّكَاثُرُ سے مراد مال اور اولاد کا زیادہ ہونا ہے۔

وضاحت: اس سورت کی تفسیر میں امام بخاری ؒ نے کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی، البتہ درج ذیل حدیث اس کے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر ابن آدم کے لیے پوری ایک وادی سونے سے بھری ہوئی ہو تو وہ پسند کرے گا کہ مجھے اس طرح کی دو وادیاں اور مل جائیں، اس کے منہ کو تو مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے رجوع فرما لیتا ہے۔'' حضرت ابی بن کعب ؓ کہتے ہیں: ہم ان الفاظ کو قرآن کی آیات سمجھتے تھے حتی کہ اَلْهَاكُمُ التَّكَاثُر سورت نازل ہوئی۔[1]

وَقَالَ يَحْيَى: اَلْعَصْرُ: اَلدَّهْرُ، أَقْسَمَ بِهِ.

حضرت یحییٰ بن زیاد فرماتے ہیں: العصر سے مراد زمانہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث پیش نہیں کی۔ مجھے بھی تا حال اس کے مناسب کوئی مرفوع حدیث نہیں مل سکی۔ حافظ ابن حجر ؒ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے، اس پر میرا دل مطمئن نہیں ہے۔ واللہ المستعان.

(١٠٤) سُورَةُ ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ﴾ بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَـٰنِ ٱلرَّحِيمِ 104- تفسیر سورۂ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ

﴿ٱلْحُطَمَةِ﴾ [٤]: اِسْمُ النَّارِ، مِثْلُ ﴿سَقَرَ﴾ [القمر: ٤٨]، ﴿لَظَىٰ﴾ [المعارج: ١٥]

اَلْحُطَمَةِ دوزخ کا ایک نام ہے، جیسے سقر اور لَظٰی اس کے نام ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6439، 6440.

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی، البتہ حافظ ابن حجر ؒ نے صحیح ابن حبان کے حوالے سے ایک حدیث ذکر کی ہے۔ حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو یوں تلاوت کیا تھا: ﴿يَحْسَبُ اَنَّ مَا لَهٗ أَخلَدَهٗ﴾ یعنی سین کے فتحہ کے ساتھ پڑھا تھا۔[1]

(١٠٥) سُورَةُ ﴿أَلَمْ تَرَ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ 105- تفسیر سورۂ اَلَمْ تَرَ

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أَلَمْ تَرَ﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ. قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أَبَابِيلَ﴾ [٣]: مُتَتَابِعَةً، مُجْتَمِعَةً. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿مِن سِجِّيلٍ﴾ [٤]: هِيَ سَنْكِ وَكِلْ.

امام مجاہد نے فرمایا: اَلَمْ تَرَ کے معنی ہیں: اَلَمْ تَعْلَمْ، یعنی کیا آپ کو معلوم نہیں ہے، نیز انھوں نے فرمایا: اَبَابِيلَ: مسلسل آنے والے جھنڈ کے جھنڈ پرندے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: مِنْ سِجِّيلٍ سے مراد سنگ وگل ہے، یعنی پتھر اور مٹی سے بنی ہوئی کنکریاں۔

وضاحت: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے وہ تاریخی واقعہ بیان کیا ہے جو یمن کے بادشاہ ابرہہ سے متعلق ہے۔ اللہ کا یہ دشمن بیت اللہ کو مسمار کرنے کے لیے ہاتھیوں سمیت بہت لاؤ لشکر لے کر آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا تباہ و برباد کیا جو قیامت تک کے لیے نشان عبرت ثابت ہوا۔ امام بخاری ؒ نے اس سورت کی تفسیر میں بھی کوئی مرفوع حدیث پیش نہیں فرمائی، البتہ درج ذیل حدیث اس کے مناسب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مکے سے ہاتھی والوں کو روکا اور اب اس پر اپنے رسول اور اہل ایمان کو اختیار دیا ہے۔“[2] بعض روایات میں ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مکے سے قتل و غارت کو روکا ہے......“[3]

(١٠٦) سُورَةُ ﴿لِإِيلَٰفِ﴾ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ 106- تفسیر سورۂ لِاِيْلٰفِ

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿لِإِيلَٰفِ﴾: أَلِفُوا ذٰلِكَ فَلَا يَشُقُّ عَلَيْهِمْ فِي الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ. ﴿وَءَامَنَهُم﴾

امام مجاہد نے کہا: لِاِيْلٰفِ کا مطلب ہے کہ ان (قریش) کا دل سفر میں لگا دیا تھا۔ گرمی یا سردی کسی بھی موسم میں ان

---

1 فتح الباري: 933/8، وصحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان: 240/14. 2 صحيح البخاري، الديات، حديث: 6880.

3 صحيح البخاري، اللقطة، حديث: 2434.

[٤]: مِنْ كُلِّ عَدُوِّهِمْ فِي حَرَمِهِمْ.

کے لیے سفر کرنا دشوار نہیں ہوتا تھا۔ وَأَمَنَهُمْ: ان کو حرم میں جگہ دے کر انھیں دشمنوں سے بھی بے فکر کر دیا تھا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کی تفسیر میں کسی مرفوع حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مجھے اس کے متعلق کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں مل سکی۔[1]

(١٠٧) سُورَةُ ﴿أَرَءَيْتَ﴾ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ 107- تفسیر سورۂ أَرَءَيْتَ

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: ﴿لِإِيلَٰفِ﴾: لِنِعْمَتِي عَلَى قُرَيْشٍ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿يَدُعُّ﴾ [٢]: يَدْفَعُ عَنْ حَقِّهِ؛ يُقَالُ: هُوَ مِنْ دَعَعْتُ؛ ﴿يُدَعُّونَ﴾ [الطور: ١٣]: يُدْفَعُونَ. ﴿سَاهُونَ﴾ [٥]: لَاهُونَ. وَ﴿ٱلْمَاعُونَ﴾ [٧]: اَلْمَعْرُوفَ كُلُّهُ. وَقَالَ بَعْضُ الْعَرَبِ: اَلْمَاعُونُ: اَلْمَاءُ. وَقَالَ عِكْرِمَةُ: أَعْلَاهَا الزَّكَاةُ الْمَفْرُوضَةُ، وَأَدْنَاهَا عَارِيَةُ الْمَتَاعِ.

ابن عیینہ نے کہا: لِإِيلَٰفِ کے معنی ہیں: قریش پر میرے احسان کی وجہ سے۔ امام مجاہد نے کہا: يَدُعُّ کے معنی ہیں: کسی کو حق لینے سے روکتا ہے۔ يَدُعُّ کا لفظ دَعَعْتُ سے ماخوذ ہے۔ يُدَعُّوْنَ بھی اسی سے ہے جس کے معنی ہیں: دھکے دینا۔ سَاهُوْنَ کے معنی ہیں: لَاهُونَ، یعنی غافل اور بے خبر۔ الْمَاعُوْنَ: ہر اچھے کام کو ماعون کہتے ہیں۔ بعض عرب ماعون، پانی کو کہتے ہیں۔ حضرت عکرمہ نے کہا: ماعون کی اعلیٰ قسم فرض زکاۃ ہے اور ادنیٰ قسم اشیائے خانہ کسی کو عاریتاً دینا ہے۔

وضاحت: ماعون کے اصل معنی قلیل چیز کے ہیں جو اخلاق و مروت کے طور پر عاریتاً ایک دوسرے کو دی جاتی ہیں اور جن کا آپس میں لین دین انسانیت کا تقاضا خیال کیا جاتا ہے۔ والله أعلم. امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کی تفسیر میں کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی۔ درج ذیل حدیث کو اس کی تفسیر میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں الماعون سے مراد ایسی چیز لیتے تھے جو عاریتاً کسی کو استعمال کے لیے دی جائیں، مثلاً: ڈول اور ہنڈیا وغیرہ۔ بہرحال کھلے دل سے عام چیزیں کسی کو عاریتاً دے دینا عمدہ اخلاق کی دلیل ہے مگر اس میں یہ نہیں کہ کوئی مانگے تانگے ہی سے گزر بسر شروع کر دے۔ یہ سوچ اور عمل انتہائی پست ذہن کی علامت ہے۔ ہاں اگر ضرورت پڑے تو عاریتاً کوئی چیز کسی سے لینا کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسے استعمال کرنے کے بعد واپس کرنا بھی اخلاقی فرض ہے۔ والله أعلم.

---

① فتح الباري: 933/8.

(١٠٨) سُورَةُ ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَاكَ ٱلْكَوْثَرَ﴾

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

108- تفسیر سورۂ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿شَانِئَكَ﴾: عَدُوَّكَ.

ابن عباس ﷺ نے کہا: شَانِئَكَ سے مراد رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے۔

وضاحت: اس سے مراد عاص بن وائل، ابوجہل یا عتبہ ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق قیامت تک ہونے والے تمام دشمنان رسول مراد ہیں، جو ہمیشہ انجام کے لحاظ سے خائب وخاسر اور نامراد رہے ہیں۔

(١) [بَابٌ]

باب: 1- بلاعنوان

٤٩٦٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا عُرِجَ بِالنَّبِيِّ ﷺ إِلَى السَّمَاءِ قَالَ: «أَتَيْتُ عَلَى نَهْرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ مُجَوَّفٌ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰذَا الْكَوْثَرُ». [راجع: ٣٥٧٠]

[4964] حضرت انس ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کو جب معراج ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''میں ایک نہر کے کنارے پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر خولدار موتیوں کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ نہر کیسی ہے؟ انھوں نے بتایا: یہ کوثر ہے (جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے)۔''

٤٩٦٥ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ الْكَاهِلِيُّ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَ: سَأَلْتُهَا عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَاكَ ٱلْكَوْثَرَ﴾ قَالَتْ: هُوَ نَهَرٌ أُعْطِيَهُ نَبِيُّكُمْ ﷺ، شَاطِئَاهُ عَلَيْهِ دُرٌّ مُجَوَّفٌ، آنِيَتُهُ كَعَدَدِ النُّجُومِ.

[4965] حضرت ابوعبیدہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عائشہ ﷺ سے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ ایک نہر ہے جو تمھارے نبی ﷺ کو عطا کی گئی ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر خولدار موتیوں کے خیمے ہیں۔ اس کے آبخورے ستاروں کی طرح ان گنت ہیں۔

رَوَاهُ زَكَرِيَّا وَأَبُو الْأَحْوَصِ وَمُطَرِّفٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ.

اس حدیث کو زکریا، ابوالاحوص اور مطرف نے ابواسحاق سے بیان کیا ہے۔

٤٩٦٦ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ،

[4966] حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے، انھوں نے کوثر کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد خیر کثیر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ فِي الْكَوْثَرِ: هُوَ الْخَيْرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ.

ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی ہے۔

قَالَ أَبُو بِشْرٍ: قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ: فَإِنَّ النَّاسَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ؟ فَقَالَ سَعِيدٌ: اَلنَّهْرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ. [انظر: ٦٥٧٨]

(راویٔ حدیث) ابو بشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا: لوگوں کا تو خیال ہے کہ اس سے جنت کی ایک نہر مراد ہے؟ سعید بن جبیر نے جواب دیا کہ جنت کی نہر بھی اس خیر کثیر سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دی ہے۔

فائدہ: کوثر، لغوی اعتبار سے کثرت سے ہے۔ اس سے مراد خیر کثیر ہے جیسا کہ آگے حضرت ابن عباس ؓ نے بیان کیا ہے۔ اس میں ایسا عموم ہے جس میں دوسرے معانی بھی آجاتے ہیں جیسا کہ جنت میں نہر کوثر بھی اس خیر کثیر کا حصہ ہے، اسی طرح حدیث میں حوض کوثر کو بھی اس کا مصداق بتایا گیا ہے۔ اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے اس کا پانی پئیں گے۔[1] اس حوض میں پانی اس جنت والی نہر سے آرہا ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات، آپ کے مقام کی رفعت و بلندی اور آپ کا ذکر دوام بھی خیر کثیر میں آجاتا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠٩) سُورَةُ ﴿قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلْكَـٰفِرُونَ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

109- تفسیر سورۃ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ

يُقَالُ: ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ﴾ [٦]: اَلْكُفْرُ. ﴿وَلِيَ دِينِ﴾: اَلْإِسْلَامُ. وَلَمْ يَقُلْ: دِينِي، لِأَنَّ الْآيَاتِ بِالنُّونِ فَحُذِفَتِ الْيَاءُ كَمَا قَالَ: ﴿يَهْدِينِ﴾ وَ﴿يَشْفِينِ﴾ [الشعراء: ٧٨ و٨٠]. وَقَالَ غَيْرُهُ: ﴿لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ [٢] اَلْآنَ وَلَا أُجِيبُكُمْ فِيمَا بَقِيَ مِنْ عُمُرِي ﴿وَلَآ أَنتُمْ عَـٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ﴾ [٣، ٥] وَهُمُ الَّذِينَ قَالَ: ﴿وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَـٰنًا وَكُفْرًا﴾ [المائدة: ٦٤].

کہا گیا ہے: لَکُمْ دِیْنُکُمْ سے مراد کفر ہے۔ وَلِیَ دِیْنِ سے مراد اسلام ہے۔ اس مقام پر دِینِي نہیں کہا گیا بلکہ دین کہا گیا ہے کیونکہ دیگر آیات کا اختتام نون پر ہوا ہے، اس لیے آخر سے یا کو حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ یَھْدِیْنِ اور یَشْفِیْنِ میں ہے۔ دوسرے اہل علم نے کہا ہے: لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ...... اب نہ تو میں تمھارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ تمھارا دین اپنی باقی زندگی میں قبول کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے۔ اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے اترا ہے وہ ان میں

[1] صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6579.

سے اکثریت کو طغیانی اور انکار میں اور زیادہ کرے گا۔“

وضاحت: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں فیصلہ کر دیا ہے جو صرف کفار مکہ ہی کو نہیں بلکہ دنیا بھر کے کافروں اور نام نہاد مسلمانوں کو واضح الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ مشرکین کو ان کے معبود مبارک ہوں، مسلمان انھیں کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتے۔ بہرحال شرک کے معاملے میں اسلام نے کسی قسم کی رواداری برداشت نہیں کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سورت کی تفسیر میں بھی کوئی مرفوع حدیث ذکر نہیں کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے درج ذیل حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کی دو رکعتوں میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی تھیں۔[1] اگرچہ علامہ اسماعیلی نے اس پر اعتراض کیا ہے۔[2]

(١١٠) سُورَةُ ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ ٱللَّهِ﴾

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

110- تفسیر سورۂ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ

(١) [بَابٌ]:

٤٩٦٧ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاةً بَعْدَ أَنْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ ٱللَّهِ وَٱلْفَتْحُ﴾ إِلَّا يَقُولُ فِيهَا: «سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي». [راجع: ٧٩٤]

باب: 1- بلا عنوان

[4967] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: سورۂ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں آپ یہ دعا نہ پڑھتے ہوں: ”تیری ذات پاک ہے، اے ہمارے رب! اور تیرے ہی لیے تعریف ہے۔ اے اللہ! میری مغفرت فرما دے۔“

(٢) [بَابٌ]:

٤٩٦٨ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ

باب: 2- بلا عنوان

[4968] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع اور سجدوں میں بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ”پاک ہے تیری ذات اے اللہ! اے ہمارے رب! اور تیرے ہی لیے تعریف ہے۔ اے اللہ!

1 صحیح مسلم، الحج، حدیث: 2950 (1218). 2 فتح الباري: 8/937.

وَسُجُودِهِ: «سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي»، يَتَأَوَّلُ الْقُرْآنَ. [راجع: ٧٩٤]

میری مغفرت فرما دے۔'' اس طرح آپ قرآن کے حکم پر عمل کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① قرآن کریم میں یہ حکم ہے: ''آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے بخشش طلب کریں، یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔''[1] اس آیت میں آپ کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے پروردگار کے اتنے بڑے احسانات کے شکریے کے طور پر اب پہلے سے زیادہ اللہ کی تسبیح وتحمید کریں اور آپ کی زندگی میں دین کی سربلندی کے لیے کوئی لغزش ہوگئی ہو تو اس کے لیے استغفار کریں۔ ② رسول اللہ ﷺ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے مذکورہ دعا کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ [٢]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور جب آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق آتا دیکھ لیں'' کا بیان

وضاحت: جب یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابۂ کرام ﷢ سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ پر اب آخری وقت آ گیا ہے، اس لیے آپ کو تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٤٩٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَأَلَهُمْ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ قَالُوا: فَتْحُ الْمَدَائِنِ وَالْقُصُورِ. قَالَ: مَا تَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ؟ قَالَ: أَجَلٌ أَوْ مَثَلٌ ضُرِبَ لِمُحَمَّدٍ ﷺ، نُعِيَتْ لَهُ نَفْسُهُ. [راجع: ٣٦٢٧]

[4969] حضرت ابن عباس ﷠ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ﷜ نے ان (بوڑھے بدری صحابہ) سے سوال کیا کہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس میں شہروں اور ملکوں کے فتح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عمر ﷜ نے فرمایا: اے ابن عباس! تمھارا کیا خیال ہے؟ حضرت ابن عباس ﷠ نے جواب دیا: اس میں محمد ﷺ کی وفات کی خبر یا ایک مثال ہے، گویا آپ کو آپ کی وفات کے متعلق آگاہ کیا گیا ہے۔

(٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ [٣]

باب: 4- ارشاد باری تعالیٰ: ''(اے نبی!) آپ اپنے رب کی حمد وثنا بیان کیا کریں اور اس سے بخشش طلب کریں یقیناً وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے'' کا بیان

[1] النصر 110:3.

تَوَّابٌ عَلَى الْعِبَادِ. وَالتَّوَّابُ مِنَ النَّاسِ: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ.

تواب کے معنی ہیں: بندوں کی توبہ قبول کرنے والا۔ اور انسانوں میں تواب اسے کہتے ہیں جو گناہوں سے توبہ کرے۔

٤٩٧٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ عُمَرُ يُدْخِلُنِي مَعَ أَشْيَاخِ بَدْرٍ فَكَأَنَّ بَعْضَهُمْ وَجَدَ فِي نَفْسِهِ فَقَالَ: لِمَ تُدْخِلُ هٰذَا مَعَنَا وَلَنَا أَبْنَاءٌ مِثْلُهُ؟ فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّهُ مِنْ حَيْثُ عَلِمْتُمْ، فَدَعَا ذَاتَ يَوْمٍ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُمْ، فَمَا رُئِيتُ أَنَّهُ دَعَانِي يَوْمَئِذٍ إِلَّا لِيُرِيَهُمْ، قَالَ: مَا تَقُولُونَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ ٱللَّهِ وَٱلْفَتْحُ﴾؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: أُمِرْنَا نَحْمَدُ اللهَ وَنَسْتَغْفِرُهُ إِذَا نُصِرْنَا وَفُتِحَ عَلَيْنَا، وَسَكَتَ بَعْضُهُمْ فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، فَقَالَ لِي: أَكَذَاكَ تَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ؟ فَقُلْتُ: لَا، قَالَ: فَمَا تَقُولُ؟ قُلْتُ: هُوَ أَجَلُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَعْلَمَهُ لَهُ، قَالَ: ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ ٱللَّهِ وَٱلْفَتْحُ﴾ وَذٰلِكَ عَلَامَةُ أَجَلِكَ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَٱسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُۥ كَانَ تَوَّابًۢا﴾ فَقَالَ عُمَرُ: مَا أَعْلَمُ مِنْهَا إِلَّا مَا تَقُولُ. [راجع: ٣٦٢٧]

[4970] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے عمر رسیدہ بدری صحابہ کے ساتھ مجلس میں بٹھاتے تھے۔ کچھ حضرات کو اس پر اعتراض ہوا۔ انھوں نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے) کہا: آپ انھیں مجلس میں ہمارے ساتھ کیوں بٹھاتے ہیں جبکہ اس جیسے ہمارے بچے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلاشبہ تم اس کی حیثیت و مرتبہ جانتے ہو۔ پھر انھوں نے ایک دن مجھے بلایا اور ان (عمر رسیدہ بدری صحابہ) کے ساتھ بٹھایا۔ میں سمجھ گیا کہ آج مجھے آپ نے انھیں دکھانے کے لیے بٹھایا ہے، پھر ان سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ...... کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ ان میں سے کچھ نے کہا: جب ہمیں مدد اور فتح حاصل ہو تو ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ کی حمد و ثنا کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں جبکہ کچھ حضرات خاموش رہے اور انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: اے ابن عباس! کیا تم بھی اسی طرح کہتے ہو؟ میں نے کہا: نہیں۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: پھر تمھاری اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کی: اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہی چیز بتائی ہے اور فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کی مدد آپہنچے اور فتح آ جائے۔'' یہ آپ کی وفات کی علامت ہے ''اس لیے آپ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے بخشش طلب کریں۔ یقیناً وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

فرمایا: میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم نے کہا ہے۔

فوائدومسائل: ① حضرت عبیداللہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تجھے معلوم ہے کہ آخری آخری مکمل سورت کون سی نازل ہوئی تھی؟ میں نے کہا: ہاں ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ......﴾ ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں یہی سورت ہے۔[1] اس سورت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بھی سمجھ لیا تھا کہ میری بعثت کا مقصد پورا ہو چکا ہے، اب میں عنقریب اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں، چنانچہ اسی سال حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''شاید آئندہ سال تم میں موجود نہ ہوں گا۔''[2] اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل فضل اور اہل علم قابل تعظیم ہیں اگرچہ وہ عمر میں چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مقام و مرتبہ دیا تھا۔

(١١١) سُورَةُ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

111- تفسیر سورۂ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ

﴿تَبَابٍ﴾ [غافر:٣٧]: خُسْرَانٌ؛ ﴿تَتْبِيبٍ﴾ [هود:١٠١]: تَدْمِيرٌ.

تَبَابٍ کے معنی ہیں: نقصان اور تباہی۔ تَتْبِيبٍ کے معنی بھی تباہ کرنا ہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ کی تشریح لفظ ''تَبَّتْ'' کے لحاظ سے کی ہے کیونکہ تَبَابٍ اور تَتْبِيبٍ کے الفاظ اس سورت میں نہیں آئے۔

(١) [بَابٌ]:

باب: 1- بلاعنوان

٤٩٧١ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (وَرَهْطَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ)، خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى صَعِدَ الصَّفَا فَهَتَفَ: «يَا صَبَاحَاهْ»، فَقَالُوا: مَنْ هٰذَا؟ فَاجْتَمَعُوا

[4971] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی ''اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔'' اور ان لوگوں کو بھی خبردار کریں جو آپ کے گروہ میں مخلص ہیں، تو رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور بآواز بلند کہا: ''یا صباحاہ''! قریش نے کہا: یہ کون ہے؟ پھر وہاں سب آ کر جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تمھارا کیا خیال ہے اگر میں تمھیں بتاؤں کہ

① صحيح مسلم، التفسير، حديث: 7546 (3024). ② صحيح مسلم، الحج، حديث: 2950 (1218).

إِلَيْهِ فَقَالَ: «أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟» قَالُوا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا. قَالَ: «فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ». قَالَ أَبُو لَهَبٍ: تَبًّا لَكَ، مَا جَمَعْتَنَا إِلَّا لِهٰذَا؟ ثُمَّ قَامَ فَنَزَلَتْ: ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِى لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ (وَقَدْ تَبَّ)؛ هٰكَذَا قَرَأَهَا الْأَعْمَشُ يَوْمَئِذٍ. [راجع: ١٣٩٤]

ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے سے آنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا خیال کرو گے؟'' تمام نے بیک زبان جواب دیا: ہمیں کبھی جھوٹ کا آپ سے تجربہ نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر میں تمھیں اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمھارے سامنے آ رہا ہے۔'' اس وقت ابولہب نے کہا: تیری تباہی ہو، کیا تو نے ہمیں یہاں اس لیے جمع کیا تھا؟ پھر آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے تو یہ سورت نازل ہوئی: تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ. اعمش نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے: وَقَدْ تَبَّ. یعنی وہ یقیناً تباہ ہو چکا ہے۔

فائدہ: ابولہب کا نام عبدالعزی بن عبدالمطلب تھا۔ ابولہب اس کی کنیت تھی۔ چونکہ یہ گورا اور خوبصورت تھا، اس لیے قریش نے اسے ابولہب کا لقب دیا تھا جو بعد میں اسلام دشمنی کی وجہ سے اس کے، شعلے مارنے والی دوزخ کی آگ میں جانے کے لیے ایک دستاویز کی صورت اختیار کر گیا۔ قرآن کریم نے اس کا اصل نام چھوڑ کر ابولہب کا ذکر کیا ہے کیونکہ ابولہب کنیت میں جہنم سے ایک مناسبت تھی۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿وَتَبَّ ۝ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾ [٢،١]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور وہ تباہ ہوا، نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا'' کا بیان

٤٩٧٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ إِلَى الْبَطْحَاءِ فَصَعِدَ إِلَى الْجَبَلِ فَنَادَى: «يَا صَبَاحَاهْ»، فَاجْتَمَعَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ، فَقَالَ: «أَرَأَيْتُمْ إِنْ حَدَّثْتُكُمْ أَنَّ الْعَدُوَّ مُصَبِّحُكُمْ أَوْ مُمَسِّيكُمْ، أَكُنْتُمْ تُصَدِّقُونِي؟» قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: «فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ». فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ: أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ تَبًّا

[4972] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بطحاء کی طرف تشریف لے گئے اور پہاڑ پر چڑھ کر پکارا: یَا صباحاہ! اس آواز پر قریش کے لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے پوچھا: ''بتاؤ، اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ دشمن تم پر صبح یا شام کے وقت حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' سب نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں عذاب شدید سے ڈراتا ہوں جو تمھارے سامنے ہے۔'' اس پر ابولہب بولا: تو تباہ ہو جائے، کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی: تَبَّتْ يَدَا اَبِىْ لَهَبٍ وَّ

لَكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ إِلَى آخِرِهَا. [راجع: ١٣٩٤]

تب ...... آخرتک۔

فوائد ومسائل: ① ابولہب رسول اللہ ﷺ کا حقیقی چچا تھا۔ آپ کے والد تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے تو اسے باپ کی جگہ اپنے بھتیجے کی کفالت کرنا چاہیے تھی، لیکن یہ انتہائی بخیل تھا۔ جب آپ کے دادا عبدالمطلب فوت ہونے لگے تو انھوں نے آپ کی کفالت ابولہب کے بجائے ابو طالب کے سپرد کی جو مالی لحاظ سے ابولہب کی نسبت بہت کمزور تھا۔ ② جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کا برسرعام اعلان کیا تو ابولہب یکدم بھڑک اٹھا اور اس نے جو کہنا تھا وہ کہا جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ③ اگرچہ ابولہب کی اس بدتمیزی سے یہ اجتماع کچھ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوا، تاہم اس کا فائدہ یہ ضرور ہوا کہ آپ نے حسب ارشاد الٰہی اپنے پورے قبیلے کو اپنی دعوت سے آگاہ کر دیا، البتہ ابولہب کی گستاخی اور بدتمیزی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمنوں میں سے صرف ابولہب کا نام لے کر اس کی مذمت کی ہے کیونکہ وہ آپ سے دشمنی اور بغض و عناد میں بہت آگے نکل چکا تھا۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾ [٣]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ”وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا“ کا بیان

٤٩٧٣ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: قَالَ أَبُو لَهَبٍ: تَبًّا لَكَ، أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا؟ فَنَزَلَتْ: ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ﴾. [راجع: ١٣٩٤]

[4973] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ابو لہب نے کہا تھا: تو تباہ ہو جائے۔ کیا تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ.

فوائد ومسائل: ① ابولہب کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں۔“ اس سے یہ مراد نہیں کہ جسمانی لحاظ سے اس کی تباہی مقصود ہے بلکہ یہ بددعائیہ کلمات ہیں جو ناراضی اور خفگی کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ ② ابولہب کنیت ہونے کی دنیا میں مناسبت یہ تھی کہ اس کا رنگ انار کے دانوں کی طرح سرخ تھا اور آخرت میں مناسبت یہ ہوگی کہ اسے شعلوں والی آگ میں پھینکا جائے گا جیسا کہ عنوان میں ذکر کردہ آیت میں صراحت ہے۔

(٤) بَابٌ: ﴿وَٱمْرَأَتُهُۥ حَمَّالَةَ ٱلْحَطَبِ﴾ [٤]

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اور اس کی بیوی جو ایندھن اٹھائے پھرتی ہے“ کا بیان

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: حَمَّالَةَ الْحَطَبِ: تَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ. ﴿فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ﴾ يُقَالُ: مِنْ مَسَدٍ: لِيفِ الْمُقْلِ وَهِيَ السِّلْسِلَةُ الَّتِي فِي النَّارِ.

امام مجاہد نے کہا: حَمَّالَةَ الْحَطَبِ سے مراد یہ ہے کہ وہ چغل خوری کرتی تھی۔ فِیْ جِیدِھَا جَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ کہا جاتا ہے کہ مسد سے مراد کھجور کی چھال سے بنی ہوئی رسی ہے، اور اس سے مراد وہ زنجیر ہے جو دوزخ میں اس کے گلے میں پڑے گی۔

وضاحت: ابولہب کی بیوی کا نام اروی اور کنیت ام جمیل تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں یہ عورت بھی اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔ جنگل سے خاردار جھاڑیاں کاٹ کر لاتی اور رات کے اندھیرے میں رسول اللہ ﷺ کے گھر کے آگے ڈال دیتی تاکہ جب صبح کے وقت آپ بیت اللہ جائیں تو آپ کے پاؤں میں کانٹے چبھ جائیں۔ انتہائی بدزبان اور فساد انگیز قسم کی عورت تھی۔ اس کی خوبصورت گردن جس میں وہ سونے کا ہار پہنا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی میں یہ ہار بیچ کر محمد (ﷺ) کی مخالفت میں اس کی رقم خرچ کروں گی، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس کھجور کی رسی سے گھاس پھوس اور لکڑیاں وغیرہ باندھا کرتی تھی وہی اس کی گردن میں اٹک گئی اور ایسی پھنسی کہ اس کی موت کا سبب بن گئی۔ بعض اہل علم نے حَمَّالَةَ الْحَطَبْ کے یہ معنی بھی کیے ہیں کہ وہ لوگوں میں فساد ڈالنے کے لیے چغلیاں کھاتی پھرتی تھی۔ عرب لوگ ایسے شخص کو جو ادھر کی بات اُدھر لگا کر فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کرتا ہو اسے لکڑیاں ڈھونے والا کہتے ہیں۔ ان کے ہاں آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اس کی جورو بھی جو لگائی بجھائی کرنے والی تھی۔'' واللہ أعلم.

يُقَالُ: لَا يُنَوَّنُ (أَحَدٌ): أَيْ: وَاحِدٌ.

کہا جاتا ہے کہ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ میں اَحَد پر تنوین نہیں پڑھی جائے گی۔ اور اَحَد کا معنی واحد، یعنی ایک ہے۔

وضاحت: اَحد کے معنی ہیں: لاثانی، بے نظر اور یکتا۔ اس اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق صرف ذات باری تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ صرف ایک ہے، دو نہیں جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے۔

(۱) [بَابٌ]

باب: 1- بلاعنوان

٤٩٧٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ:

[4974] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی

حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي، وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: اتَّخَذَ اللهُ وَلَدًا، وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ، لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ». [راجع: ٣١٩٣]

ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے ابن آدم نے جھٹلایا، حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہیں تھا اور مجھے اس نے گالی دی، حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہیں تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا، اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ اس کو دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، حالانکہ میرے لیے دوبارہ پیدا کرنا اس کے پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ اور اس کا مجھے گالی دینا، اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے، حالانکہ میں یکتا ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میری کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت ابی بن کعب بنالٹنہ سے روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ہم سے اپنے رب کا نسب نامہ بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی: آپ کہہ دیں، اللہ یکتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے...... ② الصمد وہ ہوتا ہے جو نہ کسی کو جنم دے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہو، اس لیے کہ جو کسی سے پیدا ہو گا وہ ضرور مرے گا اور جو مرے گا اس کا کوئی وارث بھی ہو گا، اللہ نہ مرے گا اور نہ اس کا کوئی وارث ہو گا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ راوی کہتا ہے: کفو کے معنی یہ ہیں کہ نہ کوئی اس کے مشابہ ہے اور نہ کوئی اس کے برابر ہے اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔[1] ③ واضح رہے کہ اس سورت میں توحید کے تمام پہلوؤں پر مکمل روشنی ڈال دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں بنیادی طور پر تین طرح کے مسائل بیان ہوئے ہیں: توحید، رسالت اور آخرت۔ اس سورت میں چونکہ توحید کا بیان ہے، اس لیے اسے ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔[2]

(٢) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ [٢]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ بے نیاز ہے'' کا بیان

وَالْعَرَبُ تُسَمِّي أَشْرَافَهَا الصَّمَدَ. قَالَ أَبُو وَائِلٍ: هُوَ السَّيِّدُ الَّذِي انْتَهَى سُؤْدَدُهُ.

عرب لوگ اپنے سرداروں کو صمد کہتے ہیں۔ ابو وائل کہتے ہیں کہ صمد وہ سردار ہے جس پر سرداری ختم ہو گئی ہو۔

وضاحت: صمد میں دو باتیں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کا ٹھوس اور مضبوط ہونا اور دوسرے یہ کہ لوگ ہر

---

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3364. ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1886 (611).

طرف سے اس کی طرف رجوع کریں۔ اس اعتبار سے الصمد ایسی ذات ہے جو خود مستقل اور قائم بالذات ہو۔ وہ ذات کسی کی محتاج نہ ہو جبکہ دوسری سب مخلوق اس کی محتاج ہو۔

٤٩٧٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذٰلِكَ، أَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ: أَنْ يَقُولَ: إِنِّي لَنْ أُعِيدَهُ كَمَا بَدَأْتُهُ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ: أَنْ يَقُولَ: اتَّخَذَ اللهُ وَلَدًا، وَأَنَا الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ».

[4975] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) ابن آدم نے مجھے جھٹلایا، حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا اور اس نے مجھے گالی دی، حالانکہ اس کے لیے یہ بھی مناسب نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا، اس کا یہ کہنا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا جیسا کہ میں نے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اور اس کا مجھے گالی دینا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے، حالانکہ میں بے نیاز ہوں، نہ میری کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ میرا کوئی ہمسر ہی ہے۔''

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ○ وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ﴾ [٣،٤] كُفُوًا وَكَفِيئًا وَكِفَاءً وَاحِدٌ. [راجع: ٣١٩٣]

نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ خود جنا گیا، اس کا کوئی ہمسر ہی نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ كُفُوًا، كَفِيئًا اور كِفَاءً سب ہم معنی ہیں۔

فائدہ: سورت اخلاص میں توحید خالص کا بیان ہے اور مشرکین کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں۔ کچھ لوگ اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگ پیروں، فقیروں، انبیاء اور اولیاء کو عبادت میں اللہ کا شریک بناتے ہیں اس سورت میں ان سب کی تردید ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ پڑ جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا کا ذکر کیا جائے تو اچانک وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں۔''[1]

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿الْفَلَقِ﴾: الصُّبْحِ

امام مجاہد نے کہا: اَلْفَلَقِ کے معنی ہیں: صبح اور غَاسِقٍ

1 الزمر 39: 45.

وَ﴿غَاسِقٍ﴾ [٣]: اَللَّيْلُ. ﴿إِذَا وَقَبَ﴾: غُرُوبُ الشَّمْسِ؛ يُقَالُ: أَبْيَنُ مِنْ فَرَقِ وَفَلَقِ الصُّبْحِ؛ ﴿وَقَبَ﴾: إِذَا دَخَلَ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَأَظْلَمَ.

غَاسِقٍ سے مراد رات ہے۔ اِذَا وَقَبَ: سورج کا ڈوب جانا مراد ہے۔ فرق اور فلق کے ایک ہی معنی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بات فرق صبح اور فلق صبح سے زیادہ روشن اور واضح ہے۔ وَقَبَ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز دوسری میں گھس جائے اور اندھیرا ہو جائے۔

٤٩٧٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ وَعَبْدَةَ، عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ: سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ عَنِ الْمُعَوِّذَتَيْنِ فَقَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «قِيلَ لِي فَقُلْتُ» فَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ. [انظر: ٤٩٧٧]

[4976] حضرت زر بن حبیش سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے معوذتین کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے کہا گیا تو میں نے اس طرح کہہ دیا۔'' چنانچہ ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کہا۔

فوائد ومسائل: ① سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو معوذتین کہتے ہیں۔ ان کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اسی طرح معوذتین کے قرآن ہونے پر بھی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے لے کر آج تک تواتر سے ثابت ہے کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کا حصہ ہیں، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق مختلف آراء ہیں کہ وہ انھیں قرآن کا جز اور حصہ مانتے تھے یا نہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انھیں قرآن میں شامل نہیں سمجھتے تھے۔ روایات میں ہے کہ وہ ان دونوں سورتوں کو قرآن سے کھرچ ڈالتے تھے اور کہتے تھے: یہ دونوں کتاب اللہ سے نہیں ہیں۔ ○ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انھیں قرآن میں شامل ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے، البتہ مصحف میں لکھنے کے منکر تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ مصحف میں قرآن مجید کا کوئی حصہ اس وقت لکھا جائے گا جب رسول اللہ ﷺ لکھنے کی اجازت دیں۔ ○ کچھ اہل علم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت کو ہی غلط قرار دیا ہے کیونکہ عاصم، حمزہ اور کسائی کی روایت قراءت کا سلسلۂ سند حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، اس روایت میں معوذتین موجود ہیں۔ ② ہمارا ذاتی رجحان یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اگرچہ پہلے یہ ذہن رکھتے تھے اور انھیں قرآن کا حصہ نہیں سمجھتے تھے لیکن بعد میں انھوں نے رجوع کر کے جمہور اہل علم کے موقف کو تسلیم کر لیا تھا جیسا کہ امام عاصم، حمزہ اور کسائی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(١١٤) سُورَةُ ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ — بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ — 114- تفسیر سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿الْوَسْوَاسِ﴾: إِذَا وُلِدَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الْوَسْوَاسِ کے متعلق بتایا

خَنَسَهُ الشَّيْطَانُ، فَإِذَا ذُكِرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ذَهَبَ، وَإِذَا لَمْ يُذْكَرِ اللهُ ثَبَتَ عَلَى قَلْبِهِ.

کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چوکا لگاتا ہے۔ اگر وہاں اللہ کا نام لیا جائے تو وہ بھاگ جاتا ہے اور جب اللہ کا نام نہ لیا جائے تو بچے کے دل پر جم جاتا ہے۔

٤٩٧٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ. وَحَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ زِرٍّ قَالَ: سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ قُلْتُ: أَبَا الْمُنْذِرِ، إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ أُبَيٌّ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ لِي: «قِيلَ لِي فَقُلْتُ»، قَالَ: فَنَحْنُ نَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ.
[راجع: ٤٩٧٦]

[4977] حضرت زر بن حبیش سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابی بن کعب ؓ سے پوچھا: اے ابومنذر! آپ کے بھائی ابن مسعود ؓ تو معوذتین کے متعلق یوں یوں کہتے ہیں۔ حضرت ابی ؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''مجھے کہا گیا: ایسا کہہ تو میں نے کہہ دیا۔'' حضرت ابی بن کعب ؓ نے کہا: ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔

فائدہ: حضرت ابی بن کعب ؓ کی کمال دانائی اور دیانت داری تھی کہ اختلاف سے بچنے کے لیے آپ نے سوال مذکورہ کے جواب میں وہی الفاظ نقل کر دیے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنے تھے۔ اس انداز سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ ان سورتوں کو قرآن کریم سے جدا مانتے تو فوراً کہہ دیتے کہ یہ قرآن کا حصہ نہیں ہے۔ ان کے طرز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سورتوں کو قرآن کا حصہ مانتے تھے۔

ضروری تنبیہ: پناہ مانگنے کے فعل میں چار چیزیں لازمی طور پر ہوتی ہیں: ایک بجائے خود پناہ مانگنا، دوسرے پناہ مانگنے والا، تیسرے جس کی پناہ مانگی جائے اور چوتھے وہ جس سے پناہ مانگی جائے، مثلاً: ہم اللہ سے شیطان کی پناہ مانگتے ہیں، تو ہم خود پناہ مانگنے والے ہیں، اور اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اور شیطان کے شر سے پناہ چاہتے ہیں، ہمارا اللہ سے التجا کرنا پناہ مانگنے کا عمل ہے۔ پہلی سورت فلق میں اللہ کی ایک صفت کے حوالے سے چار چیزوں سے پناہ طلب کی گئی ہے: مخلوق کے شر، رات کے شر، گرہ میں پھونکنے والیوں کے شر اور حاسد کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے جبکہ دوسری سورت (الناس) میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات کا حوالہ دے کر صرف ایک چیز سے پناہ مانگی گئی ہے اور وہ وسواس، خناس کے شر سے پناہ طلب کرنا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وسواس، خناس سے پناہ بہت عظیم ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی تین صفات، یعنی رب الناس، ملک الناس اور الٰہ الناس جیسی صفات کا واسطہ دیا گیا ہے۔ بہرحال اس سورت میں شیطان سے پناہ طلب کی جا رہی ہے۔ انسان کسی سے پناہ اس وقت مانگتا ہے جب تنہا اس کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابلیس نے روز اول سے یہ قسم اٹھا رکھی ہے کہ میں اولاد آدم کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا اور اس نے قسم اٹھا کر کہا ہے کہ میں اس راستے پر بیٹھ کر انھیں گمراہ کروں گا جس پر چل کر انھوں نے اُخروی کامیابی حاصل کرنی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یاد رکھو! شیطان تمھارا دشمن ہے، تم اسے دشمن جانو، وہ تو اپنے گروہ کو اس لیے دعوت دیتا ہے

تا کہ وہ سب جہنم واصل ہو جائیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لعنتی سے سخت عداوت اور دشمنی رکھی جائے، اس کے دجل وفریب اور ہتھکنڈوں سے بچنے کے لیے انتہائی محنت کی جائے، جس طرح دشمن سے بچاؤ کے لیے انسان کرتا ہے، وہ تدبیر صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ ہے۔ انسان کو اس کی شرارتوں سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ میں آنا چاہیے۔ اس سورت میں اس کا طریقۂ واردات بھی بتایا گیا ہے کہ وہ کسی کا بازو پکڑ کر گمراہ نہیں کرتا بلکہ وسوسہ اندازی کرتا ہے اور سبز باغ دکھاتا ہے، نیز اپنے دام ہم رنگ زمین میں پھنسانے کے لیے دنیا کے اعمال کو خوشنما کر کے پیش کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے: ''اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو، یقیناً وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''[1] بہرحال شیطان نے روز اول سے جس گمان کا اظہار کیا تھا اسے سچا کر دکھایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ یہ لوگ سب کے سب اس کے تابع بن گئے ہیں سوائے اہل ایمان کی ایک جماعت کے۔''[2] حالانکہ شیطان صرف وسوسہ اندازی کا ہتھیار استعمال کرتا ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ قیامت کے دن اپنے اختیارات کا برملا اظہار کرے گا، جب کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: ''اللہ نے تمھیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدے کیے تھے ان کے خلاف کیا۔ میرا تم پر کوئی دباؤ تو تھا ہی نہیں، ہاں میں نے تمھیں پکارا اور تم نے میری پکار پر لبیک کہہ دیا۔ اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمھارا فریادرس اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے۔ میں تو سرے سے مانتا ہی نہیں کہ تم مجھے اس سے پہلے اللہ کا شریک مانتے رہے۔ یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''[3] شیطان سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے: ''اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔''[4] اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ] اگر یہ دعا پڑھ لی جائے تو شیطان کہتا ہے: آج یہ پورے دن کے لیے مجھ سے محفوظ ہو گیا ہے۔[5]

[1] حٰمٓ السجدة 36:41. [2] سبا 34:20. [3] إبراهيم 14:22. [4] المؤمنون 23:97، 98. [5] سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 466.

قرآن مجید کے فضائل ومناقب

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا لازوال کلام ہے، جس میں باطل کسی طرف سے راہ نہیں پا سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’یہ ایک زبردست کتاب ہے جس میں باطل نہ آگے سے راہ پاسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ دانا قابل تعریف اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔‘‘[1]

یہ کلام خود خالق کائنات کا ہے جس کا علم لامحدود ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے اسے نازل کیا گیا جو قوی بھی ہیں اور امین بھی۔ اور جس پر نازل ہوا وہ صادق و مصدوق ہیں۔ پھر اس کی حفاظت کی ذمے داری خود اللہ رب العزت نے اٹھائی ہے، چنانچہ نزول کے بعد اسے اوراق اور سینوں میں محفوظ کر لیا گیا، اس لیے اس قرآن میں کمی بیشی کرنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے اور نہ باطل کسی طرف سے دخل اندازی ہی کر سکتا ہے۔ پھر یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت و شفا اور نہ ماننے والوں کے لیے گمراہی اور اس میں اضافے کا باعث ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’آپ کہہ دیں، یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ اور آنکھوں پر پٹی ہے۔‘‘[2]

قرآن اس لیے نازل کیا گیا کہ اہل ایمان اس پر عمل کریں، زندگی سنواریں، آخرت بنائیں، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھیں اور اس کی تلاوت کریں تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے حجت اور سفارش ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’یہ قرآن تیرے لیے نجات کی دلیل یا تیرے خلاف حجت ہوگا۔‘‘[3]

جو شخص قرآن پڑھے گا اور اس پر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق ضمانت دی ہے کہ وہ دنیا میں گمراہ نہیں ہو گا اور نہ آئندہ قیامت کے دن مصیبت ہی میں پڑے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ گمراہ نہیں ہوگا اور نہ بد بخت ہی ہوگا۔‘‘[4]

اور جس نے اس سے روگردانی کی اس کی دنیا تنگ و تاریک کر دی جائے گی اور آخرت میں اسے نابینا اٹھایا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’جو میرے ذکر (قرآن) سے منہ موڑ لے گا تو اس کی زندگی تنگ پڑ جائے گی اور قیامت کے

---

1 حٰمٓ السجدة 41:41، 42. 2 حٰمٓ السجدة 41:44. 3 صحیح مسلم، الطهارة، حدیث: 534 (223). 4 طٰهٰ 20:123.

دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''[1]

لہٰذا بندۂ مسلم کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کے فضائل و مناقب کے ساتھ اس کے حقوق و آداب کو بھی مدنظر رکھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے امت مسلمہ کی رہنمائی کرتے ہوئے اس عظیم ذمے داری کو اٹھایا ہے اور اس کا حق ادا کیا ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ عنوان ''فضائل قرآن'' سے متعلق ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے بہت سے عنوانات اس عنوان کے تحت بیان کیے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسے حرز جان بنائیں تاکہ ہم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہوں اور قرآن کریم کی سفارش کے حق دار بن جائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جن مضامین کو بیان کیا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ نزول قرآن ○ جمع قرآن ○ کتابت قرآن ○ احرف قرآن ○ تالیف قرآن ○ فضائل قرآن ○ اعجاز قرآن ○ آداب قرآن۔

آداب قرآن میں درج ذیل امور کا احاطہ کیا ہے: ○ تلاوت قرآن ○ ترتیل قرآن ○ حفظ قرآن ○ تعلیم قرآن ○ عمل بالقرآن ○ دعوتِ قرآن۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایک کم سو (99) احادیث کا انتخاب کیا ہے، جن میں سے انیس (19) معلق اور اَسّی (80) متصل سند سے بیان کی ہیں۔ ان میں تہتر (73) مکرر اور باقی خالص ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے مروی سات (7) آثار بھی پیش کیے ہیں۔ آپ نے ان احادیث و آثار پر تقریباً سینتیس (37) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں۔ ان عنوانات کو پڑھنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ فقیہ امت ہی نہیں بلکہ ایک مصلح امت بھی ہیں۔ اب یہ ہماری ذمے داری ہے کہ قرآن کریم کو پڑھیں اور اس کی تعلیمات پر عمل کریں تاکہ قیامت کے دن اس کی سفارش کے حق دار بن سکیں۔ حدیث میں ہے: ''قرآن پڑھا کرو بے شک وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں اور عمل کرنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔''[2]

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''قیامت کے دن قرآن اور ان لوگوں کو لایا جائے گا جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران آگے آگے ہوں گی جو ان لوگوں کی نجات کے لیے اللہ کے حضور سفارش کریں گے۔''[3]

قرآن کریم نے ان لوگوں کا سخت نوٹس لیا ہے جو اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور

---

(1) طٰہٰ 20:124. (2) صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، حديث :1874(804) . (3) صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، حديث : 1876 (805).

رسول کہیں گے: میرے رب! میری قوم کے یہی لوگ ہیں جنھوں نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''[1]

قرآن کریم کو چھوڑنے کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً: اس پر ایمان نہ لانا، قرآن کی تلاوت نہ کرنا، اس کا سننا چھوڑ دینا، اس میں غور وفکر نہ کرنا، اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنا، اس کی دعوت نہ دینا اور اس کے مطابق فیصلے نہ کرنا۔ الغرض یہ تمام قرآن چھوڑ دینے کی قسمیں ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ مضبوط تعلق پیدا کریں تاکہ قیامت کے دن اللہ کے رسول ﷺ کے اس استغاثے کی زد میں نہ آئیں۔

1 الفرقان 25:30.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

66 - كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْآنِ

قرآن مجید کے فضائل ومناقب اور حقوق وآداب

(١) بَابٌ: كَيْفَ نَزَلَ الْوَحْيُ وَأَوَّلُ مَا نَزَلَ؟

باب:1- وحی کا نزول کیسے ہوا؟ اور سب سے پہلے کیا نازل ہوا؟

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَلْمُهَيْمِنُ: اَلْأَمِينُ، اَلْقُرْآنُ أَمِينٌ عَلَى كُلِّ كِتَابٍ قَبْلَهُ.

حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: المهيمن امین کے معنی میں ہے۔ قرآن اپنے سے پہلی ہر آسمانی کتاب کا امین اور نگہبان ہے۔

وضاحت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ہم نے آپ پر مبنی برحق کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی جامع ونگران بھی ہے۔''[1] اس آیت کریمہ کے مطابق قرآن کریم اپنے سے پہلے اترنے والی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ان کا محافظ ونگران بھی ہے، یعنی دوسری کتابوں کے لیے کسوٹی ہے، مثلاً: ○ اگر گزشتہ کتابوں میں کوئی مضمون قرآن کریم کے مطابق ہے تو وہ حق ہے۔ ○ اگر کوئی مضمون قرآن کے خلاف ہو تو وہ تحریف شدہ ہے، جیسے عقیدۂ تثلیث۔ ○ جس کے متعلق قرآن خاموش ہے اس کے متعلق مسلمانوں کو بھی خاموش رہنے کا حکم ہے۔ قرآن کے نگہبان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں جو کچھ ان کے ماننے والوں نے تحریف کی ہے قرآن کریم اس کی نشاندہی کر کے اصل مضمون سے آگاہی بخشتا ہے، مثلاً: موجودہ تورات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برص کی بیماری کی وجہ سے سفید تھا جبکہ قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ بطور معجزہ سفید ہو جاتا تھا اور اس میں کوئی بیماری نہ تھی، قرآن میں ہے: ''اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کرو وہ کسی مرض کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا۔''[2] اس اعتبار سے قرآن مجید ''مهيمن'' ہے، یعنی سابقہ آسمانی کتب کا نگہبان اور پاسبان ہے۔ واللہ أعلم۔

---

(1) المآئدہ 5:48. (2) النمل 27:12.

٤٩٧٨ ، ٤٩٧٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ وَابْنُ عَبَّاسٍ قَالَا: لَبِثَ النَّبِيُّ ﷺ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ. [راجع: ٤٤٦٤]

[4979,4978] حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ مکہ میں دس سال رہے اور آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا اور مدینہ طیبہ میں بھی دس سال تک رہے اور آپ پر وہاں بھی قرآن نازل ہوتا رہا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ کا قائم کیا ہوا عنوان دو اجزا پر مشتمل ہے: وحی کا نزول کیسے ہوا؟ سب سے پہلے کیا نازل ہوا؟ جبکہ صحیح بخاری کے آغاز میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا تھا: [كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحيِ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ] ''رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز کیونکر ہوا۔'' ان دونوں میں فرق کے متعلق حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ نزول کا تقاضا ہے کہ جس ہستی کے ذریعے سے وحی نازل کی گئی اس کا وجود تھا، یعنی فرشتۂ وحی۔ اور وحی عام ہے، خواہ انزال کی شکل میں ہو یا الہام کی صورت میں، وہ وحی حالت بیداری میں ہو یا خواب کی صورت میں۔[1] ② ہمارے رجحان کے مطابق اس عنوان میں یہ ملحوظ ہے کہ نزول قرآن کی کیفیت کیا تھی جسے فضائل قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآن کو ایک ہی بار نہیں بلکہ آہستہ آہستہ حسب ضرورت اتارا گیا ہے۔ اس اعتبار سے زمانۂ وحی تیئیس (23) برس ہے اور مسلسل وحی کا زمانہ بیس (20) برس پر محیط ہے جیسا کہ حدیث بالا میں ہے۔ اس میں پہلے تین برسوں کو شامل نہیں کیا گیا کیونکہ پہلی وحی کے بعد تقریباً تین برس تک وحی کا سلسلہ رک گیا تھا جسے فترت وحی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ فرشتے کی آمد ورفت رہتی تھی لیکن مسلسل وحی کا سلسلہ تین سال بعد شروع ہوا۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اصول تدریج کے مطابق بیس برس میں مکمل ہوا ہے اور یہ اس بابرکت کتاب کی فضیلت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کافر کہتے ہیں کہ یہ سارا قرآن ایک ہی بار رسول پر کیوں نہ اتارا گیا؟ بات ایسی ہی ہے اور یہ اس لیے کہ ہم آپ کی ڈھارس بندھاتے جائیں اور اس لیے بھی کہ ہم آپ کو پڑھ کر سناتے جائیں اور اس لیے بھی کہ جب بھی یہ کافر آپ کے پاس کوئی اعتراض لائیں تو اس کا ٹھیک اور برجستہ جواب اور بہترین توجیہ ہم آپ کو بتادیں۔''[2] اس آیت میں آہستہ آہستہ قرآن اتارنے کے تین فائدے بیان ہوئے ہیں: ○ حوصلہ شکن حالات میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے اور ڈھارس بندھانے کی ضرورت کو پورا کیا گیا۔ ○ قرآن یاد کرنا، اسے سمجھنا اور اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے پورے اندازِ زندگی میں تبدیلی کرنا اسی صورت میں ممکن تھا۔ ○ کفار کے اعتراضات کا بروقت جواب دینا اور ان کے مطالبات کی حقیقت واضح کرنا بھی مقصود تھا۔ ④ دیگر روایات سے پتا چلتا ہے کہ وحی کا آغاز ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ سے ہوا، اس کے بعد سلسلۂ وحی موقوف ہوگیا، پھر ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ سے دوبارہ مسلسل وحی آنا شروع ہوئی۔

٤٩٨٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا

[4980] حضرت ابو عثمان (نہدی) سے روایت ہے،

---

[1] فتح الباري: 9/6. [2] الفرقان 25:32، 33.

مُعْتَمِرٌ: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ: أُنْبِئْتُ أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ وَعِنْدَهُ أُمُّ سَلَمَةَ فَجَعَلَ يَتَحَدَّثُ فَقَالَ لِأُمِّ سَلَمَةَ: «مَنْ هٰذَا؟» أَوْ كَمَا قَالَ، قَالَتْ: هٰذَا دِحْيَةُ، فَلَمَّا قَامَ قَالَتْ: وَاللهِ مَا حَسِبْتُهُ إِلَّا إِيَّاهُ حَتَّى سَمِعْتُ خُطْبَةَ النَّبِيِّ ﷺ يُخْبِرُ خَبَرَ جِبْرِيلَ، أَوْ كَمَا قَالَ. قَالَ أَبِي: قُلْتُ لِأَبِي عُثْمَانَ: مِمَّنْ سَمِعْتَ هٰذَا؟ قَالَ: مِنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ. [راجع: ٣٦٣٣]

انھوں نے کہا: مجھے بتایا گیا کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے باتیں کرنے لگے۔ اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے پاس موجود تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' ام المومنین رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یہ دحیہ کلبی ہیں۔ جب وہ چلے گئے تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے انھیں دحیہ کلبی ہی خیال کیا تھا حتی کہ میں نے نبی ﷺ کا خطبہ سنا کہ آپ حضرت جبریل علیہ السلام کی خبر ذکر کر رہے تھے۔ (راویٔ حدیث معتمر کہتے ہیں:) میرے والد نے ابو عثمان سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی تھی؟ انھوں نے کہا: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ بہت خوبصورت صحابی تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب آدمی کی صورت میں رسول ﷺ کے پاس آتے تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک سوار شخص کو دیکھا جو رسول اللہ ﷺ سے محو گفتگو تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے عرض کی: آپ کس سے گفتگو فرما رہے تھے؟ آپ نے فرمایا: ''تم اسے کس سے تشبیہ دیتی ہو؟'' انھوں نے کہا: دحیہ بن خلیفہ کلبی سے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اور مجھے بنو قریظہ کی طرف جانے کا کہہ رہے تھے۔'' ② ان روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس فرشتۂ وحی انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرشتۂ وحی کے آنے کی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ وہ بعض اوقات انسانی شکل میں آتے تھے۔ واللہ أعلم.[1]

٤٩٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [انظر: ٧٢٧٤]

[4981] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو ایسے ایسے معجزات عطا کیے گئے ہیں جنھیں دیکھ کر لوگ ایمان لاتے رہے، البتہ مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ (قرآن کی) وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہے، اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار دوسرے انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔''

① فتح الباري: 9/8.

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے دور کے مطابق معجزہ عطا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں سحر اور جادو کا بہت چرچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسا معجزہ عطا کیا کہ اس زمانے کے جادوگر شکست کھا گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بہت رواج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسے معجزات عطا فرمائے کہ اس وقت کے بڑے بڑے طبیب دم بخود ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قوت گویائی اور فصاحت و بلاغت کی بہت شہرت تھی کہ عرب لوگ دوسروں کو عجمی، یعنی گونگا کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو قرآن کریم عطا کیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت نے بڑے بڑے ادباء اور فصحاء کو خاموش کر دیا اور انھوں نے اس کا لوہا مان لیا۔ وہ قرآن مجید کی چھوٹی سی سورت کی مثال پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ ② حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو ایسے معجزات ملے جنھیں دیکھ کر لوگ ایمان لاتے اور بعد والوں پر ان کا کوئی اثر نہ رہتا اور رسول اللہ ﷺ کا معجزۂ قرآن ہر زمانے اور ہر وقت کے لیے تازہ ہے، اس بنا پر قیامت تک لوگ اس میں غور و فکر کرتے رہیں گے اور ایمان سے بہرہ ور ہوتے رہیں گے۔ بہرحال قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے کہ بار بار چیلنج کرنے کے باوجود اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکا۔ کوئی بھی اس کی مثل یا اس جیسی دس سورتیں یا اس جیسی ایک سورت یا اس جیسی ایک ہی آیت پیش نہیں کر سکا۔ ③ قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے مختلف پہلو ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ عمدہ کلام اور فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار جس کی نظیر لانے سے تمام مخلوق عاجز ہے۔ ○ ایسے بدیع نظم اور عجیب اسلوب پر مشتمل ہے جو عربوں کے اسالیب اور نظم سے مختلف ہے۔ ○ اس کا قانون ایسا ہمہ گیر اور مکمل ہے جو ہر انسان کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ ○ ماضی اور مستقبل کی ایسی خبریں اور پیش گوئیاں دیتا ہے جو وحی کے بغیر معلوم ہی نہیں ہو سکتیں۔ ○ وعدے اور وعید کے متعلق اس نے جو خبر دی ہے وہ ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ ○ قرآن ہر قسم کی کمی و بیشی اور تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔ ○ اس کا یاد کرنا اور اس کا سمجھنا انتہائی آسان اور ہر ایک کے لیے ممکن ہے۔ ○ قرآن اپنوں اور بے گانوں کے دلوں میں گھر کر جاتا ہے اور ان کے کانوں میں رس گھولتا ہے۔ ○ ایسا کلام ہے جس سے پڑھنے والا کبھی سیر نہیں ہوتا اور نہ سننے والا اس سے اکتاتا ہے۔ ○ ایسا دستور العمل ہے کہ بکریوں کے چرواہوں کو اس نے امت کا قائد بنا دیا۔

٤٩٨٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ اللهَ تَعَالَى تَابَعَ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ قَبْلَ وَفَاتِهِ حَتَّى تَوَفَّاهُ أَكْثَرَ مَا كَانَ الْوَحْيُ، ثُمَّ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْدُ.

[4982] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر آپ کی وفات سے پہلے مسلسل وحی اتاری اور آپ کی وفات کے قریبی زمانے میں تو بہت وحی نازل ہوئی، پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔

فوائد و مسائل: ① ابتدائی زمانۂ نبوت میں تو سورۂ علق کی ابتدائی آیات اترنے کے بعد ایک مدت تک وحی موقوف رہی۔ اس کے بعد وحی کا مسلسل سلسلہ شروع ہوا، پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ضروریات زیادہ ہوئیں اور وحی کا نزول بھی

زیادہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے قریب لگا تار، متواتر اور زیادہ وحی نازل ہوئی کیونکہ فتح مکہ کے بعد کثرت سے وفود کا سلسلہ شروع ہوا جنھوں نے احکام و مسائل کے متعلق بہت سے سوال کیے جن کے جوابات بذریعۂ وحی دیے گئے۔ جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ بڑھ گیا تو معاملات و مقدمات کے پیش نظر قرآن کریم بھی زیادہ نازل ہوا، نیز مکہ مکرمہ میں نزول وحی کے دوران میں لمبی لمبی سورتیں نازل نہیں ہوئیں۔ ہجرت کے بعد لمبی سورتوں کا نزول ہوا، یعنی رسول اللہ ﷺ پر آخری وقت میں بہت زیادہ وحی نازل ہوئی۔ اس کیفیت کے اعتبار سے یہ حدیث عنوان کے مطابق ہے۔ ② واضح رہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام زہری نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ آپ کی وفات سے پہلے بہت زیادہ وحی نازل ہوئی کیونکہ اس کی ضرورت بڑھ گئی تھی۔[1]

٤٩٨٣ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدُبًا يَقُولُ: اشْتَكَى النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: يَا مُحَمَّدُ، مَا أُرَى شَيْطَانَكَ إِلَّا قَدْ تَرَكَكَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَالضُّحَىٰ ○ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ﴾ [الضحى: ١-٣]. [راجع: ١١٢٤]

[4983] حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے تو ایک دو رات قیام تہجد نہ کر سکے۔ اس دوران میں آپ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: اے محمد! میرا خیال ہے تمھارے شیطان نے تمھیں چھوڑ دیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿وَالضُّحٰى ○ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ ”روشن دن کی قسم اور رات کی جب وہ چھا جائے! آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے خفا ہوا ہے۔“

فوائد و مسائل: ① حدیث میں ”عورت“ سے مراد لعین ابولہب کی بیوی ام جمیل بنت حرب ہے۔ لیکن ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میرے خیال کے مطابق شاید آپ کا پروردگار آپ سے ناراض ہو گیا ہے تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناپاک اور گندی عورت ام جمیل اور ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نے ایسا کہا تھا۔ لیکن دونوں کے انداز بیان اور مقصد میں واضح فرق ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دینے کے لیے کہا اور ”آپ کے پروردگار“ کے الفاظ استعمال کیے جبکہ ام جمیل نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ”آپ کے شیطان“ کے الفاظ کہے۔[2] ② اس حدیث کو ”فضائل قرآن“ میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کے نزول میں تاخیر اس لیے نہ تھی کہ آپ کو نظر انداز کر دیا گیا تھا بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں تھیں جو ایک ہی بار قرآن کے نزول میں سرانجام نہ پا سکتی تھیں۔ ان حکمتوں کے پیش نظر حسب ضرورت گاہے بگاہے قرآنی آیات نازل ہوتی رہیں۔[3]

① فتح الباري: 11/9. ② فتح الباري: 907/8. ③ فتح الباري: 11/9.

(٢) بَابٌ: نَزَلَ الْقُرْآنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ وَالْعَرَبِ

باب:2- قرآن مجید قریش اور عرب کے محاورے کے مطابق نازل ہوا

﴿قُرْءَانًا عَرَبِيًّا﴾ [يوسف: ٢] ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ﴾ [الشعرآء: ١٩٥].

(ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ) ''قرآن عربی زبان میں ہے۔'' اور ''یہ قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔''

وضاحت: قریش کو عرب میں شامل ہونے کے باوجود الگ طور پر ذکر کیا ہے تاکہ قریش کی دوسرے عربوں پر فضیلت ظاہر ہو۔ آیات پیش کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ پورا قرآن قریش کے محاورے کے مطابق نہیں بلکہ غیر قریش کی لغت میں بھی نازل ہوا ہے کیونکہ لفظ عرب تمام عربی زبانوں کو شامل ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ نزول قرآن کی ابتدا لغت قریش سے ہوئی، پھر غیر قریش کی لغت میں پڑھنا مباح رہا۔[1]

٤٩٨٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَأَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: فَأَمَرَ عُثْمَانُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، وَسَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ أَنْ يَنْسَخُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ لَهُمْ: إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ ابْنُ ثَابِتٍ فِي عَرَبِيَّةٍ مِنْ عَرَبِيَّةِ الْقُرْآنِ، فَاكْتُبُوهَا بِلِسَانِ قُرَيْشٍ، فَإِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ بِلِسَانِهِمْ، فَفَعَلُوا. [راجع: ٣٥٠٦]

[4984] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت، سعید بن عاص، عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ قرآن کریم کو کتابی شکل میں لکھیں اور انھیں ہدایت دی کہ جب تمھارا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے قرآن کے کسی محاورے میں اختلاف ہو تو اس لفظ کو قریش کے محاورے کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن کریم قریش کے محاورے پر نازل ہوا ہے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

فوائد ومسائل: ① قرآن کریم متفرق سورتوں اور آیات کی صورت میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے کتابی شکل میں یکجا کر دیا جائے اور اگر کسی عربی لفظ کی کتابت میں تمھارا اختلاف ہو جائے تو اسے قریش کے محاورے کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قرآن کریم انھی کے محاورے کے مطابق نازل ہوا ہے۔[2] چنانچہ لفظ ''التابوت'' کے متعلق اس کمیٹی کا اختلاف ہوا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: اسے ''التابوۃ'' کی شکل میں لکھا جائے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کہتے تھے کہ اسے ''التابوت'' لکھا جائے۔ جب معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا تو

① فتح الباري: 13/9. ② فتح الباري: 13/9.

انھوں نے فرمایا: اسے التابوت ہی لکھا جائے کیونکہ قریش کا محاورہ یہی ہے۔[1] ② واضح رہے کہ مذکورہ عنوان مستقل نہیں بلکہ اضافی ہے جسے ایک خاص فائدے کی وجہ سے الگ بیان کیا گیا ہے، اس لیے آئندہ حدیث کا تعلق عنوان سابق سے ہے کہ قرآن کریم کے نزول کی کیفیت کیا تھی۔ والله أعلم.

٤٩٨٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا عَطَاءٌ. وَقَالَ مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي صَفْوَانُ بْنُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ: أَنَّ يَعْلَى كَانَ يَقُولُ: لَيْتَنِي أَرَى رَسُولَ اللهِ ﷺ حِينَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ، فَلَمَّا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْجِعْرَانَةِ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ قَدْ أَظَلَّ عَلَيْهِ وَمَعَهُ النَّاسُ مِنْ أَصْحَابِهِ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مُتَضَمِّخٌ بِطِيبٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ تَرَى فِي رَجُلٍ أَحْرَمَ فِي جُبَّةٍ بَعْدَ مَا تَضَمَّخَ بِطِيبٍ؟ فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ سَاعَةً فَجَاءَهُ الْوَحْيُ، فَأَشَارَ عُمَرُ إِلَى يَعْلَى - أَيْ: تَعَالَ - فَجَاءَ يَعْلَى فَأَدْخَلَ رَأْسَهُ فَإِذَا هُوَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ يَغِطُّ كَذٰلِكَ سَاعَةً ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ: «أَيْنَ الَّذِي يَسْأَلُنِي عَنِ الْعُمْرَةِ آنِفًا؟» فَالْتُمِسَ الرَّجُلُ فَجِيءَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «أَمَّا الطِّيبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا، ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ». [راجع: ١٥٣٦]

[4985] حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے تھے: کاش! میں رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیکھوں جبکہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو، چنانچہ جب آپ مقام جعرانہ میں تھے اور آپ پر کپڑے کا سایہ کر دیا گیا تھا اس وقت آپ کے ہمراہ چند ایک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ اچانک ایک شخص آیا جو خوشبو میں لت پت تھا۔ اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! ایسے شخص کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جس نے خوشبو سے لت پت ہو کر ایک جبے میں احرام باندھا ہو؟ نبی ﷺ نے کچھ انتظار کیا، اس دوران میں آپ پر وحی آنا شروع ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کو اشارے سے بلایا۔ وہ آئے اور اپنا سر پردے کے اندر کیا تو دیکھتے ہیں کہ آپ کا چہرۂ انور سرخ ہو رہا تھا اور آپ تیزی سے سانس لے رہے تھے۔ تھوڑی دیر یہی کیفیت طاری رہی، پھر جب یہ حالت ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص کہاں ہے جو مجھ سے ابھی ابھی عمرے کے متعلق پوچھ رہا تھا؟'' اس شخص کو تلاش کر کے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''جو خوشبو تجھ پر لگی ہوئی ہے اسے تین بار دھو ڈال اور اپنا جبہ اتار دے، پھر اپنے عمرے میں وہی کچھ کر جو حج میں کرتے ہو۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ قرآن و سنت ایک ہی وحی اور ایک ہی زبان میں ہیں۔ یہ لغت قریش کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام زبان میں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس دیہاتی کو عربی زبان میں وہی جواب دیا جو بذریعۂ وحی آپ پر نازل ہوا تھا اور وہ جواب قطعی طور پر قریش کے محاورے کے مطابق نہ تھا کیونکہ وہ سائل قریشی

---

1. عمدة القاري: 531/13.

نہیں بلکہ عام دیہاتی تھا جیسا کہ دیگر روایات میں اس کی صراحت ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ''اللہ تعالیٰ ہر رسول کو قومی زبان دے کر مبعوث فرماتا ہے۔''[1] ② اس سے مراد لغت قریش نہیں بلکہ تمام اہل عرب کی زبان ہے کیونکہ آپ صرف قریش ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام اہل عرب کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ واللّٰه أعلم.[2]

(٣) بَابُ جَمْعِ الْقُرْآنِ

باب:3- قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآن کریم کے متعلق بیان کیا ہے کہ اسے اوراق میں کیونکر جمع کیا گیا؟ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن کریم کو سینوں اور تحریری شکل میں جمع کر لیا گیا تھا لیکن تحریری طور پر یکجا نہیں تھا بلکہ کھجور کی شاخوں، باریک پتھروں، کاغذ کے ٹکڑوں، چمڑے کی جھلیوں، شانے کی ہڈیوں اور پسلیوں پر لکھا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک مصحف میں اس لیے جمع نہ کیا تھا کہ زمانۂ نزول کے وقت کچھ آیات منسوخ ہو جاتی تھیں، اگر انھیں ایک مصحف میں جمع کرتے پھر نسخ کی وجہ سے بعض آیات کی تلاوت اٹھائی جاتی تو اختلاف پیدا ہو جاتا اور منسوخ آیات کا ناسخ آیات کے ساتھ اختلاط رہتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نسخ کے زمانے میں قرآن کریم کو سینوں میں محفوظ رکھا، اسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حفظ قرآن کا اہتمام کیا، لکھنے کی طرف اتنی توجہ نہ دی، لیکن متفرق طور پر رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن کریم کو لکھ لیا گیا تھا، البتہ ایک جگہ پر جمع نہ تھا اور نہ اس کی سورتیں ہی مرتب تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد نسخ کا اندیشہ نہ رہا اور نہ مزید آیات کے نازل ہونے کی امید ہی تھی، اس لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریک پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تعاون سے قرآن کریم کو جمع فرمایا۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی تحریک پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرتب کردہ مصحف کو از سرنو مرتب کیا اور اس انداز سے جمع کیا کہ ثابت شدہ احرف سبعہ کو بھی اس میں سمو دیا گیا، نیز منسوخ آیات کو خارج کر دیا گیا۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت جبرئیل سے قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ وہ اس ترتیب کے مطابق ہوتا تھا جو آج ہمارے مصاحف میں موجود ہے۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بإذن اللّٰه تعالىٰ.

٤٩٨٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ ابْنِ السَّبَّاقِ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ: إِنَّ

[4986] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جنگ یمامہ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا بھیجا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آئے ہیں اور انھوں نے کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قاریٔ قرآن شہید ہو گئے ہیں اور

---

[1] إبراهيم 14: 4. [2] فتح الباري: 9/14.

الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ، وَإِنِّي أَخْشَى، إِنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ، فَيَذْهَبُ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ لِعُمَرَ: كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ عُمَرُ: هٰذَا وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِذٰلِكَ، وَرَأَيْتُ فِي ذٰلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ.

مجھے اندیشہ ہے کہ اگر قراء کی شہادت کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو قراء ختم ہوجائیں گے اور قرآن کریم کا بہت سا حصہ بھی ان کے ساتھ ہی جاتا رہے گا، اس لیے میری خواہش ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ تم کیسے کرو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا: اللہ کی قسم! یہ تو ایک کار خیر ہے اور وہ میرے ساتھ اس سلسلے میں تکرار کرتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے میں میرا سینہ بھی کھول دیا اور اب میری بھی وہی رائے ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی۔

قَالَ زَيْدٌ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَانَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ، فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ [التوبة:١٢٨] حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ، فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ، ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ، ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ تم ایک نوجوان اور عقلمند آدمی ہو۔ ہم نے تمھیں کسی معاملے میں متہم بھی نہیں کیا اور تم رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی بھی تھے، اس لیے تم قرآن مجید کو پوری جستجو اور محنت کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دو۔ (حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا:) اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے کوئی پہاڑ دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو قرآن جمع کرنے کی نسبت یہ کام میرے لیے آسان تھا۔ بہرحال میں نے عرض کی: آپ حضرات وہ کام کیسے کر سکتے ہو جو خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ ایک عمل خیر ہے اور آپ میرے ساتھ تکرار کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا، چنانچہ میں نے قرآن مجید کی تلاش شروع کر دی اور میں اسے کھجور کی شاخوں، باریک پتھروں اور لوگوں کے سینوں کی مدد سے جمع کرنے لگا حتی کہ سورۂ توبہ کی آخری آیات مجھے حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ. [راجع: ۲۸۰۷]

سے ملیں۔ یہ آیات ان کے علاوہ کسی اور کے پاس نہ تھیں:﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ......﴾ جمع کرنے کے بعد یہ صحیفے حضرت ابوبکر ؓ کے پاس رہے۔ پھر ان کی وفات کے بعد حضرت عمر ؓ نے زندگی بھر انھیں اپنے پاس رکھا۔ ان کے بعد وہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر ؓ کے پاس محفوظ رہے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوی کیا تو حضرت ابوبکر ؓ نے اس کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر یمامہ بھیجا۔ اس میں شہید ہونے والے اکثر حفاظ کرام تھے حتی کہ سالم مولی حذیفہ ؓ جو قرآن کریم کے بہت بڑے قاری تھے اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ حضرت عمر ؓ نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ ان قراء کی شہادت سے قرآن کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے، اس لیے انھوں نے حضرت ابوبکر ؓ کو قرآن مجید ایک جگہ پر جمع کرنے کے متعلق کہا۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں متفرق طور پر ہڈیوں، صحیفوں اور کھجوروں کی شاخوں پر مکمل قرآن تحریری شکل میں موجود تھا مگر تمام قرآن ایک صحیفے میں ایک جگہ پر جمع نہیں ہوا تھا۔ حضرت زید بن ثابت ؓ رسول اللہ ﷺ کے کاتب وحی تھے، اس لیے قرآن کریم جمع کرنے کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی۔ وہ خود بھی قرآن کے حافظ تھے۔ انھوں نے اس ذمے داری کو نبھانے کے لیے بہت احتیاط سے کام لیا۔ ② آپ نے جمع قرآن کے لیے دو چیزوں کو بنیاد قرار دیا: ○ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تحریر شدہ ہو۔ ○ حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہو۔ حضرت عمر ؓ اس سلسلے میں آپ کے معاون تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نے حضرت عمر اور حضرت زید ؓ سے فرمایا: تم مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو کوئی تمھارے پاس قرآنی آیت کے متعلق دو گواہ لائے اسے لکھ لو۔ دو گواہوں سے مراد حفظ اور کتابت ہے یا اس سے مراد دو گواہ ہیں جو گواہی دیں کہ یہ مکتوب آیت رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی۔ بہر حال حضرت زید بن ثابت ؓ نے شبانہ روز (رات دن) محنت سے قرآن کریم کو جمع کیا اور پھر ان صحیفوں کو حضرت ابوبکر ؓ کے حوالے کر دیا...... ؓ ......

٤٩٨٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ: أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ: أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ - وَكَانَ يُغَازِي أَهْلَ الشَّامِ فِي فَتْحِ إِرْمِينِيَةَ وَأَذْرَبِيجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ - فَأَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَدْرِكْ هٰذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا

[4987] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ، امیر المومنین حضرت عثمان ؓ کے پاس آئے جبکہ حضرت عثمان ؓ اس وقت ارمینیہ اور آذر بائیجان کی فتح کے سلسلے میں شام کے غازیوں کے لیے جنگی تیاریوں میں مصروف تھے تاکہ وہ اہل عراق کو ساتھ لے کر جنگ کریں۔ حضرت حذیفہ ؓ لوگوں کے قرآن پڑھنے میں اختلاف کے باعث سخت پریشان

فِي الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلَى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِي إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكِ، فَأَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ إِلَى عُثْمَانَ، فَأَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَسَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ، وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ، وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّينَ الثَّلَاثَةِ: إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ، فَفَعَلُوا حَتَّى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ إِلَى حَفْصَةَ فَأَرْسَلَ إِلَى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوا، وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ.

[راجع: ٣٥٠٦]

تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کی: اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت بھی یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے آپ اس کی خبر لیں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ صحیفے ہمیں دے دیں تاکہ ہم انھیں مصاحف میں نقل کرلیں، پھر وہ آپ کو واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچا دیے۔ آپ نے حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن عاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ ان صحیفوں کو مصاحف میں نقل کرلیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تینوں قریشیوں سے فرمایا کہ جب تمھارا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ قرآن کریم کے کسی کلمے میں اختلاف ہوجائے تو اسے قریش کے محاورے کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن مجید قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا، چنانچہ ان حضرات نے ایسا ہی کیا۔ جب تمام صحیفوں کو مختلف مصاحف میں نقل کرلیا گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس بھیج دیے اور اپنی سلطنت کے ہر علاقے میں نقل شدہ مصحف کا ایک ایک نسخہ بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کے علاوہ اگر کوئی چیز قرآن کی طرف منسوب کی جاتی ہے، خواہ وہ کسی صحیفے میں ہو یا مصحف میں اسے جلا دیا جائے۔

٤٩٨٨ - قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَأَخْبَرَنِي خَارِجَةُ ابْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ: فَقَدْتُ آيَةً مِنَ الْأَحْزَابِ حِينَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهَا، فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ: ﴿مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا۟ مَا

[4988] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ جب ہم مصحف کی صورت میں قرآن مجید کو نقل کر رہے تھے تو مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی، حالانکہ میں وہ آیت رسول اللہ ﷺ سے سنا کرتا تھا اور آپ اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ پھر ہم نے اسے تلاش کیا تو وہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے

عَـٰهَدُواْ ٱللَّهَ عَلَيْـهِ﴾ [الأحزاب: ٢٣] فَأَلْحَقْنَاهَا فِي سُورَتِهَا فِي الصُّحُفِ.

پاس سے ملی وہ آیت یہ تھی: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ چنانچہ ہم نے اس آیت کو مصحف میں سورۂ احزاب کے ساتھ ملا دیا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آذربیجان کے علاقے میں دیکھا کہ لوگ مختلف قبائل کی زبانوں میں قرآن پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری قراءت، تمھاری قراءت سے اچھی ہے۔ دراصل اہل شام حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق قرآن مجید پڑھتے تھے اور اہل عراق نے یہ قراءت کبھی نہیں سنی تھی اور اہل عراق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں تلاوت کرتے تھے اور اس قراءت سے اہل شام ناآشنا تھے۔ اس بنا پر یہ حضرات ایک دوسرے کی قراءت کا انکار کرتے تھے۔ اس اختلاف نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو تشویش میں مبتلا کیا تو انھوں نے امت مسلمہ کو اختلاف سے بچانے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید جمع کرنے کا مشورہ دیا۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید جمع کیا تھا۔ اس میں آیات تو مرتب تھیں لیکن سورتیں غیر مرتب تھیں اور انھیں الگ الگ لکھا گیا تھا، پھر اس میں کچھ آیات منسوخ بھی جمع تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مرتب سورتوں کی شکل میں جمع کیا۔ ② حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں درج ذیل ضابطے کے مطابق قرآن مجید لکھا گیا۔ ○ جن آیات کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہوتا انھیں لکھا جاتا۔ ○ ان آیات کی تلاوت منسوخ نہ ہو اور عرصہ اخیرہ میں ان کی تلاوت کی جاتی ہو۔ ان آیات کو نہ لکھا گیا جن کی قرآنیت کی بنیاد خبر واحد پر تھی اور جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی۔ بعض صحابہ نے اپنے اپنے مصاحف میں تشریحی نوٹ لکھے تھے، انھیں بھی ختم کر دیا گیا۔ ③ ان مصاحف کی چھ نقلیں تیار کی گئیں اور انھیں مختلف علاقوں میں بھیجا گیا اور ان کے ساتھ ایک ایک معلم بھی روانہ کیا جس کی تفصیل یہ ہے: ○ ایک مصحف مدینہ طیبہ میں رکھا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بطور معلم مقرر فرمایا۔ ○ ایک نسخہ مکہ مکرمہ روانہ کیا اور وہاں تعلیم کے لیے حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کو تعینات کیا۔ ○ ایک مصحف شام بھیجا اور شام میں تعلیم کے لیے حضرت مغیرہ بن ابوشہاب کو نامزد کیا۔ ○ ایک نقل کردہ قرآن کوفے کے لیے تھا اور وہاں ابوعبدالرحمٰن السلمی اس کی تعلیم دیتے تھے۔ ○ ایک قرآن بصرے کے لیے مخصوص کیا، وہاں حضرت عامر بن قیس کو مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو تعلیم دیں۔ ○ ایک مصحف کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے رکھا جسے مصحف امام کہا جاتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان مصاحف کی کتابت کے وقت ایسا انداز اختیار کیا کہ احرف سبعہ کی پوری پوری گنجائش تھی۔ ان میں نقطے اور اعراب نہیں لگائے تھے۔ رسم الخط میں مختلف قراءتوں کی رعایت تھی، مثلاً: سورۃ البقرہ میں نُنْشِزُهَا کو نُنْشِرُهَا لکھا گیا تاکہ اسے زاء اور راء دونوں قراءتوں میں پڑھا جا سکے۔ اور جو قراءتیں رسم الخط میں نہ آسکتی تھیں، انھیں مختلف مصاحف میں لکھ دیا، مثلاً: سورۂ توبہ میں ہے: ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ﴾ جو مصحف مکے روانہ کیا گیا اس میں ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ﴾ لکھا، یعنی اس میں مِن کا اضافہ کیا، چنانچہ ابن کثیر مکی کی قراءتوں میں مِن کا اضافہ ہے، اسی طرح دیگر قراءات کو باقی رکھا گیا، البتہ کلمات کی کتابت میں جہاں اختلاف تھا، ان کے متعلق ہدایت دی گئی کہ اسے لغت قریش کے مطابق لکھا جائے، چنانچہ یہ اختلاف صرف ایک مقام پر ہوا کہ التابوت کو گول تا سے لکھا جائے یا لمبی تا سے تو اسے قریش کے محاورے کے

مطابق لمبی تا سے ''تابوت'' سے لکھا گیا۔ واللّٰہ أعلم۔

(٤) بَابُ كَاتِبِ النَّبِيِّ ﷺ

باب:4- نبی ﷺ کے کاتب کا بیان

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں متعدد حضرات کو وحی لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ چونکہ اکثر وحی کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ اس لیے حدیث میں ان کا ذکر ہے۔ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے وحی لکھی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کے بعد مقرر ہوئے اور مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وحی لکھتے تھے جو بعد میں مرتد ہو گئے، پھر فتح مکہ کے وقت دوبارہ اسلام قبول کیا۔[1]

٤٩٨٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ ابْنَ السَّبَّاقِ قَالَ: إِنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّكَ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَاتَّبِعِ الْقُرْآنَ، فَتَتَبَّعْتُ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ آيَتَيْنِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهُمَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ [التوبة: ١٢٨] إِلَى آخِرِهَا. [راجع: ٢٨٠٧]

[4989] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا کر فرمایا: تم رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھا کرتے تھے، لہٰذا تم ہی قرآن مجید کو محنت و جستجو سے جمع کرو، چنانچہ میں نے تلاش شروع کی تو سورۂ توبہ کی آخری دو آیات جو ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس لکھی ہوئی ملیں۔ ان کے علاوہ اور کہیں سے یہ آیات دستیاب نہ ہو سکیں۔ وہ آیات یہ تھیں: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ......﴾.

٤٩٩٠ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ (لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِي سَبِيلِ اللهِ) قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اُدْعُ لِي زَيْدًا وَلْيَجِئْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاةِ وَالْكَتِفِ، أَوِ الْكَتِفِ وَالدَّوَاةِ»، ثُمَّ قَالَ: «اُكْتُبْ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُونَ﴾» وَخَلْفَ ظَهْرِ النَّبِيِّ ﷺ عَمْرُو بْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ الْأَعْمَى فَقَالَ:

[4990] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَايَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''حضرت زید کو میرے پاس بلاؤ اور ان سے کہو کہ تختی، دوات اور شانے کی ہڈی لے کر آئے'' جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا: ''اس آیت کو لکھو: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ﴾۔'' اس وقت نبی ﷺ کے پیچھے ایک نابینا صحابی حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے

[1] فتح الباري: 9/29.

يَا رَسُولَ اللهِ، فَمَا تَأْمُرُنِي؟ فَإِنِّي رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ، فَنَزَلَتْ مَكَانَهَا (لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللهِ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ). [راجع: ٢٨٣١]

عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کا میرے متعلق کیا حکم ہے؟ بلاشبہ میں تو نابینا ہوں، تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ بایں الفاظ نازل ہوئی: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں لفظ ''غَيْرَ أُولِي الضَّرَرِ'' فی سبیل اللہ کے بعد واقع ہوا ہے جبکہ قرآن کریم میں ''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کے بعد مذکور ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں قرآن مجید کے مطابق آیت کریمہ کا اندراج ہے[1] ممکن ہے کہ مذکورہ روایات میں بطور تلاوت نہیں بلکہ تفسیر کے اعتبار سے ایسا ہو۔ واللّٰہ أعلم. ② ان احادیث میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی وحی لکھتے تھے جبکہ ان کے علاوہ بھی کاتبان وحی موجود تھے کیونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تو ہجرت کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور وحی کا سلسلہ تو اس سے پہلے جاری تھا، بہرحال ان کے علاوہ خلفائے راشدین، زبیر بن عوام، حنظلہ بن ربیع، عبداللہ بن ارقم اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کے نام کاتبان وحی میں ملتے ہیں۔[2]

(٥) بَابٌ: أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

باب:5-قرآن کریم سات قراءتوں پر نازل ہوا ہے

وضاحت: سبعہ احرف سے مراد سات قراءتیں یا سات طریقے ہیں، جن کے مطابق قرآن کریم پڑھنے کی اجازت ہے، جیسے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کو ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ پڑھنا جائز ہے۔ اس سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے اس دور میں جہاں آزادیٔ تحقیق کے نام سے صحیح احادیث کا انکار بلکہ استخفاف کیا جاتا ہے وہاں قراءتِ متواترہ کو بھی تختۂ مشق بنایا جاتا ہے، حالانکہ برصغیر میں جو روایت حفص پڑھی پڑھائی جاتی ہے وہ قراءت متواترہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ اسے تسلیم کرنا اور باقی قراءات کا انکار کرنا علم وعقل سے کورذوقی کی بدترین مثال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی زبان مختلف علاقوں اور قبیلوں میں استعمال ہو تو اس کے بعض الفاظ کے استعمال میں اتنا فرق آجاتا ہے کہ ایک قبیلے والا دوسرے قبیلے والوں کے لب ولہجے اور ان کے ہاں مستعمل الفاظ کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ نزول قرآن کے وقت عربی زبان قریش، ہذیل، تمیم، ربیعہ، ہوازن اور سعد بن بکر جیسے بڑے بڑے قبائل میں بولی جاتی تھی لیکن بعض قبائل کئی عربی الفاظ سمجھنے سے بالکل قاصر رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسانی کرتے ہوئے قرآن کریم کو سات حروف میں نازل فرمایا تاکہ قرآن کریم کے اول مخاطبین تکلف کا شکار نہ ہوں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''قرآن کریم کو سات حروف میں نازل کیا گیا ہے، لہٰذا جو تمھیں آسان معلوم ہو اس کے مطابق تلاوت کرلو۔''[3] جیسا کہ آئندہ احادیث میں ہم اس کی وضاحت کریں گے۔ باذن اللّٰہ تعالیٰ.

---

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4594. 2 فتح الباري: 29/9. 3 سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، رقم: 1287.

٤٩٩١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ».

[راجع: ٣٢١٩]

[4991] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا۔ میں نے ان سے درخواست کی اور زیادہ محاوروں سے پڑھنے کا مطالبہ کرتا رہا تو وہ پڑھاتے رہے حتی کہ وہ سات حروف پر پہنچے۔''

فوائد و مسائل: ① صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ اس سلسلے میں میری امت پر آسانی کریں۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ میری امت اس امر کی طاقت نہیں رکھتی۔[2] ابو داود کی روایت میں ہے کہ مجھے ایک فرشتے نے کہا کہ ایک حرف سے زیادہ پڑھنے کی درخواست کریں، چنانچہ مجھے سات حروف کے مطابق پڑھنے کی اجازت مل گئی۔[3] یہ حدیث محدثین کے ہاں ''سبعہ احرف'' کے نام سے مشہور ہے اور ائمۂ حدیث نے اس حدیث کو اپنی اپنی تالیفات میں ذکر کرکے اسے متواتر کا درجہ دیا ہے، چنانچہ اس حدیث کو بائیس (22) سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں۔ اس متواتر حدیث کے کسی بھی طریق میں کوئی بھی ایسی صریح عبارت موجود نہیں جو سبعہ احرف کی مراد کو متعین کرے جبکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ضرورت کے وقت کسی بات کی وضاحت کو مؤخر نہیں کرتے۔ اس کی غالباً یہ وجہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت تمام صحابہ کے نزدیک سبعہ احرف کا مفہوم متعین اور اس قدر واضح تھا کہ کسی کو بھی رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی اور نہ وہ اس مفہوم کو سمجھنے کے لیے کسی کے محتاج ہی تھے۔ اگر ان کے ذہن میں کوئی اشکال پیدا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سے اس مشکل کا حل معلوم کرتے، حالانکہ یہ حضرات قرآن کریم کے متعلق اس قدر حساس تھے کہ سبعہ احرف کے متعلق اگر کسی نے کسی دوسرے قاری سے مختلف انداز پر قراءت سنی تو قرآن کریم میں اختلاف کے واقع ہونے کے خوف سے فوراً رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا جیسا کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔ ② بہر حال اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام وجوہ قراءت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہیں۔ ان میں کسی انسانی کوشش و کاوش کا کوئی دخل نہیں ہے، پھر ان وجوہ کا اختلاف تناقض و تضاد کا نہیں بلکہ تنوع اور زیادتی معنی کا ہے۔ اس تنوع کے بے شمار فوائد ہیں جو فن توجیہ القراءات میں بیان ہوئے ہیں اور اس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ علمائے امت نے ان قراءات کو یاد کرنے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ علم القراءات ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ ③ ہمارے رجحان کے مطابق متواتر قراءات وحی الٰہی کا حصہ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا قرآن کریم کا انکار کرنا ہے۔ واللہ أعلم.

---

① صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1904 (820). ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1906 (821).
③ سنن أبي داود، الوتر، حديث: 1477.

یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت ہشام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں قریشی تھے، ان کی لغت ایک تھی، اس کے باوجود ان کا اختلاف ہوا۔ یہ کوئی معقول بات نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہی آدمی کو قرآن مجید ایسی لغت میں سکھلائیں جو اس کی لغت نہ ہو۔ بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد ایک معنی کو مختلف حروف و الفاظ سے ادا کرنا ہے اگرچہ ایک ہی لغت ہو کیونکہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کی ایک ہی لغت تھی۔ اس کے باوجود ان کی قراءت میں اختلاف ہوا۔ اس سلسلے میں دو باتوں پر اتفاق ہے: ○ قرآن کریم کو سبعہ حروف سے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم کے ہر لفظ کو سات طریقوں سے پڑھنا جائز ہے کیونکہ چند ایک کلمات کے علاوہ بیشتر کلمات اس اصول کے تحت نہیں آتے۔ ○ سبعہ حروف سے مراد ان سات ائمہ کی قراءت ہرگز نہیں جو اس سلسلے میں مشہور ہیں کیونکہ سب سے پہلا شخص جس نے ان سات قراءات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ ابن مجاہد ہے جس کا تعلق چھٹی صدی سے ہے۔ (2) امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو بہت مشکل خیال کرتا تھا حتی کہ میں نے تیس سے زیادہ سال تک اس پر غور و خوض کیا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قراءت کا اختلاف سات وجوہ سے باہر نہیں جو حسب ذیل ہیں: ○ معنی اور صورت خطی میں تبدیلی کے بغیر صرف حرکات میں اختلاف ہوگا جیسا کہ کلمہ یَحْسَبُ کو دو طرح اور کلمہ بُخْل کو چار طرح پڑھا گیا ہے۔ ○ صورت خطی میں اختلاف کے بجائے صرف معنی میں اختلاف ہوگا جیسا کہ ﴿فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ﴾ کو دو طرح پڑھا گیا ہے: * آدم کی رفعی اور کلمات کی نصبی حالت۔ * آدم کی نصبی اور کلمات کی رفعی حالت۔ ○ صورت خطی کے بجائے حروف میں تبدیلی ہوگی، جس سے معنی بھی بدل جائے گا جیسا کہ تَبْلُوا کو تَتْلُوا پڑھا گیا ہے۔ ○ صورت خطی کے بجائے حروف میں تبدیلی ہوگی لیکن اس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی جیسا کہ بَصْطَةً کو بَسْطَةً اور الصِّرَاط کو السِّرَاط پڑھا گیا ہے۔ ○ صورت خطی اور حروف دونوں کی تبدیلی ہوگی جس سے معنی بھی تبدیل ہوگا جیسا کہ اَشَد منكم کو اَشَد منهم پڑھا گیا ہے۔ ○ تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہوگا جیسا کہ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ میں ہے۔ اس میں پہلا معروف اور دوسرا مجہول ہے اسے یوں پڑھا گیا ہے: وَيُقْتَلُونَ فَيَقْتُلُونَ ○ حروف کی کمی بیشی میں اختلاف ہوگا جیسا کہ وَأَوْصٰى کو وَوَصّٰى پڑھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اظہار و ادغام، روم و اشمام، تفخیم و ترقیق، مد و قصر، امالہ و فتح، تحقیق و تسہیل اور ابدال و نقل وغیرہ جسے فن قراءت میں اصول کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا اختلاف نہیں ہے جس سے معنی یا لفظ میں تبدیلی آتی ہو۔[1] دور حاضر میں بعض اہل علم کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک ہی قراءت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے، اس کے علاوہ جو قراءت مدارس میں پڑھی یا پڑھائی جاتی ہیں یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں وہ سب فتنۂ عجم کی باقیات ہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق مذکورہ دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ یہ قراءات صحابہ و تابعین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور رسم عثمانی کی حدود کے اندر اور اس کے مطابق ہیں۔ (3) واضح رہے کہ قرآن کریم میں کسی بھی قراءت کے مستند ہونے کے لیے درج ذیل قاعدہ ہے: ○ جو قراءت قواعد عربیہ کے مطابق ہو اگرچہ یہ مطابقت بوجہ ہو۔ مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو، خواہ یہ مطابقت احتمالاً ہو، نیز وہ صحیح متواتر سند سے ثابت ہو۔ اس اصول کے مطابق جو بھی قراءت ہو

---

(1) النشر: 26/1.

گی وہ قراءت صحیحہ اوران حروف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن نازل ہوا ہے اور تمام مسلمانوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ اگر ان تینوں شرائط میں سے کسی شرط میں خلل آجائے تو وہ قراءت شاذہ، ضعیف یا باطل ہوگی۔[1] بہرحال قراءات متواترہ جنھیں احادیث میں احرف سبعہ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ آج بھی موجود ہیں اوران کے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

④ اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ تدوینِ قرآن کے وقت عربی کتابت نقاط وحرکات سے خالی ہوتی تھی، اس لیے ایک ہی نقش میں مختلف قراءات کے سما جانے کی گنجائش تھی۔ لوگوں کی سہولت کے لیے جب حروف پر نقاط، حرکات لگیں تو قرآن مجید بھی علیحدہ علیحدہ قراءت میں شائع ہونے لگے، چنانچہ ہمارے ہاں برصغیر میں قراءت امام عاصم بروایت حفص رائج ہے، اس طرح مغرب، الجزائر، اندلس اور شمالی افریقہ میں قراءت نافع بروایت ورش عام ہے اور اسی کے مطابق قرآنِ کریم کی اشاعت ہوتی ہے، چنانچہ راقم نے مدینہ طیبہ میں دوران تعلیم میں قراءت نافع بروایت قالون اور بروایت ورش دونوں الگ الگ مصاحف دیکھے تھے، نیز قراءت امام کسائی کا مصحف بھی نظر سے گزرا تھا۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری تھی کہ ہمارے ہاں روایت حفص پر مشتمل مصاحف ہی دستیاب ہیں، اس لیے اسے قرآن کے مترادف خیال کیا جاتا ہے اور اس بنیاد پر دوسری متواتر قراءات کا انکار کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ حال ہی میں سعودی عرب کے مجمع الملک فہد نے بھی لاکھوں کی تعداد میں روایت ورش، روایت دوری اور روایت قالون کے مطابق مصاحف ان مسلم ممالک کے لیے طبع کیے ہیں جن میں ان کے مطابق قراءت کی جاتی ہے۔ واللّٰہ المستعان.

(٦) بَابُ تَأْلِيفِ الْقُرْآنِ

باب:6- قرآن کی ترتیب کا بیان

وضاحت: قرآن مجید کی ترتیب دو طرح سے ہے: ایک تو سورتوں میں آیات کی ترتیب ہے۔ یہ تو بالا جماع توقیفی ہے۔ اس میں عقل و قیاس اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں۔ نزول وحی کے بعد خود رسول اللہ ﷺ ہدایت فرماتے تھے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں رکھو۔ دوسری ترتیب سورتوں کی ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ○ ترتیب نزول: نزول وحی کے اعتبار سے ان کی ترتیب، یعنی پہلے سورۂ علق پھر سورۂ مدثر وغیرہ۔ ○ ترتیب قراءت: مضامین اور تلاوت کے اعتبار سے ان کی ترتیب جیسا کہ موجودہ مصاحف میں ہے۔ سورتوں کی ترتیب میں اختلاف ہے کہ یہ توقیفی ہے یا اجتہادی؟ بعض حضرات کا موقف ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب قراءت بھی توقیفی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عمر کے آخری حصے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے جو دور فرمایا تھا وہ اس ترتیب قراءت کے مطابق تھا جبکہ جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب توقیفی نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے خلاف پڑھنا بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ تہجد کی نماز میں سورۂ آل عمران سے پہلے سورۂ نساء کی تلاوت فرمائی تھی اور سورۂ نساء موجودہ ترتیب کے مطابق آل عمران کے بعد ہے۔ واللّٰہ أعلم.[2]

---

1 النشر: 9/1. 2 فتح الباري: 50/9.

٤٩٩٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ مَاهَكٍ قَالَ: إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا إِذْ جَاءَهَا عِرَاقِيٌّ فَقَالَ: أَيُّ الْكَفَنِ خَيْرٌ؟ قَالَتْ: وَيْحَكَ، وَمَا يَضُرُّكَ؟ قَالَ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرِينِي مُصْحَفَكِ، قَالَتْ: لِمَ؟ قَالَ: لَعَلِّي أُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ يُقْرَأُ غَيْرَ مُؤَلَّفٍ، قَالَتْ: وَمَا يَضُرُّكَ أَيَّهُ قَرَأْتَ قَبْلُ؟ إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنَ الْمُفَصَّلِ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى الْإِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ، وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ: لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ لَقَالُوا: لَا نَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا، وَلَوْ نَزَلَ: لَا تَزْنُوا، لَقَالُوا: لَا نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا، لَقَدْ نَزَلَ بِمَكَّةَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ: ﴿بَلِ ٱلسَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَٱلسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾ [القمر: ٤٦] وَمَا نَزَلَتْ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَالنِّسَاءِ إِلَّا وَأَنَا عِنْدَهُ، قَالَ: فَأَخْرَجَتْ لَهُ الْمُصْحَفَ فَأَمْلَتْ عَلَيْهِ آيَ السُّوَرِ. [راجع: ٤٨٧٦]

[4993] حضرت یوسف بن ماہک سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس تھا، اس دوران میں ایک عراقی آیا اور کہنے لگا: کون سا کفن بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس! کفن جس طرح کا بھی ہو تجھے اس سے کیا نقصان ہوگا؟ پھر اس نے کہا: ام المومنین! مجھے اپنا مصحف دکھائیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: تجھے اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس کے مطابق قرآن کی ترتیب کرنا چاہتا ہوں کیونکہ قرآن ترتیب کے بغیر پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اس میں کیا قباحت ہے جو سورت تو چاہے پہلے پڑھ لے۔ بلاشبہ پہلے مفصل کی ایک سورت نازل ہوئی جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے۔ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے تو حلال وحرام سے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ اگر پہلے ہی یہ نازل ہوتا کہ لوگو! شراب نہ پیو تو وہ کہتے: ہم شراب کبھی ترک نہیں کریں گے۔ اور اگر پہلے نازل ہوتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے ہم اسے کبھی ترک نہیں کریں گے۔ اس کے بجائے مکہ مکرمہ میں حضرت محمد ﷺ پر یہ آیات نازل ہوئیں جبکہ میرا بچپن تھا اور میں کھیلا کرتی تھی: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾ لیکن سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپ ﷺ کے پاس تھی۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت عائشہ ؓ نے اس عراقی کے لیے اپنا مصحف نکالا اور ہر سورت کی آیات کے متعلق اسے تفصیل لکھوائی۔

فوائد و مسائل: ① عراق میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا اثر و رسوخ زیادہ تھا اور وہ عراقی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے مصحف کی ترتیب کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کرتا تھا اور ان کے مصحف کی ترتیب مصحف عثمان کے مطابق نہ تھی۔ حضرت عثمان ؓ نے جب مصاحف کو نقل کرنے کے بعد ایک نسخہ کوفے بھیجا تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اپنے ترتیب کردہ مصحف سے رجوع نہ کیا بلکہ اس کے مطابق قراءت کو جاری رکھا۔ چونکہ مصحف عثمانی پر جمہور امت نے اتفاق کیا تھا،

٤٩٩٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ مَاهَكٍ قَالَ: إِنِّي عِنْدَ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا إِذْ جَاءَهَا عِرَاقِيٌّ فَقَالَ: أَيُّ الْكَفَنِ خَيْرٌ؟ قَالَتْ: وَيْحَكَ، وَمَا يَضُرُّكَ؟ قَالَ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرِينِي مُصْحَفَكِ، قَالَتْ: لِمَ؟ قَالَ: لَعَلِّي أُوَلِّفُ الْقُرْآنَ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ يُقْرَأُ غَيْرَ مُؤَلَّفٍ، قَالَتْ: وَمَا يَضُرُّكَ أَيَّهُ قَرَأْتَ قَبْلُ؟ إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنَ الْمُفَصَّلِ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى الْإِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ، وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ: لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ لَقَالُوا: لَا نَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا، وَلَوْ نَزَلَ: لَا تَزْنُوا، لَقَالُوا: لَا نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا، لَقَدْ نَزَلَ بِمَكَّةَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ وَإِنِّي لَجَارِيَةٌ أَلْعَبُ: ﴿بَلِ ٱلسَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَٱلسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾ [القمر: ٤٦] وَمَا نَزَلَتْ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَالنِّسَاءِ إِلَّا وَأَنَا عِنْدَهُ، قَالَ: فَأَخْرَجَتْ لَهُ الْمُصْحَفَ فَأَمْلَتْ عَلَيْهِ آيَ السُّوَرِ. [راجع: ٤٨٧٦]

[4993] حضرت یوسف بن ماہک سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس تھا، اس دوران میں ایک عراقی آیا اور کہنے لگا: کون سا کفن بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: تجھ پر افسوس! کفن جس طرح کا بھی ہو تجھے اس سے کیا نقصان ہوگا؟ پھر اس نے کہا: ام المومنین! مجھے اپنا مصحف دکھائیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: تجھے اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے کہا کہ میں اس کے مطابق قرآن کی ترتیب کرنا چاہتا ہوں کیونکہ قرآن ترتیب کے بغیر پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اس میں کیا قباحت ہے جو سورت تو چاہے پہلے پڑھ لے۔ بلاشبہ پہلے مفصل کی ایک سورت نازل ہوئی جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے۔ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے تو حلال وحرام سے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ اگر پہلے ہی یہ نازل ہوتا کہ لوگو! شراب نہ پیو تو وہ کہتے: ہم شراب کبھی ترک نہیں کریں گے۔ اور اگر پہلے نازل ہوتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے ہم اسے کبھی ترک نہیں کریں گے۔ اس کے بجائے مکہ مکرمہ میں حضرت محمد ﷺ پر یہ آیات نازل ہوئیں جبکہ میرا بچپن تھا اور میں کھیلا کرتی تھی: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾ لیکن سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپ ﷺ کے پاس تھی۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر حضرت عائشہ ؓ نے اس عراقی کے لیے اپنا مصحف نکالا اور ہر سورت کی آیات کے متعلق اسے تفصیل لکھوائی۔

فوائد و مسائل: ① عراق میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا اثر و رسوخ زیادہ تھا اور وہ عراقی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے مصحف کی ترتیب کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کرتا تھا اور ان کے مصحف کی ترتیب مصحف عثمان کے مطابق نہ تھی۔ حضرت عثمان ؓ نے جب مصاحف کو نقل کرنے کے بعد ایک نسخہ کوفے بھیجا تو حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اپنے ترتیب کردہ مصحف سے رجوع نہ کیا بلکہ اس کے مطابق قراءت کو جاری رکھا۔ چونکہ مصحف عثمانی پر جمہور امت نے اتفاق کیا تھا،

اس لیے عراقی اس کے خلاف عمل کرنے پر راضی نہ تھا اور حضرت عائشہ ؓ سے مصحف دیکھنے کی خواہش کی بنیاد بھی یہی تھی۔ مصحف عثمان میں ترتیب نزولی کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ حضرت عائشہ ؓ نے اس کا جواب دیا کہ ترتیب نزول میں لوگوں کے رجحانات کا خیال رکھا گیا ہے کیونکہ ابتدا میں لوگوں کے دل فرمانبردار نہیں تھے، اس لیے احکام و مسائل نازل نہیں ہوئے بلکہ عقائد و نظریات سے متعلق آیات نازل ہوئیں، لیکن جب لوگوں میں اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا ہوگیا تو احکام سے متعلقہ سورتیں، مثلاً: سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء وغیرہ نازل ہوئیں۔ بہرحال ہمارے ہاں قابل اعتماد ترتیب مصحف عثمانی والی ہے جسے جمہور امت نے شرف قبولیت سے نوازا ہے۔ واللہ أعلم. ② واضح رہے کہ علمائے امت نے قرآنی سورتوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے: ○ السبع الطوال: سات لمبی لمبی سورتیں، یعنی البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام اور الاعراف، ساتویں میں اختلاف ہے کہ آیا وہ الانفال اور توبہ ہے جس کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا کر انھیں الگ الگ نہیں کیا گیا یا وہ سورۂ یونس ہے۔ ○ المئون: وہ سورتیں جن کی آیات کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ ○ المثاني: وہ سورتیں جن کی آیات دو سو کے لگ بھگ ہیں۔ ○ المفصل: اس سے مراد وہ سورتیں ہیں کہ ان کے درمیان بکثرت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا کر انھیں ایک دوسری سے الگ الگ کیا گیا ہے اور یہ سورۃ الحجرات سے آخر قرآن تک ہیں۔ پھر ان کی تین قسمیں ہیں: ○ طوال مفصل: سورۃ الحجرات سے سورۃ النبا تک۔ ○ اوساط مفصل: سورۃ النبا سے سورۂ والضحیٰ تک۔ ○ قصار مفصل: سورۂ والضحیٰ سے لے کر آخر قرآن تک۔ چونکہ حدیث میں سیدہ عائشہ ؓ نے مفصل سورت کا ذکر کیا تھا، اس لیے مذکورہ ترتیب بیان کی گئی ہے۔

٤٩٩٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ: قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، وَالْكَهْفِ، وَمَرْيَمَ، وَطٰهَ، وَالْأَنْبِيَاءِ: إِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي. [راجع: ٤٧٠٨]

[4994] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: سورۂ بنی اسرائیل، الکہف، مریم، طٰہ اور سورۃ الانبیاء یہ پانچوں سورتیں نہایت ہی بلیغ اور میرا محفوظ خزانہ ہیں۔

فوائد و مسائل: ① یہ پانچوں سورتیں پہلے سے نازل شدہ ہیں لیکن مصحف عثمانی میں ان کی ترتیب ان کے نزول کے مطابق نہیں ہے بلکہ بڑی بڑی سورتوں کو ترتیب تلاوت میں پہلے رکھا گیا ہے۔ ② حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا مقصد یہ ہے کہ یہ پانچوں سورتیں بہت فصیح و بلیغ ہیں اور ان میں ہر ایک کا مضمون نہایت دلآویز ہے جیسا کہ واقعۂ معراج، قصۂ اصحاب کہف، واقعۂ پیدائش عیسیٰ، عظمت انبیاء اور ان کی اقوام کے حالات پر مشتمل ہیں، اور ان کی پہلے سے یاد کردہ ہیں۔ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ پانچوں سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں لیکن مصحف عثمان میں یہ مؤخر ہیں، البتہ مصحف ابن مسعود میں ان کی ترتیب وہی ہے جو مصحف عثمان میں ہے۔ واللہ أعلم.[1]

[1] فتح الباري: 53/9.

٤٩٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ: سَمِعَ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: تَعَلَّمْتُ ﴿سَبِّحِ ٱسْمَ رَبِّكَ ٱلْأَعْلَى﴾ قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ النَّبِيُّ ﷺ.

[4995] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے مدینہ طیبہ آنے سے پہلے ہی سورۂ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ سیکھ لی تھی۔

فائدہ: امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ سورۃ الاعلیٰ نزول کے اعتبار سے پہلے ہے کیونکہ براء بن عازب ؓ نے اس سورت کو ہجرت سے پہلے ہی یاد کر رکھا تھا، البتہ مصاحف میں اس کی ترتیب بہت مؤخر ہے بلکہ اسے اوساط مفصل میں رکھا گیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ترتیب قراءت، ترتیب نزول سے الگ ہے۔ واللہ أعلم.

٤٩٩٦ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَقَدْ تَعَلَّمْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَؤُهُنَّ اثْنَيْنِ اثْنَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، فَقَامَ عَبْدُ اللهِ وَدَخَلَ مَعَهُ عَلْقَمَةُ وَخَرَجَ عَلْقَمَةُ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ: عِشْرُونَ سُورَةً مِنْ أَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلَى تَأْلِيفِ ابْنِ مَسْعُودٍ، آخِرُهُنَّ مِنَ الْحَوَامِيمِ [حٰمٓ الدُّخَانِ، وَعَمَّ يَتَسَآءَلُونَ]. [راجع: ٧٧٥]

[4996] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں ان جڑواں سورتوں کو جانتا ہوں جنھیں نبی ﷺ ہر رکعت میں دو دو پڑھتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ مجلس سے اٹھ گئے۔ ان کے ساتھ حضرت علقمہ بھی گھر میں داخل ہوئے۔ پھر جب وہ باہر آئے تو ہم نے ان سے پوچھا: وہ کون سی سورتیں ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ وہ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی ترتیب کے مطابق، آغاز مفصل کی بیس سورتیں ہیں جن کی آخری سورتیں حم والی ہیں۔ حم الدخان اور عم یتساءلون بھی انھیں میں سے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① ہم اس سے پہلے کتاب الصلاۃ میں ان سورتوں کی تفصیل بیان کر آئے ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نماز میں دو، دو کر کے پڑھا کرتے تھے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے مصحف کی ترتیب مصحف عثمانی سے مختلف تھی۔ اس میں پہلے سورۂ فاتحہ، پھر سورۂ بقرہ، اس کے بعد سورۂ نساء، پھر سورۂ آل عمران تھی اور وہ ترتیب نزولی کے مطابق بھی نہ تھا۔ ③ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی ؓ کا مصحف ترتیب نزول کے مطابق تھا اور سورۂ اقرأ سے شروع ہوتا تھا، پھر سورۂ مدثر اس کے بعد سورۂ نون، یعنی پہلے مکی سورتوں کا اور پھر مدنی سورتوں کا اندراج تھا۔ ④ بہر حال آج دنیا میں مصحف عثمانی ہی رائج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پذیرائی دی ہے جو دوسرے مصاحف کو نہیں مل سکی۔ غالباً اس مصحف کی وہی ترتیب ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل سے آخری دور کیا تھا۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابٌ: كَانَ جِبْرِيلُ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

باب:7- حضرت جبریل علیہ السلام، نبی ﷺ سے قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے

وَقَالَ مَسْرُوقٌ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، عَنْ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ: أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ «أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعارِضُنِي بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ، وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ، وَلَا أُرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِي».

مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ان سے راز واری کے طور پر فرمایا: ''جبریل علیہ السلام مجھ سے ہر سال قرآن کریم کا دور کرتے تھے، اس سال انھوں نے مجھ سے دو مرتبہ دور کیا ہے۔ میرا خیال ہے میری موت کا وقت قریب آچکا ہے۔''

وضاحت: اس معلق حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المناقب، حدیث: 3624 کے تحت دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس میں قرآن کے دور کے علاوہ بہت سی باتوں کا ذکر ہے۔

٤٩٩٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَأَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ؛ لِأَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْقُرْآنَ فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ. [راجع: ٦]

[4997] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ صدقہ و خیرات کرنے میں تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور ماہ رمضان میں تو آپ کی سخاوت بے انتہا ہوتی تھی کیونکہ رمضان کے مہینے میں حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ہر رات ملاقات کرتے تھے تا آنکہ ماہ رمضان ختم ہو جاتا۔ وہ ان راتوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کرتے تھے۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملتے تو اس وقت آپ ﷺ تیز ہوا سے بھی بڑھ کر سخی ہو جاتے تھے۔

٤٩٩٨ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ الْقُرْآنَ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً، فَعَرَضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ، وَكَانَ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ عَامٍ عَشْرًا،

[4998] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: وہ (حضرت جبرئیل علیہ السلام) ہر سال ایک مرتبہ نبی ﷺ سے قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی، اس میں انھوں نے آپ ﷺ سے دو مرتبہ دور کیا، نیز آپ ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف کیا کرتے

فَاعْتَكَفَ عِشْرِينَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ. [راجع: ٢٠٤٤]

تھے لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی، اس سال آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔

فوائد و مسائل: ① عنوان کا تقاضا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن سناتے اور رسول اللہ ﷺ اسے سنا کرتے تھے، اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن سناتے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے سنا کرتے تھے۔ ہمارے دور قرآن کا یہی مفہوم ہے کہ پہلے ایک حافظ پڑھتا ہے اور دوسرا سنتا ہے، پھر دوسرا پڑھتا ہے اور پہلا سنتا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ سال بھر میں جو قرآن نازل ہوتا اسے رمضان کی تمام راتوں میں تقسیم کرتے، پھر رات کے کچھ حصے میں اس کا ورد کرتے۔ تمام رات دور قرآن نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپ کی دیگر مصروفیات بھی رات کو ہوتی تھیں، مثلاً: ○ رات کو تہجد پڑھتے۔ ○ اہل خانہ کے حقوق اور دیگر لوازمات پورے کرتے۔ ○ کچھ رات آرام اور سکون کے لیے وقف کرتے۔ ③ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قرآن کریم کے ساتھ خصوصی لگاؤ تھا۔ آپ اس کی حفاظت و نگہداشت کے لیے خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ والله أعلم.

(٨) بَابُ الْقُرَّاءِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

باب:8- رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے قاری حضرات کا بیان

٤٩٩٩ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مَسْرُوقٍ: ذَكَرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ: لَا أَزَالُ أُحِبُّهُ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «خُذُوا الْقُرْآنَ مِنْ أَرْبَعَةٍ، مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَسَالِمٍ، وَمُعَاذٍ، وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ». [راجع: ٣٧٥٨]

[4999] حضرت مسروق سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا: اس وقت سے ان کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے جب سے میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قرآن مجید چار حضرات سے حاصل کرو: عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے۔''

فوائد و مسائل: ① ان حضرات میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہم مہاجرین اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما انصار سے ہیں۔ یہ حضرات قرآن کریم کے ماہر اور حفظ و ادا میں خصوصی شغف رکھنے والے تھے۔ اگرچہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی قرآن کے حافظ تھے مگر ان چار حضرات کو سب سے زیادہ قرآن کریم یاد تھا۔ ② علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان چاروں کے ذکر سے ان کے زیادہ عرصے تک باقی رہنے کا اشارہ ہے۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ سالم بن معقل رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات

پائی، ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا خلافت عثمان میں انتقال ہوگیا، البتہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کے بعد طویل زمانے تک زندہ رہے اور وہی قراءات وعلوم قرآن میں مرجع خاص و عام تھے۔[1]

٥٠٠٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا شَقِيقُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: خَطَبَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ فَقَالَ: وَاللهِ لَقَدْ أَخَذْتُ مِنْ فِي رَسُولِ اللهِ ﷺ بِضْعًا وَسَبْعِينَ سُورَةً، وَاللهِ لَقَدْ عَلِمَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنِّي مِنْ أَعْلَمِهِمْ بِكِتَابِ اللهِ وَمَا أَنَا بِخَيْرِهِمْ. قَالَ شَقِيقٌ: فَجَلَسْتُ فِي الْحِلَقِ أَسْمَعُ مَا يَقُولُونَ، فَمَا سَمِعْتُ رَادًّا يَقُولُ غَيْرَ ذٰلِكَ.

[5000] حضرت شقیق بن سلمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے ستر سے زیادہ سورتیں خود رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی ہیں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ قرآن کریم کا جاننے والا ہوں، حالانکہ میں ان سے بہتر نہیں ہوں۔ شقیق کہتے ہیں کہ میں لوگوں کے مجمع میں بیٹھتا تاکہ لوگوں کے تأثرات معلوم کروں لیکن میں نے کسی سے اس بات کی تردید نہیں سنی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا حال واقعی بیان کیا ہے۔ ان کی نیت میں فخر و غرور کا اظہار نہ تھا جیسا کہ خود انھوں نے وضاحت فرمائی ہے کہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے افضل نہیں ہوں، البتہ شقیق رحمہ اللہ کا قول محل نظر ہے کیونکہ امام زہری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس بات کو پسند نہ کیا۔ ممکن ہے کہ جہت اختلاف کی وجہ سے ایسا ہو۔ ② یقیناً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے عالم اور بہترین قاری تھے لیکن انھوں نے مصحف عثمانی کے مقابلے میں اپنے مصحف کو باقی رکھنے پر اصرار کیا۔ اس بات کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پسند نہیں فرمایا، حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہو چکا تھا۔[2]

٥٠٠١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُودٍ سُورَةَ يُوسُفَ، فَقَالَ رَجُلٌ: مَا هٰكَذَا أُنْزِلَتْ، فَقَالَ: قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَحْسَنْتَ»، وَوَجَدَ مِنْهُ رِيحَ الْخَمْرِ فَقَالَ: أَتَجْمَعُ أَنْ تُكَذِّبَ

[5001] حضرت علقمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم حمص میں تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ یوسف پڑھی تو ایک شخص نے کہا: یہ اس طرح نازل نہیں ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور اس سورت کو پڑھا تو آپ نے فرمایا: ''تو نے بہت اچھا پڑھا ہے۔'' پھر انھوں نے اس

1 فتح الباري: 60/9. 2 فتح الباري: 62/9.

بِكِتَابِ اللهِ وَتَشْرَبَ الْخَمْرَ؟ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ.

(اعتراض کرنے والے) کے منہ سے شراب کی بو محسوس کی تو فرمایا: تو دو گناہ ایک ساتھ کرتا ہے: اللہ کی کتاب کو جھٹلاتا ہے اور شراب نوشی کرتا ہے؟ پھر انھوں نے اس پر حد لگائی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ یوسف کی تلاوت کی تو کہا: میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلاوت کیا تھا تو آپ نے میری قراءت کی تحسین فرمائی تھی۔ ② اس آدمی نے قرآن کریم کی تکذیب نہیں کی کیونکہ اسے جھٹلانے سے تو انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے بلکہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم کے ایک حرف کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس آدمی نے طرزِ ادا کا انکار کیا تھا کیونکہ اس نے کہا: یہ اس طرح نازل نہیں ہوئی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قرآنی سورت کا انکار نہیں کیا تھا، چنانچہ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں پڑھا تو آپ نے میری قراءت کو بنظر تحسین دیکھا تھا۔ اس آدمی نے جہالت، قلت حفظ اور عدم ثبت کی وجہ سے ایسا کہا کیونکہ وہ اس وقت نشے کی حالت میں تھا۔[1]

٥٠٠٢ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: وَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ أَيْنَ أُنْزِلَتْ، وَلَا أُنْزِلَتْ آيَةٌ مِنْ كِتَابِ اللهِ إِلَّا أَنَا أَعْلَمُ فِيمَنْ أُنْزِلَتْ، وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنِّي بِكِتَابِ اللهِ تَبْلُغُهُ الْإِبِلُ لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ.

[5002] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! اللہ کی کتاب کی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی اور اللہ کی کتاب میں کوئی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کس کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر مجھے خبر ہو جائے کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا ہے اور اونٹ مجھے اس کے پاس پہنچا سکے تو اس کی طرف ضرور سفر کروں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت بقدر حاجت انسان اپنی تعریف خود کر سکتا ہے، البتہ فخر و غرور کے طور پر ایسا کرنا قابل مذمت ہے۔ ② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری مصاحف کے علاوہ دیگر پرائیویٹ اور ذاتی مصاحف کو جلا دینے کا حکم دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا مصحف ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ عرضۂ اخیرہ، یعنی رسول اللہ ﷺ کے جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آخری دور کرنے کی قراءت جاننے والا میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، اگر مجھے ایسے شخص کا علم ہوتو میں ضرور اس کے

[1] فتح الباري: 9/63.

پاس جاؤں۔ ③ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی قرآنی مہارت ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث بیان کی ہے۔

٥٠٠٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: أَرْبَعَةٌ، كُلُّهُمْ مِنَ الْأَنْصَارِ: أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَبُو زَيْدٍ».

[5003] حضرت قتادہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی ﷺ کے عہد مبارک میں قرآن کریم کو کن کن حضرات نے جمع کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ چار حضرات نے جمع کیا تھا اور وہ سب انصار سے تھے: ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ عنہم۔

تَابَعَهُ الْفَضْلُ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ، عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ. [راجع: ٣٨١٠]

فضل نے حسین بن واقد لیثی سے روایت کرنے میں حفص بن عمر کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی معلومات کے اعتبار سے ایسا کہا ہے کیونکہ ان چار کے علاوہ دیگر بے شمار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جنھوں نے بقدر توفیق الٰہی قرآن جمع کیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقصد انصار میں سے قرآنِ مجید جمع کرنے والے بتانا ہو کہ وہ صرف چار تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد پورے قرآن مجید سے ہو، یعنی سارا قرآن صرف ان چار حضرات نے جمع کیا تھا۔ بہرحال ہمارے رجحان کے مطابق یہ حصر انصار کے لحاظ سے ہے کہ ان میں سے صرف چار حضرات نے قرآن جمع کیا تھا، مہاجرین اور دیگر حضرات کے اعتبار سے یہ حصر نہیں ہے۔ والله أعلم. ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اوس اور خزرج کا مقابلہ ہوا تھا۔ جب قبیلۂ اوس نے اپنے چار با کمال لوگ ذکر کیے تو قبیلۂ خزرج نے اپنے چار حفاظ قرآن کو پیش کیا، جن کا ذکر اس حدیث میں ہوا ہے۔[1]

٥٠٠٤ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ ابْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنِي ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ وَثُمَامَةُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَاتَ النَّبِيُّ ﷺ وَلَمْ يَجْمَعِ الْقُرْآنَ غَيْرُ أَرْبَعَةٍ: أَبُو الدَّرْدَاءِ، وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَبُو زَيْدٍ، قَالَ: وَنَحْنُ وَرِثْنَاهُ. [راجع: ٣٨١٠]

[5004] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے وفات پائی تو صرف چار صحابۂ کرام قرآن کے حافظ تھے: ابوالدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ عنہم۔ اور پھر ہم ابوزید رضی اللہ عنہ کے وارث بنے (کیونکہ ان کی اپنی اولاد نہیں تھی جبکہ انس رضی اللہ عنہ ان کے بھتیجے تھے)۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی اس سے پہلے حدیث سے مختلف ہے۔ ایک تو اس میں حصر کے

1 فتح الباري: 9/64.

ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت صرف چار حافظ قرآن تھے اور دوسرے اس روایت میں حضرت ابی بن کعب ؓ کے بجائے حضرت ابو درداء ؓ کا ذکر ہے۔ ② بہر حال رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت متعدد صحابۂ کرام ؓ حافظ قرآن تھے۔ خود انصار کے متعلق تصریح ہے کہ مذکورہ حضرات کے علاوہ حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابوایوب انصاری ؓ بھی حافظ قرآن تھے۔ اس طرح مہاجرین میں سے متعدد حضرات حافظ قرآن تھے جن میں سے حضرت ابو بکر ؓ سرفہرست ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں منصب امامت پر سرفراز فرمایا اور امامت کے لیے قرآن کا زیادہ پڑھا ہوا ہونا ضروری ہے۔ واللہ أعلم.

٥٠٠٥ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ عُمَرُ: أُبَيٌّ أَقْرَؤُنَا وَإِنَّا لَنَدَعُ مِنْ لَحْنِ أُبَيٍّ، وَأُبَيٌّ يَقُولُ: أَخَذْتُهُ مِنْ فِي رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَا أَتْرُكُهُ لِشَيْءٍ، قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ ءَايَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ أَوْ مِثْلِهَآ﴾ [البقرة: ١٠٦]. [راجع: ٤٤٨١]

[5005] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ابی بن کعب ؓ ہم میں سب سے بڑے قاری ہیں لیکن حضرت ابی ؓ جہاں غلطی کرتے ہیں اس کو ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میں نے تو قرآن مجید کو رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سنا ہے، اس لیے میں کسی کے کہنے پر اسے چھوڑنے والا نہیں ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: ''ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلاتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت ابی بن کعب ؓ بھی قرآن کریم کے قاری اور بہترین عالم تھے، لیکن وہ اپنے مصحف پر حد سے زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ جب انھیں بتایا جاتا کہ آپ فلاں آیت کی تلاوت کرتے ہیں، حالانکہ اس کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے تو وہ اس سے رجوع نہ کرتے بلکہ کہتے کہ میں نے تو اسے رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سنا ہے۔ ② حضرت عمر ؓ نے آیت قرآن سے استدلال کیا کہ بعض قرآنی آیات کا نسخ خود قرآن سے ثابت ہے۔ حضرت ابی بن کعب ؓ کا رسول اللہ ﷺ سے سننا اس امر کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اس کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی، لہٰذا حضرت ابی بن کعب ؓ کی قراءت میں جو آیات منسوخ التلاوۃ ہیں ہم انھیں تسلیم نہیں کرتے بلکہ انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔[1]

(٩) بَابُ فَضْلِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ

باب: 9- سورۂ فاتحہ کی فضیلت

٥٠٠٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى

[5006] حضرت ابوسعید بن معلّٰی ؓ سے روایت ہے،

[1] فتح الباري: 9/68.

ابْنُ سَعِيدٍ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلَّى قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي فَدَعَانِي النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ أُجِبْهُ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي، قَالَ: «أَلَمْ يَقُلِ اللهُ: ﴿ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾؟» [الأنفال: ٢٤] ثُمَّ قَالَ: «أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ؟» فَأَخَذَ بِيَدِي، فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّكَ قُلْتَ: «أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ». قَالَ: «﴿ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي، وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ». [راجع: ٤٤٧٤]

انھوں نے کہا: میں نماز میں مشغول تھا کہ مجھے نبی ﷺ نے بلایا، اس لیے میں نے آپ کو کوئی جواب نہ دیا۔ (فراغت کے بعد) میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا: ''جب تمھیں اللہ اور اس کا رسول بلائے تو فوراً حاضر ہو جاؤ؟'' پھر آپ نے فرمایا: ''کیا مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے میں تمھیں قرآن کریم کی عظیم تر سورت نہ پڑھاؤں؟'' آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ جب ہم مسجد سے باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے ابھی فرمایا تھا: ''کیا میں تمھیں قرآن کی عظیم تر سورت نہ پڑھاؤں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں، وہ سورت ''الحمد للہ رب العالمین'' ہے۔ یہی وہ سات آیات ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور یہی وہ ''قرآن عظیم'' ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس طرح کا ایک واقعہ حضرت ابی بن کعب ؓ کو بھی پیش آیا جبکہ وہ مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ انھیں بھی رسول اللہ ﷺ نے بلایا تھا۔[1] ② رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو قرآن کریم کی عظیم تر سورت قرار دیا ہے کیونکہ اس کے پڑھنے سے بہت ثواب ملتا ہے اگرچہ دوسری سورتیں مقدار کے اعتبار سے لمبی ہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے علامہ قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے: فاتحہ کی خصوصیت ہے کہ وہ قرآن کریم کا مقدمہ ہے جو قرآنی علوم پر مشتمل ہے کیونکہ اس میں اللہ کی حمد وثنا اور بندوں کی طرف سے عبادت واخلاص کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے طلب ہدایت اور اپنی عاجزی کا اظہار ہے، نیز اس میں اس کی نعمتوں کے ایمان افروز بیانات، آخرت کے حالات اور منکرین کا انجام بیان ہوا ہے۔[2] اس حدیث کے متعلق دیگر فوائد کتاب التفسیر میں بیان ہو چکے ہیں۔

٥٠٠٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا وَهْبٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ مَعْبَدٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كُنَّا فِي مَسِيرٍ لَنَا فَنَزَلْنَا، فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ فَقَالَتْ: إِنَّ سَيِّدَ الْحَيِّ

[5007] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک سفر میں تھے تو (ایک قبیلے کے نزدیک) ہم نے پڑاؤ کیا۔ وہاں ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی کہ قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے اور ہمارے قبیلے

---

1 جامع الترمذي، فضائل القرآن، حديث: 2875. 2 فتح الباري: 9/69.

سَلِيمٌ، وَإِنَّ نَفَرَنَا غُيَّبٌ فَهَلْ مِنْكُمْ رَاقٍ؟ فَقَامَ مَعَهَا رَجُلٌ مَا كُنَّا نَأْبُنُهُ بِرُقْيَةٍ فَرَقَاهُ فَبَرَأَ، فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِينَ شَاةً وَسَقَانَا لَبَنًا، فَلَمَّا رَجَعَ قُلْنَا لَهُ: أَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً أَوْ كُنْتَ تَرْقِي؟ قَالَ: لَا، مَا رَقَيْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْكِتَابِ، قُلْنَا: لَا تُحْدِثُوا شَيْئًا حَتَّى نَأْتِيَ أَوْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ. فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ ذَكَرْنَاهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «وَمَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ».

کے مرد موجود نہیں ہیں کیا تم میں سے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ ہم میں سے ایک شخص اس کے ساتھ جانے کے لیے کھڑا ہوا، حالانکہ ہم اسے جھاڑ پھونک کرنے والا خیال نہیں کرتے تھے، چنانچہ اس نے دم کیا تو سردار تندرست ہوگیا اور اس نے (شکرانے کے طور پر) تیس (30) بکریاں دینے کا حکم دیا، نیز ہمیں دودھ بھی پلایا۔ جب وہ شخص واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا: کیا تم واقعی کوئی منتر جانتے ہو اور تیرے پاس اچھا سا دم ہے؟ اس نے کہا: نہیں، میں نے تو صرف فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کر دیا تھا۔ ہم نے کہا: جب تک ہم نبی ﷺ سے اس کے متعلق کچھ پوچھ نہ لیں ان کے متعلق کچھ نہ کریں۔ پھر جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ''اس کو کیسے معلوم ہوا کہ فاتحہ سے دم کیا جاتا ہے، بہرحال بکریاں تقسیم کر لو اور میرا بھی ان میں حصہ رکھو۔''

وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ: حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ سِيرِينَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ بِهٰذَا.

[راجع: ٢٢٧٦]

ابومعمر نے بیان کیا، ہمیں عبدالوارث نے، ان سے ہشام نے، ان سے محمد بن سیرین نے ان سے معبد بن سیرین نے، انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی۔

فوائد و مسائل: ① دم کرنے والے خود راوئ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے۔[1] ② اس حدیث سے سورۂ فاتحہ کی فضیلت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا ہیں، یہ نہ صرف مضامین کے اعتبار سے بلند پایہ ہیں بلکہ دم جھاڑ کے بھی کام آتے ہیں۔ بعض روایات میں اس کا نام سورۂ رُقیہ بھی آیا ہے۔[2] ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دم جھاڑ کرنا جائز ہے اور اس پر اجرت بھی لی جا سکتی ہے لیکن اسے پیشہ بنانا اور ذریعۂ معاش قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

① صحيح البخاري، الطب، حديث :5736. ② صحيح البخاري، الطب، حديث :5736.

(١٠) بَابُ فَضْلِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ

باب:10- سورۂ بقرہ کی فضیلت

٥٠٠٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ . . .». [راجع: ٤٠٠٨]

[5008] حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے دو آیات پڑھیں......''

٥٠٠٩ - وَحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ». [راجع: ٤٠٠٨]

[5009] حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ ہی سے (دوسری سند سے) روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھیں وہ اسے کافی ہو جائیں گی۔''

فوائد و مسائل: ① آخری دو آیات سے مراد: ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ...... فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ تا آخری آیت ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور رسول اللہ ﷺ کی تابعداری اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فرمانبرداری، نیز ان کا تمام امور میں اللہ کی طرف رجوع کو بیان کیا گیا ہے۔ اس بنا پر ان کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ دونوں آیتیں انسانوں کے لیے کافی ہیں۔ کافی ہونے کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت انھیں پڑھ لے گا اس کے لیے یہ پڑھنا رات کے قیام کا بدل ہوگا اور نماز تہجد کا ثواب اسے مل جائے گا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس رات انسان، شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے بلکہ وہ ہر قسم کی برائی سے بچا رہتا ہے۔[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فضائل قرآن کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان آیات کو خود پڑھو، اپنے بچوں اور عورتوں کو سکھلاؤ کیونکہ یہ آیات مغز قرآن، نماز اور دعا ہیں۔[2]

٥٠١٠ - وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وَكَّلَنِي رَسُولُ ﷺ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ، فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ، فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ: لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ

[5010] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فطرانۂ رمضان کی نگرانی میرے سپرد کی۔ رات کے وقت کوئی آیا اور دونوں ہاتھوں سے کھجوریں اٹھانے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس ضرور لے جاؤں گا۔ پھر پوری

---

[1] فتح الباري: 71/9. [2] فتح الباري: 70/9.

ﷺ، فَقَصَّ الْحَدِيثَ فَقَالَ: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ، لَمْ يَزَلْ مَعَكَ مِنَ اللهِ حَافِظٌ، وَلَا يَقْرُبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ، ذَاكَ شَيْطَانٌ». [راجع: ٢٣١١]

حدیث بیان کی۔ اس (آنے والے، یعنی شیطان) نے کہا: جب تو اپنے بستر پر سونے لگے تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو، اللہ کی طرف سے تیرا ایک محافظ مقرر ہو جائے گا اور صبح تک شیطان تیرے قریب نہیں پھٹکے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس نے تجھ سے سچ کہا جبکہ وہ (شیطان) بہت بڑا جھوٹا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے فرمان کہ شیطان نے تجھ سے سچ کہا ہے اس کی مطلق سچائی کا وہم ہو سکتا تھا، اس لیے آپ نے مبالغے کے ساتھ اس سے صدق کی نفی فرمائی، یعنی اس نے یہ بات سچ کہہ دی ہے، حالانکہ اس کی عادت ہمیشہ جھوٹ بولنا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الوکالہ (حدیث:1123) میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ شیطان کو اس کی اصلی صورت میں پکڑ لیا تھا، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک دعا یاد آ گئی تو اسے چھوڑ دیا[1] لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے جب قابو کیا تو وہ انسانی شکل میں تھا اور اس حالت میں اسے پکڑنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کے منافی نہ تھا۔[2] واللہ أعلم. ③ واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات اور آیت الکرسی کی فضیلت بیان کر کے پوری سورت کے فضائل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ واقعی یہ بڑی جامع سورت ہے جس کے بہت سے فضائل کتب احادیث میں مروی ہیں۔

(١١) بَابُ فَضْلِ الْكَهْفِ

باب:11- سورۂ کہف کی فضیلت

٥٠١١ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْكَهْفِ وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوطٌ بِشَطَنَيْنِ، فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُو وَتَدْنُو، وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: «تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ». [راجع: ٣٦١٤]

[5011] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی سورۃ الکہف پڑھ رہا تھا اور اس کے قریب ایک جانب گھوڑا دو رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس وقت ایک بادل اوپر سے آیا اور نزدیک سے نزدیک تر ہونے لگا، جس کی وجہ سے وہ گھوڑا اچھلنے لگا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے نبی ﷺ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سکینت تھی جو قرآن پڑھنے کے باعث نازل ہوئی تھی۔''

فوائد و مسائل: ① سکینت کا لفظ قرآن و حدیث میں کئی مرتبہ آیا ہے، اس کی تاویل میں مختلف اقوال ہیں۔ لیکن ہمارے رجحان کے مطابق اس سے مراد کوئی اللہ کی مخلوق ہے جس میں اللہ کی طرف سے طمانیت و سکون ہوتا ہے اور اس کے ساتھ

1 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 461. 2 فتح الباري: 72/9.

ملائکۂ رحمت بھی ہوتے ہیں۔ ② اس سورت کے بہت سے فضائل ہیں۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات یاد کرے اور پڑھے گا، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔''[1] ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا: ''جو شخص جمعے کے دن اس سورت کی تلاوت کرے گا تو آئندہ جمعے تک اس کے لیے ایک خاص نور کی روشنی رہے گی۔''[2]

(١٢) بَابُ فَضْلِ سُورَةِ الْفَتْحِ

٥٠١٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسِيرُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَسِيرُ مَعَهُ لَيْلًا، فَسَأَلَهُ عُمَرُ عَنْ شَيْءٍ فَلَمْ يُجِبْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ، ثُمَّ سَأَلَهُ فَلَمْ يُجِبْهُ، فَقَالَ عُمَرُ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ. نَزَرْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، كُلَّ ذٰلِكَ لَا يُجِيبُكَ. قَالَ عُمَرُ: فَحَرَّكْتُ بَعِيرِي حَتَّى كُنْتُ أَمَامَ النَّاسِ وَخَشِيتُ أَنْ يَنْزِلَ فِيَّ قُرْآنٌ، فَمَا نَشِبْتُ أَنْ سَمِعْتُ صَارِخًا يَصْرُخُ، قَالَ: فَقُلْتُ: لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ نَزَلَ فِيَّ قُرْآنٌ، قَالَ: فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: «لَقَدْ أُنْزِلَ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُورَةٌ لَهِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ»، ثُمَّ قَرَأَ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾. [راجع: ٤١٧٧]

باب:12- سورۂ فتح کی فضیلت

[5012] حضرت اسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو ایک سفر میں جا رہے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کچھ پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ انھوں نے پھر پوچھا لیکن اس مرتبہ بھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انھوں نے (تیسری مرتبہ) پھر پوچھا تو (اس مرتبہ) بھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے آپ سے) کہا: اے عمر! تیری ماں تجھے گم پائے، تو نے تین مرتبہ نہایت اصرار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا لیکن ہر بار تجھے کوئی جواب نہ ملا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پھر میں نے اپنی اونٹنی کو خوب دوڑایا حتی کہ میں سب لوگوں سے آگے بڑھ گیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ مبادا میرے متعلق کوئی آیت نازل ہو جائے۔ ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو باآواز بلند مجھے پکار رہا تھا۔ مجھے ڈر لگا کہ میرے متعلق قرآن نازل ہو گیا ہے۔ بہرحال میں (فوراً) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آج رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا

1 صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، حدیث: 1883 (809). 2 فتح الباري: 72/9.

ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: ''ہم نے تمھارے لیے واضح فتح فرمائی۔''

فوائد و مسائل: ① مذکورہ سفر صلح حدیبیہ کا تھا۔ اس میں واضح طور پر سورۃ الفتح کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کو ایک خاص تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے نازل ہونے کے بعد فتوحاتِ اسلامیہ کا ایک دروازہ کھل گیا۔ حضرت عمر ﷜ بخوبی جانتے تھے کہ میرا آگے بڑھ جانا اور رسول اللہ ﷺ سے دور ہو جانا نزول وحی سے رکاوٹ کا باعث نہیں ہے، اس کے باوجود وہ آگے اس لیے چلے گئے کہ بار بار سوال کرنے سے میں رسول اللہ ﷺ کی پریشانی کا باعث بنا ہوں۔ جب میں دور چلا جاؤں گا تو جو پریشانی آپ کو میری وجہ سے لاحق ہوئی تھی وہ دور ہو جائے گی۔ ② بہر حال اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔ حضرت عمر ﷜ کو خیال گزرا کہ میرے سوال کرنے میں بے ادبی ہوگئی ہے، اس لیے اونٹ بھگا کر لے گئے کہ کہیں میری اس حرکت پر کوئی آیت ہی نازل نہ ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نزول وحی میں مصروفیت کی وجہ سے جواب نہ دیا ہو، یہ بھی احتمال ہے کہ انھوں نے فراغت کے بعد جواب دیا ہو جس کا حضرت عمر ﷜ نے ذکر نہ کیا۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ فَضْلِ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾

باب:13- قل هو الله أحد کی فضیلت

فِيهِ عَمْرَةُ عَنْ عائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس کے متعلق حضرت عمرہ نے حضرت عائشہ ﷞ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے ایک حدیث بیان کی ہے۔

وضاحت: اس روایت کو خود امام بخاری ﷫ نے کتاب التوحید، حدیث: 7375 کے تحت دوسرے مقام پر متصل سند سے بیان کیا ہے جس میں سورۂ اخلاص کو صفۃ الرحمٰن قرار دیا گیا ہے۔

٥٠١٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ يُرَدِّدُهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ». [انظر:

[5013] حضرت ابو سعید خدری ﷜ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے سنا کہ وہ قل هو الله أحد بار بار پڑھ رہا ہے۔ جب صبح ہوئی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعے کا ذکر کیا، گویا وہ اس عمل میں کوئی بڑا ثواب نہ خیال کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت، قرآن کے ایک تہائی حصے کے برابر ہے۔''

[٦٦٤٣، ٧٣٧٤]

٥٠١٤ - وَزَادَ أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَخْبَرَنِي أَخِي قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ: أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَقْرَأُ مِنَ السَّحَرِ ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ﴾ لَا يَزِيدُ عَلَيْهَا، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا أَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ ﷺ، نَحْوَهُ.

[5014] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ مجھے میرے بھائی قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ایک شخص نے سحری کے وقت کھڑے ہوکر قل هو الله أحد کو پڑھا۔ وہ اس پر کسی دوسری سورت کا اضافہ نہیں کر رہا تھا، جب ہم نے صبح کی تو ایک صحابی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر پہلی حدیث کے مطابق واقعہ بیان کیا۔

٥٠١٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ وَالضَّحَّاكُ الْمَشْرِقِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: «أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ فِي لَيْلَةٍ؟» فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ وَقَالُوا: أَيُّنَا يُطِيقُ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: «اَللهُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ، ثُلُثُ الْقُرْآنِ».

[5015] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''کیا تم میں سے کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ قرآن کا ایک تہائی حصہ ایک رات میں پڑھا کرے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ عمل بہت مشکل معلوم ہوا۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''الله الواحد الصمد (قل هو الله أحد) قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہے۔''

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ: سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي حَاتِمٍ وَرَّاقَ أَبِي عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: عَنْ إِبْرَاهِيمَ: مُرْسَلٌ، وَعَنِ الضَّحَّاكِ الْمَشْرِقِيِّ: مُسْنَدٌ.

محمد بن یوسف فربری نے بیان کیا کہ میں نے ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کے کاتب ابو جعفر محمد بن ابی حاتم سے سنا کہ یہ روایت ابراہیم نخعی کے واسطے سے مرسل ہے لیکن ضحاک مشرقی سے متصل بیان ہوئی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس سورت سے خصوصی محبت اور اس کا وظیفہ دین و دنیا کی ترقی کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ اس میں توحید خالص کا بیان، تمام اقسام شرک کی مذمت اور عقائد باطلہ کی بیخ کنی ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی فضیلت میں جو احادیث بیان کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ لینے سے پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔ رات کے وقت سورۂ اخلاص کی تلاوت کرنے والے خود حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے مادری

بھائی اور ان کے پڑوس میں رہتے تھے۔ اس کی صراحت ایک دوسری روایت میں ہے۔[1] ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو فوجی دستے کا سالار بنایا تو وہ انھیں نماز پڑھاتا اور ہر رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس میں اللہ کی صفات ہیں، لہٰذا میں اسے پسند کرتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس سے بھی محبت کرتا ہے۔''[2] ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص ہر رکعت میں قراءت کا آغاز قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد سے کرتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد سے محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت میں داخل کر دیا ہے۔''[3] ② رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کو قرآن کا تہائی قرار دیا ہے، ہم اس کی وضاحت آئندہ کتاب التوحید میں کریں گے۔ باذن اللّٰہ تعالیٰ.

(١٤) بَابُ فَضْلِ الْمُعَوِّذَاتِ

باب: 14- معوّذات کی فضیلت

وضاحت: معوذات سے مراد تین سورتیں ہیں: سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس۔ دم کے لیے ان کی تاثیر اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو یہ تینوں سورتیں پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: ''ان کی مثل اور کوئی نہیں ہے۔''[4] ان میں سورۂ اخلاص اللہ کی صفات پر مشتمل ہے اگرچہ اس میں پناہ وغیرہ کے الفاظ کی صراحت نہیں ہے۔ اللہ کی صفات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اسے بھی معوّذ کا درجہ حاصل ہے۔[5]

٥٠١٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفُثُ، فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ بِيَدِهِ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا. [راجع: ٤٤٣٩]

[5016] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوئے تو معوذات کی سورتیں پڑھ کر اپنے آپ پر دم کرتے۔ پھر جب آپ کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو میں ان سورتوں کو پڑھ کر آپ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے آپ کے جسد اطہر پر پھیرتی تھی۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مرض وفات میں ان سورتوں سے خود پر دم کرتے تھے۔ راوی نے امام زہری سے پوچھا کہ آپ کے دم کا کیا طریقہ تھا تو انھوں نے بتایا: انھیں پڑھ کر آپ اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے، پھر ان ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیتے تھے۔[6] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سورتوں کو سوتے وقت پڑھتے تھے جیسا کہ آئندہ روایت (5017) میں اس کی صراحت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن شہاب زہری سے ایک ہی سند کے ساتھ دو حدیثیں مروی ہیں۔ بعض حضرات نے بیماری کے وقت پڑھنے کو بیان کیا جبکہ کچھ حضرات نے لیٹتے وقت انھیں پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔[7]

① مسند أحمد: 15/3. ② صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7375. ③ صحيح البخاري، الأذان، حديث: 774.
④ مسند أحمد: 144/4. ⑤ فتح الباري: 78/9. ⑥ صحيح البخاري، الطب، حديث: 5735. ⑦ فتح الباري: 79/9.

٥٠١٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيهِمَا، فَقَرَأَ فِيهِمَا ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ وَ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ وَ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ، يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ، يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. [انظر: ٥٧٤٨، ٦٣١٩]

[5017] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ہر رات جب بستر پر تشریف لاتے تو دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان پر پھونک مارتے اور ان پر ﴿قُل ھو اللّٰہ اَحد﴾، ﴿قل اَعوذ برب الفلق﴾ اور ﴿قل اَعوذ برب الناس﴾ پڑھتے، پھر ان دونوں ہاتھوں کو جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر پھیرتے تھے۔ پہلے سر مبارک اور چہرۂ انور پر ہاتھ پھیرتے، پھر باقی جسم پر۔ اس طرح آپ ﷺ تین مرتبہ یہ عمل کرتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلے ہاتھوں پر پھونک مارتے، پھر معوذات پڑھتے تھے، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہے کیونکہ پڑھنے کے بعد پھونک مارنے سے برکت کی امید کی جاسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے مقصود جادوگروں کی مخالفت ہو کیونکہ وہ پڑھ کر پھونک مارتے ہیں اور آپ نے پڑھنے سے پہلے پھونک ماری۔[1] ہمارے رجحان کے مطابق دم کا طریقہ یہ ہے کہ معوذات پڑھ کر پھونک ماری جائے تاکہ کلمات طیبہ سے شفا کی امید کی جاسکے۔ واللّٰہ أعلم.

(١٥) بَابُ نُزُولِ السَّكِينَةِ وَالْمَلَائِكَةِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ

باب: 15- تلاوت قرآن کے وقت سکینت اور فرشتوں کا نازل ہونا

٥٠١٨ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ قَالَ: بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهُ مَرْبُوطٌ عِنْدَهُ، إِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ، فَقَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ، فَسَكَتَ وَسَكَنَتِ الْفَرَسُ، ثُمَّ قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ، فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهُ يَحْيَى قَرِيبًا مِنْهَا فَأَشْفَقَ أَنْ

[5018] حضرت اسید بن حضیر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ وہ ایک دفعہ رات کے وقت سورۂ بقرہ کی تلاوت کررہے تھے اور ان کے قریب ان کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اس دوران میں گھوڑا بدکنے لگا تو انھوں نے تلاوت بند کردی اور گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ وہ پھر پڑھنے لگے تو گھوڑے نے بھی اچھل کود شروع کردی۔ انھوں نے تلاوت بند کی تو وہ بھی ٹھہر گیا۔ وہ پھر پڑھنے لگے تو گھوڑے نے بھی اچھل کود

[1] عمدة القاري: 559/13.

تُصِيبَهُ، فَلَمَّا اجْتَرَّهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى مَا يَرَاهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَهُ: «اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ، اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ»، قَالَ: فَأَشْفَقْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنْ تَطَأَ يَحْيَى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيبًا، فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَانْصَرَفْتُ إِلَيْهِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى السَّمَاءِ، فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ فَخَرَجْتُ حَتَّى لَا أَرَاهَا. قَالَ: «وَتَدْرِي مَا ذَاكَ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا، لَا تَتَوَارَى مِنْهُمْ».

شروع کر دی۔ چونکہ ان کا بیٹا یحییٰ گھوڑے کے قریب تھا اور انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ گھوڑا اسے روند ڈالے گا، انھوں نے تلاوت بند کر دی اور بیٹے کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر انھوں نے اوپر نظر اٹھائی تو وہاں کچھ دکھائی نہ دیا۔ صبح کے وقت انھوں نے یہ واقعہ نبی ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''اے ابن حضیر! تم پڑھتے رہتے۔ اے ابن حضیر! تم تلاوت بند نہ کرتے۔'' انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے ڈر لگا کہ گھوڑا میرے بیٹے یحییٰ کو کچل دے گا کیونکہ وہ اس کے قریب ہی تھا۔ میں نے سر اٹھایا اور یحییٰ کی طرف گیا، پھر میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چھتری جیسی کوئی چیز ہے جس میں بہت سے چراغ روشن ہیں۔ میں دوبارہ باہر آیا تو میں اسے نہ دیکھ سکا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جانتے ہو وہ کیا تھا؟'' انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ فرشتے تھے جو تمھاری آواز سننے کے لیے قریب آ رہے تھے۔ اگر تم رات بھر پڑھتے رہتے تو صبح تک دوسرے لوگ بھی انھیں دیکھتے وہ ان سے نہ چھپ سکتے۔''

قَالَ ابْنُ الْهَادِ: وَحَدَّثَنِي هٰذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ اللهِ بْنُ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ.

(راویٔ حدیث) ابن ہاد نے کہا: مجھ سے یہ حدیث عبداللہ بن خباب نے بیان کی، انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے بیان کی۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنی کھجوروں کو خشک کرنے کی جگہ میں قرآن پڑھ رہے تھے۔[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بڑے خوش الحان تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن حضیر! تم پڑھتے رہتے۔ تمھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کی خوش

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین و قصرھا، حدیث: 1895 (796).

آواز دی ہے۔" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خوش آواز تلاوت کے باعث فرشتے آسمان سے نازل ہوئے تھے۔[1] ③ اس حدیث سے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور نمازِ تہجد میں سورۂ بقرہ پڑھنے کی فضیلت کا بھی پتا چلتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ امور دنیا میں مصروف ہونے سے بعض اوقات خیر کثیر سے محروم ہونا پڑتا ہے اگرچہ وہ مصروفیت جائز اور مباح ہی کیوں نہ ہو۔ ④ یہ بھی پتا چلا کہ اہل ایمان فرشتوں کو اس دنیا میں دیکھ سکتے ہیں اور ان کے لیے فرشتوں کا دیکھنا باعث رحمت ہے۔ والله أعلم.

(١٦) بَابُ مَنْ قَالَ: لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ

باب: 17- نبی ﷺ نے وہی قرآن چھوڑا ہے جو دو جلدوں کے درمیان ہے کا بیان

وضاحت: اس عنوان سے ان رافضیوں کی تردید مقصود ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ حفاظ کے شہید ہونے سے بہت سا قرآن بھی ضائع ہو گیا اور مذکورہ قرآن پورا نہیں بلکہ اس سے کئی سورتوں کو نکال دیا گیا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مشتمل تھیں۔ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کہتے ہیں کہ انھوں نے ان سورتوں کو غائب کر دیا۔ بہر حال ان کا یہ دعویٰ باطل اور مردود ہے۔

٥٠١٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَشَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ لَهُ شَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ: أَتَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالَ: مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ، قَالَ: وَدَخَلْنَا عَلَى مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ: مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ.

[5019] حضرت عبدالعزیز بن رفیع سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں اور شداد بن معقل، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، ان سے حضرت شداد نے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن بھی چھوڑا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ نے وہی کچھ چھوڑا جو آج دو جلدوں کے درمیان محفوظ ہے۔ عبدالعزیز بن رفیع نے کہا کہ ہم محمد ابن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا تو انھوں نے بھی یہی کہا کہ آپ ﷺ نے وہی کچھ چھوڑا ہے جو آج دو جلدوں میں محفوظ ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے رافضیوں کی تردید میں عجیب نکتہ آفرینی سے کام لیا ہے۔ رافضیوں کا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا ذکر تھا جسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نکال دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس دعوے کی تردید میں دو آثار پیش کیے ہیں جو خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں۔ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو ہر وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کے احوال سے خوب واقف تھے اور محمد ابن حنفیہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے

1 فتح الباري: 81/9.

ہیں، ان حضرات کو ان باتوں کی خبر معلوم نہ ہوئی تو دوسرے لوگوں کو کیسے پتا چل گیا۔ ② اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دعویٰ باطل اور خود ساختہ ہے۔ اگر حضرت علی ؓ کی خلافت و امامت کے متعلق انھیں کچھ معلومات ہوتیں تو ان حضرات کو اس کا ضرور علم ہوتا اور وہ اسے ہرگز نہ چھپاتے۔[1]

نوٹ: دور حاضر میں بڑے زور شور سے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کا موجودہ نسخہ وہ نہیں جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا، بلکہ اس میں ترمیم و اضافہ کر کے ایک نیا ایڈیشن بزور حکومت نافذ کیا گیا اور وہی نسخہ آج ہمارے ہاں رائج ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس پروپیگنڈے کے متعلق اپنی گزارشات پیش کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں پورا قرآن تحریری شکل میں موجود تھا اور جو آیت بھی نازل ہوتی رسول اللہ ﷺ اپنے کاتب کو بلا کر ہدایت جاری فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو۔ یہ تحریر جو مختلف اجزا و صحف میں موجود تھی اسے سرکاری تحریر کہنا چاہیے۔ اسی تحریر کی روشنی میں حضرت ابوبکر ؓ نے واقعۂ یمامہ کے بعد سرکاری نسخہ مرتب فرمایا، پھر اسی سرکاری نسخے کی بنیاد پر حضرت عثمان ؓ کے دور حکومت میں وہ سرکاری نسخے لکھے گئے جو آپ نے مختلف علاقوں میں بھیجے۔ ان نسخوں کا حفظ کے ساتھ اور صحابۂ کرام ؓ کے لکھے ہوئے مختلف اجزا کے ساتھ تقابل کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ چونکہ ابتدائی طور پر قرآن مجید قریش کے لب و لہجے میں نازل ہوا تھا، اس لیے جہاں کتابت کے متعلق اختلاف ہوا وہاں قریش کے لب و لہجے کو اساس اور بنیاد قرار دیا گیا۔ حضرت عثمان ؓ کی خلافت راشدہ میں عجمی عنصر کی کثرت اور عجمی لہجوں کے حملے کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے تیار کردہ سرکاری نسخے پر نظر ثانی کی گئی اور اس وقت جو نسخہ تیار کیا گیا اس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں تمام متواتر قراءات کو سمو دینے کا اہتمام کیا گیا اور تمام شذوذ قراءات کو ایک طرف کر دیا گیا، پھر انفرادی اور مشکوک دستاویزات کو ضائع کر دیا گیا تاکہ بحث مباحثے اور شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے کوئی مواد باقی نہ رہے۔ اب وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ کے پاس بعینہٖ وہی قرآن تھا جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام ؓ نے اپنی زندگیوں میں بار بار پڑھا اور اسے سرکاری دستاویز کے طور پر لکھوایا اور حضرت عثمان ؓ کی بروقت کوشش اس قدر کارگر ثابت ہوئی کہ آج تک اس میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہیں ہو سکی۔ امام ابن حزم ؒ نے اس سلسلے میں بڑی گرانقدر معلومات فراہم کی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے: رسول اللہ ﷺ کا جب انتقال ہوا تو اسلام جزیرۂ عرب میں پھیل چکا تھا۔ بحر قلزم اور سواحل یمن سے گزر کر خلیج فارس اور فرات کے کناروں تک اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی۔ اس وقت جزیرۂ عرب میں اس قدر شہر اور بستیاں آباد ہو چکی تھیں جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ یمن، بحرین، عمان، نجد، بنو طے کے پہاڑ، مضر، ربیعہ اور قضاعہ کی آبادیاں، طائف، مکہ اور مدینہ کے تمام لوگ مسلمان ہو چکے تھے، ان شہروں میں مساجد بھرپور آباد تھیں۔ ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر بستی کی مساجد میں قرآن پڑھا پڑھایا جاتا تھا۔ بچے، عورتیں اور دیگر افراد قرآن جانتے تھے اور ان کے پاس تحریری طور پر قرآن کے نسخے موجود تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ وہ ایک جماعت اور ایک ہی دین سے وابستہ تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ کی خلافت

---

① فتح الباري: 82/9.

راشدہ اڑھائی برس رہی۔ ان کی خلافت میں فارس و روم کے کچھ علاقے اور یمامہ کا پورا علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوا۔ قرآن مجید کی قراءت میں اضافہ ہوا، لوگوں نے اپنے لیے قرآن مجید کے نسخے تحریر کیے، الغرض قرآن مجید کے نسخے ہر شہر میں موجود تھے اور انھی کو پڑھایا جاتا تھا۔ آپ کے دور حکومت میں بہت سے فتنوں نے سر اٹھایا لیکن ایک سال گزرنے نہیں پایا تھا کہ حالات اعتدال پر آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہوا تو صورت حال صحیح ڈگر پر تھی۔ آپ کی وفات کے بعد مسند خلافت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زینت بخشی۔ فارس پورا فتح ہوگیا، شام، الجزائر، مصر اور افریقہ کے بعض علاقے اسلامی حکومت میں شامل ہوئے۔ مساجد تعمیر ہوئیں، قرآن مجید پڑھا جانے لگا، تمام علاقوں میں قرآن مجید کے نسخے تیار کیے گئے۔ مشرق ومغرب تک تمام مکاتب میں قرآن کریم کی تلاوت ہونے لگی۔ پورے دس سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسلام اور اہل اسلام میں کوئی اختلاف نہ تھا، وہ ایک ہی ملت کے پابند تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت مصر، عراق، شام اور یمن کے علاقوں میں کم وبیش ایک لاکھ نسخے لکھے گئے ہوں گے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں اسلامی فتوحات وسیع ہوئیں اور قرآن کریم کی اشاعت مفتوحہ علاقوں میں وسیع پیمانے پر ہوئی۔ قرآن مجید کے شائع شدہ نسخوں کا اس وقت شمار ناممکن ہوگا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے اختلافات کا دور شروع ہوا۔ رافضیوں کی تحریک نے زور پکڑا۔ اس تحریک کی بنا پر قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق اعتراضات و شبہات پیدا ہوئے۔ صورت حال یہ تھی کہ نابغہ اور زہیر کے اشعار میں اگر کوئی کمی بیشی کردے تو یہ ممکن نہیں بلکہ اسے دنیا میں ذلیل وخوار ہونا پڑے گا، قرآن مجید کا معاملہ تو اس سے جداگانہ ہے۔ اس وقت قرآن مجید اندلس، بربر، سوڈان، کابل، خراسان، ترک اور ہندوستان تک پھیل چکا تھا۔ اس تحریک میں رافضیوں کی حماقت کا پتا چلتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی جمع وتالیف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مورد الزام اور متہم ٹھہراتے ہیں۔ یہی حال مسیحی اور سامراجی مشنریوں کا ہے۔ یہ لوگ رافضیوں سے سیکھ کر قرآن مجید کو اپنی لکھی ہوئی تحریروں کی طرح محرف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان حالات میں ایک حرف کی کمی بیشی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے شخص کے لیے ناممکن تھی۔ رافضیوں اور ان کے تلامذہ کی یہ غلط بیانی یوں بھی ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچ سال نو ماہ بااختیار خلیفہ رہے اور ان کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے قرآن کریم بدلنے کا حکم نہیں دیا اور نہ اپنی حکومت ہی میں قرآن کریم کا کوئی دوسرا نسخہ شائع کیا۔ یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت پوری اسلامی سلطنت میں غلط اور محرف قرآن پڑھا جاتا رہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے آسانی سے گوارا کر لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت محمد ابن حنفیہ کا بیان جو امام بخاری رحمہ اللہ نے پیش کیا ہے، اسے مذکورہ وضاحت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو اس مذموم لٹریچر کی حقیقت کا پتا چلتا ہے، جس کی بنیاد پر قرآن کریم کو محرف ثابت کیا جاتا ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کے پیش کردہ عظیم الشان تواتر کے سامنے ان مشکوک ذخیرۂ روایات کی کیا حقیقت ہے۔ جب کوئی تعارض ہی نہیں تو تطبیق وترجیح کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہرحال قرآن مجید کو مشکوک ثابت کرنے کے لیے بھی کوششیں ہوئی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی لیکن وہ کسی صورت میں بھی کامیاب نہیں ہوں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔‘‘[1]

---

[1] الحجر 15:9.

(١٧) بَابُ فَضْلِ الْقُرْآنِ عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ

باب: 17- ہر قسم کے کلام پر قرآن کریم کی فضیلت کا بیان

وضاحت: یہ عنوان ایک حدیث کا حصہ ہے۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے کلام کی فضیلت دوسرے ہر قسم کے کلام پر اس طرح ہے جیسے خود اللہ تعالیٰ کی برتری اس کی مخلوق پر ہے۔''[1] یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح نہیں لیکن اس کے معنی درست ہیں، اس لیے امام بخاری ؒ نے اسے عنوان میں رکھا اور اس کے معنی کو ثابت کرنے کے لیے دیگر احادیث پیش کی ہیں۔ عربوں کا ایک محاورہ ہے کہ بادشاہوں کا کلام بھی کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔

٥٠٢٠ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ أَبُو خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَرِيحُهَا طَيِّبٌ، وَالَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ فِيهَا، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا». [انظر: ٥٠٥٩، ٥٤٢٧، ٧٥٦٠]

[5020] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اس مومن شخص کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے سنگترے جیسی ہے جس کا مزہ بھی لذیذ اور خوشبو بھی بہترین ہوتی ہے۔ اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور جیسی ہے جس کا مزہ تو اچھا لیکن اس میں خوشبو نہیں۔ فاجر کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے گل ریحان جیسی ہے اس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن مزہ کڑوا ہے۔ اور فاجر کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا اندرائن جیسی ہے جس کا مزہ کڑوا اور خوشبو نہیں ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں قرآن کی فضیلت بیان ہوئی ہے کیونکہ قرآن پڑھنے کے باعث قاری کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اس میں مومن قاری کو سنگترے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یہ دیکھنے میں خوشنما اور کھانے میں خوش ذائقہ ہے۔ یہ معدے کو قوی اور صاف کرتا ہے اور قوت ہضم کو تیز کرتا ہے۔ اس کا چھلکا کپڑوں میں رکھنے سے جراثیم دور ہو جاتے ہیں۔ یہ دوائی کے کام بھی آتا ہے۔ ان خصوصیات کی بنا پر مناسب یہی تھا کہ اس کے ساتھ مومن قاری کو تشبیہ دی جائے۔ ایک روایت میں ہے: ''یہ مثال اس مومن کی ہے جو قرآن کریم پڑھتا اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔''[2] ② اس سے شریعت کی مراد واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ فضیلت صرف تلاوت سے نہیں بلکہ تلاوت کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔[3]

---

1 جامع الترمذي، فضائل القرآن، حديث: 2926. 2 صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5059. 3 فتح الباري: 85/9.

٥٠٢١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا أَجَلُكُمْ فِي أَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَمَغْرِبِ الشَّمْسِ، وَمَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا، فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ، فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى الْعَصْرِ؟ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى، ثُمَّ أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ مِنَ الْعَصْرِ إِلَى الْمَغْرِبِ بِقِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، قَالُوا: نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقَلُّ عَطَاءً. قَالَ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَذَاكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ شِئْتُ». [راجع: ٥٥٧]

[5021] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مسلمانو! گزشتہ امتوں کی عمر کے مقابلے میں تمھاری عمر ایسے ہے جیسے عصر سے غروب آفتاب تک کا وقت ہوتا ہے۔ تمھاری اور یہود ونصاریٰ کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص نے کچھ مزدور کام پر لگائے اور ان سے کہا: ایک قیراط مزدوری پر میرا کام صبح سے دوپہر تک کون کرے گا؟ یہ کام یہودیوں نے کیا۔ پھر اس نے کہا: وہ کون ہے جو دوپہر سے عصر تک ایک قیراط مزدوری پر میرا کام کرے؟ تو یہ کام نصاریٰ نے کیا۔ پھر تم نے عصر سے مغرب تک دو، دو قیراط مزدوری پر کام کیا۔ یہود ونصاریٰ نے کہا: ہم نے کام زیادہ کیا ہے لیکن اجرت کم ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمھارا کچھ حق مارا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ (اللہ نے) فرمایا: یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں عطا کروں۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں امت مرحومہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ یہ فضیلت قرآن کریم پڑھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ہے۔ جب قرآن کی وجہ سے دوسروں پر برتری حاصل ہے تو اس میں قرآن کی بھی فضیلت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی فضیلت نہیں۔ ② یہ بھی معلوم ہوا کہ گزشتہ امتوں کی عمریں بہت طویل تھیں اور ان کے مقابلے میں اس امت کی عمر بہت کم ہے، گویا طلوع آفتاب سے عصر تک گزشتہ امتوں کی عمر ہے اور عصر سے مغرب تک کا وقت اس امت کی عمر ہے جو گزشتہ وقت کی ایک چوتھائی ہے۔ کام زیادہ کرنے سے یہود ونصاریٰ کا مجموعی وقت مراد ہے، یعنی صبح سے لے کر عصر تک۔ یہ اس وقت سے کہیں زیادہ ہے جو عصر سے مغرب تک ہوتا ہے۔[1]

(١٨) بَابُ الْوَصَاةِ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

باب: 18- اللہ عزوجل کی کتاب پر عمل کرنے کی وصیت کا بیان

وضاحت: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا اکرام واحترام کرنا اور اسے بے حرمتی سے محفوظ رکھنا ہے، نیز اس کے اوامر و

1 فتح الباري: 9/85.

نواہی پر عمل کرنا اور اس کی تعلیم و تلاوت کو جاری رکھنا ہے۔[1]

٥٠٢٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ: حَدَّثَنَا طَلْحَةُ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى: آوْصَى النَّبِيُّ ﷺ؟ فَقَالَ: لَا، فَقُلْتُ: كَيْفَ كُتِبَ عَلَى النَّاسِ الْوَصِيَّةُ، أُمِرُوا بِهَا وَلَمْ يُوصِ؟ قَالَ: أَوْصَى بِكِتَابِ اللهِ. [راجع: ٢٧٤٠]

[5022] حضرت طلحہ بن مصرف سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: آیا نبی ﷺ نے کوئی وصیت فرمائی تھی؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کی: پھر لوگوں پر وصیت کرنا کیوں فرض کیا گیا؟ لوگوں کو تو وصیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور خود آپ نے کوئی وصیت نہیں فرمائی؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔

فائدہ: اس حدیث میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے کہ وصیت کی نفی، پھر اس کا اثبات ہے، لیکن اس میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مال و دولت اور خلافت و امارت کے متعلق کوئی وصیت نہیں فرمائی، البتہ قرآن و حدیث کو مضبوطی سے تھامنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی وصیت فرمائی تھی جو حسب ذیل ہے: ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں پر کاربند رہو گے دنیا کی کوئی طاقت تمھیں گمراہ نہیں کر سکے گی۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔''[2] حقیقت یہ ہے کہ جب تک مسلمان اس وصیت پر عمل کرتے رہے ان کا دنیا میں طوطی بولتا تھا اور جب اسے نظرانداز کر دیا تو دنیا میں ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ آج بھی اس پر عمل کر کے اپنی کھوئی ہوئی عزت کو بحال کیا جا سکتا ہے۔ واللہ المستعان.

(١٩) بَابُ مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ

باب:19- جو قرآن کے سبب بے نیاز نہ ہوا

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ﴾ [العنكبوت: ٥١]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کیا انھیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر وہ کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔''

وضاحت: مسلمانوں کی ایک جماعت چند کتابیں لے کر آئی جو یہودیوں سے سن کر مرتب کی گئی تھیں، انھیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہی گمراہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو کتاب ان کے پاس لے کر آئے ہیں، اس سے منہ پھیر کر دوسرے پیغمبروں کے فرمودات سے دلچسپی رکھی جائے۔'' اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔[3] آیت ذکر کرنے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ یَتَغَنَّ کے معنی گانا نہیں جیسا کہ عام شعور میں ہے بلکہ اس کے معنی استغنا اور بے نیاز کے ہیں جیسا کہ آگے حدیث (5024) میں سفیان بن عیینہ نے یہ معنی بیان کیے ہیں۔

[1] فتح الباري: 85/9. [2] الموطا للإمام مالك، القدر، حديث: 1862. [3] تفسير الطبري، سورۂ عنکبوت، آیت: 51.

٥٠٢٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَمْ يَأْذَنِ اللهُ لِنَبِيٍّ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ». وَقَالَ صَاحِبٌ لَهُ: يُرِيدُ يَجْهَرُ بِهِ.

[انظر: ٥٠٢٤، ٧٤٨٢، ٧٥٤٤]

[5023] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کسی چیز کے لیے اس قدر اجازت نہیں دی جس قدر قرآن کریم کی وجہ سے بے نیاز ہونے کی دی ہے۔'' راویٔ حدیث کے ایک شاگرد کہتے ہیں: اس سے مراد قرآن کریم کو خوش الحانی سے باآواز بلند پڑھنا ہے۔

٥٠٢٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا أَذِنَ اللهُ لِنَبِيٍّ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ». قَالَ سُفْيَانُ: تَفْسِيرُهُ يَسْتَغْنِي بِهِ. [راجع: ٥٠٢٣]

[5024] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کی اس قدر اجازت نہیں دی جس قدر اپنے نبی کو قرآن کریم سے غنا حاصل کرنے کی دی ہے۔'' سفیان نے کہا کہ اس کی تفسیر قرآن کریم سے غنا حاصل کرنا ہے۔

فوائد و مسائل: ① عربی زبان میں تَغَنّي کے کئی معنی ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ **تحسين الصوت**، یعنی قرآن کریم کو خوش الحانی اور بہترین آواز سے پڑھنا۔ ○ **استغناء** قرآن کریم کی وجہ سے دیگر کتب سے بے پروا ہو جانا اور ان کی طرف کوئی توجہ نہ دینا۔ ○ **التحزن**، یعنی قرآن کریم کو غم واندوہ سے پڑھنا تاکہ فکر آخرت پیدا ہو۔ ○ **التشاغل**، یعنی قرآن کریم میں اس قدر مصروف ہو جانا کہ دوسری کسی چیز کی طرف توجہ نہ جائے۔ ○ **التلذذ**، یعنی قرآن کریم پڑھتے وقت لذت و سرور حاصل کرنا۔ ② امام بخاری ؒ نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی طرف توجہ نہ دی جائے اور نہ ان کی پرواہی کرے۔ تائید کے لیے انھوں نے درج بالا آیت کریمہ پیش کی ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٠) بَابُ اغْتِبَاطِ صَاحِبِ الْقُرْآنِ

باب: 20- قرآن پڑھنے والے پر رشک کرنا

وضاحت: اس مقام پر حسد اپنے مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ حسد یہ ہے کہ دوسرے سے زوال نعمت کی خواہش کرنا۔ یہ بہت بری خصلت ہے۔ جس آدمی میں حسد پایا جائے اس کی نیکیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔

٥٠٢٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ

[5025] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''حسد (رشک) تو صرف دو آدمیوں پر کیا جاسکتا ہے:

رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْكِتَابَ وَقَامَ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ، وَرَجُلٌ أَعْطَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يَتَصَدَّقُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ». [انظر: ٧٥٢٩]

ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا علم دیا اور وہ رات کی گھڑیوں میں اس کے ذریعے سے قیام کرتا ہے، دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ دن رات اس کی خیرات کرتا رہتا ہے۔''

٥٠٢٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ فَقَالَ: لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَيْتَنِي أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ فُلَانٌ، فَعَمِلْتُ مِثْلَ ما يَعْمَلُ». [انظر: ٧٢٣٢، ٧٥٢٨]

[5026] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حسد (رشک) تو صرف دو آدمیوں پر کیا جاسکتا ہے: ایک وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کا علم دیا اور وہ اسے دن رات تلاوت کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کا پڑوسی کہتا ہے، کاش: مجھے بھی وہ دیا جاتا جو فلاں کو ملا ہے تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے حق کی بالادستی کے لیے خرچ کرتا ہے حتی کہ اسے دیکھ کر دوسرا شخص کہتا ہے: کاش! مجھے بھی (مال) دیا جاتا جیسے فلاں کو دیا گیا ہے تو میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔''

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں حسد، رشک کے معنی میں استعمال ہوا ہے، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ حسد میں دوسرے شخص کے پاس پائی جانے والی نعمت کے ختم ہو جانے کی خواہش ہوتی ہے جبکہ رشک میں دوسرے شخص کے پاس موجود نعمت کے ختم ہونے کی آرزو نہیں ہوتی بلکہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایسی نعمت مجھے بھی مل جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک وہ آدمی قابل رشک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے نوازا ہو وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔[1] ② بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان سے یہ ارشارہ دیا ہے کہ حدیث میں حسد، رشک کے معنی میں ہے، اور اسے بطور مبالغہ حسد سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی قرآن اور مال کے علاوہ کوئی چیز قابل رشک نہیں ہے۔ گویا رشک کے قابل صرف یہی دو چیزیں ہیں۔ واللّٰہ أعلم. ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قرآن اور مال دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ان کا حصول کسی مذموم طریقے کے بغیر ممکن نہ ہو تو بھی انھیں ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ اور جب اچھے طریقے سے ان کا حاصل کرنا ممکن ہو پھر تو بہت زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔[2] انھوں نے حسد کو اپنے معنی میں ہی استعمال کیا ہے۔

1 صحيح البخاري، العلم، حديث: 73. 2 فتح الباري: 92/9.

(٢١) بَابٌ: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

باب: 21-تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے

وضاحت: قرآن سیکھنے سے مراد صرف صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن سیکھنا نہیں بلکہ الفاظ کو صحیح پڑھنے کے علاوہ اس کے معنی و مطالب سیکھنا اور شان نزول وغیرہ کا علم حاصل کرنا ہے۔ بہرحال جو انسان قرآنِ مجید کے سیکھنے سکھانے میں مصروف رہے اس کا درجہ دوسروں سے بڑھ کر ہے۔

٥٠٢٧ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ: سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ». قَالَ: وَأَقْرَأَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِي إِمْرَةِ عُثْمَانَ حَتَّى كَانَ الْحَجَّاجُ، قَالَ: وَذَاكَ الَّذِي أَقْعَدَنِي مَقْعَدِي هٰذَا. [انظر: ٥٠٢٨]

[5027] حضرت عثمان بن عفان ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔'' سعد بن عبیدہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی نے حضرت عثمان ؓ کے زمانۂ خلافت سے لے کر حجاج بن یوسف کے زمانۂ امارت تک لوگوں کو قرآن کی تعلیم دی۔ وہ کہا کرتے تھے: یہی حدیث ہے جس نے مجھے اس جگہ تعلیم قرآن کے لیے بٹھا رکھا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عثمان ؓ کی ابتدائے خلافت سے حجاج بن یوسف کی امارت کے انتہا تک تقریباً بہتر (72) سال کی مدت ہے اور حضرت عثمان ؓ کی خلافت کے آخر سے حجاج بن یوسف کی امارت کے آغاز تک تقریباً اڑتیس (38) سال کا وقفہ ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انھوں نے کب پڑھانا شروع کیا اور کب اس کی انتہا ہوئی۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا پڑھنا پڑھانا تمام نیک اعمال سے افضل ہے کیونکہ اس حدیث کے مطابق قرآن مجید پڑھنے پڑھانے والا تمام لوگوں سے بہتر ہے تو قرآن پڑھنا اور پڑھانا لازمی طور پر سب نیک اعمال سے افضل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم کا قاری، قرآن کریم کے فقیہ سے افضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کا قاری بہت بڑا فقیہ ہوتا تھا، نماز کی جماعت کے لیے قاری کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ وہ قاری ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی ہوتا تھا۔[1]

٥٠٢٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ

[5028] حضرت عثمان بن عفان ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ تم سب

1 فتح الباري: 9/97.

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ أَفْضَلَكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ». [راجع: ٥٠٢٧]

میں سے افضل وہ ہے جو قرآن مجید خود سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے۔"

فوائد و مسائل: ① اگر کوئی شخص رات بھر عبادت کرتا رہے وہ اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو رات کے وقت صرف ایک گھنٹہ فہم قرآن میں صرف کر دے اور قرآن کریم کے مطالب و معانی کی تحقیق میں کچھ وقت گزارے۔ ② حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ جہاد اور تعلیم قرآن میں سے کون سا عمل افضل ہے تو انھوں نے قرآنی تعلیم کو ترجیح دی اور بطور دلیل یہی حدیث بیان فرمائی۔[1] اللہ تعالیٰ نے کسی جاہل کو کبھی اپنا ولی قرار نہیں دیا اور جاہل سے مراد وہ شخص ہے جسے بقدر ضرورت بھی قرآن کریم سے آشنائی نہ ہو بلکہ وہ اس سے بالکل بے بہرہ ہو۔

٥٠٢٩ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنَّهَا قَدْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ ﷺ فَقَالَ: «مَا لِي فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ»، فَقَالَ رَجُلٌ: زَوِّجْنِيهَا، قَالَ: «أَعْطِهَا ثَوْبًا»، قَالَ: لَا أَجِدُ، قَالَ: «أَعْطِهَا وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ»، فَاعْتَلَّ لَهُ، فَقَالَ: «مَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟»، قَالَ: كَذَا وَكَذَا، قَالَ: «فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ». [راجع: ٢٣١٠]

[5029] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک خاتون، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ اس نے خود کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے وقف کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اب مجھے عورتوں سے نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہاں بیٹھے ایک آدمی نے عرض کی: آپ اس کا نکاح مجھ سے کر دیں۔ آپ نے فرمایا: "اسے حق مہر کے طور پر کوئی کپڑا دو۔" اس نے کہا: مجھے یہ میسر نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: "اسے کچھ تو دو، خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔" وہ شخص بہت افسردہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟" اس نے کہا: مجھے فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر میں نے تیرا اس سے نکاح ان سورتوں کے عوض کر دیا جو تجھے یاد ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ تم یاد کی ہوئی سورتیں اس عورت کو سکھا دو، تیرا یہی حق مہر ہے۔ ② اس حدیث کی باب سے مناسبت اس طرح ہے کہ یہ قرآن دنیا میں بھی مال و دولت کے قائم مقام ہے اور مقصود کے حصول کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ آخرت کی عظمت ظاہر ہے، اس میں تو کوئی شک نہیں۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز

[1] فتح الباري: 97/9.

پر فریقین، یعنی بیوی خاوند راضی ہو جائیں وہ مہر ہو سکتی ہے، خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا تھا: ''جاؤ، کچھ تو لاؤ اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔'' واللّٰه أعلم.[1]

(٢٢) بَابُ الْقِرَاءَةِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ

باب:22- قرآن مجید کی زبانی تلاوت کرنا

وضاحت: قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے والا غلطیوں سے محفوظ رہتا ہے جبکہ زبانی پڑھنے والا ریاکاری سے بچا رہتا ہے، دونوں طرح پڑھنے کی اپنی اپنی فضیلت ہے۔ اصل بات قرآن کی صحیح تلاوت، اس کے معانی کی پہچان، پھر اس پر غور و فکر اور زندگی میں اس پر عمل اور دوسروں کو اس کی دعوت دینا ہے۔

٥٠٣٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، جِئْتُ لِأَهَبَ لَكَ نَفْسِي، فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَعَّدَ النَّظَرَ إِلَيْهَا وَصَوَّبَهُ ثُمَّ طَأْطَأَ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا، فَقَالَ لَهُ: «هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ؟»، فَقَالَ: لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «اذْهَبْ إِلَى أَهْلِكَ فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا»، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ: لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، مَا وَجَدْتُ شَيْئًا. قَالَ: «انْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ»، فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ: لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ وَلٰكِنْ هٰذَا إِزَارِي - قَالَ سَهْلٌ: مَا لَهُ رِدَاءٌ - فَلَهَا نِصْفُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ؟ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ، وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ

[5030] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں خود کو آپ کی خدمت میں ہبہ کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، پھر نگاہ نیچے کر لی اور سر جھکا لیا۔ جب خاتون نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے تو وہ بیٹھ گئی۔ اس دوران میں آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صاحب اٹھے اور عرض کی: اللہ کے رسول! اگر آپ کو اس کی ضرورت نہیں تو میرے ساتھ اس کا نکاح کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تیرے پاس کچھ ہے؟'' اس نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے گھر جاؤ وہاں جا کر دیکھو شاید کوئی چیز مل جائے۔'' چنانچہ وہ گیا، پھر لوٹ آیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے وہاں کوئی چیز نہیں ملی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر دیکھ لو شاید لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے۔'' وہ دوبارہ گیا اور واپس آ گیا اور کہا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! مجھے لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی، البتہ میری یہ چادر حاضر ہے۔ حضرت سہل کہتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی دوسری

---

1 فتح الباري: 97/9.

يَكُنْ عَلَيْكَ شَيْءٌ»، فَجَلَسَ الرَّجُلُ حتَّى طَالَ مَجْلِسُهُ، ثُمَّ قَامَ فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: «مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟» قَالَ: مَعِي سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا عَدَّدَهَا، قَالَ: «أَتَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ؟»، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «اِذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ». [راجع: ٢٣١٠]

چادر بھی نہ تھی۔ اس آدمی نے کہا کہ اس میں سے آدھی پھاڑ کر اسے دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تیری اس چادر کو کیا کرے گی؟ تو پہنے گا تو اس کے لیے کچھ نہیں ہوگا اور اگر وہ پہنے گی تو تیرے پاس کچھ نہیں ہوگا۔'' چنانچہ وہ شخص بیٹھ گیا اور دیر تک بیٹھا رہا، پھر کھڑا ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا کہ وہ پشت پھیر کر جانے لگا ہے تو اسے بلایا۔ جب وہ آیا تو آپ نے دریافت فرمایا: ''تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟'' اس نے کہا کہ فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو انھیں زبانی پڑھ سکتا ہے؟'' اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ تجھے قرآن مجید کی جو سورتیں یاد ہیں ان کے بدلے میں نے اسے تمھارے نکاح میں دے دیا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے حفظ قرآن کی مشروعیت اور اس کے استحباب کو ثابت کیا ہے جیسا کہ حضرت ابو امامہ ؓ سے مروی ہے کہ قرآن پڑھو اور یہ مصاحف جو معلق ہیں تمھیں فخر و غرور میں مبتلا نہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس دل کو عذاب نہیں دے گا جس نے قرآن کریم کو اپنے اندر محفوظ کر رکھا ہوگا۔[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناداری اور مفلسی کی حالت میں تعلیم قرآن کو حق مہر قرار دیا جاسکتا ہے مگر افسوس کہ فقہاء کی خود ساختہ حد بندیوں نے دین کو بے حد مشکل بنا دیا ہے۔ راقم الحروف کے نکاح کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔ میری اہلیہ نے اٹھارہ پارے یاد کر رکھے تھے اور بارہ پارے حق مہر میں رکھ دیے گئے کہ میں انھیں یاد کراؤں گا۔ وللّٰہ الحمد حمدًا کثیرًا۔ مبارک ہیں وہ خواتین و حضرات جنھوں نے پورا قرآن اپنے سینوں میں محفوظ کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ انھیں عمل کی بھی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین.

(٢٣) بَابُ اسْتِذْكَارِ الْقُرْآنِ وَتَعَاهُدِهِ

باب: 23- قرآن مجید کو ہمیشہ پڑھتے رہنا اور اس کا خوب دھیان رکھنا

٥٠٣١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا مَثَلُ

[5031] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حافظ قرآن کی مثال رسی سے بندھے ہوئے اونٹ کے مالک جیسی ہے۔ اگر وہ اس کی نگرانی کرے

[1] سنن الدارمي، فضائل القرآن، حديث: 3185، وفتح الباري: 9/99.

صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ، إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ».

گا تو اسے روک سکے گا اور اگر اسے چھوڑ دے گا تو وہ بھاگ جائے گا۔"

فوائد و مسائل: ① قرآن مجید کی تلاوت جاری رکھنے اور اسے ہمیشہ پڑھتے رہنے کو رسی سے بندھے ہوئے اونٹ سے تشبیہ دی جس کے بھاگ جانے کا اندیشہ ہو۔ جب تک اس کی نگرانی اور حفاظت رہے اور اس کا دور ہوتا رہے تو یاد رہے گا جیسا کہ رسیوں سے بندھا ہوا اونٹ بھاگ نہیں سکتا۔ ② اونٹ سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اونٹ دوسرے گھریلو جانوروں کی نسبت زیادہ بھاگتا ہے اور اس کے بھاگ نکلنے کے بعد اسے پکڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اکثر حفاظ کرام کو دیکھا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کا دَوْر چھوڑ دیتے ہیں، پھر ساری محنت برباد ہو جاتی ہے اور قرآن مجید سینے سے نکل جاتا ہے۔ بھولا ہوا قرآن یاد کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبِّي.

٥٠٣٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَقُولَ: نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ، بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ». [انظر: ٥٠٣٩]

[5032] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کسی شخص کا یہ کہنا بہت برا ہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں بلکہ وہ بھلا دیا گیا ہے۔ تم قرآن پڑھتے رہا کرو کیونکہ قرآن انسانوں کے دلوں سے نکل جانے میں اونٹ کے بھاگ جانے سے بھی بڑھ کر ہے۔"

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ مِثْلَهُ. تَابَعَهُ بِشْرٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ شُعْبَةَ. وَتَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدَةَ، عَنْ شَقِيقٍ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ.

عثمان نے ہمیں خبر دی، انھوں نے کہا کہ مجھے جریر نے منصور سے ذکر کردہ حدیث جیسی حدیث بیان کی۔ بشر نے بواسطۂ ابن مبارک شعبہ سے روایت کرنے میں محمد بن عرعرہ کی متابعت کی اور ابن جریج نے بواسطۂ عبدہ شقیق سے روایت کرنے میں محمد کی متابعت کی، انھوں نے کہا: میں نے عبداللہ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے سنا۔

٥٠٣٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ

[5033] حضرت ابو موسیٰ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "قرآن مجید ہمیشہ پڑھتے رہو اور دَور کرتے رہو، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ قرآن اونٹ کے

فِي عُقُلِهَا».

اپنی رسی تڑوا کر بھاگ جانے سے زیادہ تیزی سے نکل جاتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① بہت سے ایسے حافظ دیکھے گئے ہیں جنھوں نے قرآن کے دَور اور اس کی تلاوت سے روگردانی کی، پھر قرآن مجید ان کے سینوں سے نکل گیا۔ ② اس حدیث میں قرآن بھول جانے کی نسبت انسان اپنی طرف کرے اس سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اسے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن بھلایا ہے اور وہی ہر چیز کی تقدیر بناتا ہے، نیز نسیان ترک ہے، اس لیے یہ کہنا کہ میں نے ترک کیا اور نسیان کا قصد کیا ناپسندیدہ فعل ہے۔ اس کے علاوہ نسیان کی نسبت اپنی طرف کرنا گویا تساہل اور تغافل کی نسبت اپنی طرف کرنا ہے، اس لیے منع کیا گیا ہے۔ ③ بہر حال نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے ہے کہ وہ تمام افعال کا خالق ہے اور انسان کی طرف اس بنا پر جائز ہے کہ وہ اس کا سبب ہے اور اس کی نسبت شیطان کی طرف بھی ہے کیونکہ اس کی وسوسہ اندازی سے انسان غفلت کا شکار ہوا ہے، بہر حال انسان کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہنا چاہیے تاکہ یہ بھول کا شکار نہ ہو۔

(٢٤) بَابُ الْقِرَاءَةِ عَلَى الدَّابَّةِ

باب: 24- سواری پر قرآن کی تلاوت کرنا

٥٠٣٤ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو إِيَاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مُغَفَّلٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، وَهُوَ يَقْرَأُ عَلَى رَاحِلَتِهِ سُورَةَ الْفَتْحِ. [راجع: ٤٢٨١]

[5034] حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے فتح مکہ والے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ اپنی سواری پر سورۂ فتح تلاوت کر رہے تھے۔

فائدہ: بعض اسلاف سے سواری پر تلاوت کرنے کے متعلق کراہت منقول ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ شارح بخاری ابن بطال نے کہا ہے کہ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ سواری پر تلاوت کرنا مسنون امر ہے اور اس سنت کی بنیاد درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''پھر تم اس پر ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ تو اپنے پروردگار کا احسان یاد کرو اور کہو: پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اسے مسخر کر دیا اور ہم تو اسے قابو میں نہ لا سکتے تھے۔''[1] رسول اللہ ﷺ جب سواری پر بیٹھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: [سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَ إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ] اس سے معلوم ہوا کہ سواری پر قرآن پڑھا جا سکتا ہے اور اس کا اصل قرآن میں موجود ہے۔[2]

(٢٥) بَابُ تَعْلِيمِ الصِّبْيَانِ الْقُرْآنَ

باب: 25- بچوں کو قرآن پڑھانا

① الزخرف 43: 13. ② صحيح مسلم، الحج، حديث: 3275 (1342)، و فتح الباري: 9 / 104.

وضاحت: حضرت سعید بن جبیر اور حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ نابالغ بچوں کو قرآن مجید پڑھانا مکروہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید میں مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔[1]

٥٠٣٥ - حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ الْمُفَصَّلَ هُوَ الْمُحْكَمُ، قَالَ: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنَا ابْنُ عَشْرِ سِنِينَ وَقَدْ قَرَأْتُ الْمُحْكَمَ. [انظر: ٥٠٣٦]

[5035] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جن سورتوں کو تم مفصل کہتے ہو وہ سب محکم ہیں۔ انھوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو میری عمر دس سال تھی جبکہ میں اس وقت محکم سورتیں پڑھ چکا تھا۔

٥٠٣٦ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: جَمَعْتُ الْمُحْكَمَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ لَهُ: وَمَا الْمُحْكَمُ؟ قَالَ: اَلْمُفَصَّلُ. [راجع: ٥٠٣٥]

[5036] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے محکم سورتیں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں یاد کر لی تھیں۔ میں نے پوچھا: محکم سورتیں کون سی ہیں؟ انھوں نے فرمایا: مفصل کی سب سورتیں محکم ہیں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بچپن ہی میں محکم سورتوں کو یاد کر لیا تھا، اس لیے معلوم ہوا کہ بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینا جائز ہے بلکہ اس اعتبار سے بہتر ہے کہ بچوں کو شروع ہی سے مانوس کیا جائے تاکہ قرآن مجید کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس جائے، پھر بچپن میں یاد کیا ہوا قرآن پتھر پر لکیر کی طرح ہوتا ہے، ہمارا تجربہ ہے کہ بچپن میں یاد کیا ہوا قرآن بھولتا نہیں ہے۔ ② اس حدیث میں محکم سے مراد وہ سورتیں ہیں جو منسوخ نہیں ہوئیں۔ اس مقام پر محکم، متشابہ کے مقابل نہیں ہے اور مفصل کی سورتیں سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک ہیں۔ ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ میں دس برس کا تھا، یہ حفظ کے اعتبار سے ہے، دراصل عبارت یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو میں نے محکم سورتیں دس سال کی عمر میں یاد کر رکھی تھیں۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر دس برس سے زیادہ تھی۔[2]

(٢٦) بَابُ نِسْيَانِ الْقُرْآنِ، وَهَلْ يَقُولُ: نَسِيتُ آيَةَ كَذَا وَكَذَا؟

باب: 26- قرآن کریم بھول جانا اور کیا آدمی یوں کہہ سکتا ہے: میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں۔ کا بیان

① فتح الباري: 105/9. ② فتح الباري: 106/9.

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰٓ ۝ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ﴾ [الأعلى: ٦، ٧]

ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم آپ کو پڑھائیں گے، پھر آپ اسے نہ بھولیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔''

وضاحت: ایک حدیث کے مطابق یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں بھول گیا ہوں، اس سے مراد نسیان کے اسباب اختیار کرنے پر زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) ہے، یعنی قرآن یاد کرنے کے بعد سستی اور غفلت کو اختیار نہ کرے بلکہ اسے پڑھتے رہنا چاہیے۔ اگر اس کے باوجود بھول جائے تو نسیان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے کیونکہ بھول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور وہی اس کا خالق ہے۔ بہرحال قرآن کریم کو تسلسل سے پڑھتے رہنا چاہیے۔

٥٠٣٧ - حَدَّثَنَا رَبِيعُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: «يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً مِنْ سُورَةِ كَذَا». [راجع: ٢٦٥٥]

[5037] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے! اس نے مجھے فلاں فلاں سورت کی فلاں فلاں آیت یاد دلا دی ہے۔''

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ: حَدَّثَنَا عِيسَى عَنْ هِشَامٍ وَقَالَ: «أَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُورَةِ كَذَا».

حضرت ہشام کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے فلاں سورت کی فلاں فلاں آیت کو بھلا دیا تھا۔''

تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، وَعَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ.

ہشام سے روایت کرنے میں علی بن مسہر اور عبدہ نے محمد بن عبید کی متابعت کی ہے۔

٥٠٣٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي سُورَةٍ بِاللَّيْلِ فَقَالَ: «يَرْحَمُهُ اللهُ لَقَدْ أَذْكَرَنِي آيَةَ كَذَا وَكَذَا كُنْتُ أُنْسِيتُهَا مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا». [راجع: ٢٦٥٥]

[5038] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو سنا وہ رات کے وقت ایک سورت پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے! اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جو مجھے فلاں فلاں سورت سے بھلا دی گئی تھی۔''

فوائد و مسائل: ① قرآن مجید کا یاد ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسے بھول جانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، البتہ اسے یاد رکھنے کی کوشش کرنا اور پڑھتے رہنا انسان کے اختیار میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہر وقت قرآن مجید کی تلاوت

فرمایا کرتے کہ کہیں یہ بھول نہ جائے۔ کوشش کے باوجود اگر کوئی بھول جائے تو قابل ملامت نہیں ہے۔ ② ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر بھی نسیان طاری ہو جاتا تھا، شرعی قوانین جاری کرنے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا، ہاں تبلیغی اور تعلیمی امور میں نسیان نہیں ہوتا تھا، البتہ آپ نسیان پر برقرار نہ رہتے بلکہ دوسرے اوقات میں نسیان ختم ہو جاتا تھا۔ قرآن مجید کے متعلق جان بوجھ کر غفلت اختیار کرنا اور اس کی تلاوت میں سستی کرنا، جو نسیان کا باعث ہے، جائز نہیں۔ واللہ أعلم.

٥٠٣٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ يَقُولُ: نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ؟ بَلْ هُوَ نُسِّيَ». [راجع: ٥٠٣٢]

[5039] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ یوں کہے: میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے کہ میں فلاں فلاں آیات بھلا دیا گیا ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① جو حضرات قرآن یاد کر کے اسے پڑھنا چھوڑ دیں، اس غفلت کی وجہ سے قرآن سینے سے نکل جائے تو ایسے غافل انسان کے لیے سخت ترین وعید آئی ہے، اس بنا پر حفاظ کرام کے لیے ضروری ہے کہ وہ بلا ناغہ قرآن مجید کا کچھ حصہ ضرور تلاوت کرتے رہا کریں۔ اس تسلسل سے قرآن مجید ذہن سے محو نہیں ہوگا۔ ② جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں تو وہ گویا اقرار کرتا ہے کہ میں نے قرآن پڑھنے کا التزام نہیں کیا جس سے نسیان پیدا ہو گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر ذلت اور رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ خود اپنے جرم کا اعتراف کر رہا ہے۔ اگر التزام واہتمام کے باوجود قرآن مجید بھول گیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اپنی عبودیت کا اظہار ہے کہ نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے کیونکہ کوشش کے باوجود قرآن کو یاد نہیں رکھ سکا، بہرحال انسان کو چاہیے کہ وہ اسبابِ نسیان اختیار کرنے سے بچنے کی کوشش کرے۔

(٢٧) بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ بَأْسًا أَنْ يَقُولَ: سُورَةُ الْبَقَرَةِ، وَسُورَةُ كَذَا وَكَذَا

باب: 27- سورۂ بقرہ اور فلاں فلاں سورت کہنے میں کوئی حرج نہیں

وضاحت: اس عنوان سے ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ سورۂ بقرہ یا سورۂ آل عمران نہیں کہنا چاہیے بلکہ یوں کہا جائے وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے اور وہ سورت جس میں آل عمران کا ذکر ہے۔ اس سلسلے میں جو احادیث آئی ہیں وہ محدثین کے ہاں صحیح نہیں۔ امام بخاری ؒ نے ان احادیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

٥٠٤٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَلْقَمَةَ،

[5040] حضرت ابو مسعود انصاری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سورۂ بقرہ کی

وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ».

[راجع: ٤٠٠٨]

آخری دو آیات رات میں پڑھ لے گا وہ اس کے لیے کافی ہوں گی۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود سورۃ البقرہ کہا ہے، لہٰذا اس کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ ② حجاج بن یوسف کا بھی یہی موقف تھا کہ سورۃ البقرہ وغیرہ نہیں کہنا چاہیے، چنانچہ اس نے منیٰ میں ایک مرتبہ خطبہ دیا تو دوران خطبہ میں یہی انداز اختیار کیا۔ حضرت ابراہیم نخعی نے جب سنا تو انھوں نے حضرت ابن مسعود ؓ سے مروی ایک حدیث بیان کر کے اس اسلوب کی تردید کی۔ اس میں "سورۂ بقرہ" ہی استعمال کیا گیا ہے۔[1] اس امر کی متعدد علماء نے صراحت کی ہے کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کہنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ بعض اہل اسلام سے اس کی کراہت منقول ہے۔[2]

٥٠٤١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ حَدِيثِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِيِّ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ ابْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَؤُهَا عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ، لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ، فَانْتَظَرْتُهُ حَتَّى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ، فَقُلْتُ: مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ؟ قَالَ: أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ لَهُ: كَذَبْتَ فَوَاللهِ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَهُوَ أَقْرَأَنِي هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ، فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَقُودُهُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُورَةَ

[5041] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ہشام بن حکیم بن حزام ؓ کو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے سنا۔ میں نے ان کی قراءت و تلاوت غور سے سنی تو (معلوم ہوا کہ) وہ اسے بہت سے ایسے طریقوں سے پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں انھیں پکڑ لیتا، تاہم میں نے انتظار کیا۔ جب انھوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کے گلے میں چادر ڈال دی اور انھیں کھینچتے ہوئے کہا: تجھے یہ سورت کس نے پڑھائی جو میں نے تجھے پڑھتے سنی ہے؟ انھوں نے کہا کہ مجھے اس طرح رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا ہے۔ میں نے انھیں کہا کہ تم غلط بیانی کرتے ہو۔ اللہ کی قسم! خود رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھی یہ سورت پڑھائی ہے جو میں نے تجھ سے سنی ہے، تاہم میں انھیں کھینچتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے خود سنا ہے کہ یہ شخص سورۃ الفرقان

[1] صحيح البخاري، الحج، حديث: 1750. [2] فتح الباري: 9/110.

الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا، وَإِنَّكَ أَقْرَأْتَنِي سُورَةَ الْفُرْقَانِ، فَقَالَ: «يَا هِشَامُ اقْرَأْهَا»، فَقَرَأَهَا الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هٰكَذَا أُنْزِلَتْ»، ثُمَّ قَالَ: «اقْرَأْ يَا عُمَرُ»، فَقَرَأْتُهَا الَّتِي أَقْرَأَنِيهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هٰكَذَا أُنْزِلَتْ»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ». [راجع: ٢٤١٩]

کو ایسی قراءت میں پڑھ رہا تھا جس کی تعلیم آپ نے مجھے نہیں دی، حالانکہ خود آپ ہی نے مجھے سورۃ الفرقان پڑھائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ہشام! تم یہ سورت پڑھ کر سناؤ۔'' انھوں نے وہ (سورت) اس طرح سے پڑھی جس طرح میں پہلے ان سے سن چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔'' پھر آپ نے مجھے فرمایا: ''اے عمر! اب تم پڑھ کر سناؤ۔'' چنانچہ میں نے اسے اس طرح سے پڑھا جس طرح آپ ﷺ نے مجھے پڑھایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اس طرح نازل ہوئی ہے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اس لیے تمھیں جو آسان ہو اس کے مطابق پڑھو۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ''سورۃ الفرقان'' کا لفظ موجود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ انداز اختیار کرنے میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ اسے اس سورت میں لکھو جس میں فلاں چیز کا ذکر ہے، تاہم اجماع اسی بات پر ہے کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ ② مصاحف اور کتب تفسیر میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے اور حدیث ابو مسعود رضی اللہ عنہ جو پہلے گزر چکی ہے وہ جواز پر دلالت کرتی ہے۔[1]

٥٠٤٢ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ قَارِئًا يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: «يَرْحَمُهُ اللهُ، لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً أَسْقَطْتُهَا مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا». [راجع: ٢٦٥٥]

[5042] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک قاری سے سنا جبکہ وہ رات کے وقت مسجد میں قرآن پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے! اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جو میں فلاں، فلاں سورت سے چھوڑ گیا تھا۔''

فائدہ: متقدمین کی ایک جماعت نے اسی احتیاط پر عمل کیا ہے کہ سورۂ بقرہ وغیرہ نہ کہا جائے لیکن اس کے جواز کے لیے مذکورہ حدیث کافی ہے۔

[1] فتح الباري: 110/9.

(٢٨) بَابُ التَّرْتِيلِ فِي الْقِرَاءَةِ

باب:28-قرآن مجید کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَرَتِّلِ ٱلْقُرْءَانَ تَرْتِيلًا﴾ [المزمل: ٤] وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَقُرْءَانًا فَرَقْنَـٰهُ لِتَقْرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكْثٍ﴾ [الإسراء: ١٠٦] وَمَا يُكْرَهُ أَنْ يُهَذَّ كَهَذِّ الشِّعْرِ. ﴿يُفْرَقُ﴾: يُفَصَّلُ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَرَقْنَاهُ: فَصَّلْنَاهُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔'' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم نے قرآن کو موقع بہ موقع الگ الگ کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ اسے وقفے وقفے سے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔'' اور مکروہ ہے کہ قرآن کریم کو شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا جائے۔ يُفْرَقُ کے معنی ہیں: يُفَصَّلُ، یعنی الگ الگ بیان کرنا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: فرقناه کے معنی ہیں: ہم نے اس کے کئی حصے کر کے اتارا ہے۔

وضاحت: ترتیل کے معنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور اس کے ادا کرنے میں آہستگی کرنا ہیں تاکہ اس کے معانی سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس میں درج ذیل امور داخل ہیں۔ ○ کسی کلمے کو سہولت اور حسن تناسب کے ساتھ ادا کرنا۔ ○ خوش الحانی اور ادائیگی میں مخارج حروف کا خیال رکھنا۔ ○ ٹھہر ٹھہر کر الگ الگ کر کے الفاظ کو پڑھنا۔ اس طرح پڑھنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ انسان ان کے معانی پر بھی غور کر سکتا ہے اور یہ معانی ساتھ کے ساتھ دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔

٥٠٤٣ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ ابْنُ مَيْمُونٍ: حَدَّثَنَا وَاصِلٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: غَدَوْنَا عَلَى عَبْدِ اللهِ فَقَالَ رَجُلٌ: قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ الْبَارِحَةَ فَقَالَ: هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ؟ إِنَّا قَدْ سَمِعْنَا الْقِرَاءَةَ وَإِنِّي لَأَحْفَظُ الْقُرَنَاءَ الَّتِي كَانَ يَقْرَأُ بِهِنَّ النَّبِيُّ ﷺ، ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ، وَسُورَتَيْنِ مِنْ آلِ حَامِيمَ. [راجع: ٧٧٥]

[5043] حضرت ابو وائل سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم صبح صبح عبداللہ بن مسعود ؓ کے پاس گئے۔ ایک آدمی نے کہا کہ میں نے گزشتہ رات مفصل کی تمام سورتیں پڑھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا: شعروں کی طرح تیز تیز پڑھی ہیں؟ بلاشبہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی قراءت سنی ہے اور مجھے وہ سورتوں کے جوڑے بھی یاد ہیں جنھیں نبی ﷺ (نمازوں میں) ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ وہ مفصل کی اٹھارہ سورتیں ہیں اور وہ دو سورتیں جن کے شروع میں حٰم ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس روایت کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے آج رات مفصل کی تمام سورتیں ایک رکعت میں پڑھی ہیں۔ اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا: یہ تو

شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھتے چلے جاتا ہے اور خراب کھجوروں کی طرح اسے بکھیر دیتا ہے۔[1] علامہ خطابی نے اس کے معنی بیان کیے ہیں کہ جلدی جلدی، سوچ بچار اور تدبر کے بغیر پڑھنا ہے جس طرح شعر پڑھے جاتے ہیں۔[2] بہرحال قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے اور مخارج حروف اور اس کی صفات کا خیال رکھنا چاہیے۔ قرآن مجید کو جلدی جلدی اور کاٹ کاٹ کر پڑھنا غیر مستحسن ہے۔[2]

٥٠٤٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ﴾ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيلُ بِالْوَحْيِ، وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَهُ وَشَفَتَيْهِ فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ، وَكَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ الْآيَةَ الَّتِي فِي ﴿لَآ أُقْسِمُ بِيَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ﴾: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ﴾ [القيامة: ١٦، ١٧] فَإِنَّ عَلَيْنَا أَنْ نَجْمَعَهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنَهُ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُۥ﴾ فَإِذَا أَنْزَلْنَاهُ فَاسْتَمِعْ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُۥ﴾ قَالَ: إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ نُبَيِّنَهُ بِلِسَانِكَ، قَالَ: وَكَانَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ أَطْرَقَ، فَإِذَا ذَهَبَ قَرَأَهُ كَمَا وَعَدَهُ اللهُ. [راجع: ٥]

[5044] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کی خاطر اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔'' جب حضرت جبریل ؑ وحی لے کر آتے تو رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ آپ پر یہ معاملہ گراں تھا اور یہ گرانی واضح طور پر معلوم ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ والی مذکورہ آیت نازل فرمائی کہ آپ یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس قرآن کو آپ کے دل میں جما دینا اور پڑھا دینا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم اسے پڑھ چکیں تو اس وقت پڑھے ہوئے کی اتباع کریں۔ جب ہم قرآن نازل کریں تو آپ خاموشی سے سنیں۔ ہمارے ذمے اس کا بیان کرنا بھی ہے، یعنی یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے اس کی وضاحت کریں۔ اس کے بعد جب حضرت جبریل ؑ آتے تو آپ گردن جھکا کر اسے سنتے۔ جب وہ چلے جاتے تو آپ ﷺ قرآن اسی طرح پڑھتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو تلاوت کے وقت جلدی کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کا تقاضا ہے قرآن کریم کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔ ترتیل قرآن کا یہی حق ہے۔ حضرت حفصہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سورت کو اس قدر ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے کہ وہ سورت بہت طویل ہو جاتی۔[3] اسی طرح حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ جب میں حضرت

[1] مسند أحمد: 418/1. [2] فتح الباري: 112/9. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 1712 (733).

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن سناتا تو فرماتے: ''قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو کیونکہ ایسا کرنا قرآن کی زینت ہے۔''[1] ② قرآن مجید کے ہم پر کئی ایک حقوق ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسے آہستہ آہستہ خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اور پڑھتے وقت حروف کے مخارج اور صفات کا خیال رکھا جائے۔ واللہ أعلم.

(۲۹) بَابُ مَدِّ الْقِرَاءَةِ

باب:29- قرآن مجید کو کھینچ کھینچ کر پڑھنا

وضاحت: مد سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں الف واؤ اور یا مدہ ہو اسے کھینچ کر پڑھا جائے اور اگر حروف مدہ کے بعد ہمزہ آ جائے تو وہاں خوب کھینچ کھینچ کر پڑھا جائے۔ اس کی تفصیل علم تجوید میں ہے۔

٥٠٤٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ الْأَزْدِيُّ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: كَانَ يَمُدُّ مَدًّا. [انظر: ٥٠٤٦]

[5045] حضرت قتادہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی قراءت کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ خوب کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔

٥٠٤٦ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سُئِلَ أَنَسٌ: كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَقَالَ: كَانَتْ مَدًّا، ثُمَّ قَرَأَ ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللهِ، وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ، وَيَمُدُّ بِالرَّحِيمِ. [راجع: ٥٠٤٥]

[5046] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ کی قراءت کیسے تھی؟ تو انھوں نے بیان کیا کہ آپ ﷺ کھینچ کر پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھا، یعنی بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھتے الرحمٰن کو مد کے ساتھ پڑھتے اور الرحیم کو بھی کھینچ کر تلاوت کرتے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز فجر میں سورۂ ق پڑھتے سنا، جب آپ ﴿لَهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ﴾ پر پہنچے تو نضید کو کھینچ کر ادا کیا۔[1] ② مد کی دو قسمیں ہیں: ○ مد اصلی: حروف مدہ کو کھینچ کر پڑھا جائے۔ ○ مد غیر اصلی: جب حرف مدہ کے بعد ہمزہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ○ اگر حرف مدہ کے بعد ہمزہ اسی کلمے میں ہو تو اسے مد متصل کہا جاتا ہے، جیسے: مآء اور سوٓء ○ اگر حرف مدہ کے بعد ہمزہ دوسرے کلمے میں ہو تو اسے مد منفصل کہا جاتا ہے، جیسے: إلّا أنفسهم اور فيٓ آذانهم مد غیر اصلی کو خوب کھینچ کر پڑھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ بھی حروف مدہ کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔

---

① السنن الكبرى للبيهقي: 54/2، وفتح الباري: 113/9. ② فتح الباري: 114/9.

(٣٠) بَابُ التَّرْجِيعِ

باب:30- آواز کو حلق میں پھیرنا

وضاحت: تلاوت کرتے وقت آواز کو حلق میں پھیرنا ترجیع کہلاتا ہے جیسا کہ خوش الحان لوگ پڑھتے ہیں۔ اس سے مراد گانے کی طرز بالکل نہیں بلکہ تدبر و خشوع کے ساتھ خوبصورت تلاوت کرنا ہے۔ صد افسوس ہے کہ آج کل قراء گانے کی طرز پر تلاوت قرآن کرتے ہیں اور انھوں نے اسے ایک پیشہ بنا رکھا ہے۔ أعاذنا الله منه.

٥٠٤٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو إِيَاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ ابْنَ مُغَفَّلٍ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ أَوْ جَمَلِهِ وَهِيَ تَسِيرُ بِهِ وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفَتْحِ أَوْ مِنْ سُورَةِ الْفَتْحِ قِرَاءَةً لَيِّنَةً، يَقْرَأُ وَهُوَ يُرَجِّعُ. [راجع: ٤٢٨١]

[5047] حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ اپنی اونٹنی یا اونٹ پر سوار ہو کر تلاوت کر رہے تھے۔ سواری چل رہی تھی اور آپ نہایت نرمی اور آہستگی کے ساتھ سورۂ فتح کی تلاوت میں مصروف تھے۔ تلاوت کے دوران آپ ﷺ اپنی آواز کو حلق میں پھیرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی ترجیع کے دو احتمال حسب ذیل ہیں: ○ چونکہ آپ اونٹنی پر سوار تھے اور وہ تیز رفتار تھی، اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے آپ کی آواز میں ترجیع معلوم ہوتی تھی۔ ○ آپ مد کے مقام پر جب حرف مدہ کو کھینچتے تو اس سے ترجیع ظاہر ہوتی تھی اور آپ جان بوجھ کر ایسا کرتے تھے۔ ایک روایت میں اس کی کیفیت بیان ہوئی ہے، یعنی آ آ آ ہمزہ مفتوحہ، اس کے بعد الف پھر ہمزہ مفتوحہ۔[1] ② سواری کے علاوہ بھی آپ کا ترجیع سے پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں اپنے بستر پر سوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ ترجیع کے ساتھ قرآن پڑھ رہے تھے۔[2]

(٣١) بَابُ حُسْنِ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ لِلْقُرْآنِ

باب: 31- خوبصورت آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کرنا

٥٠٤٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ أَبُو بَكْرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ: حَدَّثَنِي بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ] أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ

[5048] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے انھیں فرمایا: ''اے ابو موسیٰ! بلاشبہ تجھے حضرت داود علیہ السلام جیسی خوش الحانی اور خوبصورت آواز دی گئی ہے۔''

---

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7540. 2 فتح الباري: 115/9.

لَهُ: «يَا أَبَا مُوسَى، لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ».

فوائد و مسائل: ① مزامیر، مزمار کی جمع ہے اور یہ موسیقی کا ایک آلہ ہے۔ اس سے مراد خوش الحانی ہے۔ حضرت داود علیہ السلام کو خوش آوازی کا معجزہ دیا گیا تھا۔ جب آپ زبور کی تلاوت کرتے تو ایک عجیب سماں بندھ جاتا تھا۔ پہاڑوں اور پرندوں سے بھی اس طرح کی آواز آتی تھی جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے۔ ② حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی بہت خوش الحان تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی قراءت بڑے انہماک سے سنتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی خوش آوازی کو حضرت داود علیہ السلام کی خوش الحانی سے تشبیہ دی ہے۔[1]

(٣٢) بَابُ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْتَمِعَ الْقُرْآنَ مِنْ غَيْرِهِ

باب: 32- جس نے قرآن مجید کو دوسرے سے سننا پسند کیا

٥٠٤٩ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْأَعْمَشِ [قَالَ]: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «اقْرَأْ عَلَيَّ الْقُرْآنَ»، قُلْتُ: آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: «إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي». [راجع: ٤٥٨٢]

[5049] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے قرآن مجید پڑھ کر سناؤ۔'' میں نے عرض کی: میں آپ کے حضور قرآن پڑھوں، حالانکہ آپ پر قرآن نازل کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک میں دوسرے سے قرآن سننا پسند کرتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① دوسرے سے قرآن سننے میں یہ لطف ہوتا ہے کہ سننے والا غور و فکر اور تدبر زیادہ کرتا ہے اور وہ قاری کی نسبت قراءت کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے کیونکہ قاری تو قراءت اور اس کے احکام میں مشغول ہوتا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اس لیے یہ کام کیا تاکہ قرآن سننا سنت بن جائے۔ ③ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کو قرآن سنایا تاکہ انھیں مخارج حروف اور ادائیگی کی تعلیم دیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آپ نے ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ سورت سنائی اور فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے تجھے سنانے کا حکم دیا ہے۔'' یہ اعزاز سن کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خوشی سے رونے لگے۔[2]

(٣٣) بَابُ قَوْلِ الْمُقْرِئِ لِلْقَارِئِ: حَسْبُكَ

باب: 33- سننے والا قاری سے کہے کہ بس کرو

٥٠٥٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا

[5050] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

① سنن النسائي، الافتتاح، حديث: 1021، و فتح الباري: 9/116. ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3809.

سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «اقْرَأْ عَلَيَّ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى أَتَيْتُ عَلَى هٰذِهِ الْآيَةِ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا﴾ [النساء: ٤١] قَالَ: «حَسْبُكَ الْآنَ»، فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ. [راجع: ٤٥٨٢]

انھوں نے کہا کہ مجھے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ! مجھے قرآن سناؤ۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا میں آپ کو قرآن سناؤں، حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں (تم مجھے قرآن سناؤ)۔'' میں نے سورۂ نساء پڑھنا شروع کی حتی کہ میں اس آیت پر پہنچا: ''پھر اس وقت کیا کیفیت ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو (اے رسول!) ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔'' اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس کرو، اب یہ کافی ہے۔'' میں نے آپ کی طرف غور سے دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔

فوائد ومسائل: ① اگر سننے والا قاری سے کہتا ہے کہ اب بس کرو، اس میں قرآن کریم کے متعلق کوئی توہین کا پہلو نہیں نکلتا بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ آپ نے اس مقام پر غور وفکر کرنے اور دوسروں کو توجہ دلانے کے لیے یہ اقدام کیا۔ ② اس میں قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ قیامت کے مناظر کو سامنے رکھتے ہوئے رو دیے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس مقام پر خوب غور وفکر کیا جائے کیونکہ یہ معاملہ انتہائی خوفناک ہوگا۔ والله المستعان.

(٣٤) بَابٌ: فِي كَمْ يُقْرَأُ الْقُرْآنُ؟

باب: 34- کتنی مدت میں قرآن پڑھا جائے؟

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ [المزمل: ٢٠]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قرآن سے جو آسان ہو اسے پڑھو۔''

وضاحت: بعض حضرات کا خیال ہے کہ قرآن کریم کو کم از کم چالیس دنوں میں ضرور پڑھنا چاہیے۔ امام بخاری ؒ کا موقف ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ اس میں ہے کہ جس قدر آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لو۔ اس آیت کریمہ کا تقاضا ہے کہ جز معین کی کوئی تحدید نہیں اور نہ اس کے وقت ہی کا تعین ہے۔[1] والله أعلم.

٥٠٥١ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ لِي ابْنُ شُبْرُمَةَ: نَظَرْتُ كَمْ يَكْفِي الرَّجُلَ مِنَ

[5051] حضرت سفیان بن عیینہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے ابن شبرمہ نے بیان کیا کہ میں نے

1. فتح الباري: 119/9.

الْقُرْآنِ، فَلَمْ أَجِدْ سُورَةً أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِ آيَاتٍ، فَقُلْتُ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقْرَأَ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِ آيَاتٍ. قَالَ عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ: أَخْبَرَهُ عَلْقَمَةُ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، وَلَقِيتُهُ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، فَذَكَرَ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ: «إِنَّهُ مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ». [راجع: ٤٠٠٨]

غوروفکر کیا کہ (نماز میں) آدمی کو کتنی آیات کافی ہیں تو میں نے تین آیات سے کم کوئی سورت نہیں پائی، اس لیے میں نے کہا: کسی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ (نماز میں) تین آیات سے کم تلاوت کرے۔ حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے اس حالت میں ملاقات کی وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، انھوں نے نبی ﷺ کا ذکر کیا کہ آپ نے فرمایا: ''جو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات رات کو پڑھ لے وہ اسے کافی ہو جائیں گی۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کم از کم دو یا تین آیات کا پڑھ لینا کافی ہوگا۔ ② حدیث میں دو آیات کے کافی ہونے کے متعلق دو احتمال ہیں۔ ○ نماز میں کم از کم کتنی آیات پڑھنا کافی ہیں؟ ○ ایک دن یا رات میں مطلقاً کتنا قرآن پڑھنا کفایت کر جاتا ہے؟ بہرحال جز معین کی تحدید کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ مطلق ہے جو اس سے کم کو شامل ہے۔ اور حدیث سے کم از کم دو آیات کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

٥٠٥٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: أَنْكَحَنِي أَبِي امْرَأَةً ذَاتَ حَسَبٍ، فَكَانَ يَتَعَاهَدُ كَنَّتَهُ فَيَسْأَلُهَا عَنْ بَعْلِهَا، فَتَقُولُ: نِعْمَ الرَّجُلُ مِنْ رَجُلٍ لَمْ يَطَأْ لَنَا فِرَاشًا، وَلَمْ يُفَتِّشْ لَنَا كَنَفًا مُنْذُ أَتَيْنَاهُ، فَلَمَّا طَالَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «الْقَنِي بِهِ»، فَلَقِيتُهُ بَعْدُ فَقَالَ: «كَيْفَ تَصُومُ؟»: قُلْتُ: أَصُومُ كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: «وَكَيْفَ تَخْتِمُ؟»، قَالَ: كُلَّ لَيْلَةٍ، قَالَ: «صُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةً، وَاقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ شَهْرٍ»، قَالَ: قُلْتُ: أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ: «صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْجُمُعَةِ». قَالَ: قُلْتُ: أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ: «أَفْطِرْ

[5052] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میرے والد گرامی نے میرا نکاح ایک خاندانی عورت سے کر دیا اور وہ ہمیشہ اپنی بہو کی خبر گیری کرتے رہتے اور اس سے اس کے شوہر (اپنے بیٹے) کا حال دریافت کرتے رہتے تھے۔ وہ کہتی تھیں کہ میرا شوہر اچھا آدمی ہے، البتہ جب سے میں اس کے نکاح میں آئی ہوں انھوں نے اب تک ہمارے بستر پر قدم نہیں رکھا اور نہ کبھی میرے کپڑے ہی میں ہاتھ ڈالا ہے۔ جب بہت سے دن اسی طرح گزر گئے تو میرے والد گرامی نے نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''مجھ سے اس کی ملاقات کراؤ۔'' چنانچہ اس کے بعد میں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی تو آپ نے دریافت فرمایا: ''تم روزے کیسے رکھتے ہو؟'' میں نے کہا: ہر روز روزے سے ہوتا ہوں۔ پھر

يَوْمَيْنِ وَصُمْ يَوْمًا»، قَالَ: قُلْتُ: أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ: «صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ، صَوْمَ دَاوُدَ، صِيَامَ يَوْمٍ وَإِفْطَارَ يَوْمٍ. وَاقْرَأْ فِي كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً»، فَلَيْتَنِي قَبِلْتُ رُخْصَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَذَاكَ أَنِّي كَبِرْتُ وَضَعُفْتُ، فَكَانَ يَقْرَأُ عَلَى بَعْضِ أَهْلِهِ السُّبْعَ مِنَ الْقُرْآنِ بِالنَّهَارِ، وَالَّذِي يَقْرَؤُهُ يَعْرِضُهُ مِنَ النَّهَارِ لِيَكُونَ أَخَفَّ عَلَيْهِ بِاللَّيْلِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَتَقَوَّى أَفْطَرَ أَيَّامًا وَأَحْصَى وَصَامَ مِثْلَهُنَّ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتْرُكَ شَيْئًا فَارَقَ النَّبِيَّ ﷺ عَلَيْهِ.

آپ نے دریافت فرمایا: ''قرآن مجید کس طرح ختم کرتے ہو؟'' میں نے عرض کی: ہر رات قرآن مجید ختم کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرو اور ہر مہینے میں ایک بار قرآن ختم کیا کرو۔'' میں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''ہر ہفتے میں تین روزے رکھا کرو۔'' میں نے عرض کی: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''دو دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو۔'' میں نے عرض کی: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر وہ افضل روزے رکھو جو حضرت داود علیہ السلام کے روزے ہیں، ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو اور سات دن میں ایک بار قرآن ختم کرو۔'' (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے:) کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی رخصت کو قبول کر لیتا کیونکہ اب میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے گھر کے کسی آدمی کو قرآن مجید کا ساتواں حصہ سنا دیتے تھے اور جو وہ پڑھتے دن کے وقت اس کا دور کر لیتے تھے تاکہ رات کو پڑھنے میں آسانی رہے اور جب قوت حاصل کرنا چاہتے تو چند روز افطار کر لیتے تھے اور افطار کے دن شمار کر لیتے، پھر ان دنوں کے برابر روزے رکھ لیتے کیونکہ وہ اس بات کو ناپسند سمجھتے تھے کہ وہ ایسی شے ترک کر دیں جس پر پابندی کرتے ہوئے نبی ﷺ سے مفارقت کی تھی۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ بَعْضُهُمْ: فِي ثَلَاثٍ أَوْ فِي سَبْعٍ، وَأَكْثَرُهُمْ عَلَى سَبْعٍ. [راجع: ١١٣١]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ بعض راویوں نے تین دن میں اور بعض نے پانچ دن میں قرآن ختم کرنے کا ذکر کیا ہے لیکن بیشتر روایات سات رات میں قرآن ختم کرنے کی ہیں۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے تین رات سے کم میں قرآن ختم کیا اس نے قرآن نہیں سمجھا۔''[1] ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں: قرآن سات دن میں ختم کرو اور تین دن سے کم مدت میں تو ختم نہیں کرنا چاہیے۔[2] حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم نہیں کرتے تھے۔[3] ② اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ ختم قرآن کے لیے مدت کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ یہ مختلف احوال و مختلف اشخاص پر موقوف ہے۔ جو شخص تدبر سے پڑھنا چاہے اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ اتنی مدت میں ختم کرے کہ اصل مقصود، یعنی تدبر و تفکر متاثر نہ ہو۔ اور جو شخص اہم معاملات یا مصالح میں مشغول ہے اس کے لیے اسی قدر مستحب ہے کہ مہمات دین میں خلل نہ آئے، ہاں اگر کسی کو اہم مصروفیت نہیں ہے تو جس قدر زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھ سکتا ہو پڑھ لے یہاں تک کہ اکتا نہ جائے اور اسے تیز تیز پڑھنے سے بھی بچے۔[4]

٥٠٥٣ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «فِي كَمْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟». [راجع: ١١٣١]

[5053] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھ سے نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''تم قرآن مجید کتنے دنوں میں ختم کر لیتے ہو''؟

٥٠٥٤ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ مُوسَى عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَوْلَى بَنِي زُهْرَةَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: وَأَحْسِبُنِي قَالَ: سَمِعْتُ أَنَا مِنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِقْرَإِ الْقُرْآنَ فِي شَهْرٍ» قُلْتُ: إِنِّي أَجِدُ قُوَّةً، قَالَ: «فَاقْرَأْهُ فِي سَبْعٍ وَلَا تَزِدْ عَلَى ذٰلِكَ». [راجع: ١١٣١]

[5054] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''ہر مہینے میں ایک بار قرآن مجید ختم کیا کرو۔'' میں نے عرض کی: مجھ میں تو زیادہ پڑھنے کی طاقت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا تم سات راتوں میں قرآن مجید ختم کیا کرو، اس سے زیادہ نہ پڑھو۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا تقاضا ہے کہ سات دن سے کم مدت میں قرآن ختم نہیں کرنا چاہیے، حالانکہ اسلاف سے کم مدت میں ختم کرنا منقول ہے۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ حکم مخاطب کے ضعف اور عجز کے اعتبار سے ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مذکورہ نہی تحریم کے لیے نہ ہو جیسا کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ

① سنن أبي داود، شهر رمضان، حديث: 1390. ② سنن سعيد بن منصور، التفسير، حديث: 143. ③ سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 2466. ④ فتح الباري: 121/9.

استحباب کے لیے ہے۔ یہ بات حدیث کے تمام طرق اور سیاق وسباق سے معلوم ہوتی ہے۔ ② اہل ظاہر کا موقف محل نظر ہے کہ تین دن سے کم مدت میں قرآن ختم کرنا حرام ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی قوت ونشاط پر موقوف ہے اور یہ حالات واشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے۔ واللہ أعلم.[1]

(٣٥) بَابُ الْبُكَاءِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ

باب:35- تلاوت قرآن کے وقت رونا

٥٠٥٥ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ - قَالَ يَحْيَى: بَعْضُ الْحَدِيثِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ - قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ. [وَ] حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ الْأَعْمَشُ: وَبَعْضُ الْحَدِيثِ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، وَعَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اقْرَأْ عَلَيَّ»، قَالَ: قُلْتُ: آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: «إِنِّي أَشْتَهِي أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي»، قَالَ: فَقَرَأْتُ النِّسَاءَ حَتَّى إِذَا بَلَغْتُ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ [النساء: ٤١] قَالَ لِي: «كُفَّ أَوْ أَمْسِكْ»، فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَذْرِفَانِ.

[راجع: ٤٥٨٢]

[5055] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”میرے سامنے قرآن کی تلاوت کرو۔“ میں نے عرض کی: کیا میں آپ کو قرآن سناؤں، حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”بے شک میں چاہتا ہوں کہ کسی اور سے قرآن سنوں۔“ انھوں نے کہا: پھر میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی۔ جب میں درج ذیل آیت پر پہنچا: ”پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔“ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”رک جاؤ۔“ اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

٥٠٥٦ - حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ السَّلْمَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ

[5056] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”مجھے قرآن مجید پڑھ کر سناؤ۔“ میں نے عرض کی: کیا میں آپ

---

[1] فتح الباري: 9/122.

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: «اِقْرَأْ عَلَيَّ»، قُلْتُ: آقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: «إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي». [راجع: ٤٥٨٢]

کے سامنے قرآن پڑھوں، حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''بے شک میں کسی دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① تلاوت قرآن کے وقت گریہ طاری ہونا عارفین کی صفت، کاملین کا طریقہ اور صالحین کا شعار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک وہ لوگ جنھیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا، جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں۔ (اوران پر گریہ طاری ہوجاتا ہے)۔''[1] ② امام غزالی نے کہا ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت رونا مستحب عمل ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تلاوت قرآن کے وقت دل میں غم اور خوف کی کیفیت پیدا کی جائے اور قرآن میں جو وعید اور سختی کا ذکر ہے اسے دماغ میں حاضر کر کے غور و فکر کیا جائے کہ مجھ میں کہاں کہاں کمی واقع ہوئی ہے۔ اگر یہ کیفیت طاری نہ ہو تو اپنے آپ پر رونا چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔[2] ایک روایت میں اس کی مزید تفصیل ہے کہ حضرت محمد بن فضالہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک دن رسول اللہ ﷺ قبیلۂ بنوظفر میں تشریف لے گئے جبکہ آپ کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ نے ایک قاری کو حکم دیا تو اس نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کی۔ جب وہ مذکورہ آیت پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ پر گریہ طاری ہوا حتی کہ آپ نے ڈاڑھی کے دونوں کناروں اور رخساروں پر ہاتھ رکھ لیے اور کہا: ''اے اللہ! میں ان لوگوں کے متعلق گواہی دوں گا جن میں موجود ہوں، پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جنھیں میں نے نہیں دیکھا ہے۔''[3]

(٣٦) بَابُ إِثْمِ مَنْ رَاءَى بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، أَوْ تَأَكَّلَ بِهِ، أَوْ فَجَرَ بِهِ

باب: 36- اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے ریاکاری یا شکم پروری کے لیے قرآن پڑھا، یا اس کے ذریعے سے فساد برپا کیا

٥٠٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفَلَةَ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «يَأْتِي فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ حُدَثَاءُ الْأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ

[5057] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''آخر زمانے میں نوجوان مگر بے وقوف ظاہر ہوں گے۔ وہ مخلوق سے بہترین ذات کا قول ذکر کریں گے لیکن وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر، شکار کو پار کر کے نکل جاتا ہے، ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ تم جہاں

① بنيّ إسرآئيل 17: 109. ② فتح الباري: 9/123. ③ تفسير ابن أبي حاتم، حديث: 3584، و فتح الباري: 9/124.

السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَإِنَّ قَتْلَهُمْ أَجْرٌ لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [راجع: ٣٦١١]

بھی انھیں پاؤ وہیں قتل کر دو۔ ان کو قتل کرنے کا قیامت کے دن اجر ملے گا۔"

٥٠٥٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَخْرُجُ فِيكُمْ قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَكُمْ مَعَ صِيَامِهِمْ، وَعَمَلَكُمْ مَعَ عَمَلِهِمْ، وَيَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَنْظُرُ فِي النَّصْلِ فَلَا يَرَى شَيْئًا، وَيَنْظُرُ فِي الْقِدْحِ فَلَا يَرَى شَيْئًا، وَيَنْظُرُ فِي الرِّيشِ فَلَا يَرَى شَيْئًا، وَيَتَمَارَى فِي الْفُوقِ». [راجع: ٣٣٤٤]

[5058] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: "تم میں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں حقیر خیال کرو گے۔ تمھیں اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں اور اپنے اعمال ان کے اعمال کے مقابلے میں معمولی نظر آئیں گے۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو پار کرتے ہوئے نکل جاتا ہے۔ شکاری اس کے پیکان کو دیکھتا ہے تو اس میں کچھ نہیں دیکھتا۔ وہ تیر کی لکڑی پر نظر کرتا ہے تو وہاں کچھ نہیں پاتا۔ وہ تیر کے پَر کو دیکھتا ہے تو کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے سوفار (چٹکی) میں شک کرتا ہے کہ شاید اس میں کوئی چیز ہو۔"

فوائد ومسائل: ① ان احادیث میں خارجی لوگوں کی صفات بیان ہوئی ہیں جو بے انتہا ریا کار اور دینی روپ میں فسق و فجور پھیلانے والے تھے۔ جس طرح تیر شکار کو لگتے ہی باہر نکل جاتا ہے وہی حال ان لوگوں کا ہوگا کہ اسلام میں آتے ہی اس سے باہر ہو جائیں گے۔ جس طرح تیر میں شکار کے خون وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا وہی حال ان کی تلاوت کا ہوگا، اس کا کوئی اثر ان کے دلوں پر نہیں ہوگا۔ بظاہر دیندار لیکن ان کے دل نور ایمان سے یکسر خالی ہوں گے۔ ② اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ جب تلاوت قرآن غیر اللہ کے لیے ہوگی تو ریا کاری اور شکم پروری (پیٹ پالنا) ہی ان کا مقصد ہوگا، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے ذریعے سے جنت کا سوال کرو قبل اس کے کہ لوگ قرآن کی تعلیم کو ذریعۂ معاش بنائیں گے کیونکہ قرآن کو تین قسم کے لوگ سیکھتے ہیں: ایک فخر وریا کاری کے

لیے، دوسرے شکم پروری کے لیے، تیسرے محض اللہ کی رضا کے لیے۔[1] بہرحال قرآن کریم کو محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے پڑھنا اور سیکھنا چاہیے۔[2]

٥٠٥٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالْأُتْرُجَّةِ، طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ، وَالْمُؤْمِنُ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهِ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَلَا رِيحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ، وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْحَنْظَلَةِ، طَعْمُهَا مُرٌّ أَوْ خَبِيثٌ، وَرِيحُهَا مُرٌّ». [راجع: ٥٠٢٠]

[5059] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اس مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا اور اس پر عمل بھی کرتا ہے سنگترے کی طرح ہے جس کا مزہ بھی لذیذ اور خوشبو بھی اچھی ہے۔ اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے جس کا ذائقہ تو اچھا ہے لیکن اس کی خوشبو نہیں ہوتی۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے گل بونہ کی ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہوتی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن بھی نہیں پڑھتا اندرائن کی طرح ہے جس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور اس کی بو بھی خراب ہوتی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں قرآن کریم کو ریاکاری کے طور پر پڑھنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے اور انھیں منافق قرار دیا گیا ہے۔ ② اس حدیث میں بیان کردہ تشبیہ و تمثیل دراصل موصوف کے وصف کی ہے جو خالص معقول معنی پر مشتمل ہے۔ یہ تشبیہ اس کی پوشیدگی کو ظاہر کرتی ہے، یعنی انسان کے ظاہر و باطن میں کلام اللہ کی تاثیر کارفرما ہے، اس میں لوگ مختلف ہیں۔ بعض میں یہ تاثیر پوری ہوتی ہے اور وہ اس سے پوری طرح متاثر ہوتے ہیں اور وہ مومن قاری ہے۔ بعض میں یہ تاثیر بالکل نہیں ہوتی وہ حقیقی منافق ہیں۔ بعض کا ظاہر تو متاثر ہوتا ہے لیکن باطن متاثر نہیں ہوتا وہ ریاکار لوگ ہوتے ہیں۔ اور بعض کا صرف باطن متاثر ہوتا ہے اور ظاہر پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا وہ مومن ہیں جو قرآن کریم کی تلاوت نہیں کرتے۔ بہرحال اس حدیث میں قرآن کریم کو ریاکاری کے طور پر استعمال کرنے والوں کا ذکر ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٣٧) بَابٌ: اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ

باب: - قرآن مجید کی تلاوت کرو جب تک تمھارے دل مانوس رہیں

٥٠٦٠ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ

[5060] حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت

① سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 258. ② فتح الباري: 9/126.

أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ». [انظر: ٥٠٦١، ٧٣٦٤، ٧٣٦٥]

ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قرآن مجید اس وقت تک پڑھو جب تک تمھارے دلوں میں الفت رہے، جب اس میں تمھیں اختلاف کا اندیشہ ہو تو اٹھ جاؤ۔''

٥٠٦١ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ جُنْدُبٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ». [راجع: ٥٠٦٠]

[5061] حضرت جندب بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تک تمھارے دل جمے رہیں قرآن مجید پڑھتے رہو اور جب اختلاف کرنے لگو تو اٹھ جاؤ۔''

تَابَعَهُ الْحَارِثُ بْنُ عُبَيْدٍ وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، وَلَمْ يَرْفَعْهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَأَبَانُ. وَقَالَ غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ: سَمِعْتُ جُنْدُبًا قَوْلَهُ. وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ عُمَرَ، قَوْلَهُ. وَجُنْدَبٌ أَصَحُّ وَأَكْثَرُ.

حارث بن عبید اور سعید بن زید نے ابوعمران سے روایت کرنے میں سلام بن ابومطیع کی متابعت کی ہے۔ مذکورہ حدیث کو حماد بن سلمہ اور ابان نے مرفوع ذکر نہیں کیا۔ غندر نے شعبہ کے ذریعے سے ابوعمران سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جندب ؓ سے ان کا قول سنا۔ اور ابن عون نے ابوعمران سے، وہ عبداللہ بن صامت سے، انھوں نے حضرت عمر ؓ سے ان کا قول ذکر کیا ہے لیکن جندب کی روایت اصح اور اکثر ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے کئی ایک مفہوم بیان کیے گئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ جب تک قرآن کی تلاوت میں دل لگا رہے تو اسے پڑھتے رہو، جب دل اچاٹ ہوجائے تو چھوڑ دو کیونکہ حضور قلب کے بغیر قرآن کی تلاوت کرنا انتہائی نامناسب ہے۔ ○ قرآن مجید اس وقت تک پڑھو جب تک تمھارے دل ملے جلے ہوں اور اختلاف وفساد کی نیت نہ ہو، پھر جب اختلاف پڑ جائے اور تکرار وفساد کی نیت ہوجائے تو قرآن پڑھنا موقوف کردو۔ ○ جب قرآن پڑھنے والوں میں الفت رہے تو قرآن پڑھتے رہو، جب اختلاف پیدا ہونے لگے تو جھگڑا نہ کرو بلکہ قرآن پڑھنا بند کردو۔ صحابۂ کرام ؓ کا اختلاف قراءات و لغات میں تھا اور انھیں اس قسم کا اختلاف چھوڑ دینے کا حکم ہوا تاکہ قراءات متواترہ کا انکار نہ کربیٹھیں۔ امام بخاری ؒ نے آئندہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث اسی معنی کی تائید میں بیان کی ہے کہ قراءت و لغات کو جھگڑے، فساد اور اختلاف کی وجہ نہ بنایا جائے۔

٥٠٦٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنِ النَّزَّالِ ابْنِ سَبْرَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ: أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ آيَةً سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ خِلَافَهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَاقْرَآ» أَكْبَرُ عِلْمِي قَالَ: «فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَأَهْلَكَهُمْ». [راجع: ٢٤١٠]

[5062] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ایک آدمی سے سنا جو ایک آیت ایسے طریقے سے پڑھ رہا تھا کہ انھوں نے نبی ﷺ سے اس کے خلاف سنا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو۔'' میرا غالب گمان ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''بلاشبہ تم سے پہلے لوگوں نے کتاب اللہ میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ کر دیا۔''

فائدہ: اس حدیث میں جس اختلاف سے منع کیا گیا ہے، اس سے دو قسم کا اختلاف مراد ہے: ○ قراءت کا وہ اختلاف جو احرف سبعہ سے خارج ہو اور اس کی بنیاد خبر واحد یا قراءت شاذہ ہو۔ ○ احرف سبعہ کا ایسا اختلاف جو قراءت متواترہ کا ذریعہ بن جائے۔ اس سے وہ اختلاف قطعاً مراد نہیں جس کا تعلق حروف سبعہ سے ہے اور اس کی بنیاد متواتر اسناد ہیں کیونکہ یہ اختلاف آسانی کا باعث ہے، مثلاً: ○ کسی حرف کے حذف و اثبات کا اختلاف، جیسے: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ [1] اس میں واؤ کا حذف اور اثبات دونوں طرح ہے۔ ○ حرکات کا اختلاف، جیسے: ﴿وَمَنْ يَّقْنَطْ﴾ میں نون پر زبر اور زیر کا اختلاف۔ ○ واحد اور جمع کا اختلاف، جیسے: ﴿كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ [2] میں کتاب مفرد اور کتب کا اختلاف۔ ○ تذکیر و تانیث کا اختلاف، جیسے: ﴿لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ﴾ [3] میں یحصن اور تحصن۔ ○ حرف کا اختلاف، جیسے: ﴿كِذَابًا﴾ میں تشدید اور تخفیف کا اختلاف۔ ○ نحو کا اختلاف، جیسے: ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ [4] میں المجید پر رفع اور کسرہ کا اختلاف۔ بہرحال احرف سبعہ کا اختلاف قطعاً مراد نہیں کیونکہ اس اختلاف کی بنیاد متواتر اسناد ہیں، ہاں ان کے متعلق ایسا اختلاف جو دوسری قراءات متواترہ کے انکار کا باعث ہو وہ یقیناً قابل مذمت ہے۔ [5]

[1] البقرة 2:116. [2] الأنبياء 21:104. [3] الأنبياء 21:80. [4] البروج 85:15. [5] عمدة القاري: 598/13.